بزم صوفیہ

سید صباح الدین عبدالرحمٰن

دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، یوپی

Marfat.com

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ

بزمِ صوفیہ

اس میں

تیموری عہد سے پہلے کے صاحب تصنیف اکابر صوفیہ کے حالات و تعلیمات و ارشادات کی تفصیل، ان کے ملفوظات اور تصنیفات کی روشنی میں بیان کی گئی ہے۔

مرتبہ

سید صباح الدین عبدالرحمٰن

دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، شبلی روڈ، اعظم گڈھ (ہند)

Marfat.com

111803

جملہ حقوق بحق دار المصنفین محفوظ

سلسلۂ دار المصنفین نمبر: ۷۴

نام کتاب : بزمِ صوفیہ

نام مصنف : سید صباح الدین عبد الرحمٰنؒ

صفحات : ۶۵۴

سن اشاعت : ۲۰۱۱ء

مطبع : معارف پریس، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ (ہند)

ناشر : دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ (ہند)

قیمت : Rs. 300-00

باہتمام : عبد المنان ہلالی

ISBN : 978-93-80104-75-1

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY
P.O. BOX NO. : 19
SHIBLI ROAD, AZAMGARH - 276 001 (U.P.)
e-mail : shibli_academy@rediffmail.com
Website : www.shibliacademy.org

Marfat.com

فہرست مضامین

بزمِ صوفیہ

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
دیباچہ طبع ثالث	۱	تصوف	۳۰
دیباچہ طبع ثانی	۴	صوفی کا لباس	۳۱
تقریب		ملامت	۳۱
مولانا عبدالماجد دریابادی	۷	رضا	۳۳
تمہید	۱۰	سکروصحو	۳۴
حضرت شیخ ابوالحسن علی ہجویریؒ	۱۵	عزلت نشینی	۳۵
نام ونسب	۱۵	مجاہدہ وریاضت	۳۵
تعلیم	۱۵	ولایت وکرامت	۳۶
تعلیم طریقت	۱۸	فناوبقا	۳۸
سیاحت	۱۹	غیبت وحضور	۳۹
ازدواجی زندگی	۲۲	جمع وتفرقہ	۳۹
ورودلاہور	۲۲	حلول روح	۴۱
وفات	۲۳	توحید	۴۲
تصنیفات	۲۴	ایمان	۴۳
علم	۲۵	طہارت	۴۳
فقر	۲۶	نماز	۴۴
صوفی کی اصلیت	۲۹	زکوٰۃ	۴۶

Marfat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
روزہ	۴۶	اجمیر	۶۶
حج	۴۷	ازدواجی زندگی	۶۸
مشاہدہ	۴۷	وصال	۶۹
آداب سالک	۴۸	محبت رسولؐ	۶۹
سماع	۴۹	مجاہدہ	۶۹
حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ	۴۹	حلم وعفو	۷۰
نام ونسب	۴۹	مریدوں سے محبت	۷۰
مولد	۵۰	فیاضی	۷۰
سنہ پیدائش	۵۲	حقوقِ ہمسایہ	۷۱
ابتدائی تعلیم	۵۵	لباس وغذا	۷۱
بیعت	۵۵	ذوقِ سماع	۷۱
شجرۂ طریقت	۵۶	علوئے مرتبت	۷۲
خدمت مرشد	۵۷	بادشاہوں کا خراجِ عقیدت	۷۳
مرشد کے ساتھ سیاحت	۵۷	تصنیفات	۷۷
سیاحت	۵۹	تعلیمات	۷۷
تکمیل ولایت	۶۲	دلیل العارفین	۷۸
ورودِ ہند	۶۳	تکمیل اخلاق	۷۸
قیام لاہور	۶۵	نماز	۷۸
ملتان میں آمد	۶۶	روزہ وحج	۷۹
دہلی کی تشریف آوری	۶۶	احترام کلام پاک	۷۹

Marfat.com

مضمون	صفحہ
اہل سلوک کی عبادتیں	۸۰
راہ سلوک کے گناہ	۸۰
عارف	۸۰
مقامات سلوک	۸۳
خلفاء	۸۴
حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ	۸۶
نام ونسب	۸۶
ابتدائی تعلیم	۸۶
بیعت	۸۷
عبادت	۸۷
سیاحت	۸۷
ورودِ دہلی	۹۲
قطب صاحب اور ایلتمش	۹۵
فقر	۹۷
جود وسخا	۹۷
استغنا	۹۸
صبر وتحمل	۹۸
ریاضت ومجاہدہ	۹۹

مضمون	صفحہ
حب رسولؐ	۱۰۰
ذوقِ سماع	۱۰۰
وصال	۱۰۱
مقام ودرجہ	۱۰۲
تصانیف	۱۰۲
تعلیمات	۱۰۳
سالک کی زندگی	۱۰۳
سالک اور محبت الٰہی	۱۰۳
راہِ سلوک کے درجے	۱۰۴
شریعت کی پابندی	۱۰۵
خلفاء	۱۰۵
اولاد	۱۰۵
حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ	۱۰۶
بیعت	۱۰۶
ذوقِ سماع	۱۰۷
پایۂ بزرگی	۱۰۸
تصانیف	۱۰۹
حضرت شیخ بہاء الدین زکریا سہروردیؒ	۱۱۱

Marfat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
خاندان	۱۱۱	فیاضی	۱۲۷
تعلیم	۱۱۲	حضرت شیخ صدرالدین عارف اور شہزادہ محمد سلطان	۱۲۸
بیعت	۱۱۲	صحبت کیمیا اثر	۱۳۲
شجرۂ طریقت	۱۱۳	علمی یادگار	۱۳۴
عظمت مرشد	۱۱۳	تعلیمات	۱۳۴
قیام ملتان	۱۱۴	وفات	۱۳۶
فیاضی	۱۱۵	**حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ**	۱۳۸
استغنا	۱۱۶	وجہ تسمیہ گنج شکر	۱۳۸
بردباری	۱۱۶	مولد	۱۴۰
تواضع	۱۱۷	سنہ ولادت	۱۴۰
محبت ومودت	۱۱۷	شجرۂ خاندانی	۱۴۰
محضر	۱۱۸	ابتدائی تعلیم	۱۴۲
جود وسخا	۱۲۱	سیاحت	۱۴۴
ذوق سماع	۱۲۲	خلافت	۱۵۰
عبادت وریاضت	۱۲۲	قیام ہانسی واجودھن	۱۵۰
وفات	۱۲۳	محنت شاقہ	۱۵۱
تعلیمات	۱۲۴	ذوق سماع	۱۵۲
خلفاء	۱۲۵	فقر وفاقہ	۱۵۳
حضرت شیخ صدرالدین عارفؒ	۱۲۶	استغنا	۱۵۵
روحانی مرتبہ	۱۲۶		

Marfat.com

مضمون	صفحہ
نرمی وملاطفت	۱۵۶
تواضع وخاکساری	۱۵۷
خدمت خلق اللہ	۱۵۷
ازدواجی زندگی	۱۵۷
ارباب دول سے کنارہ کشی	۱۵۹
فیوض وبرکات	۱۶۱
وصال	۱۶۱
اشاعت اسلام	۱۶۲
تصنیفات	۱۶۳
تعلیمات	۱۶۳
درویش	۱۶۳
صلاحیت دل	۱۶۴
سماع	۱۶۴
معرفت	۱۶۴
کرامت	۱۶۴
عشق الٰہی	۱۶۵
رزق	۱۶۶
توکل	۱۶۷
تلاوت کلام مجید	۱۶۸
خرقہ	۱۶۸
صوفی	۱۶۸
محبت مرشد	۱۶۹
ذکر حق	۱۶۹
اظہار کشف	۱۷۰
تکلیف ومصیبت	۱۷۰
علم شریعت	۱۷۰
شریعت کی پابندی	۱۷۰
محبت رسولؐ	۱۷۱
خلفاء	۱۷۲
حضرت شیخ فخر الدین عراقیؒ	۱۷۳
نام ونسب	۱۷۳
ابتدائی حالات	۱۷۳
کیفیت ومستی	۱۷۵
خلافت	۱۷۶
عدن میں پذیرائی	۱۷۷
حج	۱۷۷
سیاحت اقصائے روم	۱۷۸
وفات	۱۸۳
تصانیف	۱۸۵
حضرت شیخ امیر حسینیؒ	۱۹۰

Marfat.com

مضمون	صفحہ
نام ووطن	۱۹۰
بیعت	۱۹۰
وفات	۱۹۳
تصانیف	۱۹۳
حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ محبوب الٰہی	
اسم گرامی والقاب	۱۹۸
نسب نامہ	۱۹۸
پیدائش	۱۹۸
ابتدائی تعلیم	۱۹۸
کشش مرشد	۲۰۰
فقر وفاقہ	۲۰۳
خلوت در انجمن	۲۰۶
امراء کی آمد ورفت	۲۰۶
امیر خسرو	۲۰۶
دربار شاہی سے بے نیازی	۲۱۰
سلطان علاء الدین خلجی کی ایک نئی تصویر	۲۱۳
محبوب الٰہی کے فیوض وبرکات	۲۱۴
حضرت محبوب الٰہی اور قطب الدین خلجی	۲۱۸
سلطان غیاث الدین تغلق اور محضر سماع	۲۲۱
مجاہدہ وریاضت	۲۲۴
خلق اللہ کی محبت	۲۲۷
جود وسخا	۲۲۸
استغنا	۲۳۰
بردباری	۲۳۱
مخالفین سے حسن سلوک	۲۳۱
مریدوں کی محبت واصلاح	۲۳۲
محی الدین کاشانی کو سند خلافت	۲۳۳
مرشد کے اعزہ اور مریدوں سے محبت	۲۳۵
غذا	۲۳۶
لباس	۲۳۶
محبت رسولؐ	۲۳۷
وصال	۲۳۷
محبوب الٰہی کے ملفوظات	۲۳۸
رہروان سلوک کی قسمیں	۲۴۱
راہ سلوک کی لغزشیں	۲۴۱
عزیمت	۲۴۲

Marfat.com

مضمون	صفحہ
فراغت قلب	۲۴۲
عشق ومحبت	۲۴۲
صبر، رضا، توکل	۲۴۲
بنیاد حق	۲۴۳
سالک کا پرہیز	۲۴۳
توبہ	۲۴۴
ظاہری اخلاق	۲۴۴
حقوق العباد	۲۴۴
عیب پوشی	۲۴۴
حقوق ہمسایہ	۲۴۴
پابندی شریعت	۲۴۴
اظہار کرامت	۲۴۶
سماع	۲۴۶
خلفاء	۲۴۸
تبلیغ واشاعت اسلام	۲۴۸
حضرت شیخ بوعلی قلندر پانی پتیؒ	۲۴۹
نام ونسب	۲۴۹
جذب وسکر	۲۴۹
خواجہ شمس الدین ترک	۲۵۰
بلبن پر بزرگان دین کے اثرات	۲۵۳
حضرت شمس الدین ترک اور حضرت بوعلی قلندر	۲۵۵
شیخ بوعلی قلندر کا فیض	۲۵۶
سلطان جلال الدین خلجی کی عقیدت	۲۵۶
حضرت سیدی مولہ	۲۵۶
شیخ بوعلی قلندر سے سلطان علاء الدین خلجی کی عقیدت	۲۵۹
وصال	۲۶۲
اشاعت اسلام	۲۶۲
تصانیف	۲۶۲
حضرت ابوالفتح رکن الدینؒ	۲۷۱
خاندان	۲۷۱
تعلیم	۲۷۱
ریاضت	۲۷۲
خلافت	۲۷۳
سلطان ومشائخ سے تعلقات	۲۷۳
حضرت محبوب الٰہی سے محبت	۲۷۳
خدمت خلق اللہ	۲۷۹
حضرت محبوب الٰہی سے آخری ملاقات	۲۸۰
وصال	۲۸۱

Marfat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
نوربا طن	۲۸۲	رشد وہدایت	۲۹۰
تواضع	۲۸۳	طلب حق	۲۹۱
تعظیم اولاد استاد	۲۸۳	کمال انسان	۲۹۱
غذا	۲۸۳	دنیا کی حقیقت	۲۹۱
خیال دنیا و آخرت	۲۸۳	فضیلت محبت	۲۹۱
وصایا	۲۸۴	راحت رسانی	۲۹۲
حضرت شیخ برہان الدین غریبؒ	۲۸۶	عیب جوئی	۲۹۲
نام ونسب	۲۸۶	بخل وسخاوت	۲۹۲
وطن	۲۸۶	مہمان نوازی	۲۹۲
خاندان	۲۸۶	عدل واحسان	۲۹۲
تعلیم	۲۸۷	طہارت باطن	۲۹۲
عبادت	۲۸۷	اہل وعیال کے حقوق	۲۹۳
قیام دہلی	۲۸۷	شیخ کے اقوال کی مقبولیت	۲۹۳
ارادت	۲۸۷	شیخ کی شیریں کلامی	۲۹۳
مقبولیت	۲۸۸	مستفیدین	۲۹۳
عتاب مرشد	۲۸۸	حضرت شیخ سے سلاطین کی عقیدت	۲۹۷
خلافت	۲۸۹	ذوق سماع	۲۹۸
احترام مرشد	۲۸۹	ریاضت	۲۹۸
دکن کوروانگی	۲۹۰	غذا	۲۹۸
اشاعت اسلام	۲۹۰	لباس واسباب	۲۹۹

Marfat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
علالت	۲۹۹	فقر	۳۰۶
وفات	۲۹۹	صحو وسکر	۳۰۶
درجہ ومقام	۳۰۰	تلوین وتمکین	۳۰۶
ملفوظات	۳۰۰	جلال وجمال	۳۰۷
شمائل الاتقیاء	۳۰۱	حضرت غریب کے مریدوں	
رسالہ غریب	۳۰۲	کی تصانیف	۳۰۷
تلاوت قرآن پاک	۳۰۳	**حضرت مولانا ضیاء الدین بخشیؒ**	۳۰۸
روزہ	۳۰۳	نام ووطن	۳۰۸
حج	۳۰۳	ارادت	۳۰۸
عبادت	۳۰۴	عزلت نشینی	۳۰۹
شریعت، طریقت وحقیقت	۳۰۴	سال وفات	۳۰۹
سلوک ملکوتی	۳۰۴	تصانیف	۳۰۹
ذکر	۳۰۴	سلک السلوک پر ایک نظر	۳۰۹
جمع وتفرقہ	۳۰۴	جزئیات وکلیات	۳۱۳
علم الیقین وعین الیقین	۳۰۵	شرح دعائے سریانی	۳۱۴
موت	۳۰۵	گلریز	۳۱۴
رضا وصبر	۳۰۵	طوطی نامہ	۳۱۴
حضور	۳۰۵	عشرہ مبشرہ	۳۱۴
رویت	۳۰۶	**حضرت شیخ خواجہ نصیر الدین محمود**	
رموز الوالہین	۳۰۶	**چراغ دہلیؒ**	۳۱۵

Marfat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
نام ونسب	۳۱۵	ذوق سماع	۳۴۲
ابتدائی تعلیم	۳۱۵	قاتلانہ حملہ	۳۴۴
ترک تجرید	۳۱۶	وصال	۳۴۴
بیعت	۳۱۶	لطافت طبع	۳۴۵
ریاضت	۳۱۸	تجرد	۳۴۵
قیام دہلی	۳۲۱	بزرگی	۳۴۵
مرشد کی جانشینی	۳۲۲	ملفوظات	۳۴۶
تنگی معاش	۳۲۲	جذب وسلوک	۳۴۶
فارغ البالی	۳۲۲	حال وقال	۳۴۷
تلقین	۳۲۳	صحت نفس	۳۴۷
چراغ دہلی کا لقب	۳۲۵	غسل کی قسمیں	۳۴۸
رشد وہدایت	۳۲۵	چار عالم	۳۴۸
شاہی ملازمین کی اصلاح	۳۳۰	تجلیہ روح	۳۴۸
رجوع خلق سے ریاضت میں خلل	۳۳۲	محبت کی قسمیں	۳۴۹
شاہی دربار سے تعلقات	۳۳۳	خلفاء	۳۵۰
حضرت چراغ دہلی اور سلطان فیروز شاہ	۳۳۹	حضرت شرف الدین احمد ابن یحییٰ منیریؒ	۳۵۲
حضرت چراغ دہلی اور خان جہاں	۳۴۰	ولادت ونسب	۳۵۲
حضرت چراغ دہلی اور حضرت قطب الدین منور کی ملاقات	۳۴۱	خاندان	۳۵۲
		تعلیم	۳۵۲

Marfat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
تلاش مرشد	۳۵۴	روحانی سرمائے	۳۷۹
وصایائے مرشد	۳۵۵	مکتوبات دوصدی	۳۸۱
شجرۂ شیوخ	۳۵۷	مکتوبات بست وہشت	۳۸۱
صحرانوردی	۳۵۸	فوائد رکنی	۳۸۲
نفس کشی	۳۵۸	معدن المعانی	۳۸۳
بہار شریف کی اقامت	۳۶۰	خوان پر نعمت	۳۸۵
رشد وہدایت	۳۶۱	مخ المعانی	۳۸۶
سلطان وقت کو تلقین	۳۶۲	فوائد غیبی	۳۹۰
امراء کو تلقین	۳۶۵	گنج لایعنی	۳۹۱
درویشانہ زندگی	۳۷۱	مونس المریدین	۳۹۱
خشیت الٰہی وحب اللہ	۳۷۱	راحت القلوب	۳۹۵
اتباع سنت	۳۷۲	ارشاد الطالبین	۳۹۵
خدمت خلق اللہ	۳۷۲	ارشاد السالکین	۳۹۵
دل جوئی و پردہ پوشی	۳۷۲	رسالہ مکیہ وذکر فردوسیہ	۳۹۵
عجز وانکسار	۳۷۳	شرح آداب المریدین	۳۹۶
احترام اولیاء اللہ	۳۷۳	فوائد المریدین	۳۹۶
تربیت مرید	۳۷۵	اجوبہ	۳۹۶
ذوق سماع	۳۷۷	لطائف المعانی	۳۹۶
وصال	۳۷۹	دوسری تصنیفات	۳۹۶
علوئے مرتبت	۳۷۹	تعلیمات	۳۹۷

Marfat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
توحید	۳۹۷	اسم گرامی ولقب	۴۰۸
نور	۳۹۸	خاندان	۴۰۸
ادراک	۳۹۸	ولادت وطفلی	۴۱۰
تجلی	۳۹۹	تعلیم	۴۱۱
وصل	۴۰۰	بیعت وخلافت	۴۱۳
توبہ	۴۰۰	شریعت کی پابندی	۴۱۵
ایمان	۴۰۱	اتباع سنت	۴۱۷
معرفت	۴۰۱	کرامات	۴۱۹
تقویٰ	۴۰۱	سیاحت	۴۱۹
مجاہدۂ نفس وریاضت	۴۰۱	مراجعت ہند	۴۲۴
ترک دنیا	۴۰۲	رشد وہدایت	۴۲۵
سالک کی مشغولیت	۴۰۳	دربار شاہی سے تعلقات	۴۲۷
ذکر	۴۰۳	فیروز شاہی پر بزرگان دین	
فکر	۴۰۴	کے اثرات	۴۳۵
سالک کا ظاہری اخلاق	۴۰۵	فیاضی	۴۳۸
علم	۴۰۶	مہمان نوازی	۴۴۰
شریعت کی پابندی	۴۰۶	عفو ودرگزر	۴۴۰
خلفاء	۴۰۷	غیر شرعی تعلیم سے پرہیز	۴۴۰
حضرت سید جلال الدین بخاری		خاک ساری	۴۴۱
مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ	۴۰۸	معاصر صوفیہ کا احترام	۴۴۱

Marfat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
سماع	۴۴۱	ترک سلطنت	۴۵۲
اشاعت اسلام	۴۴۲	سفر	۴۵۲
ازدواجی زندگی	۴۴۲	بیعت	۴۵۳
وصال	۴۴۳	نواح جون پور کا سفر	۴۵۵
ملفوظات	۴۴۳	قیام محمد آباد گہنہ	۴۵۵
تعلیمات	۴۴۶	قیام ظفر آباد	۴۵۶
فقر	۴۴۶	اکتسابات	۴۵۸
شرائط ذکر	۴۴۷	قاضی شہاب الدین دولت آبادی	۴۵۹
عقبات سالک	۴۴۷	اشاعت اسلام	۴۶۲
مقامات سالک	۴۴۷	قیام روح آباد	۴۶۲
حالات سالک	۴۴۸	فیوض	۴۶۳
منازل سلوک	۴۴۸	ارباب ثروت کی اصلاح	۴۶۶
معرفت	۴۴۹	سفر آخرت	۴۶۹
خلفاء	۴۴۹	روحانی مرتبہ	۴۷۱
حضرت سید اشرف		علمی مرتبت	۴۷۱
جہاں گیر سمنانیؒ	۴۵۱	نماز جمعہ کی پابندی	۴۷۲
لقب	۴۵۱	خلفاء	۴۷۲
وطن وخاندان	۴۵۱	تعلیمات	۴۷۵
تعلیم	۴۵۱	علم کی اہمیت	۴۷۷
اورنگ نشینی	۴۵۱	توحید	۴۷۷

Marfat.com

مضمون	صفحہ
وحدت وجود	۴۷۸
ولایت	۴۸۰
ولایت کے شرائط	۴۸۱
ارادت کے شرائط	۴۸۱
شیخ کے آداب	۴۸۲
مرید کے آداب	۴۸۲
شیخ کے اوصاف	۴۸۳
مرید کی تعلیم	۴۸۳
توبہ	۴۸۴
نماز	۴۸۴
روزہ	۴۸۴
زکوٰۃ	۴۸۴
حج	۴۸۴
جہاد	۴۸۵
توکل	۴۸۵
تسلیم ورضا	۴۸۵
جود وایثار	۴۸۶
کھانے کے آداب	۴۸۶
مہمان داری	۴۸۷
حضرت سید محمد گیسو درازؒ	۴۸۸

مضمون	صفحہ
اسم گرامی والقاب	۴۸۸
نسب نامہ	۴۸۸
خاندان	۴۸۹
قیام دیوگیر	۴۸۹
طفلی	۴۸۹
ابتدائی تعلیم	۴۸۹
مراجعت دہلی	۴۹۰
بیعت	۴۹۰
تربیت	۴۹۰
ریاضت	۴۹۱
خدمت مرشد	۴۹۲
شفقت مرشد	۴۹۳
سجادہ نشینی	۴۹۴
علماء اور حضرت گیسو درازؒ	۴۹۵
فیروز تغلق اور حضرت گیسو درازؒ کی مجلس سماع	۴۹۷
سفر دکن	۴۹۷
حضرت سید گیسو درازؒ اور فیروز شاہ بہمنی	۴۹۸
احمد شاہ بہمنی اور حضرت سید گیسو درازؒ	۵۰۰

Marfat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
مقبولیت	۵۰۱	معمولات شب	۵۱۵
طریقۂ بیعت	۵۰۲	روزے	۵۱۶
معمولات	۵۰۳	طی کے روزے	۵۱۶
سماع	۵۰۵	اعتکاف	۵۱۶
ازدواجی زندگی	۵۰۶	آداب طعام	۵۱۷
وصال	۵۰۷	آداب سماع	۵۱۷
رتبۂ بلند	۵۰۷	احترام شیخ	۵۱۸
تصنیف	۵۰۹	احترام شریعت	۵۱۹
مکتوبات	۵۱۲	تزکیہ اخلاق	۵۱۹
ملفوظات	۵۱۲	شرکت جہاد	۵۲۱
دیوان	۵۱۳	شاہی ملازموں کا اخلاق	۵۲۱
تعلیمات	۵۱۳	بادشاہ کا اخلاق	۵۲۱
وضو	۵۱۴	خلفاء	۵۲۲
نماز فجر	۵۱۴	**حضرت شیخ احمد عبدالحق**	
اشراق	۵۱۴	**نوشہ رودولوی ؒ**	۵۲۳
چاشت	۵۱۴	نام ونسب	۵۲۳
قیلولہ	۵۱۴	ردولی میں سکونت	۵۲۳
نماز فی زوال	۵۱۴	شیخ داؤد	۵۲۳
ظہر، عصر، مغرب	۵۱۵	بچپن اور تعلیم	۵۲۴
عشاء	۵۱۵	شادی سے انکار	۵۲۶

Marfat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
پیر کی تلاش اور مخدوم جلال الدین	۵۲۶	امرا کی تادیب واصلاح	۵۳۹
کبیر الاولیاء کے آستانہ پر حاضری	۵۲۶	بعض سبق آموز واقعات	۵۳۹
بیعت سلوک کی تربیت اور خلافت	۵۲۸	تنعم کی زندگی عذاب دوزخ کا ذریعہ ہے	۵۴۰
سنام میں قیام	۵۲۹	بعض ملفوظات	۵۴۱
ایک خواب اور اس کی تعبیر	۵۳۰	سلسلہ چشتیہ صابریہ میں آپ کا درجہ	۵۴۱
سوز عشق میں سیاحت	۵۳۰	مشائخ زادوں کی اصلاح وتربیت	۵۴۳
ارشاد وہدایت اور طریقہ تربیت	۵۳۲	وفات	۵۴۴
محویت واستغراق	۵۳۳	اولاد امجاد	۵۴۴
نماز باجماعت کا اہتمام	۵۳۴	شیخ عبدالقدوس گنگوہی	۵۴۶
اخلاص فی العبادۃ	۵۳۴	خلفاء وممتاز مریدین	۵۴۸
حفظ شریعت میں اہتمام	۵۳۵	ضمیمہ	
اتباع سنت	۵۳۵	ملفوظات خواجگان چشت	۵۵۱
ذوق سماع	۵۳۶	ہندوستان میں وحدۃ الوجود	
زہد عن الدنیا	۵۳۷	کے مسئلہ پر ایک نظر	۶۰۸

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع ثالث

بزم صوفیہ کا یہ تیسرا ایڈیشن ناظرین کے سامنے ہے، الحمدللہ کہ اس کی مانگ برابر جاری ہے، عاجز راقم کو خوشی ہے کہ اس کے ذریعہ سے ہمارے بزرگان دین کی تعلیمات کی ترویج ہو رہی ہے، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور ان کے سلسلہ کے بزرگوں میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ اور حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کے حالات اور تعلیمات زیادہ تر ان کے ملفوظات کے حوالہ سے پیش کی گئی ہیں، جن کو موجودہ دور کے کچھ لوگ اصل کے بجائے جعلی اس لیے سمجھتے ہیں کہ ان کا ذکر قدیم کتابوں میں نہیں ملتا ہے، مگر یہ ان کی کوتاہی نظر ہے، سیر الاولیا کے مصنف اپنے کو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کا مرید کہتے ہیں، اس میں جا بہ جا یہ بیانات ہیں:

''در ملفوظات شیخ الاسلام شیخ معین الدین سجزی بنشتہ دیدہ ام۔'' (ص ۲۶۶)

''کاتب حروف در ملفوظات شیخ الاسلام معین الدین سجزی قدس اللہ سرہ العزیز بنشتہ

Marfat.com

دیدہ است۔" (ص ۴۹۱)

"دربیان بعضے ملفوظات شیخ شیوخ العالم فرید الحق قدس اللہ سرہ العزیز سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز بخط مبارک خود در قلم آوردہ۔" (ص ۴۷)

"بزرگے از ملفوظات شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز پانصد کلمہ جمع کردہ است، ازاں جملہ کلمہ آوردہ شدہ۔" (ص ۷۶)

ان بیانات سے تو ظاہر ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کے ملفوظات مرتب ہوئے، ان میں مجموعوں کے نام تو نہیں دیے گئے ہیں لیکن شمائل الاتقیا حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی وفات کے چودہ سال کے بعد ان کے خلیفہ حضرت برہان الدین غریبؒ کے حکم سے لکھی گئی، اس کے لکھنے میں اس کے مرتبؒ نے جن کتابوں سے استفادہ کیا ہے، انیس الارواح ملفوظ شیخ عثمان ہارونیؒ، دلیل العارفین ملفوظ شیخ معین الدین سجزیؒ، فوائد السالکین ملفوظ شیخ قطب الدین بختیار اوشیؒ، راحت القلوب و اسرار المنجزین ملفوظ شیخ فرید الحق والدین اجودھنیؒ کا بھی ذکر ہے (ص ۶، مطبوعہ اشرف پریس، حیدرآباد دکن)، اس سے ظاہر ہے کہ یہ ملفوظات اس زمانہ میں زیر مطالعہ رہے، اگر مختلف نسخوں کو سامنے رکھ کر ایڈٹ کر کے شائع کیے جائیں تو جو لوگ محض اپنے قیاسات سے ان کو جعلی قرار دیتے ہیں، وہ ان کو اصلی سمجھنے میں تامل نہ کریں گے۔

اس نئے ایڈیشن میں "ہندوستان میں مسئلہ وحدت الوجود پر ایک نظر" کے عنوان سے ایک باب کا اضافہ کر دیا گیا ہے، امید ہے کہ اس کے مطالعہ کے بعد وحدت الوجود کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی، وحدت الوجود کی دو قسمیں ہیں، اسلامی اور غیر اسلامی، اسلامی وحدت الوجود اگر کسی منزل پر اسلامی شریعت سے عاری یا دور ہو جاتی ہے تو یہ ایک تخیل یا ایک فلسفہ یا ایک خاص مسلک ہے، اسلامی وحدت الوجود نہیں ہے، اسلامی وحدت الوجود میں ایمان و کفر، ہدایت و ضلالت، نیکی و بدی اور ثواب و عذاب کی

Marfat.com

تفریق ہر حال میں لازمی ہے، کسی حال میں کتاب وسنت کی خلاف ورزی اسلامی وحدت الوجود میں جائز نہیں۔

ہیچمدان

سید صباح الدین عبدالرحمٰن

دارالمصنّفین، اعظم گڑھ

۲۰/جون ۱۹۷۹ء

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ طبع ثانی

بزم صوفیہ کا یہ نیا ایڈیشن ناظرین کے ہاتھوں میں ہے، اس کا پرانا ایڈیشن کئی سال پہلے ختم ہو گیا تھا، اس کو بہت کچھ اضافہ کے ساتھ شائع کرنے کا خیال رہا، جس سے اس کی کتابت و طباعت میں کافی تاخیر ہو گئی، بعض مجبوریوں کی بنا پر اس میں حسب خواہش اضافہ نہ ہو سکا، پھر بھی اس نئے ایڈیشن میں کچھ باتیں نئی ملیں گی۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے سوانح حیات کو مستند طریقہ پر مرتب کرنے کی بہت کوشش کی لیکن جو مواد ملا، وہ ان کے زمانے سے بہت دور کا تھا اور وہ بھی کچھ ایسا الجھا ہوا ہے کہ اس کے سلجھانے میں بڑی دقت پیش آئی، اس سلسلہ میں اپنی ناچیز کوشش سے جو کچھ جمع کر سکا، وہ ناظرین کے سامنے ہے، ان کے اور ان کے جانشینوں کے ملفوظات کے متعلق ایک بحث اٹھ کھڑی ہوئی ہے کہ یہ اصلی ہیں یا جعلی، اس خاکسار کا ایک مضمون "ملفوظات خواجگان چشت" کے عنوان سے اکتوبر، نومبر، دسمبر ۱۹۶۴ء کے معارف میں شائع ہوا تھا جو ہندوستان و پاکستان میں بڑی دل چسپی سے پڑھا گیا، وہ ضمیمہ کے طور پر اس کتاب

Marfat.com

کے آخر میں ہے، اس سے ان ملفوظات کی صحیح نوعیت کا اندازہ ہو جائے گا۔

اس کتاب میں جن بزرگانِ دین کے حالات لکھے گئے ہیں، ان کی ولادت، وفات اور بعض دوسرے واقعات کے سنین متعین کرنے میں پہلے ایڈیشن کی طرح نئے ایڈیشن میں بھی تسامحات ہو جانے کا احتمال ہے کیوں کہ تذکرہ نویسوں کے یہاں ان سنین کے لکھنے میں بڑا اختلاف ہے، حتی الوسع ان کو صحیح لکھنے کی کوشش کی گئی ہے، پہلے ایڈیشن میں جو غلطیاں نظر آئیں، وہ درست کر دی گئی ہیں۔

بعض اور صاحبِ تصانیف و ملفوظات صوفیائے کرام کے حالات کو قلم بند کر کے اس نئے ایڈیشن میں شامل کرنے کا ارادہ تھا لیکن کتاب کی ضخامت بہت بڑھ گئی، اس لیے صرف حضرت شیخ عبدالحق ردولویؒ کے حالات اضافہ کر دینے پر اکتفا کیا گیا ہے، اس باب کو جناب شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی، ناظم دار المصنفین نے لکھا ہے، اس کے لکھنے کا حق ان ہی کو تھا کیوں کہ وہ اسی خانوادہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

یہ سطریں لکھتے وقت استاذی المحترم علامہ سید سلیمان ندویؒ (المتوفی ۱۹۵۳ء) نظروں میں گھوم رہے ہیں، ان ہی کی رہ نمائی میں یہ کتاب تیار ہوئی، وہ اس پر ایک طویل مقدمہ تحریر فرمانے کا ارادہ رکھتے تھے، جب یہ چھپ کر ختم ہوئی تو وہ مکہ معظمہ میں تشریف رکھتے تھے، وہاں سے واپسی کے بعد بہت دنوں علیل رہے، اس لیے وہ اپنے مقدمہ سے اس کتاب کی زینت نہ بڑھا سکے، جس کا اس راقم کو بڑا افسوس رہا، اس کے نئے ایڈیشن میں اپنا مقدمہ لکھنے کا وعدہ کر کے میری حوصلہ افزائی فرماتے رہے، دکھ ہے کہ نیا ایڈیشن ان کی زندگی میں شائع نہ ہو سکا، جو میرے لیے بڑی محرومی کا باعث ہے لیکن انہوں نے اپنے ایک گرامی نامہ میں تحریر فرمایا تھا:

''تمہاری یہ کتاب ان شاء اللہ مفید ہوگی کیوں کہ اس کا انداز اصلاحی ہے اور بابرکت بھی، مصنف کے لیے باعث خیر اور موجب اجر ہوگی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔''

Marfat.com

یہ دعا خاک سار مرتب کے لیے بہت بڑی سعادت اور دستاویز ہے۔

یہ کتاب جتنی پڑھی گئی اتنی خریدی بھی جاتی تو اس کے اب تک کئی ایڈیشن نکل گئے ہوتے، لاہور کے ایک ہفتہ وار اخبار نے تو اپنے ناظرین کے لیے پوری کتاب کو قسط وار شائع کیا اور اب بھی بعض رسالے اور اخبار اس کے ابواب کو شائع کرتے رہتے ہیں۔

میں پروفیسر خلیق احمد نظامی شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا ممنون ہوں کہ انہوں نے اپنے ذاتی کتب خانہ سے وقتاً فوقتاً بعض تذکرے عنایت کیے۔

ہیچمدان

سید صباح الدین عبدالرحمٰن

دارالمصنفین، اعظم گڑھ

۱۰ر مارچ ۱۹۷۱ء

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریب

از مولانا عبدالماجد دریابادی

بزم صوفیہ کتاب تصوف کی نہیں، تاریخ کی ہے، گو وہ تاریخ صوفیہ صحیح، اس کی تالیف کا حق یقیناً مؤلف سید صباح الدین عبدالرحمٰن کو حاصل تھا، جو تاریخ کے پرانے متعلم اور اس اقلیم کے دیرینہ رہ نورد ہیں۔

تقریب نگاری کا حکم ایک ایسے عامی کو ملا ہے، جسے نہ تصوف سے مس نہ تاریخ سے لگاؤ، تعمیل ارشاد میں جو کچھ آرہا ہے، محض ایک عامیانہ خامہ فرسائی ہوگی۔

کتاب میں انیس ایسے اکابر شیوخ کے حالات، تعلیمات اور بعض کے خاصے مفصل درج ہیں، جو ہندوستان میں رہے، بسے، جن سے امت کی شوکت وعزت میں اضافہ ہوا، اور جن کی تعلیمات آج تک کسی نہ کسی حد تک تحریری شکل میں محفوظ چلی آئی ہیں، ان کی تاریخ قلم بند کرنا تاریخ امت کے ایک اہم و روشن باب کی تکمیل کرنی تھی۔

Marfat.com

ہندوستان کا لفظ ابھی استعمال ہوا ہے، یہ ذہن نشین رہے کہ اس سے مراد وہ ہندوستان ہے جس کے اندر پاکستان بھی شامل تھا، لاہور، ملتان وغیرہ اب پاکستان کے علاقے ہیں، کتاب کی تسوید کے وقت ہندوستان میں شامل تھے۔

ذاتی سرگذشتوں کی داستان کسی کی بھی ہو، دل چسپ ہوتی ہے، چہ جائے کہ ان بزرگوں کی سرگذشت، جو فنائیت کے پتلے، تسلیم و رضا کے بندے اور محبت اور محبوبیت کے مجسمے تھے، دل آویزی ان کے تذکروں میں نہ ہوگی تو اور کہاں ملے گی اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا اور پھر جب کہ داستان گو خود داستان سرائی سے واقف اور اس فن میں منجھا ہوا ہو

ع ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا

مؤلف سلمہ کی حیثیت اس کتاب میں محض ایک ناقل اور محتاط ناقل کی ہے، ناقد یا تبصرہ نگار کی نہیں، ملفوظات اور مکتوبات کے انبارِ عظیم میں انہیں جو کچھ اخذ و نقل کے قابل نظر آیا، حسنِ ترتیب و سلیقہ مندی کے ساتھ یک جا کر دیا، احتیاط اپنے نزدیک اس کی کرلی کہ جو امور خلافِ شریعت یا بہت زیادہ مبالغہ آمیز نظر آئے، انہیں نظر انداز کر دیا، لیکن اتنی احتیاط ناکافی رہی، کتاب میں خال خال نہیں کثرت سے مقامات ایسے آ گئے ہیں، جن سے ایک سیدھے سادے متبع شریعت مسلمان کو وحشت ہونا لازمی ہے، قصور مؤلف کا نہیں، اصل ماخذوں کا ہے:

ع ہو غم ہی جاں گداز تو غم خوار کیا کریں

اول تو یہ حضرات صوفیہ واللہ اعلم کن کن احوال و مقامات سے گزرتے رہتے ہیں، ان کے سیر و سلوک کی بہت سے منزلیں ہی ہم عوام و اہل ظاہر کے لیے ناقابل فہم، اس پر طرہ ان کی خاص خاص اصطلاحات اور رمز و کنائے، لفظ بولا کچھ گیا اور مراد اس سے کچھ لی گئی اور سب سے بڑھ کر خوش عقیدہ ملفوظ نویس حضرات کا عقیدت مندانہ غلو، کہیں خاص کو عام کر دیا،

Marfat.com

کہیں مواجید و کیفیات کو شرائع واحکام کا درجہ دے دیا، غرض بات کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔

ناظرین سے بہ ادب استدعا ہے کہ کتاب کو سیر و تاریخ کی حیثیت سے پڑھیں، عقائد واعمال کا استناد واستنباط اس سے نہ کرنے لگیں۔

اسلامی تاریخ ہند کی اس محدود مدت میں ظاہر ہے کہ ان انیس ناموں کے علاوہ بہت سے نام مل سکتے تھے لیکن بہر حال وقت اور کاغذ کی گنجائش محدود ہی ہوتی ہے، اور دائرہ انتخاب کو کسی نہ کسی منزل پر بند کرنا ہی تھا، مؤلف کا انتخاب ماشاءاللہ بہت خوب رہا، ایسا کہ اس پر بے اختیار صاد کرنے کا دل چاہتا ہے۔

اللہ مؤلف سلمہٗ کی عمر اور وقت میں بہت بہت برکت دے، حصہ دوم کے لیے ابھی بڑا میدان پڑا ہوا ہے۔

کتاب اردو کے متین و صالح ادب میں ایک شائستہ اضافہ ہے، اس کے پڑھنے والوں میں یقیناً بہت سے صالحین اور اہل دل ہوں گے، ان سے درخواست ہے کہ اپنی دعاؤں میں مؤلف کتاب کو، تقریب نگار کو اور ادارۂ دارالمصنفین کو فراموش نہ فرمائیں۔

دریاباد، بارہ بنکی

۱۹؍جنوری ۱۹۵۰ء مطابق ۲۹؍ربیع الاول ۱۳۶۹ھ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور تبع تابعین کی طرح صلحا و اخیار امت کی زندگی بھی مسلمانوں کے لیے نمونہ ہے، اس لیے دار المصنفین کے سلسلہ سیر الصحابہ اور تابعین کے بعد سیرت صوفیہ کی بھی ضرورت تھی، یہ کتاب اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، راقم سطور تاریخ ہند کا ایک ادنیٰ طالب علم ہے، اس لیے اس کتاب کی ترتیب میں یہ بھی مطالعہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ خانقاہ کے بوریہ نشینوں نے اپنے عہد کے مسلمانوں کے مذہب، اخلاق، معاشرت اور سیاست کو کس طرح سنوارا، تاریخ ہند کے مطالعہ میں عموماً مسلمان حکم رانوں کے افعال و کردار سے اس زمانہ کے مسلمانوں کے اخلاق و سیرت کا اندازہ لگایا جاتا ہے، جو صحیح نہیں، ہندوستان میں صلحا و مشائخ ہی نے اسلام کی معنوی شوکت و عظمت قائم کی، اس لیے ان کے حالات و تعلیمات کو ہندوستان کے اسلامی عہد کی تاریخ کا ضروری جزو سمجھنا چاہیے۔

اب تک صوفیائے کرام کے جتنے تذکرے لکھے گئے ہیں، ان میں زیادہ تر ان کی کرامات، خوارق عادات کی تفصیل بیان کی گئی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان بزرگان دین کی

Marfat.com

اصلی تصویر نظروں سے بالکل اوجھل رہی، ممکن ہے اس حقیر تالیف میں ناظرین کو ہندوستان کے مشائخ کی کچھ ایسی نئی تصویریں ملیں جو اور تذکروں میں شاید نہ مل سکیں۔

اس کتاب میں صوفیائے کرام کے کرامات وخوارق عادات کا ذکر اس لیے نہیں کیا گیا ہے کہ راقم ان کا قائل نہیں، بلکہ اس لیے کہ جس طرح بعض لوگوں کے نزدیک معجزہ نبوت کی دلیل نہیں، اسی طرح کرامت بھی ولایت کا ثبوت نہیں، خود اولیاء اللہ اپنی کرامتوں کو اپنا کوئی شرف اور کمال نہیں سمجھتے، اس لیے ان کو اوصاف میں شمار کرنا ضروری نہیں سمجھا گیا ہے۔

ہندوستان کے جس دور کے صوفیائے کرام کے حالات اس تالیف میں لکھے گئے ہیں، اس میں اتنے اکابر صوفیہ گزرے ہیں کہ اگر ان میں سے ہر ایک کے حالات قلم بند کیے جاتے تو کئی جلدوں کی ضرورت ہوتی، جو میرے لیے ممکن نہ تھا، اس لیے اس کتاب میں ان ہی اکابر صوفیہ کے حالات پیش کیے گئے ہیں جنہوں نے اپنے ملفوظات، مکتوبات اور وصایا کا کوئی مجموعہ یا کوئی تصنیف چھوڑی ہے، ان ہی کی مدد سے ان کی اصلی تعلیمات ہدیۂ ناظرین کی گئی ہیں، حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ کا زمانہ زیادہ تر تو تیموری عہد سے پہلے ہی گزرا ہے لیکن ان کا وصال ۹۵۰ھ میں یعنی ہمایوں کی بادشاہت شروع ہونے کے بعد ہوا، اس لیے یہ مناسب سمجھا گیا کہ ان کا شمار تیموری عہد کے صوفیائے کرام میں کیا جائے۔

جن مشائخ کے حالات لکھے گئے ہیں ان میں سے بعض کے سال وفات میں بڑا اختلاف ہے، اس اختلاف پر بحث کرنے سے قصداً گریز کیا گیا ہے، کیوں کہ بحث طویل ہوتی اور کوئی خاص مفید نتیجہ ظاہر نہیں ہوتا، حالات لکھتے وقت ترتیب میں حتی الوسع سنہ وفات کا خیال رکھا گیا ہے۔

اس کتاب میں صوفیائے کرام کی بعض تعیمات بار بار دہرائی گئی ہیں، اور ایسا قصداً کیا گیا ہے تا کہ ناظرین کو اندازہ ہو کہ بزرگان دین کی تعلیمات ہر زمانہ میں یکساں ہی رہی ہیں۔

Marfat.com

عام طور پر یہ غلط فہمی ہے کہ خواجگان چشت کی تعلیمات میں زیادہ ترنگینی و مستی اور نغمہ وسرود کی آواز سنائی دیتی ہے، لیکن اس کتاب کے مطالعہ سے یہ خیال زائل ہو جائے گا۔

خواجگان چشت کے بہت سے ایسے ملفوظات ہیں جن کو الحاقی کہا جا سکتا ہے، چنانچہ سیر العارفین میں ہے:

''ایک شخص نے حضرت نصیرالدین محمود اودھیؒ سے عرض کیا کہ میں نے خواجہ قطب الحق والدین قدس سرہ کے ملفوظات میں ایسا کچھ لکھا ہوا دیکھا ہے، آپ نے جواب میں فرمایا کہ بالکل غلط ہے، میں نے بہ چشم خود دیکھا ہے، حاشا اللہ یہ کلام ان کا نہیں ہے، اکثر غلط غلط کلمات الحاقی ہیں، جو مجاوروں نے بڑھا دیے ہیں، کسی طرح قطب صاحب قدس سرہ کے حال اور اعمال کے موافق نہیں ہیں۔'' (ج ۲، ص ۴۲)

اس لیے ان میں یہ خیال رکھا گیا ہے کہ کون سا ملفوظ الحاقی ہو سکتا ہے، جو ملفوظ شریعت کے خلاف یا حد درجہ مبالغہ آمیز معلوم ہوا، اس کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

خواجگان چشت کے ملفوظات مثلاً انیس الارواح (مرتبہ حضرت خواجہ معین الدینؒ) دلیل العارفین (مرتبہ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ) فوائد السالکین (مرتبہ حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ) راحت القلوب (مرتبہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ) کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان بزرگوں نے ان کو مرتب نہیں کیا، بلکہ بعد میں ان کے اسمائے گرامی ان کی طرف منسوب کر دیے گئے ہیں لیکن ان ہی ملفوظات سے ان بزرگان دین کے حالات اور تعلیمات معلوم ہوتی ہیں، اس لیے ان پر بھروسہ کرنا پڑا، ان کے علاوہ کوئی اور معاصر تذکرہ نہیں ملا، جس کو ماخذ بنایا جا سکتا تھا، عام طور پر تذکروں میں ان بزرگوں کے جو حالات و تعلیمات پائی جاتی ہیں وہ مذکورہ بالا ملفوظات ہی پر مبنی ہیں۔

مشائخ کے حالات کے سلسلہ میں تعظیم و تکریم کے لیے ''آپ'' کا لفظ گویا بالکل ہی نہیں استعمال کیا گیا ہے، اس کی اگر کوئی خاص وجہ ہو سکتی ہے تو صرف یہ کہ کسی موقع پر حضرت

Marfat.com

الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ العالی نے میری ایک تحریر دیکھتے ہوئے فرمایا تھا کہ ''میں تو لکھتے وقت آپ کا لفظ صرف آنحضرت ﷺ ہی کے لیے استعمال کرنا پسند کرتا ہوں'' یہ بات میرے دل میں اس قدر لگی کہ ان بزرگوں کے لیے ''آپ'' کا لفظ استعمال کرنا مناسب نہیں معلوم ہوا اور زیادہ تر ان کے اسمائے گرامی ہی لکھے گئے ہیں یا ''وہ'' اور ''انہوں'' سے اشارہ کیا گیا ہے، یہ طریقہ جن ناظرین کے ذوق پر گراں گزرے، ان سے معذرت خواہ ہوں۔

کتاب کا نام ''بزمِ صوفیہ'' بھی شاید بعض ناظرین کو اس لیے پسند نہ آئے کہ صوفیہ کے لیے بزم کا لفظ بے جوڑ سا ہے لیکن یہ نام راقم کو اتنا پسند آیا کہ کسی اور نام کی طرف طبیعت مائل نہیں ہوئی۔

اس کتاب کے کچھ حصے معارف میں شائع کیے گئے تھے، افسوس کہ پنجاب کے ایک ناشر محمد رفیق ملک، مالک ادبستان بیرون موچی دروازہ لاہور نے دار المصنفین کی اجازت کے بغیر معارف میں شائع شدہ حصے کو ''تذکرہ اولیائے کرام'' کے نام سے شائع کردیا، کسی دیانت دار ناشر سے اس قسم کے اخلاقی وقانونی جرم کی توقع نہ تھی، اس کے بعد راقم کو معارف کے شائع شدہ مضامین میں اتنی ترمیم واضافہ کرنا پڑا کہ اب اس کتاب میں ان کی شکل بالکل ہی بدل گئی ہے۔

ممکن ہے کہ بادۂ تصوف کے ذوق شناسوں کو اس کتاب میں وہ کیف ولذت محسوس نہ ہو جس کی عموماً اس قسم کی تصنیف میں توقع کی جاتی ہے، اس لیے کہ عاجز راقم کا نقطۂ نظر اور تصانیف سے مختلف ہے، پھر بھی ناظرین سے استدعا ہے کہ اس حقیر تالیف کو پڑھ کر دعا فرمائیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے مؤلف کو ان بزرگان دین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں، یہی اس کی قلمی کاوشوں کا بہترین صلہ ہے۔

اس کتاب کی تالیف میں حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندویؒ کی فیض صحبت کا بڑا اثر ہے، اس کا ذکر یہاں پر بے جا ہے کیوں کہ نہ صرف یہ تالیف بلکہ رفقائے

Marfat.com

دارالمصنّفین کی تمام تصانیف ان ہی کے فیضانِ علم کا نتیجہ ہیں۔

ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی پروفیسر اسلامک اسٹڈیز کلکتہ یونیورسٹی کا بھی ممنون ہوں کہ موصوف نے مجھ کو Sufistic Literature in Indian Persian پر پی، ایچ، ڈی کے لیے ایک مقالہ لکھنے پر آمادہ کیا تھا اور یہ مقالہ بڑی حد تک تیار ہو چکا تھا کہ پھر خیال پیدا ہوا کہ صوفیائے کرام کے حالات وتعلیمات کو دنیاوی اغراض کی تکمیل کے لیے لکھنا مناسب نہیں، اس لیے اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا تھا، وہ اس کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے۔

بزرگ محترم مولانا عبدالماجد دریابادی، بی، اے مدفیوضہ کی تقریب عاجز مؤلف کے لیے باعثِ فخر وامتیاز ہے۔

استاذی المحترم جناب مولانا عبدالسلام صاحب ندوی اور برادرِ مکرم جناب مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کے مسودہ پر نظر ثانی کی اور بہت سے مفید مشورے دیے۔

جناب سید عبدالحکیم صاحب ناظم کتب خانہ الاصلاح، دسنہ ضلع پٹنہ، مولوی محمد انوار صاحب ندوی مہتمم کتب خانہ ندوۃ العلما لکھنؤ، جناب حسین احمد خاں عرف متو بابو رئیس محلہ خانقاہ بہار شریف ضلع پٹنہ، جناب امتیاز علی خاں صاحب عرشی، ناظم کتب خانہ ریاست رام پور، جناب ناصر محمود خاں صاحب محکمہ بجلی، گلبرگہ شریف اور مولانا سید محمد قاسم صاحب، مدرس شمس الہدیٰ مدرسہ پٹنہ بھی لائق تشکر ہیں کہ انہوں نے بعض ضروری کتابیں بھیج کر مدد فرمائی۔

ہیچ مداں

سید صباح الدین عبدالرحمٰن

دارالمصنّفین

۲۹ / ربیع الاول ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۹ / جنوری ۱۹۵۰ء

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت شیخ ابوالحسن علی ہجویریؒ

نام ونسب: ابوالحسن کنیت اور علی نام ہے، ہجویر اور جلاب غزنی کے دو گاؤں ہیں، شروع میں ان کا قیام یہیں رہا، اس لیے ہجویری اور جلابی کہلائے، آخر زندگی میں لاہور آ کر رہے، اس لیے لاہوری بھی مشہور ہوئے، سالِ ولادت ۴۰۰ھ بتایا جاتا ہے، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے، علی بن سید عثمان بن سید علی بن سید عبدالرحمٰن بن شاہ شجاع بن ابوالحسن علی بن حسن اصغر بن سید زید شہید بن امام حسن رضی اللہ عنہ بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔

تعلیم: تحصیل علم کی تفصیل کچھ زیادہ معلوم نہیں، کشف المحجوب میں اپنے اساتذہ میں حضرت ابوالعباس بن محمد الاشقانی کا نام لیا ہے، جن کے بارہ میں لکھتے ہیں:

> "اپنے عہد کے امام یکتا اور اپنے طریق میں یگانہ تھے، علم اصول وفروع میں امام اور معانی میں بلند تھے، بہت سے مشائخ کو دیکھا تھا اور اکابر واجلہ اہل تصوف میں تھے، اپنی راہ کو فنا سے تعبیر کرتے تھے، مغلق عبارت ان کے ساتھ مخصوص تھی، جاہلوں کے گروہ نے ان کی عبارت کی تقلید کی لیکن تقلید میں جو عبارتیں لکھی گئیں، وہ پراگندہ ہوتی تھیں، مجھ کو ان سے بڑا انس تھا اور وہ

Marfat.com

میرے ساتھ سچی محبت کرتے تھے، بعض علوم میں وہ میرے استاد تھے، جب تک میں ان کے پاس رہا کسی کو ان سے زیادہ شریعت کا احترام کرتے نہ دیکھا، تمام موجودات سے وہ کنارہ کش ہو گئے تھے، امام محقق کے سوا ان کو کسی سے فائدہ نہ پہنچتا تھا، علم اصول میں ان کی عبارت بہت دقیق ہوتی تھی، ان کی طبیعت ہمیشہ دنیا و عقبیٰ سے متنفر رہتی تھی اور برابر شور کرتے تھے کہ **اشتھی عدما لا وجود لہ** یعنی میں اس عدم کو چاہتا ہوں جس کا وجود نہیں اور فارسی میں کہتے ہر آدمی را بایست محال باشد و مرا نیز بایستنی محال است کہ بہ یقین دانم کہ آں نباشد اور وہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ مجھ کو اس عدم کی طرف لے جائے کہ جہاں عدم کا وجود نہ ہو، مقامات و کرامات محض حجاب و بلا ہیں، آدمی اپنے حجاب کا عاشق ہو، دیدار کی آرزو کی نیستی حجابات کے آرام سے بہتر ہے، صرف حق جلالہٗ کی ہستی ہے کہ اس کے لیے عدم نہیں ہے، اس کے ملک کا کیا نقصان اگر میں نیست ہو جاؤں اور اس نیست کی کوئی ہستی نہ ہو اور یہی صحت فنا کا اصلی قواہے، **واللہ اعلم بالصواب**[۱]۔"

حضرت شیخ ابو العباس الاشقانی کا ذکر ایک اور جگہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ ایک روز شیخ کے پاس آیا تو دیکھا یہ کہتے ہیں **ضرب اللہ مثلا عبدا مملوکا لا یقدر علی شیئی** یعنی اللہ تعالیٰ نے مملوک غلام کی مثال دی جو کسی چیز پر قدرت نہ رکھتا ہو اور روتے ہیں اور پھر نعرہ لگاتے ہیں، پوچھا کہ اے شیخ! یہ کیا حال ہے؟ تو فرمایا کہ گیارہ سال سے اس مقام پر ہوں لیکن آگے نہیں بڑھتا ہوں[۲]۔

اپنے ایک اور استاد شیخ ابو جعفر محمد بن المصباح الصید لانی کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"وہ رؤسائے متصوف میں تھے، تحقیق میں ان کی زبان اچھی تھی، حسین بن منصور سے بہت محبت کرتے تھے، میں نے ان کی بعض تصانیف ان ہی سے پڑھیں[۳]۔"

---

۱ کشف المحجوب باب دوازدہم قلمی نسخہ دار المصنفین ۲ ایضاً، نیز دیکھو نفحات الانس، قلمی نسخہ دار المصنفین
۳ کشف المحجوب۔

Marfat.com

نفحات الانس میں ہے کہ شیخ ابو جعفر محمد بغداد کے رہنے والے تھے، حضرت جنید ابوالعباس کے ہم عصر تھے، مکہ میں مجاوری کرتے تھے، مصر میں وفات پائی، ان کی قبر زقاق مصری کے پہلو میں ہے۔

شیخ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری سے بھی استفادہ کیا اور گو ان کے نام کے ساتھ ''استاذ'' برابر لکھتے ہیں لیکن واضح طور پر کہیں یہ ظاہر نہیں کیا ہے کہ ان سے شاگردی کا بھی رشتہ تھا، مگر ان کے علم اور ان کی تصانیف کی تعریف کی ہے اور ان کے ایسے اقوال بھی نقل کیے ہیں جو ان کی زبان سے خود سنے۔

شیخ ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ الگرگانی کو بھی اپنا معلم تسلیم کیا ہے، ان کو اپنے زمانہ کا قطب اور علم و فن میں بے نظیر اور بے عدیل بتایا ہے، لکھتے ہیں کہ تمام لوگوں کے دلوں کا منہ ان کی درگاہ کی طرف تھا، طلباان پر پورا اعتقاد رکھتے، مریدین کے واقعات کے کشف میں وہ ایک آیت کی حیثیت سے تھے اور اپنا ذاتی واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ میں ایک روز اپنی باطنی کیفیت ان سے بیان کر رہا تھا تو وہ بڑی عاجزی سے اس کو سن رہے تھے، میں اپنی نوجوانی کے نخوت و غرور میں سوچنے لگا کہ یہ بزرگ ابھی کوچۂ معرفت سے نہیں گزرے ہیں، اسی لیے عاجزی دکھا رہے ہیں، انہوں نے میرے دل کی بات معلوم کر لی اور فرمایا، اے میرے باپ کے دوست! میری یہ عاجزی تیرے لیے ہے، تیرے حال کے لیے نہیں ہے، حال کا بدلنے والا محال کے محل پر آتا ہے، میں یہ سن کر بے تاب ہو گیا، آخر میں رقم طراز ہیں کہ اس کے بعد انہوں نے مجھ کو بہت سے اسرار بتائے، اگر ان کے ظاہر کرنے میں مشغول ہوں تو اصلی مقصد سے باز رہوں۔

ائمہ متاخرین میں ابوالعباس احمد بن محمد القصاب سے بھی متاثر تھے، ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ ماوراء النہر میں اپنے علوے حال، صدق فراست، کثرت برہان و کرامت، علم تصوف و اصول اور نیک سیرت کے لیے مشہور تھے، وہ امی تھے لیکن اصول دین اور دقائق

Marfat.com

توحید کو لوگ ان ہی سے معلوم کرتے، ان کی ایک کرامت کا ذکر کر کے ان کے کچھ اقوال بھی نقل کیے ہیں۔

انہوں نے ابوعبداللہ محمد بن علی المعروف بالداستانی، ابوسعید فضل اللہ بن محمد اور ابو احمد بن احمد بن احمد کا ذکر خاص طور سے لطف ولذت کے ساتھ کیا ہے، ان کی تصانیف و تعلیمات سے مستفید ہوئے ہیں، خواجہ ابواحمد المظفر کی تعلیمات فنا وبقا اور مجاہدہ ومشاہدہ سے متاثر تھے اور ان کی صحبت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک روز ان کے پاس سخت گرمی کے موسم میں الجھے ہوئے بالوں کے ساتھ پہنچا، انہوں نے دیکھ کر پوچھا، کیا چاہتے ہو؟ عرض کیا، سماع، انہوں نے فوراً قوال کو بلایا اور جب محفل سماع شروع ہوئی تو مجھ پر بڑی بے قراری طاری رہی اور جب میرا جوش وخروش ختم ہوا تو پوچھا کہ سماع کا مزہ کیسا رہا؟ عرض کیا کہ اے شیخ! میرے لیے تو بہت اچھا تھا، فرمایا کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ یہ سماع اور کوے کی آواز تمہارے لیے یکساں ہو جائے گی، سماع میں قوت اس وقت تک ہے، جب تک مشاہدہ نہیں ہوتا اور جب مشاہدہ ہو جائے گا شوق سماع جاتا رہے گا لیکن خیال رکھو کہ یہ عادت جزو طبیعت نہ بن جائے[1]۔

تعلیم طریقت: باطنی وروحانی تعلیم ابوالفضل محمد بن الحسن ختلیؒ سے پائی جو جنیدیہ سلسلہ میں منسلک تھے، ان کے حال میں لکھتے ہیں:

''اوتاد کی زینت اور عابدوں کے شیخ تھے، میری ابتدائے طریقت ان ہی سے ہوئی علم تفسیر وروایات کے عالم تھے اور تصوف میں مذہب جنید کے پابند اور حصری کے مرید تھے، سیروانی کے دوست اور ابوعمر قزوینیؒ اور ابوالحسن بن سالبہؒ کے معاصر تھے، ساٹھ سال تک گم نامی کی حالت میں گوشہ نشین ہو کر لوگوں سے دور رہے، قیام زیادہ تر کوہِ لگام میں رہتا تھا، اچھی عمر پائی، ان کی ولایت کی بہت سی دلیلیں تھیں، لباس اور آثار ظاہری متصوفین کے نہ تھے، ظاہری رسم کی پابندی کرنے والوں کی مخالفت شدت سے کرتے تھے، ان سے زیادہ کسی کو پر رعب نہیں دیکھا۔''

---

[1] کشف المحجوب، قلمی نسخہ دارالمصنفین، ذکر ائمہ متاخرین۔

Marfat.com

وہ حضرت شیخ ابوالحسن علی حضریؒ کے مرید تھے جن کو حضرت شیخ ابوبکر شبلیؒ سے ارادت تھی اور شیخ ابوبکر شبلیؒ کو حضرت جنید بغدادیؒ سے بیعت تھی، اس طرح شیخ ابوالحسن ہجویریؒ جنیدیہ سلسلہ کے بزرگ ہیں، اپنے مرشد کے اوصاف کے سلسلہ میں کہتے ہیں کہ ایک روز میں ان کا ہاتھ دھلا رہا تھا تو میرے دل میں یہ خیال آیا کہ جب تمام کام تقدیر کے مطابق انجام پاتے ہیں تو پھر ایک آزاد آدمی اپنے کو کرامت کی امید پر کیوں کسی پیر کا غلام بنائے، مرشد کو میرے دل کی یہ بات معلوم ہوگئی اور انہوں نے فرمایا، اے میرے بیٹے! جو تم سوچ رہے ہو وہ مجھ کو معلوم ہوگیا، مان لو کہ اللہ تعالیٰ کا ہر حکم ایک سبب سے ہوتا ہے، جب وہ چاہتا ہے کہ سپاہی بچہ کو بادشاہت دے تو اس کو توبہ کی توفیق دیتا اور کسی دوست کی خدمت میں مشغول کرتا ہے اور وہ خدمت اس کی کرامت کا سبب بن جاتی ہے، اسی طرح کی اور باتیں روز ظاہر ہوتی رہیں۔

مرشد کا وصال مرید کے زانو ہی پر ہوا، تحریر فرماتے ہیں:

''جس روز آپ کی وفات ہوئی آپ بیت الجن میں تھے، یہ گاؤں ایک گھاٹی پر دمشق اور مانیازر (؟) کے درمیان ہے، اس وقت آپ کا سر میری گود میں تھا، میرے دل کو بڑی تکلیف ہو رہی تھی، میں نے اس کا اظہار ایک دوست سے کیا، جیسا کہ عام لوگوں کی عادت ہوتی ہے، آپ نے مجھ سے کہا، اے بیٹے! اعتقاد کا مسئلہ تم کو بتاتا ہوں، اگر تم اپنے کو اس کے مطابق درست کر لو تو تمام تکلیفوں سے تم کو رہائی ہو جائے، تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ خدا ہر جگہ اور ہر اچھوں اور بروں کو پیدا کرتا ہے، مگر اس کے فعل سے دشمنی کرنا نہیں چاہیے اور نہ دل میں کسی تکلیف کو جگہ دینا چاہیے، سوائے اس کے وصیت کا سلسلہ دراز نہیں کیا اور جاں بحق ہوئے[1]۔''

سیاحت: روحانی کسب وکمال کے لیے تمام اسلامی ممالک شام، عراق، بغداد، پارس، قہستان، آذربائیجان، طبرستان، خوزستان، کرمان، خراسان، ماوراء النہر اور ترکستان وغیرہ کا سفر کیا اور وہاں کے اولیائے عظام اور صوفیائے کرام کی روح پرور صحبتوں سے مستفیض

Marfat.com

ہوئے، خراسان میں وہ تین سو مشائخ سے ملے، جن میں شیخ محمد زکی بن العلاءؒ، شیخ القاسم سدسیؒ، شیخ الشیوخ ابوالحسن ابن سالبہؒ، شیخ ابواسحٰق بن شہریارؒ، شیخ ابوالحسن علی بن بکرانؒ، شیخ ابوعبداللہ جنیدیؒ، شیخ ابوطاہر مکشوفؒ، شیخ احمد ابن شیخ خرقانیؒ، خواجہ علی بن الحسین السیرکانیؒ، شیخ مجتہد ابوالعباس دامغانیؒ، خواجہ ابوجعفر محمد بن علی الجوینیؒ، خواجہ رشید مظفر ابن شیخ ابوسعیدؒ، خواجہ شیخ احمد جمادی سرخسیؒ اور شیخ احمد نجار سمرقندیؒ سے خاص طور پر متاثر ہوئے۔[1]

منازل سلوک کے طے کرنے میں جو مجاہدے کیے ان میں ایک عجیب وغریب واقعہ خود ہی یہ بیان کیا ہے کہ میں ایک مرتبہ شیخ ابویزیدؒ کے مزار پر تین مہینہ تک حاضر رہا، ہر روز غسل اور وضو کر کے بیٹھتا تھا، مگر وہ کشف حاصل نہ ہوا جو ایک بار وہیں حاصل ہو چکا تھا، آخر میں وہاں سے اٹھ کر خراسان کی طرف چلا گیا، ایک گاؤں میں پہنچا تو ایک خانقاہ میں متصوفین کی ایک جماعت نظر آئی، میں اس جماعت کی نظر میں بہت ہی حقیر معلوم ہوا، ان میں سے کچھ لوگ کہنے لگے کہ یہ ہم میں سے نہیں ہے اور واقعی میں ان میں سے نہ تھا، انہوں نے مجھ کو ٹھہرنے کے لیے ایک کوٹھا دیا اور وہ خود اونچے کوٹھے پر ٹھہرے، کھانے کے وقت مجھ کو تو سوکھی روٹی دی اور خود اچھا کھانا کھایا، کھانے کے بعد وہ تمسخر سے خربزہ کے چھلکے میرے سر پر پھینکتے تھے اور طنز کی باتیں کرتے تھے، مگر وہ جتنا زیادہ طنز کرتے تھے، اتنا ہی میرا دل ان سے خوش ہوتا تھا، یہاں تک کہ ذلت اٹھاتے اٹھاتے وہ کشف حاصل ہو گیا جو اس سے پہلے نہ ہوا تھا، اس وقت مجھ کو معلوم ہوا کہ مشائخ جاہلوں کو اپنے یہاں کیوں جگہ دیتے ہیں۔[2]

ایک اور موقع پر تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ شام میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ مؤذن کے روضہ کے سرہانے سو رہا تھا کہ خواب دیکھا کہ مکہ معظمہ میں ہوں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم باب بنی شیبہ سے اندر داخل ہو رہے ہیں اور ایک بوڑھے آدمی کو گود میں لیے ہوئے ہیں جیسے کوئی کسی بچہ کو لیے ہوئے ہو، میں نے آگے بڑھ کر قدم چومے اور حیران تھا کہ گود میں یہ بوڑھا شخص کون

---

[1] کشف المحجوب، ذکر ائمہ متاخرین [2] کشف المحجوب، باب ششم، ذکر ملامت۔

Marfat.com

ہے؟ آپ ﷺ کو میرے دل کا حال معلوم ہو گیا اور فرمایا کہ یہ تیرا اور تیرے دیار والوں کا امام ہے، یعنی ابو حنیفہؒ، اس خواب سے مجھ پر یہ ظاہر ہوا کہ امام ابو حنیفہؒ گو جسمانی طور پر فانی ہو چکے ہیں مگر احکام شرعی کے لیے باقی اور قائم ہیں اور ان کے حامل پیغمبر ﷺ ہیں[1]۔

عراق میں تھے تو خود ان کا قول ہے کہ دنیا حاصل کر کے لٹا رہے تھے، جس کسی کو کوئی ضرورت ہوتی ان کی طرف رجوع کرتا، ایسے لوگوں کی خواہش پوری کرنے میں مقروض ہو گئے، ایک شیخ نے ان کو لکھ بھیجا کہ اے فرزند! کہیں اس قسم کی مشغولیت میں خدا کی مشغولیت سے دور نہ ہو جاؤ اور یہ مشغولیت ہوائے نفس ہے، اگر کوئی ایسا شخص ہو جس کا دل تم سے بہتر ہو تو ایسے دل کی تم خاطر کر سکتے ہو، تمام لوگوں کے لیے دل پریشان نہ رکھو کیوں کہ اللہ خود ہی اپنے بندوں کے لیے کافی ہے، اس پند و موعظت سے ان کو قلبی سکون حاصل ہوا اور خود اپنی کتاب کشف المحجوب میں بھی اس کی تعلیم دی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ مخلوق سے قطع تعلق کرنا گویا بلا سے چھوٹ جانا ہے، ایک انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی کی طرف نہ دیکھے تاکہ اس کی طرف بھی کوئی نہ دیکھے[2]۔

مخلوق سے انقطاعِ تعلق کے باوجود ان کا بیان ہے کہ وہ چالیس سال تک مسلسل سفر میں رہے لیکن کبھی جماعت کی نماز ناغہ نہیں کی اور ہر جمعہ کو نماز کے لیے کسی قصبہ میں قیام فرمایا[3]۔

اپنے مرشد ہی کی طرح صوفیوں کے ظاہری رسوم سے نفرت کرتے تھے، ان ظاہری رسوم کو معصیت در یا کہتے تھے اور ان کی صحبت کو تہمت کا مقام قرار دیتے تھے، چنانچہ اس حدیث

---

[1] کشف المحجوب، ذکر امام اعظم ابو حنیفہؒ [2] ایضاً فصل تیسری [3] کشف المحجوب میں ذکر صلوٰۃ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

''وعبادت آنجا کہ می خواہی می کن و مشائخ رحمہم اللہ حق آداب آں نگاہ داشتہ اند و مریداں را بداں فرمودہ اند یکے می گوید از ایشان کہ چہل سال سفر کردم ہیچ نمازم از جماعت خالی نبود وہر آدینہ بقصبہ بودم۔''

خاک سار مؤلف کا خیال ہے کہ حضرت ہجویریؒ نے ان سطور میں خود اپنی طرف اشارہ کیا ہے۔

Marfat.com

(من کان منکم یومن باللّٰہ والیوم الآخر فلایقفن مواقف التھم) کولکھ کر خداوند تعالیٰ سے اسی کی توفیق عطا کرنے کی دعا کی ہے، یعنی جب کوئی اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو تو اس کو مقام تہمت میں کھڑا نہ ہونا چاہیئے[1]

ازدواجی زندگی: تعلقات زنا شوئی سے پاک رہے، کشف المحجوب میں لکھتے ہیں کہ ایک سال تک کسی سے غائبانہ عشق رہا، مگر جب اس میں غلو پیدا ہونے لگا اور قریب تھا کہ ان کا دین تباہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال لطف سے اس عشق مجازی کے فتنہ سے ان کو بچا لیا[2]۔

ورودِ لاہور: فوائد فواد (ص ۴۵) میں حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ فرماتے ہیں:

''شیخ حسین زنجانی'' اور شیخ علی ہجویریؒ دونوں ایک ہی پیر کے مرید تھے اور ان کے پیر اپنے عہد کے قطب تھے، حسین زنجانی عرصہ سے لہاور (لاہور) میں سکونت پذیر تھے، کچھ دنوں کے بعد ان کے پیر نے خواجہ علی ہجویریؒ سے کہا کہ لہاور میں جا کر قیام کرو، شیخ علی ہجویریؒ نے عرض کیا کہ وہاں شیخ زنجانی موجود ہیں لیکن پھر فرمایا کہ تم جاؤ، جب علی ہجویری حکم کی تعمیل میں لہاور آئے تو رات تھی، صبح کو شیخ حسین کا جنازہ باہر لایا گیا۔''

معلوم ہوتا ہے کہ لاہور آ کر پھر اپنے مرشد کے پاس واپس آ گئے کیوں کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ وہ مرشد کے وصال کے وقت ان کے پاس موجود تھے، ممکن ہے کہ وفات کے بعد پھر لاہور آئے ہوں لیکن بہر حال لاہور کے قیام سے خوش نہیں تھے، ایک جگہ رقم طراز ہیں:

''کتب من بہ حضرت غزنیں ماندہ بود، من اندر دیار ہند در بلدۂ لاہور کہ از مضافات

---

[1] ذکر الفرق بین المقام والحال [2] کشف المحجوب کی اصل عبارت بھی ملاحظہ ہو:

''من کہ علی بن عثمان الجلابی ام از پس آں کہ مرا حق تعالیٰ یازدہ سال از آفت تزویج نگاہ داشتہ بود، ہم تقدیر کرد، تا بفتنہ اندر افتادم، ظاہر و باطنم اسیر صفتے باشد کہ با من کردند بے آنکہ رویت بودہ بود ایک سال مستغرق آں بودم، چنانچہ نزدیک بود کہ دین بر من تباہ شود تا حق تعالیٰ بہ کمال لطف و تمام فضل خود عصمت را بہ استقبال دل بیچارہ من فرستاد و بہ رحمت خلاصی ارزانی داشت۔''

11803

Marfat.com

ملتان است درمیان ناجنساں گرفتار شدہ بودم۔''

ہندوستان کے سفر میں جابجا علمی مذاکرہ بھی کیا، فرماتے ہیں:

''ہندوستان کے سفر میں ایک شخص کو دیکھا جو علم تفسیر و تذکیر کا مدعی تھا، مقام فنا و بقا میں اس نے مجھ سے مباحثہ کیا، اس کی تقریر سے مجھ کو فوراً معلوم ہوگیا کہ وہ فنا اور بقا سے بالکل نا آشنا ہے، بلکہ اس کو حادث اور قدیم کا بھی فرق نہیں معلوم تھا۔'' (ذکر فنا و بقا)

وفات: آخر زندگی تک لاہور ہی میں قیام پذیر ہوکر رشد و ہدایت اور تبلیغ میں مشغول رہے اور یہیں ابدی نیند سو رہے ہیں، سال وفات ۴۶۵ھ ہے[1]، انتقال کے بعد مزار زیارت گاہِ خلائق بن گیا، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے ان کی قبر پر چلہ کیا اور جب مدت ختم کر کے رخصت ہونے لگے تو یہ شعر پڑھا:

گنج بخشِ ہر دو عالم مظہرِ نورِ خدا　　کاملاں را پیر کامل ناقصاں را رہنما

تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ گنج بخش کے نام سے شہرت کا سبب یہی ہے، عوام داتا بخش کہتے ہیں لیکن گنج بخش سے شرک کی بو آتی ہے، اس لیے خیال ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے یہ شعر نہ کہا ہو، کسی اور نے کہہ دیا ہو، حضرت فرید الدین گنج شکرؒ نے بھی ان کے مزار پر چلہ کشی کی تھی، جو ان کے اعلا اور روحانی کمال کی دلیل ہے، ان کا مزار پرانوار ہر زمانہ میں مرجع خلائق رہا ہے۔

داراشکوہ اپنے زمانہ کا حال لکھتا ہے:

''خلقی انبوہ بر شب جمعہ بزیارت آں روضۂ منورہ مشرف می گردند و مشہور است کہ ہر کہ چہل شب جمعہ یا چہل روز پیہم طواف روضۂ شریفہ ایشاں بکند، ہر حاجتے کہ داشتہ باشد حصول می انجامد، فقیر نیز بزیارت روضۂ منورہ ایشاں و والدین و خال ایشاں مشرف گشتہ[2]۔''

---

[1] عام طور سے تاریخ وفات ۴۶۵ھ ہی بتائی جاتی ہے لیکن لاہور کے بعض اہل قلم کی تحقیق ہے کہ ان کا وصال ۵۰۰ھ کے آغاز میں ہو۔ (رسالہ داتا گنج بخش از پروفیسر علیم الدین سالک)　[2] سفینۃ الاولیا، ص ۱۸۳۔

Marfat.com

ڈاکٹر اقبالؒ نے ان کے متعلق کہا ہے:

سید ہجویر مخدوم امم — مرقد او پیر سنجر را حرم
بندہائے کوہسار آساں گسیخت — در زمین ہند تخم سجدہ ریخت
عہد فاروق از جمالش تازہ شد — حق ز حرف او بلند آواز شد
پاسبان عزت ام الکتاب — از نگاہش خانۂ باطل خراب
خاک پنجاب از دم او زندہ گشت — صبح ما از مہر او تابندہ گشت
عاشق و ہم قاصد تیار عشق — جبینش آشکار اسرار عشق

ان کے مزار کو سلطان محمود غزنوی کے جانشین سلطان ابراہیم غزنوی نے تعمیر کرایا۔

تصانیف: کشف المحجوب کے علاوہ ان کی تصنیفات میں سے حسب ذیل کتابوں کے نام ملتے ہیں:

۱-منہاج الدین، اس میں اہل صفہ کے مناقب لکھے تھے، بقیہ اور کتابوں کے مضامین ان کے نام سے ظاہر ہیں: ۲-کتاب الفنا والبقا، ۳-اسرار الخرق والمؤنات، ۴-کتاب البیان لاہل العیان، ۵-بحر القلوب، ۶-الرعایۃ لحقوق اللہ۔

شعروشاعری سے بھی ذوق رکھتے تھے، کشف المحجوب میں اپنے ایک دیوان کا بھی ذکر کیا ہے، ان کی تحریر سے ان کی دو اور کتابوں کا بھی پتہ چلتا ہے:

''پیش ازیں اندر شرح کلام وے (منصور حلاج) کتابے ساختہ ام۔''

''من اندر بیان ایں (ایمان) کتابے کردہ جداگانہ۔''

لیکن ان کتابوں میں سے اب کسی کا بھی پتہ نہیں ہے، ہم تک ان کی صرف کشف المحجوب پہنچی ہے، جو ہر زمانہ میں اپنی نوعیت کے لحاظ سے بے مثل سمجھی گئی ہے، فارسی زبان میں تصوف کی یہ پہلی کتاب ہے، حضرت نظام الدین اولیاؒ کا ارشاد ہے کہ جس کا کوئی مرشد

Marfat.com

نہ ہو، اس کو کشف المحجوب کے مطالعہ سے برکت مل جائے گی[1]۔

حضرت شرف الدین یحییٰ منیریؒ اپنے مکتوبات میں جابہ جا اس کتاب کا ذکر فرماتے ہیں، حضرت جہاں گیر اشرف سمنانیؒ کے ملفوظات لطائف اشرفی میں اس کا حوالہ بہ کثرت موجود ہے، ملا جامی رقم طراز ہیں:

''کشف المحجوب از کتاب معتبرہ مشہور دریں فن است و لطائف و حقائق دراں کتاب جمع کردہ است[2]''

دارا شکوہ لکھتا ہے:

''حضرت علی ہجویریؒ را تصنیف بسیار است، اما کشف المحجوب مشہور و معروف است و ہیچ کس را بر آں سخن نیست، و مرشدی است کامل، در کتب تصوف بخوبی آں در زبان فارسی کتابے تصنیف نہ شدہ[3]''

کشف المحجوب کی تصنیف کا سبب ابو سعید ہجویری کا ایک استفسار ہے، جو تصوف کے رموز و اشارات کو حضرت شیخ ہجویریؒ سے سمجھنا چاہتے ہیں، اسی کے جواب میں شیخ نے تصوف کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے، جس سے کشف المحجوب تصوف کی قابل قدر کتاب بن گئی ہے، اس کے ذریعہ گویا پہلی مرتبہ اسلامی تصوف کو ہندوستان میں پیش کیا گیا ہے، اس لیے اس کے مباحث ناظرین کے سامنے زیادہ تفصیل سے پیش کیے جاتے ہیں۔

علم: کتاب کا پہلا باب علم کی بحث سے شروع ہوتا ہے، اس باب میں پانچ فصلیں ہیں، شروع میں کلام مجید اور احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں علم کی اہمیت دکھا کر یہ بتایا ہے کہ علم ہی کے ذریعہ ایک سالک مراتب اور درجات کے حصول کے قابل ہوتا ہے اور یہ اسی

---

[1] درر نظامی مرتبہ شیخ علی محمود جاندار نسخہ قلمی مملوکہ سید علیم الدین خادم نظام المشائخ دہلی، میں نے اس کو مخدومی المحترم جناب عبدالماجد صاحب دریابادی کی کتاب تصوف اسلام سے لیا ہے، جنہوں نے کشف المحجوب اور اس کے مصنف پر ایک سیر حاصل مقالہ لکھا ہے۔ [2] نفحات الانس، قلمی نسخہ، دارالمصنفین [3] سفینۃ الاولیا، ص ۲۸۲۔

Marfat.com

وقت ممکن ہے جب وہ اپنے علم پر بھی عمل کرتا ہو، پھر علم کی دو قسمیں بتائی ہیں: (۱) علم خداوند تعالیٰ، (۲) علم خلق، اوران کی تصریح اس طرح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم کے نزدیک اس کے بندوں کا علم بالکل ہیچ ہے، وہ تمام موجودات اور معدومات کو جانتا ہے۔ بندوں کا علم ایسا ہونا چاہیے کہ ظاہر و باطن میں نفع بخش ہو، اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) ایک اصولی یعنی ظاہر میں کلمہ شہادت پڑھنا اور باطن میں معرفت کی تحقیق کرنا، (۲) فروعی یعنی ظاہر میں معاملہ کرنا اور باطن میں اس کے لیے صحیح نیت رکھنا۔

حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک ظاہر بغیر باطن کے منافقت ہے اور باطن بغیر ظاہر کے زندقہ، علم باطن حقیقت اور علم ظاہر شریعت ہے، علم حقیقت کے تین ارکان ہیں، (۱) خداوند تعالیٰ کی ذات کا علم یعنی وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، نہ وہ کسی مکان میں ہے نہ جہت میں، اس کا کوئی مثل نہیں، (۲) خداوند تعالیٰ کی صفات کا علم یعنی وہ عالم ہے اور ہر چیز کو جانتا ہے، دیکھتا ہے اور سنتا ہے، (۳) خداوند تعالیٰ کے افعال کا علم، وہ تمام خلائق کا پیدا کرنے والا ہے۔

علم شریعت کے بھی تین ارکان ہیں، (۱) کتاب، (۲) سنت، (۳) اجماع امت۔

پہلا علم گویا خدا کا علم ہے، اور دوسرا خدا کی طرف سے بندے کو عطا کیا ہوا علم، حضرت شیخ ہجویریؒ نے صوفیائے کرام کے اقوال اور اپنے دلائل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جس شخص کو خدا کا علم یعنی علم حقیقت نہیں، اس کا دل جہالت کے سبب سے مردہ ہے اور جس شخص کو اس کا عنایت کیا ہوا یعنی علم شریعت نہیں، اس کا دل نادانی کے مرض میں گرفتار ہے، شیخ نے دونوں علموں کو لازم وملزوم قرار دیا ہے اور حضرت ابوبکر وراق ترمذی کے اس قول کی تائید کی ہے کہ جس شخص نے صرف علم توحید پر اکتفا کی وہ زندیق ہے۔

فقر: دوسرا باب فقر سے شروع ہوتا ہے، اس میں تین فصلیں ہیں۔

پہلی فصل میں کلام مجید اور احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں دکھایا ہے کہ فقر کا

Marfat.com

مرتبہ خدا کے نزدیک بہت بڑا اور افضل ہے اور فقیر کی تعریف یہ ہے کہ اس کے پاس کچھ نہ ہو، اس کی کسی چیز میں خلل نہ آئے، نہ دنیاوی ساز وسامان ہونے سے مال دار ہو جائے نہ اس کے نہ ہونے سے محتاج ہو جائے، یعنی اس کا ہونا اور نہ ہونا اس کے نزدیک برابر ہو، بلکہ نہ ہونے سے اور بھی زیادہ خوش ہو، کیوں کہ فقیر جتنا تنگ دست ہوگا، اسی قدر اس پر حال زیادہ کشادہ ہوگا اور اسرار منکشف ہوں گے، وہ جس قدر دنیا کے مال و متاع سے بے نیاز ہوتا جاتا ہے، اتنا ہی اس کی زندگی الطاف خفی اور اسرار روشن سے وابستہ ہوتی جاتی ہے اور رضائے الٰہی کی خاطر وہ دنیا کی تمام چیزوں کو نظر انداز کر دیتا ہے، ایک فقیر کا کمال فقر یہ ہے کہ اگر دونوں جہاں اس کے فقر کے ترازو کے پلڑے میں رکھے جائیں تو وہ ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوں اور اس کی ایک سانس دونوں عالم میں نہ سمائے۔

دوسری فصل میں صوفیانہ نقطہ نظر سے فقر و غنا پر بحث کی ہے، بعض صوفیائے کرام کا خیال ہے کہ غنا فقر سے افضل ہے، ان کی دلیل خود غنا خداوند تعالیٰ کی صفت ہے، فقر کی نسبت اس کی جانب جائز نہیں اور دوستی میں ایسی صفت جو خدا اور بندہ کے درمیان مشترک ہو، ضرور پائی جائے گی، اور یہ اس صفت یعنی فقر سے بہتر ہے، جس کو خداوند تعالیٰ کی جانب منسوب کرنا روا نہیں۔

حضرت شیخ ہجویری نے اس منطقیانہ دلیل کو منطقیانہ دلائل ہی سے رد کیا ہے، مثلاً خدا کی صفات میں مماثلت کی کوشش آپس میں برابر ہونے کی دلیل ہے، مگر خدا تعالیٰ کی صفت قدیم ہے اور خلق کی صفت حادث ہے، اس لیے دونوں میں مماثلت ممکن نہیں، غنی خدا کے نجملہ ناموں میں ایک نام ہے، یہ اسی کے لیے زیبا ہے، بندہ اس نام کا مستحق نہیں ہو سکتا، بندہ کے غنا کا کوئی سبب ہوتا ہے مگر خدا کا غنا سبب سے بے نیاز ہے، خلق کے غنا میں حدوث و تغیرات ہوتے ہیں، خالق کا غنا اس سے ماورا ہے، اس کی قدرت کا کوئی مانع نہیں، وجود بشری کو حاجت لازمی ہے کیوں کہ حدوث کی علامت احتیاج ہے اور جب احتیاج پیدا ہوتی ہے تو پھر غنا

Marfat.com

کیوں کر باقی رہ سکتا ہے؟ اس تشریح وتفصیل کے بعد حضرت شیخ ہجویریؒ نے غنا کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت قرار دیا ہے جو ایک بندہ کے لیے کسی طرح سزاوار نہیں۔

مگر حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک بندہ کا غنی ہونا محال بھی نہیں، الغنی من اغناہ اللہ یعنی غنی وہ ہے جس کو خدا غنی کر دے، اس لیے غنی باللہ فاعل ہے، اور من اغناہ اللہ مفعول ہے، فاعل بذاتِ خود قائم ہے اور مفعول فاعل کی وجہ سے قائم ہوتا ہے، اگر بندہ غنا سے سرفراز کیا جاتا ہے تو یہ اس کے لیے نعمت ضرور ہے، مگر اس نعمت میں غفلت اسی طرح آفت ہے جس طرح فقر میں حرص، اس لیے بندہ اگر غنی ہے تو اس کو فاعل نہ ہونا چاہیے اور اگر فقر رکھتا ہو تو اس کو حریص نہ ہونا چاہیے، حضرت ہجویریؒ کے نزدیک غنا میں دل کے غیر سے مشغول رہنے کا احتمال باقی رہتا ہے اور فقر میں دل اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے جدا رہتا ہے، اس لیے فقر غنا سے بہتر ہے اور جب ایک طالب خدا کے سوا دنیا کی تمام چیزوں سے مستغنی ہو جاتا ہے تو فقر وغنا کے دونوں نام اس کے لیے بے معنی ہو جاتے ہیں۔

تیسری فصل میں فقر اور فقیر سے متعلق مشائخ عظام کے جو اقوال ہیں، ان کی تشریح اور تفصیل کی ہے، مثلاً حضرت ردیم بن محمد فرماتے ہیں کہ فقیر کی تعریف یہ ہے کہ اپنے بھیدوں کو محفوظ رکھے، اور اس کا نفس آفت سے مصئون ہو اور وہ فرائض کا پابند ہو، شیخ ہجویریؒ نے اس کی تشریح یہ کی ہے کہ جو کچھ فقیر کے دل پر گزرے اس کو ظاہر نہ کرے اور جس کا ظہور ہو جائے اس کو چھپائے نہیں اور نہ اسرار کے غالب ہونے سے ایسا مغلوب ہو جائے کہ شریعت کے احکام ادا نہ کر سکے یا مثلاً حضرت ابوالحسن نوریؒ فرماتے ہیں کہ فقیر کی صفت یہ ہے کہ نہ ہونے کی صورت میں سکوت کرے اور ہونے کے وقت خرچ کرے اور خرچ کے لیے بے چین ہو، حضرت شیخ ہجویریؒ نے دو طرح سے اس کی تفسیر کی ہے، ایک یہ کہ نہ ہونے کے وقت سکوت گویا خداوند تعالیٰ کی رضا کی دلیل ہے اور اگر اس کے پاس کچھ ہو گیا تو گویا اس کو خداوند تعالیٰ کی جانب سے خلعت عطا ہوا مگر خلعت فرقت کی نشانی

Marfat.com

ہے کیوں کہ محبّ خلعت قبول نہیں کرتا، اس لیے جو کچھ فقیر کو ملتا ہے اس کو وہ دوسروں کو دے کر جلد اپنے سے جدا کر دیتا ہے، دوسری تفسیر یہ ہے کہ فقیر کو سکون اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ کسی چیز کا منتظر نہیں رہتا اور جب کوئی چیز حاصل ہو جاتی ہے تو وہ اس کو اپنے سے غیر پاتا ہے اور غیر کے ساتھ اس کو آرام نہیں ملتا، اس لیے اس کو ترک کر دیتا ہے۔

صوفی کی اصلیت : تیسرے باب میں صوفی کی اصلیت سے محققانہ بحث کی ہے، اس میں بھی تین فصلیں ہیں۔

لفظ صوفی کی اصلیت ہمیشہ سے مختلف فیہ رہی ہے، ایک گروہ کہتا ہے کہ صوفی صوف کا کپڑا پہنتا ہے، اس لیے اس نام سے منسوب ہوا، دوسرا گروہ کہتا ہے کہ وہ صف اول میں رہتا ہے اس لیے اس نام سے پکارا جاتا ہے، تیسرے کا خیال ہے کہ صوفی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ اصحابِ صفہ کے ساتھ دوستی رکھتا ہے اور چوتھے کی رائے یہ ہے کہ یہ اسم صفا سے مشتق ہے، اسی طرح اور توجیہات ہیں مگر حضرت شیخ ہجویریؒ نے ان میں سے ہر ایک کو غلط قرار دیا ہے، فرماتے ہیں کہ صوفی کو صوفی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اپنے اخلاق و معاملات کو مہذب کر لیتا ہے اور طبیعت کی آفتوں سے پاک وصاف ہو جاتا ہے اور حقیقت میں صوفی وہ ہے جس کا دل کدورت سے پاک وصاف ہو کیوں کہ تصوف باب تفعل سے ہے جس کا خاصہ تکلف ہے، یعنی صوفی اپنے نفس پر تکلیف اٹھاتا ہے اور یہی تصوف کے اصلی معنی ہیں۔

اہل تصوف کی تین قسمیں ہیں:

۱-صوفی جو اپنی ذات کو فنا کر کے خدا کی ذات میں بقا حاصل کرتا ہے اور اپنی طبیعت سے آزاد ہو کر حقیقت کی طرف متوجہ ہوتا ہے، ۲-متصوف جو صوفی کے درجہ کو مجاہدہ سے تلاش کرتا ہے اور اس تلاش میں اپنی ذات کی اصلاح کرتا ہے، ۳-مستصوف جو محض مال و منال اور جاہ وحشمت کے لیے اپنے کو مثل صوفی کے بنا لیتا ہے۔

Marfat.com

پس صوفی صاحب وصول (یعنی حاصل کرنے والا) اور متصوف صاحب وصول (یعنی صوفی کے اصول پر چلنے والا) اور مستصوف صاحب فضول ہوتا ہے۔

دوسری فصل میں حضرت شیخ ہجویریؒ نے مشائخ کبار کے اقوال نقل کیے ہیں، جن سے ان کے مذکورہ بالا خیالات کی تائید ہوتی ہے، مثلاً حضرت حسن نوریؒ فرماتے ہیں کہ تصوف تمام حظوظ نفسانی کو ترک کرنے کا نام ہے اور صوفی وہ لوگ ہیں جن کا دل بشریت کی کدورت سے آزاد ہو گیا ہو اور نفسانی آفتوں سے صاف ہو کر اخلاص سے مل گیا ہو، یہاں تک کہ غیر خدا سے بری ہو کر وہ صف اول اور درجہ اولیٰ میں پہنچ جاتے ہیں۔

حضرت حصریؒ کا قول ہے کہ تصوف دل اور بھید کی صفائی اور کدورت کی مخالفت کا نام ہے، حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس کی تصریح یہ کی ہے کہ فقیر اپنے دل کو خدا کی مخالفت کے میل سے پاک رکھتا ہے کیوں کہ دوستی میں صرف موافقت ہوتی ہے اور موافقت مخالفت کی ضد ہے اور جب مراد ایک ہوتی ہے تو مخالفت نہیں ہوتی ہے اس لیے دوست کو دوست کے حکم کی تعمیل کے سوا اور کچھ نہیں چاہیے۔

حضرت شبلیؒ کا قول ہے کہ صوفی وہ ہے کہ دونوں جہان میں خدائے عزوجل کے یہاں کوئی چیز نہ دیکھے، حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس کی تشریح کر کے بتایا ہے کہ بندہ جب غیر کو نہ دیکھے گا تو اپنی ذات کو نہ دیکھے گا، اس طرح اپنی ذات کی نفی اور اثبات سے فارغ ہو جائے گا۔

تصوف: اس بحث میں حضرت شیخ ہجویریؒ نے حضرت جنیدؒ کے اس قول کی تائید کی ہے کہ تصوف کی بنیاد آٹھ خصلتوں پر ہے، جن سے آٹھ پیغمبروں کی پیروی ہوتی ہے، یعنی تصوف میں سخاوت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہو، رضا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ہو، صبر حضرت ایوب علیہ السلام کا ہو، اشارات حضرت زکریا علیہ السلام کے ہوں، غربت حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ہو، سیاحت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہو، لباس حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہو اور فقر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو۔

Marfat.com

تیسری فصل میں حضرت ہجویریؒ کے مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تصوف محض علوم و رسوم کا نام نہیں بلکہ ایک اخلاص و اخلاق کا نام ہے، علوم ہوتا تو تعلیم سے حاصل ہوتا، رسوم ہوتا تو مجاہدہ سے حاصل ہوتا، مگر یہ نہ تعلیم سے حاصل ہوتا ہے اور نہ صرف مجاہدہ سے، اس اخلاق کی تین قسمیں ہیں:

۱- خدا کے احکام کو ریا سے پاک ہو کر پورا کرنا، ۲- بڑوں کی عزت کرنا اور چھوٹوں کے ساتھ عزت سے پیش آنا اور کسی سے انصاف اور عوض نہ چاہنا، ۳- نفسانی خواہشوں کا اتباع نہ کرنا۔

صوفی کا لباس: چوتھے باب میں صوفیوں کے لباس پر تین فصلوں میں بحث کی ہے، صوفی سنت رسول ﷺ کی پیروی میں کمبل یا گدڑی لباس کے طور پر استعمال کرتا ہے جو اس کے فقر و ریاضت کی دلیل ہے، مگر گدڑی پہننے کے لیے شیخ ہجویریؒ نے بہت سی شرطیں مقرر کی ہیں، گدڑی پہننے والوں کو تارک الدنیا یا اللہ کا عاشق ہونا چاہیے، اس کے باوجود وہ خود گدڑی اسی وقت پہن سکتا ہے جب اس کو مشائخ پہنائیں، اس کے لیے ضروری ہے کہ مؤخر الذکر اول الذکر سے ایک سال خلق کی خدمت اور ایک سال خدا کی خدمت لیں اور ایک سال اس کے دل کی رعایت حاصل کریں، خلق کی خدمت یہ ہے کہ وہ سب کو بلا تمیز اپنے سے بہتر جانتا ہو اور اس کی خدمت اپنے لیے واجب سمجھتا ہو، مگر اپنی خدمت کی فضیلت کا گمان مطلق نہ کرتا ہو، خدا کی خدمت یہ ہے کہ دنیا اور عقبیٰ کے مزے ترک کر دیتا ہو اور جو کام کرتا ہو صرف خدا کی خاطر کرتا ہو، دل کی رعایت یہ ہے کہ اس میں ہمت ہو، اس سے تمام غم دور ہوں اور وہ صرف اللہ کی طرف متوجہ ہو، جب یہ تینوں شرطیں پوری ہو جائیں تو شیخ اپنے مرید کو گدڑی پہنا سکتا ہے، گدڑی پہننا گویا کفن کا پہننا ہے، جس کے بعد زندگی کی تمام لذتوں اور آسائشوں سے کنارہ کش ہو کر صرف خدا کا ہو کر رہنا پڑتا ہے۔

ملامت: چھٹا باب ملامت پر ہے، حضرت شیخ ہجویریؒ نے خلق کی ملامت کو خدا کے دوستوں

Marfat.com

کی غذا کہا ہے اور اس کی تین قسمیں بتائی ہیں۔

۱- ایک یہ کہ ایک شخص اپنے معاملات وعبادات میں درست ہو، پھر بھی خلق اس کو ملامت کرتی ہو لیکن وہ اس کی مطلق پرواہ نہ کرتا ہو، مثلاً ابو طاہر حرمیؒ ایک بار بازار میں جا رہے تھے، ایک شخص نے ان سے کہا ''اے پیر زندیق! کہاں جاتا ہے؟'' ان کے ایک مرید نے اس سے جھگڑا کرنا چاہا، مگر انہوں نے روک دیا اور جب گھر آئے تو مرید کو بہت سے خطوط دکھائے جن میں ان کو کسی میں شیخ ذکی، کسی میں شیخ زاہد، کسی میں شیخ الاسلام اور کسی میں شیخ الحرمین کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا اور فرمایا کہ ہر شخص اپنے اعتقاد کے مطابق جو چاہتا ہے، مجھ کو کہتا ہے، مگر یہ سب اسم نہیں ہیں، القاب ہیں، کوئی مجھ کو زندیق لکھے تو اس کے لیے جھگڑا کیوں کیا جائے۔

۲- دوسری یہ کہ وہ دنیا کی جاہ وحشمت سے منھ موڑ کر خدا کی جانب مشغول ہو اور خلق کی ملازمت کو روا رکھتا ہو کہ دنیا کی طرف مائل نہ ہونے پائے، مثلاً حضرت ابو یزیدؒ رمضان کے مہینہ میں سفر حجاز سے اپنے شہر میں واپس آئے تو لوگوں نے بہت اعزاز واکرام سے ان کا استقبال کیا، اس خیر مقدم میں وہ خدا کی یاد سے غافل ہو گئے، انہوں نے اسی وقت اپنی آستین سے ٹکیہ نکال کر کھانا شروع کر دیا، لوگوں نے ان کو ٹکیہ کھاتے دیکھا تو ان کو ملامت کرنے لگے اور ان سے برگشتہ ہو گئے، ابو یزیدؒ نے قصداً ایسا کیا تا کہ وہ دنیا اور دنیا والوں کی طرف متوجہ نہ ہونے پائیں۔

۳- تیسری یہ کہ وہ ضلالت اور گمراہی میں مبتلا ہو اور اس سے خلق کی ملامت کے ڈر سے باز آنا محض نفاق اور ریاکاری سمجھتا ہو، یہاں تک کہ شریعت کو بھی ترک کر دیتا ہو، شیخ ہجویریؒ کے نزدیک صحیح نہیں۔

حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس قول کی تائید کی ہے کہ ملامت عاشقوں کے لیے ایک تروتازہ باغ، دوستوں کے لیے مایۂ تفریح، مشتاقوں کے لیے راحت اور مریدوں کے لیے

Marfat.com

سرور ہے، حضرت ابراہیم ادہمؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ آپ کبھی اپنی مراد کو بھی پہنچے، توانہوں نے کہا کہ ہاں، دوبار، ایک مرتبہ میں کشتی میں بیٹھا ہوا تھا، مجھ کو کسی نے نہیں پہچانا، اس وقت میں پرانے اور پھٹے کپڑے پہنے ہوئے تھا، سر کے بال بڑھے ہوئے تھے، میری حالت دیکھ کر کشتی والے مجھ پر ہنستے تھے، جو شخص آتا میرے سر کے بال پکڑ کر کھینچتا اور تمسخر کرتا، اس وقت میری مراد حاصل ہو رہی تھی اور میں اس لباس میں خوش ہو رہا تھا، مگر ایک روز یہ خوشی ختم ہوگئی کیوں کہ اس روز ایک مسخرہ اٹھا اور اس نے میرے اوپر پیشاب کر دیا اور مجھ کو وہ لباس اتارنا پڑا، دوسری بار میری مراد اس طرح پوری ہوئی کہ ایک روز سخت بارش ہو رہی تھی، جاڑے کا زمانہ تھا، ایک گاؤں میں پہنچا، میرا جبہ بھیگ گیا تھا، ایک مسجد میں گیا، وہاں کسی نے مجھ کو ٹھہرنے نہیں دیا، سردی سے پریشان ہو کر میں ایک حمام کی بھٹی میں گھس گیا اور دامن سمیٹ کر آگ کی طرف بیٹھ گیا، اس کے دھوئیں سے میرے کپڑے اور میرا منھ کالا ہو گیا، اس وقت میں اپنی مراد کو پہنچا۔

آگے سات بابوں میں صوفیانہ نقطۂ نظر سے صحابۂ عظام، اہل بیت، اہل الصفہ، تبع تابعین، ائمہ اور متاخرین کا ذکر ہے۔

چودھواں باب نہایت اہم ہے، اس میں صوفیوں کے مختلف فرقوں کے عقائد پر ناقدانہ اور محققانہ مباحث ہیں، تفصیل غالباً نامناسب نہ ہوگی۔

رضا: پہلا فرقہ محاسبیہ ہے، جو عبداللہ بن حارث بن اسد المحاسبی کی جانب منسوب ہے، حارث محاسبی کا عقیدہ تھا کہ رضا مقامات میں سے نہیں بلکہ احوال میں سے ہے، حضرت ہجویریؒ نے رضا اور مقامات کی تشریح کر کے حارث کی مدافعت کی ہے اور رضا کی دو قسمیں بتائی ہیں، (۱) خداوند تعالیٰ کی رضا بندہ سے، (۲) بندہ کی رضا خداوند تعالیٰ سے۔

بندہ سے خداوند تعالیٰ کی رضا یہ ہے کہ وہ ان کو ثواب، نعمت اور بزرگی عطا کرتا ہے اور خداوند تعالیٰ سے بندوں کی رضا یہ ہے کہ وہ اس کے احکام کی تعمیل کریں، خداوند تعالیٰ

Marfat.com

اپنے احکام میں یا تو کسی چیز سے منع کرتا ہے یا عطا کرنے کا وعدہ کرتا ہے، مگر اس کے احکام کے ماننے والے اس کے خوف وہیبت میں ایسی ہی لذت محسوس کرتے ہیں جیسی اس کے لطف وکرم سے حظ اٹھاتے ہیں، اس کا جلال اور جمال ان کی نظروں میں یکساں ہے اور وہ محض اس کے لیے اپنے اختیارات کو سلب کر لیتے ہیں جس کے بعد ان کا دل غیر کے اندیشہ سے نجات پا کر تمام غم والم سے آزاد ہو جاتا ہے۔

اصحابِ رضا چار قسم کے ہوتے ہیں، ایک خداوند تعالیٰ کی عطا (خواہ وہ کیسی ہی ہو) پر راضی رہتے ہیں، یہ معرفت ہے، دوسرے اس کی نعمتوں (دنیاوی) پر راضی ہوتے ہیں، وہ دنیا والے ہیں، تیسرے مصیبت پر راضی رہتے ہیں، یہ رنج ہے، چوتھے احوال و مقامات کی قید سے نکل کر صرف خداوند تعالیٰ کی خوشی پر رہتے ہیں، یہ محبت ہے۔

دوسرا گروہ قصاریہ کا ہے، اس کے پیشوا ابو صالح بن حمدون بن احمد بن عمارۃ القصار ہیں جو خلق کی ملامت کو تزکیۂ نفس کے لیے ضروری سمجھتے ہیں، ملامت پر بحث چھٹے باب میں گزر چکی ہے، اس لیے حضرت ہجویریؒ نے اس موقع پر اس مسلک پر تفصیل کے ساتھ روشنی نہیں ڈالی ہے۔

سکر وصحو: اس کے بعد گروہ طیفوریہ اور گروہ جنیدیہ کا ذکر ہے، اول الذکر کے پیشوا ابو یزید طیفور بن سروشان البسطامی اور موخر الذکر کے امام ابو القاسم الجنید یہ بن محمد ہیں، پہلے گروہ کا عقیدہ سکر اور دوسرے کا صحو پر مبنی ہے، اس سلسلہ میں حضرت شیخ ہجویریؒ نے بتایا ہے کہ سکر اور صحو کیا ہیں، سکر حق تعالیٰ کی محبت کا غلبہ ہے، ایک سالک جب محبوب کے جمال کو دیکھتا ہے تو اس کی عقل عشق سے مغلوب ہو جاتی ہے اور غایت بے خودی میں اس کا ادراک اور ہوش باقی نہیں رہتا، اس پر محویت اور فنا کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، صحو محویت کے بعد حصول مراد کا نام ہے، جس میں جمال محبوب کے مشاہدہ سے حیرت اور وحشت باقی نہیں رہتی، صحو میں غفلت سے حجاب پیدا ہوتا ہے لیکن جب یہی غفلت محبت بن جاتی ہے تو وہ

Marfat.com

کشف ہے، صحو غفلت کے قریب ہو تو سکر ہے اور سکر محبت کے قریب ہو تو صحو ہے، جب دونوں کی اصل صحیح ہو تو سکر صحو اور صحو سکر ہے، اس جزوی اختلاف کے باوجود دونوں ایک دوسرے کی علت و معلول ہیں لیکن جب دونوں کی اصل صحیح نہ ہو تو دونوں بے فائدہ ہیں، حضرت شیخ ہجویریؒ خود جنیدی مسلک کے پابند تھے اور صحو کو سکر پر فوقیت دیتے تھے، لکھتے ہیں کہ مقام صحو مردوں کی جائے فنا ہے۔

عزلت نشینی: پانچواں گروہ نوریہ کا ہے، جن کے پیشوا ابن الحسن بن نوریؒ ہیں، وہ درویشوں کی عزلت گزینی کو ایک نامحمود فعل سمجھتے ہیں اور صحبت کو ضروری قرار دیتے ہیں اور اصحاب صحبت کے لیے ایثار و کلفت برداشت کرنے کو بھی ضروری سمجھتے ہیں ورنہ اس کے بغیر صحبت حرام ہے اور اگر صحبت کے رسمی ایثار، رنج و کلفت کے ساتھ محبت بھی شامل ہو تو یہ اور زیادہ اولیٰ ہے، حضرت ہجویریؒ نے فرقہ نوریہ کے اس مسلک کو پسندیدہ کہا ہے۔

مجاہدہ و ریاضت: (۶) سہلیہ، اس کے امام حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ ہیں، ان کی تعلیم اجتہاد (جدوجہد و مشقت) مجاہدۂ نفس اور ریاضت ہے، اجتہاد، مجاہدہ اور ریاضت کی غرض نفس کی مخالفت ہے، اس لیے حضرت ہجویریؒ نے نفس کی تشریح واضح طور سے کی ہے۔

فرماتے ہیں کہ نفس کی مخالفت تمام عبادتوں کا سرچشمہ ہے، نفس کو نہ پہچاننا اپنے کو نہ پہچاننا ہے، جو شخص اپنے کو نہیں پہچانتا وہ خدا کو نہیں پہچان سکتا، نفس کا فنا ہو جانا حق کے بقا کی علامت ہے اور نفس کی پیروی حق عزوجل کی مخالفت ہے، نفس پر جبر کرنا یعنی نفسانی خواہشوں کو روکنا جہاد اکبر ہے، حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ نے اس میں بڑا غلو فرمایا ہے، وہ نفس کے مجاہدہ کو مشاہدہ کی علت قرار دیتے ہیں، سہل تستریؒ کے اس مسلک سے بعض گروہوں کو اختلاف ہے، ان کا خیال ہے کہ مشاہدہ محض عنایت ایزدی پر منحصر ہے، مجاہدہ وصل حق کی علت نہیں ہو سکتا، ممکن ہے کہ ایک شخص حجرہ کے اندر عبادت میں مشغول ہو، پھر بھی حق سے دور ہو اور ایک شخص خرابات میں رہتا ہو، گنہ گار ہو اور اسے قرب خداوندی حاصل ہو،

Marfat.com

حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس اختلاف کو محض الفاظ اور تعبیر کا اختلاف قرار دیا ہے کہ ایک شخص مجاہدہ کرتا ہے تو اس کو مشاہدہ حاصل ہوتا ہے، دوسرا مشاہدہ کرتا ہے کہ مجاہدہ حاصل ہو، مشاہدہ کے بغیر مجاہدہ نہیں اور مجاہدہ کے بغیر مشاہدہ نہیں، اس رائے کے باوجود حضرت شیخ ہجویریؒ مجاہدہ کو مشاہدہ کی علت قرار نہیں دیتے بلکہ اس کو وصل حق کا طریقہ اور ذریعہ سمجھتے ہیں۔

نفس کے بعد ہوا یعنی نفس کی خواہشوں کا ذکر ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ بندہ دو چیزوں کا تابع رہتا ہے، ایک عقل کا دوسرے نفس کی خواہشوں کا، جو عقل کا متبع ہوتا ہے، وہ ایمان کی طرف جاتا ہے، اور جو ہوا کی پیروی کرتا ہے، وہ کفر، گم راہی اور ضلالت کی طرف مائل ہے، حضرت جنیدؒ سے پوچھا گیا کہ وصل حق کیا چیز ہے؟ فرمایا، ہوا کا ترک کرنا، حضرت ہجویریؒ نے بھی اس کی تائید کی ہے اور کہا ہے کہ سب سے بڑی عبادت ہوا کا ترک کرنا ہے، گو اس کا ترک کرنا ناخن سے پہاڑ کھودنے سے بھی زیادہ مشکل ہے۔

حضرت ہجویریؒ نے ہوا کی دو قسمیں بتائی ہیں، (۱) لذت و شہوت، (۲) جاہ طلبی، اول الذکر کے فتنہ سے خلق محفوظ رہتی ہے لیکن موخر الذکر سے خلق کے درمیان فتنہ پیدا ہوتا ہے، خصوصاً جب یہ جاہ طلبی خانقاہوں میں ہو۔

ولایت و کرامت: (۷) فرقہ حکیمیہ، یہ گروہ حضرت ابوعبداللہ بن علی الحکیم الترمذیؒ کی جانب منسوب ہے، اس فرقہ کا مسلک ہے کہ ولی اللہ خدا کا برگزیدہ بندہ ہوتا ہے، جو نفس کی حرص و آز سے پاک ہو کر اسرار الٰہی سے واقف ہوتا ہے اور اس سے کرامت ظاہر ہو سکتی ہے، اس سلسلہ میں حضرت ہجویریؒ نے ولی کی ولایت اور کرامت پر مفصل بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کچھ بندوں کو اپنا دوست بناتا ہے، ان کی صفات یہ ہیں کہ دنیاوی مال و دولت سے بے نیاز ہو کر وہ صرف ذات خداوندی سے محبت کرتے ہیں، جب دوسرے لوگ ڈرتے ہیں تو وہ نہیں ڈرتے اور جب دوسرے غم زدہ ہوتے ہیں تو وہ نہیں ہوتے اور جب ایسے لوگ دنیا میں باقی نہ رہیں گے تو قیامت آجائے

Marfat.com

گی، معتزلہ کا اعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام بندے اس کے دوست ہیں، کوئی بندہ خاص اور برگزیدہ نہیں ہوتا، اللہ کا خاص بندہ صرف نبی ہوتا ہے، حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر زمانہ میں اپنے بندوں میں سے کسی ایک کو خاص بناتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے رسول کی رسالت کی دلیل روشن اور واضح ہوتی رہے، فرقہ حشوی خاص بندوں کا ہونا جائز سمجھتا ہے مگر اس کا خیال ہے کہ ایسے بندے تھے ضرور مگر اب نہیں ہیں لیکن حضرت شیخ ہجویریؒ کہتے ہیں کہ ایسے بندے ہر زمانہ میں ہوتے ہیں اور ان کی قسمیں بتائی ہیں، ۱-اخیار، ۲-ابدال، ۳-ابرار، ۴-اوتاد، ۵-نقباء، ۶-قطب یا غوث۔

ایک گروہ کا اعتراض ہے کہ ولی اپنی ولایت کے باعث عاقبت سے بے خوف اور دنیا پر مغرور ہوسکتا ہے لیکن حضرت شیخ ہجویریؒ نے بہت سے اقوال سے ثابت کیا ہے کہ ولی وہ ہے جو اپنے حال میں فانی اور مشاہدہ حق میں باقی ہو، اسے اپنے وجود کی خبر نہ ہو اور نہ اس کو اللہ کے سوا غیر کے ساتھ قرار ہو، وہ مشہور ہوتا ہے لیکن شہرت سے پرہیز کرتا ہے کیوں کہ شہرت باعث فساد ورعونت ہے۔

جب ولی اپنی ولایت میں صادق ہوتا ہے تو اس سے کرامت ظاہر ہوتی ہے، کرامت ولی کا خاصہ ہے، کرامت نہ عقل کے نزدیک محال ہے نہ اصول شریعت کے خلاف ہے، کرامت محض ''مقدر خداوندی'' ہے یعنی اس کا ظہور کسب سے نہیں بلکہ خدا کی بخششوں سے ہوتا ہے۔

اس کے بعد یہ بحث ہے کہ کرامت کا ظہور کب ہوتا ہے، ابو یزیدؒ، ذوالنون مصریؒ اور محمد بن خفیفؒ وغیرہ کا خیال ہے کہ اس کا ظہور سکر کے حال میں ہوتا ہے اور جو صحو کے حال میں ہو وہ نبی کا معجزہ ہے، ولی جب تک بشریت کے حال میں رہتا ہے وہ محجوب رہتا ہے اور جب خدا کے الطاف واکرام کی حقیقت میں مدہوش ہو جاتا ہے تو اس حال میں (جو سکر ہے) کرامت ظاہر ہوتی ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب ولی کے نزدیک پتھر اور سونا

Marfat.com

دونوں برابر ہو جاتے ہیں۔

حضرت جنیدؒ اور ابو العباس سیاریؒ وغیرہ کا مسلک ہے کہ کرامت سکر میں نہیں بلکہ صحو اور تمکین میں ظاہر ہوتی ہے، ولی خدا کے ملک کا مدبر، واقف کار اور والی ہوتا ہے اور اس سے ملک کی گتھیاں سلجھتی ہیں، اسی لیے ان کی رائے سب سے زیادہ صائب اور اس کا دل سب سے زیادہ شفیق ہوتا ہے، مگر یہ مرتبہ تلوین اور سکر میں حاصل نہیں ہوتا کیوں کہ تلوین اور سکر ابتدائی مدارج ہیں اور جب یہ آخری منازل تمکین اور صحو میں منتقل ہو جاتے ہیں تو ولی برحق ہوتا ہے اور اس کی کرامت صحیح ہوتی ہے۔

اس بحث کے بعد اولیا اللہ کی کرامتوں کا بیان ہے، پھر دو فصلوں میں بتلایا گیا ہے کہ انبیا اولیا سے افضل تر ہیں و اولیا فرشتوں پر فضیلت رکھتے ہیں۔

فنا و بقا: (۸) فرقہ خرازی، یہ فرقہ حضرت ابو سعید خرازؒ کی طرف منسوب ہے، جنہوں نے سب سے پہلے مقام فنا و بقا سے بحث کی ہے، اسی لیے اس فصل میں حضرت شیخ ہجویریؒ نے صرف فنا اور بقا پر روشنی ڈالی ہے۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ فنا سے مراد اپنی ذات اور وجود کا مٹا دینا اور بقا سے مراد خدا سے متحد ہو کر اس میں حلول کر جانا ہے لیکن حضرت شیخ ہجویریؒ نے ان دونوں کی تردید کی ہے، ان کے نزدیک ذات اور وجود کا نیست ہو کر خدا میں حلول کرنا محال ہے کیوں کہ حادث قدیم سے، مصنوع صانع سے، مخلوق خالق سے متحد اور ممتزج نہیں ہو سکتا، حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک فنا سے مراد شہوت و لذات کو ترک کر کے خصائص بشریت سے اس طرح علاحدہ ہو جانا ہے کہ پھر محبت و عداوت، قرب و بعد، وصل و فراق اور صحو و سکر میں کوئی تمیز باقی نہ رہے اور جب یہ مقصود حاصل ہو جائے تو یہی بقا ہے، اس کو مختصر الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ انسانیت کے تعلقات سے کنارہ کش ہونے کا نام فنا ہے اور اخلاص و عبودیت کا نام بقا ہے، یا علائق دنیوی سے علاحدہ ہونا فنا ہے اور خدا کا جلال دیکھنا بقا ہے، اس غلبہ

Marfat.com

جلال سے یہ کیفیت ہوتی ہے کہ سالک دین و دنیا کو فراموش کر دیتا ہے، حال و مقام سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور اس کی زبان حق تعالیٰ سے ناطق ہو جاتی ہے۔

غیبت و حضور: (۹) فرقہ خفیفی، یہ فرقہ حضرت ابو عبداللہ بن خفیفؒ کی جانب منسوب ہے، اس کا مذہب تصوف ''غیبت و حضور'' ہے۔

غیبت سے مراد دل کا اپنے وجود سے غائب رہنا اور حضور سے مراد اس کا خدا کے ساتھ رہنا ہے، اپنے سے غیبت حق سے حضور ہے، یعنی جو شخص اپنے سے غائب ہے وہ خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہے، ایک سالک کے اپنے سے غائب ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی ہستی کے وجود کی آفتوں سے دور ہو، اس کی صفات بشری ختم ہو گئی ہوں اور اس کے تمام ارادے پاک ہوں۔

اس سلسلہ میں صوفیائے کرام نے یہ بحث کی ہے کہ غیبت حضور پر مقدم ہے یا حضور غیبت پر، ایک گروہ کہتا ہے کہ غیبت سے حضوری حاصل ہوتی ہے، دوسرا کہتا ہے کہ حضوری سے غیبت حاصل ہوتی ہے، حضرت شیخ ہجویریؒ کا خیال ہے کہ دونوں برابر ہیں کیوں کہ غیبت سے مراد حضور ہے جو اپنے سے غائب نہیں ہے، وہ حق سے حاضر نہیں ہے اور جو حاضر ہے وہ غائب ہے، یہ نکتہ حضرت جنیدؒ کے حال سے واضح ہو جاتا ہے، انہوں نے فرمایا کہ مجھ پر کچھ زمانہ ایسا گزرا ہے کہ آسمان اور زمین میرے حال پر روتے تھے، پھر خدا نے ایسا کر دیا کہ میں ان کی غیبت پر روتا تھا اور اب یہ زمانہ ہے کہ مجھ کو نہ آسمان کی خبر ہے نہ زمین کی اور نہ خود اپنی۔

جمع و تفرقہ: (۱۰) فرقہ سیاریہ، یہ فرقہ ابو عباس سیاریؒ کی جانب منسوب ہے، جو مرو کے امام تھے، ان کی بحث جمع و تفرقہ پر ہے، حضرت ہجویریؒ نے اس پر یہ روشنی ڈالی ہے کہ ارباب علم کے نزدیک جمع توحید کا علم اور تفرقہ احکام کا علم ہے، مگر اصحاب تصوف کے نزدیک تفرقہ سے مکاسب اور جمع سے مواہب مراد ہیں، جب سالک خدا کے راستہ میں

Marfat.com

مجاہدہ کرتا ہے تو وہ تفرقہ میں ہے اور جب خدا کی عنایت اور مہربانی سے سرفراز ہوتا ہے تو یہ جمع ہے، جمع میں بندہ کچھ سنتا ہے تو خدا سے، کچھ دیکھتا ہے تو خدا کو، کچھ لیتا ہے تو خدا سے اور کچھ کہتا ہے تو خدا سے، پس بندہ کی عزت اس میں ہے کہ وہ اپنے فعل کے وجود اور مجاہدہ کو خدا کی نوازشوں میں مستغرق پائے اور مجاہدہ کو ہدایت کے پہلو میں منفی کردے، کیوں کہ جب ہدایت غالب ہوتی ہے تو کسب اور مجاہدہ بے کار ہیں، چنانچہ فرقہ سیاریہ کا مسلک ہے کہ تفرقہ اور جمع اجتماع ضدین ہیں، جمع کا اظہار تفرقہ کی نفی پر ہے لیکن حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس کی تردید کی ہے اور دلیل یہ پیش کی ہے کہ جس طرح آفتاب سے نور، جوہر سے عرض اور موصوف سے صفت جدا نہیں ہوسکتی ہے، اسی طرح شریعت حقیقت سے اور مجاہدہ ہدایت سے علاحدہ نہیں ہوسکتا، ممکن ہے کہ مجاہدہ کبھی مقدم ہو اور کبھی موخر، مقدم کی حالت میں مشقت زیادہ ہوتی ہے اس وجہ سے کہ وہ غیبت کی حالت میں ہوتا ہے، اور جب مجاہدہ موخر ہوتا ہے تو رنج وکلفت نہیں ہوتی، کیوں کہ یہ حالت حضوری میں ہوتا ہے، حضرت شیخ ہجویریؒ نے دونوں کو لازم وملزوم اس لیے قرار دیا ہے کہ ان کا خیال ہے کہ خدا کا قرب ہدایت سے حاصل ہوتا ہے نہ کہ کوشش سے۔

اس کے بعد حضرت شیخ ہجویریؒ نے جمع کی دو قسمیں بتائی ہیں، (۱) جمع سلامت (۲) جمع تکسیر، جمع سلامت میں بندہ مغلوب الحال رہتا ہے لیکن خداوند تعالیٰ اس کا محافظ ہوتا ہے، اور اپنے حکم کی تعمیل کرانے میں نگاہ رکھتا ہے، مثلاً حضرت ابویزید بسطامیؒ، ابوبکر شبلیؒ اور ابوالحسنؒ ہمیشہ مغلوب الحال رہتے تھے لیکن نماز کے وقت اپنے حال میں لوٹ جاتے تھے اور جب نماز پڑھ چکتے تھے تو پھر مغلوب الحال ہوجاتے تھے۔

جمع تکسیر میں بندہ خداوند تعالیٰ کے حکم سے بے ہوش ہوجاتا ہے اور اس کی حالت مجنون کی سی ہوجاتی ہے، اسی لیے یہ معذور اور اول الذکر مشکور کہلاتے ہیں، حضرت شیخ ہجویریؒ نے مشکور بندوں کو زیادہ فوقیت دی ہے۔

Marfat.com

حلول روح: (۱۱) گیارہواں فرقہ حلولیہ ہے، جو ابوحلمان دمشقی کی طرف منسوب ہے، بارہویں فرقہ کا نام نہیں لیا ہے، مگر اس سلسلہ کے بانی کا نام فارس (یعنی فارس بن عیسیٰ بغدادی) بتایا ہے۔

حضرت شیخ ہجویریؒ نے فرقہ حلولیہ کو زندیق اور کافر کہا ہے، خدائے تعالیٰ میں بندہ کی روح کا حلول کرنا محال ہے، کیوں کہ روح حادث ہے قدیم نہیں، اس کو خدا کی صفت بھی کہہ سکتے ہیں، خالق اور مخلوق کی صفت یکساں نہیں ہوسکتی، پھر قدیم و حادث اور خالق ومخلوق کی صفت کیوں کر ایک دوسرے میں حلول کرسکتی ہے، روح محض ایک جسم لطیف ہے، جو خدا کے حکم سے قائم ہے، اور اسی کے حکم سے آتی جاتی ہے، اس لیے حلولیہ کا مسلک توحید اور دین کے خلاف ہے، جو کسی طرح تصوف نہیں کہا جاسکتا۔

گذشتہ صفحات میں حضرت شیخ ہجویریؒ نے تصوف پر نظری اور تاریخی حیثیت سے بحث کی ہے جس سے اس کی اصل تاریخ اور اس کے مختلف فرقوں اور گروہوں کے عقائد کا اندازہ ہوتا ہے، لیکن آئندہ ابواب میں تصوف کے عملی مسائل پر مباحث ہیں، اور راہِ سلوک میں بارہ حجاب یعنی پردے بتائے ہیں، ان میں سے ہر ایک کی علاحدہ علاحدہ تشریح و توضیح ہے، معرفت، پہلا پردہ خدا کی معرفت کا ہے، معتزلہ کہتے ہیں کہ معرفت علم اور عقل سے ہوتی ہے، مگر حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس کی تردید کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ اگر معرفت علم و عقل سے ہوتی تو ہر عالم اور عاقل عارف ہوتا، حالاں کہ ایسا نہیں ہے، حضرت ہجویریؒ کا خیال ہے کہ معرفت اسی بندہ کو حاصل ہوتی ہے جس پر خداوند تعالیٰ کی عنایت ہو، وہی دل کو کھولتا ہے اور بند کرتا ہے، کشادہ کرتا ہے اور مہر لگاتا ہے، عقل اور دلیل معرفت کا ذریعہ ہو سکتی ہیں علت نہیں، علت صرف اس کی عنایت ہے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ خدا کو میں نے خدا ہی سے پہچانا اور خدا کے سوا کو اس کے نور سے پہچانا۔

معرفت کیا ہے؟ اس پر حضرت شیخ ہجویریؒ نے صوفیائے کرام کے اقوال کی روشنی

Marfat.com

میں بحث کی ہے، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ معرفت یہ ہے کہ کسی چیز پر تعجب نہ ہو، کیوں کہ تعجب اس فعل سے ہوتا ہے جو مقدور سے زیادہ ہو لیکن خدائے تعالیٰ ہر کمال پر قادر ہے، پھر عارف کو اس کے افعال پر تعجب کیوں ہو؟ حضرت ذوالنون مصریؒ کا قول ہے کہ معرفت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ پیہم لطائف کے انوار سے بندہ کو اپنے اسرار سے آگاہ یعنی اس کے دل کو روشن اور آنکھ کو بینا کر کے اس کو تمام آفتوں سے محفوظ رکھے، اس کے دل میں خدا کے سوا موجودات اور مثبتات کا ذرہ برابر وزن قائم ہونے نہ دے، جس کے بعد بندہ ظاہری و باطنی اسرار کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے، شیخ شبلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ معرفت حیرت دوام کا نام ہے، حیرت دو طرح پر ہوتی ہے، ایک ہستی میں، دوسرے چگونگی میں، ہستی میں حیرت کا ہونا شرک اور کفر ہے اور چگونگی میں معرفت، کیوں کہ خدا کی ہستی میں شک نہیں کیا جا سکتا، مگر اس کی ہستی کی چگونگی سے یقین کامل پیدا ہوتا ہے اور پھر حیرت، حضرت بایزید بسطامیؒ کا قول ہے کہ معرفت یہ ہے کہ بندہ کو یہ معلوم ہو جائے کہ مخلوق کی تمام حرکات وسکنات خدا کی طرف سے ہیں، کسی کو خدا کے اذن کے بغیر اس کے ملک میں تصرف نہیں ہے، اور ہر چیز کی ذات اس کی ذات سے ہے، ہر چیز کا اثر اس کے اثر سے ہے، ہر شے کی صفت اس کی صفت سے ہے، متحرک اس سے متحرک ہے اور ساکن اس سے ساکن ہے، بندہ کا فعل محض مجازاً ہے، ورنہ درحقیقت وہ فعل خداوند عالم کا ہے۔

توحید: دوسرا پردہ توحید کا ہے، توحید تین طرح پر ہوتی ہے یعنی (۱) خداوند تعالیٰ کو خود بھی اپنی وحدانیت کا علم ہے، (۲) خداوند تعالیٰ بندوں کو اپنی وحدانیت تسلیم کرنے کا حکم دیتا ہے، (۳) بندوں کو خداوند تعالیٰ کی وحدانیت کا علم ہوتا ہے اور جب سالک کو یہ علم بدرجہ اتم حاصل ہو جاتا ہے تو وہ محسوس کرتا ہے کہ خداوند تعالیٰ ایک ہے، جو فصل ووصل کو قبول نہیں کرتا، وہ قدیم ہے اس لیے حادث نہیں، وہ محدود نہیں جس کے لیے طرفین ہوں، وہ مکین نہیں جس کے لیے مکان ہو، وہ عرض نہیں جس کے لیے جوہر ہو، وہ کوئی طبع نہیں جس میں

Marfat.com

حرکت وسکون ہو، وہ کوئی روح نہیں کہ جو اس کے لیے بدن ہو، وہ کوئی جسم نہیں کہ اس کے لیے اجزا ہوں، وہ قوت اور حال نہیں کہ اور چیزوں کی جنس ہو، وہ کسی چیز سے نہیں کہ کوئی چیز اس کا جزو ہو، اس کی ذات وصفات میں کوئی تغیر نہیں، وہ زندہ رہنے والا ہے، وہ جاننے والا ہے، سننے والا ہے، دیکھنے والا ہے، کلام کرنے والا ہے اور باقی رہنے والا ہے، وہ جو کچھ چاہتا ہے وہی کرتا ہے اور وہی چاہتا ہے جو جانتا ہے، اس کا حکم اس کی مشیت سے ہے اور بندوں کو اس کے بجالانے کے سوا کوئی چارہ نہیں، وہی نفع ونقصان کا باعث ہے، وہی نیکی اور بدی کا اندازہ کرنے والا ہے۔

ایمان: تیسرا پردہ ایمان کا ہے، اس میں یہ بحث ہے کہ ایمان کی علت کیا ہے، معرفت یا طاعت، ایک گروہ کا خیال ہے کہ ایمان کی علت معرفت ہے، اگر معرفت ہو اور اطاعت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ بندہ سے مواخذہ نہ کرے گا لیکن طاعت ہو اور معرفت نہ ہو تو بندہ نجات نہیں پائے گا، حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک وہ معرفت پسندیدہ نہیں ہے، جس میں طاعت نہ ہو، ان کے نزدیک معرفت شوق اور محبت کا نام ہے اور شوق اور محبت کی علامت طاعت ہے، شوق اور محبت جس قدر زیادہ ہوتی جائے گی اسی قدر فرمان الٰہی کی تعظیم بڑھتی جائے گی، یہ کہنا غلط ہے کہ طاعت کی ضرورت اسی وقت تک ہے جب تک خداوند تعالیٰ کی معرفت حاصل نہ ہو، اور حصول معرفت کے بعد دل شوق کا محل بن گیا اور جسمانی طاعت کی تکلیف اٹھ گئی، بلکہ صحیح یہ ہے کہ جب قلب خدا کی دوستی کا محل، آنکھیں اس کے دیدار کا محل، جان عبرت کا محل، اور دل مشاہدہ کا مقام ہو گیا تو پھر تن کو اس کی طاعت ترک نہ کرنی چاہیے۔

طہارت: چوتھا پردہ طہارت کا ہے، حضرت ہجویریؒ کے نزدیک ایمان کے بعد طہارت فرض ہے، اس کی دو قسمیں ہیں، (۱) طہارت ظاہر (۲) طہارت باطن، طہارت ظاہر سے مراد بدن کا پاک ہونا ہے، جس کے بغیر نماز درست نہیں، اور طہارت باطن سے مراد دل کا پاک ہونا ہے، جس کے بغیر معرفت حاصل نہیں ہو سکتی، باطن کی طہارت خدا کی بارگاہ میں توبہ

Marfat.com

سے ہوتی ہے، جو سالک کا پہلا مقام ہے، توبہ کے معنی ہیں خداوند تعالیٰ کے خوف سے اس کے نواہی سے باز رہنا، توبہ کے لیے تین شرطیں ہیں، (۱) خدا کے حکم کی مخالفت پر تاسف ہو، (۲) یہ مخالفت فوراً ترک کردی گئی ہو، (۳) اس کی طرف لوٹنے کا خیال نہ ہو، یہ شرطیں اسی وقت ممکن ہیں جب ندامت ہو، اس ندامت کے لیے بھی تین شرطیں ہیں، (۱) عقوبت کا خوف ہو، (۲) یہ خیال ہو کہ برے کاموں کا حاصل کچھ بھی نہیں، (۳) نافرمانیوں سے پشیمانی ہو کہ خدا سب کچھ دیکھتا ہے۔

ندامت سے توبہ کرنے والوں کی بھی تین قسمیں ہیں:

۱- عذاب کے ڈر سے، اس توبہ کو کہتے ہیں جو عام بندے کیا کرتے ہیں۔

۲- ثواب کی خواہش سے، یہ انابت ہے، جو اولیاء اللہ کے لیے مخصوص ہے۔

۳- حصول عرفان کے لیے، یہ اذابت ہے، جو انبیا و مرسلین کے لیے ہے۔

آگے چل کر توبہ کی بھی تین قسمیں بتائی گئی ہیں:

۱- خطاب سے ثواب کی جانب ہو، یعنی گناہ کرنے والا بخشش کا خواست گار ہو، یہ توبہ عام ہے۔

۲- صواب سے صواب کی طرف ہو، یہ اہل ہمت اور خاص لوگوں کی توبہ ہے۔

۳- خودی سے حق تعالیٰ کی طرف ہو، یہ محبت کی دلیل ہے۔

نماز: پانچواں حجاب نماز کا ہے، اس میں حضرت شیخ ہجویریؒ نے صوفیانہ رنگ میں بتانے کی کوشش کی ہے کہ نماز بندوں کو خدا کے راستہ پر پہنچاتی ہے اور ان پر اس راہ کے تمام مقامات کھل جاتے ہیں، وضو یعنی جسم کی طہارت توبہ (یعنی باطن کی طہارت) ہے، قبلہ رو ہونا، مرشد سے تعلق پیدا کرنا ہے، قیام نفس کا مجاہدہ ہے، قرأت ذکر ہے، رکوع تواضع ہے، سجدہ نفس کی معرفت ہے، تشہد انس یعنی محبت کا مقام ہے اور سلام دنیا سے تنہا ہو کر مقامات سے باہر آنا ہے۔

Marfat.com

نماز کے سلسلہ میں بہت سی بحثیں ہیں، مثلاً صوفیہ کا ایک گروہ نماز کو حضور کا ذریعہ (آلہ) اور دوسرا غیبت کا محل سمجھتا ہے لیکن حضرت شیخ ہجویریؒ نے دونوں کی تردید کی ہے، ان کے دلائل یہ ہیں کہ اگر نماز حضور کی علت ہوتی تو نماز کے سوا حضوری نہ ہوتی اور اگر غیبت کی علت ہوتی تو غائب نماز کو ترک کرنے سے حاضر ہوتا، چنانچہ حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک نماز محض اپنی ذات کا ایک غلبہ ہے، جس کا تعلق غیبت اور حضور سے نہیں۔

ایک بحث یہ بھی ہے کہ نماز سے تفرقہ ہوتا ہے یا جمع، جن کو نماز میں تفرقہ ہوتا ہے وہ فرض اور سنت کے سوا نمازیں بہت کم پڑھتے ہیں اور جن کو جمع کی کیفیت حاصل ہوتی ہے وہ رات دن نمازیں پڑھا کرتے ہیں، شیخ ہجویریؒ کے نزدیک نماز پڑھنے والوں کے لیے نفس کا فنا کرنا ضروری ہے، مگر اس کے لیے ہمت کو جمع کرنے کی ضرورت ہے اور جب ہمت جمع ہو جاتی ہے تو نفس کا غلبہ ہو جاتا ہے کیوں کہ نفس کی حکومت تفرقہ سے قائم رہتی ہے، تفرقہ عبادت کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا۔

حضرت شیخ ہجویریؒ کی رائے میں اصلی نماز یہ ہے کہ جسم عالم ناسوت میں ہو اور روح عالم ملکوت میں، صوفیائے کرام نے ایسی نمازیں پڑھی ہیں، حضرت حاتم اصمؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں نماز پڑھتا ہوں تو بہشت کو اپنی سیدھی جانب اور دوزخ کو پشت کی جانب دیکھتا ہوں، حضرت ابوالخیر اقطعؒ کے پاؤں میں آکلہ ہو گیا تھا، اطبا نے پاؤں کاٹنا چاہا، مگر وہ راضی نہ ہوئے، ایک روز نماز سے فارغ ہوئے تو پاؤں کو کٹا ہوا پایا، ایک بی بی کو نماز میں بچھو نے چالیس بار ڈنک مارا، مگر ان کی حالت میں کسی قسم کا تغیر نہ ہوا، وہ نماز سے فارغ ہوئیں تو ان سے پوچھا گیا کہ بچھو کو کیوں نہیں اپنے سے دور کیا؟ بولیں، خدا کے کام کے درمیان اپنا کام کیسے کرتی؟ مردوں کے لیے نماز باجماعت کی تاکید ہر حال میں کی ہے، چنانچہ انہوں نے خود چالیس برس کی مسلسل سیاحت میں ہر وقت کی نماز جماعت سے ادا کی اور جمعہ کی نماز کسی قصبہ میں پڑھی، جیسا کہ پہلے ذکر آچکا۔

Marfat.com

زکوٰۃ: چھٹا حجاب زکوٰۃ ہے، جو ایمان کا جز ہے، اس سے روگردانی جائز نہیں، سالک کو زکوٰۃ میں نہ صرف سخی بلکہ جواد ہونا چاہیے، سخی سخاوت کے وقت اچھے اور برے مال میں اور اس کی زیادتی اور کمی میں تمیز کرتا ہے، مگر جواد کے یہاں اس قسم کا فرق و امتیاز نہیں ہوتا۔

اس موقع پر ایک سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ صوفی کے فقر میں زکوٰۃ کی گنجائش کہاں؟ مگر حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک زکوٰۃ صرف مال ہی کی نہیں، ہر شے کی ہوتی ہے، زکوٰۃ کی حقیقت نعمت کی شکرگزاری ہے، تندرستی ایک نعمت ہے، جس کے لیے زکوٰۃ لازم ہے، اس کی زکوٰۃ سب اعضا کو عبادت میں مشغول رکھنا ہے، باطن بھی ایک نعمت ہے، اس کی زکوٰۃ عرفان حاصل کرنا ہے۔

روزہ: ساتواں حجاب روزہ ہے، حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک روزہ سے مراد حواسِ خمسہ کو اس طرح مقید کرنا ہے کہ نفس و ہوا کا گزر نہ ہو، بھوک سے بحث کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اس سے نفس میں افتادگی اور دل میں عاجزی پیدا ہوتی ہے، اگرچہ بھوک سے جسم بلا میں مبتلا ہوتا ہے لیکن دل کو روشنی، جان کو صفائی اور سر کو بقا حاصل ہوتی ہے، حضرت ابوالعباس قصابؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں کھاتا ہوں تو اپنے میں گناہوں کا مادہ پاتا ہوں اور جب کھانے سے ہاتھ اٹھا لیتا ہوں تو سب طاعتوں کی اصل پاتا ہوں، حضرت عبداللہ تستریؒ پندرہ روز میں ایک دفعہ کھانا کھاتے تھے اور جب ماہ رمضان المبارک شروع ہوتا تھا تو معمولی افطار کے سوا عید تک وہ کچھ نہیں تناول فرماتے تھے، حضرت ابراہیم ادہمؒ بھی رمضان المبارک میں کوئی چیز نہیں کھاتے تھے، حالاں کہ سخت گرمی کا موسم ہوتا تھا، روزآنہ گیہوں کاٹنے کے کام پر جایا کرتے تھے اور جو کچھ مزدوری ملتی تھی، اس کو فقرا و مساکین کو دے دیا کرتے تھے۔

حج: آٹھواں حجاب حج کا ہے، حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک حج کے لیے ایک صوفی کا نکلنا گناہوں سے توبہ کرنا ہے، کپڑے اتار کر احرام باندھنا انسانی عادتوں سے علاحدہ ہونا ہے، عرفات میں قیام کرنا مشاہدہ کا کشف حاصل کرنا ہے، مزدلفہ جانا نفسانی مرادوں کو

Marfat.com

ترک کرنا ہے، خانہ کعبہ کا طواف کرنا خدائے تعالیٰ کے جمال باکمال کو دیکھنا ہے، منیٰ میں آنا آرزوؤں کو ساقط کرنا ہے، قربانی کرنا گویا نفسانی خواہشوں کو ذبح کرنا ہے اور کنکریاں پھینکنا برے ساتھیوں کو دور کرنا ہے، جس صوفی کو حج میں یہ کیفیات حاصل نہیں ہوئیں اس نے گویا حج نہیں کیا۔

مشاہدہ: حضرت شیخ ہجویریؒ نے حج کو مقام مشاہدہ قرار دیا ہے، اس لیے اس باب میں مشاہدہ پر بحث کی ہے، حضرت ابوالعباسؒ نے فرمایا کہ مشاہدہ یقین کی صحت اور محبت کا غلبہ ہے، یعنی جب خداوند تعالیٰ کی محبت کا غلبہ اس درجہ پر ہو کہ اس کی کلیت اس کی حدیث ہو جائے تو پھر اللہ کے سوا کوئی اور چیز دکھائی نہیں دیتی، حضرت شیخ شبلیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے جس چیز کی طرف دیکھا خداوند عالم کے لیے دیکھا، یعنی اس کی محبت کا غلبہ اور اس کی قدرت کا مشاہدہ کیا، ان دونوں اقوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشاہدہ میں ایک گروہ فاعل کو دوسرا فاعل کے فعل کو دیکھتا ہے، حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک مشاہدہ دل کا دیدار ہے، دل پرتو انوارِ الٰہی ہے، اس لیے ظاہر اور باطن میں حق تعالیٰ کا دیدار کرتا ہے اور یہ دیدار کیفیت ہے، جو ذکر و فکر میں حاصل ہوتی ہے۔

آداب سالک: اس کے بعد مختلف ابواب میں حضرت شیخ ہجویریؒ نے سالک کے طریق و آداب پر بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ (۱) سالک ہر حال میں حق کے احکام کا اتباع کرتا ہو، (۲) بندوں کا حق بھی ادا کرتا ہو، (۳) اس کے لیے کسی شیخ کی صحبت ضروری ہے، کیوں کہ تنہائی اس کے لیے آفت ہے، (۴) جب کوئی درویش اس کے پاس آئے تو عزت کے ساتھ استقبال کرے، (۵) سفر کرے تو خدا کے واسطے کرے، یعنی اس کا سفر حج یا غزوہ یا علم یا کسی شیخ کی تربت کی زیارت کے لیے ہو، (۶) اس کا کھانا اور پینا بیماروں کے کھانے اور پینے کے مانند ہو اور حلال ہو، وہ دنیادار کی دعوت قبول نہ کرے، (۷) چلے تو خاکساری اور تواضع سے چلے، رعونت اور تکبر نہ اختیار کرے، (۸) اسی وقت سوئے جب

Marfat.com

نیند کا غلبہ ہو، (۹) خاموش رہے کیوں کہ خاموشی گفتار سے بہتر ہے، لیکن گفتار کے ساتھ حق ہو تو وہ خاموشی سے بہتر ہے، (۱۰) کسی چیز کی طلب کرے تو خدا سے کرے، (۱۱) تجرد کی زندگی سنت کے خلاف ہے، اس کے علاوہ تجرد میں نفسانی خواہشات کا غلبہ رہتا ہے، لیکن اگر سالک خلق سے دور رہنا چاہتا ہو تو مجرد رہنا اس کے لیے زینت ہے۔

سماع: آخر میں سماع پر بحث ہے، حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک سماع مباح ہے، مگر اس کے لیے حسب ذیل شرطیں ہیں، سالک سماع بلاضرورت نہ سنے اور طویل وقفہ کے بعد سنے، تاکہ اس کی تعظیم دل میں قائم رہے، محفل سماع میں مرشد موجود ہو، عوام شریک نہ ہوں، قوال فاسق نہ ہوں، سماع کے وقت دل دنیاوی علائق سے خالی ہو، طبیعت لہو ولعب کی طرف مائل نہ ہو، اگر وجد کی کیفیت طاری ہو جائے تو اس کو تکلف کے ساتھ نہ روکے اور یہ کیفیت جاری رہے تو تکلف کے ساتھ اس کو جذب کرنے کی کوشش نہ کرے، وجد کے وقت کسی سے مساعدت کی امید نہ رکھے اور کوئی مساعدت کرے تو اس کو نہ روکے، قوال کے گانے کی اچھائی اور برائی کا اظہار نہ کرے، محفل سماع میں لڑکے نہ ہوں، حضرت شیخ ہجویریؒ نے سماع کے وقت رقص کو کسی حال میں بھی پسند نہیں کیا ہے، بلکہ اس کو حرام اور ناجائز قرار دیا ہے[1]۔

---

[1] کہا جاتا ہے کہ کشف المحجوب کے ضمیمہ کے طور پر حضرت علی ہجویریؒ نے ایک رسالہ کشف الاسرار کے نام سے بھی لکھا تھا۔

Marfat.com

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ

نام ونسب: تذکرہ نگار حضرت خواجہ کا پورا اسم مبارک معین الدین حسن سجزی چشتی لکھتے ہیں، اصلی نام معین الدین تھا، ان کے والد بزرگ وار سید غیاث الدین کے نام کے ساتھ حسن[1] بھی جزو تھا، اس لیے ان کے نام کا بھی یہ جزو ہو گیا۔

مختلف تذکروں میں ان کا مختلف پدری شجرہ درج ہے، مثلاً جواہر فریدی میں نسب نامہ ہے:

حضرت خواجہ معین الدین بن غیاث الدین حسن سجزی بن سید حسن احمد بن سید طاہر بن سید عبدالعزیز بن سید ابراہیم بن امام محمد مہدی بن امام حسن عسکری بن امام نقی بن امام علی موسیٰ رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن حضرت امیر المومنین امام حسین شہید دشت کربلا رضی اللہ عنہ ابن حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ۔

خزینۃ الاصفیا میں ہے:

حضرت خواجہ معین الحق والدین بن غیاث الدین بن سید کمال الدین بن سید احمد حسین بن سید طاہر بن سید عبدالعزیز بن سید ابراہیم ....

---

[1] سیر الاولیا، ص ۴۸-۴۴، آئین اکبری، جلد سوم، ص ۶۸، جواہر فریدی، قلمی نسخہ وسفینۃ الاولیا، ص ۱۵۸، گلزار ابرار عکسی نسخہ۔

Marfat.com

تذکرۃ السادات میں ہے:

خواجہ معین الدین بن سید غیاث الدین بن سید سراج الدین بن سید عبداللہ بن سید عبدالکریم بن سید عبدالرحمٰن بن سید علی اکبر بن سید ابراہیم۔

مولد: سیر العارفین، ص ۵ میں ہے:

"تولد او بجستان است ونشو ونما در دیار خراسان۔"

اکبر نامہ میں ہے:

"خواجہ از سیستان است اورا سجزی می نویسند کہ معرب سنگری است[1]۔" (ج ۲، ص ۱۵۴)

آئین اکبری میں ہے:

"در قصبہ سنجر از دار بجستان بزاد۔" (جلد سوم، ص ۱۶۸)

گل زار ابرار میں ہے:

"بقصبہ سنجر از دار بجستان علی صورت او را عنصری خلعت پوشانید...... لیکن پرورش در صوبہ خراسان یافت۔"

تزک جہاں گیری میں اکبر نامہ ہی کی روایت ہے۔

تاریخ فرشتہ کی روایت ہے:

"تولد او در بلدہ بجستان بود۔" (جلد دوم، ص ۳۷۵)

سیر الاقطاب میں درج ہے:

"آں حضرت اصل از سادات سنجرستان است...... مولد شریف، آں حضرت در صفاہان است ونشو ونما در خراسان یافت۔" (ص ۱۱۰)

---

[1] اکبر نامہ کے انگریزی مترجم کا ترجمہ (ص ۲۳۸) میں یہ ہے:

The Khwaja came from Sistan and they write him Sijzi which is the arabic for Sigzi ...... wrongly printed in the text as Singri, the mistake is covected in errata.

Marfat.com

جواہر فریدی میں ہے:

''تولداو در سجستان است ونشو ونما در دیار خراسان۔''

مرأۃ الاسرار کے مولف لکھتے ہیں:

''ولادت وی بقصبہ سنجر در دیار سجستان است وآں راسیستان نیز گویند..... ودر خراسان نشو ونما یافت۔''

مطلوب الطالبین میں ہے:

''ولادت وے قصبہ سنجر کہ در دیار سجستان کہ ایں راسیستان نیز گویند واقع شد ودر ملک خراسان نشو ونما یافت۔''

روضۃ الاقطاب میں مرقوم ہے:

''ولادت وے بقصبہ سنجر کہ در دیار سجستان است وآں راسیستان نیز گویند واقع شد و در ملک خراسان نشو ونما یافت۔'' (ص ۳۰)

خزینۃ الاصفیا میں ہے:

''مولد شریف وے بلدہ اصفہان است ونشو ونما در خراسان یافت۔'' (جلد اول، ص ۲۵۷)

اوپر کے تذکروں میں صرف سیر الاقطاب اور خزینۃ الاصفیا میں ہے کہ حضرت خواجہ اصفہان میں پیدا ہوئے، جو ظاہر ہے کہ غلط ہے، کیوں کہ اور تمام تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ ان کا مولد سجستان یا سیستان تھا اور بعض تذکروں میں تصریح ہے کہ سجستان یا سیستان کے قصبہ سنجر میں ولادت ہوئی، اسی لیے سیر الاولیا اور اخبار الاخیار جیسے مستند مطبوعہ نسخوں میں ان کے نام کے ساتھ سنجری لکھا ہے لیکن راقم الحروف کے خیال میں سنجری کتابت کی غلطی ہے، جو عوام وخواص میں پھیل گئی ہے، دراصل صحیح لفظ سجزی ہے، عرب جغرافیہ نویس سیستان یا سجستان کو سجز بھی کہتے ہیں، جس کی نسبت سجزی ہے، اس لیے میری رائے میں خواجہ معین الدین سنجری کے بجائے سجزی صحیح ہے۔

Marfat.com

سنہ پیدائش: خواجگان چشت کے ملفوظات یا تصانیف میں جوان کی طرف منسوب ہے، کہیں خواجہ کی ولادت باسعادت کے سنہ کا ذکر نہیں، سیر الاولیا خواجگان چشت پر قدیم ترین تذکرہ سمجھا جاتا ہے لیکن اس میں بھی حضرت خواجہ کے حالات زندگی کے سلسلہ میں کسی سنہ کا ذکر نہیں، بعد کے تذکروں میں سیر العارفین میں صرف اتنا ذکر ہے کہ حضرت خواجہ نے اس عالم فانی سے عالم بقا کو رحلت فرمائی تو اس وقت ان کی عمر ۹۷ سال کی تھی، آئین اکبری (جلد سوم، ص ۱۶۸) میں ہے کہ وہ ۵۳۷ھ میں سنجر کے قصبہ میں پیدا ہوئے، ان کی عمر پندرہ سال کی ہوئی تو ان کے والد بزرگوار کی وفات ہوگئی، آخر میں ہے کہ روز شنبہ ۶/رجب ۶۳۳ھ کو عالم بقا کو رحلت فرمائی، تاریخ فرشتہ (جلد سوم، ص ۳۷۷) میں سنہ پیدائش تو درج نہیں لیکن سنہ وفات ۶/رجب ۶۳۳ھ لکھا ہے اور رحلت کے وقت عمر ۹۷ برس بتائی گئی ہے، اس طرح سنہ پیدائش ۵۳۶ھ تعین کیا جاسکتا ہے، گل زار ابرار میں سنہ پیدائش ۵۳۷ھ اور سنہ وفات ۶۳۳ھ مرقوم ہے، (اخبار الاخیار، ص ۲۲) میں بھی پیدائش کا سنہ نہیں لیکن اس میں وفات کی تاریخ ۶/رجب ۶۳۳ھ لکھی ہوئی ہے، سیر الاقطاب میں پیدائش اور وفات دونوں کے سنہ مذکور نہیں، سفینۃ الاولیا میں ہے کہ حضرت خواجہ کی ولادت ۵۳۷ھ اور وفات ۶/رجب ۶۳۳ھ میں ہوئی لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی اس میں مرقوم ہے کہ حضرت خواجہ کی عمر شریف ایک سو چار برس کی تھی لیکن جو سنہ ولادت ووفات لکھے گئے ہیں ان سے ۱۰۴ کے بجائے ۹۶ سال کی عمر ہوتی ہے، (ص ۱۵۹) مرأۃ الاسرار میں ہے کہ:

''وفاتش روز شنبہ ششم ماہ رجب در سنہ اثنی وثلثین وستمایہ (۶۳۲ھ) چنانکہ از آفتاب ملک ہند تاریخ پیدائش می شود، اما قول اول اصح ازانکہ سلطان المشائخ ودیگر بزرگان ایں خاندان تصحیح نمودہ اند کہ خواجہ قطب الاسلام در ماہ ربیع الاول سنہ ثلث وثلثین وستمایہ (۶۳۳ھ) وفات فرمود واز عبارت دلیل العارفین بلفظ خواجہ بزرگ کہ خواجہ قطب الاسلام نقل کردہ است چناں کہ نوشتہ شد، پس ازیں جا اختلاف برطرف گشت، واز کتاب کلمات الصادقین بہ تحقیق پیوست کہ نقل خواجہ بزرگ در ششم ماہ

Marfat.com

رجب در سنہ سبع وعشرین وستمایہ (۶۲۷ھ) در زمان سلطنت شمس الدین ایلتتمش انار اللہ برہانہ واقع شد وعمر شریفش قریب نود و ہفت سال رسیدہ بود، از آنجملہ مدت چہل و چند سال در اجمیر سکونت داشت۔''

جواہر فریدی میں پیدائش کی تاریخ نہیں دی گئی ہے، وفات کے سلسلہ میں صرف اتنا ہے کہ:

''رحلۃ ایشاں در ششم ماہ رجب المرجب روز دوشنبہ است۔''

مطلوب الطالبین میں بھی پیدائش کی تاریخ نہیں ہے، لیکن وفات کی تاریخ ہے:

''حضرت خواجہ معین الدین پیش از خواجہ قطب الدین وفات یافتہ نہ بعد از وے وفاتش شب یک شنبہ ماہ رجب المرجب سنہ اثنی وثلثین وستمایہ یعنی در سال شش صد وسی و دو واقعہ شد، وفات حضرت خواجہ پس از چند ماہ بتاریخ چہاردہم ماہ ربیع الاول سنہ ثلث وثلثین وستمایہ یعنی در سال صد وسی وسہ بود۔''

یہی تاریخ روضۃ الاقطاب میں ہے، خزینۃ الاصفیا میں ہے:

''ولادت باسعادت آنجناب باتفاق اہل تواریخ در سال پان صد وسی و ہفت (۵۳۷ھ) و وفات آں جامع الکمالات روز دوشنبہ ششم ماہ رجب المرجب سال شش صد وسی وسہ (۶۳۳ھ) در عہد سلطنت شمس الدین ایلتتمش بوقوع آمد۔'' (جلد اول ص ۲۶۵)

اردو کے سوانح نگاروں میں مولانا عبدالحلیم شرر نے حضرت خواجہ کا سنہ وفات ۶/ رجب ۶۳۳ھ لکھا ہے، نثار اجمیر مؤلفہ مولانا معین الدین اجمیری میں سنہ وفات ۶/ رجب ۶۳۳ھ مرقوم ہے لیکن معین الارواح میں نواب خادم حسن زبیری نے سنہ وفات ۶/ رجب ۶۲۷ھ لکھا ہے۔

اوپر کی تفصیلات سے ظاہر ہوگا کہ زیادہ تر تذکرہ نویس اور مورخین وفات کی تاریخ ۶/ رجب ۶۳۳ھ لکھتے ہیں، اس طرح پیدائش کی تاریخ ۵۳۷ھ ہوتی ہے لیکن اس کو تسلیم کرنے میں اس لیے تامل ہے کہ تذکرہ نگاروں اور مورخوں کا اتفاق ہے کہ حضرت خواجہ کی

Marfat.com

رحلت سلطان شمس الدین ایلتتمش کے عہد سلطنت میں ہوئی، طبقات ناصری سلطان ایلتتمش کے عہد کی معاصر تاریخ ہے، اس میں سلطان کی وفات کی تاریخ ۲۰ رشعبان ۶۳۳ھ لکھی ہوئی ہے اور اس کو موجودہ دور کے تمام مورخوں نے صحیح تسلیم کیا ہے اور پھر یہ بھی روایت ہے کہ سلطان نے حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور اگر اس کو تسلیم کرنے میں کسی کو عذر ہو تو اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا ہے کہ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کی وفات حضرت خواجہ معین الدینؒ کی رحلت کے بعد سلطان ایلتتمش کی زندگی میں ہوئی اور ان کی وفات کا مہینہ ربیع الاول تو یقینی ہے، سیر الاولیا کی روایت ہے کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی وفات ۱۴ / ربیع الاول ۶۳۳ھ کو ہوئی، یہ سن تسلیم کرنے میں عذر نہیں کیوں کہ اس وقت سلطان ایلتتمش زندہ تھا اور اس طرح اگر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی رحلت ۱۴ / ربیع الاول کو ہوئی تو سلطان ایلتتمش نے اسی سال ۲۰ رشعبان کو وفات پائی، اس کو ماننے کے بعد حضرت خواجہ معین الدینؒ کے وصال کی تاریخ ۶ / رجب ۶۳۳ھ نہیں ہو سکتی کیوں کہ ان کی رحلت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی زندگی ہی میں ہوئی، اب دو تاریخیں ۶ / رجب ۶۳۲ھ اور ۶ / رجب ۶۲۷ھ رہ جاتی ہے، اگر ۶ / رجب ۶۳۲ھ تسلیم کر لی جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے حضرت بختیار کاکیؒ اپنے مرشد کی رحلت کے آٹھ مہینہ کے بعد ہی وفات پا گئے، اگر ایسا ہوتا تو ایک سال کے اندر ہی ہندوستان میں علم و معرفت کے مہر و ماہ کے غروب ہو جانے پر بڑا ماتم ہوتا، پھر تمام تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ کو ان کے مرشد نے خرقہ خلافت ۵۲ / برس کی عمر میں عطا کیا تو اگر ان کی وفات کی تاریخ ۶۳۳ھ مان لی جائے تو ۹۷ سال کی عمر کے لحاظ سے ان کی پیدائش ۵۳۵ھ ہوتی ہے، اس طرح ان کو خرقہ خلافت ۵۸۷ھ میں ملا جو حضرت خواجہ کے ہندوستان آنے کی تاریخ ہے اور خرقہ خلافت پانے کے بعد انہوں نے ہندوستان آنے سے پہلے مختلف ملکوں کی سیاحت کی اور اگر ۶۲۷ھ کے لحاظ سے ان کی تاریخ پیدائش ۵۳۰ھ تسلیم کر لی جاتی ہے تو خرقہ خلافت ملنے کی تاریخ ۵۸۲ھ ہوتی

Marfat.com

ہے، جس کے بعد ان کو ہندوستان آنے سے پہلے پانچ سال کی کافی مدت سیاحت کے لیے مل جاتی ہے۔

حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے حالات زندگی کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے مرشد کی رحلت کے کچھ عرصہ بعد تک زندہ رہ کر ان کی تعلیمات کی تبلیغ و ترویج فرماتے رہے، اس لیے ۶۲۷ھ کی تاریخ وفات زیادہ قرین قیاس ہے، اگر ۶ / رجب ۶۳۳ھ تاریخ وفات تسلیم کی جاتی ہے تو حضرت خواجہ کی ۹۷ سال کی عمر کے لحاظ سے ان کی تاریخ ولادت ۵۳۵ھ ہوئی اور اگر تاریخ وفات ۶۲۷ھ مان لی جائے تو سنہ پیدائش ۵۳۰ھ قرار پاتا ہے۔

ابتدائی تعلیم: اوپر ذکر آیا ہے کہ حضرت خواجہ کی نشو ونما خراسان میں ہوئی، پندرہ سال کی عمر میں والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا[1]، ترکہ میں ایک باغ ملا، اس کی نگہبانی کرتے تھے، ایک روز ابراہیم قندوری نامی ایک مجذوب باغ میں آئے تو حضرت خواجہ نے ان کی خدمت میں انگور کے خوشے پیش کیے لیکن انہوں نے انگور نہیں کھائے اور کھلی کے ایک ٹکڑے کو دانتوں سے چبا کر خواجہ صاحب کے منہ میں دیا، کھلی کا کھانا تھا کہ حضرت کا دل انوارِ الٰہی سے روشن ہو گیا[2]، علائق دنیا کو چھوڑ کر طلب خدا میں اٹھ کھڑے ہوئے، بخارا اور سمرقند پہنچے جہاں کلام مجید حفظ کیا اور علوم ظاہری کی تعلیم میں مشغول رہے[3]۔

بیعت: سمرقند سے نکل کر عراق کی طرف روانہ ہوئے، قصبہ ہارون[4] میں حضرت شیخ عثمان ہارونی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے شرف بیعت حاصل کیا، بیعت

---

[1] جواہر فریدی قلمی نسخہ، مونس الارواح قلمی نسخہ، سیر الاقطاب، ص ۱۰۱، مطلوب الطالبین قلمی نسخہ، روضۃ الاقطاب، ص ۳۰ [2] سیر العارفین (مطبع رضوی، دہلی، ص ۵) مونس الارواح، خزینۃ الاصفیا، ص ۲۵ [3] سیر العارفین وجواہر فریدی وروضۃ الاقطاب، ص ۳ [4] یہ قصبہ نیشاپور کے حدود میں واقع ہے، خیر المجالس میں ہے: خواجہ فرمود کہ ہارونی نیست ہرونی است ہرون دیہی است، خواجہ دراں دہ بود، لیکن تمام تذکرہ نویسوں نے ہرونی کے بجائے ہارونی ہی لکھا ہے، صحیح تو ہرونی ہے، لیکن ہارونی ہی زبان وقلم پر چڑھا ہوا ہے۔

Marfat.com

کے وقت مرشد نے مرید سے وضو کرایا، دو رکعت نماز پڑھوائی، پھر قبلہ رخ ہو کر سورہ بقرہ پڑھنے کو کہا، اس کے بعد اکیس بار درود شریف پڑھوایا اور ساٹھ بار سبحان اللہ، آسمان کی طرف اپنا چہرہ مبارک اٹھایا اور مرید کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

''ترا بخدا رسانیدم و مقبول حضرت او گردانیدم۔''

پھر مرید کے سر کے بال قینچی سے تراشے اور کلاہ چہار ترکی اور گلیم خاص مرحمت کیا، کلاہ چہار ترکی کی تصریح خزینۃ الاصفیا کی حسب ذیل عبارت سے ہوتی ہے:

''مراد از کلاہ چار ترکی چار ترک است، اول ترک دنیا، دوم ترک عقبیٰ و سوائے ذات حق مقصود دیگر نداری، سوم ترک خور و خواب مگر قدرے برائے سد رمق کہ از ضروریات ست، چہارم ترک خواہش یعنی ہر چہ کہ بگوید خلاف آں کنی و ہر کہ ایں چہار چیز ترک کند پوشیدن کلاہ ترکی بوے سزاوار است۔'' (خزینۃ الاصفیا، جلد اول، ص ۲۶۵)

مرشد کی کچھ اور ہدایتوں پر خواجہ صاحبؒ نے شبانہ روز عمل کیا تو چند دنوں میں انوار الٰہی سے اپنے قلب کو منور پایا۔[1]

شجرۂ طریقت: حضرت خواجہؒ کا شجرۂ طریقت یہ ہے:

(۱) خواجہ عثمان ہارونیؒ، (۲) خواجہ حاجی شریف زندانیؒ، (۳) خواجہ محمد مودود چشتیؒ، (۴) خواجہ ابو یوسف چشتیؒ، (۵) خواجہ ابو محمد چشتیؒ، (۶) خواجہ ابو احمد چشتیؒ، (۷) خواجہ ابو اسحٰق شامی حسنی سالار چشتیاںؒ، (۸) خواجہ ممشاد علی دینوریؒ، (۹) خواجہ امین الدین ابی ہبیرہ بصریؒ، (۱۰) خواجہ سدید الدین حذیفہ مرعشیؒ، (۱۱) خواجہ ابراہیم ادہمؒ، (۱۲) خواجہ ابو الفیض فضیلؒ، (۱۳) خواجہ ابو الفضلؒ، (۱۴) خواجہ حسن بصریؒ، (۱۵) حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔

حضرت خواجہ ابو اسحٰق شامیؒ قصبہ چشت کے رہنے والے تھے، اس لیے چشتی کہلائے

---

[1] انیس الارواح، ص ۳، و جواہر فریدی و سیر الاقطاب، ص ۱۰۲۔

Marfat.com

اوران کا سلسلہ بھی چشتی سے موسوم ہوا، چشت خراسان میں ہرات کے قریب واقع ہے۔

خدمت مرشد: انیس الارواح (ص۳۰۴) میں ہے کہ مرشد کی صحبت میں بیس سال گزارے، دلیل العارفین (ص۳) میں ہے کہ حضرت خواجہ اپنے مرشد کے ساتھ آٹھ سال رہے، سیر العارفین، گل زار ابرار اور جواہر فریدی کے مولفوں کا بیان ہے کہ انہوں نے اپنے مرشد کی خدمت میں ڈھائی سال رہ کر ریاضت ومجاہدہ میں زندگی بسر کی، سیر الاولیا، سیر الاقطاب، روضۃ الاقطاب، مطلوب الطالبین، اخبار الاخیار، مونس الارواح اور سفینۃ الاولیا میں ہے کہ بیس سال تک اپنے پیر کی خدمت میں رہے اور غلاموں کی طرح خدمت کی، سفر میں مرشد کا بستر اور دوسری ضروری چیزیں اپنے سر پر رکھ کر چلتے۔

مرشد کے ساتھ سیاحت: مرشد کے ساتھ وہ سیوستان، دمشق، اوش، بدخشاں، بغداد، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ بھی گئے اوران کے ساتھ بزرگوں سے روحانی فیوض بھی حاصل کیا، جس کی مثالیں ذیل میں درج ہیں۔

مرشد کی معیت میں سیوستان پہنچے تو وہاں شیخ صدر الدین محمد سیوستانی سے ملے ان کے صومعہ میں گئے جہاں کئی روز رہے، یادحق میں ان بزرگ کا استغراق حد سے زیادہ تھا، جو کوئی ان کے پاس آتا محروم نہ جاتا، اس کو کوئی چیز لا کر ضرور دیتے اور فرماتے کہ میرے حق میں دعائے خیر کرو کہ اپنا ایمان قبر تک سلامت لے جاؤں، جب وہ قبر اور موت کے شدائد کا حال سنتے تو بید کی طرح کانپتے اور روتے روتے ان کی آنکھوں سے خون بہنے لگتا، جیسے کسی چشمہ سے پانی رواں ہو، یہ گریہ سات سات دن تک بند نہ ہوتا، آسمان کو دیکھ کر روتے اوران کے رونے سے دیکھنے والوں کو رونا آتا تھا، ایک موقع پر حضرت خواجہ کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا، اے عزیز! جس کو موت آنے والی ہو اور اس کا حریف ملک الموت ہو اس کو سونے، ہنسنے اور خوش رہنے سے کیا کام؟ اس کے بعد فرمایا، اے عزیز! اگر تمہیں ان لوگوں کا ذرا بھی حال معلوم ہو جو زیر خاک ایسی کوٹھری میں سوتے ہیں جس میں سانپ بچھو

Marfat.com

بھرے ہوئے ہیں تو اس کو معلوم کرتے ہی تم اس طرح پگھل جاؤ جیسے پانی میں نمک پگھل جاتا ہے، اس کے بعد فرمایا کہ ایک وقت میں ایک بزرگ کامل کے ساتھ بصرہ کے ایک قبرستان میں بیٹھا ہوا تھا، پاس ہی قبر میں ایک مردہ پر عذاب ہو رہا تھا، ان بزرگ نے جب یہ حال معلوم کیا، زور سے نعرہ مار کر زمین پر گر پڑے، میں نے ان کو اٹھانا چاہا تو ان کی روح قالب سے پرواز کر گئی اور تھوڑی دیر میں ان کا جسم پانی ہو کر بہہ گیا، اس دن سے مجھ پر قبر کی بڑی ہیبت طاری ہے، اس لیے اے عزیز! دنیا میں مشغول نہ ہونا کہ حق سے غافل ہو جاؤ۔
(دلیل العارفین، ص ۱۶)

بدخشاں پہنچے تو وہاں ایک خانقاہ میں ایک بزرگ کو دیکھا جن کا ایک پاؤں کٹا ہوا تھا، ان سے باتیں ہوئیں تو انہوں نے فرمایا کہ اس خانقاہ میں عبادت کرتا تھا کہ ایک روز نفسانی خواہش میں مبتلا ہو کر باہر نکلنا چاہا اور جیسے ہی ایک پاؤں باہر نکالا تھا کہ ندا آئی:

''اے مدعی عہد! ایں بود کہ فراموش کردی۔''

یہ سن کر اس پاؤں کو چھری سے کاٹ کر باہر پھینک دیا اور چالیس سال سے عالم تحیر میں ہوں کہ معلوم نہیں قیامت کے روز درویشوں کے ساتھ خدا کو کیا منہ دکھاؤں گا۔
(انیس الارواح، ص ۳)

مرشد کے ساتھ حضرت خواجہؒ نے حضرت خواجہ بہاء الدین اوشیؒ سے شرف ملاقات حاصل کیا اور انہوں نے حضرت خواجہ کو نصیحت فرمائی کہ تمہیں روپیہ پیسہ جو کچھ بھی ملے اپنے پاس نہ رکھنا، خدا کی راہ میں لٹا دینا تا کہ اللہ کے دوستوں میں تمہارا نام ہو۔ (فوائد السالکین، مجلس سوم)

مرشد ہی کے ساتھ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی بھی زیارت کی اور پیر مرشد نے ان کے حق میں خدا اور اس کے رسول کی بارگاہ میں دعائیں کیں اور مرشد نے گوش شنوا سے سنا:

''معین الدین دوست ماست او را قبول کردم و برگزیدم۔''

Marfat.com

مدینہ منورہ ہی میں بارگاہِ رسالت سے حضرت خواجہ کو ہندوستان جانے کی بشارت ملی[1]۔

حضرت خواجہ عثمان ہارونی کو خواجہ صاحب سے بڑی شیفتگی اور محبت تھی، فرمایا کرتے:

''معین الدین محبوب خدااست ومرافخراست برمریدی او[2]''

اور جب انہوں نے ان کو خرقہ عطا کیا تو ان کے سر پر چار تر کی بھی رکھی۔

انیس الارواح میں ہے کہ خرقہ کے ساتھ عصا، نعلین چوبی اور مصلا بھی دیا اور فرمایا کہ ان تبرکات کو اسی طرح اپنے پاس رکھنا، جس طرح ہم نے رکھا ہے اور اسی کو یہ یادگار دینا، جس کو تم مرد پاؤ اور جو کچھ ہم نے تم کو بتایا اس پر عمل کرنا تا کہ قیامت کے دن شرمندگی نہ ہو۔ (انیس الارواح، ص ۳۴)

تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہؒ نے اپنے مرشد سے باون سال کی عمر میں خرقہ خلافت پایا اور اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ وہ اپنے مرشد کے ساتھ بیس سال رہے تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بتیس سال کی عمر میں مرید ہوئے، اس سے پہلے کا زمانہ ظاہری اور باطنی علوم کی تحصیل میں گزرا۔

سیاحت: مرشد سے علاحدگی کے بعد حضرت خواجہؒ نے مختلف مقامات کی سیاحت کی، جس کو ترتیب زمانی کے ساتھ لکھنا مشکل ہے، کیوں کہ مختلف تذکرہ نگاروں کی مختلف روایتیں ہیں، سیر العارفین میں اس سیاحت کی تفصیل اور تذکروں کے مقابلہ میں زیادہ ہے، اس کے مصنف کی روایت ہے کہ حضرت خواجہؒ مرشد سے علاحدہ ہونے کے بعد پہلے سنجان آئے، پھر جبل پہنچے جہاں سے بغداد شریف وارد ہوئے، وہاں سے چل کر ہمدان تشریف لائے، پھر

[1] سیر الاقطاب، ص ۱۰۳ و مونس الارواح [2] سیر العارفین، ص ۷، سفینۃ الاولیا، ص ۱۵۸، سیر الاقطاب، ص ۱۰۳ و مونس الارواح۔

Marfat.com

تبریز ہوتے ہوئے مہنہ آئے، پھر خرقان، استر آباد، ہری، سبزوار، حصار اور بلخ ہوتے ہوئے غزنین پہنچے، جہاں سے ہندوستان کی طرف رخ کیا، دلیل العارفین اور دوسرے تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اصفہان، کرمان اور بخارا کی بھی سیاحت کی، اور اگر یہ روایت تسلیم کرلی جائے کہ مدینہ منورہ میں ان کے ہندوستان جانے کی بشارت ملی تو پھر خیال ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی بھی زیارت فرماتے رہے۔

حضرت خواجہؒ کی یہ سیاحت راہ سلوک کی کٹھن منزلیں طے کرنے کی خاطر ہوئی، اسی لیے وہ وہیں پہنچے جہاں بحر معرفت کے غواص اور شناور موجود تھے، ان کی صحبت میں رہ کر فیوض و برکات حاصل فرماتے رہے، مثلاً سنجان پہنچے تو شیخ نجم الدین کبریٰؒ (المتوفی ۶۱۸ھ) کی خدمت میں ڈھائی برس تک قیام پذیر ہوئے[1]، جبل آئے تو حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ (المتوفی ۵۶۱ھ) کے یہاں ستاون روز رہ کر ہر قسم کے فیوض حاصل کیے[2]، بغداد آئے تو حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ (المتوفی ۶۳۲ھ) کے پیر شیخ ضیاء الدینؒ کی صحبت سے مشرف ہوئے[3]، بغداد کے قیام کے زمانہ میں وہ دجلہ کے کنارے ایک خانقاہ میں گئے، جہاں ایک بزرگ مقیم تھے، حضرت خواجہؒ نے ان کو سلام کیا تو انہوں نے اشارہ سے جواب دیا اور بیٹھ جانے کو کہا، جب وہ بیٹھ گئے تو ان بزرگ نے مخاطب ہو کر فرمایا، مجھے پچاس سال ہوئے کہ خلق اللہ سے علاحدہ ہو کر یہاں بیٹھا ہوں، جیسے تم سفر کرتے پھرتے ہو اسی طرح میں بھی سفر کرتا تھا، اثنائے سفر میں میرا گزر ایک شہر میں ہوا تو ایک مال دار شخص کو دیکھا کہ بازار میں کھڑا ہو کر لوگوں سے بھاؤ تاؤ کرتا ہے اور نہایت سختی سے پیش آتا ہے اور اپنے گاہکوں کو بہت تکلیف دیتا ہے، میں خاموشی سے ادھر سے گزر گیا اور اس مال دار شخص کو کچھ نہ کہا، میرے کان میں آواز آئی کہ اگر تو خدا کے لیے اس شخص کو مردار دنیا سے باز رکھتا اور جھڑک دیتا کہ ایسا کام نہ کرو تو شاید وہ تیرا کہا مان جاتا اور ظلم سے باز آتا، جس روز

---

[1] سیر العارفین، ص ۵ [2] سیر العارفین میں ہے کہ پانچ مہینہ رہے۔ [3] سیر العارفین، ص ۶۔

Marfat.com

سے میں نے یہ آواز سنی ہے، بہت شرمندہ ہوں اور اس خانقاہ میں مقیم ہوں، کبھی اس سے باہر قدم نہیں نکالا، مجھ کو اس بات کا بڑا خوف ہے کہ قیامت کے روز جب اس معاملہ کے متعلق پوچھا جائے گا تو کیا جواب دوں گا، میں نے اس تاریخ سے قسم کھائی ہے کہ کہیں نہ جاؤں گا تاکہ میری نظر کسی چیز پر نہ پڑے اور میں شہادت میں پکڑا نہ جاؤں[1]۔

کرمان پہنچے تو ایک ایسے بزرگ سے ملے جو بڑے صاحب نعمت و ریاضت تھے، یادِ حق میں مشغولیت کی وجہ سے ان کے بدن میں صرف روح ہی باقی تھی، گوشت پوست بالکل نہ تھا، وہ باتیں بہت کم کرتے تھے، حضرت خواجہؒ نے ارادہ کیا کہ ان سے پوچھیں کہ آپ کا حال ایسا کیوں ہے؟ تو انہوں نے اپنی روشن ضمیری سے ان کے ارادے کو معلوم کر لیا اور ان کے سوال کرنے سے پہلے اپنا حال بیان کرنا شروع کیا کہ اے درویش! ایک روز میں اپنے دوست کے ساتھ قبرستان گیا اور ایک قبر کے پاس ہم دونوں ٹھہرے، اتفاقاً اس دوست سے لہو ولعب کی کوئی بات سرزد ہوگئی، جس پر مجھے ہنسی آگئی، ہنسنے پر میرے کان میں یہ آواز آئی کہ جس کا حریف ملک الموت ہو اور زیر خاک سانپ اور بچھو کے درمیان اس کا گھر ہو اس کو ہنسی سے کیا سروکار؟ جب میں نے یہ بات سنی آہستہ سے اٹھا اور اپنے دوست کو رخصت کیا، وہ اپنے گھر گیا اور میں اس غار میں آیا اور یہاں سکونت اختیار کر لی اور اس دن سے مجھ پر بڑی ہیبت طاری ہے اور خوف سے میری جان روز بہ روز گھلتی جاتی ہے، آج چالیس سال ہوئے کہ نہ میں ہنسا ہوں اور نہ میں نے شرمندگی سے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا ہے کہ کل قیامت کے دن وہاں کیا منہ دکھاؤں گا[2]۔

استرآباد پہنچے تو شیخ ناصر الدین استرآبادیؒ کی زیارت کی[3]، بخارا کی سیاحت میں ایک مردِ حق سے ملے جو نابینا تھے لیکن یادِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے، حضرت خواجہؒ نے ان سے پوچھا کہ کب سے نابینا ہوئے؟ تو کہنے لگے، جب میں حد کمال کو پہنچا تو ایک دن میری

[1] دلیل العارفین، مجلس چہارم [2] فوائد السالکین، مجلس سوم [3] سیر العارفین، ص۹۔

Marfat.com

نگاہ غیر پر پڑ گئی، غیب سے آواز آئی، اے مدعی! تو ہماری محبت کا دعوا کرتا ہے لیکن غیر کی طرف دیکھتا ہے، اس کو سنتے ہی اتنا شرمندہ ہوا کہ میں نے دعا کی کہ الٰہی! جو آنکھ دوست کے سوا غیر کو دیکھے وہ اندھی ہو جائے، ابھی یہ بات کہنے بھی نہ پایا تھا کہ دونوں آنکھیں اندھی ہو گئیں[1]۔

تبریز میں حضرت شیخ ابوسعید تبریزیؒ سے ملاقات کی[2]، اصفہان میں شیخ محمود اصفہانیؒ سے کسب فیض کیا[3]، بلخ میں شیخ احمد خضرویہؒ کی خانقاہ میں مقیم رہے[4]، غزنین میں شیخ نظام الدین المؤید کے پیر شیخ عبدالواحد غزنویؒ کی زیارت کی[5]۔

اور پھر اس سیاحت میں بزرگانِ دین کے مزارات پر چلہ کر کے فیوضِ باطنی بھی حاصل فرماتے رہے، مثلاً ہمدان تشریف لائے تو حضرت ابو یوسف ہمدانیؒ (المتوفی ۵۳۵ھ) کے مزار کی زیارت کی[6]، خرقان میں شیخ ابوالحسن خرقانیؒ (المتوفی ۴۲۵ھ) کے مزار اقدس پر حاضری دی، ہرات میں شیخ عبداللہ انصاریؒ (المتوفی ۴۸۱ھ) کے مزار پر مراقبہ کیا اور جب یہاں شب بیداری کرتے تو فجر کی نماز عشا کے وضو سے پڑھتے تھے[7]۔

تکمیل ولایت: راہِ سلوک کے تب وتاب برداشت کرنے کے بعد حضرت خواجہؒ میں اولیاء اللہ کی تمام باتیں پیدا ہوتی گئیں، جن کے مظاہرے اس سیاحت کے دوران میں بھی ہوتے رہے، مثلاً جب وہ سبزوار تشریف لائے تو وہاں ایک باغ میں ایک حوض کے پاس فروکش ہوئے، وہاں کا حاکم یادگار محمد باغ میں سیر کے لیے پہنچا تو ایک اجنبی کو دیکھ کر چیں بہ جبیں ہوا لیکن حضرت خواجہؒ نے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ مغلوب الحال ہو گیا اور اس پر بے ہوشی کی کیفیت طاری ہو گئی، خواجہ صاحبؒ نے حوض کا پانی لے کر اس کے منہ پر

---

[1] دلیل العارفین، مجلس دہم [2] سیر العارفین، ص ۶، شیخ ابوسعید تبریزیؒ کے متعلق دیکھو خیر المجالس، ص ۱۵۱
[3] سیر العارفین، ص ۷ [4] ایضاً، ص ۱۲ [5] سیر العارفین، ص ۱۲ [6] سیر العارفین میں ہے کہ حضرت خواجہ صاحبؒ نے شیخ ہمدانی سے ملاقات کی لیکن ان کا جو سنہ وفات ہے، اس لحاظ سے خیال ہوتا ہے کہ ملاقات کے بجائے مزار کی زیارت کی ہوگی۔ [7] سیر العارفین، ص ۹۔

Marfat.com

چند چھینٹے دیے،، اس کو ہوش آیا تو حضرت خواجہ کا گرویدہ ہوگیا، مذہباً شیعہ تھا لیکن اپنے اعیان وارکان کے ساتھ ان کا مرید ہوگیا اور اپنی ساری دولت ان کی خدمت میں پیش کر دی، مگر انہوں نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ جو مال ظلم وتعدی سے وصول کیا گیا ہے، وہ اس کے اصل مالکوں کے حوالہ کر دیا جائے، یادگار محمد نے ایسا ہی کیا، غلاموں اور لونڈیوں کو آزاد کر دیا اور جب ظاہری و باطنی تعلیم کی تکمیل کر لی تو حضرت خواجہؒ نے اس کو اپنا خرقہ خلافت بھی عطا کیا[1]

بلخ کے قیام میں اسی طرح کا ایک واقعہ پیش آیا، وہاں حکیم ضیاء الدین درویشوں کے منکر تھے لیکن ایک روز حضرت خواجہؒ جنگل میں ایک کلنگ کا شکار کر کے اس کا کباب بنا رہے تھے کہ حکیم ضیاء الدین بھی اتفاق سے وہاں پہنچ گئے، حضرت خواجہؒ نے ان کو کباب کا ایک ٹکڑا کھانے کو دیا جس کے بعد ان پر ایک غیر معمولی کیفیت طاری ہوگئی اور حضرت خواجہؒ کے مرید ہوگئے، گھر آئے تو طب کی تمام کتابوں کو دریا میں ڈال کر راہِ طریقت پر گامزن ہوگئے[2]۔

ورودِ ہند: حضرت خواجہؒ کے ورودِ ہند سے متعلق بھی تذکرہ نگاروں کے بیانات میں بڑی ژولیدگی ہے، جس سے اردو کے بعض تذکرہ نگاروں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ حضرت ہندوستان کئی بار آئے اور گئے، دلیل العارفین کی مجلس دہم میں صرف اتنا سا مختصر ذکر ہے کہ حضرت خواجہؒ عارف کی صفات بیان فرما رہے تھے کہ یکا یک اشک بار ہو کر فرمایا کہ میں اس مقام کا سفر کرتا ہوں جو میرا مدفن ہے، یعنی اجمیر، پھر ہر شخص کو رخصت کیا لیکن حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو ساتھ چلنے کا حکم دیا، اس کے بعد اجمیر پہنچے تو اس کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے جس کی حد نہ تھی۔ (۵۴-۵۵)

لیکن آئین اکبری میں حضرت خواجہ کے ذکر میں ہے:

''در سالے کہ معز الدین سام دہلی برگرفت بد انجار سید۔'' (۱۶۸)

---

[1] سیر العارفین، ص ۱۰ [2] سیر العارفین، ص ۱۱، ۱۲۔

Marfat.com

ملا عبدالقادر بدایونی کی منتخب التواریخ جلد اول (ص ۵۰) میں شہاب الدین غوری کے ہندوستان پر دوسرے حملہ کے ذکر میں ہے:

''از جاہائے دیگر چناں مفہوم می شود کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس اللہ سرہ العزیز کہ سرچشمۂ اولیاء کبار و مشائخ عظام دیار ہنداست و مزار متبرک او در اجمیر واقع دریں نوبت باسلطان ہمراہ بود۔''

اس سے مراد یہ تو نہیں کہ حضرت خواجہؒ سلطان کے لشکر کے جلو میں آئے البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ سلطان کی فوج ہندوستان آئی تو حضرت خواجہؒ اس کے ساتھ ہو گئے۔

سیر العارفین (ص ۱۲-۱۳) میں ہے کہ خواجہ غزنین سے لاہور، وہاں سے دہلی اور دہلی سے اجمیر آئے لیکن اس میں یہ بھی ہے کہ جب وہ اجمیر تشریف لائے تو اس وقت قطب الدین ایبک (۶۰۲ھ-۶۰۷ھ) کی طرف سے سید حسین مشہدی اجمیر کے داروغہ تھے لیکن اس میں کہیں یہ ذکر نہیں کہ حضرت خواجہؒ شہاب الدین غوری کے ہندوستان پر دوسرے حملہ (۵۸۸ھ) کے وقت اجمیر ہی میں تشریف رکھتے تھے، جیسا کہ اور دوسرے شواہد سے اندازہ ہوگا، فرشتہ کی روایت بھی یہی ہے کہ حضرت خواجہ غزنین سے لاہور اور دہلی ہوتے ہوئے اس وقت اجمیر آئے جب کہ سید حسین مشہدی المشہور بہ خنک سوار اجمیر کے داروغہ تھے اور تاریخ ۱۰ محرم ۵۶۱ھ بتائی ہے، جو یقیناً کتابت کی غلطی ہے، (جلد دوم، ص ۳۷۷) سیر العارفین اور تاریخ فرشتہ دونوں کی یہ روایت صحیح نہیں کہ حضرت خواجہؒ قطب الدین ایبک کے زمانہ میں اجمیر تشریف لائے۔

اکبر نامہ جلد دوم میں ہے کہ غزنیں سے ہندوستان میں سلطان معز الدین سام کے آنے سے پہلے حضرت خواجہؒ اپنے پیر کی اجازت سے ہندوستان آئے اور اجمیر میں جہاں کہ ہندوستان کا فرماں روا رائے پتھورا تھا، رہنے کی جگہ پائی، (ص ۱۵۴) سیر الاقطاب کی روایت اور بھی گنجلک ہے، اس کے مؤلف نے لکھا ہے کہ حضرت خواجہؒ مدینہ منورہ

Marfat.com

میں روضۂ پاک کے پاس مقیم تھے کہ ان کو بشارت ملی کہ وہ ہندوستان جا کر اجمیر میں قیام کریں جہاں سید حسین (؟) جہاد میں شہید ہو گئے ہیں اور اسی وقت وہ چالیس آدمیوں کے ساتھ ہندوستان روانہ ہو گئے (ص ۱۴۴)، اس روایت کے مطابق حضرت خواجہؒ سید حسین یعنی قطب الدین ایبک کی وفات کے بعد اجمیر پہنچے جو صحیح نہیں، اخبار الاخیار میں ہے کہ:

''درزمان پتھورا رائے ہندوستان باجمیر آمد و بہ عبادت مولیٰ مشغول شد۔'' (ص ۲۲)

مرأۃ الاسرار میں ہے کہ حضرت خواجہؒ غزنیں سے لاہور اور لاہور سے دہلی آئے جو اس وقت رائے پتھورا چوہان کا دارالسلطنت تھا اور دہلی سے اجمیر تشریف لائے، خزینۃ الاصفیا میں ہے کہ حضرت خواجہؒ غزنیں سے لاہور اور دہلی ہوتے ہوئے ۱۰ر محرم ۵۶۱ھ کو اجمیر آئے تو میر حسن خنگ سوار نے ان کے حلقۂ ارادت میں آکر اعلیٰ مراتب حاصل کیے، (جلد اول، ص ۲۵۹) یہ روایت سیر العارفین اور تاریخ فرشتہ کی محض آواز بازگشت ہے، ان گنجلک روایتوں میں ہم سیر الاولیا ہی کی روایت کو تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت خواجہؒ رائے پتھورا کے زمانہ میں اجمیر میں آکر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔

طبقات ناصری (ص ۱۱۹) میں ایک گنجلک سی عبارت ہے جو شہاب الدین غوری اور رائے پتھورا کی دوسری جنگ کے سلسلہ میں ہے:

''سلطان غازی دیگر سال لشکر اسلام جمع کرد و بہ انتقام سال گذشتہ روے بہ ہندوستان نہاد، ایں داعی از ثقہ شنید کہ از معارف جبال بلاد تولک بود لقب او معین الدین اوشی گفت کہ من در آں لشکر با سلطان غازی بودم۔''

اگر معین الدین سے خواجہ معین الدینؒ مراد ہیں تو پھر اس سے سیر الاولیا کی روایت کی تصدیق ہو جاتی ہے۔

قیامِ لاہور: ان بیانات سے یہ بھی ظاہر ہے کہ اجمیر آنے سے پہلے حضرت خواجہؒ لاہور آئے، سیر العارفین کے مؤلف کی روایت ہے کہ یہاں شیخ سعد الدین حمویہؒ کے پیر شیخ

Marfat.com

حسین زنجانی سے بے حد دوستی اور محبت ہوگئی، آئین اکبری (جلد سوم، ص ۱۶۸) میں ہے کہ ''خواجہ معین الدین درلاہور بہ صحبت اورسید''، لیکن یہ بیانات صحیح نہیں کیوں کہ فوائد الفواد (ص ۳۵) میں ہے کہ شیخ حسین زنجانی شیخ علی ہجویریؒ کے پیر بھائی تھے جو شیخ علی ہجویریؒ کے لاہور آنے سے پہلے وفات پاگئے تھے۔

سیر العارفین میں ہے کہ جس سال حضرت خواجہ معین الدینؒ لاہور پہنچے، اسی سال حضرت شیخ المشائخ حضرت علی ہجویریؒ کا انتقال ہوا تھا:

''از آنجا بہ خطہ لاہور رسید حضرت شیخ المشائخ شیخ پیر علی ہجویریؒ قدس سرہ العزیز کہ الفقیر عندی من لا قلب لہ ولا ادب لہ قول اوست، ہمدراں سال از دار فنا رحلت نمودہ بود۔'' (ص ۱۲)

یہ روایت صحیح نہیں کیوں کہ ہم گزشتہ باب میں لکھ چکے ہیں کہ حضرت شیخ علی ہجویریؒ کی وفات کا سنہ ۴۶۵ھ سے ۵۰۰ھ کے آغاز تک بتایا جاتا ہے، جس سے یہ ظاہر ہے کہ حضرت خواجہ کی پیدائش سے پہلے شیخ علی ہجویری کا وصال ہو چکا تھا۔

ملتان میں آمد: دلیل العارفین میں حضرت خواجہؒ کے ملتان آنے کا بھی ذکر ہے، اس میں ہے کہ جب حضرت خواجہؒ ملتان میں تھے تو ایک بزرگ نے ان سے فرمایا کہ اہل محبت کی توبہ تین قسم کی ہے، ایک توبہ جو ندامت سے ہو، دوسری وہ جو معصیت ترک کرنے کے خیال سے ہو، تیسری وہ جو خصومت اور ظلم سے پاک رہنے کے لیے ہو۔ (ص ۵۴)

دہلی کی تشریف آوری: حضرت خواجہؒ دہلی بھی تشریف لائے اور سیر العارفین کے مؤلف کا بیان ہے کہ حضرت خواجہؒ نے یہاں شیخ رشید مکیؒ کی قبر کے پاس قیام کیا، جہاں پر ایک مسجد بھی تھی۔ (ص ۱۲)

اجمیر: سیر العارفین ہی کے مؤلف کا بیان ہے کہ حضرت خواجہؒ دہلی میں لوگوں کے ہجوم سے گھبرا گئے تو اجمیر تشریف لائے، پہلے ذکر آیا ہے کہ اس زمانہ اجمیر اور دہلی کا حکم راں چوہان

Marfat.com

خاندان کا مشہور راجہ رائے پتھورا تھا، اس کے مقربین نے خواجہ صاحبؒ کے قیام میں بڑی مزاحمت کی، اور جب انہوں نے حضرت خواجہؒ کے عظمت و کرامت کے مقابلہ میں اپنے کو بے بس اور لاچار پایا[1] تو ہندو جوگیوں کو حضرت خواجہ کو مغلوب کرنے کے لیے مامور کیا، ان میں تذکرہ نگار نمایاں طور پر جوگی جے پال کا ذکر کرتے ہیں جس سے حضرت خواجہ کے بڑے بڑے معرکے ہوئے لیکن حضرت خواجہ اپنی روحانی قوت سے اس پر غالب رہے اور اس نے متاثر ہو کر حضرت خواجہؒ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا جنہوں نے اس کا اسلامی نام عبداللہ رکھا اور خلافت بھی مرحمت فرمائی[2]:

حضرت خواجہؒ کے رشد و ہدایت کا سلسلہ برابر جاری رہا، سیر الاولیا میں ہے:

''مسلمانے از پیوستگان شیخ معین الدین قدس سرہ اللہ العزیز بر پتھورا می بود، آں مسلمان را بسے مضرت رسانیدن گرفت آں مسلمان التجا بخدمت شیخ معین الدین کرد۔'' (ص ۴۶)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پتھورا کے ملازمین بھی مشرف بہ اسلام ہونے لگے تھے، حضرت خواجہؒ کے اثرات بڑھے تو راجہ کی طرف سے ان کو اجمیر سے نکال دینے کی دھمکی ملی لیکن حضرت خواجہؒ نے اس دھمکی پر صرف یہ ارشاد فرمایا:

''پتھورا را زندہ مسلماناں دادیم[3]۔''

چنانچہ یہ پیشین گوئی صحیح ثابت ہوئی، شہاب الدین غوری نے پتھورا کے خلاف ۵۸۸ھ میں جنگ کی تو پتھورا گرفتار ہو کر مارا گیا، تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ شہاب الدین غوری خراسان میں تھا کہ ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضرت خواجہ کھڑے ہیں اور فرما

[1] سیر الاولیا، ص ۴۶ [2] روضۃ الاقطاب، ص ۳۲، مطلوب الطالبین و خزینۃ الاصفیا، ج ۱، ص ۲۹۵ [3] فوائد السالکین، ص ۱۵، سیر الاولیا، ص ۴۷ مطلوب الطالبین، روضۃ الاقطاب، اخبار الاخیار، ص ۲۲ بعض تذکروں میں یہ الفاظ کچھ بدلے ہوئے ہیں مثلاً سیر الاولیا میں ہے ''پتھورا زندہ گرفتیم و دادیم بہ لشکر اسلام'' اخبار الاخیار میں ہے ''پتھورا زندہ گرفتیم و دادیم''۔

Marfat.com

رہے ہیں کہ خدائے تعالیٰ تم کو ہندوستان کی بادشاہت عنایت کرنے والا ہے، تم ملک کی طرف توجہ کرو، خواب کے بعد اس نے ہندوستان کی طرف فوج کشی کی، ملا عبدالقادر بدایونی منتخب التواریخ (جلد اول، ص ۵۰) میں شہاب الدین غوری کے دوسرے حملہ (۵۸۸ھ) کے ذکر میں ہے:

"وایں فتح بموجب راندن نفس مبارک رحمانی آں قطب ربانی نمود۔"

شہاب الدین غوری کی فتح کے بعد مسلمانوں کے سیاسی اقتدار اور حضرت خواجہؒ کے فیوض و برکات سے ہندوستان اسلام کے نور سے منور ہو گیا، اسی لیے حضرت کا لقب وارث النبی فی الہند ہے:

سیر الاولیا میں ہے:

"بوصول قدم مبارک آں آفتاب اہل یقین کہ بہ حقیقت معین الدین بود ظلمت ایں دیار بنور اسلام روشن و منور گشت۔" (۴۷)

آئین اکبری (جلد سوم، ص ۱۶۸) میں ہے:

"عزلت گزینی با جمیر شد و فراواں چراغ برافروخت و از دم گیرائے او گروہا گروہ بہرہ بر گرفتند۔"

حضرت خواجہ تبلیغ اسلام بھی کرتے رہے اور جب وہ دہلی سے اجمیر جا رہے تھے تو راستہ میں سات سو ہندوؤں کو مسلمان کیا[1]، خزینۃ الاصفیا (جلد اول، ص ۲۵۹) میں ہے:

"ہزار در ہزار از صغار و کبار بخدمت آں محبوب کردگار حاضر شدہ مشرف بہ شرف اسلام و ارادت آنحضرت شدند، بحدیکہ چراغ اسلام در ہند بطفیل ایں خاندان عالی شان روشن گشت۔"

ازدواجی زندگی: اجمیر کے قیام کے زمانہ میں دو شادیاں کیں، جن میں ایک تو سید وجیہ الدین مشہدی (حاکم اجمیر) کی دختر نیک اختر عصمت اللہ بی بی تھیں اور دوسری کسی ہندو

---

[1] دعوت اسلام، مترجمہ عنایت اللہ، ص ۳۰۱، علی گڑھ۔

Marfat.com

راجہ کی لڑکی بی بی امۃ اللہ تھیں جو مشرف بہ اسلام ہو گئی تھیں، حضرت خواجہ صاحب کی اولاد میں تین لڑکے حضرت سید فخر الدین، حضرت سید ضیاء الدین ابو سعید اور حضرت سید حسام الدین تھے اور ایک دختر نیک اختر بی بی حافظہ جمال تھیں، حضرت خواجہؒ نے سید فخر الدین اور بی بی حافظہ جمال کو خلافت بھی دی، بی بی حافظہ جمال عورتوں کو شرعی اور روحانی تعلیم دیا کرتی تھیں۔

(مرأۃ الاسرار، سیر الاقطاب، ص ۱۳۴، خزینۃ الاصفیا، ص ۲۶۵)

وصال وولادت کے سلسلہ میں جو تاریخ مقرر ہوتی ہے اس بنا پر کہا جا سکتا ہے حضرت خواجہ کا وصال ۶۲۷ھ میں ہوا، اگر وہ ۵۸۸ھ میں اجمیر آئے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ اجمیر میں ۳۹ سال قیام رہا، سیر الاقطاب میں ہے کہ وفات کے دن عشا کی نماز پڑھ کر اپنے حجرہ کا دروازہ بند کر لیا، حجرہ کے باہر خانقاہ کے رہنے والوں کے کانوں میں ایسی آواز آتی رہی جیسے کوئی پاؤں کو وجد کی حالت میں پٹکتا ہو، ان کو خیال ہوا کہ خواجہ صاحبؒ پر وجد کا عالم طاری ہے، اخیر شب میں یہ آواز بند ہو گئی، فجر کی نماز کا وقت آیا تو دروازے پر دستک دی گئی لیکن اندر سے کوئی آواز نہیں آئی، جب دروازہ کسی طرح کھولا گیا تو لوگوں نے دیکھا کہ حبیب اللہ حب اللہ کی خاطر جاں بہ حق ہو گئے[1]۔

محبت رسول ﷺ: تمام عمر عشق الٰہی میں وارفتہ و بے خود رہنے کے ساتھ محبت رسول ﷺ کے نشہ میں بھی سرشار رہے، اپنے ملفوظات میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر بہت ہی والہانہ انداز میں فرماتے تھے اور اکثر حدیث نبوی ﷺ بیان فرما کر رونے لگتے تھے، ایک جگہ ملفوظات میں فرمایا کہ افسوس ہے اس شخص پر جو قیامت کے دن آپ ﷺ سے شرمندہ ہوگا، اس کی جگہ کہاں ہوگی جو آپ ﷺ سے شرمندہ ہوگا، وہ کہاں جائے گا؟ یہ فرما چکے تو ہائے ہائے کر کے رو پڑے[2]۔

مجاہدہ: رات کو کم سوتے اور بالعموم عشا کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے تھے، کلام پاک

---

[1] راحت القلوب، ص ۳۷، سیر الاقطاب، ص ۴۱ [2] دلیل العارفین، مجلس دوم۔

Marfat.com

ایک بار دن میں اور ایک بار رات میں ختم کرتے، مجاہدہ کے ابتدائی دور میں جب کسی شہر میں وارد ہوتے تو قبرستان میں قیام فرماتے، مگر جب لوگوں کو ان کی خبر ہو جاتی تو وہاں توقف نہ کرتے اور چپ چاپ کسی طرف روانہ ہو جاتے[1]

حلم وعفو: طبیعت میں حلم وعفو کی درویشانہ صفات منتہائے کمال تک پہنچی ہوئی تھیں، ایک بار ایک بد باطن شخص حضرت خواجہ کو قتل کرنے کے ارادہ سے آیا، حضرت خواجہ کو اس کا علم نور باطن سے ہو گیا، وہ شخص جب نزدیک آیا تو بہت ہی اخلاق سے پیش آئے اور اپنے پاس بٹھا کر فرمایا کہ جس ارادہ سے آئے ہو اس کو پورا کرو، یہ سنتے ہی وہ شخص کانپنے لگا، سر بسجود ہو کر عاجزی سے بولا کہ مجھ کو لالچ دے کر آپ کو ہلاک کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا، یہ کہہ کر بغل سے چھری نکالی اور سامنے ڈال دی، پھر قدموں پر گر کر کہنے لگا کہ آپ مجھ کو اس کی سزا دیجیے، بلکہ میرا کام ہی تمام کر دیجیے، خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ہم درویشوں کا شیوہ ہے کہ ہم سے کوئی بدی بھی کرتا ہے تو ہم اس کے ساتھ نیکی سے پیش آتے ہیں، تم نے تو میرے ساتھ کوئی برائی نہیں کی، یہ کہہ کر اس کے لیے دعائیں کیں، وہ شخص بہت متاثر ہوا اور اسی وقت سے خدمت میں رہنے لگا، حضرت خواجہ کی دعاؤں کی یہ دولت اس کو ۴۵ بار حج کعبہ کی سعادت حاصل ہوئی اور اسی مقدس سرزمین میں پیوند خاک بھی ہوا[2]

مریدوں سے محبت: حضرت خواجہ صاحب کو اپنے خلفا اور مریدین سے غیر معمولی محبت تھی، خانہ کعبہ میں دعا کی تھی کہ قیامت تک خانوادۂ چشتیہ کا سلسلہ قائم رہے[3]، چنانچہ یہ سلسلہ اب تک قائم ہے اور ان شاء اللہ رہے گا۔

فیاضی: فقر و درویشی کے باوجود ان کی خانقاہ میں شاہانہ فیاضیوں کا دریا بہتا تھا، مطبخ میں روز آنہ اتنا کھانا پکتا تھا کہ تمام غربا و مساکین سیر ہو جاتے تھے[4]۔

---

[1] گل زار ابرار (عکسی نسخہ)، سیر الاقطاب، ص ۱۰۱، ۱۲۳ و خزینۃ الاصفیا، ج ۱، ص ۲۵۶ [2] سیر الاقطاب، ص ۱۳۳ و ۱۳۴ [3] ایضاً ص ۱۰۴ [4] ایضاً۔

Marfat.com

حقوقِ ہم سایہ: پڑوسیوں میں کسی کا انتقال ہو جاتا تو جنازہ کے ہم راہ ضرور تشریف لے جاتے، نماز جنازہ اور تدفین کے بعد جب تمام لوگ واپس ہو جاتے تو تنہا اس کی قبر پر بیٹھے رہتے اور دعائیں جو اس وقت کے لیے موزوں ہیں، پڑھتے، ایک بار ایک ہم سایہ کا انتقال ہوا تو حسب معمول جنازہ کے ساتھ گئے، حضرت قطب الدین بھی معیت میں تھے، جب تمام لوگ لوٹ گئے تو حضرت خواجہؒ ہم سایہ کی قبر پر ٹھہر گئے، حضرت خواجہ قطب الدین فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آپ کے چہرہ مبارک کا رنگ یکا یک متغیر ہو گیا، پھر اسی وقت اصلی رنگ پر آ گیا اور آپ الحمدللہ فرماتے ہوئے کھڑے ہو گئے، حضرت قطب الدین نے چہرے کے رنگ کے تغیر کی وجہ پوچھی تو فرمایا، قبر میں عذاب کے فرشتے آئے تھے لیکن پھر رحمت الٰہی نازل ہوئی[1]، خود بھی عذابِ قبر سے بے حد خائف رہتے تھے اور جب کبھی قبر کا ذکر آتا تو گریہ طاری ہو جاتا اور کبھی چیخیں مار کر روتے[2]۔

لباس وغذا: خواجہ صاحبؒ کے فقیرانہ لباس میں دہرا بخیہ ہوتا تھا، اگر وہ پھٹ جاتا تو جس رنگ کا بھی کپڑا مل جاتا، اسی کا پیوند لگا لیا کرتے تھے، کھانا بہت کم تناول فرماتے، ریاضت کے ابتدائی زمانہ میں لگاتار سات سات دن تک روزے رکھتے اور صرف پانچ مثقال کی ٹکیہ سے روزہ افطار کرتے، سیر الاقطاب کے مؤلف کا بیان ہے کہ برابر صائم الدہر رہے، سفر میں تیر و کمان، نمک دان اور چقماق ساتھ رکھتے اور شکار کے کباب سے روزہ افطار فرماتے تھے۔

ذوقِ سماع: سماع سے بھی ذوق تھا اور محفل سماع میں ان پر غیر معمولی کیفیت طاری ہو جاتی تھی، ایک بار حضرت خواجہ ابو یوسف چشتی کی خانقاہ میں مقیم تھے، وہاں کی مجلس سماع میں قوالوں نے ان دو شعروں کو گایا:

عاشق بہ ہوائے دوست بے ہوش بود — و زیادِ محبت خویش مدہوش بود
فردا کہ بہ حشر خلق حیراں ماند — نام تو درونِ سینہ و گوش بود

---

[1] راحت القلوب، مجلس دہم [2] تفصیل کے لیے دیکھو دلیل العارفین، مجلس چہارم۔

Marfat.com

تو خواجہ صاحب کئی روز تک بے ہوش رہے[1]۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے روایت ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی محفل سماع میں شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، شیخ محمد کرمانیؒ، شیخ محمد صفاہانیؒ، مخدوم زادہ شیخ برہان الدین چشتیؒ، مولانا بہاءالدین بخاریؒ، مولانا محمد بغدادیؒ، خواجہ اجل سجزیؒ، شیخ سیف الدین باخرزیؒ، شیخ احمد بن محمد اصفہانیؒ، شیخ جلال الدین تبریزیؒ، شیخ اوحدالدینؒ، شیخ احمد واحدؒ، شیخ برہان الدین غزنویؒ، خواجہ سلیمانؒ، خواجہ عبدالرحمٰنؒ اور بغداد کے دوسرے مشائخ کبار بھی شریک رہتے[2]۔

مفتاح العاشقین (ص ۲۲) میں ہے:

"شیخ الاسلام خواجہ معین الحق والشرع والدین قدس اللہ سرہ العزیز نے سماع کے بارے میں فرمایا کہ سماع اسرارِ حق معلوم کرنے کا ایک ذریعہ ہے، الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولئک الذین ھداھم و اولئک ھم اولوا الالباب جب کہ حیوانی خصلتیں جو کہ تمام عالم کی ذات میں ہوتی ہیں، کسی کی ذات میں مبدل ہو جاتی ہیں اور اس کے دل پر انسانی خصلتوں کا استیلا ہو جاتا ہے تو عشق غالب ہوتا ہے اور ہیبت طاری ہو جاتی ہے، اس وقت اسرار باطن کا کشف ہوتا ہے اور جب اسرار باطن کا مکاشفہ ہوتا ہے اس ذوق میں رقص کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، جیسا کہ ایک بزرگ نے فرمایا:

گر عروس سبز پوش فرا روے نماید   لا جرم طاؤس دل در رقص آید"

علوئے مرتبت: ہندوستان کے صوفیائے کرام میں خواجہ صاحب کا مرتبہ سب سے زیادہ بلند ہے، رسول اللہ ﷺ کی جانب سے ان کو "قطب المشائخین[2]" کے لقب کی بشارت ملی، خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے ان کو "ملک المشائخ، سلطان السالکین، منہاج المتقین، قطب الاولیا، شمس الفقرا، ختم المہتدین" کے لقب سے یاد کیا ہے[4]۔

---

[1] دلیل العارفین مجلس چہارم [2] سیر الاقطاب، ص ۱۰۳ [3] سیر الاقطاب، ص ۱۰۳ و مونس الارواح
[4] دلیل العارفین، مطبع مجتبائی، ص ۷۲۔

Marfat.com

سیر العارفین کے مؤلف نے ان کی شان میں لکھا ہے:

آں شہنشاہ جہانِ معرفت ذاتِ او بیروں ز ادراک صفت
خسرو ملک آفتابِ تخت و تاج از خود و از غیر خود بے احتیاج
غرق بحر عشق از صدق و صفا از خودی بے گانہ باحق آشنا
کردہ مرغ ماتمش زاوجِ کمال بیضۂ افلاک را در زیر بال
اختر برج سپہر لم یزل گوہر درج کمال بے بدل
آں معین الدین ملت بے نظیر فارغ از دنیا بملک دیں امیر
در ثنائے او جمالی را چہ حد فیض او باید کہ فرماید مدد[1]

اس کے بعد ان کو گوہر معدن، لولوئے لجۂ تصدیق، نیز انوارِ معرفت اور عرعر گل زار مشیخت کہا ہے۔

سیر الاقطاب کے مصنف نے ''قطب الاقطاب، حجۃ الاولیا، مہبط انوار، مخزن المعرفت والحقیقت، پردہ انداز اسرارِ غیبی، چہرہ کشائے صور لاریبی''[2] اور صاحب سفینۃ الاولیا نے ''زبدہ مشائخ اجل وقدوۂ اولیائے اکمل'' کہا ہے[3]۔

مولانا عبدالحق محدث دہلوی نے ان کو ''سر حلقہ مشائخ کبار'' لکھا ہے۔

خواجہ صاحبؒ کے فیوض و برکات اور کرامات وخوارق عادات عام طور سے بہت مشہور ہیں اور آج بھی ان کی ابدی خواب گاہ کی زیارت کے لیے ہندوستان کے ہر گوشہ کے لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے۔

بادشاہوں کا خراجِ عقیدت: ہر دور میں ہندوستان کے مسلمان فرماں رواؤں کو حضرت خواجہؒ کی ذات اقدس سے غیر معمولی عقیدت رہی، سلطان شمس الدین ایلتتمش کو بزرگانِ چشت سے جو روحانی لگاؤ رہا، اس کی تفصیل آگے آئے گی، مالوہ کے سلطان محمود خلجی نے

---

1 سیر العارفین، ص ۵ 2 سیر الاقطاب، ص ۱۰۳ 3 سفینۃ الاولیا، ص ۵۸۔

Marfat.com

راج پوتوں کے خلاف فوج کشی کی تو حضرت خواجہؒ کے مزار پر انوار پر پہلے حاضری دی، اس کے بعد میدان جنگ کی طرف رخ کیا اور جب اس کو فتح حاصل ہوئی تو مزار کے قریب ایک مسجد بنوائی، جواب صندل خانہ کے نام سے مشہور ہے، بلند دروازہ اور دوسری عمارتیں بھی اسی نے تعمیر کرائیں، شہنشاہ اکبر کو حضرت شیخ سلیم چشتیؒ سے اس لیے عقیدت پیدا ہوئی کہ وہ حضرت خواجہؒ کے سلسلہ سے منسلک تھے اور جب شیخ کی دعاؤں سے شہزادہ سلیم پیدا ہوا تو اکبر خوشی میں آگرہ سے اجمیر شریف تک پاپیادہ گیا، راستہ میں روپے اور اشرفیاں لٹاتا ہوا اجمیر شریف پہنچا اور وہاں شاہانہ طریقہ پر خیرات تقسیم کرائی، ایک مسجد اور خانقاہ کے لیے کئی عمارتیں بنوائیں اور درگاہ کے انتظام میں ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچائیں، مراد کی پیدائش پر بھی اکبر نے اجمیر شریف کی زیارت کی اور شہر کے گرد چونے اور پتھر کا حصار بنوایا، اس کو جب کبھی ملکی اور فوجی کاموں سے فرصت مل جاتی تو حضرت خواجہؒ کے آستانہ پر ضرور حاضر ہوتا تھا[1]۔

جہاں گیر اپنے آٹھویں سال جلوس میں اجمیر شریف گیا تو اس کا حال خود لکھتا ہے:

"دوشنبہ کے روز ۵ رشوال مطابق ۲۶ رشعبان کو اجمیر میں داخل ہونے کی ساعت قرار پائی، اس روز صبح کو میں شہر کی طرف بڑھا، جب قلعہ اور حضرت خواجہ بزرگ وار کا روضہ نظر آنے لگا تو ایک کوس پہلے ہی میں پاپیادہ ہوگیا اور راستے کے دونوں جانب معتمدوں کو مقرر کیا کہ فقرا اور ضرورت مندوں کو روپے دیتے ہوئے آگے بڑھیں اور جب دن کی چار گھڑیاں گزر چکیں تو شہر میں داخل ہوا اور پانچویں گھڑی میں روضہ مبارک کی زیارت کا شرف حاصل کیا، اور پھر اپنی قیام گاہ پر واپس آیا، دوسرے دن میں نے حکم دیا کہ شہر کے ہر چھوٹے بڑے شخص اور ہر راہ گیر کو اچھی طرح انعام دے کر خوش کیا جائے۔" (تزک جہاں گیری، ص ۱۲۵)

۱۰۲۵ھ میں جہاں گیر نے ایک لاکھ دس ہزار روپے صرف کر کے مزار مبارک

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھو اکبر نامہ، ج ۲، ص ۳۵۰، ج ۳، ص ۱۶۲، ۲۳۴، ۲۵۲، ۲۷۶، ۳۴۲ وغیرہ نیز تاریخ فرشتہ، واقعات ۹۷۵ء - ۹۷۸ء۔

Marfat.com

کے گرد ایک طلائی مجحر تیار کرایا تھا جواب نہیں ہے، وہ اس متبرک اور خوش گوار مقام میں پانچ روز کم تین سال تک مقیم رہا[1]، اس نے بھی اپنے آٹھویں سال جلوس میں درگاہ کو ایک دیگ دی جو آگرہ میں بنائی گئی تھی، پھر اجمیر جا کر اس میں کھانا پکوایا اور پانچ ہزار آدمیوں کو کھلوایا، اب یہ چھوٹی دیگ کے نام سے مشہور ہے اور مشہور ہے کہ اس میں اسّی من چاول پک سکتے ہیں۔

شاہ جہاں نے بھی حضرت خواجہؒ کے آستانہ پر کئی بار حاضری دی، روضہ کے پاس سنگ مرمر کی مسجد اسی کی بنوائی ہوئی ہے، مسجد کا طول ۹۷ گز شرعی اور عرض ۲۷ گز شرعی ہے، اس میں پانچ دروازے ہیں، ابو طالب کلیم نے اس مصرع سے تاریخ نکالی تھی:

ع کعبہ حاجات دنیا مسجد شاہ جہاں

۱۰۴۷ھ

مونس الارواح میں ہے کہ دولاکھ چالیس ہزار روپیہ میں تعمیر ہوئی، اس کی لڑکی جہاں آرا بیگم کو بھی حضرت خواجہ صاحبؒ سے والہانہ عقیدت تھی، درگاہ کا بیگمی دالان اسی نے ۱۰۵۲ھ میں بنوایا، اس کی چھت اور ستون سنگ مرمر کے ہیں اور فرش سنگ افشاں ابری وطلائی کا ہے، اسی عقیدت کی بنا پر خواجگان چشت پر ایک کتاب ''مونس الارواح'' کے نام سے تحریر کی، شاہ جہاں کے ساتھ اجمیر گئی تو اس سفر کے تاثرات کو اس طرح قلم بند کیا ہے:

''بخت کی یاوری اور طالع کی فیروزی سے یہ فقیرہ حقیرہ والد بزرگ وار کے ساتھ خطۂ پاک حضرت اجمیر بے نظیر کی طرف ۱۸ ر شعبان ۱۰۵۳ھ کو روانہ ہوئی اور ۷ ر رمضان المبارک کو تال اناساگر کی عمارتوں میں داخل ہوئی، اس سفر میں ہر روز ہر منزل پر دو رکعت نماز نفل ادا کرتی، ایک بار سورۂ یٰسین اور سورۂ فاتحہ اخلاص وعقیدت کے ساتھ پڑھ کر حضرت پیر دست گیر خواجہ معین الحق والدین رضی اللہ عنہ کی روح پر فتوح کو ایصال ثواب کیا، چند روز عمارت مذکور میں ٹھہری، لیکن غایت ادب میں رات کو پلنگ پر نہ سوئی اور نہ روضۂ مبارک کی طرف پاؤں پھیلائے اور نہ اس کی طرف پشت کی، دن کو

---

[1] جہاں گیر نے اجمیر کے مفصل حالات بھی لکھے ہیں، اس کے لیے دیکھو تزک جہاں گیری، ص ۱۶۹۔

Marfat.com

درختوں کے نیچے رہتی، حضرت کی برکت اور اس سرزمین جنت آئین کے فیض سے اطمینان اور پھر ایک خاص ذوق پیدا ہوا، ایک رات مولود اور چراغاں کیا، روضہ کی خدمت اور زینت میں جو کچھ مجھ سے ہوسکا، میں نے اس کے کرنے میں کوتاہی نہیں کی اور نہ کروں گی، الحمدللہ والمنتہ لاکھ لاکھ شکر ہے کہ روز پنج شنبہ ۲۷ رمضان المبارک کو حضرت پیر دستگیر رضی اللہ عنہ کے مرقد منور کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی، دن کا ایک پہر باقی تھا کہ میں روضۂ قدس میں گئی اور اپنے زرد چہرے پر اس آستانہ کی خاک ملی، دروازہ سے گنبد مبارک تک برہنہ پا زمین چومتی گئی، گنبد شریف میں داخل ہو کر اپنے پیر کی قبر پرنور کے سات پھیرے کیے، اپنی پلکوں سے جھاڑو دی اور مزار کی خوش بودار خاک کو توتیائے چشم بنایا، اس وقت ایسی حالت اور کیفیت پیدا ہوئی کہ تحریر میں نہیں لائی جاسکتی، غایت شوق اور سراسیمگی میں سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کہوں اور کیا کروں، عطر اور مقطرات کو معطر قبہ پر اپنے ہاتھ سے ملا اور پھولوں کی چادر جو اپنے سر پر رکھ کر لائی تھی، قبر مبارک پر چڑھائی، اس کے بعد سنگ مرمر کی مسجد میں جو والد بزرگ وار نے تعمیر کرائی ہے، نماز ادا کی اور پھر گنبد مبارک میں بیٹھ کر سورۂ یٰسین اور سورۂ فاتحہ روح پرفتوح کے لیے پڑھی، مغرب کی نماز تک وہیں مقیم رہی، شمع روشن کی، جھالرہ کے پانی سے افطار کیا، عجیب شام تھی جو صبح سے بہتر تھی، اگرچہ اس فانیہ کے اخلاص و محبت و عقیدت کا تقاضہ یہ ہو رہا تھا کہ اس مقام متبرک سے نہ ہٹے لیکن کوئی چارہ نہ تھا:

رشتہ در گردنم افگندہ دوست　　　　می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

اگر اختیار ہوتا تو ہمیشہ حضرت کے روضہ کے پاس رہتی، کیوں کہ یہ عجیب گوشہ عافیت ہے اور میں گوشۂ عافیت کی عاشق ہوں، مجبوراً چشم گریاں، دل بریاں اور لاکھوں افسوس کے ساتھ درگاہ سے رخصت ہو کر گھر آئی، تمام رات بے قراری میں گزری، صبح کو جمعہ کے روز والد بزرگ وار نے اکبر آباد کی طرف کوچ فرمایا۔" (مونس الارواح، قلمی نسخہ، دارالمصنفین، اعظم گڑھ)

تخت و تاج کے مالکوں کی اس قسم کی عقیدت میں بعض اعمال ایسے ضرور ہیں جو شرعی نقطۂ نظر سے محمود و پسندیدہ نہیں لیکن اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ ان بوریا نشین

Marfat.com

درویشوں نے جو اپنے روحانی اثرات چھوڑے وہ خواص وعوام کے دل و دماغ پر یکساں مستولی رہے، عالم گیر بھی کئی بار روضہ کی زیارت کے لیے گیا، وہ اپنے مستقر سے روضہ تک پیادہ پا جاتا تھا، ایک بار پانچ ہزار روپے بھی بطور نذر پیش کیے[1]۔

تصانیف: ایک کتاب کے ضمیمہ میں ''ملفوظات خواجگانِ چشت'' کے عنوان سے جو کچھ لکھا گیا ہے، اس میں تفصیلی بحث آگے آئے گی۔

تعلیمات: حضرت خواجہ کی جو تعلیمات تھیں ان کو ہم انیس الارواح اور دلیل العارفین کی مدد سے ہدیہ ناظرین کرتے ہیں، کچھ لوگ ان ملفوظات کو جعلی قرار دیتے ہیں، مگر اس کتاب کے ضمیمہ میں پتہ چلے گا کہ ان کو جعلی قرار دینا صحیح نہیں، اس کو ماخذ کے طور پر احتیاط سے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

انیس الارواح میں حضرت خواجہ عثمان ہارونی کی ۲۸ صحبتوں کے ملفوظات ہیں، ان ملفوظات میں تصوف کے مہمات مسائل ونکات پر بحث نہیں کی گئی ہے، بلکہ اقوال کے ذریعہ سے بعض شرعی، اخلاقی اور دنیاوی مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے، مثلاً نماز اور شریعت کے فرائض کا منکر کافر ہے، صدقہ دینا ہزار رکعت نماز پڑھنے سے افضل ہے، مومن کو گالی دینا اپنی ماں بہن سے زنا کرنا ہے، ایسے شخص کی دعا سودن تک مستجاب نہیں ہوتی، پیشہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کا دوست ہے لیکن جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ پیشہ ہی کے ذریعہ سے روزی ملتی ہے، وہ کافر ہے کیوں کہ رزاق مطلق خدا ہے، مصیبت میں چلانا، نوحہ کرنا اور کپڑے پھاڑنا ستر مسلمانوں کے خون کرنے کے برابر ہے، مومن وہ شخص ہے جو تین چیزوں کو دوست رکھتا ہے، درویشی، بیماری اور موت، حاجت مندوں کی مدد کرنے والا اللہ کا دوست ہے، اگر کوئی شخص اوراد ووظائف میں مشغول ہو اور کوئی حاجت مند آجائے تو لازم ہے کہ وہ اوراد ووظائف کو چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو اور اپنے مقدور بھر اس کی حاجت پوری کرے، افضل ترین زہد موت کو یاد رکھنا ہے، تین شخص

---

[1] مآثر عالم گیری، ص ۱۸۱، ۱۹۰۔

Marfat.com

جنت کی بو تک نہ پائیں گے، ایک جھوٹ بولنے والا درویش، دوسرا کنجوس، تیسرا خیانت کرنے والا سوداگر۔

دلیل العارفین: اس کتاب میں خواجہ صاحب کی بارہ صحبتوں کے ملفوظات ہیں، یہ ۵۶ صفحہ کا مختصر رسالہ ہے، جو مطبع مجتبائی دہلی سے چھپ کر شائع ہو گیا ہے، اس میں مختلف دینی مسائل وصوفیانہ رموز مثلاً نماز، وضو، طہارت، غسل جنابت، صدقہ، شریعت، حقیقت، طریقت، محبت الٰہی، معرفت الٰہی، عذاب قبر، توقیر گورستان، گناہِ کبیرہ، عبادت اہل سلوک، دوزخ، فضیلت سورہ فاتحہ وسورہ یٰسین، کشف وکرامات، صحبت نیک وبد، توکل، توبہ اور تجرید پر جستہ جستہ مختصر مگر جامع اور بصیرت انگیز اشارے اور کنائے ہیں جن کے سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی ہے۔

تکمیل اخلاق: ان ملفوظات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ خواجہ صاحبؒ کے نزدیک اہل سلوک کے لیے ہر قسم کے صوری ومعنوی اخلاق ومحاسن کا حامل ہونا ضروری ہے، کیوں کہ ان کے نزدیک تصوف نہ علم ہے اور نہ رسم بلکہ مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کا ایک خاص اخلاق ہے، (ص ۴۷) جو ہر لحاظ سے مکمل ہونا چاہیے۔

صوری حیثیت سے اس اخلاق کی تکمیل یہ ہے کہ سالک اپنے ہر کردار میں شریعت کا پابند ہو، جب اس سے کوئی بات خلاف شریعت سرزد نہ ہوگی تو وہ دوسرے مقام پر پہنچے گا، جس کا نام طریقت ہے اور جب اس میں ثابت قدم رہے گا تو معرفت کا درجہ حاصل کرے گا اور جب اس میں بھی پورا اترے گا تو حقیقت کا رتبہ پائے گا، جس کے بعد وہ جو کچھ مانگے گا اس کو ملے گا، اسی لیے خواجہ صاحبؒ نے شریعت کے تمام احکام، ارکان اور جزئیات خصوصاً نماز کی پابندی پر بڑا زور دیا ہے۔

نماز: فرماتے ہیں نماز رکن دین ہے اور رکن وستون مترادف ہیں، اگر ستون قائم رہے گا گھر کھڑا رہے گا اور جب ستون ہی گر جائے گا گھر گر پڑے گا، جس نے نماز میں خلل ڈالا، اس نے اپنے دین اور اسلام کو خراب کیا، نماز کی اہمیت کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ میرا گزر شام

Marfat.com

کے قریب ایک شہر میں ہوا، اس شہر کے باہر ایک غار تھا، ایک بزرگ اس میں سکونت پذیر تھے، خوف اور ہیبت الٰہی سے ان کے بدن پر گوشت و پوست نہ تھا، صرف ہڈیاں ہی رہ گئی تھیں، ایک سجادہ پر متمکن تھے، میں ادب سے قریب جا کر بیٹھ گیا، دریافت فرمایا کہ کہاں سے آتے ہو؟ میں نے جواب دیا، بغداد سے آتا ہوں، فرمایا، خوب آئے لیکن مناسب ہے کہ درویشوں کی خدمت کرتے رہو تا کہ تم کو ذوق درویشی حاصل ہو، مجھے کئی برس اس غار میں رہتے ہوئے گزر گئے، تمام دنیا سے علاحدگی اختیار کر کے اس غار میں چھپا بیٹھا ہوں، ایک بات سے ایسا ڈرتا ہوں کہ دن رات روتے گزرتے ہیں، میں نے پوچھا، حضرت! وہ کون سی بات ہے؟ فرمایا، نماز ہے، جس وقت ادا کرتا ہوں خوف معلوم ہوتا ہے کہ کہیں کوئی شرط فروگذاشت نہ ہوگئی ہو اور میری ساری محنت اکارت ہو کر یہی نماز موجبِ عتابِ خداوندی ہو۔ (دلیل العارفین مجلس دوم)

نماز کو مومن کی معراج کہا ہے، چنانچہ فرمایا کہ جب نماز پڑھے تو اس طرح گویا کہ انوارِ تجلی کا مشاہدہ کر رہا ہے[1]۔

روزہ وحج: حضرت خواجہؒ کے نزدیک روزہ اور حج کی بڑی اہمیت تھی، وہ خود صائم الدہر رہے اور خانہ کعبہ کی زیارت بہ کثرت کی ہے،، فوائد السالکین (مجلس پنجم) میں ہے کہ اجمیر سے ہر سال حج کے لیے تشریف لے جاتے تھے، ممکن ہے کہ یہ خیال ہو کہ ہر سال اجمیر سے حج کے لیے جانا اور واپس آنا اس زمانہ میں ممکن نہ تھا لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے خانہ کعبہ کی زیارت اتنی بار فرمائی کہ اس کا شمار نہیں کیا جا سکتا ہے، اس لیے کہنے کے طریقہ میں بہ ظاہر غلو معلوم ہوتا ہے۔

احترام کلام پاک: کلام پاک کی تلاوت کی بڑی فضیلت بتائی ہے اور اس کو ایک بڑی عبادت قرار دیا ہے اور اس کتاب کی تعظیم پر بھی بڑا زور دیا ہے، اس سلسلہ میں بیان فرمایا کہ سلطان محمود غزنوی انار اللہ برہانہ کو وفات کے بعد خواب میں دیکھا، پوچھا خدا تعالیٰ نے

---

[1] دلیل العارفین، مطبع مجتبائی ص ۵۔

Marfat.com

تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا، جواب دیا کہ ایک رات میں کسی قصبہ میں مہمان تھا، جس مکان میں ٹھہرا تھا، وہاں طاق پر قرآن پاک کا ایک ورق رکھا ہوا تھا، میں نے خیال کیا یہاں ورق مصحف رکھا ہوا ہے، سونا نہ چاہیے، پھر دل میں خیال آیا کہ ورق مصحف کو کہیں اور رکھوا دوں اور خود یہاں آرام کروں پھر سوچا کہ یہ بڑی بے ادبی ہوگی کہ اپنے آرام کی خاطر ورق مقدس کی جگہ تبدیل کروں، اس ورق کو دوسری جگہ نہ بھیجا اور تمام رات جاگتا رہا، میں نے کلام پاک کے ساتھ جو ادب کیا اسی کے بدلہ میں خدا تعالیٰ نے مجھ کو بخش دیا[1]

اہلِ سلوک کی عبادتیں: خواجہ صاحبؒ نے اہل سلوک کی من جملہ عبادتوں میں پانچ اور عبادتیں بتائی ہیں (۱) والدین کی خدمت، (۲) کلام پاک کی تلاوت، (۳) علما و مشائخ کی تعظیم اور دوستی، (۴) خانۂ کعبہ کی زیارت، (۵) پیر کی خدمت[2]۔

راہِ سلوک کے گناہ: خواجہ صاحبؒ کا ارشاد ہے کہ راہِ سلوک میں چار گناہ کبیرہ ہیں[3]، (۱) گورستان میں قہقہہ لگانا، (۲) گورستان میں کھانا پینا کیوں کہ یہ عبرت کا مقام ہے، (۳) مردم آزاری کرنا، (۴) خدا کا نام لے کر لرزہ براندام نہ ہونا، سالک کو ان گناہوں سے بچنا لازم ہے۔

عارف: ایک عارف کی معنوی خوبیوں کا اندازہ خواجہ صاحبؒ کے مندرجہ ذیل ارشادات عالیہ سے ہوگا:

عارف علم کے تمام رموز سے واقف رہتا ہے، اسرار الٰہی کے حقائق اور انوار الٰہی کے دقائق کو آشکارا کرتا ہے[4]۔

---

[1] دلیل العارفین، مجلس پنجم، ص ۲۲، یہ ایک خواب کی بات ہے، جس کو موجودہ دور کے مؤرخ اپنی تحقیق و تدقیق میں اہمیت دینا پسند نہ کریں گے، لیکن اولیاء اللہ محمود غزنوی کو کن نظروں سے دیکھتے تھے، وہ اس واقعہ سے ظاہر ہوگا، یہ روایت فوائد الفواد، ص ۱۶۷ میں بھی ملے گی۔ [2] دلیل العارفین، مطبع مجتبائی، ص ۲۱ و ۲۴ [3] ایضاً، ص ۳۱۵، ۳۱۸ [4] دلیل العارفین، مطبع مجتبائی، ص ۵۔

Marfat.com

عارف عشق الٰہی میں کھو جاتا ہے اور اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے اسی کی قدرتِ کاملہ میں محو اور متحیر رہتا ہے[1]۔

عارف پر جب حال کی کیفیت طاری ہوتی ہے تو وہ اس میں ایسا مستغرق ہو جاتا ہے کہ اگر ہزاروں فرشتے بھی اس سے مخاطب ہوں تو وہ ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا، عارف ہمیشہ مسکراتا رہتا ہے، عالم ملکوت میں خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں مقربین پر اس کی نظر پڑتی ہے اور وہ ان کے حرکات وسکنات کو دیکھ کر مسکراتا ہے[2]۔

عرفان میں ایک ایسی حالت پیدا ہوتی ہے کہ عارف ایک قدم بڑھا کر عرش سے حجاب عظمت اور حجاب عظمت سے حجاب کبریا تک پہنچ جاتا ہے اور دوسرے قدم میں واپس آجاتا ہے، یہ تو عارف کا کم ترین درجہ ہے، ایک عارف کامل کہاں تک پہنچ جاتا ہے وہ خدا ہی جانتا ہے[3]۔

عارف دونوں جہاں سے قطع تعلق کر کے یکتا (فردا) ہو جاتا ہے اور جب یہ یکتائی (فردائیت) حاصل کر لیتا ہے تو وہ ہر چیز سے بیگانہ نظر آتا ہے[4]۔

عارف وہی ہے کہ وہ جہاں بھی ہو، اس کی خواہش کے مطابق کام انجام پائے، وہ نہیں جو کسی چیز کے پیچھے پریشان ہو[5]۔

عارف کے مراتب ہوتے ہیں، جب ان کو وہ طے کر لیتا ہے تو وہ دنیا کو اپنی انگلیوں کے حلقہ میں دیکھتا ہے[6]۔

عارف کا ادنا درجہ یہ ہے کہ اس میں صفات الٰہی کا ظہور ہو اور خدائے تعالیٰ سے عارف کی محبت کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنے اوپر دل کے نور کو ظاہر کر دے اور کوئی شخص اس کے سامنے دعویٰ کے ساتھ آئے تو اس کو اپنی کرامت سے ملزم ٹھہرائے[7]۔

''اگر کسے بردے بدعویٰ آید آں رابقوتِ کرامت ملزم کند۔''

---

[1] دلیل العارفین، مطبع مجتبائی، ص ۵ [2] ایضاً، ص ۶ [3] ایضاً [4] ایضاً، ص ۶ [5] ایضاً، ۴۱ [6] ایضاً، ص ۸ [7] ایضاً۔

Marfat.com

اگر کوئی شخص کرامت دیکھنا چاہے تو اس کو خدا کی اجازت سے کرامت دکھلانی چاہیے۔

عارف خاموش رہتا ہے تو وہ گویا خدائے تعالیٰ سے باتیں کرتا ہے اور جب آنکھیں بند کر لیتا ہے تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اس وقت تک سر نہ اٹھائے جب تک صورِ اسرافیل کی آواز اس کے کانوں تک نہ پہنچ جائے[1]۔

عارف وہ ہے جو اپنے دل سے ساری باتیں نکال کر یگانہ ہو جائے، عارف کا کمال یہ ہے کہ دوست کی اس راہ میں اپنے کو جلا کر خاک سیاہ کر دے[2]۔

عارف اسی قدر معرفت کی باتیں کر سکتا ہے جس قدر اس کو عبور ہے، کوئے یار میں دوڑتا ہے اور معرفت کو اس وقت تک نہیں پہنچتا ہے جب تک معارف کو یاد نہ کرے[3]۔

عارف وہ ہے کہ دم حاصل کرے اور جب دم ہو جائے تو پھر زمین اور آسمان کے بیچ میں اس کو نہ پائے، عارف کا دم ذکر خدا ہے اور اسی دم پر اپنے کو فدا کر دے[4]۔

عارف کی فضیلت اس میں ہے کہ وہ خاموش رہے اور غم واندوہ میں ہو۔

عارف دنیا کا دشمن اور خدا کا دوست ہوتا ہے، اس کو دنیا کے شور اور ہنگامے کی کوئی خبر نہیں رہتی ہے[5]۔

عارف گریہ کرتا ہے لیکن جب اس کو قربت نصیب ہوتی ہے تو گریہ بند کر دیتا ہے۔

دنیا میں تین چیزیں عزیز ترین ہیں، (۱) عالم کا وہ سخن جو اپنے علم سے بیان کرے، (۲) وہ شخص جس کو طمع نہ ہو، (۳) وہ عارف جو ہمیشہ دوست کی ثنا وصفت بیان کرتا رہے۔ (ص ۴۷)

عارف جب وحدانیت اور ربوبیت کا جلال دیکھتا ہے تو نابینا ہو جاتا ہے، تاکہ غیر

---

۱ دلیل العارفین، مطبع [illegible] بائیس ۴۳ ۲ ایضاً ص ۶ ۳ ایضاً ص ۴۳ ۴ ایضاً ص ۴۴ ۵ ایضاً، ص ۴۷۔

Marfat.com

پر اس کی نظر نہ پڑے[1]۔

عارف کا ایثار بے نیازی ہے[2]۔

عارف کی خصلت اخلاص ہے[3]۔

عارف محبت میں کامل ہوتا ہے اور جب وہ اپنے دوست سے گفتگو کرتا ہے تو وہ ہوتا ہے یا اس کا دوست[4]۔

عارف صادق وہ ہے کہ اس کی ملک میں کچھ نہ ہو، اور نہ وہ کسی کی ملک ہو[5]۔

عارف کا توکل یہ ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ کے سوا کسی سے التفات نہ رکھے، حقیقی توکل تو یہ ہے کہ عارف کو خلق سے تکلیف و رنج پہنچے تو وہ نہ ان کی شکایت کرے اور نہ حکایت[6]۔

عارف وہ ہے جو صبح کو اٹھے تو رات کو یاد نہ کرے[7]۔

عارف کی محبت یہ ہے کہ ذکر حق کے سوا کسی چیز سے لگاؤ نہ رکھے۔

عارف کی صفت آفتاب جیسی ہے، تمام دنیا اس سے منور ہے، دنیا کی کوئی چیز اس کی روشنی سے محروم نہیں ہے۔

عارف کے لیے تین ارکان ضروری ہیں، ہیبت، تعظیم، حیا، اپنے گناہوں سے شرمندہ ہونا ہیبت ہے، طاعت گزاری تعظیم ہے اور خدا کے سوا کسی پر نظر نہ ڈالنا حیا ہے۔ (سیر الاقطاب، ص ۱۳۹)

خواجہ صاحبؒ کی طرف ایک دیوان بھی منسوب ہے، مگر اہل نظر کی رائے ہے کہ یہ جعلی ہے، اس لیے ہم اس پر کسی قسم کی بحث کرنی نہیں چاہتے۔

مقاماتِ سلوک: دلیل العارفین کے علاوہ خواجہ صاحبؒ کے ملفوظات بعض تذکروں میں بھی محفوظ ہیں، ان ملفوظات میں ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ راہِ سلوک میں چودہ مقامات ہیں،

---

[1] دلیل العارفین، مطبع مجتبائی، ص ۴۸ [2] ایضاً، ص ۵۰ [3] ایضاً [4] ایضاً [5] ایضاً، ص ۵۱
[6] ایضاً، ص ۵۳ [7] ایضاً، ص ۵۴۔

Marfat.com

۱-توبہ، ۲-عبادت، ۳-زہد، ۴-رضا، ۵-قناعت، ۶-مجاہدہ یا جہد، ۷-صدق، ۸-تفکر، ۹-استرشاد، ۱۰-اصلاح، ۱۱-اخلاص، ۱۲-معرفت، ۱۳-شکر، ۱۴-محبت۔

ان میں سے ہر ایک مقام ایک ایک پیغمبر کے ساتھ منسوب ہے، یعنی توبہ حضرت آدم علیہ السلام، عبادت حضرت ادریس علیہ السلام، زہد حضرت عیسیٰ علیہ السلام، رضا حضرت ایوب علیہ السلام، قناعت حضرت یعقوب علیہ السلام، مجاہدہ حضرت یونس علیہ السلام، صدق حضرت یوسف علیہ السلام، تفکر حضرت شعیب علیہ السلام، استرشاد حضرت شیث علیہ السلام، اصلاح حضرت داوٗد علیہ السلام، اخلاص حضرت نوح علیہ السلام، معرفت حضرت خضر علیہ السلام، شکر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور محبت افضل الانبیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔

سلوک کے مراتب میں اہل طریقت کے لیے مندرجہ ذیل دس شرطیں ضروری قرار دی ہیں:

۱-طلب حق، ۲-طلب مرشد کامل، ۳-ادب، ۴-رضا، ۵-محبت و ترک فضول، ۶-تقویٰ، ۷-استقامت شریعت، ۸-کم کھانا اور کم سونا، ۹-لوگوں سے کنارہ کش ہونا، ۱۰-صوم و صلوٰۃ کا پابند ہونا۔

اسی طرح اہل حقیقت کے لیے بھی دس چیزیں لازمی ہیں:

۱-معرفت میں کامل ہونا، ۲-کسی کو رنج نہ پہنچانا اور نہ کسی کی برائی کرنا، ۳-لوگوں سے ایسی گفتگو کرنا جس سے ان کی دنیا اور آخرت بنے، ۴-متواضع ہونا، ۵-عزلت نشین ہونا، ۶-ہر شخص کو عزیز و محبوب رکھنا اور اپنے کو سب سے حقیر اور کم تر سمجھنا، ۷-رضا و تسلیم کو راہ دینا، ۸-ہر درد اور تکلیف میں صبر اور تحمل کرنا، ۹-عجز و نیاز اور سوز و گداز پیدا کرنا، ۱۰-قناعت اور توکل پسند ہونا[۱]۔

خلفا: خزینۃ الاصفیا جلد اول میں حضرت خواجہؒ کے خلفا کی بڑی لمبی فہرست ہے، ان کے

[۱] سیر الاقطاب، ص ۱۳۷-۱۳۸۔

Marfat.com

اسمائے گرامی یہ بتائے گئے ہیں:

(۱) قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کاکیؒ (دہلی)، (۲) خواجہ فخرالدین فرزند ارجمند حضرت خواجہؒ (قصبہ سردار)، (۳) شیخ حمیدالدین سوالی ناگوریؒ، (۴) شیخ وجیہ الدینؒ (ہرات) (۵) خواجہ برہان الدین عرف بدوؒ (اجمیر)، (۶) شیخ احمدؒ (اجمیر)، (۷) شیخ محسنؒ، (۸) خواجہ سلیمان غازیؒ، (۹) شیخ شمس الدینؒ، (۱۰) خواجہ حسن خیاطؒ، (۱۱) جے پال جوگی المعروف بہ عبداللہؒ (اجمیر)، (۱۲) شیخ صدرالدین کرمانیؒ، (۱۳) بی بی حافظہ جمال صبیبہ سعیدہ حضرت خواجہؒ (اجمیر)، (۱۴) شیخ محمد ترک نارنولیؒ (دہلی)، (۱۵) شیخ علی سجزیؒ، (۱۶) خواجہ یادگار سبزواریؒ، (۱۷) خواجہ عبداللہ بیابانی (۱۸) شیخ متاؒ، (۱۹) شیخ وحید برادرؒ، (۲۰) شیخ مسعود غازیؒ (اجمیر)۔

لیکن سیر الاقطاب (ص ۱۴۰) میں صرف چودہ نام ہیں، جن میں وہ تیرہ کو حضرت خواجہ کا خلیفہ تسلیم کرتے ہیں، اس میں شیخ صدرالدین کرمانیؒ، شیخ محمد ترک نارنولیؒ، شیخ علی سجزیؒ، خواجہ یادگار سبزواریؒ، خواجہ عبداللہ بیابانیؒ، شیخ متاؒ اور شیخ وحیدؒ کے نام نہیں ہیں، وہ شیخ مسعود غازی کو بھی حضرت خواجہ کا خلیفہ تسلیم نہیں کرتے لیکن خزینۃ الاصفیا میں لکھا ہے کہ یہ سلطان سالار مسعود غازی شہید سے مختلف ہیں، اخبار الاخیار (ص ۴۶) میں شیخ محمد ترک نارنولیؒ کو خواجہ عثمان ہارونیؒ کا خلیفہ بتایا گیا ہے۔

یہ بزرگانِ دین مختلف مقامات پر مامور تھے تاکہ وہ شمع اسلام روشن کر کے ہندوستان کے ظلمت کدہ کو منور کر دیں اور جب سلاطین دہلی تخت و تاج کے لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ فوج کشی میں مشغول تھے تو خانقاہ کے یہ بوریا نشین انسانوں کے قلوب کی تسخیر کر رہے تھے، رفتہ رفتہ دو متوازی حکومتیں قائم ہوگئیں، ایک تو ان کی تھی جن کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں اور ایک ان کی جن کے گھروں میں فقر و فاقہ تھا لیکن ان ہی فقر و فاقہ والوں کے ذریعہ ہندوستان میں اسلام کی سچی عظمت اور شوکت قائم ہوئی۔

Marfat.com

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

نام ونسب: حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ اوش میں پیدا ہوئے، یہ قصبہ ماوراء النہر میں فرغنہ میں اندجان جنوب مشرق میں واقع ہے، بختیار نام، قطب الدین لقب تھا، عرف عام میں خواجہ کاکی کہلاتے تھے، سیر الاقطاب (ص ۱۴۲) میں سلسلۂ نسب یہ ہے:

خواجہ قطب الدین بختیار اوشی بن سید موسیٰ بن سید احمد بن سید کمال الدین بن سید محمد بن سید احمد بن سید اسحٰق حسن بن سید معروف بن سید احمد حسنی بن سید رضی الدین ابن سید حسام الدین بن سید رشید الدین بن سید جعفر بن امیر المومنین حضرت امام محمد تقی الجود بن امیر المومنین حضرت امام علی موسیٰ رضا ابن امام المسلمین حضرت امام موسیٰ ابن امیر المومنین حضرت امام جعفر الصادق بن امیر المومنین حضرت امام محمد بن باقر بن امیر المومنین امام زین العابدین بن امیر المومنین حضرت سید الشہدا امام حسین رضی اللہ عنہ بن امیر المومنین امام المتقین حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ۔

ابتدائی تعلیم: ڈیڑھ سال کے تھے کہ والد بزرگ وار کا سایہ سر سے اٹھ گیا، والدہ ماجدہ نے پوری ذمہ داری سے تعلیم وتربیت کا فرض انجام دیا، خیر المجالس میں ہے:

''حضرت قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ بچے تھے اور ان کے والد کا سایہ ان کے سر سے اٹھ گیا تھا تو اپنی والدہ سے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ قرآن پڑھوں، مجھ کو کسی معلم کے پاس بھیج دیں، والدہ نے تختی اور مٹھائی منگوائی اور ایک کنیز کے ساتھ پڑوس میں ایک حافظ کے پاس

Marfat.com

روانہ کیا، راستہ میں ایک بوڑھا آدمی ملا، حضرت خواجہ قطب الدینؒ نے اس کو سلام کیا، اس نے پوچھا، بابا! کہاں جاتے ہو؟ جواب دیا، قرآن پڑھنے جاتا ہوں، میری والدہ نے مجھ کو مسجد میں بھیجا ہے، بوڑھے نے کہا، اس مسجد میں نہ جاؤ، میرے ساتھ آؤ، میں جہاں چلوں وہاں چلو اور وہیں قرآن پڑھو، خواجہ صاحبؒ نے کہا، بہت خوب، اور اس بوڑھے آدمی کے پیچھے پیچھے چلے، ایک مسجد میں دونوں آئے، ابوحفص بیٹھے ہوئے تھے اور ان سے کچھ لڑے پڑھ رہے تھے، ابوحفص نے اس بوڑھے آدمی کو دیکھا تو اٹھ کھڑے ہوئے اور تعظیم بجالائے اور اس کے پاؤں پر گر پڑے، اس کے بعد بوڑھے آدمی نے کہا کہ اس بچے کو تمہارے پاس لائے ہیں، اس کے ساتھ محنت کرو اور قرآن مجید پڑھاؤ، اباحفص نے منظور کرلیا اور اپنے پاس بٹھلایا، جب وہ بوڑھا آدمی چلا گیا تو اباحفص نے خواجہ قطب الدینؒ سے پوچھا کہ جانتے ہو یہ بوڑھا آدمی کون تھا؟ وہ خواجہ خضر تھے۔'' (ص ۱۰۸)

سیر العارفین میں ہے کہ خواجہ صاحبؒ نے مولانا ابوحفص کی صحبت کی برکت سے بڑے بڑے ظاہری و باطنی کمالات حاصل کیے اور سلوک کی تعلیم بھی پائی، یہاں تک کہ ریاضات و مجاہدات سے ایک ساعت بھی غافل نہ رہتے تھے۔ (ص ۱۷)

بیعت: اوش سے نکل کر خواجہ صاحبؒ بغداد پہنچے، سیر الاولیا (ص ۴۸) میں ہے کہ یہاں امام ابواللیث سمرقندی کی مسجد میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے بیعت ہوئے، اس مجلس میں شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، شیخ احمد کرمانیؒ، شیخ برہان الدین چشتیؒ، شیخ محمد صفاہانیؒ بھی تھے، سیر الاولیا میں بیعت کا سنہ ۵۲۲ھ لکھا ہے جو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے کیوں کہ اس سنہ میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔

سیر العارفین (ص ۱۸) میں بیعت کے وقت خواجہ صاحبؒ کی عمر ۲۰ سال لکھی ہوئی ہے، تاریخ فرشتہ (جلد دوم، ص ۳۷۸) میں ۲۰ سال اور آئین اکبری (جلد سوم، ص ۱۶۹) میں ۱۸ سال مرقوم ہے۔

عبادت: بیعت کے بعد وہ رات دن میں پنچانوے رکعت نماز ادا کرتے تھے اور ہر رات

Marfat.com

کو تین ہزار بار درود شریف پڑھ کر رسول اللہ ﷺ کے دربار گوہر بار میں ہدیہ بھیجا کرتے تھے، اسی زمانہ میں ان کی والدہ نے ایک حسین وجمیل لڑکی سے شادی کردی، شادی کی ابتدائی تین راتوں میں درود شریف پڑھنے کا معمول ناغہ ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ نے انیس احمد نامی ایک زاہد کو خواب کے ذریعہ یہ پیغام دیا کہ وہ (حضرت) بختیارؒ سے دریافت کریں کہ وہ جو تحفہ رات کو بھیجا کرتے تھے، اس کو کیوں بند کردیا، حضرت بختیارؒ نے اسی وقت بیوی کو مہر دے کر آزاد کردیا، اس کے بعد دنیاوی علائق سے بالکل کنارہ کش ہوگئے[1]

سیاحت: بیعت اور ازدواجی زندگی کے بعد ہی مختلف مقامات کی سیاحت کی، عاجز راقم کے لیے ترتیب کے ساتھ اس سیاحت کا حال لکھنا ممکن نہیں، فوائد السالکین میں جتنی تفصیل بتائی گئی ہے، اس کو ہم ان ہی کی زبان سے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں تاکہ اس میں جو کیفیت ہے وہ باقی رہے۔

غزنیں تشریف لے گئے تو وہاں ایک بزرگ سے ملے جو بڑے صاحب تجرید وتفرید تھے، ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ جو کچھ ان کو فتوحات حاصل ہوتیں کبھی اپنے پاس نہ رکھتے، دن میں جو چیزیں آتیں وہ شام تک تقسیم کردیتے اور جو شام کو حاصل ہوتیں صبح تک نہ رکھتے، چھوٹے بڑے درویش وتونگران کی خانقاہ سے محروم نہ جاتے، بھوکوں کو کھلاتے، ننگوں کو کپڑے پہناتے، غرضے کہ بڑے صاحب نعمت تھے، میں نے ان کو فرماتے سنا کہ چالیس برس میں نے مجاہدہ کیا، کچھ حاصل نہ ہوا اور کوئی روشنی نظر نہ آئی، لیکن جب سے کم سونا، کم بولنا، کم کھانا اور لوگوں سے کم ملنا اختیار کیا تو روشنی نظر آئی اور اب عرش اور حجاب عظمت تک کی چیزیں پوشیدہ معلوم نہیں ہوتیں۔ (فوائد السالکین، مجلس اول)

فرماتے ہیں ایک بار میں دریائی سفر میں تھا کہ ایک بڑے بزرگ اور صاحب نعمت

---

[1] فوائد الفواد، ص ۱۰۷، سیر الاولیا، ص ۵۰، سیر العارفین، ص ۱۹، سیر الاقطاب، ص ۱۵۶، جواہر فریدی، قلمی نسخہ، اخبار الاخیار، ص ۲۵، موخر الذکر تذکرہ میں بیوی کو طلاق دینے کا ذکر نہیں ہے۔

Marfat.com

درویش کی زیارت کی، مجاہدے سے ان کا یہ حال ہو گیا تھا کہ جسم مبارک میں صرف ہڈیاں رہ گئی تھیں، ان کا یہ دستور تھا کہ چاشت کی نماز سے فارغ ہو کر لنگر خانہ میں تشریف لے جاتے، جس میں ہزاروں من کھانا ہوتا، ظہر کی نماز تک اس کی تقسیم میں مصروف رہتے، ہر آنے والے کو کھانا کھلاتے اور ننگے کو حجرے میں لے جا کر کپڑے پہناتے، یہاں تک کہ لنگر خانے میں کوئی چیز باقی نہ رہتی، پھر مصلے پر جا بیٹھتے، ان کا حکم تھا کہ جو کوئی بھی آئے، ان کے پاس بھیج دیا جائے، وہ مصلے کے نیچے سے جو کچھ اس کی قسمت میں ہوتا، عطا کرتے، چند روز میں ان بزرگ کی خدمت میں رہا، وہ صائم الدہر تھے، افطار کے وقت ان کے پاس چار کھجوریں آتیں، دو مجھ کو دے دیتے اور دو خود کھاتے، مجھ سے فرمایا کہ درویش جب تک لوگوں کی صحبت ترک کر کے گوشہ گیر نہ ہو جائے اور کم نہ کھائے، کم نہ سوئے، کم نہ بولے، عالی مقام نہیں ہو سکتا۔ (فوائد السالکین، مجلس اول)

دریائی سفر کا ایک اور واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ میں اپنے یار غار قاضی حمید الدین ناگوریؒ کے ساتھ ایک دریا کے کنارے فروکش تھا، دیکھا ایک بہت بڑا بچھو بڑی تیزی سے کہیں جا رہا ہے، میں نے قاضی سے کہا کہ اس میں کوئی سرالٰہی پوشیدہ ہے، ہم دونوں بچھو کے پیچھے ہو لیے، بچھو ایک درخت کے پاس پہنچا تو اس نے ایک بہت ہی خوف ناک اژدہے کو ڈنک مارا، جس سے وہ مر گیا، پاس ہی ایک شخص سو رہا تھا، ہم وہاں ٹھہر گئے کہ یہ نیند سے اٹھے تو ہم اس سے ملاقات کریں، ہم نے اس کے نزدیک جا کر دیکھا تو وہ نشے میں بدمست پڑا تھا، تعجب ہوا کہ ایسے نافرمان بندے پر اللہ تعالیٰ نے اس قدر کیوں رحمت فرمائی، غیب سے آواز آئی کہ اگر ہم پارساؤں ہی پر اپنی توجہ رکھیں تو غریبوں کا کون حامی ہوگا؟ اس کے بعد وہ متوالا اٹھا تو مردہ اژدہے کو پاس دیکھ کر پریشان ہوا، ہم نے بچھو اور اژدہے کی کیفیت اس سے بیان کی تو وہ نادم ہوا اور کچھ عرصہ کے بعد ہم نے سنا کہ وہ بہت بڑا بزرگ ہو گیا اور اس نے ستر بار پاپیادہ حج کیا[1]۔

---

[1] مجلس اول، اس واقعہ کی اور بھی تفصیلات ہیں لیکن ہم نے اختصار سے کام لیا ہے، نیز دیکھو سیر الاولیا، ص ۵۲-۵۳ و روضۃ الاقطاب، ص ۱۷۔

Marfat.com

مجلس اول ہی میں فرماتے ہیں:- میں نے ایک شہر میں دیکھا کہ دس دس بیس بیس آدمی جا بہ جا متحیر کھڑے ہیں، نماز کے وقت عالم صحو میں آجاتے ہیں اور نماز ادا کر کے پھر عالم سکر میں چلے جاتے ہیں، میں بہت دنوں تک ان کی خدمت میں رہا، ایک روز ان میں کچھ لوگ عالم صحو میں آئے تو میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ لوگوں کا یہ حال کب سے ہے؟ جواب دیا کہ ساٹھ یا ستر سال ہوئے ہوں گے کہ ہم نے راندۂ درگاہ ابلیس لعین کا قصہ سنا تھا، اسی وقت سے ہمارا یہ حال ہے۔

مجلس دوم میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک بار سمرقند میں ایک بزرگ سے ملاقات کی، جو عالم تحیر میں تھے، میں نے وہاں کے لوگوں سے پوچھا کہ ان کو اس حال میں رہتے ہوئے کتنے سال ہوئے، لوگوں نے جواب دیا کہ ہم ان کو بیس سال سے اسی حالت میں دیکھتے ہیں، میں چند روز ان کی صحبت میں رہا، ایک بار عالم صحو میں پایا تو دریافت کیا کہ کتنے روز سے آپ کو کسی کے آنے جانے کی اطلاع نہیں ہوئی، جواب دیا کہ اے نادان! درویش جب دریائے محبت میں غرق ہو جاتا ہے تو گو اس کو ٹکڑے ٹکڑے بھی کر ڈالیں لیکن اس کو کچھ خبر نہ ہوگی، جاں بازی کی اس راہ میں جس نے بھی قدم رکھا اس کی جان محفوظ نہیں رہتی۔

آگے چل کر فرماتے ہیں کہ میں قاضی حمید الدین ناگوریؒ کے ساتھ خانۂ کعبہ کے طواف میں تھا، ہم دونوں کے آگے ایک بزرگ تھے جن کا نام شیخ عثمانؒ تھا اور وہ شیخ ابوبکر شبلیؒ کی اولاد میں سے تھے، دونوں ان کے نقشِ پا پر اپنا قدم رکھتے تھے، شیخ عثمانؒ نے اپنی روشن ضمیری سے ہمارا حال معلوم کر لیا اور فرمایا، متابعت ظاہری کیا کرتے ہو، میری متابعت باطنی بھی اختیار کرو، ہم دونوں نے عرض کیا کہ آپ کی متابعت باطنی کیا ہے؟ فرمایا، ہر روز ہزار بار قرآن ختم کرتا ہوں، ہم دونوں کو اس پر تعجب ہوا کہ یہ تو طاقت بشری سے باہر ہے، شاید ہر سورت کی ابتدائی آیتیں پڑھ لیتے ہوں گے، ہم اسی خیال میں تھے کہ انہوں نے مڑ کر ہماری طرف دیکھا اور فرمایا کہ تمہارا یہ خیال غلط ہے، میں ہزار بار روزآنہ قرآن شریف

Marfat.com

حرف بہ حرف پڑھتا ہوں، جب حضرت خواجہ قطب الدینؒ نے یہ واقعہ مجلس میں سنایا تو حاضرین میں سے مولانا علاء الدین کرمانیؒ نے کہا، جو بات عقل میں نہ آئے وہ کرامت ہے، کیوں کہ کرامت میں عقل کو کچھ دخل نہیں، حضرت خواجہ یہ سن کر آب دیدہ ہو گئے[1]۔

مجلس دوم ہی کے ملفوظات میں ہے کہ میں قاضی حمید الدین ناگوریؒ کے ساتھ ایک شہر میں پہنچا تو وہاں بارہ آدمیوں کی ایک جماعت دیکھی، جن میں سے ہر ایک عالم تحیر میں تھا، صرف نماز کے وقت اس کو ہوش آ جاتا تھا، یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد حضرت خواجہ قطب الدینؒ نے حضرت فرید الدینؒ کو مخاطب کر کے فرمایا، اے فرید! انبیا علیہم السلام معصوم اور اولیائے کرام محفوظ اس لیے ہیں کہ ان سے عالم سکر میں بھی کوئی فعل خلافِ شریعت سرزد نہیں ہوتا، سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ میں اپنے مرشد خواجہ بزرگ کے ساتھ حج کو گیا، واپسی میں ہم ایک ایسے شہر میں ٹھہرے جس کا نام اب یاد نہیں، وہاں ایک بزرگ کی زیارت کی جو ایک غار میں تھے، ہیبت الٰہی سے ان کے جسم پر گوشت باقی نہ رہا تھا، گویا ایک چوبِ خشک تھے، خواجہ بزرگ علیہ الرحمہ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اگر تمہاری مرضی ہو تو چند روز یہاں قیام کریں، میں نے ادب سے عرض کیا کہ جیسی مرضی ہو، غرض ہم ان کی صحبت میں ایک ماہ تک رہے، اس عرصہ میں صرف ایک روز وہ عالم صحو میں آئے، ہم نے سلام عرض کیا، جواب دے کر فرمایا، عزیزو! تمہیں یہاں تکلیف ہوئی لیکن اس کا نیک بدلہ پاؤ گے، کیوں کہ جو شخص درویشوں کی خدمت کرتا ہے، منزل مقصود کو ضرور پہنچ جاتا ہے، پھر فرمایا، بیٹھ جاؤ، ہم بیٹھ گئے تو اپنا ذکر فرمانے لگے کہ میں شیخ محمد اسلم طوسیؒ کی اولاد سے ہوں، اس عالم تحیر میں تیس سال سے ہوں، مجھ کو روز و شب کی کوئی خبر نہیں ہوتی، حق تعالیٰ آج صرف تمہارے لیے عالم صحو میں لایا ہے، اے عزیزو! اب تمہیں اجازت ہے، تم رخصت ہو جاؤ،

---

[1] یہ واقعہ فوائد الفواد میں ص ۶-۷ میں تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ درج ہے، لیکن اس میں یہ نہیں ہے کہ قاضی حمید الدین ناگوریؒ کے ساتھ قطب صاحبؒ بھی تھے۔

Marfat.com

خداوند تعالیٰ تمہیں اس زحمت کا نیک بدلہ عطا فرمائے لیکن میری ایک بات تم یاد رکھنا کہ دنیا کی طرف متوجہ نہ ہونا اور مخلوق سے دور رہنا اور جو کچھ تمہارے پاس پہنچے اس کو کبھی اپنے پاس نہ رکھنا، ورنہ درویشی حاصل نہ ہوگی اور حق کی مشغولیت کے سوا اور کسی چیز کی طرف التفات نہ کرنا، یہ کہہ کر وہ پھر عالم تحیر میں چلے گئے۔

مجلس چہارم میں ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھ کو بغداد میں بارہا حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ کی صحبت میں جانے کا اتفاق ہوا، وہ واقعی بہت بڑے بزرگ اور عابد و زاہد تھے، میں نے اپنی سیر و سیاحت میں ان جیسا عبادت گزار نہیں دیکھا۔

سیر العارفین میں ہے کہ حضرت بختیار کو بغداد میں خبر ملی کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ خراسان سے ہندوستان جا رہے ہیں تو مرشد کے شوقِ ملاقات میں وہ بھی ہندوستان روانہ ہو گئے لیکن خود دلیل العارفین کی ایک عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ہندوستان اپنے مرشد کی معیت میں آئے، جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے۔ (نیز دیکھو دلیل العارفین، ص ۵۴) پھر مرشد نے اجمیر سے دہلی جانے کا حکم دیا۔

ورودِ دہلی: دہلی کے سفر میں ملتان پہنچے تو یہاں کے مشہور بزرگ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا قدس سرہ کمال محبت و شفقت سے ملے، اس لیے حضرت قطب صاحبؒ نے وہاں کچھ دنوں قیام کیا، پھر اسی اثنا میں منگولوں نے ہندوستان پر یورش کی تو ملتان کا حاکم قباچہ حضرت قطب الدین صاحبؒ سے فیوض و برکات کا طلب گار ہوا اور کہا جاتا ہے کہ ان ہی کی کرامت سے مغل شکست کھا کر فرار ہوئے[1]، قباچہ نے ان سے ملتان ہی میں قیام کرنے کی درخواست کی لیکن انہوں نے فرمایا کہ یہ جگہ حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی کی ہے اور یہ شہر ان ہی کی پناہ میں رہے گا۔ (جواہر فریدی، ص ۱۸۹)

ملتان سے وہ دہلی آئے اور دہلی کے قریب پہنچے تو سلطان شمس الدین التمش

---

[1] سیر الاولیا، ص ۵۰، سیر الاقطاب، ص ۱۴۹، سیر العارفین، ص ۲۰۔

Marfat.com

نے خدم و حشم کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور ان کے قیام کا انتظام شہر کے اندر کرنا چاہا لیکن انہوں نے کیلوکھری میں سکونت پسند کی، سلطان ایلتتمش ہفتہ میں دو بار ان کی خدمت میں حاضر ہو کر فیوض و برکات سے مستفیض ہوتا تھا، آخر میں سلطان ایلتتمش نے عرض کیا کہ شہر سے اتنی دور آنے میں سلطنت کے کاروبار میں خلل پڑتا ہے تو مجبوراً وہ شہر دہلی کے اندر فروکش ہونے پر راضی ہو گئے اور ملک اعزالدین کی مسجد میں قیام فرمایا[1]، شیخ الاسلام جمال بسطامی کی وفات کے بعد ایلتتمش نے حضرت قطب صاحبؒ کو ان کی جگہ پر مامور کرنا چاہا لیکن جب انہوں نے انکار کیا تو شیخ نجم الدین صغریٰ کو اس عہدہ پر مامور کیا گیا، شیخ نجم الدین صغریٰ حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے مرید تھے اور برگزیدہ بزرگوں میں شمار کیے جاتے تھے لیکن حضرت خواجہ قطب الدینؒ کی مقبولیت سے ان کے دل میں رشک و حسد کی آگ بھڑک اٹھی۔

دہلی سے حضرت قطب صاحبؒ نے حضرت خواجہ بزرگ کی خدمت میں شوق ملاقات اور اشتیاق قدم بوسی کا عریضہ ارسال کیا تو خواجہ صاحبؒ اپنے مہجور مرید کی آتش شوق بجھانے کے لیے خود دہلی تشریف لائے اور یہاں کے تمام خواص و عوام اور مشائخ کبار ان کے دیدار سے مشرف ہونے کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، مگر دہلی کے شیخ الاسلام شیخ نجم الدین صغریٰ نہیں آئے تو خواجہ صاحبؒ خود ان سے ملنے کے لیے گئے، انہوں نے شکایت کی کہ قطب صاحبؒ کے ساتھ لوگوں کی گرویدگی اور فریفتگی کی وجہ سے ان کا وقار اور دبدبہ معرض خطر میں آ گیا ہے، شیخ الاسلام کی خاطر حضرت خواجہ صاحب نے قطب صاحب کو دہلی چھوڑ کر اپنے ساتھ اجمیر چلنے کا حکم دیا۔ ایلتتمش نے بڑی منت و زاری کی لیکن حضرت خواجہ صاحبؒ نے اس کی بات نہ مانی اور قطب صاحب کو لے کر روانہ ہو گئے، دہلی کے باشندوں نے قطب صاحب کو جاتے دیکھا تو عاشق زار کی طرح آہ و بکا کرنے لگے، جس جگہ قطب صاحبؒ قدم رکھتے تھے، وہاں کی خاک اٹھا کر تبرکاً آنکھوں

---

[1] سیر العارفین، ص ۲۱، جواہر فریدی اور روضۃ الاقطاب میں مسجد ملک اعزالدین مرقوم ہے۔

Marfat.com

سے لگاتے تھے، خواجہ صاحبؒ نے دہلی والوں کو قطب صاحبؒ پر ایسا فریفتہ پایا تو ارشاد فرمایا کہ بابا قطب الدین تم یہیں رہو، تمہارے چلے جانے سے دہلی کے لوگوں کا دل خراب وکباب رہے گا، مجھ کو یہ منظور نہیں، چنانچہ آخر وقت تک وہ دہلی ہی میں مقیم رہے[1]۔

دلیل العارفین کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مرشد کی وفات سے پہلے دہلی سے اجمیر جا کر آخری دیدار سے مشرف ہوئے، دلیل العارفین کی مجلس دوازدہم میں ہے کہ:

''فرمایا، ساری دنیا انوار سے روشن ہے، یہ فرما کر رو پڑے، اور فرمایا، اے درویشو! مجھے اس جگہ اس واسطے لائے ہیں کہ یہاں میرا مدفن ہے، اب چند روز میں اس عالم سے کوچ کروں گا، شیخ علی سجزیؒ آپ کے کاتب موجود تھے، ان سے فرمایا کہ فرمان شیخ قطب الدین بختیارؒ کے نام تحریر کرو کہ وہ دہلی جائیں، میں نے خلافت اور سجادۂ خواجگان ان کو عطا کیا، اس کے بعد مجھ سے (یعنی حضرت شیخ قطب الدین سے) ارشاد فرمایا کہ تمہارا مقام دہلی ہے، جب فرمان لکھا جا چکا تو مجھے عنایت فرمایا اور حکم ہوا آگے آؤ، میں نزدیک گیا تو دست مبارک سے اپنی دستار یا کلاہ میرے سر پر رکھی اور حضرت شیخ عثمان ہارونی قدس سرہ کا عصا، اپنا مصحف تلاوت اور مصلیٰ بخشا اور فرمایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی امانت خواجگان چشت کے پاس تھی، جو مجھ کو ملی تھی، میں نے تم کو سونپی، تم اس کا حق ویسا ہی ادا کرو جیسا کہ اور خواجگان چشت ادا کرتے ہیں، تاکہ حشر کے روز میں اپنے مشائخ کے روبرو شرمندہ نہ ہوں، میں نے (یعنی حضرت خواجہ قطب الدینؒ نے) اس کو قبول کیا اور دو رکعت نماز ادا کی، اس کے بعد آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور آسمان کی طرف روئے مبارک کو اٹھا کر ارشاد فرمایا، جاؤ خدا کو سونپا اور تمہیں اپنی منزل پر پہنچا دیا، پھر فرمایا، چار چیزیں جوہر نفس ہیں، اول درویش امیر دتو انگر دکھلائی دے، دوم وہ بھوکوں کو سیر ہو کر کھلائے، سوم غم گین رہے لیکن ایسا کہ خوش وخرم نظر آئے، چہارم دشمن سے دوستی اور مہربانی سے پیش آئے، پھر فرمایا، اہل محبت کا مرتبہ ایسا ہے کہ جب کوئی اس سے پوچھے، رات کی نماز ادا کی؟ تو جواب دے کہ مجھے فراغت نہیں، ملک الموت

---

[1] سیر الاولیا، ص ۵۴-۵۵۔

Marfat.com

کے پیچھے پیچھے پھرتا ہوں، جہاں کہیں وہ درماندہ ہوتا ہے دست گیری کرتا ہوں، میں نے (یعنی حضرت شیخ قطب الدینؒ نے) ارادہ کیا کہ قدم بوسی حاصل کر کے رخصت ہوں، آپ نے یہ امر روشن ضمیری سے دریافت کیا، فرمایا، آگے آؤ، میں گیا اور قدموں پر گر پڑا، آپ نے مجھے اٹھایا اور بغل گیر ہوئے، فاتحہ پڑھی اور ارشاد کیا، راہِ طریقت سے منہ نہ موڑنا، اس راہ میں مرد بنے رہنا، میں پھر قدموں پر گر پڑا، آپ نے ازراہِ نوازش مجھے اٹھایا اور دوبارہ بغل گیر ہوئے، میں رخصت ہو کر دہلی آیا اور وہاں سکونت اختیار کی، کئی دوست بھی ہم راہ آئے اور فقیر کے ساتھ رہے، مجھے دہلی آئے چالیس روز ہوئے تھے کہ اجمیر سے قاصد خبر لایا کہ تمہارے روانہ ہونے کے بعد آپ بیس دن تک زندہ رہے، پھر رحمت حق میں پیوست ہوگئے، مجھے بڑا رنج ہوا۔''

قطب صاحبؒ اور التتمش: قطب صاحب کے قیام سے شاہی دربار پر غیر معمولی اثر پڑا، شمس الدین التتمش ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تو وہ اس کو رعایا، فقیروں، غریبوں اور درویشوں کے ساتھ دوستی کی تلقین فرماتے اور التتمش اس پر عمل کرتا، چنانچہ قطب صاحبؒ فرماتے ہیں:

''اس کا (یعنی التتمش کا) عقیدہ صحیح تھا، وہ راتوں کو جاگتا، کسی نے اس کو سوتے نہیں دیکھا، وہ بے دار ہو کر عالم تحیر میں کھڑا رہتا اور اگر سو جاتا تو فوراً بے دار ہو جاتا، اٹھ کر وضو کرتا اور مصلیٰ پر جا بیٹھتا، اپنے نوکروں میں سے کسی کو نہ اٹھاتا اور کہتا کہ آرام سے سونے والوں کو تکلیف کیوں دی جائے[1]، رات کو وہ گدڑی پہن لیتا تا کہ اس کی کسی کو خبر نہ ہو اور کسی شخص کو ساتھ لے کر باہر نکل جاتا، اس کے ہاتھ میں سونے کے ٹنکے کا ایک توشہ دان ہوتا اور وہ ہر مسلمان کے دروازہ پر جاتا، اس کے حالات پوچھتا اور اس کی مدد کرتا، وہاں سے واپس ہوتا تو مسجدوں، ویرانوں، خانقاہوں اور بازاروں میں گشت کرتا اور ان مقامات کے رہنے والوں اور درویشوں کو مالی مدد پہنچاتا، طرح طرح کی معذرت کر کے کہتا کہ وہ لوگ اس کی مدد کا ذکر کسی سے نہ کریں، دن کو اس کے

---

[1] دیکھو اصل الفوائد، قلمی نسخہ دار المصنفین، ص ۲۶۔

Marfat.com

دربار میں عام اجازت تھی کہ جو مسلمان رات کو فاقہ کرتے ہوں، اس کے پاس لائے جائیں اور جب وہ آتے تو ان میں سے ہر ایک کو کچھ نہ کچھ دیتا اور ان کو قسمیں دے کر تلقین کرتا کہ جب ان کے پاس کھانے پینے کو کچھ نہ رہے یا ان پر کوئی ظلم کرے تو وہ یہاں آکر عدل و انصاف کی زنجیر کو جو باہر لٹکی ہوئی ہے، ہلائیں، تاکہ وہ ان کے ساتھ انصاف کر سکے، ورنہ قیامت کے روز ان کی فریاد کا بار اس کی طاقت برداشت نہ کر سکے گی[1]۔"

ایلتتمش کی اس نیک نفسی کی وجہ سے تذکرہ نویسوں نے اس کا ذکر اولیاء اللہ کی فہرست میں کیا ہے، چنانچہ روضۃ الاقطاب میں ہے:

"نقل است از کتاب مفتاح الطالبین کہ سلطان شمس الدین بادشاہ صاحب ولایت و یکے از اہل کرامت بود و در ہر کارے کہ وے را تردد بہم رسیدے، رسول علیہ السلام در خواب دیدے واجرائے آں کار بر حسب فرمودہ ایشاں گردانیدے۔" (ص ۲۷)

خزینۃ الاصفیا کے مؤلف کا بیان ہے کہ:

"بادشاہ رحم دل و عادل و سلطان کامل و مکمل از خلفائے نامدار مریدان باوقار خواجہ قطب الدین بختیار است و از محبوبان و نظر منظوران خواجہ معین الدین سجزیؒ بود و کمال اعتقاد بخدمت اہل چشت نیک سرگذشت پیدا کرد، اگرچہ بظاہر تعلق بادشاہی داشت لیکن از دل فقیر و حقیر دوست بود، کم خوردی و کم خفتی و شبہائے دراز بیدار بودے......[2]"

ان اوصاف کے ساتھ ایلتتمش پر عاقبت کا خوف غالب رہتا، حضرت خواجہ قطب الدینؒ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

"ایک رات وہ (یعنی ایلتتمش) میرے پاس آیا اور میرا پاؤں پکڑ لیا، میں نے کہا کہ مجھ کو کب تک تکلیف پہنچاتے رہو گے، جو ضرورت ہو بیان کرو، اس نے کہا، رب العزت نے مجھ کو مملکت تو دی ہے لیکن قیامت کے روز جب مجھ سے اس کی باز پرس ہوگی اور اس کا حساب دینا ہوگا تو

---

[1] فوائد السالکین، ص ۲۸-۲۹ [2] خزینۃ الاصفیا، جلد اول، ص ۲۷۶۔

Marfat.com

اس وقت بھی آپ مجھے نہ چھوڑیں گے، وہ اس وقت تک واپس نہ گیا جب تک کہ میں نے اس کی بات قبول نہ کرلی[1]۔"

فقر: مگر بادشاہ وقت کی اس ارادت و نیاز مندی کے باوجود قطب صاحبؒ کے گھر میں برابر فاقہ رہتا، جب کئی فاقوں کی نوبت آجاتی تو ان کی حرم محترم پڑوس کی بقال کی بیوی سے ایک ٹنکہ یا ایک بہلول قرض لے کر خورد و نوش کا انتظام کرتیں، جب کہیں سے کچھ میسر ہوتا تھا تو قرض ادا کردیا جاتا تھا، ایک روز بقال کی بیوی نے بی بی صاحبہ سے طنزاً کہا کہ "میں تم کو قرض نہ دوں تو تمہارے بچے بھوکوں مرجائیں" قطب صاحب کو معلوم ہوا تو قرض لینے سے منع کردیا اور فرمایا کہ حجرے کے طاق میں سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر جس قدر کاک کی ضرورت ہو، نکال لیا کرو اور بچوں کو کھلا دیا کرو، چنانچہ ضرورت کے وقت وہ ایسا ہی کرتی تھیں، اسی لیے قطب الدین بختیار کاکیؒ کے نام سے مشہور ہوئے[2]۔

مرشد نے ان کو پانچ سو درہم تک قرض لینے کی ہدایت کی تھی، مگر آخر میں اس سے بھی پرہیز کرنے لگے تھے[3]، اپنے پاس اتنی رقم نہ رکھتے جس سے زکوٰۃ واجب ہوتی[4]۔

جود و سخا: لیکن اس ناداری کے باوجود بھی جود و سخا کا یہ حال تھا کہ لنگر خانہ میں جو چیز ہوتی،

---

[1] فوائد السالکین، ص ۴۹ [2] سیر الاولیا، ص ۴۸ و سیر العارفین، ص ۲۴-۲۵ جواہر فریدی، قلمی نسخہ، ورق ۱۹۳-۱۹۵، سفینۃ الاولیا، ص ۱۶۱، سیر الاقطاب کے مصنف کا بیان ہے کہ قطب صاحبؒ نے حزم و احتیاط کی خاطر قرض لینا بند کردیا تھا اور مصلے کے نیچے روز ایک قرص مل جاتی، جس کو کھا کر گھر کے تمام لوگ گزر اوقات کرتے، سیر الاولیا میں ہے کہ بقال سے جب قرض لینا بند کردیا گیا تو وہ سمجھ گیا کہ قطب صاحبؒ ناخوش ہیں، اس لیے اپنی بیوی کو قطب صاحبؒ کی اہلیہ کے پاس بھیجا، انہوں نے قطب صاحبؒ کے کشف کا ذکر کردیا، اس کے بعد مصنف مذکور کا بیان ہے کہ کاک مصلے کے نیچے پھر نہ ملی، اسی طرح کی کچھ اور روایتیں بھی ہیں، افضل الفوائد کی روایت کچھ اور ہے۔ قلمی نسخہ دار المصنفین، ص ۱۷، تفصیل کے لیے دیکھو روضۃ الاقطاب، ص ۱۷-۱۹۔

[3] سیر الاولیا، ص ۴۹ [4] سیر العارفین، ص ۲۳۔

Marfat.com

فوراً تقسیم کر دیتے تھے، جس روز کوئی چیز نہ ہوتی تو خانقاہ کے ملازم سے فرماتے کہ اگر پانی ہو تو اسی کا دور چلاؤ کہ کوئی روز بخشش اور عطا سے خالی نہ جائے[1]۔

استغنا: استغنا کا یہ عالم تھا کہ ایک بار شاہی حاجب اختیار الدین ایبک قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا اور کئی گاؤں بہ طور نذر پیش کیے، قطب صاحبؒ نے اس کو بلایا اور اپنی جائے نماز کا گوشہ الٹ کر نیچے دیکھنے کے لیے کہا، اختیار الدین نے چشم بینا سے خزائن الٰہی کا دریائے زخار بہتے ہوئے دیکھا، پھر اختیار الدین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جس کے یہاں خزائن الٰہی کا دریا بہتا ہو، وہ چند گاؤں لے کر کیا کرے گا، جاؤ، آئندہ درویشوں کے ساتھ ایسی گستاخی نہ کرنا[2]، یہ روایت اس طرح بھی بیان کی جاتی ہے کہ جب سلطان شمس الدین ایلتتمش نے کسی کے ذریعہ سونے چاندی کے بہت سے ٹنکے بھیجے تو حضرت خواجہؒ نے ان کو دیکھا اور کہا کہ تم سلطان کو لے جا کر واپس کرنا اور کہنا کہ میں ان کو اپنا دوست سمجھتا تھا لیکن وہ دشمن نکلے، یہ مال و دولت خدا کے دوستوں کے بہ جائے اس کے دشمنوں کو دو۔ (روضۃ الاقطاب، ص ۲۶)

ایک بار سلطان ایلتتمش کا وزیر بھی کچھ گاؤں کا فرمان لے کر خدمت میں حاضر ہوا اور قبول کرنے کی درخواست کی لیکن خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ہمارے خواجگان نے کسی سے گاؤں قبول کیا ہوتا تو ہم بھی قبول کر لیتے، اگر ہم یہ گاؤں لے لیں تو قیامت کے روز اپنے خواجگان کو کیا منہ دکھائیں گے[3]۔

صبر و تحمل: صبر و تحمل کا یہ عالم تھا کہ ان کے چھوٹے لڑکے کا انتقال ہوا اور لوگ اسے دفن کر کے واپس آئے تو قطب صاحبؒ کی زوجہ محترمہ وفورِ غم سے گریہ وزاری کرنے لگیں، قطب صاحبؒ نے لوگوں سے گریہ وزاری کا سبب پوچھا، معلوم ہوا کہ چھوٹے لڑکے کا انتقال ہو گیا، ارشاد فرمایا کہ میں جانتا تو اس کی زندگی کے لیے اللہ تبارک تعالیٰ سے دعا کرتا[4]۔

---

[1] راحت القلوب، ص ۵، مطبع قاسمی، میرٹھ [2] سیر الاولیا، ص ۵۳، فوائد السالکین، ص ۱۵ [3] راحت القلوب، ص ۳۲ [4] سیر الاولیا، ص ۴۵، فوائد الفواد، ص ۶۲، جواہر فریدی، قلمی نسخہ۔

Marfat.com

روضۃ الاقطاب میں رفیق العارفین کے حوالہ سے حضرت خواجہ صاحبؒ کے صاحب زادے کی وفات کی روایت اس طرح درج ہے کہ انھوں نے اپنے ساتھیوں سے بیان کیا کہ ان کے یہاں تین روز سے فاقہ ہے، ایک ساتھی نے اپنے باپ سے جا کر کہا تو وہ حضرت خواجہؒ کے یہاں کھانا لے کر آیا اور کہا کہ مجھ کو معلوم نہ تھا کہ آپ کے یہاں تین روز سے فاقہ ہے، یہ سن کر حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ کس کی گردن کا مہرہ ٹوٹا جس نے میرے فاقہ کو فاش کیا، (کدام گردن مہرہ شکستہ فقر مرا فاش کرد) یہ کہنا تھا کہ حضرت خواجہؒ کے صاحب زادے کی گردن کا مہرہ ٹوٹا اور زمین پر گرے اور تڑپ کر رہ گئے، ان کو دفن کر کے لوگ آئے تو ماں کی گریہ وزاری حضرت خواجہؒ کے کان میں پڑی، پوچھا تو فرمایا، مجھ کو خبر کیوں نہ کی، اللہ تعالیٰ سے اس کی زندگی مانگتا۔ (ص ۳۶)

ریاضت ومجاہدہ: حضرت خواجہ قطب الدینؒ نے عبادت وریاضت اور مجاہدہ میں بڑی مشقتیں اٹھائیں، سیر الاولیا (ص ۴۹) میں ہے کہ ابتدائی دور میں تو کچھ سو بھی لیتے تھے لیکن آخر عمر میں مطلق نہ سوتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر کسی وقت سو جاتا ہوں تو تکلیف ہوتی ہے، بیس برس تک وہ رات کو اطمینان سے نہ سوئے، یادِ حق میں استغراق کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی ملنے آتا تو دیر کے بعد ہوشیار ہوتے، برابر مراقبہ میں رہتے، نماز کے وقت آنکھ کھولتے اور غسل فرما کر تجدید وضو کرتے اور نماز ادا فرماتے، آخر عمر میں کلام پاک حفظ کیا تھا[1]، ہر روز دو بار کلام پاک ختم کرتے تھے[2]، اسرار الاولیا (ص ۳۱) میں ہے کہ جب وہ کلام پاک پڑھتے تو ہر آیت پر اپنے سینہ پر ہاتھ مارتے اور بے ہوش ہو جاتے، ایک روز ہزار بار بے ہوش ہوئے لیکن جب مشاہدہ کی آیت پڑھی تو مسکرا دیے اور پھر عالم تحیر میں کھو گئے اور اس عالم میں ایک دن اور ایک رات رہے[3]، جوامع الکلم میں ہے کہ دل شکستہ، لب بستہ حجرہ کا دروازہ بند کیے گریہ وزاری

[1] فوائد السالکین، مجلس پنجم [2] سیر الاولیا، ص ۴۹ و سیر العارفین، ص ۲۴ [3] اسرار الاولیا، ملفوظات حضرت بابا گنج شکرؒ، ص ۱۳۱۔

Marfat.com

میں مشغول رہتے، زیارت کے لیے معتقدین کا ہجوم ہوتا تو آہ سرد بھرتے ہوئے حجرہ سے باہر تشریف لاتے اور خادم سے فرماتے کہ ایک ایک پیالہ پانی سب کو دو، جب تک وہ پانی پیتے وعظ کہتے، پھر سب کو رخصت کر کے حجرہ میں چلے جاتے اور یادِ الٰہی میں مشغول ہو جاتے، راحت القلوب میں ہے کہ ایک بار حضرت قاضی حمید الدینؒ اور مولانا بدرالدین غزنویؒ کے ساتھ جامع مسجد دہلی میں معتکف ہوئے تو دن اور رات میں دوبار کلام پاک ختم کرتے، ایک رات تہیہ فرمایا کہ پوری رات میں صرف دو رکعت نماز ادا کریں، چنانچہ نماز عشا کے بعد حضرت قاضی حمید الدینؒ امام ہوئے اور خود حضرت خواجہ قطب الدینؒ اور مولانا بدرالدین غزنویؒ مقتدی بن کر پیچھے کھڑے ہوئے، حضرت خواجہ حمید الدینؒ نے پہلی رکعت میں ایک قرآن اور چار پارے پڑھے، دوسری رکعت میں دوسرا قرآن ختم کیا، آخر میں یہ دعا کی کہ الٰہی ہم سے تیری عبادت نہیں ہو سکتی لیکن تو اپنی رحمت سے ہم کو بخش دے۔ (نیز دیکھو روضۃ الاقطاب، ص ۲۰-۲۱)

حب رسول ﷺ: اپنے مرشد کی طرح رسول اللہ ﷺ کی محبت میں بھی سرشار رہتے، پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ہر رات تین ہزار بار درود شریف پڑھ کر رسول اللہ ﷺ کے گوہر دربار میں ہدیہ بھیجا کرتے تھے، اپنی مجلسوں میں حدیث نبوی ﷺ بار بار بیان فرماتے، اپنی ایک مجلس میں فرمایا کہ شروع میں مجھ سے قرآن شریف حفظ نہ ہوتا تھا، ایک رات خواب میں حضرت رسول مقبول ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا، قدموں پر گر پڑا، رونے لگا، پھر عرض کی کہ میں چاہتا ہوں کہ کلام پاک کو حفظ کرلوں، رسول اللہ ﷺ کو میرے رونے پر رحم آیا اور شفقت سے فرمایا کہ سر اٹھاؤ اور میں نے حسب الحکم سر اٹھایا، ارشاد ہوا کہ سورۂ یوسف برابر پڑھا کرو، قرآن مجید یاد ہو جائے گا، میں بیدار ہوا تو حسب الحکم سورۂ یوسف کی مواظبت کی، یہاں تک کہ میں نے پورا کلام پاک حفظ کرلیا[1]۔

ذوقِ سماع: سماع کو بہت عزیز رکھتے تھے، اس کی مجلس کبھی اپنی قیام گاہ میں منعقد کراتے،

---

[1] فوائد السالکین، مجلس پنجم۔

Marfat.com

کبھی حضرت خواجہ حمید الدین ناگوریؒ کے یہاں اور کبھی کسی اور درویش کے یہاں جا کر شرکت فرماتے، ایک بار مجلس سماع میں قوالوں نے گانا شروع کیا، جب یہ شعر پڑھا:

سرود محرم عشقت و عشق محرم اوست　　سرود چیست کہ چندیں فسوں عشق در دست

تو مسلسل سات شبانہ روز بے ہوش رہے، نماز کے وقت ہوشیار ہو جاتے لیکن نماز ادا فرما کے پھر بے ہوش ہو جاتے۔

وصال: سماع ہی کی بہ دولت وصال ہوا، ایک بار شیخ علی سجزیؒ کی خانقاہ میں محفل سماع تھی، قوالوں نے شیخ احمد جام کا قصیدہ گانا شروع کیا، جب یہ شعر پڑھا:

کشتگانِ خنجر تسلیم را　　ہر زماں از غیب جانِ دیگر است[1]

تو حضرت قطب صاحبؒ پر وجد طاری ہو گیا اور مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے، اسی حال میں حضرت شیخ حمید الدین ناگوریؒ اور مولانا بدر الدین غزنویؒ ان کو گھر تک لائے، ہوش آ جاتا تو اس بیت کو پڑھنے کی فرمائش کرتے، سن کر بے ہوش ہو جاتے، چار دن اور رات یہ کیفیت رہی، (فوائد الفواد، ص ۱۴۴) جب نماز کا وقت آتا تو وضو کر کے فرض اور سنتیں ادا کر لیتے اور پھر اسی سکر کی حالت میں چلے جاتے، یہاں تک کہ واصل بہ حق ہو گئے[2]، اسی لیے ان کو شہید المحبت کہا گیا ہے، میر حسن نے اس شعر پر ایک غزل کہی ہے، جس میں حضرت قطب صاحبؒ کی شہادت کی طرف اشارہ کیا ہے:

جاں بریں یک بیت واوست آں بزرگ　　آرے ایں گوہر زکانِ دیگر است
کشتگانِ خنجر تسلیم را　　ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

وفات کے وقت سر مبارک حضرت خواجہ حمید الدین ناگوریؒ کے زانو پر تھا اور دونوں پاؤں شیخ بدر الدین غزنویؒ کی آغوش میں، سال وفات ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ (سیر الاولیا، ص ۵۶)

---

[1] فوائد الفواد، ص ۱۴۴، فوائد السالکین میں اس سلسلہ میں وفات کا ذکر نہیں ہے۔ [2] فوائد الفواد، ص ۱۴۴، سیر الاولیا، ص ۵۵، سیر الاقطاب، ص ۱۶۰، خزینۃ الاصفیا، ص ۲۷۵۔

Marfat.com

وصال سے پہلے وصیت کی تھی کہ ان کے جنازہ کی نماز ایسا شخص پڑھائے جس نے کبھی حرام کاری نہ کی ہو، عصر کی سنتیں قضا نہ کی ہوں اور ہمیشہ نمازِ باجماعت میں تکبیر اولیٰ کے ساتھ شریک رہا ہو، یہ شرطیں صرف سلطان ایلتتمش کی ذات میں پوری ہوتی تھیں، اس لیے اسی نے جنازہ کی نماز پڑھانے کی سعادت حاصل کی[1]۔

بعض تذکروں خصوصاً جواہر فریدی میں ہے کہ وصال کے وقت ان کی عمر شریف ۵۲ سال تھی لیکن یہ صحیح نہیں کیوں کہ اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ وہ حضرت خواجہ معین الدینؒ کے ساتھ ۵۸۷ھ میں ہندوستان آئے اور ۵۸۷ھ سے ۶۳۳ھ تک یعنی ۴۶ سال وہ ہندوستان میں رہے اور بیعت کے وقت اگر کم سے کم عمر ۱۷ سال بھی مان لی جائے تو اس لحاظ سے وفات کے وقت ان کی عمر کم از کم ۶۳ سال ہوتی ہے، تاریخ ولادت کہیں نظر سے نہیں گزری، لیکن مراۃ الاسرار میں ہے:

''پنجاہ سال عمر داشت بقولے پنجاہ و دو سال بقولے شصت و پنج سال۔''

۶۵ سال کی عمر زیادہ صحیح ہے۔

وصال سے کچھ دن پہلے عید کی نماز پڑھ کر عید گاہ سے قیام گاہ کی طرف تشریف لا رہے تھے کہ ایک مقام پر آ کر توقف کیا اور ہم راہ درویشوں سے فرمایا کہ اس مقام سے عشق کی بو آتی ہے، چنانچہ زمین کے مالک کو بلایا اور معاوضہ دے کر اس زمین کو خریدا، اسی سرزمین پر روضہ مبارک واقع ہے[2]۔

مقام و درجہ: صوفیائے کرام میں قطب الاقطاب، قطب الاسلام، ملک المشائخ، سلطان الطریقت، برہان الحقیقت، رئیس السالکین، امام العالمین، سراج الاولیا، تاج الاصفیا کے القاب سے یاد فرمائے جاتے ہیں۔

تصانیف: حضرت قطب صاحبؒ کے نام سے دو کتابیں منسوب ہیں، ایک دیوان اور

[1] سیر الاولیا، ص ۵۵، فوائد الفواد، ص ۲۵۰، سیر العارفین، ص ۳۱، جواہر فریدی، قلمی نسخہ، ورق ۲۰۲۔

Marfat.com

ایک فوائد السالکین،، دیوان تو نول کشور پریس سے چھپ کر شائع ہوگیا ہے، لیکن یہ کسی اور کا ہے جو ان کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔

تعلیمات: فوائد السالکین میں حضرت قطب صاحبؒ کی سات مجلسوں کے ملفوظات ہیں، جن کو حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ نے جمع کیا ہے، یہ ۳۶ صفحے کا ایک مختصر رسالہ ہے، جو مطبع مجتبائی دہلی میں چھپا ہے، اس میں وہ تمام باتیں آگئی ہیں جو ایک سالک کے لیے مفید ہوسکتی ہیں، یہ باتیں جستہ جستہ مختلف صحبتوں میں لکھی گئی ہیں، جن کے تجزیہ سے سالک کے لیے مندرجہ ذیل ضوابط مرتب کیے جاسکتے ہیں۔

سالک کی زندگی: سالک کم کھائے، اگر وہ پیٹ بھرنے کے لیے کھاتا ہے تو وہ نفس پرست ہے[1]، کھانا صرف عبادت کی قوت کو قائم رکھنے کے لیے کھائے، اس کے لباس میں نمائش نہ ہو، اگر وہ دکھانے کے لیے لباس پہنتا ہے تو راہِ سلوک کا راہ زن ہے[2]، کم سوئے، کم بولے، آلائشِ دنیا سے پاک رہے، حضرت بایذید بسطامیؒ نے ستر سال تک عبادت کی مگر جب مقام قرب آیا تو ان کو قربت محض اس وجہ سے حاصل ہوسکی کہ ان کے پاس مٹی کا جو کوزہ اور چمڑے کا جو خرقہ تھا، ان کو پھینک دیا تو یہ درجہ حاصل ہوا[3]۔

سالک اور محبت الٰہی: سالک ہر وقت محبت الٰہی میں غرق رہے اور سکر میں اس کا یہ حال ہو کہ اس کے سینہ میں زمین و آسمان بھی داخل ہو جائیں تو اس کو خبر نہ ہو، اگر سالک راہِ سلوک کی تکلیف میں فریاد کرتا ہے تو محبت کا دعوے دار نہیں ہوسکتا، بلکہ کاذب اور دروغ گو ہے، سچی دوستی یہ ہے کہ جو کچھ دوست کی جانب سے پہنچے اس کو نعمت غیر مترقبہ سمجھے کہ اس بہانہ سے دوست نے اس کو یاد تو کیا[4]، چنانچہ رابعہ بصریؒ پر جس روز بلا نازل ہوتی وہ نہایت خوش ہوتی تھیں، جس روز بلا نازل نہ ہوتی وہ بہت ہی ملول خاطر رہتیں کہ دوست نے ان کو یاد نہیں کیا[5]، حضرت خواجہ معین الدین بھی فرماتے تھے کہ محبت کا دعوا اسی کو کرنا چاہیے جو دوست کی بلا پر صبر کر

---

[1] فوائد السالکین، ص۴ [2] ایضاً، ص۴ [3] ایضاً، ص۸ [4] ایضاً، ص۱۱ [5] ایضاً۔

Marfat.com

سکے، کیوں کہ دوست کی بلا دوست کے واسطے ہے، جس روز یہ بلا نازل نہ ہو، سمجھنا چاہیے کہ یہ نعمت اس سے لی گئی ہے، کیوں کہ راہِ سلوک میں نعمت دوست کی بلا ہی کو کہتے ہیں[1]۔

راہِ سلوک کے درجے: ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ مشائخ طریقت نے بالاتفاق سلوک کے ایک سو اسّی درجے رکھے ہیں لیکن اولیائے طریقت جنیدیہ نے سو درجے، صوفیائے طریقۂ ذوالنون نے ستّر درجے قائم کیے ہیں، طبقہ ابراہیم بشر بن حافی میں کل پچاس درجے شمار کیے ہیں، خواجہ بایزید بسطامیؒ و عبداللہ بن مبارک اور خواجہ سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ سلوک کے کل پینتالیس درجے ہیں، اولیائے طریقہ شاہ شجاع کرمانی سمنون حجت اور خواجہ محمد مرتعشی کے نزدیک سلوک میں بیس ہی درجے ہیں، مگر مشائخ چشتیہ سلوک میں صرف پندرہ درجے شمار کرتے ہیں، ان درجات میں ایک درجہ کشف و کرامات کا ہے، جن کے نزدیک سلوک میں ایک سو اسّی درجے ہیں ان میں ۸۰واں درجہ کشف و کرامات کا ہے، طبقہ جنیدیہ میں ۷۰واں طبقہ، بصریہ میں ۳۰واں، طریقہ ذوالنون میں ۲۵واں، شجاع کرمانی کے نزدیک دسواں اور خواجگانِ چشت کے یہاں پانچواں درجہ ہے، اس درجہ کے حاصل ہونے کے باوجود سالک کو کشف و کرامات میں اپنی ذات کو ظاہر کرنا نہیں چاہیے، کیوں کہ اس کے اظہار سے بقیہ درجات سے وہ محروم ہو جاتا ہے[2]۔

حضرت قطب صاحبؒ نے اسرارِ الٰہی کے پوشیدہ رکھنے پر بڑا زور دیا ہے، فرماتے ہیں کہ راہِ سلوک میں حوصلہ وسیع ہونا چاہیے کہ اسرار جاگزیں ہوسکیں، فاش نہ ہونے پائیں، کیوں کہ جو شخص کامل ہوتا ہے وہ کبھی دوست کے اسرار کو فاش نہیں کرتا، چنانچہ قطب صاحبؒ کا بیان ہے کہ وہ ایک مدت تک اپنے مرشد کی صحبت میں رہے لیکن کسی حال میں بھی انہوں نے اسرارِ الٰہی ظاہر ہونے نہ دیے، حضرت قطب صاحبؒ کے نزدیک منصور عارف کامل نہ تھا کیوں کہ اس نے سرِّ دوست کو ظاہر کر دیا[3]، حضرت جنید بغدادیؒ پر بھی عالم سکر میں کٹھن

---

[1] فوائد السالکین، ص ۱۹-۲۰ [2] ایضاً ص ۷ [3] ایضاً۔

Marfat.com

گھڑیاں گزرتیں لیکن وہ صرف یہ کہتے کہ ہزار افسوس اس عاشق پر کہ وہ دوستی کا دم بھرے اور جب عالم غیب کے اسرار اس کو معلوم ہوں تو فوراً ان کو دوسرے کے سامنے کہہ دے[1]۔

شریعت کی پابندی: حضرت قطب صاحبؒ نے شریعت کی پابندی سالک کے لیے ضروری قرار دی ہے، سالک سکر یا کسی حال میں ہو اس کا کوئی فعل شریعت کے خلاف نہ ہونا چاہیے، چنانچہ وہ خود جب کبھی عالم سکر میں بے ہوش ہوتے تو نماز کے وقت ہوش میں آجاتے اور نماز ادا کر کے بے ہوش ہو جاتے، ایک موقع پر فرمایا کہ انبیا علیہم السلام معصوم اور اولیائے کرام محفوظ اس لیے ہوتے ہیں کہ ان سے عالم سکر میں بھی کوئی فعل خلاف شریعت سرزد نہیں ہوتا۔ (دیکھو فوائد السالکین، مجلس دوم)

خلفا: حضرت قطب صاحبؒ کے خلفا میں سب سے زیادہ نمایاں نام حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کا ہے اور سیر الاقطاب (ص ۱۵۹) میں بائیس خلفا کے نام ہیں جن میں شیخ بدر الدین غزنوی، شیخ برہان الدین بلخی، شیخ ضیا رومی، بابا بحری بحردریا، مولانا فخر الدین حلوانی، شیخ بدر الدین موئے تاب برادر شیخ شاہی موئے تاب، شیخ احمد وغیرہ کے ساتھ سلطان شمس الدین ایلتتمش کا بھی نام ہے۔

اولاد: آخر عمر میں ازدواجی زندگی پھر سے شروع کی، دو صاحب زادے جڑواں پیدا ہوئے تھے، (فوائد الفواد، ص ۱۶) بڑے کا نام شیخ احمد اور چھوٹے کا شیخ محمد تھا، موخر الذکر کا انتقال سات سال کی عمر میں ہو گیا تھا، جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے، بڑے صاحب زادے کی قبر حضرت خواجہؒ کے مزار کے برابر ہے، (جواہر فریدی، ورق ۱۹۳) خیر المجالس (ص ۸۹) کی روایت ہے کہ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ ان کی وفات کے بعد ان کی حرم محترم سے نکاح کر لیں لیکن حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے مرشد کے احترام میں ایسا نہ کیا۔

---

[1] فوائد السالکین، ص ۷۔

Marfat.com

حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ

اسم گرامی محمد تھا مگر حمید الدین کے نام سے مشہور تھے، ان کے والد ماجد حضرت عطاء اللہ محمود النجاری سلطان معز الدین سام عرف شہاب الدین غوری کے زمانہ میں بخارا سے دہلی تشریف لائے اور یہیں ان کا انتقال ہوا[1]۔

بیعت: والد بزرگ وار کے انتقال کے بعد حضرت حمید الدین کو ناگور کی قضاءت تفویض ہوئی اور اس عہدہ پر تین سال تک مامور رہے، اس کے بعد دنیا سے دل برداشتہ اور کنارہ کش ہو کر سیاحت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، بغداد شریف آئے اور حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی سے شرف بیعت حاصل کیا اور ایک سال تک ان کی خدمت میں رہ کر ریاضت ومجاہدہ کرتے رہے، اسی زمانہ میں یہاں قطب الدین بختیار اوشی تشریف فرما تھے، ان سے گہرے روابط ومراسم ہو گئے جو آخر وقت تک استوار رہے، حضرت خواجہ قطب الدینؒ نے درویشوں سے فیوض وبرکات حاصل کرنے کے لیے جو سیاحت کی اس میں حضرت خواجہ حمید الدین ناگوری کا ذکر رفیق سفر کی حیثیت سے بار بار کرتے ہیں، جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

مرشد سے اجازت لے کر قاضی حمید الدینؒ مدینہ منورہ آئے اور ایک برس دو مہینہ سات دن تک روضۂ نبوی ﷺ کے مجاور رہے، وہاں سے مکہ معظمہ پہنچے، جہاں تین سال قیام کر کے ہر قسم کے فیوض وبرکات حاصل کیے، مکہ معظمہ سے سلطان شمس الدین ایلتتمش

[1] سیر العارفین، ص ۴۸ وخزینۃ الاصفیا، ج ۱، ص ۳۰۹۔

Marfat.com

کے زمانہ میں دہلی تشریف لائے اور حضرت خواجہ قطب الاسلام بختیار کاکیؒ کے ساتھ قیام کیا اور وفات کے بعد ان ہی کے پہلو میں دفن ہوئے، لطائف اشرفی میں سال وفات ۶۴۱ھ ہے، رمضان کے مہینہ میں تراویح کے بعد وتر کی نماز میں سجدے میں گئے تو روح عالم بالا کی طرف پرواز کر گئی[1]۔

ان کو بیعت اگرچہ سلسلہ سہروردیہ میں تھی، مگر حضرت بختیار کاکیؒ سے گہرے تعلقات کی بنا پر وہ چشتی ہی سمجھے جاتے ہیں، لطائف اشرفی میں ہے کہ خواجہ بختیار کاکیؒ نے ان کو خرقۂ خلافت بھی عطا کیا تھا، سیر الاقطاب میں ہے کہ حضرت حمید الدین ناگوریؒ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے استاد تھے، خواجہ صاحبؒ نے علوم ظاہری کی تعلیم ان ہی سے پائی، سیر الاقطاب کے مؤلف کا بیان ہے کہ:

''باوجودے کہ حضرت قاضیؒ حضرت خواجہؒ کے استاد تھے، لیکن ادب و خدمت میں اس قدر لگے رہتے تھے کہ لوگوں کو حیرت ہوتی تھی اور وہ کہتے تھے کہ خواجہ قطب الدینؒ قطب المشائخ ہیں اور قاضی حمید الدینؒ سے ہزار درجہ بزرگ اور برتر ہیں، وہ (یعنی حضرت قاضی) ان کے ایک بال کی بھی برابری نہیں کر سکتے، بالآخر قاضی صاحبؒ کو حضرت خواجہؒ سے خلافت بھی ملی، حالاں کہ ان کے پیر سے مل چکی تھی۔'' (ص ۱۵۰)

حضرت قطب الدین کی فوائد السالکین میں حضرت حمید الدین ناگوریؒ استاد کی حیثیت سے سامنے نہیں آتے، بلکہ ان کو یار غار بتایا گیا ہے۔ (دیکھو فوائد السالکین، مجلس اول)

ذوقِ سماع: حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ سماع سے والہانہ ذوق رکھتے تھے، اور اس ذوق کی وجہ سے علمائے ظاہر نے ان کے خلاف فتوے بھی دیے، مگر انہوں نے کسی کی پرواہ نہ کی اور اس ذوق کو بہ دستور قائم رکھا، حضرت خواجہ بختیار کاکی بھی ان کے ساتھ سماع کی محفلوں میں شریک ہوتے تھے، ایک بار سلطان التمش کے محل کے پاس ایک درویش کے مکان پر محفل سماع

---

[1] سیر العارفین، ص ۱۵۵۔

Marfat.com

تھی، حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ اور حضرت حمید الدین ناگوری بھی اس میں شریک تھے، اس زمانہ کے جید علما میں مولانا رکن الدین سمرقندی بھی تھے جو محفل سماع کو پسند نہیں کرتے تھے، ان کو خبر ملی کہ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ اور حضرت حمید الدین ناگوریؒ ایک محفل سماع میں ہیں تو کچھ لوگوں کے ساتھ اس درویش کے مکان پر پہنچے کہ اس محفل کو روک دیں، حضرت حمید الدین ناگوری کو ان کی آمد کی خبر ہوئی تو صاحب خانہ سے کہا کہ تم کہیں چھپ جاؤ تاکہ مولانا رکن الدین سمرقندی تمہارے گھر میں آنے کی اجازت تم سے طلب نہ کر سکیں اور اگر بلا اجازت گھر میں داخل ہوئے تو یہ شرعی حکم کے خلاف ہوگا اور ان سے مواخذہ کیا جائے گا، صاحب خانہ نے ایسا ہی کیا، مولانا رکن الدین نے دروازہ پر پہنچ کر اندر داخل ہونے کی اجازت مانگی، صاحب خانہ سے کوئی اجازت نہ ملی تو دروازے سے لوٹ گئے[1]، کئی اور موقعوں پر حضرت حمید الدین ناگوریؒ پر سماع کے لیے پابندی عائد کرنے کی کوشش کی گئی، مگر وہ کسی قدغن کو بھی خاطر میں نہیں لائے[2]۔

پایۂ بزرگی: حضرت شہاب الدین سہروردیؒ حضرت حمید الدین ناگوری کی بڑی وقعت کرتے تھے، اپنی بعض تصانیف میں لکھا ہے کہ ہندوستان میں میرے بہت سے خلفا ہیں لیکن ان میں بزرگ ترین شیخ حمید الدین ناگوریؒ ہیں۔ (خزینۃ الاصفیا، ج ۱، ص ۳۱۰)

حضرت فرید الدین گنج شکر کو قاضی حمید الدینؒ سے بڑی عقیدت تھی، ایک بار قاضی حمید الدینؒ نے ان کو ایک خط تحریر کیا جس میں یہ رباعی لکھی:

آں عقل کجا کہ در کمال تو رسد — واں روح کجا کہ در جمال تو رسد
گیرم کہ تو پردہ بر گرفتی ز جمال — آں دیدہ کجا کہ بر جمال تو رسد

حضرت گنج شکرؒ اس رباعی کو پڑھتے اور وجد کرتے تھے[3]، ان کے ملفوظات میں قاضی حمید الدین کی تصانیف کا حوالہ بار بار آیا ہے۔ (دیکھو راحت القلوب، ص ۲۹-۳۰)

---

[1] فوائد الفواد، ص ۲۳۹ و خزینۃ الاصفیا، ج ۱، ص ۳۱۰ [2] تفصیل کے لیے دیکھو فوائد الفواد، ص ۲۳۹-۲۴۱

[3] راحت القلوب، ص ۲۴، سیر العارفین، ص ۱۵۴، اخبار الاخیار، ص ۳۶۔

Marfat.com

مولانا قطب الدین کاشانی دہلی آئے تو فرمایا کہ میں حمید الدینؒ کے عشق کی وجہ سے دہلی آیا ہوں، ایک روز انہوں نے قاضی حمید الدین کی تمام تصانیف منگوا کر پڑھیں اور اپنے ہم راہی علما سے کہا کہ یارو! جو کچھ ہم نے اور تم نے پڑھا ہے، وہ سب ان رسالوں میں موجود ہے اور جو کچھ نہیں پڑھا ہے، وہ علم بھی ان کتابوں میں موجود ہے[1]۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ فرماتے تھے کہ جو حال اور کمال شیخ حمید الدین کو دربارِ الٰہی سے عطا ہوا تھا، وہ ہر شخص کو میسر نہیں آیا[2]۔

سیر العارفین کے مصنف نے حضرت قاضی حمید الدین کو علم و وقار کا کوہِ قاف، بحرالاسرار کا لجہ، رہ روانِ منازلِ لامتناہی کا پیشوا اور ابوسفیان ثوری ثانی کہا ہے[3]۔

اخبار الاخیار میں مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

''او جامع بود میان علوم شریعت و طریقت و حقیقت[4]۔''

سفینۃ الاولیا میں ہے:

''در تجرید و تفرقہ یگانہ عصر و از متقدمان مشائخ ہند و جامع میان علوم ظاہری و باطنی و صاحب کرامات و مقامات علیہ بودند۔'' (ص ۱۶۰)

تصانیف: صاحب سیر العارفین نے لکھا ہے کہ سلوک و اسرار میں ان کی تصانیف بہ کثرت ہیں، مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

''قاضی حمید را تصانیف بسیار است۔'' (اخبار الاخیار، ص ۳۶)

ان کی سب سے مشہور کتاب طوالع الشموس ہے، اس میں باری تعالیٰ کے ننانوے اسما کی شرح ہے اور دو جلدوں پر مشتمل ہے، لطائف اشرفی میں اس کتاب کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

---

[1] فوائد الفواد، ص ۲۴۱ و سیر العارفین، ص ۱۵۰ [2] سیر العارفین، ص ۱۵۰ [3] سیر العارفین، ص ۶۶
[4] اخبار الاخیار، ص ۳۱۶۔

Marfat.com

''طالع شموس کہ مطلع شموس حقائق ومنبع کیوست دقائق است، از وے سرزدہ کہ آں مقدار معارف وعوارف کہ از طوالع وطالع می گردد در دیگر کتاب یافتہ نمی شود امروز در جمیع ملل ونحل دستور وسند شدہ است۔'' (ص ۳۶۸)

اس کے بارے میں مولانا عبدالحق فرماتے ہیں:

''ہر جا موج موج از اسرار حقیقت وفوج فوج از معانی طریقت است، معتبر است جمیع مواضع او در متانت وحرارت وحالت متشاکل ومتشابہ واقع شدہ۔'' (اخبار الاخیار، ص ۳۷)

حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کے ملفوظات میں قاضی حمید الدین ناگوری کی دو کتابوں تواریخ (؟) اور راحت الارواح کا حوالہ بار بار آیا ہے[1]، سیر العارفین میں ان کی ایک اور کتاب لوائح کا ذکر ہے[2]، حضرت خواجہ گنج شکرؒ کے ملفوظات میں کتابت کی غلطی سے لوائح ہی تواریخ ہوگئی ہے۔

مزار دہلی میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مرقد مبارک کے پائیں میں ہے۔

---

[1] راحت القلوب، ص ۲۹، ۳۰، ۳۵ [2] سیر العارفین، ج ۱، ص ۸۹۔

Marfat.com

حضرت بہاء الدین زکریا سہروردیؒ

خاندان: حضرت شیخ بہاء الدین[1] زکریا قدس سرہ العزیز کے جد بزرگ وار حضرت کمال الدین علی شاہ قبیلہ قریش سے تعلق رکھتے تھے، فرشتہ تذکرہ اولیائے ہند مصنفہ شیخ عین الدین بیجاپوری کے حوالہ سے رقم طراز ہے:

''شیخ بہاء الدین زکریا از اولاد ہبار بن اسود بن مطلب بن اسد بن عبد العزیز بن قصیٰ است و ہبار اسلام آوردہ بود برادران او زمعہ و عمرو عقیل با حالت کفر در جنگ بدر بقتل رسیدند و سودہ کہ در زمان پیغمبر بود دختر زمعہ است۔''

حضرت شیخ بہا الدین زکریاؒ کے جد امجد حضرت کمال الدین شاہ قریشی مکہ معظمہ سے خوارزم آئے اور وہاں سے آ کر ملتان میں سکونت اختیار فرمائی، یہاں ان کے فرزند مولانا وجیہ الدین محمد تولد ہوئے جن کی شادی مولانا حسام الدین ترمذی کی لڑکی سے ہوئی، مولانا حسام الدین تاتاریوں کے حملہ کی وجہ سے ملتان کے نواح قلعہ کوٹ کرور میں متوطن

---

[1] سہرورد چشت کی طرح ایک مقام کا نام ہے، جو عراق و عجم کے اندر ہمدان و زنجان کے درمیان واقع تھا، حضرت شہاب الدین ابو حفص عمر اور ان کے پیر شیخ ضیاء الدین ابو نجیب اور موخر الذکر کے پیر شیخ وجیہ الدین یہیں کے رہنے والے تھے، اس لیے ان کے سلسلہ کو سہروردیہ کہتے ہیں، حضرت شہاب الدین کی ولادت ۵۴۲ھ اور وفات ۶۳۲ھ میں ہوئی، مزار اقدس بغداد میں ہے، تصانیف میں عوارف المعارف، کشف النصائح الایمانیہ و کشف النصائح الیونانیہ و بہجت الابرار بہت مشہور ہیں، جن سے اب تک فیوض و برکات حاصل کیے جاتے ہیں

Marfat.com

تھے، مولانا وجیہ الدین بھی خسر کے ساتھ قلعہ کوٹ کرور میں رہنے لگے اور یہیں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کی ولادت باسعادت ہوئی[۱]۔

تعلیم: بارہ سال کے ہوئے تو والد بزرگ وار عالم جاودانی کو سدھارے، والد ماجد کی وفات کے بعد کلام پاک حفظ کرنا شروع کیا، ساتوں قرأتوں کے ساتھ حفظ کر چکے تو مزید تعلیم کے لیے خراسان کی طرف چل کھڑے ہوئے، یہاں پہنچ کر سات سال تک بزرگان دین سے علوم ظاہری و باطنی کی تحصیل کرتے رہے، وہاں سے بخارا جا کر علم میں کمال حاصل کیا، ان کے اوصاف پسندیدہ اور خصائل حمیدہ کی وجہ سے بخارا کے لوگ ان کو بہاء الدین فرشتہ کہا کرتے تھے، یہاں آٹھ سال تک تحصیل علم کرتے رہے، پھر بخارا سے حج کے ارادہ سے مکۂ معظمہ گئے، وہاں سے روضۂ اقدس ﷺ کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور پانچ سال تک جوارِ رسول ﷺ میں زندگی بسر کی، اس مدت میں مولانا کمال الدین محمد سے، جو اپنے عہد کے جلیل القدر محدث تھے، حدیث پڑھی، مولانا کمال الدین محمد نے ترپن سال تک مجاور کی حیثیت سے حرم نبوی ﷺ کی خدمت کی، حضرت بہاء الدین زکریا نے حدیث کی تعلیم سے فراغت کے بعد روضۂ اقدس ﷺ کے پاس تزکیہ قلب اور تصفیہ باطن کے لیے مجاہدہ شروع کیا، پھر وہاں سے چل کر بیت المقدس پہنچے اور وہاں سے بغداد شریف گئے[۲]۔

بیعت: بغداد میں حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ العزیز کی صحبت سے فیض یاب ہو کر خرقہ خلافت پایا، حضرت خواجہ نظام الدین اولیأ فرماتے ہیں کہ شیخ بہاء الدین زکریا قدس سرہ نے اپنے مرشد کے پاس صرف سترّ روز تک قیام فرمایا تھا کہ ان کو پیر دست گیر کی طرف سے ساری روحانی نعمتیں مل گئیں اور خرقہ خلافت سے بھی سرفراز کیے گئے، اس سے شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کے دوسرے مریدوں کے دل میں رشک پیدا ہوا اور شیخ سے عرض کی کہ ہم نے اتنے دنوں تک خدمت کی لیکن ہم کو ایسی نعمت نہیں ملی، مگر ایک

۱؎ سیر العارفین، ص ۱۰۳، مرأۃ الاسرار، قلمی نسخہ، دار المصنفین ۲؎ ایضاً ص ۱۰۴، مرأۃ الاسرار، قلمی نسخہ دار المصنفین۔

Marfat.com

ہندوستانی آیا اور تھوڑی سی مدت میں شیخ ہو گیا اور بڑی نعمت پائی۔

مگر شیخ نے ان کو یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ تم تر لکڑیوں کی مانند ہو، جن میں آگ مشکل اور دیر سے لگتی ہے، بہاالدین زکریاؒ خشک لکڑی کی مانند تھے، جس میں آگ جلد اثر کرتی ہے[1]۔

شجرۂ طریقت: سلسلۂ طریقت یہ ہے، شیخ بہاالدین زکریاؒ، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، شیخ ضیاء الدین ابونجیب سہروردیؒ، شیخ وجیہ الدین سہروردیؒ، شیخ ابوعبداللہؒ، شیخ اسود احمد دینوریؒ، شیخ ممتاز علی دینوریؒ، خواجہ جنید بغدادیؒ، خواجہ سری سقطیؒ، خواجہ معروف کرخیؒ، خواجہ داؤد طائیؒ، خواجہ حبیب عجمیؒ، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم۔

عظمتِ مرشد: خرقۂ خلافت پانے کے بعد حضرت بہاء الدین زکریا کو مرشد کی طرف سے حکم ملا کہ ملتان واپس جا کر قیام کرو اور وہاں سے باشندوں کو فیض پہنچاؤ، حضرت جلال الدین تبریزیؒ بھی شیخ الشیوخ کے ساتھ مقیم تھے، جب حضرت بہاء الدین زکریاؒ بغداد سے رخصت ہونے لگے تو غایت محبت میں وہ بھی اپنے پیر سے اجازت لے کر ان کے ساتھ ہو گئے[2]، بیان کیا جاتا ہے کہ جب دونوں بزرگ نیشاپور پہنچے تو شیخ جلال الدین تبریزی حضرت شیخ فریدالدین عطار کی خدمت میں تشریف لے گئے، ملاقات کے بعد واپس ہوئے تو حضرت شیخ بہاءالدین زکریاؒ نے ان سے دریافت کیا کہ ''آج کی سیر میں درویشوں میں کس کو سب سے بہتر پایا''، بولے ''شیخ فریدالدین عطار کو''، حضرت بہاء الدین زکریا نے پوچھا کہ ''ان سے کیا کیا صحبت رہی؟'' جواب دیا کہ ''مجھ کو دیکھتے ہی انہوں نے دریافت کیا کہ آپ لوگوں کا کہاں سے آنا ہوا؟'' میں نے عرض کی ''خطہ بغداد سے آتا ہوں''، پھر استفسار کیا کہ ''وہاں کوئی درویش مشغول بحق ہے؟'' تو میں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا، حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے حضرت جلال الدین تبریزیؒ سے پوچھا کہ ''اپنے مرشد شہاب الدین سہروردیؒ کا ذکر کیوں

---

[1] اسرار الاولیا، ص ۴۱، فوائد الفواد، ص ۴۳　[2] سیر العارفین، ص ۱۰۶۔

Marfat.com

نہ کیا"، جواب دیا کہ "شیخ فریدالدین کی عظمت میرے دل پر ایسی چھائی ہوئی تھی کہ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ کو بھول گیا"، یہ سن کر شیخ بہاءالدین زکریاؒ کو بہت ملال ہوا اور وہ حضرت جلال الدین تبریزیؒ سے علاحدہ ہو کر ملتان چلے آئے اور حضرت جلال الدین تبریزیؒ خراسان جا کر مقیم ہوئے[1]۔

قیامِ ملتان: ملتان کی مدت قیام میں نہ صرف ملتان بلکہ سارا ہندوستان حضرت بہاءالدین زکریاؒ کے فیوض و برکات کے انوار سے منور ہو گیا تھا اور ان کا عہد خیرالاعصار کہا جاتا ہے[2]۔

شیخ محمد نور مؤلف سلسلۃ الذہب میں رقم طراز ہیں:

"حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی قدس سرہ ہندوستان میں رئیس الاولیا تھے، علوم ظاہری کے عالم اور مکاشفات و مشاہدات کے مقامات و احوال میں کامل تھے، ان سے اکثر اولیاءاللہ کے سلسلے منشعب ہوئے، لوگوں کو رشد و ہدایت فرمائی اور ان کو کفر سے ایمان کی طرف، معصیت سے اطاعت کی طرف اور نفسانیت سے روحانیت کی طرف لائے اور ان کی شان بڑی تھی[3]۔"

سفینۃ الاولیا میں ہے:

"حضرت شیخ الشیوخ سے رخصت ہو کر ملتان آئے اور یہیں توطن اختیار کیا، رشد و ہدایت میں مشغول ہوئے تو بہت سے لوگوں نے ان کی ہدایت کی برکت پائی اور اس دیار کے تمام لوگ ان کے مرید اور معتقد ہو گئے،، اس دیار میں تمام مریدان ہی کے ہیں۔" (ص ۱۹۷)

رشد و ہدایت عوام و خواص دونوں کے لیے تھی اور دونوں طبقوں کو اپنی ذات بابرکت سے فیض پہنچانے کی کوشش فرماتے، اس وقت ملتان کا حکمراں ناصرالدین قباچہ تھا، جو سلطان شمس الدین ایلتتمش کا حریف بھی تھا، حضرت شیخ بہاءالدین زکریا کا قلبی رجحان سلطان ایلتتمش کی طرف تھا، کیوں کہ جیسا کہ ذکر آچکا ہے، وہ اپنے زہد و تقویٰ، دین داری اور شریعت

---

[1] سیر العارفین، ج ۱، ص ۱۰۶، ج ۲، ص ۶۸ و فوائد الفواد، ص ۲۵۲ [2] فرشتہ، ج ۲، ص ۸۳ [3] بحوالہ اخبار الاخیار، ص ۲۰۰۔

Marfat.com

کی پاس داری کے لحاظ سے اولیاء اللہ میں شمار کیا جاتا ہے، ناصر الدین قباچہ نے سلطان ایلتتمش کی بڑھی ہوئی سطوت وقوت کو دیکھ کر اس کے خلاف معاندانہ سازش شروع کی، اس کو ملتان کے قاضی مولانا شرف الدین اصفہانی اور خود شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے پسند نہ کیا، قاضی شرف الدین اصفہانی بہت ہی متدین عالم تھے، انہوں نے دین کی فلاح اسی میں دیکھی کہ سلطان ایلتتمش کو قباچہ کی سازش سے مطلع کر دیں، شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے بھی ان کی حمایت کی اور دونوں نے علاحدہ علاحدہ سلطان ایلتتمش کو خطوط لکھے، مگر دونوں مکتوب قباچہ کے آدمیوں کے ہاتھ لگ گئے، قباچہ ان کو پڑھ کر بہت مشتعل ہوا اور ایک محضر کے ذریعہ دونوں کو طلب کیا، جب وہ دونوں بزرگ مجلس میں تشریف لے گئے تو قباچہ نے شیخ بہاء الدین زکریا کو اپنی داہنی جانب بٹھایا اور قاضی شرف الدین اصفہانی کو اپنے روبہ رو بیٹھنے کا حکم دیا اور ان کا خط ان کے ہاتھ میں دے دیا، قاضی شرف الدین اصفہانی نے خط پڑھ کر خاموشی اختیار کی، قباچہ نے غصہ میں جلاد کو حکم دیا کہ اسی وقت تہِ تیغ کر دیے جائیں، جلاد نے آگے بڑھ کر سر قلم کر دیا، جب شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے ہاتھ میں ان کا مکتوب دیا گیا تو انہوں نے اس کے دیکھتے ہی فرمایا کہ بے شک یہ میرا خط ہے، مگر میں نے حق تعالیٰ کے حکم سے لکھا ہے اور صحیح لکھا ہے، یہ سن کر قباچہ پر لرزہ طاری ہو گیا اور اس نے معذرت کر کے شیخ بہاء الدین زکریا کو اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کیا[1]۔

فیاضی: مگر خلق کی خاطر شاہی حکام کے ساتھ اشتراک عمل کرنے میں بھی دریغ نہ فرماتے، ملتان میں ایک بار سخت قحط پڑا، والی ملتان کو غلہ کی ضرورت ہوئی، شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے غلہ کی ایک بڑی مقدار اپنے یہاں سے اس کے پاس بھیجی، جب غلہ اس کے پاس پہنچا تو اس

[1] فوائد الفواد، ص ۱۲۰، سیر العارفین، ص ۱۱۳، تاریخ فرشتہ، جلد دوم، ص ۴۰۶، فوائد الفواد میں یہ بھی ہے کہ قباچہ نے اسی وقت کھانا منگوایا کہ اگر شیخ بہاء الدین زکریا کھانے میں اس کے ساتھ شریک نہ ہوں گے تو اسی بہانہ ان کو ایذا پہنچائے گا، مگر شیخ بہاء الدین زکریاؒ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر کھانے میں شریک ہو گئے۔

Marfat.com

کے انبار سے نقرئی تنکہ کے سات کوزے بھی نکلے، والی ملتان نے شیخ کو اس کی اطلاع دی تو انہوں نے فرمایا، ''ہم کو پہلے سے معلوم تھا لیکن غلہ کے ساتھ اسے بھی ہم نے بخشا۔''

حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے مطبخ میں طرح طرح کے کھانے پکتے تھے لیکن ان کو ان نعمتوں کے کھانے میں اسی وقت لذت ملتی جب وہ مہمانوں، مسافروں اور درویشوں کے ساتھ مل کر کھاتے، جس شخص کو دیکھتے کہ وہ کھانا رغبت سے کھاتا ہے تو اس کو بہت دوست رکھتے تھے، ایک مرتبہ فقرا کی ایک بڑی جماعت دستر خوان پر شریک تھی، حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے ہر فقیر کے ساتھ ایک لقمہ کھایا، ایک فقیر کو دیکھا کہ روٹی شوربہ میں بھگو کر کھا رہا ہے، فرمایا ''سبحان اللہ! ان سب فقیروں میں یہ فقیر خوب کھانا جانتا ہے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ نان تر کو اور کھانوں پر وہی فضیلت ہے جو مجھ کو تمام انبیا پر ہے اور عائشہؓ کو تمام دنیا کی عورتوں پر ہے[1]۔

استغنا: حضرت شیخ زکریاؒ کو کبھی دولت کی کمی محسوس نہ ہوئی، مگر وہ خود اس سے ہمیشہ مستغنی و بے نیاز رہے، ایک روز خادم سے فرمایا، جاؤ، جس صندوقچہ میں پانچ ہزار دینا سرخ رکھے ہیں، اس کو اٹھا لاؤ، خادم نے ہر چند تلاش کیا، مگر صندوقچہ کہیں نہ ملا، وہ مایوس ہو کر واپس آیا اور شیخ کو اطلاع دی تو کچھ تامل کے بعد فرمایا، الحمدللہ، تھوڑی دیر کے بعد خادم پھر آیا اور صندوقچہ مل جانے کی اطلاع دی، پھر الحمدللہ کہہ کر خاموش ہو گئے، حاضرین نے عرض کی کہ حضرت نے صندوقچہ گم ہونے پر بھی الحمدللہ فرمایا اور مل جانے پر بھی، اس میں کیا حکمت تھی، ارشاد فرمایا کہ فقیروں کے لیے دنیا کا وجود اور عدم دونوں برابر ہیں، ان کو کسی چیز کے آنے پر نہ خوشی ہوتی ہے اور نہ ان کے جانے کا غم ہوتا ہے اور پانچوں ہزار دینار حاجت مندوں میں تقسیم کرا دیے[2]۔

بردباری: مزاج میں حلم و بردباری بہت تھی، ایک روز خانقاہ میں تشریف فرما تھے کہ دلق پوش قلندروں کی ایک جماعت پہنچی اور ان سے مالی مدد کی خواست گار ہوئی، انہوں نے اس

---

[1] فوائد الفواد، ص ۱۲۰ و سیر العارفین، ص ۱۲۳ [2] سیر العارفین، ص ۱۱۴ و مراۃ الاسرار قلمی۔

Marfat.com

جماعت سے بے زاری کا اظہار فرمایا، اس پر قلندروں نے گستاخی شروع کر دی اور اینٹ پتھر سے ان کو مارنے لگے، حضرت شیخ نے خادم سے فرمایا کہ خانقاہ کا دروازہ بند کر دو، جب دروازہ بند ہو گیا تو قلندروں نے دروازہ پر پتھر مارنے شروع کیے، حضرت شیخ نے کچھ تامل کے بعد خادم سے فرمایا، دروازہ کھول دو، میں اس جگہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی قدس سرہ کا بٹھایا ہوا ہوں، خود سے نہیں بیٹھا ہوں، خادم نے دروازہ کھول دیا، اس وقت قلندر نادم ہوئے اور اپنے قصور کی معافی چاہی[1]۔

تواضع: غایت تواضع میں اپنی تعظیم و تکریم پسند نہیں فرماتے تھے، ایک بار خانقاہ میں کچھ مرید حوض کے کنارے وضو کر رہے تھے، حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ ان کے پاس پہنچ گئے، مریدوں نے وضو ختم بھی نہیں کیا تھا کہ تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے اور سلام عرض کیا مگر ایک مرید نے وضو تمام کر کے مراسم تعظیم ادا کیے، حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے فرمایا ''تم سب درویشوں میں افضل اور زاہد ہو''۔

مگر وہ خود دوسروں کی بڑی تعظیم کرتے تھے، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ جب وارد ہندوستان ہوئے اور ملتان آ کر ٹھہرے تو حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ ان سے تعظیم اور محبت اور شفقت سے ملے اور اصرار کر کے کچھ دنوں ان کو اپنے یہاں روکا، حضرت خواجہ بختیار کاکی بھی حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کی بڑی قدر کرتے تھے، چنانچہ جب معتقدین نے ان کو ملتان میں قیام کرنے کی دعوت دی تو فرمایا کہ ملتان کی سرزمین پر شیخ بہاء الدین کا قبضہ اور سایہ کافی ہے، یہاں ان ہی کا تعلق ہے، ان ہی کی حمایت تم لوگوں کے ساتھ رہے گی[2]۔

محبت و مودت: حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ بابا گنج شکرؒ کی بھی بہت عزت کرتے تھے، بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ دونوں خالہ زاد بھائی بھی تھے اور باہم بڑی محبت اور مودت تھی، حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے ایک موقع پر کسی بات کی معذرت کرتے ہوئے

---

[1] فوائد الفواد [2] سیر العارفین، ص ۲۲۰ [3] اخبار الاخیار، ص ۳۷-۳۹ و مرأۃ الاسرار، قلمی نسخہ دار المصنفین۔

Marfat.com

باباصاحب کولکھا:

''میان ما وشما عشق بازی است۔''

بابا گنج شکرؒ نے اس کا جواب دیا:

''میان ما وشما عشق است بازی نیست۔''

محضر: ایک موقع پر حضرت جلال الدین تبریزیؒ کے ساتھ حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے عزت واحترام کا جونمونہ پیش کیا تھا، اس کا ذکر بادۂ تصوف کے سرشاروں کے لیے بہت ہی خمار آگیں ہے، اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ حضرت جلال الدین تبریزیؒ نیشاپور میں حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ سے علاحدہ ہوکر خراسان چلے گئے تھے، کچھ عرصہ بعد دہلی تشریف لائے، سلطان ایلتتمش ان کی عظمت اور بزرگی کی شہرت پہلے سن چکا تھا، جب وہ دہلی کے قریب پہنچے تو سلطان نے علما ومشائخ کی ایک جماعت کے ساتھ شہر کے باہر جاکر ان کا استقبال کیا اور ان کو دیکھتے ہی گھوڑے سے اتر آیا اور انؒ کو آگے کر کے خود پیچھے پیچھے شہر کی طرف روانہ ہوا، یہ تعظیم وتکریم شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ کو پسند نہ آئی، ان کے دل میں حضرت جلال الدین تبریزیؒ کی طرف سے رشک وحسد کی آگ بھڑک اٹھی مگر اس کا اظہار نہیں کیا اور سلطان سے یہ خواہش ظاہر کی کہ حضرت جلال الدین تبریزیؒ اس کی (یعنی نجم الدین صغریٰ) قیام گاہ کے قریب ہی فروکش ہوں اور قیام کے لیے ایک مکان تجویز کیا، جو بیت الجن کے نام سے مشہور تھا، سلطان نے اپنے عزیز اور محبوب مہمان کو جنوں کے مکان میں ٹھہرانا پسند نہ کیا، مگر نجم الدین صغریٰ نے کہا اگر حضرت جلال الدین تبریزیؒ کامل درویش ہوں گے تو مکان خود جنات سے پاک ہوجائے گا اور اگر ناقص ہوں گے تو اپنی فریب دہی کی سزا پا جائیں گے، یہ گفتگو بالکل علاحدہ ہوئی تھی مگر حضرت جلال الدینؒ نے خود اس مکان میں رہنے کا اعلان کردیا، جب وہ اس مکان میں داخل ہوئے تو ان کے قدم کی برکت سے مکان تمام بلیات سے پاک ہوگیا اور ان کو کسی قسم کا گزند نہ پہنچا، دوسرے روز حضرت خواجہ بختیار کاکی

Marfat.com

کی ملاقات کے لیے شہر کی تنگ گلیوں میں سے ہو کر چلے، حضرت بختیار کا کی کو کشف ہوا کہ حضرت جلال الدین تبریزیؒ ان سے ملنے آرہے ہیں تو وہ خود گلیوں میں ہوتے ہوئے ان کے استقبال کو بڑھے، راستہ میں قران السعدین ہوا، جس وقت حضرت جلال الدینؒ خواجہ بختیارؒ کے ہم راہ ان کی خانقاہ پہنچے، اس وقت یہاں مجلس سماع ہو رہی تھی، فقرا جمع تھے، اس بیت پر حضرت خواجہ صاحب کو وجد آ گیا:

در میکدۂ وحدۃ ایثار نمی گنجد　　　در عالم یک رنگی اغیار نمی گنجد

سلطان ایلتتمش حضرت جلال الدین تبریزیؒ کے ساتھ مرشد کا یہ لگاؤ دیکھ کر ان کا اور بھی معتقد ہو گیا، اس سے نجم الدین صغریٰ کا حسد اور زیادہ بڑھا، ایک روز موسم بہار میں سلطان ایلتتمش نے فجر کی نماز سے پہلے نجم الدین صغریٰ کو اپنے محل میں بلایا اور ان کو امام بنایا، نماز شاہی محل کی چھت پر ہوئی، چھت کے سامنے حضرت جلال الدین تبریزی کی قیام گاہ تھی، وہ فجر کی نماز سے فراغت کے بعد صحن خانہ میں چادر اوڑھے آرام فرما رہے تھے اور ایک ملازم جس کو اللہ تعالیٰ نے حسن صورت بھی عطا کیا تھا، ان کے پاؤں دبا رہا تھا، نجم الدین صغریٰ کو یہ خیال ہوا کہ حضرت جلال الدین تبریزیؒ نماز سے غافل ہو کر محوِ استراحت ہیں، اسی وقت سلطان کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ آپ ایسے ہی دنیا پرست درویشوں کے معتقد ہیں، یہ سونے کا کون سا وقت ہے اور ایک صاحب جمال غلام بھی پاس بیٹھا ہے، حضرت جلال الدین تبریزیؒ کو نورِ باطن سے نجم الدین صغریٰ کی بدگمانی معلوم ہوگئی، اسی وقت اٹھے اور صحن خانہ ہی میں سے سلطان کو حقیقت سے آگاہ کیا، سلطان نادم ہوا اور نجم الدین صغریٰ سے کہنے لگا، تم شیخ الاسلام ہو کر ایسی باتیں کرتے ہو، تم کو نیک و بد کی بھی پہچان نہیں، مگر نجم الدین صغریٰ شرمندہ ہونے کے بجائے اندرونی طور پر اور زیادہ برہم ہو گئے اور حضرت جلال الدین تبریزیؒ سے ان کی پرخاش اور بھی بڑھ گئی اور شہر کی ایک حسین و جمیل مطربہ کو پانچ سو اشرفیوں کا لالچ دلا کر آمادہ کیا کہ وہ حضرت جلال الدینؒ پر فسق و زنا کا الزام لگائے، مطربہ نے سلطان کے

Marfat.com

پاس جا کر حضرت جلال الدین تبریزی کو متہم کیا، سلطان بن کر ششدر رہو گیا، وہ سمجھتا تھا کہ یہ جھوٹا الزام ہے اور مطربہ کو اس کی دروغ گوئی کی پوری سزا دے سکتا تھا لیکن قانون کی وجہ سے معذور تھا، مدعیہ خود اپنے بیان سے واجب التعزیر فاحشہ ثابت ہو رہی تھی، مگر حضرت جلال الدین تبریزیؒ پر بغیر شہادت کے تہمت زنا ثابت نہیں ہو سکتی تھی، مدعیہ کا تنہا بیان کافی نہ تھا لیکن اس کا مقدمہ سامنے آجانے کے بعد اس کی شرعی تحقیقات بھی ضروری تھی، اس لیے سلطان نے مشورے کے بعد ایک محضر طلب کرنے کا فیصلہ کیا، محضر میں شرکت کے لیے ہندوستان کے مشاہیر علما و مشائخ کو دعوت دی گئی، حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے بھی اس دعوت کو قبول کیا اور وہ دہلی تشریف لائے، اس محضر میں دو سو صرف اولیائے کرام شریک ہوئے، محضر جامع مسجد میں منعقد ہوا۔

شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ کو حضرت بہاء الدین زکریاؒ اور جلال الدین تبریزی کی کشیدگی کا علم تھا، چنانچہ وہ ان دونوں کی اس کشیدگی سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے، شیخ الاسلام کی حیثیت سے انہوں نے شیخ بہاء الدین زکریاؒ ہی کو حکم مقرر کیا، جمعہ کی نماز کے بعد مقدمہ کی کارروائی شروع ہوئی، مطربہ پیش کی گئی، حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کو بھی طلب کیا گیا، جس وقت وہ مسجد کے دروازے پر پہنچے، سارے علما و اولیا ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے اور جب حضرت جلال الدین تبریزیؒ نے اپنی جوتیاں اتاریں تو شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے بڑھ کر ان کی جوتیاں اپنے ہاتھوں میں لے لیں، سلطان ایلتتمش یہ دیکھ کر بہت متاثر ہوا کہ ایک جلیل القدر حکم اپنے سامنے پیش ہونے والے ملزم کی ایسی توقیر و عظمت کر رہا ہے، جو حضرت جلال الدین تبریزیؒ کے معصوم ہونے کی دلیل ہے اور تحقیقات کی کارروائی روک دینا چاہی، مگر شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے فرمایا:

> "میرے لیے فخر کی بات ہے کہ شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے پاؤں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناؤں کیوں کہ وہ میرے مرشد شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کے

Marfat.com

ساتھ سات سال تک سفر و حضر میں رہے لیکن شاید شیخ الاسلام نجم الدین کے دل میں یہ خیال ہو کہ بہاء الدینؒ نے شیخ جلال الدین تبریزی کی تعظیم کر کے ان کے عیب پر پردہ ڈال دیا ہے تو یہ اہل اللہ پر بخوبی روشن ہے کہ حضرت جلال الدینؒ سے ایسے فعل شنیع کا واقع ہونا محال ہے لیکن پھر بھی دلائل بینہ کا اظہار ضروری ہے، اس لیے مدعیہ مطربہ کو سامنے لاؤ۔"

چنانچہ مطربہ حضرت شیخ بہا الدین زکریاؒ کے سامنے لائی گئی مگر ایسا رعب طاری ہو گیا کہ اس نے تہمت ثابت کرنے کے بجائے شروع سے آخر تک پورا واقعہ بیان کر دیا کہ نجم الدین صغریٰ نے اس کو طمع دلا کر حضرت جلال الدین تبریزیؒ پر الزام رکھنے کے لیے آمادہ کیا تھا، اس سازش کے افشا پر نجم الدین صغریٰ ایسے ذلیل اور پشیمان ہوئے کہ مجلس ہی میں ان کو غش آ گیا اور حضرت جلال الدین تبریزی کی معصومیت ثابت ہو گئی، سلطان ایلتمش نے اس کذب و بہتان کی سزا میں نجم الدین صغریٰ کو شیخ الاسلام کے عہدہ سے برطرف کر کے حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ سے اس کے قبول کرنے کی استدعا کی، انہوں نے قبول فرمایا اور ایک مدت تک شیخ الاسلام کا عہدہ ان کے خاندان میں قائم رہا۔[1]

جود و سخا: حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے صحیفہ کمال میں جود و سخا کی بھی اعلا مثالیں ملتی ہیں، ایک بار ان کے معتقدوں اور مریدوں کا جہاز غرق ہو رہا تھا، غایت اضطراب میں انہوں نے حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریاؒ سے روحانی استمداد کی، اللہ جل شانہ کی قدرت سے وہ جہاز محفوظ رہ گیا، جہاز پر موتی اور جواہرات کے بڑے بڑے تاجر تھے، جب جہاز ساحل پر پہنچا تو ان تاجروں نے اپنے مال کا ایک ثلث حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کی خدمت میں نذر کرنے کا عہد کیا اور ان کی جانب سے خواجہ فخر الدین گیلانی نقد و جواہرات لے کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جواہرات کی قیمت اور نقد رقم ملا کر ستر لاکھ چاندی کے ٹنکے ہوتے تھے، شیخ نے اس کو قبول تو کر لیا لیکن تین دن کے اندر یہ کل رقم حق داروں،

---

[1] فوائد السالکین، مجلس ششم، سیر العارفین، ص ۱۶۷-۱۶۹۔

Marfat.com

محتاجوں اور مسکینوں میں تقسیم کرادی، خواجہ فخر الدین گیلانی اس سے اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے اسی وقت اپنا تمام مال واسباب فقرا میں بانٹ دیا اور فقیری اختیار کر لی، پانچ برس شیخ کی خدمت میں گزار کر بیت اللہ کے حج کو روانہ ہوئے، مگر جدہ پہنچ کر جنت کی راہ لی[1]۔

ذوقِ سماع: سماع سے بھی کبھی کبھی شغل فرماتے تھے، ایک بار عبداللہ رومی قوال ملتان وارد ہوا اور خدمت عالی میں حاضر ہو کر غرض کی کہ اس کا گانا شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ نے شوق کے ساتھ سنا ہے اور وہ ان کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتا رہا ہے، شیخ نے فرمایا کہ جب شیخ الشیوخ نے سنا ہے تو زکریا بھی سنے گا، چنانچہ قوال کو ایک خاص حجرہ میں بلایا گیا، عشا کی نماز کے بعد ایک پہر رات گزری ہوگی کہ حجرہ میں تشریف لائے اور دو پارے کلام پاک تلاوت کر کے قوال کو سنانے کا حکم دیا اور حجرہ کے دروازہ میں زنجیر لگا دی، قوال نے گانا شروع کیا:

مستاں کہ شراب ناب خوردند ۔ از پہلوئے خود کباب خوردند

جب اس بیت کی تکرار کی تو حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ وجد میں آ کر کھڑے ہو گئے اور حجرہ کا چراغ گل کر دیا، قوال کا بیان ہے کہ اس کو کچھ معلوم نہ ہوتا تھا کہ شیخ کی کیا کیفیت ہو رہی ہے، صرف دامن معلوم ہوتا تھا اور کچھ نظر نہ آتا تھا، تھوڑے وقفہ کے بعد شیخ حجرہ سے باہر تشریف لے گئے اور وہ (یعنی قوال) اپنے رفیقوں کے ساتھ حجرہ ہی میں رہا، جب صبح ہوئی تو شیخ نے خادم کے ہاتھ خلعت اور بیس نقرئی ٹنکے بھجوا دیے[2]۔

عبادت وریاضت: عبادت وریاضت میں کلام پاک کی تلاوت سے بڑا شغف رکھتے تھے، ایک بار اپنے خلفا کی مجلس میں بیٹھے تھے کہ ان سے مخاطب ہو کر فرمایا "تم میں سے کوئی شخص ایسا ہے جو دو رکعت نماز کی نیت باندھے اور ایک رکعت میں پورا کلام پاک ختم کرے، حاضرین میں سے کسی کی یہ ہمت نہ ہوئی، پھر خود ہی نماز کے لیے کھڑے ہو گئے اور دو رکعت

---

[1] سیر العارفین، ص ۱۷۶-۱۷۷ [2] فوائد الفواد، ص ۱۳۷، سیر العارفین، ص ۱۱۴۔

Marfat.com

نماز کی نیت کر کے پہلی ہی رکعت میں پورا کلام مجید ختم کر دیا اور چار پارے اور پڑھے، دوسری رکعت میں سورہ اخلاص پڑھی، بارہا فرماتے تھے کہ اہل دل سے مجھ کو جو فیض پہنچا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو عمل میں لانے کی بھی توفیق عطا فرمائی ہے اور جس کام کے لیے حوصلہ کیا، پورا ہوا لیکن ایک کام اب تک نہیں ہو سکا، ایک بزرگ آغازِ صبح سے طلوع آفتاب تک قرآن شریف ختم کر لیتے ہیں، میں نے بھی ہر چند اس کی کوشش کی، مگر یہ حوصلہ پورا نہ ہو سکا، تین چار پارے باقی رہ جاتے ہیں، مگر سیر العارفین کے مؤلف کا بیان ہے کہ میں نے اپنے پیر دست گیر شیخ سما الحق والدین سے سنا تھا کہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کا معمول تھا کہ تہجد کی نماز کے بعد کلام پاک شروع کرتے اور فجر کی نماز کی سنتوں تک پورا قرآن ختم کر لیتے تھے[1]۔

وفات: وفات کے روز اپنے حجرہ میں عبادت میں مشغول تھے کہ حجرہ کے باہر ایک نورانی چہرہ کے مقدس بزرگ نمودار ہوئے اور حضرت شیخ صدر الدین کے ہاتھ میں ایک سربہ مہر خط دیا، حضرت شیخ صدر الدین خط کا عنوان دیکھ کر متحیر ہوئے، والد بزرگوار کی خدمت میں پیش کر کے باہر آئے تو قاصد کو نہ پایا، خط پڑھنے کے ساتھ ہی حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی اور آواز بلند ہوئی:

"دوست بدوست رسید۔"

یہ آواز سن کر شیخ صدر الدین دوڑے ہوئے حجرے میں گئے، دیکھا آواز حقیقت بن چکی تھی[2]۔

راحت القلوب (ملفوظات بابا گنج شکرؒ) میں ہے کہ جس وقت حضرت بہاء الدین زکریاؒ کا وصال ہوا، اسی وقت اجودھن میں حضرت بابا گنج شکرؒ بے ہوش ہو گئے، بڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو فرمایا کہ:

---

[1] فوائد الفواد، ص ٦، سیر العارفین، ص ١٢٠ [2] راحت القلوب، مجلس ہفتم، فوائد الفواد، ص ٢٢١، سیر العارفین، ص ٢٧ و فرشتہ، ج ٢، ص ٤٠٩، راحت القلوب، ص ٥٧۔

Marfat.com

''برادرم بہاء الدین زکریا را ازیں بیابان فنا بہ شہرستان بقا بردند۔'' (ص ۵۷)

اور پھر اٹھ کر مریدوں کے ساتھ غائبانہ جنازہ کی نماز پڑھی[1]، مزار شریف ملتان میں ہے۔

سنہ وفات میں اختلاف ہے، راحت القلوب میں سال وفات ۶۵۶ھ، سیر الاولیا (ص ۹۱) میں ۶۶۷ھ، اخبار الاخیار میں ۶۶۱ھ، سفینۃ الاولیا اور فرشتہ میں ۶۶۶ھ اور مرآۃ الاسرار میں ۵۶۵ھ ہے، سفینۃ الاولیا میں پیدائش کا سال ۵۶۵ھ لکھا ہے۔

تعلیمات: حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کی نہ کسی تصنیف کا پتہ ہے اور نہ ملفوظات کا ذکر تذکروں میں ہے، مگر انہوں نے اپنے مریدوں کے لیے جو وصایا اور خطوط لکھے تھے، ان کو اخبار الاخیار کے مصنف نے نقل کیا ہے، ان سے ان کی صوفیانہ تعلیمات پر روشنی پڑتی ہے، اس لیے ان کے اقتباسات ہدیۂ ناظرین کیے جاتے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ بندہ پر واجب ہے کہ سچائی اور اخلاص سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس کے عبادات و اذکار میں غیر اللہ کی نفی ہو، اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے احوال کو درست کرے اور اقوال و افعال میں اپنے نفس کا محاسبہ کرے، ضرورت کے سوا نہ کوئی بات کہے اور نہ کوئی کام انجام دے، ہر قول و فعل سے پہلے اللہ تبارک و تعالیٰ سے التجا کرے اور اس سے نیک عمل کے توفیق کی مدد چاہے۔

دوسرے موقع پر اپنے مرید کو نصیحت فرماتے ہیں کہ تم اللہ تبارک و تعالیٰ کے ذکر کو اپنے اوپر لازم کر لو، ذکر ہی سے طالب محبت تک پہنچتا ہے، محبت ایسی آگ ہے جو تمام میل کچیل کو جلا ڈالتی ہے، جب محبت راسخ ہو جاتی ہے تو مذکور کے مشاہدہ کے ساتھ ذکر حقیقی ذکر ہوتا ہے، یہی وہ ذکر کثیر ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے اس قول وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ میں فلاح کا وعدہ کیا گیا ہے۔

---

[1] اخبار الاخیار، ص ۲۷-۲۸، سفینۃ الاولیا، ص ۱۹۶-۱۹۵، مرآۃ الاسرار قلمی نسخہ، دار المصنفین، فرشتہ، ج ۲، ص ۴۷۹۔

Marfat.com

پھر فرماتے ہیں کہ مرید کو چاہیے کہ اپنے روزگار کی حفاظت کرتا رہے، ماسوائے اللہ کو دل سے دور کردے، دنیا کے لوگوں کی صحبت کو اپنے اوپر حرام کرلے اور حق تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہے، اگر اس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے موانست نہ ہوگی تو خدائے تعالیٰ کی محبت کی بو بھی وہ نہ سونگھ سکے گا۔

ایک نصیحت میں ارشاد فرمایا کہ بدن کی سلامتی قلت طعام میں اور روح کی سلامتی ترک گناہ میں اور دین کی سلامتی حضرت خیر الانام محمد ﷺ پر درود بھیجنے میں ہے[1]۔

خلفا: حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ اپنے مریدوں میں شیخ حسن افغان کو بہت ہی محبوب رکھتے تھے، وہ ان پڑھ تھے مگر ان کا ظاہر و باطن روحانی تعلیم سے آراستہ تھا، ان کی بزرگی کا یہ حال تھا کہ ایک بار ایک کاغذ پر تین سطریں لکھ دی گئیں، جن میں ایک کلام پاک کی آیت تھی، ایک میں حدیث شریف اور ایک میں کسی شیخ کا قول منقول تھا، یہ کاغذ دکھا کر شیخ حسن افغان سے پوچھا گیا کہ کون سی سطر میں کیا چیز ہے، شیخ حسن افغان نے قرآن مجید کی آیت والی سطر پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ یہ کلام ربانی ہے، اس کا نور مجھ کو زمین سے عرش معلیٰ تک نظر آرہا ہے، حدیث شریف کی سطر پر انگلی رکھ کر کہا کہ یہ حدیث مقدس کی سطر ہے، اس کا نور ساتویں آسمان تک دکھائی دیتا ہے، پھر شیخ کے قول پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ اس کا نور زمین سے آسمان تک دیکھتا ہوں، حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ اکثر فرماتے تھے کہ اگر قیامت کے دن بارگاہِ الٰہی میں مجھ سے پوچھا جائے گا کہ ہماری بارگاہ میں کیا کمائی لایا ہے تو میں عرض کروں گا کہ میری کمائی حسن افغان ہے[2]۔

حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے مریدوں میں شیخ فخر الدین عراقیؒ اور شیخ امیر حسینی بھی خاص طور پر ذکر کے لائق ہیں، ان کے حالات آگے چل کر علاحدہ ابواب میں بیان کیے جائیں گے، دو اور کے اسمائے گرامی یہ ہیں، شیخ جمال خنداں اور شیخ نجیب الدین علی برغش۔

---

[1] اخبار الاخیار، ص ۲۷ [2] سیر العارفین، ص ۱۱۱ و فرشتہ، ج ۲، ص ۴۱۳۔

Marfat.com

حضرت صدرالدین عارفؒ

روحانی مرتبہ: حضرت شیخ صدرالدینؒ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا نوراللہ مضجعہ کے فرزندارجمند تھے، والد بزرگ وار ہی کی صحبت میں عقلی ونورانی تعلیم پائی۔

اسی تعلیم کی بدولت اپنے زمانہ میں سرحلقہ اولیا سمجھے جاتے تھے، اُن کے والد کے ایک مرید امیر حسینی نے جن کا ذکر آگے آئے گا، اِن کے روحانی مرتبہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

آں بلند آوازۂ عالم پناہ — سرورِ دیں افتخارِ صدرگاہ
صدرِ دین ودولت آں مقبولِ حق — نہ فلک از خوان جودش یک طبق
آبِ حیواں قطرۂ بحر دلش — چوں خضر علم لدنی حاصلش
معتبر چوں قول او افعال او — ہم بیانِ او گواہِ حالِ او
مقتدائے دیں قبول خاص وعام — دو لقش گفتہ توئی خیر الانام
سلکِ معنی جملہ در فرمانِ او — ہم بہ کسب وہم بمیراث آلِ او

تاریخ فرشتہ میں ان کے روحانی اوصاف وکمالات کی تعریف وتوصیف حسب ذیل اشعار میں کی گئی ہے:

آں گہر معدن حق الیقین — تازہ زآب کرمش باغ دیں
دادہ ز پاکی بملائک صلہ — خرقہ وحدت بخلا و ملا

---

۱ اخبار الاخیار، ص ۵۹۔

Marfat.com

لجۂ مواج دل پاک او　　عقل فرو ماندہ در ادراک او
صدر نشیں گشت بعرش بریں　　گشتہ خطابش از خدا صدر دیں[1]

وہ عام طور سے شیخ صدر الدین عارف کے نام سے مشہور تھے، کہا جاتا ہے کہ جب کلام پاک پڑھتے یا ختم کرتے تو معرفت کے نئے نئے اسرار ورموزان پر عیاں ہوتے، اسی لیے وہ عارف کے لقب سے مشہور ہوئے، تاریخ فرشتہ میں ہے:

''ویرا عارف ازاں گویند کہ ہر بار ختم کلام اللہ کردی، سمند فکرت بیشتر راندی دوقتیکہ بتلاوت مشغول بودے اورا فوج فوج معانی رونمودی[2]''

فیاضی: والد بزرگ وار کے وصال کے بعد جب رشد وہدایت کی مسند پر متمکن ہوئے تو ترکہ میں سات لاکھ نقد ملے مگر یہ ساری رقم ایک ہی روز میں فقرا ومساکین میں تقسیم کرادی اور اپنے لیے ایک درم بھی نہ رکھا، کسی نے عرض کی کہ آپ کے والد بزرگ وار اپنے خزانہ میں نقد وجنس جمع رکھتے تھے اور اس کو تھوڑا تھوڑا صرف کرنا پسند کرتے تھے، آپ کا عمل بھی ان ہی کی روش کے مطابق ہونا چاہیے، شیخ صدر الدینؒ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت بابا دنیا پر غالب تھے، اس لیے دولت ان کے پاس جمع ہو جاتی تو ان کو علائق دنیا کا کوئی خطرہ لاحق نہ ہوتا اور وہ دولت کو تھوڑا تھوڑا خرچ کرتے تھے، مگر مجھ میں یہ وصف نہیں، اس لیے اندیشہ رہتا ہے کہ دنیا کے مال کے سبب سے دنیا کے فریب میں مبتلا نہ ہو جاؤں، اس لیے میں نے ساری دولت علاحدہ کردی[3]۔

مگر اس فیاضی اور جود وسخا کے باوجود ان کے یہاں دولت کی فراوانی رہتی تھی، ایک بار شیخ رکن الدین فردوسی[4] دہلی سے ملتان تشریف لے گئے تو حضرت شیخ صدر الدین سے بھی ملنے آئے، اس وقت ان کے یہاں علما وفقرا کی بڑی تعداد موجود تھی، شیخ رکن الدین

---

[1] تاریخ فرشتہ، ج۲، ص۴۰۸　[2] ایضاً　[3] ایضاً　[4] یہ حضرت مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری کے پیر کے پیر تھے۔

Marfat.com

فردوسی کا بیان ہے کہ کھانے کا وقت آیا تو ایسا پرتکلف دستر خوان بچھایا گیا جیسا کہ بادشاہوں کے یہاں ہوا کرتا ہے، خود شیخ صدرالدین کے سامنے طرح طرح کے کھانے اور حلوے تھے، شیخ رکن الدین فردوسی ایام بیض کے روزے سے تھے، مگر تبرکاً و تیمناً کھانے میں شریک ہوگئے اور شیخ صدرالدین کے قریب ہی دستر خوان پر بیٹھے، شیخ رکن الدین نے اپنے میزبان کی خاطر روزہ تو افطار کرلیا مگر سوچنے لگے کہ صرف افطار ہی پر اکتفا کی جائے یا کچھ اور کھایا جائے، شیخ صدرالدین نے اپنے نور باطن سے ان کی اس کشمکش کو محسوس کر کے فرمایا کہ جو شخص حرارتِ باطن سے طعام کو نور بنا کر حق تک پہنچا سکے، اس کے لیے تقلیل طعام کی پابندی لازم نہیں:

چونکہ لقمہ می شود بر تو کہن   تن مزن ہر چند بتوانی بخور[1]

مہمانوں کی خاطر سے شیخ دستر خوان پر ہاتھ نہ روکتے تھے کہ ان کے ہاتھ روک لینے سے مہمان کہیں تکلف میں بھوکے نہ رہ جائیں۔

حضرت شیخ صدرالدینؒ اور شہزادہ محمد سلطان: حضرت شیخ صدرالدین عارفؒ کے خوارق و کرامات کی بہت سی حکایتیں مشہور ہیں، ان میں سے بہت کچھ غور طلب ہے، بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان غیاث الدین بلبن نے اپنے بڑے لڑکے شہزادہ محمد سلطان کو مغلوں کی یورش روکنے کے لیے ملتان بھیجا، شہزادہ کے ساتھ اس کی بیوی بھی تھی، جو سلطان رکن الدین ابراہیم بن شمس الدین ایلتتمش کی لڑکی تھی، یہ شہزادی اپنی نیکی، حیا اور حسن کے لیے مشہور تھی، مگر شہزادے کی شراب خوری اور بدمستی سے عاجز تھی، ملتان پہنچ کر ایک روز شہزادہ نے شراب کے نشہ میں بیوی کو طلاق دے دی اور اس سے علاحدگی اختیار کرلی، مگر نشہ کے بعد بیوی کی مفارقت گوارا نہ ہوئی اور علما کو جمع کر کے مسئلہ پوچھا، انہوں نے بتایا کہ شہزادی اس کی زوجیت میں اس وقت تک نہیں آسکتی جب تک کہ حلالہ نہ کرلے، شہزادہ کی تنگ مزاجی اور حمیت نے

---

[1] فرشتہ، ج ۱، ص ۴۱۱، مرآۃ الاسرار، قلمی نسخہ دار المصنفین۔

Marfat.com

اس کو گوارا نہ کیا اور غصہ میں اٹھ کر خلوت میں چلا گیا اور قاضی امیر الدین خوارزمی کو بلا کر کہا کہ باپ کے غیض و غضب و دوزخ کے عذاب سے ڈرتا ہوں، لیکن اس کی (یعنی شہزادی کی) مفارقت اور دوری بھی گوارا نہیں، قاضی امیر الدین خوارزمی نے رائے دی کہ شیخ صدر الدین عارف نیک اور اچھے بزرگ ہیں، پوشیدہ طور پر ان سے شہزادی کا نکاح کر کے طلاق دلوادی جائے، شہزادہ اس پر راضی ہو گیا اور حضرت شیخ صدر الدین عارفؒ سے شہزادی کا نکاح کر دیا گیا، جب نکاح ہو چکا تو شہزادی نے حضرت شیخ صدر الدین عارفؒ کے پاؤں پر گر کر کہا کہ اگر آپ مجھ کو پھر اس ظالم اور فاسق کے حوالہ کریں گے تو قیامت کے روز آپ کی دامن گیر ہوں گی، شیخ صدر الدین عارف کو اس کے عجز و زاری پر رحم آ گیا اور انہوں نے شہزادی کو طلاق دینے سے انکار کر دیا، شہزادہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس کے غصہ کی کوئی انتہا نہ رہی اور اس نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ دوسرے شیخ کے گھر کو خون سے رنگین کر دیا جائے، شیخ کو اس حکم کی خبر دی گئی تو ان میں کوئی تغیر نہ ہوا اور اپنے ارادہ پر قائم رہے، اسی دوران میں اچانک مغل حملہ آور ہو گئے، شہزادہ کی فوج پسپا ہوئی اور وہ خود ان کے ہاتھوں قتل ہوا، فرشتہ نے اس واقعہ کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے اور آخر میں یہ شعر نقل کیا ہے کہ:

گنج قارون کہ فرومی رود از قعر ہنوز   خواندہ باشی کہ ہم از غیرت درویشانیست[1]

مگر تعجب ہے کہ فرشتہ نے اس روایت کو صحیح سمجھ کر اپنی تاریخ میں کس طرح قلم بند کیا، اس نے سلطان غیاث الدین بلبن کے ذکر میں شہزادہ محمد سلطان کے اخلاقِ حسنہ اور اوصافِ حمیدہ کی جو تصویر کھینچی ہے، اس سے اس روایت کی تکذیب ہوتی ہے۔

فرشتہ لکھتا ہے:

"بلبن کے فرزندوں میں سب سے بہتر اور افضل شہزادہ محمد سلطان خاں شہید[2] ہے، یہ شہزادہ سلطان غیاث الدین بلبن کا بڑا پیارا اور محبوب ترین فرزند تھا، تمام عمدہ صفتیں اور پسندیدہ

---

[1] فرشتہ، ج ۲، ص ۱۴۱ [2] محمد سلطان جب مغلوں کے ہاتھوں سے ہلاک ہوا تو محمد سلطان خاں شہید کے نام سے مشہور ہوا۔

Marfat.com

عادتیں جو ایک شہزادہ میں ہونی چاہئیں، سب حق سبحانہ تعالیٰ نے اس کو مرحمت کی تھیں، یہ شہزادہ اپنی فضیلت، دانش اور ہنر میں بے مثل تھا، اس کی مجلس ہمیشہ بڑے بڑے فاضلوں اور شاعروں سے آراستہ رہتی تھی اور وہ ان کو ہر طرح کی عنایتوں اور مہربانیوں سے سرفراز کرتا رہتا تھا، زمانہ اس کے جود و کرم کی وجہ سے بہار اور چمن بنا ہوا تھا اور اس کا (یعنی زمانہ کا) جیب و دامن نسرین و نسترن سے پر تھا امیر خسرو اور خواجہ حسن جیسے لوگ ملتان میں اس کے ندیم خاص رہے، وہ دوسرے درباریوں سے زیادہ ان دونوں کی عزت کرتا تھا اور ان کی نظم و نثر سے محظوظ ہوتا تھا، وہ اس قدر مہذب اور شائستہ تھا کہ اگر کسی مجلس میں تمام دن اور رات بیٹھنا پڑتا تو بھی اپنا زانو او نچا نہ کرتا تھا، قسم کے وقت صرف حقا کا لفظ اس کی زبان پر ہوتا، شراب کی مجلس اور بدمستی میں بھی اس کی زبان سے کوئی نا ملائم لفظ نہ نکلتا:

ادب بزرگ کند مرد را تو شاید طبع — بحیلہ ادب آری تا بزرگ شوی

اس کی خوش گوار علمی مجلس میں شاہ نامہ، دیوانِ خاقانی، انوری، خمسہ نظامی اور امیر خسرو کے اشعار پڑھے جاتے تھے، ارباب فہم و دانش اس کی شعر فہمی کے معترف تھے، امیر خسرو فرماتے تھے کہ میں نے سخن فہمی، باریک بینی، ذوق صحیح اور متقدمین اور متاخرین کے اشعار کی یادداشت میں سلطان محمد جیسا کسی کو نہ پایا، اس کے پاس ایک بیاض تھی، جس میں مشہور شعرا کے منتخب اشعار خوش خط منقول تھے، امیر خسرو اور خواجہ حسن اشعار کے انتخاب کی خوبی اور اس کی (یعنی سلطان محمد کی) سخن فہمی اور نکتہ رسی کے مداح تھے، اس کی شہادت کے بعد سلطان غیاث الدین بلبن نے یہ بیاض امیر علی جامدار کو دی جس کے بعد امیر خسرو کو ملی، اس زمانہ کے تمام شعرا نے اس بیاض کو دیکھا اور ان منتخب اشعار کو اپنی اپنی بیاض میں نقل کیا، اور ایسے نوجوان شہزادہ کی وفات پر رنجیدہ ہوئے، جس زمانہ میں سلطان محمد ملتان میں مقیم تھا، شیخ عثمان ترمذی جو اپنے وقت کے بہت بڑے بزرگ تھے، وہاں تشریف لائے، اس نے ان کی بڑی تعظیم اور خاطر داری کی، ان کی خدمت میں نذر اور ہدیہ پیش کیا، اور بہت اصرار کیا کہ وہ ملتان میں قیام فرمائیں اور ان کے لیے ایک خانقاہ تعمیر کرائی جائے اور اس کے مصارف کے لیے گاؤں وقف کیے جائیں مگر شیخ عثمان ترمذی نے اس کو قبول نہ کیا اور وہاں سے چل کھڑے

Marfat.com

ہوئے، ایک روز شیخ عثمان اور شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے صاحب زادے شیخ صدر الدین شہزادہ کی مجلس میں تشریف رکھتے تھے، مجلس میں عربی اشعار پڑھے جاتے تھے، کسی شعر کو سن کران بزرگوں اور مجلس کے تمام درویشوں پر وجد طاری ہوگیا اور وہ رقص کرنے لگے، محمد خاں سلطان شہید ان کے سامنے دست بستہ کھڑا رہا، اور برابر زار و قطار روتا رہا، اگر کوئی شخص اس کی مجلس میں کوئی نصیحت آمیز شعر پڑھتا تو دنیا کو دل سے بھلا کر اس کو بڑے شوق سے سنتا اور اس پر رقت طاری ہو جاتی[1]۔"

فرشتہ کے مندرجہ بالا بیان کی لفظ بہ لفظ تصدیق مولانا ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی سے بھی ہوتی ہے جو بلبن کے عہد کی سب سے زیادہ معتبر اور مستند تاریخ ہے، مولانا ضیاء الدین برنی نے شہزادہ محمد سلطان کی بیوی کے طلاق اور پھر شیخ صدر الدین سے اس کے نکاح کا ذکر مطلق نہیں کیا ہے، بلکہ وہ شہزادہ کے ان تمام محاسن و اوصاف کو لکھ کر، جن کا فرشتہ نے ذکر کیا ہے، ان الفاظ میں شہزادہ کی وفات کا ماتم کرتے ہیں:

"میں نے بارہا امیر خسرو اور امیر حسن کو حسرت اور افسوس کے ساتھ کہتے سنا کہ اگر ہم لوگوں اور دوسرے ارباب ہنر کی قسمت یاور ہوتی تو خان شہید زندہ رہتا اور بلبنی تخت پر متمکن ہوتا اور ہم اور تمام ارباب ہنر روپیوں میں غرق ہو جاتے لیکن ارباب فضل و کمال کی قسمت کھوٹی تھی، زمانہ نے ان کی طرف کبھی انصاف کی آنکھوں سے نہیں دیکھا اور نہ کبھی ان کو صاحب دولت و استطاعت دیکھ سکتا ہے، غدار اور سفلہ نواز فلک میں اتنی طاقت کہاں سے آسکتی تھی کہ ایک مہربان ہنر شناس اور ہنر پرور بادشاہ کو شاہی تخت پر بیٹھنے دیتا اور ارباب ہنر کو فروغ ہوتا، فلک کے کام میں یہی شتر گربگی ہے کہ زمانہ کی بے نظیر و عدیم المثال شخصیتوں کو حاجت مند اور ضرورت مند بنائے رکھتا ہے اور گم نام اور ناکام لوگوں کو جن کے حلق میں گندہ پانی اور ناپاک چیزیں ہونی چاہئیں، ہزار ناز و نعمت کے ساتھ پرورش کرتا ہے، ریچھ اور سور کو تو مرصع اور مکلل اور عندلیب و بلبل کو قفس میں ذلت کے ساتھ مہجور و محبوس اور مایوس رکھتا ہے[2]۔"

---

[1] فرشتہ، ج ۱، ص ۷۱، تاریخ فیروز شاہی، ص ۱۸۳-۱۸۹ [2] تاریخ فیروز شاہی، ص ۶۸-۶۹۔

Marfat.com

خود امیر خسرو شہزادہ محمد سلطان کے ساتھ مغلوں کی مہم میں تھے اور شہزادہ کی شہادت کے بعد مغلوں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر محبوس بھی رہے، شہزادہ کی شہادت پر ایک خوں چکاں مرثیہ بھی کہا تھا، مگر کہیں اس کی بیوی کے طلاق و نکاح کا ذکر نہیں کیا ہے، میر حسن نے بھی نثر میں شہزادہ کی وفات حسرت آیات پر آنسو بہائے ہیں لیکن اس میں بھی شہزادہ کی بیوی کے حلالہ کا کہیں ذکر نہیں، امیر خسرو اور میر حسن کے مراثی و ماتم نامے اس قدر مقبول ہوئے کہ لوگ شہزادہ کی یاد تازہ رکھنے کے لیے ان کو برابر اپنے مطالعہ میں رکھتے تھے، چنانچہ تیموری دور کے مؤرخ ملا عبدالقادر بدایونی نے میر حسن اور امیر خسرو کے مراثی کو اپنی منتخب التواریخ میں چوبیس صفحوں میں نقل کیا ہے[1]، مگر شہزادہ محمد سلطان اور صدر الدینؒ کی کشیدگی اور ناگواری کا کہیں اشارہ تک نہیں ہے، البتہ طبقات اکبری میں اس واقعہ کا کچھ ذکر ہے، مگر مؤلف کو خود اس کی صحت میں شک ہے، اس لیے اس روایت کی ابتدا گویند[2] سے کی ہے، یعنی یہ عوام کی روایت ہے، راقم السطور کی بھی یہی رائے ہے کہ یہ واقعہ محض عقیدت مند عوام کی روایت ہے، جس کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔

صحبت کیمیا اثر: حضرت شیخ صدر الدین کی کیمیا اثر صحبت اور تربیت سے متعدد اربابِ کمال پیدا ہوئے، جو مختلف مقامات میں مخلوق خدا کے ظاہری و باطنی اخلاق کو آراستہ کرنے میں مشغول تھے، شیخ جمال خنداں ان سے تربیت پانے کے بعد اوچھ میں قیام پذیر ہوئے اور وہاں کی مخلوق کو فیض یاب کرنے کے بعد اسی سرزمین میں آسودۂ خواب ہیں، ایک دوسرے خلیفہ شیخ حسام الدین ملتانی کو بدایوں میں رہنے کا حکم ملا تھا، چنانچہ وہ آخر وقت تک یہیں رہے اور یہیں ان کا مزار ہے، ایک اور خلیفہ مولانا علاء الدین خجندی حضرت شیخ صدر الدین کی خدمت میں چودہ سال تک رہے، ان کا سب سے بڑا وصف یہ تھا کہ وہ روز دو دفعہ کلام پاک ختم کرتے تھے، ان کے مرشد ان کو محبوب اللہ کہا کرتے تھے، ان خلفا میں شیخ

[1] منتخب التواریخ، ج ۱، ص ۱۳۱-۱۵۵ [2] طبقات اکبری، ج ۱، ص ۸۸۔

Marfat.com

احمد ابن محمد قندھاری المعروف بہ شیخ احمد معشوق پر سب سے زیادہ جذب وسکر کی کیفیت طاری رہتی، اس کوچہ میں آنے سے پہلے وہ گھوڑوں اور دوسری چیزوں کے تاجر تھے، دولت کی فراوانی کی وجہ سے عیش وعشرت میں مشغول رہتے تھے، محفل نشاط میں شراب سے بھی شغل کرتے تھے، ایک بار تجارت کے سلسلہ میں قندھار سے ملتان آئے تو حضرت شیخ صدرالدین کی زیارت کے لیے بھی حاضر ہوئے، شیخ نے اپنا جھوٹا ایک لقمہ ان کو کھانے کو دیا، اس کو کھاتے ہی عجیب کیفیت ان پر طاری ہوگئی، اسی وقت تجارت کا سارا سامان فقراء ومساکین میں تقسیم کر دیا اور مرشد کی خانقاہ میں عزلت نشین ہوگئے اور سات سال تک تربیت پاتے رہے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ ان کے بارے میں فوائد الفواد میں فرماتے ہیں کہ:

''ایک بار چلہ کے جاڑے میں آدھی رات کو وہ باہر آئے اور پاس ہی بہتے ہوئے پانی میں جا کر کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے کہ الٰہی! میں اس وقت تک اس جگہ سے باہر نہ نکلوں گا جب تک مجھ کو یہ نہ معلوم ہو جائے کہ میں کیا ہوں، ان کے کان میں آواز آئی کہ تم وہ ہو کہ تمہاری وجہ سے قیامت کے روز بہت سے لوگ دوزخ سے محفوظ رہیں گے، شیخ احمد نے کہا کہ صرف اس بات پر اکتفا نہیں کر سکتا ہوں، پھر آواز سنی کہ تم وہ ہو کہ قیامت کے روز تمہاری عنایت کی وجہ سے بہت سے لوگ بہشت میں جائیں گے، شیخ احمد نے کہا کہ اس سے بھی تسلی نہیں ہوئی، میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ میں کیا ہوں، آواز آئی کہ ہم نے حکم کر دیا ہے کہ سارے درویش اور عارف ہمارے عاشق ہوں مگر تم ہمارے معشوق ہو، یہ سن کر خواجہ احمد پانی سے نکل کر شہر کی طرف چلے گئے، راستہ میں جو شخص ان سے ملتا ''السلام علیکم یا شیخ احمد معشوق'' کہتا۔''

فوائد الفواد میں ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ مذکورہ بالا واقعہ بیان کر کے زار وقطار رونے لگے، کسی نے اس مجلس میں کہا کہ شیخ احمد نماز نہیں پڑھتے تھے، خواجہ صاحب نے فرمایا کہ ہاں جب ان سے کہا جاتا کہ وہ نماز کیوں نہیں پڑھتے تو کہتے کہ نماز پڑھوں گا مگر سورہ فاتحہ نہیں پڑھوں گا، اس پر اعتراض ہوتا کہ یہ نماز درست نہ ہوگی اور جب ان سے

Marfat.com

اور اصرار کیا جاتا تو کہتے سورہ فاتحہ پڑھوں گا مگر ایاک نعبدو ایاک نستعین چھوڑ دوں گا، پھر ان سے کہا جاتا کہ اس آیت کو بھی پڑھنا ہوگا، اس ردوقدح کے بعد وہ نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے، مگر سورہ فاتحہ پڑھتے وقت جب مذکورۂ بالا آیت زبان پر ہوتی تو ان کے ہر بن مو سے خون جاری ہو جاتا اور نماز توڑ دیتے اور حاضرین کو مخاطب کر کے کہتے کہ ایسی حالت میں نماز کیسے جائز ہو سکتی ہے[1]، واللہ عالم بالصواب۔

علمی یادگار: حضرت شیخ صدرالدینؒ نے ان روحانی یادگاروں کے علاوہ ایک علمی یادگار کنوز الفوائد بھی چھوڑی ہے، یہ ان کے ملفوظات کا مجموعہ ہے، جس کو ان کے ایک مرید خواجہ ضیاء الدین نے مرتب کیا تھا، راقم السطور کی نظر سے یہ کتاب نہیں گزری مگر اخبار الاخیار میں اس کے طویل اقتباسات ہیں[2]، ان ہی کی مدد سے ہم شیخ صدرالدین کی صوفیانہ تعلیمات کا خاکہ ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

تعلیمات: فرماتے تھے کہ حدیث قدسی میں ہے کہ لاالہ الااللہ حصنی فمن دخلہ امن عذابی یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہے کہ لاالہ الا اللہ میرا قلعہ (حصن) ہے، جو کوئی اس کے اندر داخل ہوا وہ میرے عذاب سے محفوظ ہو گیا، اس قلعہ کی تصریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قلعہ کی تین قسمیں ہیں، ظاہر، باطن اور حقیقت، حصن ظاہر یہ ہے کہ بندہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ خوف زدہ ہو اور نہ کسی سے کوئی امید رکھے، اگر تمام دنیا کے لوگ اس کے دشمن ہو جائیں تو اس سے متردد نہ ہو، اگر دنیا والے اس کے دوست ہو جائیں تو اس سے خوش نہ ہو کیوں کہ خداوند تعالیٰ کے حکم کے بغیر نفع وضرر اور خیر وشر کا ظہور نہیں ہوتا، حصن باطن یہ ہے کہ یقین ہو کہ موت سے پہلے جو کچھ بھی پیش آتا ہے، وہ بالکل عارضی اور آنی وفانی ہے اور دنیا کی کسی چیز کو ثبات نہیں، اس لیے اس کی ہستی ونیستی قابل التفات نہیں، حصن حقیقت یہ ہے کہ دل میں نہ بہشت کی آرزو ہو اور نہ دوزخ کا

---

[1] فوائد الفوائد، ص ۲۵۸-۲۵۷ [2] اخبار الاخیار، ص ۵۹-۶۱۔

Marfat.com

خوف ہو، صرف اللہ ہی اللہ ہو، دل میں جب یہ سچائی راسخ ہو جاتی ہے تو بہشت خود بہ خود پیچھے پیچھے چلی آتی ہے۔

ایک اور موقع پر مریدوں سے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی پیروی کی پہلی شرط یہ ہے کہ جس پر آپ ﷺ ایمان لائے، اس پر ایمان لاکر بندہ ثابت قدم رہے، اور شک وشبہہ کے بجائے رغبت ومحبت اور معرفت کے ساتھ دل میں یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی ذات میں اکیلا اور اپنی صفات میں یگانہ ہے، وہ تمام صفات کمالیہ سے متصف ہے، اسمائے صفات اور افعال کے لحاظ سے قدیم ہے، اوہام وافہام کی ادراک سے بالاتر ہے، حدوث، عوارض اور اجسام کی علامتوں سے پاک ہے، تمام عالم اسی کا پیدا کیا ہوا ہے، اس کی ذات وصفات میں چوں وچرا کرنا جائز نہیں ہے، وہ خود کسی چیز سے مشابہ ہے اور نہ کوئی چیز اس سے مشابہ ہے، تمام پیغمبر اسی کے بھیجے ہوئے ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ تمام پیغمبروں میں افضل ہیں اور جو کچھ آپ ﷺ نے فرمایا ہے، صحیح اور درست ہے اور اس میں کوئی تفاوت نہیں، خواہ یہ باتیں عقل میں آئیں یا نہ آئیں، اگر نہ آئیں تو بھی ان کو تسلیم کر لینا چاہیے تاکہ اعتقاد درست رہے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے خدا کے حکم کو جانا، اس کی کیفیت اور کنہ معلوم کرنے کی کوشش نہ کی، اگر خداوند تعالیٰ کے حکم کی تاویل آیات اور احادیث کے مطابق ہو تو تاویل کرنا جائز ہے، ایمان کی صحت کی علامت یہ ہے کہ اگر بندہ نیک کام کرے تو اس کو خوشی محسوس ہو اور اگر اس سے برائی سرزد ہو تو اس کو برائی برائی معلوم ہو، بندہ کے ایمان کے استقامت کی علامت یہ ہے کہ وہ علم کے بجائے ذوق وحال کی بنا پر اللہ اور رسول کو محبوب رکھے۔

ایک دوسرے موقع پر مریدوں کو نصیحت کی کہ کوئی سانس ذکر کے بغیر باہر نہ نکلنا چاہیے، کیوں کہ بزرگوں نے کہا ہے کہ جو کوئی ذکر کے بغیر سانس لیتا ہے، وہ اپنا حال ضائع کرتا ہے، ذکر کے وقت وسوسہ اور حدیث نفس سے گریز کرنا چاہیے اور جب یہ صفت پیدا ہو

Marfat.com

جائے گی تو وسوسے اور حدیث نفس ذکر کے نور سے جل جائیں گے اور دل میں نور ذکر اترتا جائے گا اور اس میں ذکر کی حقیقت متمکن ہو جائے گی، پھر ذکر مذکور کے مشاہدہ کے ساتھ ہوگا اور دل نور کے یقین سے منور ہو جائے گا اور یہی طالبوں اور سالکوں کا مقصود ہے:

ع ایں کارِ دوست است کنوں تا کراں رسد

ایک اور موقع پر مریدوں کو تلقین کی کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو بندہ سعید لکھ دیتا ہے اور اس کو زبان کے ذکر کے ساتھ قلب کی موافقت کی توفیق عطا کرتا ہے اور زبان کے ذکر سے قلب کے ذکر کی جانب ترقی دیتا ہے، یہاں تک کہ اگر زبان ذکر سے خاموش رہتی ہے تو قلب خاموش نہیں ہوتا، یہی ذکر کثیر ہے اور اس ذکر تک بندہ اس وقت تک نہیں پہنچتا جب تک کہ وہ نفاق سے بری نہ ہو، جس کا اشارہ محمد رسول اللہ ﷺ کے اس قول میں ہے کہ میری امت کے اکثر منافق اس کے قاری ہیں، اس نفاق سے مراد غیر خدا کے ساتھ وقوف اور تعلق باطن ہے، اس سے پرہیز ضروری ہے، باطن کا لگاؤ صرف خدا کے ساتھ ہونا چاہیے، پس جب بندہ کو تجرید ظاہری یعنی ناپسندیدہ چیزوں سے علاحدگی کی توفیق ہوتی ہے اور وہ برے وساوس اور اخلاقِ مذمومہ سے پاک وصاف ہو کر تفرید باطن سے معزز ہوتا ہے، تو قریب ہوتا ہے کہ اس کے باطن میں نور کا ذکر متجلی ہو جائے اور شیطانی وساوس اور نفسانی خواہشات اس سے دور ہو جائیں اور اس کے باطن میں نور کے ذکر کا جوہر نمایاں ہو جائے، یہاں تک کہ اس کا ذکر مشاہدۂ مذکور کو متجلی کر دے اور یہ وہ مرتبہ بلند اور عطیہ عظمیٰ ہے کہ اس کے حصول کے لیے امت کے اصحابِ ہمت اور اربابِ بصیرت کی گردنیں بڑھتی ہیں۔

وفات: حضرت شیخ صدرالدین قدس سرہ کا وصال ملتان میں ۳ / ماہ ذی الحجہ کو ظہر و عصر کے درمیان ہوا، تاریخ فرشتہ میں سال وفات ۶۷۶ھ ہے[1]، جو غلط معلوم ہوتا ہے، سفینۃ الاولیا اور مراۃ الاسرار میں ۶۸۴ھ درج ہے، سفینۃ الاولیا کے مصنف کا بیان ہے کہ:

Marfat.com

"در ملتان بخانقاہ والد بزرگ وار خود ہژدہ سال بعد از ایشاں بہ ارشاد و تکمیل طالبان و مریدان اشتغال داشتند[2]"

حضرت بہاء الدین زکریاؒ کے سال وفات کی صحیح تعیین نہیں ہو سکی ہے، اگر سیر الاولیا کی روایت کے مطابق ان کی وفات ۶٦٧ھ تسلیم کرلیا جائے تو اٹھارہ سال اور جوڑنے کے بعد حضرت شیخ صدر الدین کا سال وصال ۶۸۵ھ ہوتا ہے، مگر سفینۃ الاولیا اور مرأۃ الاسرار نے ۶۸۴ھ لکھا ہے، مرأۃ الاسرار کے مؤلف کا بیان ہے کہ وفات کے وقت عمر شریف ۶۹ سال کی تھی، مگر بعض تذکروں میں ۷۳ سال بھی بتائی جاتی ہے، اس لیے تاریخ ولادت کی تعیین مشکل ہے، گو بعض روایتوں کے مطابق شب جمعہ ۶۱۱ھ بتائی گئی ہے، مرقد مبارک ملتان ہی میں حضرت بہاء الدین زکریاؒ کے پہلو میں ہے۔

---

[1] تاریخ فرشتہ، ج ۲، ص ۴۱۱ [2] سفینۃ الاولیا، ص ۱۹۹۔

Marfat.com

حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ

وجہ تسمیہ گنج شکر: اسم گرامی مسعود، لقب فرید الدین تھا، مگر عام طور سے بابا گنج شکر کے لقب سے مشہور تھے، گنج شکر کی وجہ تسمیہ مختلف بتائی جاتی ہے، سیر العارفین کے مؤلف کا بیان ہے کہ جس زمانہ میں اپنے مرشد حضرت خواجہ بختیار کا کی کی خدمت میں تربیت حاصل کر رہے تھے، تو ایک بار انہوں نے سات دن تک متواتر روزے رکھے، ایک دن افطار کے وقت اپنے حجرے غزنین دروازہ سے خواجہ بختیار کا کیؒ کے پاس جا رہے تھے کہ ایک جگہ کیچڑ میں پاؤں پھسل گیا اور آپ زمین پر گر پڑے، کچھ کیچڑ منھ میں چلی گئی، مگر اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت سے کیچڑ شکر بن گئی، مرشد کی خدمت میں پہنچ کر یہ واقعہ بیان کیا، انہوں نے فرمایا، اگر مٹی تمہارے منھ میں شکر بن گئی تو خداوند تعالیٰ تمہارے سارے وجود کو شکر بنا دے گا اور تم ہمیشہ شیریں رہوگے، اسی کے بعد سے گنج شکر مشہور ہو گئے[1]

سیر الاقطاب کے مصنف کا بیان ہے کہ ایک بار خواجہ فرید الدینؒ نے متواتر روزے رکھے، ایک دن افطار میں کوئی چیز کھانے کو نہ ملی، حالت گرسنگی میں رات کو سنگ ریزے منھ میں رکھ لیے، یہ سنگ ریزے شکر ہو گئے، جب یہ خبر خواجہ بختیار کا کی کو پہنچی تو فرمایا، فرید گنج شکر ہے[2]

جواہر فریدی میں ہے کہ ان کو بچپن میں شکر سے بڑی رغبت تھی، اس لیے ان کی والدہ ان کو نماز پڑھنے کی ترغیب کی خاطر جانماز کے نیچے شکر رکھ دیتیں، نماز پڑھ کر جانماز کو الٹتے تو شکر

---

[1] سیر العارفین، ص ۴۶-۴۷ [2] سیر الاقطاب، ص ۱۶۵۔

Marfat.com

ملتی، اسی شوق میں نماز پڑھتے، ایک روز ان کی والدہ کسی مہمان کی خاطر مدارات میں لگی رہیں، جانماز کے نیچے شکر نہ رکھ سکیں لیکن حضرت فریدالدینؒ نے حسب معمول نماز پڑھی اور جانماز الٹی تو وہاں اور بھی زیادہ شکر ملی، ان کی والدہ کو یاد آیا تو نماز کے لیے بلایا لیکن ان کو معلوم ہوا کہ انہوں نے نماز پڑھ لی اور ان کو شکر بھی مل گئی، اسی کے بعد گنج شکر کہلائے، (ص ۲۵۳) خزینۃ الاصفیا کے مصنف نے تذکرۃ العاشقین کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ایک سوداگر اونٹوں پر شکر لاد کر ملتان سے دہلی جا رہا تھا، جب وہ اجودھن پہنچا تو شیخ فریدالدینؒ نے اس سے پوچھا، اونٹوں پر کیا ہے؟ سوداگر نے تمسخر سے جواب دیا، نمک ہے، یہ سن کر شیخ فریدالدینؒ نے فرمایا، بہتر ہے، نمک ہی ہوگا، سوداگر جب اپنی منزل مقصود پر پہنچا تو اونٹوں پر شکر کے بجائے نمک پا کر سخت گھبرایا، اسی وقت واپس ہوا اور شیخ فرید کی خدمت میں حاضر ہو کر تقصیر کی معافی چاہی، شیخ نے فرمایا، اگر شکر تھی تو شکر ہو جائے گی، چنانچہ پھر نمک شکر میں تبدیل ہو گیا، بیرم خاں خان خاناں نے اس واقعہ کو منظوم کیا ہے، اس کا ایک شعر یہ ہے:

کانِ نمک جہانِ شکر شیخ بحر و بر آں کر شکر نمک کند و از نمک شکر[1]

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت شیخ فریدالدینؒ جب جنگلوں اور پہاڑوں میں ریاضت کر رہے تھے تو ایک دن ان کو بہت پیاس معلوم ہوئی، ایک کنویں کے پاس پہنچے لیکن وہاں ڈول اور ڈوری نہ تھی، ناامید ہو کر کنویں کے پاس کھڑے ہو گئے، تھوڑی دیر میں دو جنگلی ہرن کنویں کے پاس آئے، کنویں کا پانی ابل کر کنارہ تک آ گیا، دونوں ہرنوں نے اپنی پیاس بجھائی، شیخ فریدالدین بھی پانی پینا چاہتے تھے کہ پانی گہرائی میں اتر گیا، شیخ فریدالدین متحیر ہوئے، آسمان کی طرف منھ اٹھا کر کہا، الٰہی! ہرنوں کو تو تو نے پانی پلا دیا اور اپنے بندے کو کیوں محروم کر دیا؟ آواز آئی تو نے ڈول اور ڈوری پر اعتماد کیا اور ان جانوروں نے مجھ پر بھروسہ کیا، اس لیے تم محروم رہے اور وہ دونوں ہرن سیراب ہوئے، یہ سن کر شیخ فریدالدینؒ بہت متاسف

---

[1] خزینۃ الاصفیا، ص ۲۹۲، ج اول۔

Marfat.com

ہوئے اور نفس کشی کے لیے چالیس روز تک چلہ معکوس کیا، اس مدت میں پانی کا ایک قطرہ بھی منھ میں نہ ڈالا، چلہ ختم ہونے کے بعد ایک مٹھی خاک منھ میں ڈالی جو فوراً شکر ہوگئی، غیب سے آواز آئی، اے فرید! تیرے چلہ کو ہم نے قبول کیا اور تجھ کو اپنے لیے چن لیا اور شیریں سخنوں کے گروہ میں تجھ کو گنج شکر بنایا[1]

اسی طرح کی کچھ اور روایتیں بھی ہیں۔

مولد: حضرت شیخ فریدالدین کی ولادت باسعادت قصبہ کھتوال (کہوتوال، کوٹھی وال، کنھی وال) ضلع ملتان میں ہوئی۔

سنہ ولادت: سیر الاولیا (ص ۹۱) میں ہے کہ وہ ۵۶۹ھ میں پیدا ہوئے[2]، اور ۹۵ سال کی عمر میں ۶۶۴ھ میں وفات پائی لیکن فوائد الفواد (ص ۵۳) میں ہے کہ انہوں نے ۹۳ سال کی عمر پائی، اس لحاظ سے ان کا سال ولادت ۵۷۱ھ ہوتا ہے، اور اگر تاریخ ولادت ۵۶۹ھ ہی صحیح تسلیم کر لی جائے تو سال وفات ۶۶۲ھ ہوتا ہے لیکن سیر الاولیا، جواہر فریدی، اخبار الاخیار، سفینۃ الاولیا میں تاریخ وفات ۵/محرم روز سہ شنبہ ۶۶۴ھ مذکور ہے، پھر ۹۳ سال کی عمر کو مستند سمجھ کر تاریخ ولادت ۵۷۱ھ ہوتی ہے، بعد کے تذکرہ نگاروں نے ولادت اور وفات کی تاریخ لکھنے میں غلطیاں کی ہیں، مثلاً تاریخ فرشتہ اور خزینۃ الاصفیا میں سال ولادت ۵۸۴ھ لکھا ہے، سال وفات میں بھی بڑا اختلاف ہے، تاریخ فرشتہ میں ۶۶۰ھ، سیر الاقطاب میں ۶۹۰ھ اور خزینۃ الاصفیا میں مخبر الواصلین اور تذکرۃ العاشقین کے حوالہ سے ۶۷۰ھ مرقوم ہے جو صحیح نہیں۔

شجرۂ خاندانی: مختلف تذکروں میں مختلف شجرے لکھے ہوئے ہیں، مثلاً خزینۃ الاصفیا میں حسب ذیل شجرہ ہے: (ج ۱، ص ۲۸۷)

شیخ فریدالدین گنج شکر قدس سرہ بن جمال الدین سلیمان بن شیخ مسعود بن شیخ احمد بن شیخ یوسف بن شیخ محمد بن شیخ شہاب الدین بن شیخ احمد المشہور بفرخ شاہ بادشاہ کابل بن

[1] خزینۃ الاصفیا، ج ۱، ص ۲۹۳ [2] سیر الاولیا، ص ۹۱، سیر الاقطاب، ص ۱۶۳۔

Marfat.com

نصیر الدین بن محمود المعروف بہ نشیمان شاہ بن سامان شاہ بن سلیمان بن مسعود بن عبد اللہ بن واعظ الاکبر ابوالفتح بن اسحٰق بن قطب العالمین سلطان ابراہیم بادشاہ بلخ بن ادہم بن سلیمان بن ناصر بن عبد اللہ بن امیر المومنین فاروق الاعظم عالی جناب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔

لیکن سیر الاقطاب (ص ۱۶۳) پر حسب ذیل نسب نامہ درج ہے:

حضرت فرید الدین گنج شکر مسعود قدس اللہ تعالیٰ سرہ بن شیخ سلیمان بن شیخ شعیب بن شیخ محمد احمد بن شیخ یوسف بن شیخ شہاب الدین المعروف بفرخ شاہ بن نصر فخر الدین محمود بن سلیمان بن شیخ مسعود بن عبد اللہ واعظ الاصغر بن واعظ الاکبر ابوالفتح بن شیخ اسحٰق بن شیخ ناصر بن شیخ عبد اللہ بن امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔

مذکورۂ بالا دونوں شجروں میں بڑا اختلاف ہے، پھر تمام تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کابل کے بادشاہ فرخ شاہ کے خاندان سے تھے۔

سیر الاولیا کے مؤلف کا بیان ہے کہ بابا صاحب کا آبائی تعلق شاہِ کابل فرخ شاہ عادل کے خاندان سے تھا، چنگیز خانیوں کی یورش میں ان کے خاندان کے افراد تباہ ہوئے تو ان کے جد بزرگ وار قاضی شعیب اپنے تین لڑکوں کے ساتھ لاہور آئے، پھر قسور میں آباد ہوگئے، جس کے بعد وہ کہتوال کے قاضی مقرر ہوئے[1] لیکن سیر العارفین کے مؤلف کا یہ بیان عجیب وغریب ہے کہ آپ کے پدر بزرگ وار مسمی جمال الدین سلیمان نواحِ کابل سے سلطان شہاب الدین غوری خواہرزادہ سلطان محمد غزنوی کے عہد سلطنت میں ملتان آئے اور نواحِ ملتان میں قصبہ کوتہوال میں سکونت اختیار کی، سیر الاقطاب (ص ۱۶۳) نے اس بیان کو لکھ کر اور بھی زیادہ خلط ملط کیا ہے:

''پدر بزرگ وار آں حضرت خواہرزادہ سلطان محمود غزنوی است۔''

تاریخ فرشتہ (جلد دوم ص ۳۸۳) کے بیان میں وضاحت ہے:

---

[1] سیر الاولیا، ص ۵۹۔

Marfat.com

''پدر بزرگ وار گہر شیخ موسوم بکمال الدین سلیمان در عہد سلطان شہاب الدین غوری از کابل بملتان آمد وقضائے قصبہ کھتوال کہ نزدیک ملتان است یافت۔''

فرشتہ کا یہ بھی بیان ہے کہ:

''جد بزرگ وارش مشہور بہ فرخ شاہ زمام حکومت کابل درکشف داشت۔''

یہ سیر الاولیا ہی کی روایت پر بھروسہ کرکے لکھا گیا ہے، لیکن مؤرخوں کو کابل کی تاریخوں میں فرخ شاہ کا نام نہیں ملتا۔

کھتوال میں شیخ جمال الدین نے ملا وجیہ الدین کی دختر نیک اختر[1] مریم خاتون سے شادی کی جن سے تین فرزند ہوئے، (۱) اعز الدین محمود[2]، (۲) فرید الدین مسعود، (۳) نجیب الدین المتوکل۔

ابتدائی تعلیم: حضرت شیخ فریدؒ نے ابتدائی تعلیم کھتوال میں ہی اپنی والدہ کی نگرانی میں پائی، جو بہت ہی ''صالحہ، پارسا اور کاملہ''[3] تھیں، مزید تعلیم کے لیے ملتان پہنچے جو اس وقت قبۃ الاسلام بنا ہوا تھا[4] اور وہاں جید علما کا اجتماع تھا، خیر المجالس (ص ۲۲۰) میں ہے کہ انہوں نے ملتان میں سرائے حلوانی کے پاس ایک مسجد میں قیام کیا، سیر العارفین کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسی مسجد میں مولانا منہاج الدین ترمذی سے فقہ کی ایک کتاب نافع پڑھی اور کلام پاک بھی حفظ کیا اور ہر رات ایک بار کلام مجید ختم کرتے تھے، خیر المجالس اور سیر الاولیا دونوں میں ہے کہ اسی مسجد میں حضرت شیخ فریدؒ ایک روز نافع کا مطالعہ کررہے تھے، وہاں حضرت قطب الدین بختیار کاکی تشریف لائے، تحیت مسجد پڑھی اور شیخ فرید کو پڑھتے دیکھ کر پوچھا کہ کون سی کتاب ہے؟ شیخ فرید نے جواب دیا، نافع، تو حضرت قطب الدین بختیارؒ نے فرمایا ''نافع سے نفع ہوگا'' یہ سن کر حضرت شیخ فریدؒ حضرت قطب الدین بختیارؒ کے قدموں میں گر پڑے اور کہا:

---

[1] سیر العارفین و جواہر فریدی، ورق ۳۱۲ [2] تاریخ فرشتہ میں ان کا نام بھی غلطی سے فرید الدینؒ ہی طبع ہوگیا ہے، جلد دوم، ص ۳۸۳ [3] سیر الاقطاب، ص ۱۶۳ [4] سیر الاولیا، ص ۶۰۔

Marfat.com

''نفع من از کیمیائے سعادت بخش شمانہادہ داند۔''

اور پھر یہ دو شعر پڑھے:

مقبول تو جز مقبل جاوید نشد
وز لطف تو ہیچ بندہ نومید نشد

لطفت بکدام ذرہ پیوست دمے
کاں ذرہ بہ از ہزار خورشید نشد

سیر العارفین میں ہے کہ اسی وقت حضرت شیخ فرید بھی بیعت ہو گئے اور اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال کی تھی لیکن سیر الاولیا کی روایت ہے کہ ملتان سے دہلی آئے تو حضرت شیخ فریدؒ ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور مرید ہونے کے وقت قاضی حمید الدین ناگوریؒ، مولانا علاء الدین کرمانیؒ، سید نور الدین مبارک غزنویؒ، شیخ نظام الدین ابوالمویدؒ، مولانا شمس ترکؒ اور خواجہ محمود موئنہ دوزؒ جیسے بزرگانِ دین موجود تھے۔ (ص ۶۱)

سیر العارفین میں ہے کہ بیعت کے بعد حضرت قطب الدین بختیارؒ نے اپنے مرید سے فرمایا کہ ترک و تجرید میں علم ظاہری بھی حاصل کرتے رہو اور اس کے علم کے بعد دہلی میرے پاس آؤ اور اس نصیحت کے بعد حضرت شیخ فرید الدینؒ قندھار جا کر پانچ برس تک علوم ظاہری حاصل کرتے رہے، آئین اکبری (جلد دوم، ص ۱۶۹) میں ہے کہ وہ سیستان بھی گئے اور حضرت فرید الدین کے ملفوظات میں ہے کہ وہ غزنی، بغداد، بخارا، سیوستان اور بدخشاں وغیرہ کی سیاحت کر کے علوم ظاہری و باطنی حاصل کرتے رہے۔

حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے بزرگانِ دین سے فیوض حاصل کرنے کے لیے ایک مدت تک لمبے لمبے سفر کر کے ہر قسم کی صعوبتیں اور مشقتیں برداشت کرتے رہے، اس لیے اپنے خواجگان کی روایت کے مطابق حضرت فرید الدینؒ نے بھی سیاحت کی تو کوئی تعجب کی بات نہیں، اسی لیے آئین اکبری جلد دوم صفحہ ۱۶۹ میں ہے کہ:

''واز راہ دستوری گرفتہ بقندھار و سیستان بشتافت و باندوختن دانائی پرداخت۔''

Marfat.com

سیاحت: آئین اکبری میں صرف قندھار اور سیستان ہی کا ذکر ہے، لیکن راحت القلوب میں جن جن مقامات کی سیاحت کا جستہ جستہ ذکر ہے، ان کو ہم یہاں اس غرض سے قلم بند کرتے ہیں کہ یہ اندازہ ہو کہ وہ مختلف مقامات کے اولیاء اللہ کی صحبت سے کس طرح بہرہ مند ہوئے۔

فرماتے ہیں کہ میں نے بغداد میں شیخ شہاب الدین سہروردیؒ (المتوفی ۶۳۲ھ) کی زیارت کی اور ان سے کئی روز تک فیض صحبت حاصل کرتا رہا، کوئی دن ایسا نہیں گزرتا تھا کہ ان کی خانقاہ میں دس بارہ ہزار سے کم فتوح آتی ہو اور وہ اس کو اسی روز راہِ خدا میں خرچ نہ فرما دیتے ہوں، ایک پیسہ بھی شام تک باقی نہیں رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر میں ایک پائی بھی رکھوں تو مجھے درویش نہ کہیں گے بلکہ مال دار کہیں گے[1]۔

حضرت بابا گنج شکر کو حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے آخر عمر تک بڑی عقیدت رہی، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی تصنیف عوارف المعارف کو آپ (یعنی حضرت بابا گنج شکرؒ) بڑی خوش اسلوبی سے پڑھاتے تھے اور آپ کے پڑھانے میں یہ اثر تھا کہ سننے والوں کے ہوش بجا نہیں رہتے تھے، میں نے اس کتاب کے پانچ باب آپ ہی سے پڑھے اور آپ کے بیان کی لذت سے مجھ پر ایسی بے خودی طاری ہو جاتی کہ اگر ایسی حالت میں موت آجاتی تو ایک بڑی دولت ملتی، آپ کے گھر میں فرزند ارجمند پیدا ہوا تو اس کا نام بھی شہاب الدین ہی رکھا[2]۔

فرماتے ہیں کہ جب میں بغداد میں تھا تو برابر اسی خیال میں رہتا تھا کہ کسی اہل اللہ کی زیارت نصیب ہو، اپنا یہ خیال ہر کس و ناکس سے ظاہر کرتا اور بزرگانِ دین کا سراغ لگاتا، ایک بزرگ کا حال معلوم ہوا کہ وہ دریائے دجلہ کے کنارے ایک غار میں سکونت پذیر ہیں، میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ نماز میں مصروف تھے، جب نماز سے فارغ

---

[1] راحت القلوب، مطبع قاسمی، ص ۳ [2] فوائد الفواد، ص ۷۵۔

Marfat.com

ہوئے تو میں نے سلام کیا، سلام کا جواب دے کر فرمایا کہ بیٹھ جاؤ، میں بیٹھ گیا، ان کے چہرے سے بڑی عظمت وہیبت ظاہر ہوتی تھی، ان کا منہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا، میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا، اگر بزرگوں کی زیارت کی غرض سے یہ سفر اختیار کیا ہے تو اللہ تعالیٰ تم کو بھی بزرگی عطا فرمائے گا، میں نے سر تسلیم خم کیا، اس کے بعد فرمایا کہ کم وبیش پچاس سال سے اسی غار میں رہتا ہوں، حضرت جنید بغدادی کی اولاد سے ہوں، جڑی بوٹی میری غذا ہے، عرصہ بیس سال سے شب زندہ دار ہوں لیکن گذشتہ شب اتفاقاً میری آنکھ مصلے پر لگ گئی اور ایک خواب دیکھا، یہ رات معراج کی تھی، خواب میں اس رات کی فضیلت ظاہر ہوئی، خواب بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ جو شخص خدا کی طلب کرتا ہے، حق تعالیٰ بھی اس کا طالب ہوتا ہے، ان کا معمول تھا کہ عشا کی نماز کے بعد صبح تک نمازِ معکوس پڑھتے رہتے تھے[1]۔

حضرت بابا گنج شکرؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ جس وقت میں بغداد اور اس کے نواح میں سفر کر رہا تھا تو میری ملاقات خواجہ اجل سجزیؒ سے ہوئی، میں نے سلام کیا اور انہوں نے جواب دے کر مصافحہ کیا اور مجھ کو دیکھ کر فرمایا:

''بیا شکر عالم نیک آمدی بنشیں''

میں وہیں بیٹھ گیا، آپ نے میرے حال پر بہت لطف وکرم فرمایا اور کئی روز تک مجھ کو مہمان رکھا، میں نے اپنے قیام کے زمانہ میں دیکھا کہ کسی آنے والے کو خالی نہ جانے دیتے تھے، اگر کچھ موجود نہ ہوتا تو خستہ خرما ہی عطا فرماتے، میں جب رخصت ہونے لگا تو دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے رزق میں برکت دے، میں نے وہاں کے لوگوں سے سنا کہ آپ جیسا فرماتے ہیں ویسا ہی ہوتا ہے، اسی نواح میں ایک اور بزرگ سے ملاقات ہوئی، جو بہت ہی لاغر اندام تھے، ان کے جسم پر گوشت مطلق نہ تھا، جس مقام پر وہ رہتے تھے، وہ ایسے ویرانے میں تھا کہ وہاں چرند پرند بھی نہ تھے، میں سوچنے لگا کہ یہ بزرگ ایسے خرابہ میں کیوں رہتے ہیں، یہاں

---

[1] راحت القلوب، ص ۹-۱۰۔

Marfat.com

ان کی خورش کا سامان کہاں سے ہوتا ہوگا، وہ بزرگ میری طرف مخاطب ہوئے اور فرمانے لگے کہ مجھ کو اس غار میں رہتے ہوئے چالیس سال گزر گئے، میری خورش بجز خس وخاشاک کے کچھ اور نہیں، میں چند روز ان کی صحبت میں رہا، پھر وہاں سے بخارا کی طرف روانہ ہوا، وہاں شیخ سیف الدین باخرزی (المتوفی ۶۵۸ھ) سے ملاقات ہوئی، بڑے باعظمت اور پرہیبت بزرگ تھے، جب ان کی مجلس میں پہنچا اور سلام عرض کیا تو فرمایا، بیٹھ جاؤ، میں بیٹھ گیا، آپ ہر لحظہ میری جانب دیکھ کر فرماتے، یہ مشائخ میں سے ہوگا اور بہت سے اس کے مرید ہوں گے، تھوڑی دیر کے بعد اپنے دوش مبارک سے سیاہ کمبل اتار کر مجھ پر ڈال دیا اور فرمایا، یہ کمبل اوڑھ لو، میں نے اوڑھ لیا، چند روز آپ کی خدمت میں رہا، ایک دن بھی ایسا نہیں ہوتا تھا کہ تقریباً ایک ہزار آدمی ان کے دستر خوان پر کھانا نہ کھاتے ہوں، کوئی خانقاہ سے محروم نہ جاتا۔ (ص ۵)

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں کہ جب میں بخارا میں شیخ سیف الدین باخرزی (المتوفی ۶۶۷ھ) کی خدمت میں حاضر تھا تو ایک شخص ان کے پاس آیا اور عرض کیا کہ یا حضرت میں مال رکھتا ہوں لیکن کئی سال سے اس میں نقصان ہوتا ہے اور میں خود بھی بیمار ہو جاتا ہوں، اس سے اور بھی نقصان ہوتا ہے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب کسی مسلمان کے مال میں نقصان ہو تو سمجھنا چاہیے کہ اس کے دل میں کھوٹ ہے، اس کو نقصان اس لیے ہوتا ہے کہ اس کا ایمان درست ہو جائے۔

فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ سیف الدین باخرزی کے یہاں سے روانہ ہو کر میں ایک مسجد میں شب باش ہوا، یہاں خبر ملی کہ اس مسجد کے پاس ایک غار ہے، جہاں ایک اہل دل بزرگ رہتے ہیں، علی الصباح ان کی خدمت میں پہنچا، اس وقت تک میں نے ان کے جیسا پرہیبت بزرگ کسی اور کو نہیں پایا تھا، عالم تفکر میں کھڑے تھے، چار رات اور دن کے بعد عالم صحو میں آئے، میں نے سلام کیا، سلام کا جواب دے کر فرمایا، تم کو مجھ سے تکلیف پہنچی، بیٹھ جاؤ، میں بیٹھ گیا، فرمایا، میں خاندان شمس العارفین سے ہوں، تیس برس سے اس صومعہ میں

Marfat.com

رہتا ہوں لیکن اس مدت میں حیرت اور دہشت کے سوا مجھ کو کوئی اور چیز حاصل نہیں ہوئی، شاید تم اس کے سبب سے واقف نہ ہو، میں نے عرض کیا کہ مجھ کو اس کی وجہ معلوم نہیں، آپ ارشاد فرمائیں، فرمایا، یہ راہ راست بازوں کی ہے، جس شخص نے اس راہ میں راستی سے قدم رکھا وہ منزل مقصود کو پہنچا اور اس کو وصال دوست نصیب ہوا اور جس نے دوست کی رضا کے بغیر قدم بڑھایا وہ جل کر رہ جائے گا، میرے اور حق تعالیٰ کے درمیان ستر ہزار حجاب ہیں، جب پہلا حجاب اٹھا تو دیکھا کہ مقربانِ بارگاہ آنکھیں اوپر کیے ہوئے دیکھ رہے ہیں، اس طرح یکے بعد دیگرے حجاب اٹھتے گئے اور جب حجاب خاص کے پاس پہنچا تو آواز آئی کہ اس حجاب کے آگے وہی بڑھ سکتا ہے جس نے دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بے گانہ ہو کر مجھ سے رشتہ یگانگی جوڑا، میں نے عرض کیا کہ میں تمام چیزوں سے بے گانہ ہوں، آواز آئی کہ اگر تو نے سب کو چھوڑ دیا ہے تو مجھ سے مل گیا، اس وقت میں نے نگاہ ڈالی تو اپنے آپ کو اس صومعہ میں پایا، پس اے فرزند! اس راہ میں سب سے بے گانہ ہونا چاہیے تاکہ حق تعالیٰ سے رشتۂ یگانگی قائم ہو، اس کے بعد حضرت بابا گنج شکرؒ نے فرمایا کہ اس گفتگو کے بعد مغرب کی نماز کا وقت آیا تو ہم دونوں نے باجماعت نماز پڑھی، جب نماز سے فارغ ہوئے تو دو پیالہ آش اور چار روٹیاں آئیں، مجھ سے کھانے کو ارشاد فرمایا، میں نے کھانا ساتھ کھایا، عجیب مزے کا تھا، وہ حلاوت آج تک میں نے کسی اور کھانے میں نہیں پائی، اس رات کو میں وہیں مقیم رہا[1]۔

فرماتے ہیں جب میں نواح غزنی میں تھا تو ایک رات کسی مسجد میں شب باش ہوا، وہاں چند درویش رہتے تھے، ان میں سے ہر ایک بڑا عبادت گزار تھا، میں رات بھر ان کی خدمت میں رہا، صبح کو وہاں سے روانہ ہو کر ایک حوض پر پہنچا جہاں ایک بزرگ تشریف فرما تھے، وہ بہت لاغر، ضعیف اور کم زور تھے، میں نے لاغری اور کم زوری کا سبب پوچھا تو فرمایا، مجھے عارضۂ شکم ہے، دن بھر ان کی خدمت میں رہا، جب رات ہوئی تو ان کا عارضہ بڑھا، ان کا

---

[1] راحت القلوب، ص ۵،۶۔

Marfat.com

معمول تھا کہ ہر رات سو رکعت نفل ادا فرماتے لیکن دو رکعت کے بعد ان کو قضائے حاجت کی ضرورت ہوتی تھی، قضائے حاجت کے واسطے تشریف لے جاتے، واپس آ کر غسل فرماتے اور پھر نماز میں مشغول ہو جاتے، پھر حاجت ہوتی اور پھر غسل کر کے دوگانہ ادا فرماتے، اس طرح اس رات وہ مسلسل ساٹھ بار نہائے اور اپنا وظیفہ پورا کیا، آخری بار جب نہانے تشریف لے گئے تو پانی کے اندر ہی انتقال فرما گئے، سبحان اللہ، کتنے مضبوط اور راسخ العقیدہ تھے[1]، یہ کہہ کر بابا گنج شکرؒ رونے لگے۔

غزنی ہی کے نواح کی سیاحت کے متعلق فرماتے ہیں کہ کسی شہر کی مسجد میں رمضان شریف میں امام حدادی کی بھی قدم بوسی کی اور ان کی خدمت میں عرصہ تک رہا، وہاں ایک اور باعظمت بزرگ تھے، جو ہر رات تین بار کلام پاک ختم کرتے، بلکہ چار پارے اور زیادہ پڑھ جاتے، انہوں نے مجھ کو نصیحت فرمائی کہ راہِ سلوک میں جفاکشی اور محنت بہت ضروری ہے، جب تک مجاہداتِ کاملہ سے ریاضت شاقہ نہ کرو گے، مقام اعلا کو نہ پہنچو گے، کیوں کہ اہل صفہ نے فرمایا ہے کہ اس راہ میں اصلی چیز مجاہدہ ہے[2]۔

غزنی کے ایک بزرگ کی نصیحت کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے مجھ کو نصیحت کی کہ دنیا آدمی کی طرف پیٹھ رکھتی ہے اور آخرت منہ، زندگی میں یہ دونوں ساتھ ہیں، لازم ہے کہ آخرت کو دنیا پر ترجیح دی جائے، کیوں کہ آخرت ہی کام آئے گی[3]۔

فرماتے ہیں کہ جس زمانہ میں سیوستان کی سیر و سیاحت میں مصروف تھا، ان ہی دنوں وہاں کے ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی، انہوں نے ازراہِ کرم مجھ کو اپنے سینے سے لگایا اور فرمایا کہ مشائخ کی تم نے جو خدمت کی ہے، وہ تمہارے لیے باعث سعادت ہے اور میرے پاس بھی آنا تمہارے لیے اچھا ہوا[4]۔

سیوستان ہی کے ایک بزرگ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے ان کو دیکھا کھڑے

۱۔ راحت القلوب، ص ۵، ۶ ۲۔ ایضاً، ص ۲۶ ۳۔ ایضاً، ص ۳۸ ۴۔ ایضاً، ص ۱۷۔

Marfat.com

ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر فرما رہے ہیں، میں ان کے پاس ٹھہرا رہا، ایک روز ان کو ہوش آیا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کو سعادتِ ابدی عطا کرتے ہیں، اس کے لیے ذکر کا دروازہ کھول دیتے ہیں اور وہ شخص سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے ذکر ہی میں رہتا ہے، فرمایا، قضائے حاجت کے وقت کے سوا اور تمام وقت ذکر کرنا چاہیے۔

فرماتے ہیں کہ بدخشاں میں حضرت شیخ ذوالنون (المتوفی ۲۴۶ھ) کے خاندان کے ایک بزرگ شیخ عبدالواحد مصری سے میری ملاقات ہوئی، وہ شہر سے باہر ایک غار میں رہتے تھے، ان کا جسم بالکل گھل گیا تھا، صرف ایک پاؤں رکھتے تھے، ان کو ایک ہی پاؤں پر عالم تحیر میں کھڑے دیکھا، ان کے پاس پہنچا تو سلام کیا، انہوں نے بیٹھنے کو کہا اور پھر عالم تحیر میں کھو گئے، تین دن اور تین رات عالم صحو میں نہ آئے اور مجھ سے مخاطب نہ ہوئے، تیسرے دن عالم صحو میں آئے تو فرمایا، میرے پاس نہ آؤ ورنہ جل جاؤ گے، دور بھی نہ رہو کہ مہجور رہو گے، میرا حال سن لو، میں اس غار میں ستر برس سے ہوں، ایک بار ایک عورت ادھر سے گزری، میری نگاہ اس پر پڑی اور اس کی طرف میرا میلان ہوا اور میں نے اس غار سے باہر نکلنا چاہا لیکن غیب سے آواز آئی، اے مدعی! یہی عہد تھا کہ تم میرے سوا کسی دوسرے سے بھی لگاؤ رکھو، یہ آواز سن کر میں متنبہ ہوا اور فوراً اس پاؤں کو جو باہر نکل آیا تھا، کاٹ کر پھینک دیا، اس واقعہ کو تیس سال گزرے ہوں گے، میں حیران ہوں کے قیامت کے دن جب مجھ سے سوال کیا جائے گا تو میں کیا جواب دوں گا[1]۔

فرماتے ہیں کہ ایک بار میں ایک چشتی بزرگ کی خدمت میں حاضر تھا، ایک صوفی آیا اور اس نے کہا کہ آج کی رات میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہتا ہے کہ تیری موت قریب ہے، حضرت نے یہ سنتے ہی ارشاد فرمایا کہ کل تمہاری صبح کی نماز قضا ہوئی تھی، صوفی نے خیال کیا تو سچ تھا[2]۔

---

[1] راحت القلوب، ص ۱۷-۱۸ [2] ایضاً۔

Marfat.com

راحت القلوب کی مجلس نہم کے بعض ملفوظات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت بابا گنج شکرؒ بیت المقدس میں بھی کچھ دنوں رہے تھے[1]۔

خلافت: حضرت شیخ فرید الدینؒ ایک مدت کی سیاحت کے بعد دہلی حضرت بختیار کاکی کی خدمت میں حاضر ہوئے، مرشد نے ان کی اقامت کے لیے غزنین دروازہ کے پاس ایک جگہ منتخب کی، جہاں وہ ریاضت ومجاہدہ میں مشغول ہوگئے، تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ ریاضت ومجاہدہ میں ان کی یہ کیفیت ہوگئی تھی کہ جب حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ حضرت بختیار کاکیؒ سے ملنے دہلی آئے تو شیخ فرید کو دیکھنے ان کے حجرے میں تشریف لے گئے، مگر شیخ فرید ضعف کی وجہ سے تعظیم کے لیے نہ اٹھ سکے، حضرت خواجہ معین الدینؒ نے ان کے لیے دعا کی اور غیب سے بشارت ملی کہ "فرید را برگزیدم" چنانچہ خواجہ صاحبؒ نے اُن کو خلعت مرحمت فرمایا اور حضرت بختیار کاکی نے بھی اپنی خلافت کی دستار ان کے سر پر باندھی، اس وقت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے حضرت بختیار کاکی کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا:

"بابا قطب الدین شاہبازے عظیم وردام آوردکہ بجز سدرۃ المنتہیٰ آشیانہ نمی گیرد[2]۔"

حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ نے اس وقت یہ بھی نصیحت فرمائی کہ صاحب سجادہ کے لیے ضروری ہے کہ اس کا دل کدورت غل وغش، فحش، حسد اور آلائش دنیا سے پاک رہے اور پھر یہ بھی فرمایا کہ اہل سلوک کے لیے ضروری ہے کہ وہ کم سوئے، کم بولے، کم کھائے اور لوگوں سے کم ملے۔ (جواہر فریدی، ورق ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۸۱)

قیام ہانسی واجودھن: مرشد کی صحبت میں پوری تعلیم پاچکے تو حضرت گنج شکرؒ مرشد کے حکم سے دہلی سے ہانسی آئے اور رخصت کرتے وقت مرشد نے فرمایا کہ تم میری موت کے وقت تو میرے پاس نہ ہوگے لیکن میری موت کے دوتین روز کے بعد فاتحہ خوانی کے لیے پہنچوگے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، حضرت گنج شکرؒ ہانسی پہنچے تو کچھ دونوں کے بعد ایک روز خواب

[1] راحت القلوب، ص ۲۸ [2] سیر الاقطاب، ص ۱۲۶۔

Marfat.com

میں دیکھا کہ مرشد کا وصال ہوگیا ہے، ہانسی سے پریشان ہوکر روانہ ہوئے تو وصال کے تیسرے روز دہلی پہنچے، مزار مبارک کی زیارت فرما چکے تو قاضی حمید الدین ناگوریؒ نے حضرت خواجہ بختیار کاکی کا خرقہ اور دوسری امانتیں حضرت گنج شکر کو دیں، جن کو مرشد نے اپنے محبوب خلیفہ کے حوالہ کرنے کو کہا تھا، تین یا سات روز کے بعد حضرت گنج شکرؒ نے دہلی کو چھوڑنا چاہا تو تمام لوگوں نے دہلی ہی میں قیام کرنے کی درخواست کی، مگر انہوں نے دہلی میں ٹھہرنا پسند نہیں کیا اور ہانسی آئے لیکن یہاں لوگوں کا ہجوم بڑھا تو اجودھن کی طرف بڑھ گئے[1]، یہاں تنہائی اور سکون پایا تو اسی کو مسکن بنالیا، لیکن کچھ دنوں کے بعد معتقدین کا ہجوم یہاں بھی بڑھا تو اس جگہ کو بھی چھوڑنا چاہتے تھے، مگر مرشد نے خواب میں یہیں ٹھہرنے کی ہدایت کی اور ایک روز ہاتف غیبی نے بھی آواز دی کہ ''اے شیخ! پریشان نہ ہو اور لوگوں کی جفا کاری کو برداشت کر'' اس کے بعد سے ہر شخص کو ان کے پاس آنے کی عام اجازت تھی اور وہ ہجوم سے ملول خاطر نہیں ہوتے تھے[2]۔

محنتِ شاقہ: حضرت گنج شکرؒ نے راہِ سلوک کے طے کرنے میں بڑی بڑی محنتیں کیں، سیر الاولیا (ص ۷۰) میں ہے کہ مرشد کے حکم سے ایک کنویں میں چلہ معکوس کیا، راحت القلوب میں ہے کہ ایک بڑی مدت تک عالم تفکر میں کھڑے رہے، مطلق نہ بیٹھے، ان کے پاؤں سوج گئے تھے اور ان سے خون بہتا تھا، اس درمیان میں ان کو یاد نہیں کہ انہوں نے کچھ کھایا ہو[3]، فجر کی نماز کے بعد بڑی دیر تک سجدے میں پڑے رہتے، پہلے ذکر آچکا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدینؒ ان کے حجرے میں ان کو دیکھنے کے لیے تشریف لے گئے تو ریاضت کی وجہ سے وہ اس قدر ضعیف ہوگئے تھے کہ تعظیم کے لیے نہ اٹھ سکے، اس قدر نحیف ونزار ہوگئے تھے کہ اٹھنے بیٹھنے میں بھی سہارا لیا کرتے تھے، حجرہ کے اندر سر بہ سجود ہوکر برابر یہ پڑھا کرتے تھے: (خیر المجالس، ص ۲۲۴)

---

۱ فوائد الفواد، ص ۱۸۸ و خیر المجالس، ص ۸۹ و سیر الاقطاب، ص ۱۶۷ ۲ سیر الاقطاب، ص ۱۶۱ ۳ راحت القلوب، ص ۴۴۵۔

Marfat.com

خواہم کہ ہمیشہ در ہوائے تو زیم | خاکی شوم و ندیر پائے تو زیم
مقصود من بندہ ز کونین توئی | از بہر تو میرم از برائے تو زیم

ایک بار اٹھ کر تھوڑی دور چلنا چاہتے تھے، عصا کے سہارے اٹھے، مگر چند قدم چلے ہوں گے کہ چہرہ کا رنگ متغیر ہوگیا، ہاتھ سے عصا چھوڑ دیا، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ ساتھ تھے، انہوں نے پریشانی کا سبب پوچھا تو فرمایا، عصا پر سہارا کیا تھا، اس لیے عتاب نازل ہوا کہ غیر کا سہارا لیتے ہو، اسی لیے عصا چھوڑ دیا اور محجوب ہوں[۲]، ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، اگر کوئی عارضہ بھی لاحق ہوتا یا فصد لیتے تو بھی روزہ افطار نہ کرتے تھے[۳]، رمضان میں ہر رات تراویح کی نماز میں دو کلام پاک ختم کرتے، کبھی دس دس پارے زیادہ بھی پڑھ جاتے اور کچھ رات باقی رہتی تو تراویح سے فارغ ہو جاتے، حضرت خواجہ نظام الدینؒ بھی ان کے ساتھ تراویح کی نمازوں میں شریک رہتے تھے[۵]، خشیت الٰہی کا بڑا غلبہ رہتا تھا، مریدوں کی مجلسوں میں بات بات پر روتے اور بعض اوقات دہاڑیں مار کر گریہ کرتے تھے، اس شعر کو جب پڑھتے تو ہائے ہائے کر کے روتے، نعرے لگاتے اور بے ہوش ہو جاتے۔

در کوی عاشقاں چناں جاں بدہند | کانجا ملک الموت نگنجد ہرگز[۴]

ذوقِ سماع: ایک بار ان کے سامنے یہ رباعی پڑھی گئی تو ایک دن اور ایک رات بے ہوش رہے[۵]:

آں عقل کجا کہ در کمال تو رسد | واں دیدہ کجا کہ در جمال تو رسد
گیرم کہ تو پردہ برگرفتی ز جمال | آں روح کجا کہ در جلال تو رسد

ایک بار ایک مجلس سماع میں یہ غزل شروع کی گئی:

ملامت کردن اندر عاشقی راست | ملامت کے کند آنکس کہ بنیاست

---

۱ سیر الاولیا، ص ۸۱، سیر الاقطاب، ص ۱۶۶، جواہر فریدی، ورق ۲۵۸ ۲ فوائد الفواد و سیر العارفین، ص ۴۸
۳ راحت القلوب، ص ۲۷ ۴ راحت القلوب، ص ۱۹، ۲۰، ۲۱ و ۶۳ ۵ ایضاً، ص ۲۴۔

Marfat.com

نہ ہر تر دامنے را عشق زیبد — نشانِ عاشقی از دور پیداست
نظامی تا توانی پارسا باش — کہ نور پارسائی شمع دلہاست

تو حضرت گنج شکرؒ پر بے قراری کی عجیب کیفیت طاری ہوئی اور یہ کیفیت اتنی بڑھی کہ سات دن اور سات رات سکر کا عالم رہا، بے چین ہو کر رقص بھی کرنے لگتے تھے، نماز کا وقت آتا تو صحو میں آجاتے، نماز کے بعد پھر بے ہوشی طاری ہو جاتی[1]۔

سماع سے نہایت شغف رکھتے تھے، سماع کی حرمت وحلت پر ایک روز گفتگو ہو رہی تھی تو فرمایا کہ سبحان اللہ! کوئی جل کر راکھ ہو جائے اور دوسرے ابھی اختلاف ہی میں ہوں[2]، مگر سماع ان ہی لوگوں کے لیے جائز قرار دیا ہے جو اس میں ایسے مستغرق ہوں کہ ایک لاکھ تلواریں ان کے سر پر ماری جائیں یا ایک ہزار فرشتے ان کے کان میں کچھ کہیں تو بھی ان کو خبر نہ ہو[3]۔

فقر وفاقہ: تمام زندگی فقیرانہ عسرت اور درویشانہ استغنا کے ساتھ گزاری، لباس وغذا میں بڑی شان بے نیازی پائی جاتی تھی، جسم پر کپڑے پھٹ جاتے تھے تو بھی علاحدہ نہ کرتے تھے، ایک بار کرتہ بہت ہی بوسیدہ ہو گیا تھا، ایک شخص نے نیا کرتہ نذر کیا، کرتہ پہن تو لیا لیکن فرمایا جو ذوق مجھ کو اس پرانے کرتہ میں حاصل تھا، اس نئے کرتہ میں نہیں ہے[4]، جس کمبل پر دن کو بیٹھتے، اسی کو رات کے وقت اپنا بستر استراحت بناتے[5] اور تکیہ کے بجائے سر کے نیچے اپنے مرشد کا عصا رکھ لیتے تھے (فوائد الفواد، ص ۵۲)، گھر میں اکثر فاقہ ہوتا تھا، گھر کی کنیز خبر دیتی کہ فلاں صاحب زادے یا فلاں حرم پر دو دو تین تین فاقے گزر گئے لیکن اس خبر سے ان کی ریاضت وعبادت کا سکون ختم نہ ہوتا، (خیر المجالس، ص ۸۹) ایک روز حرم محترم نے آکر عرض کیا کہ فلاں لڑکا بھوک سے مر رہا ہے، تو فرمایا، فرید کیا کرے، اگر تقدیر الٰہی یہی ہے تو

---

[1] راحت القلوب، ص ۱۱ و ۱۲ [2] اخبار الاخیار، ص ۵۲ [3] راحت القلوب، ص ۱۲ [4] فوائد الفواد، ص ۵۳، اخبار الاخیار، ص ۵۰ [5] ایضاً۔

Marfat.com

یہی ہوگا[1]، اکثر شربت سے افطار کرتے تھے، ایک پیالہ شربت کا جس میں تھوڑی کشمش ہوتی، حاضر کیا جاتا، تو اس میں سے نصف بلکہ دو تہائی حاضرین میں تقسیم کر دیتے اور باقی خود نوش فرماتے، پھر اس میں سے بھی کسی کو عنایت کرتے، اگر گھر میں کچھ ہوتا تو افطار کے بعد دو روٹیاں لائی جاتیں، ان میں سے ایک ٹکڑا خود کھاتے اور باقی حاضرین کو تقسیم کر دیتے (فوائد الفواد، ص ۵۱) لنگر خانہ کی طرف سے طرح طرح کے کھانے دستر خوان پر چنے جاتے تو مہمان کھاتے، لیکن خود تناول نہ فرماتے، زیادہ تر جوار کی روٹی پسند فرماتے (سیر الاولیا، ص ۳۸۶)، اکثر دیلہ[2] پکا کرتا تھا، یہ ایک قسم کا پھل تھا جس کا عام طور سے نمک اور سرکہ ملا کر اچار بناتے تھے، ایک روز گھر میں نمک نہ تھا، حضرت خواجہ نظام الدینؒ نے مرشد کی خاطر ایک درم کا نمک بقال سے ادھار لیا اور دیلہ پکا کر مرشد کے پاس لے گئے، حضرت گنج شکرؒ نے کھانے کے لیے پیالہ میں ہاتھ ڈالا تو ہاتھ میں گرانی محسوس ہوئی اور لقمہ اٹھا نہ سکے، فرمایا ''ازیں بوئے اسراف می آید'' اور پوچھا کہ نمک کہاں سے لا کر ڈالا گیا ہے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے لرزہ براندام ہو کر عرض کیا کہ قرض کا ہے، حضرت گنج شکرؒ نے فرمایا کہ درویشوں کو فاقہ سے موت آجائے تو اس سے بہتر ہے کہ لذت نفسانی کے لیے وہ مقروض ہوں، قرض اور توکل میں بعد المشرقین ہے، اگر کسی مقروض درویش کو اچانک موت آجائے تو قیامت میں ان کی گردن قرض کے بار سے جھکی رہے گی، یہ کہہ کر پیالہ کو غربا میں تقسیم کر دینے کا حکم دیا[3]، ایک بار طی کا روزہ رکھا، تین دن تک کچھ نہ کھایا، تیسرے روز افطار کے وقت ایک شخص چند روٹیاں لے کر حاضر ہوا، اس کو رزقِ غیب سمجھ کر نوش فرمایا، مگر فوراً ہی کراہت محسوس ہوئی اور اسی وقت قے کر دی، معلوم ہوا کہ جو شخص کھانا دے گیا تھا وہ شرابی تھا[4]۔

---

[1] جواہر فریدی، ورق ۳۵۰ [2] ایضاً، خیر المجالس میں ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاؒ فرماتے تھے کہ جس دن خانقاہ میں دیلہ کا بالکل کریز (؟) پیٹ بھر کھانے کو ملتا وہ دن عید کا ہوتا۔ [3] سیر العارفین، ص ۶۲ [4] اخبار الاخیار، ص ۵۱۔

Marfat.com

استغنا: اس قدر عسرت اور تنگ دستی کے باوجود بابا گنج شکرؒ اپنے مرشد کی طرح مال و متاع دنیوی سے مستغنی رہے، ایک بار سلطان ناصر الدین محمود اجودھن میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کی ملاقات سے ایسا متاثر ہوا کہ اپنے وزیر الغ خاں کو (جو بعد میں غیاث الدین بلبن کے نام سے بادشاہ ہوا) چار گاؤں کا فرمان اور کثیر رقم بہ طور ہدیہ دے کر بھیجا، مگر انہوں نے اس کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ یہ ان کو دو، جن کو ضرورت ہو، ہمارے خواجگان کی یہ رسم نہیں[1]، اس طرح ایک بار والی اجودھن نے کچھ گاؤں اور نقد پیش کرنے کی کوشش کی تو فرمایا کہ اگر میں یہ گاؤں اور رقم لے لوں تو لوگ مجھے درویش نہ کہیں گے مال دار کہیں گے اور درویش دلیہ دار میرا لقب ہو جائے گا، اس کے بعد یہ منہ درویشوں کو دکھانے کے لائق نہ رہے گا اور میں ان کے درمیان کھڑا نہ ہو سکوں گا[2] اور کبھی کسی سے کچھ قبول کر لیتے تو راہِ خدا میں تقسیم کر دیتے، جواہر فریدی میں ہے کہ ایک بار سلطان بلبن نے ان کے پاس ایک بڑی رقم بھیجی، اس کے اصرار سے اس کو بادل ناخواستہ لے لیا، لیکن غربا میں تقسیم کر دینے کا فوراً حکم دیا، مولانا بدر الدین اسحٰق نے رات ہونے سے پہلے یہ تمام رقمیں تقسیم کر دیں، رات کو چراغ لے کر دیکھا کہ کوئی سکہ رہ تو نہیں گیا ہے، ایک سکہ باقی رہ گیا تھا جس کو مولانا بدر الدین اسحٰق نے اپنی ٹوپی میں رکھ لیا تاکہ دوسرے دن اس کو بھی کسی مسکین کو دے دیں، بابا صاحب عشا کی نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں تشریف لے گئے تو نماز میں ان کا دل نہ لگا اور گرانی محسوس کی، مولانا بدر الدین سے پوچھا کہ ساری رقمیں تقسیم ہو گئیں کہ نہیں؟ مولانا بدر الدین نے جواب دیا کہ ایک رہ گیا ہے، بابا صاحب نے اس کو لے کر پھینک دیا اور پھر نماز سکون سے پڑھی لیکن پھر رات بھر روتے رہے کہ ہاتھ میں اس کو لے کر آلودہ کیوں کیا، فرماتے تھے کہ جو کچھ بھی اور جتنا بھی اللہ کی راہ میں دیا جائے، اسراف نہیں ہے اور جو کچھ بھی غیر اللہ کے لیے خرچ کیا جائے اسراف ہے[3]، جب

[1] راحت القلوب، ص ۳۲، فوائد الفواد، ص ۹۹، فرشتہ، جلد دوم، ص ۳۸۸ [2] جواہر فریدی، ورق ۲۵۴، ۲۵۶ و راحت القلوب، مجلس یازدہم [3] سیر الاقطاب، ص ۱۶۹۔

Marfat.com

زائرین مٹھائیاں لاتے تو مٹھائیوں کا انبار لگ جاتا لیکن یہ مٹھائیاں اجودھن کے بچوں اور درویشوں میں تقسیم کر دی جاتیں، کوئی محروم نہ رہتا۔[1]

نرمی و ملاطفت: طبیعت میں بے حد نرمی و ملاطفت تھی، ایک بار چار درویش آئے اور باباصاحب سے درشت لہجہ میں گفتگو کی، انہوں نے پھر بھی ان کی دل جوئی اور مہمان داری کرنے کی کوشش کی لیکن وہ رکے نہیں، جب جانے لگے تو حضرت باباصاحبؒ نے ہدایت کی کہ وہ بیابان کی راہ سے نہ جائیں، لیکن وہ نہ مانے، جب وہ جا چکے تو زار و قطار رونے لگے، جیسے کوئی ماتم کرتا ہو، بعد میں معلوم ہوا کہ بیابان میں بادِ سموم اٹھی اور وہ چاروں درویش ہلاک ہو گئے۔[2]

ایک بار خانقاہ میں ایک اور قلندر آیا، حجرہ میں باباصاحبؒ عبادت میں مشغول تھے، اس کے باہر ان کی جانماز بچھی تھی، اسی پر قلندر آ کر بیٹھ گیا، خادم خاص نے مزاحمت نہیں کی اور کھانا لا کر دیا، قلندر نے کہا شیخ کو دیکھ لوں تو کھانا کھاؤں، خادم نے جواب دیا، شیخ حجرہ میں ہیں، وہاں جانے کی اجازت نہیں، کھانا کھا لو تو پھر ملو، قلندر نے کھانا کھا کر نشہ آور گھاس نکالی، اس کا خمیر اپنے کشکول میں بنانا شروع کیا، اس کا شیرہ جانماز پر بھی ٹپکا، خادم خاص نے مزاحمت کی تو قلندر نے اپنا کشکول اس کو مارنے کے لیے اٹھایا، شور سن کر باباصاحب حجرہ سے باہر نکل پڑے، قلندر سے فرمایا، میری خاطر معاف کر دو، قلندر نے جواب دیا، قلندر کا کشکول اٹھ چکا ہے تو کسی پر ضرور گرے گا، باباصاحبؒ نے فرمایا، دیوار پر مار دو، اس نے دیوار پر دے مارا تو دیوار گر گئی۔ (خیر المجالس، ص ۱۳۰)

ایک بار ایک اور قلندر آیا، اس نے باباصاحبؒ سے سخت لہجہ میں کہا کہ تم نے اپنے کو بت بنا لیا ہے تا کہ لوگ تمہاری پرستش کریں، باباصاحبؒ نے جواب دیا کہ میں نے اپنے کو نہیں بنایا ہے، خدا نے مجھ کو بنایا ہے، کوئی اپنے کو نہیں بنا سکتا، بنانے والا خدا ہے جو اپنے

---

۱ راحت القلوب، ص ۵۷ ۲ فوائد الفواد، ص ۲۵۱۔

Marfat.com

بندوں کو نوازتا ہے، قلندر نے یہ سنا تو کہا کہ "آفریں بر تحمل شما باد"۔ (جواہر فریدی، ورق ۲۴۰)

تواضع وخاکساری: ایک بار بابا صاحب کے پاؤں میں کچھ تکلیف تھی، اس لیے مریدوں کی مجلس میں چار پائی (کھاٹ) پر بیٹھے تو اپنے کو اونچی جگہ پر پا کر مریدوں سے معذرت کی اور اپنی تکلیف بتائی، حاضرین نے دعا کی اور کہا کہ:

"حیات شمای باید، وحیات ما متعلق حیات شما است۔"[1]

یعنی آپ کو صحت ہو، ہماری صحت آپ ہی کی صحت کے ساتھ ہے، حضرت خواجہ نظام الدینؒ نے اسی وقت یہ بیت پڑھی:

جان جہانیاں توئی دشمن جاں بود کسے اے ہمہ دشمناں تو دشمن جاں خویشتن[2]

حاجت مندوں کے لیے ان کی خانقاہ کا زروازہ آدھی رات تک کھلا رہتا (خیر المجالس، ص ۲۳۶) ایک بار خانقاہ میں کچھ درویش آئے، گھر میں جوار کے سوا اور کچھ نہ تھا، خود ہی جوار پیسا اور اس کی روٹیاں پکا کر درویشوں کے پاس لائے۔

خدمتِ خلق اللہ: عبادت وریاضت کے بعد صرف خلق اللہ کی خدمت ہی کی فکر زیادہ رکھتے، کوئی بیمار ہوتا تو اس کے لیے دعا فرماتے، زن وشو ایک دوسرے سے بچھڑ جاتے تو دونوں کو اپنی کوشش سے پھر ملا دیتے، کوئی سرکاری عہدہ دار ظلم کرتا تو اس کو ظلم کرنے سے منع کرتے، بے قصوروں کو سزا سے بچاتے، کوئی فسق وفجور میں مبتلا ہوتا تو اس کو صحیح راستہ پر لگاتے، اس کے اخلاق کو درست کرنے کی کوشش کرتے، اصلاح کا طریقہ یہ تھا کہ علاحدہ علاحدہ افراد کو اپنے پاس بلاتے اور اپنی نگاہِ مردِ مومن سے اس کی ماہیت قلب کرتے۔ (جواہر فریدی، ورق ۲۳۶، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۸، ۲۵۱)

ازدواجی زندگی: خیر المجالس (ص ۸۹) میں ہے کہ بابا صاحبؒ کی دو یا تین بیویاں تھیں۔

"خدمت شیخ را دو حرم بود یا سہ حرم۔"

---

[1] راحت القلوب، ص ۵۷ [2] فوائد الفواد، ص ۲۵۱۔

Marfat.com

بعض تذکروں میں ہے کہ بابا صاحبؒ کے نکاح میں الغ خاں (سلطان غیاث الدین بلبن) کی ایک لڑکی بی بی ہزیرہ بھی تھیں، جواہر فریدی میں اس نکاح کی پوری تفصیل درج ہے، بابا صاحبؒ نے نکاح کے بعد زوجہ محترمہ سے فرمایا:

''لباس دنیاوی را دور کن و فقرا معمور کن۔''

شہزادی نے اسی پر عمل کیا، چنانچہ جہیز میں جتنا شاہانہ لباس، سامان اور زیورات ملے وہ فقرا و مساکین میں تقسیم کر دیے گئے، صرف دو کنیزیں سارد اور شکر رکھ لی گئیں، یہ روایت موجودہ دور کے بعض مورخوں کے نزدیک مشکوک سمجھی جاتی ہے لیکن الغ خاں کی ایک لڑکی سلطان ناصر الدین محمود کی ملکہ بن کر بھی جب عسرت اور تنگی کی زندگی بسر کر رہی تھی تو کیا عجب کہ الغ خاں نے درویشوں کے سلطان بابا صاحبؒ کے حبالہ عقد میں اپنی ایک لڑکی دے کر اس کو بھی فقر و فاقہ کی زندگی کی سعادت حاصل کرنے کے لیے آمادہ کر لیا ہو[1]۔

جواہر فریدی میں ہے کہ بابا صاحبؒ نے ایک بیوہ بی بی کلثوم سے بھی نکاح کر لیا تھا، ان کے پہلے شوہر سے ایک صاحب زادے نصر اللہ تھے، سیر الاولیا میں بابا صاحب کے لڑکوں اور لڑکیوں کے حسب ذیل نام دیے ہوئے ہیں:

(۱) خواجہ نصیر الدین نصر اللہ، (۲) خواجہ شہاب الدین، (۳) شیخ بدر الدین سلیمان، (۴) شیخ نظام الدین، (۵) شیخ یعقوب، (۶) بی بی مستورہ، (۷) بی بی شریفہ، (۸) بی بی فاطمہ[2]، جواہر فریدی میں خواجہ نصیر الدین کا نام نہیں، جن سے مراد نصر اللہ ہی ہیں، سیر الاولیا میں خواجہ نصیر الدین نصر اللہ کو سب سے بڑے صاحبزادے، جواہر فریدی میں یہ بی بی کلثوم کے پہلے شوہر کے لڑکے بتائے گئے ہیں، اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بی بی کلثوم سے پہلے نکاح ہوا اور اس کے بعد بی بی ہزیرہ سے ہوا، بی بی ہزیرہ سے تمام اولادیں ہوئیں، جواہر فریدی

---

۱ مزید تفصیل کے لیے دیکھو جواہر فریدی، قلمی نسخہ، خزینۃ الاصفیا، ج ۱، ص ۱۰۳۰ و بزم مملوکہ از مولف، ص ۱۸۲-۱۸۳ ۲ سیر الاولیا، ص ۱۸۹-۱۹۰۔

Marfat.com

میں ایک صاحب زادہ کا نام شیخ عبداللہ بھی بتایا گیا ہے، جو بچپن ہی میں وفات پا گئے تھے[1]۔

اگر یہ روایت صحیح ہے کہ بی بی ہزبرہ الغ خاں کی صاحب زادی تھیں تو ان سے نکاح کے بعد باباصاحبؒ نے الغ خاں کی بادشاہت سے پہلے اور اس کی بادشاہت کے زمانہ میں بھی اس سے اپنی شان استغنا اور بے نیازی قائم رکھی۔ (بزم صوفیہ، ص ۱۳۷)

تخت نشین ہونے سے پہلے بلبن نے بابا گنج شکرؒ سے ایک بار درخواست کی کہ ناصرالدین محمود کے کوئی اولاد نرینہ نہیں، اس لیے آپ دعا فرمائیں کہ دہلی کی بادشاہت اس کی قسمت میں لکھی ہو، بابا گنج شکرؒ نے اس کے جواب میں صرف یہ رباعی پڑھی:

فریدون فرخ فرشتہ نبود　　ز عود ز عنبر سرشتہ نبود
ز داد و دہش یافتہ نیکوئی　　داد و دہش کن فریدوں توئی[2]

بلبن جب بادشاہ ہوا تو ایک بار کسی نے بابا گنج شکرؒ سے اس کے پاس کچھ سفارش کرانی چاہی تو سفارش نامہ اس طرح لکھا:

''میں اس شخص کا معاملہ اللہ تعالیٰ اور آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں، اگر آپ اس کو کچھ دے دیں گے تو حقیقی عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہوگا اور آپ مشکور ہوں گے اور اگر آپ نہ دیں گے تو اس کا مانع اللہ تعالیٰ ہوگا اور آپ معذور ہوں گے[3]۔''

ارباب دول سے کنارہ کشی: اس استغنا کا یہ نتیجہ تھا کہ اپنے متوسلین کو بھی ارباب حکومت اور اصحاب ثروت سے دور رہنے اور ان سے کسی قسم کا فائدہ نہ اٹھانے کی تلقین کیا کرتے تھے، شیخ بدرالدین غزنویؒ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے خلفا میں تھے، دہلی میں ملک نظام الدین خریطہ دار نے ان کے لیے ایک خانقاہ بنوادی تھی اور ان کی راحت کے لیے ہر قسم کا سامان مہیا کیا کرتا تھا، کچھ دنوں کے بعد شاہی حکام نے ملک نظام الدین کو زر کثیر کے غبن کے الزام میں ماخوذ کرلیا، جس سے شیخ بدرالدین کی راحت میں خلل واقع ہوا، انہوں

---

[1] خزینۃ الاصفیا، ج ۱، ص ۳۰۱ [2] سیر الاولیا، ص ۸۰، مرآۃ الاسرار، قلمی نسخہ دارالمصنفین [3] اخبار الاخیار، ص ۵۲۔

Marfat.com

نے حضرت شیخ فریدالدینؒ کی خدمت میں ایک رقعہ تحریر کیا کہ شاہی عہدہ داروں میں میرا ایک معتقد ہے، اس نے میرے واسطے خانقاہ بنوائی تھی اور فقیروں کی خاطر عمدہ طریقہ سے کرتا تھا، مگر اب غبن کے الزام میں گرفتار کرلیا گیا ہے، میری طبیعت پریشان ہے، مودبانہ التماس ہے کہ آپ دعا سے مدد فرمائیں کہ اس کی رہائی ہو اور درویشوں کا کاروبار سرانجام پائے، حضرت بابا گنج شکرؒ نے اس رقعہ کو پڑھا تو سر ہلایا اور جواب میں تحریر فرمایا:

''عزیز الوجود کا رقعہ پہنچا، اس کے مطالعہ سے خوشی ہوئی اور جو کچھ اس میں درج تھا اس سے آگاہی ہوئی، جو کوئی اپنی روش پر چلے گا وہ ضرور ایسی حالت میں گرفتار ہوگا جس سے ہمیشہ بے چین رہے گا، آپ تو پیران پاک کے معتقدوں میں ہیں اور پھر ان کی روش کے خلاف خانقاہ کیوں بنوائی اور اس میں کیوں بیٹھے، حضرت خواجہ قطب الدینؒ اور آپ کے پیر بے نظیر خواجہ معین الدینؒ کی روش اور ادا تو یہ نہیں رہی کہ اپنے لیے خانقاہ بنا کر دوکان داری کریں، ان کا شیوہ تو گم نامی اور بے نشانی کا رہا۔''[1]

اگر کسی بادشاہی ملازم سے کوئی واسطہ رکھتے تو اس کو پند و نصیحت کے ذریعہ سے راہِ راست پر لانے کی کوشش کرتے، اجودھن کے ایک عامل منشی پر اس جگہ کا والی مہربان نہ تھا اور اس کو ایذا پہنچاتا تھا، عامل نے بابا گنج شکرؒ کی خدمت میں پہنچ کر عرض کیا کہ والی مجھ کو تنگ کرتا ہے، آپ میری اس سے سفارش کردیں، بابا صاحبؒ نے اس کی التجا سن کر اپنے خادم کو والی کے پاس بھیجا کہ فرید پر احسان کرو اور عامل کو ایذا نہ پہنچاؤ لیکن والی کی عداوت پہلے سے بھی بڑھ گئی، عامل پھر بابا صاحبؒ کی خدمت میں آیا اور عرض کی کہ وہ ظالم تو پہلے سے بھی زیادہ تکلیف پہنچاتا ہے، بابا صاحبؒ نے فرمایا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح میں نے تمہاری سفارش اس والی سے کی، اس نے نہ سنی، اس طرح تم سے بھی کسی شخص نے کسی مظلوم کی سفارش کی ہوگی اور تم نے نہ سنی ہوگی، یہ سن کر عامل متاثر ہوا اور فوراً توبہ کی اور عہد کیا کہ اب کسی شخص کی سفارش سے روگردانی نہ کروں گا اور نہ کسی مظلوم کو ایذا دوں گا، تھوڑے دنوں کے بعد وہ

---

[1] سیر العارفین، ص ۵۱، اردو ترجمہ، ص ۸۵، جواہر فریدی، ورق ۲۶۰۔

Marfat.com

والی عامل سے خوش ہوگیا اور انعام میں اس کو خلعت اور گھوڑے دیے، پھر کچھ روز کے بعد وہ بھی (یعنی والی) باباصاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ظلم کرنے سے توبہ کی[1]۔

فیوض و برکات: حضرت گنج شکر کے رشد وہدایت سے جو فیوض جاری ہوئے ان سے سلطان غیاث الدین بلبن بھی متاثر ہوا، بلبن کا عہد نہ صرف سیاسی نقطہ نظر سے ممتاز تھا بلکہ اس زمانہ میں اتنے مشائخ عظام جمع ہو گئے تھے کہ مورخوں نے اس عہد کو خیرالاعصار لکھا ہے، حضرت باباگنج شکرؒ کے علاوہ شیخ الشیوخ شیخ بہاء الدین زکریاؒ، شیخ صدرالدینؒ، شیخ بدرالدین غزنویؒ اور سیدی مولا کے انوار سے ہندوستان منور ہوگیا تھا، بلبن کو ان تمام اولیاء اللہ سے عقیدت تھی اور اسی کا نتیجہ تھا کہ اس نے اپنے لڑکے کو خاص طور پر تاکید کی تھی کہ:

''قضاۃ وحکام متقی ومتدین نصب فرمائی تاکہ رواج دین ورونق عدل میان علایق پذیر آید۔'' (فرشتہ، ج ا، ص ۸۳)

وصال: گذشتہ اوراق میں ذکر آیا ہے کہ سیرالاولیا، اخبارالاخیار، جواہر فریدی اور سفینۃ الاولیا میں تاریخ وفات ۵ محرم روز سہ شنبہ ۶۶۴ھ ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتی ہے۔

وفات سے کچھ روز پہلے شمس دبیر شاعر نے خواجہ نظامی کی مندرجہ ذیل مثنوی سنائی:

جہاں چیست بگزرز نیرنگ او — رہائی بچنگ آر از چنگ او
مقیمے نہ بینی دریں باغ کس — تماشا کند ہر یکے ہر نفس
دریں چارسو ہیچ بیگانہ نیست — کہ کیسہ برمرد خودکامہ نیست
درد ہر دے از نو برے می رسد — یکے می رود دیگرے می رسد
جہاں گرچہ آرام گاہے خوش است — شنابندہ را فعل در آتش است
دو در دار و ایں باغ آراستہ — درو بند ایں ہر دو برخاستہ
در آ از درے باغ بنگر تمام — زدیگر درے باغ بیروں خرام

---

[1] سیرالعارفین، ص ۳۷-۳۸۔

Marfat.com

اگر زیرکی باگلے خومگیر | کہ باشد بجا ماندنش ناگزیر
دریں دم کہ داری بشادی بسیچ | کہ آیندہ در زیر پچست و پیچ
یکے را در آرد بہ ہنگامہ تیز | وگر را ز ہنگامہ گوید کہ خیز
نظامی سبک باش یاراں شدند | تو ماندی بہ غم غمگساراں شدند

اس مثنوی سے متاثر ہو کر بے ہوش ہو گئے اور جب ہوش آیا تو شمس دبیر کو پیراہن خاص عطا فرمایا اور تلاوتِ قرآن پاک میں مصروف ہو گئے، اس کے بعد سے وصال تک کسی اور سے مخاطب نہیں ہوئے، صرف عبادت میں مشغول رہتے، پانچویں محرم کی رات کو بابا صاحبؒ پر مرض کا غلبہ ہوا، عشا کی نماز جماعت سے پڑھی اور بے ہوش ہو گئے، ایک گھنٹہ کے بعد ہوش آیا تو فرمایا کہ میں نے عشا کی نماز پڑھ لی ہے، حاضرین نے عرض کیا، حضرت ہاں، لیکن پھر فرمایا، ایک بار اور پڑھ لوں، پھر کون جانے کیا ہو، پھر تیسری مرتبہ پڑھی اور فرمایا یا حی یا قیوم اور جاں بحق تسلیم کی (راحت القلوب، ص ۶۸) تکفین کے وقت گھر میں بڑی بے سروسامانی تھی، کفن کے اوپر چادر ڈالنے کے لیے نہ تھی تو سیر الاولیا کے مصنف کی دادی نے اپنی سفید چادر نذر کی۔ (سیر الاولیا، ص ۸۸-۸۹)

مزارِ اقدس اجودھن میں ہے، جواب تک زیارت گاہِ خاص و عام ہے، شہنشاہ اکبر کو حضرت بابا کے مزار سے بڑی عقیدت تھی، اس لیے اس نے اجودھن کا نام پاک پٹن رکھا۔

تذکرہ نگاروں نے ان کو زبدہ اتقیای ابرار، شیر بیشہ تقدیس ربانی، محرم اسرار مشیت ایزدی، ہمدم نوازِ قربت صمدی وغیرہ کے القاب سے یاد کیا ہے۔

اشاعتِ اسلام: حضرت بابا صاحبؒ کے رشد و ہدایت سے نہ صرف مسلمان مسلمان بنے بلکہ غیر مسلموں کی ایک بڑی تعداد بھی مشرف بہ اسلام ہوئی، اجودھن کے قیام کے ابتدائی زمانہ میں ایک جوگی مسمی بھوناتھ خدمت اقدس میں حاضر ہوا، جو جادو، منتر اور استدراج میں مشہور تھا، بابا صاحبؒ کو دیکھتے ہی اس پر ان کی ہیبت اس قدر غالب ہوئی کہ زبان سے کچھ

Marfat.com

بول نہ سکا، پھر حضرت بابا صاحبؒ کے کشف و کرامات سے ایسا متاثر ہوا کہ قدموں پر گر پڑا اور اپنے چیلوں کے ساتھ بابا صاحبؒ کے ہاتھ پر ایمان لایا[1] کہا جاتا ہے کہ پاک پٹن کے اطراف میں زیادہ تر جو مسلم قومیں ہیں وہ حضرت بابا صاحبؒ ہی کی برکت سے مسلمان ہوئی ہیں، جواہر فریدی میں ہے کہ پنجاب میں مرہنگو الیان، بہلیان، ادہکان، جکر والیان، بکان، ہکان، سیان، کھوکھران، سیال وغیرہ حضرت بابا ہی کی برکت سے مسلمان ہوئیں۔ (ورق ۴۴۳)

تصنیفات: حضرت گنج شکرؒ کی تصنیفات میں ان کے ملفوظات کے دو مجموعے ہیں، راحت القلوب کو خواجہ نظام الدین اولیاؒ اور اسرار الاولیا کو حضرت بدر اسحٰقؒ نے مرتب کیا ہے، دونوں بزرگ بابا گنج شکرؒ کے خلیفہ تھے۔

تعلیمات: راحت القلوب میں راہ سلوک کی بنیادی باتیں وہی ہیں جو انیس الارواح، دلیل العارفین اور فوائد السالکین میں پائی جاتی ہیں، مگر ان میں ملفوظات نسبتاً زیادہ ہیں، اس لیے ان سے بعض مسائل پر زیادہ روشنی پڑتی ہے، اس کتاب کے آخری حصہ میں چشتیہ سلسلہ کے اوراد و وظائف اور ان کے فضائل و برکات کا ذکر ہے، جو مذکورہ بالا ملفوظات میں نہیں ہے۔

درویش: شروع میں درویش کی مختلف صفات بتائی گئی ہیں، مثلاً درویش کی صفت پردہ پوشی اور خود فراموشی ہے، پردہ پوشی سے مراد خدا کے بندوں کی پردہ پوشی ہے۔

درویش کو چاہیے کہ چار باتیں اختیار کرے، (۱) اپنی آنکھوں کو بند کرلے کہ خدا کے بندوں کے عیوب نہ دیکھ سکے، (۲) کانوں کو بہرا کرلے کہ جو باتیں سننے کے لائق نہ ہوں ان کو نہ سن سکے، (۳) زبان کو گونگی کرلے کہ جو باتیں کہنے کے لائق نہ ہوں ان کو نہ کہے، (۴) پاؤں کو لنگڑا رکھے کہ جب اس کا نفس کسی غیر ضروری یا ناجائز کام کی طرف لے جانا چاہے تو نہ جاسکے، اگر یہ باتیں اس کو حاصل ہوگئیں تو وہ درویش ہے ورنہ وہ دروغ گو ہے۔

جو درویش اس دنیائے دنی کی عزت و جاہ کا خواستگار اور اہل دنیا کے لطف و کرم

---

[1] راحت القلوب، ص ۲۸۔

Marfat.com

کا خواہاں ہو، وہ درویش نہیں ہے بلکہ درویشوں کو بدنام کرنے والا اور طریقت کا مرتد ہے۔

جس درویش کے دل میں ذرہ برابر بھی دنیا کی محبت ہوگی وہ مردودِ طریقت ہے۔

درویشوں کا طریقہ تحمل ہے، اور تحمل بھی ایسا کہ اگر کوئی شخص اس کی گردن پر ننگی تلوار رکھے تو بھی وہ اس سے خوش رہے، اور اس کے لیے بدعا نہ کرے۔

درویش کا زہد تین چیزوں میں ہے، (۱) دنیا کا جاننا اور اس سے ہاتھ اٹھا لینا، (۲) مولانا کی طاعت کرنا اور آداب کی رعایت رکھنا، (۳) آخرت کی آرزو اور اس کو طلب کرنا۔

صلاحیتِ دل: حضرت گنج شکرؒ نے راہِ سلوک میں دل کی صلاحیت پر زیادہ زور دیا ہے اور اس کو سلوک کی اصل کہا ہے اور یہ صلاحیت اس شخص کو حاصل ہوتی ہے، جو لقمۂ حرام سے پرہیز اور اور اہل دنیا سے اجتناب کرتا ہے، ایک جگہ حضرت یحییٰ معاذ رازی کا قول نقل کر کے فرمایا ہے کہ حکمت ان کے دل میں قرار پا سکتی ہے جس کے دل میں دنیا کی حرص نہ ہو، رشک و حسد نہ ہو اور شرفِ جاہ کی خواہش نہ ہو۔

سماع: حضرت گنج شکرؒ نے سماع کو راحت دل قرار دیا ہے کہ یہ اہل محبت کے دل میں حرکت پیدا کرتا ہے اور حرکت کے بعد حیرت اور حیرت کے بعد ذوق اور ذوق کے بعد بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے، اس بے ہوشی میں وہ ایسا مستغرق ہوتا ہے کہ اگر اس وقت اس کے سر پر ہزاروں تلواریں چلیں تو بھی اس کو خبر نہ ہو اور یہی چار چیزیں معرفت کے اسباب بنتی ہیں۔

معرفت: معرفت کی تعریف یہ ہے کہ جب تک کسی شخص کو اپنی معرفت حاصل نہیں ہوتی وہ دوسروں کے پیچھے مبتلا رہتا ہے لیکن جب اس کو حق سبحانہ تعالیٰ کی محبت ہو جاتی ہے تو پھر اس کو ایسا استغراق ہو جاتا ہے کہ اگر اس کے پاس ہزاروں فرشتے بھی آئیں تو ان کی طرف کنکھیوں سے بھی نہ دیکھے اور اگر اس کو آنے کی خبر ہو جائے تو وہ کاذب و دروغ گو ہے۔

کرامت: کرامت کے متعلق فرمایا کہ اس کا اظہار کرنا پست حوصلہ والوں کا کام ہے،

Marfat.com

مشائخ نے اس کے اظہار کو پسند نہیں کیا ہے، کیوں کہ اس سے نفس میں تکبر پیدا ہوتا ہے[1]۔

اسرار الاولیا میں بائیس فصلیں ہیں اور ہر فصل میں تصوف کے موضوع پر حضرت گنج شکرؒ کے ارشادات ہیں، جس سے اس موضوع کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔

عشقِ الٰہی: شروع میں عشق الٰہی پر گفتگو ہے، حضرت گنج شکرؒ نے فرمایا کہ فقرا کا عشق الٰہی علما اور اصحاب عقل کے عشق سے بالکل جدا ہے۔ (ص۴)

آں عشق کہ بود کم نگردد تا باشد ازاں قدم نہ گردد (نظامی)

عشقے کہ نہ عشق جاوداں است بازیچۂ شہوت جواں است (ص۴)

ایک دوسری جگہ فرمایا:

سریست مرا درونِ جاں در عشقت گر سر رودا ے دوست نہ گویم باکس

سریست عاشقاں را در طاقت نہانی پوشیدہ دار خود را تا آنجا تجلی نمائی

اس عشق کا عنصر صرف آگ ہوتی ہے، جس کے شعلہ سے تمام عالم جل کر خاک سیاہ ہوسکتا ہے۔ (ص۸)

اس عشق کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ صاحبِ عشق اپنی دوئی کو کھو کر اپنی ذات سے بالکل متحد ہو جاتا ہے۔ (ص۶)

عشق میں عاشق اپنے معشوق کی طلب میں مجاہدہ کرتا ہے، جس سے اس کو مکاشفہ ہوتا ہے، مکاشفہ کے بعد مشاہدہ یعنی معشوق کا دیدار ہوتا ہے، اس مشاہدہ سے اس کا عشق اور بھی تیز ہو جاتا ہے اور رفتہ رفتہ حجابات اٹھتے جاتے ہیں اور عاشق ایک ایسے مقام پر پہنچتا ہے جہاں وہ صرف عالم تحیر میں رہتا ہے۔ (اسرار الاولیا، ص۴۹)

راہِ عشق میں محبت کے سات سو مقامات ہیں، پہلا مقام یہ ہے کہ (معشوق) کی طرف سے جو بھی بلا نازل ہو، اس کو صبر و سکون سے عاشق برداشت کرے، (ص۵۱) اس راہ

---

[1] راحت القلوب، ص۳۲۔

Marfat.com

میں محبت کی کوئی غایت نہیں (ص ۵۲) اور عاشق اپنے تمام اعضا کے ساتھ محبت معشوق میں مستغرق رہتا ہے اور اپنی آنکھوں سے صرف معشوق کو دیکھتا ہے، وہ اپنے کانوں سے صرف معشوق کی باتیں سنتا ہے، وہ اپنے ہاتھ پاؤں کو صرف معشوق کے لیے حرکت دیتا ہے اور اپنی زبان سے صرف معشوق کا ذکر کرتا ہے اور محبت میں وہی صادق ہے جو ہر لحہ معشوق کے ذکر یعنی ذکر الٰہی میں مشغول رہتا ہے۔ (ص ۵۱)

ذکر یعنی عبادت الٰہی سے عشق کی تکمیل ہوتی ہے، عبادتِ الٰہی میں ظاہر اور باطن کا یکساں ہونا ضروری ہے، عبادت سے اسرارِ الٰہی معلوم ہوتے ہیں، مگر ان کا ظاہر کرنا عشق کے منافی ہے۔

رزق: ایک جگہ فرمایا، راہِ سلوک میں بندۂ صادق وہ ہے جو رزق حاصل کرنے کے لیے پریشان خاطر نہ ہوتا ہو اور اگر وہ اس کے لیے پریشان رہتا ہے تو وہ بددین اور بددیانت ہے، رزق کی چار قسمیں ہیں:

(۱) رزقِ مقسوم، (۲) رزقِ مذموم، (۳) رزقِ مملوک، (۴) رزقِ موعود۔

رزقِ مقسوم وہ رزق ہے جو روزِ ازل سے لوحِ محفوظ پر لکھ دیا جاتا ہے، اس میں کمی اور زیادتی نہیں ہوسکتی، رزقِ مذموم وہ رزق ہے کہ جتنا بھی زیادہ ملے اس پر قناعت نہ کی جائے، رزقِ مملوک وہ رزق ہے جو ضرورت کی کفالت کے بعد جمع کیا جائے، رزقِ موعود وہ رزق ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے وعدہ کیا ہے اور اس کا ملنا ضروری ہے[1]۔

راہِ سلوک کی سچائی یہ ہے کہ سالک ہر قسم کے رزق سے بے غم رہے، اگر وہ رزق کے لیے اندوہ گیں رہتا ہے تو وہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے، خداوند تعالیٰ خود اس کا رزق اس کے پاس پہنچائے گا، پھر بھی اس کا توکل یہ ہونا چاہیے کہ اس کو جو کچھ بھی ملے، راہِ خدا میں دے دے، اگر رزق جمع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی تمام عنایتوں سے محروم ہو جاتا ہے[2]۔

---

۱ اسرار الاولیا، ص ۱۷ ۲ اسرار الاولیا، ص ۶۱۔

Marfat.com

توکل: آگے چل کر ایک فصل میں بابا گنج شکرؒ نے فرمایا کہ عاقل وہی شخص ہے جو دنیا کے تمام معاملات میں اللہ پر توکل کرتا ہے، توکل کی تشریح اس طرح کی ہے کہ متوکل کے ایمان میں خوف، رجا اور محبت ہو، خوف سے وہ گناہ کو ترک کرتا ہے اور رجا سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے اور محبت سے خدا تعالیٰ کی رضا کے لیے تمام مکروہات سے باز آتا ہے۔

راہِ سلوک میں توبہ ایک اہم چیز ہے، بابا گنج شکرؒ نے توبہ کی چھ قسمیں بتائی ہیں:

۱- توبۂ دل: حسد، ریا، لہو ولعب اور تمام نفسانی لذتوں اور شہوت سے صدقِ دل سے باز آنا، اس سے دل کی آلائش دور ہوتی ہے، جس کے بعد بندہ اور مولیٰ کا حجاب اٹھ جاتا ہے۔

۲- توبۂ زبان: ناشائستہ، بے ہودہ اور ناروا کلمات زبان پر نہ لانا، زبان صرف خداوند تعالیٰ کے ذکر اور تلاوتِ کلام پاک کے لیے وقف ہونی چاہیے، عشق حقیقی میں وہی سالک ثابت قدم رہ سکتا ہے جس نے دل اور زبان کی توبہ سچائی سے کر لی ہو، زبان کی توبہ کے بغیر صرف دل کی توبہ سے وہ انوارِ عشق کی تجلی نہیں دیکھ سکتا، آنکھ، کان، ہاتھ اور نفس زبان ہی کے تابع ہیں، اس لیے زبان کی توبہ سے یہ تینوں چیزیں بھی محفوظ رہتی ہیں۔

۳- توبۂ چشم: (حرام چیزوں کو نہ دیکھنا) (۲) کسی کا عیب نہ دیکھنا، (۳) ظلم ہوتے ہوئے نہ دیکھنا، سالک جب مشاہدۂ حق کر چکا ہو تو پھر اس کو دنیا کی کسی چیز پر نظر نہیں ڈالنی چاہیے۔

۴- توبۂ گوش: ذکر حق کے سوا کوئی اور چیز نہ سننا۔

۵- توبۂ دست: ناروا اور ناجائز چیزوں کو ہاتھ نہ لگانا۔

۶- توبۂ پا: حرام چیزوں کی طرف نہ جانا۔

۷- توبۂ نفس: ماکولات، شہوات اور لذات سے باز نہ آنا۔

اس قسم کے علاوہ توبہ کی تین قسمیں اور کی ہیں:

(۱) توبۂ حال، (۲) توبۂ ماضی، (۳) توبۂ مستقبل، حال کی توبہ گناہوں سے پشیمان

Marfat.com

اور نادم ہو کر باز آنا ہے، ماضی کی توبہ اپنے دشمنوں کو خوش کرنا ہے، اگر تائب نے کسی کا ایک درہم بھی غصب کر لیا ہو تو اس کو دس درہم واپس کرنا چاہیے، اگر اس نے کسی کو برا کہا ہو تو اس کے پاس جا کر معافی مانگے اور اگر وہ مر گیا ہو تو معذرت کے بجائے اس کے نام سے غلام آزاد کرے اور اگر شراب پیتا رہا ہو تو توبہ کے بعد خدا کے بندوں کو سرد اور لطیف پانی پلائے۔

مستقبل کی توبہ یہ ہے کہ تائب آئندہ تمام گناہوں سے پرہیز کرنے کے لیے عہد کرے۔

تلاوتِ کلام پاک: حضرت گنج شکرؒ نے اگلی دو فصلوں میں مرشد اور پیر کی خدمت اور تلاوتِ کلام پاک کی فضیلت کا ذکر کیا ہے، فرمایا ہے کہ سات دن مشائخ اور پیروں کی خدمت سات سو سال کی عبادت کے برابر ہے، کلام پاک کی تلاوت کے متعلق فرمایا کہ اس سے بہتر اور افضل تر کوئی عبادت نہیں، کلام پاک کی تلاوت سے بندہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتا ہے، جس سے بڑھ کر اور کوئی سعادت نہیں ہو سکتی۔

خرقہ: حضرت گنج شکرؒ نے صوفیوں کے لباس خرقہ، گلیم اور صوف اور طاقیہ پر بھی بحث کی ہے، خرقہ، گلیم اور صوف کو انبیا کا لباس بتایا ہے، اس لیے اس کی تعظیم و تکریم پر پورا زور دیا ہے۔

خرقہ پہننے کے لیے ضروری ہے کہ وہ دونوں عالم سے قطع تعلق کر لے، اس کے دل میں دنیا کی کوئی آلائش نہ ہو، اسی طرح صوف اور گلیم پہننے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ دنیا سے کنارہ کش ہو جائے اور اگر اس لباس کو اہل دنیا کے لطف و کرم کا ذریعہ بناتا ہے تو وہ کذاب اور دروغ گو ہے۔ (ص ۴۷)

صوفی: اسی سلسلہ میں تصوف اور صوفی کی بھی جستہ جستہ بحث آ گئی ہے، بابا گنج شکرؒ نے فرمایا کہ:

صوفی وہ ہے جس کے دل میں اتنی صفائی ہو کہ اس کے صفائے قلب کے سامنے کوئی چیز پوشیدہ نہ رہے۔

Marfat.com

تصوف مولیٰ کے صفائے دوستی کا نام ہے۔

اہل تصوف وہ ہیں جو ہر وقت خاموش اور عالم تحیر میں مستغرق رہتے ہیں۔

اہل تصوف ایک ایسی قوم ہیں کہ جب وہ خدا سے پیوستہ ہو جاتے ہیں تو پھر ان کو خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں کی خبر نہیں ہوتی۔

تصوف کا کمال یہ ہے کہ اصحابِ تصوف ہر روز پانچوں وقت نماز میں اپنے کو عرش پر دیکھیں۔

تصوف ایک اخلاق ہے، اس لیے حضرت گنج شکرؒ نے اربابِ تصوف کو اخلاقی ہدایتیں بھی دی ہیں، مثلاً:

صوفی دنیا اور دنیا کے لوگوں سے بے نیاز اور مستغنی ضرور رہتا ہے مگر کسی حال میں وہ دنیا کی مذمت اور ہجو نہیں کرتا ہے، وہ نہ اس سے محبت اور نہ اس سے عداوت رکھتا ہے۔ (ص ۹۲)

محبت مرشد: صوفی ایک مرشد سے وابستہ ہوتا ہے، پیر سے اس کی ارادت اور بیعت عشق کے درجہ تک پہنچ جانی چاہیے (ص ۷۶) پیر کے تمام احکام کو دل و جان سے بجالانا فرض ہے، (ص ۹۱) وہ تمام عمر اپنے پیر کو سر پر اٹھا کر حج کرتا رہے تو بھی پیر کے حقوق کی ادائیگی سے سبک دوش نہیں ہو سکتا (ص ۹۱)، وہ صدق دل اور تعظیم سے اپنے مرشد کے ہاتھوں کا بوسہ دیتا ہے تو اس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں (فصل شانزدہم)، حضرت گنج شکرؒ نے دوسرے علما اور مشائخ کی تعظیم پر بھی زور دیا ہے، فرمایا کہ جو ان کو دوست رکھتا ہے وہ اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے۔ (فصل سیزدہم)

ذکر حق: صوفی کی زندگی ذکر حق میں مشغول ہونا ہے، وہ جب تک ذکر حق میں مستغرق ہو کر بے ہوش رہتا ہے، تو وہ زندہ ہے اور جب ہوش میں آ کر ذکر حق چھوڑ دیتا ہے تو مردہ ہو جاتا ہے۔ (فصل ہفتدہم)

Marfat.com

اظہارِ کشف: حضرت گنج شکرؒ نے خواجگانِ چشت کے مسلک کے مطابق صوفی کو کشف کے اظہار سے منع کیا ہے لیکن وہ راہِ سلوک کے تمام مقامات کو طے کرلے تو اس کے اظہار میں کوئی ہرج بھی نہیں۔

تکلیف و مصیبت: آخر میں فرمایا کہ راہِ سلوک میں سالک پر جس قدر رنج، تکلیف اور مصیبت نازل ہوگی وہ اللہ تعالیٰ کے قریب تر ہوتا جائے گا، کیوں کہ اس کے ذریعہ سے وہ خدا کی طرف سے یاد کیا جاتا ہے، چنانچہ حضرت خواجہ معین الدینؒ تکلیف میں اس کی زیادتی کی دعا کرتے تھے اور اپنے ایمان کی صحت اسی میں سمجھتے تھے۔ (ص ۹۳)

علم شریعت: ایک بار حضرت نظام الدین اولیاؒ خلافت سے پہلے ایک مسجد میں بیٹھ کر ایک شرعی مسئلہ پر غور و فکر کر رہے تھے، وہاں ایک مجذوب نے کہا کہ مولانا نظام الدین علم بہت بڑا حجاب ہے، حضرت شیخ نظام الدین کے دل میں یہ بات کھٹکی کہ علم حجاب تو ہوسکتا ہے لیکن بڑا حجاب کیوں کر ہوسکتا ہے، مجذوب نے کہا کہ جب اس جگہ پہنچو گے تو یہ معلوم ہوجائے گا، اس کے بعد حضرت شیخ نظام الدینؒ اپنے مرشد کی خدمت میں پہنچے اور مجذوب کی باتیں کہہ سنائیں، شیخ الاسلام حضرت فریدالدین گنج شکرؒ نے فرمایا کہ حجاب دو قسم کا ہوتا ہے، ایک ظلمانی دوسرا نورانی، گناہ اور برائیاں ظلمانی حجاب ہیں، جو شخص ان سے توبہ کرے گا اس کا گناہ معاف کردیا جائے گا لیکن علم ایک نورانی حجاب ہے، جس کو ہر شخص نہ عبور کرسکتا ہے اور نہ اس کے کنارے سے اٹھ سکتا ہے، جس وقت تک شرعی علوم میں دست گاہ نہیں ہوگی، خدا کی محبت، معرفت اور قربت حاصل نہیں ہوسکتی، اس لیے علم ایک بڑا حجاب ہوجاتا ہے[1]۔

شریعت کی پابندی: حضرت بابا گنج شکرؒ کے ملفوظات، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور دوسرے شرعی امور کے متعلق اس کثرت سے ہیں کہ یہ عاجز راقم اپنی کج مج بیانی کی بناپر ان کو سمیٹ کر لکھنے سے قاصر ہے، خود حضرت باباصاحبؒ نے بھی کسی حال میں جادہ شریعت سے تجاوز

---

[1] شمائل الاتقیا، ص ۴۰۰۔

Marfat.com

کرنا پسند نہیں فرمایا، عالم سکر میں ہوتے تو نماز کے وقت عالم صحو میں آجاتے، نماز کے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے وہ دینی و دنیاوی نعمت جو اٹھارہ ہزار عالم میں پیدا کی ہے، وہ دراصل نماز ہے[۱]، نماز باجماعت کی بڑی پابندی کرتے اور اپنے مریدوں کو تلقین فرماتے کہ اگر دو آدمی بھی ہوں تو جماعت قائم کر لینی چاہیے[۲]، روزہ کی برکت کے لیے تمام عمر روزے رکھے، مریدوں اور معتقدوں کو ایک بار مخاطب کر کے فرمایا کہ رمضان المبارک کے روزے رکھنے سے ہزار سال کی عبادت کا ثواب ملتا ہے اور روزہ دار کے نامۂ اعمال سے بے شمار برائیاں نکال دی جاتی ہیں[۳]، زکوٰۃ کے متعلق فرمایا کہ شریعت کی زکوٰۃ تو یہ ہے کہ جب دو سو درہم ہوں تو پانچ درہم زکوٰۃ نکالے لیکن طریقت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ دو سو درہم میں سے پانچ درہم تو اپنے لیے رکھے اور ایک سو پچانوے راہِ خدا میں دے دے اور حقیقت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ دو سو درہم میں ایک حبہ بھی اپنے لیے نہ رکھے[۴]۔

ایک موقع پر اپنے مریدوں کو ایک بزرگ کے قول کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ جب ایک آدمی تین باتوں سے اجتناب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے تین چیزیں اٹھا لیتا ہے، اول جو شخص زکوٰۃ نہیں دیتا تو اللہ اس کے مال سے برکت اٹھا لیتا ہے، دوم جو شخص قربانی نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اس سے عافیت چھین لیتا ہے، سوم جو شخص نماز نہیں پڑھتا، اللہ تعالیٰ مرنے کے وقت اس سے ایمان کو جدا کر دیتا ہے[۵]۔

کئی بار حج کی بھی سعادت حاصل کی۔

محبتِ رسول ﷺ: رسول اللہ ﷺ کا ذکر مبارک جب کبھی آتا تو ... ایک بار آپ ﷺ کی وفات کا ذکر خود ہی فرمایا اور جب بیان کر چکے تو ... روتے روتے بے ہوش ہو گئے اور جب ہوش آیا تو فرمایا، جس کے واسطے تمام عالم پیدا ہوا ... گیا، جب اسی کو اس عالم سے اٹھا لیا گیا تو اور دوسرے ناچیز بندوں کی کیا حیثیت ہے، ...

---

[۱] شمائل الاتقیاء ص ۱۸۱ [۲] راحت القلوب مجلس پانزدہم [۳] ایضاً ص ۹۶ [۴] ایضاً ص ۳ [۵] ایضاً ص ۴۔

Marfat.com

زندگی کی خواہش کریں، ہم اپنے کو جانے والوں ہی میں شمار کریں، غفلت کا پردہ درمیان سے اٹھادیں اور زادِ راہ کی فکر میں لگے رہیں[1]۔

خلفا: سیر الاقطاب میں جن خلفا کے نام دیے ہوئے ہیں، ان میں سے کچھ یہ ہیں، شیخ علاء الدین علی احمد صابرؒ، شیخ نظام الدین اولیاؒ، شیخ جمال ہانسوہؒ، شیخ زین الدین دمشقیؒ، شیخ علی شکر ریزؒ، شیخ محمد سراجؒ، شیخ عارف سیوستانیؒ، مولانا داؤد پالیؒ۔

ان خلفا سے تین سلسلے جاری ہوئے، حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ سے نظامیہ، حضرت شیخ علاء الدین صابرؒ سے صابریہ اور حضرت شیخ جمال الدین ہانسویؒ سے جمالیہ لیکن کچھ دنوں کے بعد جمالیہ سلسلہ نظامیہ میں مدغم ہوگیا، تذکرہ نویس یہ بھی لکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے داماد مولانا بدرالدین اسحٰق، صاحب زادوں میں شیخ یعقوب، شیخ نظام الدین، شیخ بدرالدین سلیمان اور شیخ شہاب الدین اور اپنے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل کو بھی خلافت عطا کی[2]۔

---

[1] راحت القلوب، ص ۶۸ [2] سیر الاقطاب، ص ۱۷۶-۱۷۷، خزینۃ الاصفیا، ج ۱، ص ۳۰۳۔

Marfat.com

حضرت شیخ فخرالدین عراقیؒ

نام ونسب: پورا نام شیخ فخرالدین ابراہیم ہے، تاریخ گزیدہ میں سلسلہ نسب یہ ہے: فخرالدین ابراہیم بن بزرجمہر بن عبدالغفار الجوالقی[1]، مگر شاید تذکرہ دولت شاہ[2]، مرأۃ الخیال[3]، سیرالعارفین[4]، مخزن الغرائب اور برٹش میوزیم کے فارسی مخطوطات[5] کی فہرست میں ان کے والد بزرگوار کا اسم گرامی شہریار مرقوم ہے، سیرالعارفین کے مؤلف کا بیان ہے کہ:

"شیخ فخرالدین محمد شہریار بہاءالدین زکریا کی بہن کے بیٹے یعنی بھانجے تھے[6]۔"

مگر بعض تذکروں میں ان کو شہاب الدین سہروردیؒ کا بھانجا بتایا جاتا ہے[7]، ہمدان کے نواح میں قریہ یکجان (باکونجان) میں پیدا ہوئے[8]، صغرسنی میں کلام پاک حفظ کیا، ہمدان کے لوگ ان کی خوش گلوئی پر شیفتہ تھے[9]۔

ابتدائی حالات: سترہ سال کی عمر میں ہمدان کے مدرسہ سے معقولات ومنقولات پڑھ کر فارغ ہوئے، ایک روایت یہ ہے کہ وہ ہمدان سے بغداد آئے اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے خدمت میں رہ کر روحانی تعلیم پائی اور ان سے شرف بیعت حاصل کیا، ان کے پاس رہ کر

---

۱ تاریخ گزیدہ ۲ تذکرہ دولت شاہ، ص ۲۱۵ ۳ مرأۃ الخیال، ص ۶۴ ۴ سیرالعارفین، جلد اول ۵ برٹش میوزیم، فارسی مخطوطات، ص ۵۹۴ ۶ سیرالعارفین، ص ۱۰۷ ۷ مرأۃ الاسرار، قلمی نسخہ، دارالمصنفین ۸ مے خانۂ عبدالنبی، ص ۲۸، مرتبہ جناب محمد شفیع صاحب، ایم، اے ۹ نفحات الانس، قلمی نسخہ، دارالمصنفین، ایک روایت ہے کہ نو مہینے میں پورا کلام پاک حفظ کیا اور اس وقت ان کی عمر پانچ سال نو مہینے کی تھی۔

Marfat.com

برسوں عبادت وریاضت کرتے رہے، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے اسی مدت میں ان کو عراقی تخلص عطا فرمایا اور ہندوستان جانے کا حکم دیا، یہاں پہنچ کر حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کی خدمت میں ملتان آئے اور ان کے فیضِ صحبت سے روحانی اور باطنی دولت سے مالامال ہوئے، ایک دوسری روایت ہے کہ تعلیم سے فارغ ہو کر ہمدان کے مدرسہ میں درس دے رہے تھے کہ قلندروں کی ایک جماعت پہنچی اور مندرجہ ذیل غزل پڑھنے لگی:

ما رخت ز مسجد بخرابات کشیدیم　　خط بر ورقِ زہد و کرامات کشیدیم
در کوئے مغاں در صف عشاق نشستیم　　جام از کف رندانِ خرابات کشیدیم
از زہد و مقامات گذشتیم کہ بسیار　　کاس تعب از زہد مقاملت کشیدیم

ان اشعار کو سن کو شیخ فخر الدین ابراہیم بے تاب ہو گئے اور ان پر ایک وجد طاری ہو گیا، قلندروں میں سے ایک قلندر اپنے حسن و جمال میں بے نظیر تھا، اس کے حسن فانی کو دیکھ کر ان کے دل میں عشق حقیقی کی آگ بھڑک اٹھی، کپڑے پھاڑ ڈالے اور عمامہ سر سے اتار پھینکا اور اسی وقت فرمایا:

چہ خوش باشد کہ دل دارم تو باشی　　ندیم و مونس و یارم تو باشی

اور پھر قلندروں کے ساتھ ہمدان سے چل کھڑے ہوئے اور عراق و عرب و عجم کی سیاحت کرتے ہوئے ہندوستان پہنچے، جب ملتان آئے تو قلندروں کے ساتھ حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کی خانقاہ میں قیام کیا، حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کی نظر ان پر پڑی تو ان کو صورت آشنا پایا اور اپنے مقرب خاص شیخ عماد الدین سے فرمایا:

''دریں جوان استعداد تمام یافتم اورا ایں جا باید بودن۔''

شیخ فخر الدین عراقیؒ نے بھی حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کی طرف کشش محسوس کی اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ:

''بر مثال مقناطیس کہ آہن را کشد، شیخ مرا جذب می کند و مقید خواہد کرد ازیں جا زود تر

Marfat.com

می باید رفت۔"

چنانچہ ملتان سے دہلی چلے آئے اور دہلی سے سومناتھ کی طرف جارہے تھے کہ راستہ میں سخت آندھی آئی، آندھی میں قلندر ایک دوسرے سے علاحدہ ہوگئے، شیخ فخر الدین عراقی ساتھیوں سے چھوٹ کر ادھر ادھر پریشان خاطر پھرتے رہے، بالآخر ملتان کی طرف مراجعت کا تہیہ کیا، وہاں پہنچے تو حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے دیکھتے ہی فرمایا:

"عراقی از ما بگریختی۔"

شیخ فخر الدینؒ نے جواب میں کہا:

از تو نگریزد دلِ من یک زماں　　کالبد را کے بود از جاں گریز
دایۂ لطف　مرا در بر گرفت　　داد بیش از ما درم صد گو نہ شیر[1]

کیفیت و مستی: حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ ان کو اپنی خلوت میں لے گئے جہاں وہ دس روز تک چلہ میں بیٹھے، گیارہویں روز ان پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی، وہ روتے تھے اور یہ غزل پڑھتے تھے:

نخستیں بادہ کاندر جام کردند　　ز چشم مست ساقی[2] دام کردند
بہ چو بےخود خواستند اہل طرب را　　شراب بے خودی در کام کردند
برائے صید مرغ جان عاشق　　ز زلف فتنہ جویاں[3] دام کردند
بہ عالم ہر کجا رنج و بلا بود[4]　　بہم بردند و عشقش نام کردند
چو خود کردند[5] راز خویشتن فاش　　عراقی را چرا بدنام کردند[6]

---

[1] میخانہ عبدالنبی، ص ۳۲ [2] مخزن الغرائب، خوباں [3] مخزن الغرائب خوباں، از زلف قید خوباں دام کردند [4] ایضاً، رنج و بلائیست [5] مخزن الغرائب خوباں، ستر [6] یہ پوری غزل تذکرۂ دولت شاہ، ص ۲۱۶ سے نقل کی گئی ہے، دولت شاہ اور مخزن الغرائب کے مؤلف کا بیان ہے کہ شیخ فخر الدین نے یہ غزل اپنے مرشد شیخ شہاب الدین سہروردی کے فراق اور اپنی غربت وطن پر کہی تھی، جس کے بعد شیخ بہاء الدین زکریا نے ان کو عراق واپس جانے کی اجازت دے دی، مگر میخانہ مؤلفہ عبدالنبی میں شیخ فخر الدین عراقی کے جو تفصیلی حالات درج ہیں، اس کے مطالعہ سے یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی ہے۔

Marfat.com

حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے مریدوں نے چلہ میں شیخ فخر الدین عراقی کو نغمہ سرائی کرتے دیکھا تو مرشد کو اطلاع دی کہ ان چیزوں کی تو ممانعت ہے، پھر شیخ فخر الدین عراقی اس کے کیسے مرتکب ہو رہے ہیں، مرشد نے فرمایا کہ:

"شمارا ازیں چیزہا منع است او را منع نیست[1]"

اس کے کچھ دنوں کے بعد شیخ عماد الدینؒ شہر میں نکلے، ایک خرابات سے گزر رہے تھے کہ رندوں کو مندرجہ بالا غزل چنگ و چغانہ کے ساتھ پڑھتے سنا، شہر سے واپس ہوئے تو اپنے مرشد شیخ بہاء الدین زکریا کو یہ واقعہ سنایا، مرشد نے یہ سن کر شیخ عراقی کے متعلق فرمایا کہ:

"کار او تمام شد"

اور پھر شیخ فخر الدین عراقی کے پاس خلوت پہنچ کر ارشاد فرمایا:

"عراقی! مناجات در خرابات می کنی، بیرون آئی"

شیخ عراقی باہر آئے، مرشد کے قدموں پر سر رکھ دیا اور دیر تک پھوٹ پھوٹ کر روتے رہے، مرشد نے اپنے دست مبارک سے ان کا سر اٹھایا اور سینہ سے لگایا، شیخ عراقی نے اسی وقت ایک غزل کہی جس کا مطلع یہ ہے:

در کوئے خرابات کسے را کہ نیاز است — ہشیاری و مستیش ہمہ عین نماز است

مرشد نے اسی وقت اپنا خرقہ اتار کر ان کو پہنا دیا اور اسی مجلس میں اپنی صاحب زادی کو ان کے حبالہ نکاح میں دے دیا، شیخ عراقی اپنے مرشد اور خسر کی خدمت میں پچیس سال رہے، اسی اثنا میں ان کے فرزند ارجمند شیخ کبیر الدین کی پیدائش ہوئی۔

خلافت: حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے اپنے وصال کے وقت شیخ فخر الدین عراقی ہی کو اپنا خلیفہ اور جانشین بنایا تھا، مگر شیخ فخر الدین عراقی نے مرشد کی دیرینہ روایات کی پابندی نہ کی، وہ مغلوب الحال ہو کر اپنے جذبات کا اظہار شعر و شاعری کے ذریعہ سے کیا کرتے تھے،

---

[1] مرآۃ الخیال، ص ۶۴۔

Marfat.com

جس کو حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے اور دوسرے مرید اپنے مرشد کے طریقے اور مسلک کے خلاف سمجھتے تھے، شیخ فخر الدینؒ نے یہ محسوس کیا تو اس منصب سے علاحدہ ہو کر عدن کی طرف روانہ ہو گئے۔

عدن میں پذیرائی: عدن کا سلطان ان کی شہرت سن چکا تھا، اور ان کی شاعری کا معتقد تھا، چنانچہ وہ عدن پہنچے تو علما و صلحا کی معیت میں ان کا شاندار استقبال کیا اور شاہی خانقاہ میں ٹھہرایا اور ہر قسم کی خاطر تواضع کی، حج کا موسم آیا تو حضرت شیخ فخر الدینؒ نے خانہ کعبہ کی زیارت کرنے کا ارادہ ظاہر کیا، سلطان ان کا اس قدر گرویدہ ہو گیا تھا کہ ان کی مفارقت گوارا نہ کی لیکن وہ خانہ کعبہ کی زیارت کے اشتیاق میں سلطان کی اجازت کے بغیر چپ چاپ عدن سے چل کھڑے ہوئے، سلطان کو ان کے جانے کی خبر ملی تو ان کی علاحدگی سے بے تاب ہو کر خود بھی عازم حج ہوا، مگر پھر لوٹ آیا اور بے انتہا مال و دولت کا نذرانہ ان کی خدمت میں اس ہدایت کے ساتھ بھیجا کہ اگر وہ قبول نہ کریں تو ان کے خادموں اور مریدوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

حج: حضرت شیخ فخر الدین عراقی مست و سرشار مکہ معظمہ پہنچے، احرام باندھتے وقت انہوں نے ایک قصیدہ تحریر فرمایا جس کا مطلع یہ تھا:

اے جلالت فرشِ عزت جاوداں انداختہ	گوئے در میدانِ وحدت کامراں انداختہ

اور جب خانہ کعبہ پر ان کی نظر پڑی تو اس کے انوار و تجلیات سے مسحور ہو کر ایک دوسرا قصیدہ کہا جس کے دو شعر یہ ہیں:

تعالیٰ من تو حد بالکمال	تقدس من تفرد بالجلال
حبذا صفۂ بہشت مثال	کہ بود آسائش صف نعال

مدینہ منورہ پہنچے تو ان پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہو گئی اور ایک رات میں پانچ قصیدے کہے، ان قصیدوں کے صرف مطلعے ملاحظہ ہوں:

Marfat.com

﴿ ۱ ﴾

عاشقاں چوں بر در دل حلقہ سوداز نند　　آتش سودائے جاناں در دل شیدا زنند

﴿ ۲ ﴾

شہباز م و چو صید جہاں نیست در خورم　　تا گہ بود کہ از کف ایام بر پرم

﴿ ۳ ﴾

اے رخت مجمع خیال شدہ　　مطلع نور ذوالجلال شدہ

﴿ ۴ ﴾

راہ باریکست و شب تاریک و مرکب لنگ پیر　　اے سعادت رخ نما خامی واے عنایت دستگیر

﴿ ۵ ﴾

دل ترا دوست تر ز جاں دارد　　جاں ز بہر تو درمیاں دارد [۱]

سیاحت اقصائے روم: مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہو چکے تو اقصائے روم کی سیاحت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، قونیہ پہنچ کر وہاں شیخ محی الدین عربی کے خلیفہ اور سجادہ نشین حضرت شیخ صدر الدین کی خدمت میں پہنچے، ان کی صحبت میں روحانی دلچسپی پیدا ہوئی تو ایک عرصہ تک قونیہ میں قیام پذیر رہے اور حضرت شیخ صدر الدین کی صحبت میں فصوص الحکم کا مطالعہ کیا جس کے بعد اپنی مشہور کتاب لمعات تصنیف کی، حضرت شیخ صدر الدینؒ نے اس کو پڑھ کر فرمایا:

"اے فخر الدین عراقی سر سخن مردان آشکارا کردی [۲]"

چنانچہ یہ کتاب ارباب تصوف کے حلقہ میں برابر مقبول رہی، ملا نور الدین عبدالرحمٰن جامی نے اشعۃ اللمعات [۳] اور مولانا صائن الدین علی ترکہ اصفہانی نے ضوء اللمعات [۴] کے نام سے اس کی شرحیں لکھیں، سیر العارفین کے مؤلف کا بیان ہے کہ صدر خاوری نے بھی اس

---

۱ یہ تمام تفصیلات مے خانہ مؤلفہ عبدالنبی، ص ۳۶-۳۷ سے لی گئی ہیں۔ ۲ مے خانہ، ص ۳۷ ۳ برٹش میوزیم کیٹلاگ، ص ۵۹۴ ۴ ایضاً، ص ۸۳۱۔

Marfat.com

کی شرح تحریر کی اور لمعات کی تعریف میں یہ شعر لکھا:

چہ در سنبل چہ در آہوئے تاتار نسیمش نافہ مشک ادبار(؟)

اور خود سیر العارفین کے مؤلف نے لمعات کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"ارباب بصیرت پر مخفی نہیں ہے کہ لمعات ایک قطرہ سحاب فیض کا ہے جو دریائے معرفت حضرت شیخ بہاء الدین زکریا قدس اللہ سرہ العزیز سے فخر الدین کی زبان پر ٹپکا۔"[1]

یہ کتاب فصوص الحکم کی طرز پر لکھی گئی ہے اور اس میں بھی فصوص کی طرح اٹھائیس فصلیں ہیں، مے خانہ کے مؤلف کا خیال ہے کہ:

"لمعات بحقیقت لب فصوص است۔"[2]

یہاں کے قیام کے زمانہ میں امیر معین الدین حضرت فخر الدین عراقی کا بے حد معتقد ہو گیا تھا، اس کا اصرار تھا کہ وہ کوئی جگہ انتخاب کر کے اپنے لیے خانقاہ بنالیں، پہلے تو انہوں نے اس کو پسند نہ کیا لیکن پھر توقات میں خانقاہ بنوالی، ایک بار امیر معین الدین کچھ نقد رقم لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا مگر انہوں نے اس کو قبول کرنے سے انکار کیا، امیر معین الدین نے شکستہ خاطر ہو کر کہا کہ آپ مجھ سے نہ کوئی خدمت لیتے ہیں اور نہ میری طرف التفات فرماتے ہیں، شیخ نے ہنس کر جواب دیا کہ:

"اے امیر! ما را بزر نمی تواں فریفت۔"

طبیعت میں وارفتگی تھی اور اس وارفتگی کے عالم میں بعض اوقات ان کے حرکات و اعمال ارباب ظاہر کے لیے ناپسندیدہ ہو جاتے تھے، ایک روز امیر معین الدین ان کی قیام گاہ پر آیا تو ان کو وہاں نہ پایا، ان کی تلاش میں باہر نکلا تو دیکھا کہ کچھ لڑکے ان کے گلے میں رسی ڈال کر ان کو ادھر ادھر دوڑا رہے ہیں، بعض لوگوں نے شیخ عراقی کی اس حرکت پر طنز بھی کیا لیکن امیر معین الدین نے طنز و تشنیع پر توجہ نہ کی اور شیخ کی معیت میں ان کی قیام گاہ پر واپس آیا،

[1] سیر العارفین، ص ۱۰۹ [2] مے خانہ، ص ۴۷۔

Marfat.com

اسی طرح ایک روز شیخ اپنی قیام گاہ سے باہر گئے تو دو دن تک واپس نہ آئے، امیر معین الدین نے ہر طرف آدمی دوڑائے لیکن ان کا کہیں پتہ نہ چلا، تیسرے روز خبر ملی کہ وہ پہاڑ کے دامن میں مقیم ہیں، امیر معین الدین اپنے ساتھیوں کے ہم راہ وہاں پہنچا تو شیخ کی عجیب کیفیت دیکھی، وہ برہنہ پا اور برہنہ سر برف کے تودوں پر رقص کر رہے تھے، ان کے جسم سے پسینہ جاری تھا اور اسی جذب کے عالم میں اشعار کہتے جاتے تھے، جن میں سے ایک شعر یہ ہے:

در جام جہاں نمائے اول شد نقش ہمہ جاں ممثل

بڑی مشکل سے شہر کی مراجعت کرنے کے لیے رضا مند ہوئے، تھوڑے ہی عرصہ کے بعد امیر معین الدین کے برے دن آگئے، اربابِ سلطنت اس سے برگشتہ ہو گئے اور حکومت کی طرف سے اس کی املاک ضبط کر لی گئی، اس کو اپنی زندگی کی خاطر شہر بھی خاموشی سے چھوڑ دینا پڑا، مگر جب وہ شہر سے جانے لگا تو رات کو شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جواہرات کا ایک ذخیرہ پیش کر کے گزارش کی کہ ان کو جس طرح چاہیں خرچ کریں، مگر میرا لڑکا مصر میں مقید ہے، اگر ممکن ہو تو اس کی رہائی کی کوشش کریں، اس کو رہا کرا کے اپنے پاس رکھیں اور اس کو ایک لحہ کے لیے بھی اپنے سے جدا نہ کریں، اس کو اپنا پرانا خرقہ بھی پہنائیں اور اس کو موقع نہ دیں کہ وہ اس خرقہ کو ضائع کرے، امیر یہ باتیں کہتے وقت اشک بار ہو رہا تھا، خود شیخ پر بھی گریہ طاری تھا، بالآخر شیخ کے پاؤں کا بوسہ دے کر وہ رخصت ہو گیا اور شیخ نے جواہرات کو بہ طور امانت اپنے پاس رکھ لیا۔

امیر معین الدین کی معزولی کے بعد اس علاقہ کی نگرانی خواجہ شمس الدین کے سپرد[1] کی گئی، اس کی معیت میں مولانا امین الدین[2] بھی تشریف لائے، تو قات پہنچ کر مولانا

---

[1] ہلاکو کے زمانہ سے ارغون کی تخت نشینی (۶۸۳ھ) تک ایلخونیوں کے دیوانی معاملات کی نگرانی خواجہ شمس الدین کے سپرد تھی، دیکھو حواشی مے خانہ، ص ۵ [2] مے خانہ کے مؤلف نے مولانا کے لیے یہ القاب استعمال کیے ہیں، سلطان المحققین امین الحق والدین حامی ملت قدس اللہ روحہا۔

Marfat.com

امین الدین شیخ فخر الدین عراقی سے بھی ملنے آئے، دونوں بڑی گرم جوشی سے ایک دوسرے سے ملے اور جب سیر وسلوک پر گفتگو شروع ہوئی تو دونوں ایسے محو ہوئے کہ رات کا کافی حصہ گزر گیا، پھر بھی دونوں کی تشنگی باقی رہی، یہاں تک کہ تین دن گزر گئے، چوتھے روز مولانا امین الدین خواجہ شمس الدین سے ملے تو موخر الذکر نے تین دن کی مفارقت کی شکایت کر کے اپنے ملال کا اظہار کیا، مولانا امین الدین نے خواجہ شمس الدین کی دل جوئی کر کے فرمایا کہ شیخ فخر الدین عراقی کی صحبت میں تھا اور ان سے ایسی باتیں سنیں جو کسی سے عمر بھر نہ سنی تھیں، ان کی صحبت میں تین سال رہتا یا تمام زندگی رہنے کا موقع مل جاتا تو بھی ان کی مفارقت گوارا نہ کرتا، مولانا امین الدین کی اس عقیدت مندی کو سن کر خواجہ شمس الدین کو بھی شیخ فخر الدین عراقی سے ملنے کا اشتیاق ہوا اور ان کو لانے کے لیے خلعت کے ساتھ ایک اونٹ بھیجا، شیخ فخر الدین عراقی جب قریب پہنچے تو خواجہ شمس الدین معزز لوگوں کے ساتھ ان کے استقبال کے لیے گیا، شیخ نے مولانا امین الدین کو دیکھ کر کہا "ان ھی الافتنتک" یعنی مجھ کو یہاں بلا بھیجنے میں تمہارا ہی فتنہ ہے، خواجہ شمس الدین ان سے بڑی تعظیم کے ساتھ پیش آیا اور جب سلوک پر گفتگو شروع ہوئی تو شیخ کی گفتگو میں اتنی تاثیر اور گرمی تھی کہ خواجہ شمس الدین کی آنکھوں سے بہت دیر تک بے اختیار آنسو جاری رہے۔

کچھ ہی عرصہ کے بعد حاسدوں نے اربابِ حکومت سے مخبری کی کہ امیر معین الدین کی ساری دولت شیخ فخر الدین عراقی کے پاس جمع ہے، مگر ان کی گرفتاری سے پہلے خواجہ شمس الدین نے ان کو اس کا موقع دیا کہ وہ توقات چھوڑ کر کہیں اور منتقل ہو جائیں، چنانچہ وہ امیر معین الدین کی امانت لے کر دو آدمیوں کے ساتھ یثرب کی طرف روانہ ہو گئے اور وہاں سے مصر پہنچے، یہاں خانقاہ صالحیہ میں قیام کر کے امیر معین الدین کے لڑکے کی رہائی کی تدبیریں کیں مگر کوئی صورت کارگر نہیں ہوئی تو سلطان مصر کے دربار کے دروازہ پر پہنچے، حاجبوں نے پہلے روکا مگر پھر اندر جانے کی اجازت دے دی، سلطان کو دیکھ کر سلام

Marfat.com

کیا اور پھر امیر معین الدین کی امانت اس کے سامنے رکھ کر کھڑے ہو گئے، سلطان نے ان کو دیکھ کر محسوس کیا کہ وہ کوئی اعلیٰ پایہ کے بزرگ ہیں، چنانچہ اس نے ان کو عزت سے بٹھایا اور جواہرات کی گٹھری کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ اس میں کیا ہے؟ حضرت شیخ فخر الدین عراقی نے جواب دیا کہ یہ امانت ہے، سلطان نے اس کو کھولنے کا حکم دیا اور بیش بہا جواہرات دیکھ کر متحیر ہوا، مزید تفصیل پوچھی تو شیخ فخر الدین عراقی نے ساری باتیں بتائیں، سلطان کو تعجب ہوا کہ انہوں نے جوہرات کو میرے سامنے لا کر تحفہ کے طور پر حاضر کر دیا ہے اور اپنے لیے ان کو پسند نہیں کیا، شیخ کو نور باطن سے سلطان کے اس تعجب کا کشف ہو گیا، چنانچہ اسی وقت کلام پاک کی اس آیت قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا کی تفسیر بیان فرمائی، سلطان ان کی تقریر سے متاثر ہو کر مسند سے نیچے اتر آیا اور شیخ کے سامنے مؤدب ہو کر بیٹھ گیا اور ان کی باتیں سنتا رہا اور ہر بات پر روتا تھا، کہا جاتا ہے کہ سلطان اس روز اتنا رویا کہ تمام عمر نہ رویا تھا۔ (میخانہ، ص ۴۳)

اسی روز سلطان نے امیر معین الدین کے لڑکے کو قید سے رہا کرنے کا حکم جاری کیا اور اس کے ساتھ بہت ہی لطف و کرم سے پیش آیا، غایت عقیدت میں اس نے حضرت شیخ فخر الدین عراقی کو سلطنت کا شیخ الشیوخ بنانے کا ارادہ ظاہر کیا، دوسرے دن اس منصب کے عطا کرنے کی تقریب میں تمام صوفیہ و علما و اکابر سلطنت کو مدعو کیا، اس دعوت پر دربار میں چھ ہزار صوفیہ جمع ہوئے اور بڑے اعزاز کے ساتھ شیخ فخر الدین عراقی کو خلعت اور طیلسان پہنایا گیا، اس کے بعد ایک جلوس مرتب کیا گیا جس میں صرف شیخ فخر الدین عراقی گھوڑے پر سوار تھے اور باقی تمام صوفیہ، علما اور امرا ان کے رکاب میں پا پیادہ تھے، شیخ نے اپنی یہ عظمت اور توقیر دیکھی تو انہوں نے اپنے نفس کا استیلا اور غلبہ محسوس کیا، اس لیے اضطرراً طیلسان اور دستار اتار کر گھوڑے کی زین کے آگے رکھ لی، کچھ دیر کھڑے رہ کر پھر دستار کو سر پر رکھ لیا، حاضرین یہ دیکھ کر ہنسے اور آپس میں کہنے لگے کہ ایسا دیوانہ اور مسخرہ آدمی شیخ الشیوخ کے

Marfat.com

منصب کے لیے کیوں کر موزوں ہوسکتا ہے،وزیر نے شیخ سے پوچھا،**یاشیخ الما فعلت هذا؟** (اے شیخ! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ شیخ نے جواب دیا،**وانت ما تعرف الحال** (آپ کو حال سے واقفیت نہیں)اور جب سلطان کو اس کی خبر ملی تو شیخ کو بلا کر اس واقعہ کے متعلق استفسار کیا،شیخ نے جواب دیا کہ:

"نفس من برمن مستولی شدہ بود، اگر چنیں نہ کردے خلاص نیافتے، بلکہ در عقوبت بماندے۔"

اس جواب کو سن کر سلطان کا اعتقاد اور بھی بڑھ گیا اور شیخ کے وظیفہ میں مزید اضافہ کر دیا،مگر شیخ کی طبیعت کی بے قراری اور مزاج کی آشفتگی بہ دستور قائم رہی،وہ بازاروں، سڑکوں اور گلیوں میں بلا تکلف گھومتے نظر آتے تھے اور اس بے تکلفی میں ان سے بعض ایسی باتیں سرزد ہو جاتیں جو درویشی اور مشیخت کے لیے ناموزوں ہوتیں، پھر بھی ان سے لوگوں کی عقیدت مندی قائم رہی،سلطان نے حکم دے رکھا تھا کہ وہ اس کے پاس جس وقت بھی تشریف لانا چاہیں،ان کی مزاحمت نہ کی جائے، چنانچہ اگر وہ حرم یا خواب گاہ میں بھی ہوتا تو بھی فوراً قدم بوسی کے لیے حاضر ہو جاتا،کچھ روز کے بعد شیخ کی طبیعت مصر سے گھبرا گئی تو دمشق کی طرف جانے کا قصد کیا،سلطان نے روکنا چاہا مگر وہ اٹھ کھڑے ہوئے،اس کے بعد سلطان نے شام کے ملک الامرا کو ان کے استقبال اور پذیرائی کے لیے لکھا، چنانچہ اس نے تمام علما و مشائخ کے ساتھ ان کا پر جوش خیر مقدم کیا۔ (مے خانہ،ص ۴۶)

وفات: یہاں ان کے قیام کے چھ مہینہ کے بعد ان کے فرزند شیخ کبیر الدین ہندوستان سے ملنے آئے،صاحب زادے کے آنے کے کچھ دنوں کے بعد ان کے چہرے پر دموی ورم ظاہر ہوا، جس سے وہ پانچ روز تک نہ سو سکے،اور یہی عارضہ ان کے لیے مرض الموت ثابت ہوا،موت کے وقت شیخ کبیر الدین کو پاس بلایا،اور یہ آیت پڑھی:

یَوۡمَ یَفِرُّ الۡمَرۡءُ مِنۡ اَخِیۡهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِیۡهِ جس روز ایسا آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی ماں

Marfat.com

وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُّغْنِيْهِ (عبس) سے اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اپنی اولاد سے بھاگے گا ان میں سے ہر شخص کو ایسا مشغلہ ہوگا جو اس کو اور طرف متوجہ نہ ہونے دے گا۔

پھر یہ رباعی کہی:

در سابقہ چوں قرار عالم دادند — مانا کہ نہ بر مراد آدم دادند
زاں قاعدہ[1] وقرار کا نروز افتاد — نہ بیش بکس وعدہ نہ زکم دادند

اس کے بعد کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے عالم جاودانی کو سدھارے، وفات کے وقت سن شریف اٹھاسی سال تھا[2]، ے خانہ اور نفحات الانس میں سال وفات ۶۸۸ھ ہے، تاریخ گزیدہ میں ۶۸۶ھ اور تذکرۂ دولت شاہ میں ۷۰۹ھ مرقوم ہے، اول الذکر سنہ ہی صحیح سمجھا گیا[3]، ان کے مزار مبارک کے متعلق نفحات الانس میں ہے:

''وقبر وے در قفائے مرقد شیخ محی الدین بن العربی است قدس اللہ تعالیٰ روحہما در صالحیہ دمشق وقبر فرزند وے کبیر الدین در پہلوئے قبر وے رحمہ اللہ تعالیٰ۔''

تذکرۂ دولت شاہ میں ہے:

''ومرقد مبارکش در جبل صالحیہ است و در قدم حضرت قدوۃ العارفین شیخ الشیوخ العالم ہادی الخلائق والامام شیخ محی الدین بن العربی قدس اللہ سرہ العزیز آسودہ است[4]۔''

سیر العارفین میں ہے:

''قبر ان کی برابر مزار شیخ محی الدین ابن عربی کے ہے، چنانچہ یہ فقیر جمالی بھی وہاں جاکر زیارت سے فیض یاب ہوا ہے، محلہ مشہور صالحیہ دمشق میں مزار ان کا واقع ہے اور اس دیار کے زائر

---

۱ مرأۃ الخیال ہر قاعدہ وقرار کا نروز افتاد نے بیش بکس ز وعدہ نے کم دادند ۲ تذکرۂ دولت شاہ میں ۸۲ سال مرقوم ہے۔ ۳ دیکھو حواشی ے خانہ، ص ۷۶، نیز مرأۃ الخیال، ص ۶۴ ومرأۃ الاسرار، قلمی نسخہ دار المصنفین ۴ تذکرہ دولت شاہ، ص ۳۱۶۔

Marfat.com

دونوں مزاروں کی نسبت الفاظ سے یوں کرتے ہیں کہ ہذا بحرالعرب یعنی یہ قبر شیخ محی الدین عربی کی سمندر پرفیض عرب شریف کا ہے اور نسبت قبر شیخ مولانا فخرالدین کی کہتے ہیں ہذا بحرالعجم یعنی یہ سمندر عجم کا ہے، بڑا فیض پہنچانے والا اور قبر شیخ اوحدالدین کرمانی کی بھی اسی متبرک جگہ پر ہے[1]۔''

سفینۃ الاولیا میں ہے: (ص ۱۹۸)

''قبر ایشاں در قفائے قبر شیخ محی الدین العربی است در صالحیہ دمشق۔''

تصانیف: حضرت شیخ فخرالدین عراقی کی تصانیف میں لمعات کے علاوہ ایک مثنوی اور ایک دیوان بھی ہے، مثنوی کا نام برٹش میوزیم کے فارسی مخطوطات کی فہرست میں عشاق نامہ درج ہے[2]، مے خانہ میں مثنوی کا نام مرقوم نہیں ہے، لیکن اس کا ذکر ان الفاظ میں ہے:

''مثنوی بہ طرز حدیقہ برشتہ نظم درآوردہ درآں میان غزل گوئی فرمودہ۔''

اور اسی کے ساتھ اس مثنوی کے کچھ اشعار بھی منقول ہیں، جو ہم ہدیہ ناظرین کرتے ہیں:

از عراقی سلام بر عشاق — آں جگر خستگانِ تیر فراق
محرمانِ سراچۂ قدسی — لوح خوانانِ سر نہ کرسی
سالکانِ طریقۂ علیا — راہ دارانِ جادۂ سفلیٰ
زندہ جاناں مردہ در غم یار — مست حالان وجان ودل ہشیار
بادشاہان تخت روحانی — غوطہ خوران بحر نورانی
شاہ بازان در قفس ماندہ — پیش بینان باز پس ماندہ
از حد وجود گم گشتہ — و ز عقول و نفوس بگذشتہ
یکے شان ز دوست پروانہ — سوختہ چوں ز شمع پروانہ
ہمچو پروانہ ز اشتیاق رخش — خویشتن را افگندہ در آتش

---

[1] سیر العارفین، ص ۱۰۹، اردو ترجمہ، جلد اول، ص ۲۴-۲۵ [2] برٹش میوزیم کیٹلاگ، فارسی مخطوطات، ص ۵۹۴۔

Marfat.com

در رہ دوست باز سرکردہ — ابجد عشق راز بر کردہ
چوں ز کتاب دہر جیفہ شدہ — بر سریر صفا خلیفہ شدہ
یار خود دیدہ در پس پردہ — تن بجاں ماندہ جاں فدا کردہ
مے نخوردہ شدہ بوئے مست — دوست نادیدہ دل بدادہ زدست
برہ یار منتظر ماندہ — نمک شوق بر دل افشاندہ
مار محنت کشیدہ چوں ایوب — زہر فرقت چشیدہ چوں یعقوب
نظر جاں ز جسم بگسستہ — صدق میعاد باز دانستہ
کردہ از جاں بسوی کویش روے — لیس فی جبتی سوئے اللہ گوئے
جان انا الحق زنان وتن بردار — فارغ از جنت وگذشتہ زنار
علم اتحاد بر بستہ — لشکر آزو خشم بشکستہ
بن و بیخ خیال برکندہ — گشتہ آزاد ہمچناں بندہ

مولانا شبلیؒ شعر العجم (جلد پنجم، ص۱۲۸) میں رقم طراز ہیں کہ شیخ عراقی کی ایک مثنوی کا نام دہ فصل ہے، جو ان کی نظر سے نہیں گزری لیکن اس کے حسب ذیل چند اشعار ریاض العارفین سے نقل کیے ہیں:

از جمالت نمی شکیبد دل — می برو عقل و می فریبد دل
عاشقان تو پاکباز زانند — صید عشق تو شاہ بازان اند
فارغی از درون صاحب درد — بکن اے دوست ہر چہ بتواں کرد
عشق داوصاف کردگار یکے است — عاشقے وعشق وحسن یار یکے است

دیوان میں قصیدوں اور غزلوں کے ہزاروں اشعار ہیں، ان کے عارفانہ اشعار کی داد ہر زمانہ میں ملی ہے، ملا جامی نفحات الانس میں رقم طراز ہیں:

"و لے صاحب کتاب لمعات ست و دیوان شعر وے مشہور است۔"

Marfat.com

تذکرۂ دولت شاہ میں ہے:

"سخنان پرشور و عارفانہ دارد و در وجد و حال بے نظیر عالم بودہ و موحدان و عارفان سخن اورا معتقدند۔" (ص ۲۱۵)

سیر العارفین کے مؤلف کا بیان ہے:

"اور نیز اکثر قصائد و مدائح خوب و مرغوب اپنے پیر بے نظیر شیخ بہاء الدین زکریا قدس روحہ کی صفت و ثنا میں فخر الدین مرحوم نے لکھے ہیں۔" (ص ۱۰۹، اردو ترجمہ، جلد اول، ص ۲۴-۲۵)

مخزن الغرائب میں ہے:

"سخنان پرشور و عاشقانہ بسیار روے راست۔" (قلمی نسخہ، دار المصنفین)

ان کا دیوان چھپ گیا ہے، غزلوں کے کچھ اشعار اور رباعیات ملاحظہ ہوں:

بیا اے دیدہ تا یکدم بگریم نیم چوں خوش دل و خرم بگریم
گہے از درد بے درماں بنالیم گہے از زخم بے مرہم بگریم
نشد جاں محرم اسرار جاناں براں محروم نامحرم بگریم
عراقی را کنوں ماتم بداریم براں مسکیں دریں ماتم بگریم

چہ کردہ ام کہ دلم از فراق خوں کردی چہ افتاد کہ درد دلم فزوں کردی
ہمہ حدیث وفا و وصال می گفتی چہ عاشق تو شدم قصہ باژگوں کردی
بہ سوختی دل و جانم گداختی جگرم بہ آتش غمت از بسکہ آزموں کردی
سیاہ روئے دو عالم شدم کہ در خم فقر گلیم بخت عراقی سیاہ گوں کردی

دست از دل بے قرار شستم واندر سر زلف یار بستم
بیدل شدم و ز جاں بیک بار چوں طرۂ یار بر شکستم
گویند چگونہ؟ چہ گویم؟ ہستم ز غمش چنانکہ ہستم
ساقی قدحے کہ از مے عشق چوں چشم خوش تو نیم مستم

Marfat.com

درد ام بلا فتادہ بودم / ہم طرۂ او گرفت دستم
شد نوبت خویشتن پرستی / آمد گہ آنکہ مے پرستم
فارغ شوم از غم عراقی / از زحمت او چو باز رستم
در میکدہ می کشم ببوئے / باشد کہ بیابم از تو بوے
اے دوست الغیاث جانم بسوختی / فریاد کز فراق روانم بسوختی
دانم کہ سوختی زغم عشق خود مرا / لیکن ندانم ایں کہ چانم بسوختی

رباعی

گل صبح دم از باد پر آشفت و بریخت / با بادِ صبا حکایتے گفت و بریخت
بد عہدی عمر بیں کہ گل در دہ روز / سر برزد و غنچہ کرد و بشگفت و بریخت

رباعی

یا رب تو بخود مرا تونگر گرداں / واز ہر چہ خبر از تست دلم برگرداں
آمیختہ شد مس وغلِ با نقدم / آخر نظرے مس را زر گرداں

مولانا شبلیؒ شعر العجم (جلد پنجم، ص۱۲۹) میں رقم طراز ہیں کہ شیخ عراقی اکثر وحدۃ الوجود کے مسئلہ کو صاف تمثیلوں میں ادا کرتے ہیں، مثلاً:

عشق شورے در نہاد ما نہاد / جان ما در بوتۂ سودا نہاد
گفتگوے در زبان ما افگند / جستجوے در درونِ ما نہاد
دمبدم در ہر لباسے رخ نمود / لحظہ لحظہ پائے دیگر پا نہاد
بر مثال خویشتن حرفے نوشت / نام آں حرف آدم و حوا نہاد
ہم بہ چشم خود جمال خود بدید / تہمتے بر چشم نابسنا نہاد

ان کی یہ غزل مشہور عام ہے اور حال وقال کے جلسوں میں گائی جاتی ہے:

Marfat.com

بہ زمیں چو سجدہ کردم ز زمیں ندا برآمد | کہ مرا خراب کردی تو بہ سجدہ ریائی
چو براہ کعبہ رفتم بہ حرم رہم ندادند | کہ بروں در چہ کردی کہ درون خانہ آئی

ان کے ایک ترجیع بند کے دو بند کے نمونے بھی ملاحظہ ہوں:

در مے کدہ با حریف قلاش | بنشین و شراب نوش و خوش باش
از خط خوش نگار بر خواں | سر دو جہاں ولی مکن فاش
بر نقش و نگار فتنہ گشتم | زاں روی نمی رسم بنقاش
تا با خودم از خودم خبر نیست | و با خود نفسی نبود مے کاش
مخمور میم بیار ساقی | نقل ولی ازاں لب شکر پاش
در صومعہا چو می نگنجد | دردی کش وی پرست و قلاش
من نیز تبرک زہد گفتم | آمنگ شب و روز ہمچو او باش

در میکدہ می کشم سبوئی
باشد کہ بیابم از تو بوئی

اے روی تو شمع مجلس افروز | سودائے تو آتش جگر سوز
رخسار خوش تو عاشقاں را | بہتر از ہزار عید و نوروز
بکشائی لبت بخندہ بنامی | از لعل تو گوہر شب افروز
زنہار ازاں دو چشم مستت | فریاد ازاں دو زلف کیں توز
چوں زلف تو کثر مباد باما | از قد تو راستی بیاموز
ساقی بدہ آں می طرب را | بستان ز من ایں دل غم آموز
آں رفت کہ رفتی بمسجد | اکنوں چوں قلندران شب و روز

در میکدہ می کشم سبوئے
باشد کہ بیابم از تو بوئے[1]

---

[1] مے خانہ، ص ۴۹-۵۰۔

Marfat.com

حضرت شیخ امیر حسینیؒ

نام و وطن: حضرت شیخ امیر حسینی کا اسم گرامی نفحات الانس[1] میں حسین بن عالم بن ابی الحسین، تذکرہ دولت شاہ[2] میں حسین بن عالم بن الحسن الحسینی، تاریخ فرشتہ میں صرف امیر حسین بن نجم الدین[3]، شاہ اودھ کے کتب خانہ کی فہرست میں امیر کبیر الدین حسینی[4] بن عالم بن ابو الحسین حسینی ہے، مگر سیر العارفین میں پورا نام شیخ صدر الدین احمد بن نجم الدین المعروف بہ سید حسین[5] ہے، معلوم نہیں سیر العارفین کے مؤلف نے اتنے مختلف نام کیوں تحریر کیے ہیں، ممکن ہے یہ القاب ہوں، وہ غور کے ایک گاؤں کزیو کے رہنے والے تھے[6]، پھر بعد میں ہرات میں سکونت پذیر ہو گئے تھے، اس لیے نام کے ساتھ ہروی بھی پایا جاتا ہے۔

بیعت: تذکرۂ دولت شاہ اور آتش کدہ میں ہے کہ وہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ کے مرید تھے، لیکن یہ صحیح نہیں۔

نفحات الانس میں ہے:

"از کتاب وے کنز الرموز چناں متبادر می شود کہ وی مرید شیخ بہاء الدین زکریا ست[7]"

---

۱ نفحات الانس، قلمی نسخہ، دار المصنفین ۲ تذکرۂ دولت شاہ، ص ۲۲۲ ۳ تاریخ فرشتہ، ج ۲، ص ۴۰۶
۴ کیٹلاگ ہذا، ص ۴۳۰ ۵ سیر العارفین، ج ۱، ص ۲۵ ۶ لطائف اشرفی، ص ۳۶۶ ۷ ایضاً،
لطائف اشرفی میں یہ بھی ہے کہ حضرت قدوۃ الکبری می فرمودند کہ از بعض مردم ملتان، چناں استماع افتاد کہ حضرت میر حسینی زا نیز حضرت شیخ یک دختر خود در لعقد نکاح در آوردہ اند۔

Marfat.com

اگر چہ اس کے بعد نفحات الانس کے مؤلف ملا عبد الرحمٰن جامی یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ بعض کتابوں میں یہ بھی پایا جاتا ہے کہ حضرت امیر حسینی، شیخ ابوالفتح رکن الدین بن شیخ صدر الدین بن شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے مرید تھے، مگر اس سلسلہ میں سیر العارفین کے مؤلف کا بیان واضح ہے، شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے ذکر میں ہے کہ:

''ایک مرید من جملہ مریدان صادق العمل والقول کے شیخ صدر الدین احمد بن نجم الدین ہروی بھی ہیں جو سید حسین کے نام سے بھی مشہور و معروف ہیں، ان کی تصنیفات نثر و نظم میں بکثرت مقبول و مشہور خاص و عام ہیں، نثر میں نزہت الارواح اور طرب المجالس اور نظم میں زاد المسافرین اور کنز الرموز بمقام متبرک ملتان شیخ بہاء الدین کی خدمت میں رہ کر وہیں تصنیف کیں اور شیخ بہاء الدین نے کتب مذکورہ کا مطالعہ بہ غور فرما کر مصنف کی تحسین و آفرین کی اور وہ سوالات بھی جو شیخ محمود شوستری سے کیے گئے تھے اور شوستری مرحوم نے ان کے جوابات میں نسخہ گلشن راز تصنیف کیا، سید حسین کی تصنیف میں سے ہیں، چنانچہ اپنے زمانہ میں نواحی خراسان میں علم و معرفت و طریقہ درویشی میں سید صاحب بے نظیر و بے ہمتا گزرے ہیں اور ریاضت عظیم فرماتے تھے، اول مرتبہ ملتان میں اپنے پدر بزرگ وار سید نجم الدینؒ کے ہم راہ بر سبیل تجارت آئے تھے اور بہاء الدین زکریاؒ کی خدمت میں فیض یاب ہوئے لیکن بوجہ زعم علم و کمال مرید نہ ہو سکے، مگر وفات پدر بزرگ وار دفعۃً ترک دنیائے دنی کر کے آزادی اور خدا طلبی اختیار کی اور اپنا تمام مال و اسباب فی سبیل اللہ مساکین و فقرا پر ایثار کر کے ملتان آئے اور بصدق عقیدت شیخ بہاء الدین زکریا قدس اللہ روحہ کے مرید ہو گئے اور تین برس تک پیر کی خدمت میں رہ کر بڑی بڑی ریاضتیں کر کے کمالات و کرامات سے مالا مال ہو گئے، مزار متبرک سید صاحب کا موضع ہری میں واقع ہے، اس دیار کے لوگ ان کی زیارت کے واسطے دوشنبہ کے دن جایا کرتے ہیں، حق یہ ہے کہ مرقد منور ان کا زائروں کے جسم بے جان میں روح تازہ بخشا ہے، عجب دل کشا اور جاں فزا مقام ہے، جن ایام میں یہ ضعیف جمالی مقام ہری میں پہنچا تھا اس وقت مولانا عبد الرحمٰن جامی اور مولانا عبد الغفور قدس اللہ سرہ العزیز بھی سید صاحب کی زیارت

Marfat.com

کے واسطے تشریف لائے تھے، بعد حصول زیارت ہم سب نے مل کر نماز ظہر اور عصر کی اس جگہ پر ادا کی تھی اور بہت کچھ فیض حاصل کیا تھا[1]۔"

وفات: نفحات الانس میں ہے کہ حضرت امیر حسینی نے ۱۶ شوال ۷۱۸ھ میں وفات پائی، تذکرۂ دولت شاہ میں سالِ وفات ۷۱۹ھ ہے، لیکن اودھ کے کتب خانہ کے کیٹلاگ اسپرنگر کا بیان ہے کہ ان کی تصنیف زاد المسافرین میں حسب ذیل شعر درج ہے:

در ہفت صد و بست و نہ ز ہجرت گشت آخر ایں کتاب ختمت[2]

اس لحاظ سے وہ ۷۲۹ھ تک بہ قید حیات تھے، ان کے علمی تبحر کے ان کے معاصرین بھی معترف تھے، چنانچہ ان کے ظاہری اور باطنی علوم کی وجہ سے شیخ فخر الدین عراقی اور شیخ اوحدی ان کو بہت عزیز رکھتے تھے[3]۔

تذکرۂ دولت شاہ میں ان کی مدح سرائی ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"سالک مسالک دین و عارف اسرار یقین است و در کشف رموز حقائق و دقائق کنز معانی بودہ و در فضیلت و علوم جنید ثانی خاطر پرنور او گلشن راز و طوطی نطق او عندلیب خوش آواز۔" (ص ۲۲۲)

تصانیف: ان کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

(۱) نزہت الارواح، (۲) الارواح، (۳) صراطِ مستقیم، (۴) طرب المجالس، (۵) زاد المسافرین، (۶) کنز الرموز، (۷) سوالات و گلشن راز، (۸) دیوان، یہ تمام کتابیں غیر مطبوعہ ہیں، ان کے قلمی نسخے مختلف کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں[4]، امیر حسینی کے متعلق مولانا عبدالرحمٰن جامی رقم طراز ہیں:

"مرا دراو دیوان اشعار ست بغایت لطیف[5]۔"

---

[1] سیر العارفین، اردو ترجمہ، ج ۱، ص ۲۶، فارسی، ص ۱۱۰ [2] فہرست کتب خانہ شاہ اودھ، ص ۴۳۰

[3] تذکرۂ دولت شاہ، ص ۲۲۴ [4] مثلاً دیکھو کیٹلاگ فارسی مخطوطات برٹش میوزیم، ج ۱، ص ۴۰، ج ۲، ص ۶۰۸ فہرست کتب خانہ شاہ اودھ، ص ۴۳۰ [5] نفحات الانس، قلمی نسخہ دار المصنفین۔

Marfat.com

میری نظر سے مذکورہ بالا کتابیں نہیں گزری ہیں، لیکن کتب خانوں کی مختلف فہرستوں میں ان پر جو تبصرہ ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان تمام تصنیفات کا موضوع معرفت اور سلوک وطریقت ہے۔

نزہت الارواح کے متعلق لطائف اشرفی میں ہے:

''لمعات حضرت فخر الدین عراقی ونزہۃ الارواح حضرت امیر حسینی بشرف نظر شیخ (یعنی حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی) درآوردند، فرمودند کہ لمعات بہ نسبت خاص واقع شدہ ونزہۃ الارواح ہم خاص وہم عام بہ حیثیت خود بہرہ بروا ما لمعات لمعہ دیگر دارد۔'' (ص ۳۶۷)

زادالمسافرین کے متعلق ہم جو کچھ معلومات فراہم کر سکے ہیں ان کو ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں[1]۔

مثنوی کا آغاز حمد باری تعالیٰ شانہ سے ہوتا ہے، پروردگارِ عالم کی نعمتوں اور رحمتوں کا اعتراف کرتے ہوئے دنیاداروں کو خطاب اس طرح کیا جاتا ہے:

بشنو پسرا بیان حالت علم و جدلست قیل و قالت
علمے کہ خدائے داں شوی تو لیست کجا ہمی دو دوی تو
آں علم طلب کہ باتو ماند و آں دم کہ تراز نور ہاند
آں علم فریضہ تا نہ خوانی تحقیق صفات حق نہ دانی
اے طبع و ہوا معلم تو تا کہ لم و لا تسلم تو
خود را بگزرت کردہٴ گرم آخر ز خدا نیابدت شرم

---

[1] راقم الحروف کا ایک مضمون ''حضرت امیر حسینی'' پر جنوری ۱۹۴۶ء کے معارف میں شائع ہوا تھا، اس کی اشاعت پر بزرگ محترم جناب سید مقبول احمد صاحب صمدانی نے حضرت امیر حسینی کی تصنیف ''زادالمسافرین'' پر ایک مختصر لیکن مفید مقالہ دسمبر ۱۹۴۶ء کے معارف میں تحریر فرمایا ہے، ہم اس مقالہ کے بعض ضروری اجزا اس کتاب میں شامل کرتے ہیں۔

Marfat.com

از خود بخدا مرد بتاویل تشبیہ مکن بجہ تسیل
ز نہار بجت قیاسی عزہ نشوی بحق شناسی

اس کے بعد مقالات شروع ہو جاتے ہیں، جن میں جابجا متعدد حکایات بھی ہیں، پہلا مقالہ حق سبحانہ تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس ہے اور سالک کو ریاضت و مجاہدہ کی تلقین وتشویق میں ہے، اس میں بھی خطیبانہ رنگ اور واعظانہ انداز بیان قائم ہے، فرماتے ہیں:

ہندو کہ ہمیشہ بت پرستد ہر صبح و عادت می پرستد
جز ذکر تو نیست در زبانش زنار وفاست درمیانش
ایں جملہ ز دیں وملت خویش جز تیر غمت ندیدہ در کیش

دوسرے مقالہ میں فضیلت وشرف انسانی پر بحث ہے، اس میں فارسی زبان کی سلاست ولطافت کے ساتھ ساتھ بعض غیر معمولی عربی الفاظ یا نامانوس کلمے بھی کہیں کہیں آگئے ہیں، اس کی پہلی حکایت ملاحظہ ہو:

موسیٰ ز می فراق مخمور مستانہ و دید بر سر طور
گفت اے زتو بود ہر چہ بودہ مارا بتوہم تو رہ نمودہ
گر نزد منی کجات جویم تا با تو حدیث خویش گویم
در دور تری بز آرم آواز باشد کہ بخود درم کنی باز
بشنو ز ہاتفے جوابے کہ از تو بہ پیش تو نقابے
ایں جانے حوالہ نیست بگزار من با توام از خودم طلب دار
افتادنِ مہرہ ہا بشش در اینجا بود اے حریف بنگر
شاہان جہاں دریں خیالات بر نطع غمند جملگی مات
از غایت قرب دور دوراست ہر مرغ بہ دانہ صبور است
ایں آتش ما چگونہ میرد کیں درد دوا نمی پزیرد

Marfat.com

یاد آرز خود کہ نیست یادت بے شرم کسے کہ شرم بادت

تیسرا مقالہ طریقت وسلوک کی کیفیت میں ہے، چوتھا ارشاد و معاملت پر ہے، اس میں کئی حکایتیں ہیں، پانچویں مقالہ میں عشق اور اس کے مرتبہ کا بیان ہے، چھٹا مقالہ معرفت نفس انسانی اور اس کی صفت میں ہے، ساتویں میں معرفت کا بیان اور اس کی تحقیق ہے، آٹھویں مقالہ کا عنوان ہے ''در بیان حال شرف بادشرف می رسد'' یہ مقالہ اور مقالوں سے کچھ زیادہ طویل اور تمثیلات سے معمور ہے اور اسی پر چند در چند مواعظ ونصائح و مخاطبات کے ساتھ مثنوی ختم ہو جاتی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

دریست گراں بہا کہ سفتم دریاب کہ گفتنی بہ گفتم

ہمدستہ گلبن یقین است ہم توشۂ رہ روانِ دین است

از بس کہ فشاند بحر من دُر شد دامن آخرالزماں پُر

ایں گلشکرے کہ من سرشتم در ہشت مقالتش بنشتم

شمع است کہ از دلم برافروخت ہفتاد و ہزار پردہ را سوخت

یک نکتہ او کہ جاں کند شاد بر در دل ہشت باغ بکشاد

آنکس کہ بیافت اند کہ بوئے دانست کہ چوں شگافتم موئے

تا جست سران نام ور را نہ پارہ و مست کون خر را

چوں اہل خرد بہر دیارے زیں تحفہ برند یادگارے

ایں نور بہر طرف کہ تابد یعنی کہ قبول ہر کہ یابد

زیں گنج کہ رائیگاں کشادم دارد بدعائے خیر یادم

در ہفصد و بیست و نہ ہجرت گشت آخر ایں کتاب تمت

اس مثنوی میں ۱۴۵۶ اشعار ہیں، اس کی مقبولیت اور اہمیت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس کا ایک بڑا حصہ تذکرۂ دولت شاہ اور آتش کدہ میں بھی ہے، جس کو ہم یہاں نقل

Marfat.com

کرتے ہیں:

این طرفہ حکایتیست بنگر | روزے مگر از قضا سکندر[1]
می رفت و ہمہ سپاہ با او | صد[2] حشمت و مال و جاہ با او
ناگہ بخرابہ گزر کرد | پیرے ز خرابہ سر بدر کرد
پیرے کہ نہ کہ آفتاب پر نور | در چشم سکندر آمد از دور
پرسید کہ این چہ شاید آخر | این کیست کہ می نماید آخر
در گوشۂ این مغاک دلگیر | بیہودہ نہ باشد این چنیں پیر
چوں راند بداں مغاک چوں گور[3] | پیر از سر وقت خود نہ شد دور
چوں باز نہ کرد سوئے او چشم | پرسید سکندرش بصد خشم
گفت اے شدہ غول این گزرگاہ | غافل چہ نشستہ دریں راہ
ہرچہ نکردی احترام | آخر نہ سکندرست نامم
دانی کہ منم بہ بخت فیروز | پشت ہمہ روئے عالم امروز
دریا دل و آفتاب رائم | فرق فلکست زیر پائم
پیر از سر وقت بانگ بر زد | گفت این ہمہ نیم جو نیرزد
نہ پشت نہ روئے عالمی تو | یکدانہ ز کشت آدمی تو
دوران فلک کہ بے شمار است | ہر ساعتش از تو صد ہزار است
نہ غول و غافلم دریں کوئے | ہشیار تر از توام بہ صد روی
از روز پسیں چو آگہم من | چوں منتظر آں دریں رہم من
غافل توئی کز برائے پیشی | مغرور دو روزہ عمر خویشی

---

[1] آتش کدہ میں یہ مصرع اس طرح ہے مع روزے زقضا مگر سکندر [2] آتش کدہ آں حشمت [3] آتش کدۂ آمد براں مشاک پرنور۔

Marfat.com

چوں آخر کارہا جدائیست　　　با خلق مرا چہ آشنائیست[1]
در بندۂ من کہ حرص و آزند　　　بر تو ہمہ روز سرفرازند
با من چہ برابری کنی تو　　　چوں بندۂ بندۂ منی تو
گریاں شد ازیں سخن سکندر　　　بفگند کلاہِ شاہی آذر
از خجلت خود نفیر می زد　　　سر بر کف پائے پیر می زد
پیر از سر حال رہ نمودش　　　کاندر ہمہ وقت یاد بودش

آتش کدہ میں کچھ اور بھی اشعار منقول ہیں، مثلاً:

بخدا کہ دردمندم زغم فراق یارا　　　نہ خلاف گوید آنکس کہ حکم کند خدارا
اے سایہ تو مرد صحبت نور نہ　　　رو ماتم خود گیر کزیں سور نہ
اندیشہ وصل آفتابت نرسد　　　می ساز بایں قدر کز او دور نہ[2]

کنز الرموز میں امیر حسینی نے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے فرزند ارجمند شیخ صدرالدین کی مدح میں جو اشعار کہے ہیں، ان میں سے کچھ یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

شیخ ہفت اقلیم قطب الاولیا　　　واصل حضرت ندیم کبریا
مفخر ملت بہائے شرع و دین　　　جانِ پاکش منبع صدق و یقین
از وجود او بہ نزد دوستاں　　　جنت الماویٰ شدہ ہندوستاں
منکہ رو از نیک و از بد تافتم　　　ایں سعادت از قبولش یافتم
رخت ہستی چوں بروں پر از میاں　　　کرد پرواز ہما بر آشیاں
آں بلند آوازۂ عالم پناہ　　　سرور عصر افتخار صدر گاہ
صدر دین و دولت آں مقبول حق　　　نہ فلک بر خوانِ جودش یک طبق[3]

---

[1] یہ شعر تذکرۂ دولت شاہ میں نہیں ہے۔ [2] آتش کدہ، ص ۲۱ [3] نفحات الانس، قلمی نسخہ دار المصنفین و فرشتہ، جلد دوم، ص ۴۰۶۔

Marfat.com

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ
محبوب الٰہی

اسمِ گرامی والقاب: اسم گرامی محمد، القاب محبوب الٰہی، سلطان المشائخؒ، سلطان الاولیا، سلطان السلاطین اور نظام الدین اولیا تھے۔

نسب نامہ: سید محمد بن سید احمد بن سید علی بن سید عبداللہ خلمی بن سید حسن خلمی بن سید علی مشہدی بن سید احمد مشہدی بن سید ابی عبداللہ بن سید علی اصغر بن سید جعفر ثانی بن امام علی ہادی نقی بن امام محمد تقی بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام علی زین العابدین بن سیدنا امام حسین بن سیدنا امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ علیہم السلام۔

ان کے دادا سید علی اور نانا سید عرب ہم جد تھے۔

پیدائش: حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ کا خاندان بخارا سے ہجرت کر کے لاہور آیا، پھر وہاں سے بدایوں میں سکونت پذیر ہوا اور اسی شہر میں ماہ صفر ۶۳۴ھ میں حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

ابتدائی تعلیم: جب پانچ سال کے ہوئے تو والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، اس لیے اپنی والدہ ماجدہ کے زیر تربیت پرورش پائی جو بڑی عابدہ وزاہدہ تھیں، ان کی بزرگی اور کرامت کے واقعات سیر الاولیا (مؤلفہ سید مبارک امیر خورد) میں درج ہیں۔

Marfat.com

حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ کی ابتدائی تعلیم بدایوں میں ہوئی، یہیں مولانا علاء الدین اصولی سے قدوری ختم کی، جنہوں نے دستارِ فضیلت باندھنے کی تقریب میں علما و مشائخ کو مدعو کیا، دستارِ فضیلت باندھتے وقت بعض بزرگوں نے یہ پیشین گوئی کی کہ ''ایں بزرگ خواہد شد''[1]۔

مزید تعلیم کے لیے اپنی والدہ کے ساتھ دہلی گئے، جو اس وقت علما و فضلا کا گہوارہ بنا ہوا تھا، ان میں فضل و کمال کے اعتبار سے مولانا شمس الدین خوارزمی بہت ممتاز تھے، بلبن ان کا بے حد قدر دان تھا، چنانچہ اپنی بادشاہت کے زمانہ میں اس نے ان کو شمس الملک کا خطاب دیا اور ''مستوفی ممالک'' کے عہدہ پر مامور کیا، اس زمانہ کے مشہور شاعر تاج الدین سنگریزہ نے ان کی مدح میں ایک قصیدہ بھی کہا تھا جس کا ایک شعر یہ ہے:

مستوفی ممالک ہندوستاں شدے شمشاد کنوں بکام دردوستاں شدے[2]

اس عہدہ سے پہلے درس و تدریس کے لیے مشہور تھے، اس لیے حضرت شیخ نظام الدینؒ نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، مولانا شمس الدین خوارزمی نے بھی ان کی طرف غیر معمولی توجہ کی اور عزیز شاگردوں کو اپنے حجرہ میں بلا کر درس دیا کرتے تھے، چنانچہ یہ شرف ان کے تین شاگردوں قطب الدین ناقلہ، برہان الدین عبد الباقی اور حضرت شیخ نظام الدینؒ کو حاصل تھا، مولانا شمس الدین خوارزمی کا کوئی شاگرد جب درس سے غائب ہوتا اور جب وہ آتا تو وہ اس سے مذاقاً پوچھتے کہ میں نے تمہاری کیا خطا کی تھی جو تم درس میں حاضر نہ ہوئے، بتادو تاکہ میں پھر وہی قصور کروں اور تم آئندہ بھی حاضر نہ ہوسکو لیکن جب حضرت نظام الدین کا ناغہ ہو جاتا اور استاد کی خدمت میں پہنچتے تو ان کو دیکھ کر یہ شعر پڑھتے:

آخر کم از آنکہ گاہ گاہے آئی و بما کنی نگاہے[3]

حضرت شیخ نظام الدینؒ نے مولانا شمس الدینؒ سے حریری کے چالیس مقامات

---

۱ خیر المجالس، علی گڑھ ایڈیشن، ص ۱۹۱ ۲ سیر العارفین، ص ۶۰ ۳ فوائد الفواد، ص ۶۸۔

Marfat.com

پڑھے، اس کے بعد مولانا کمال الدین زاہد سے مشارق الانوار کا درس لیا، مولانا کمال الدین اپنے عہد کے جید عالم اور بڑے متقی اور متدین بزرگ تھے، سلطان بلبن نے ان کے تقویٰ، دیانت اور کمال علم کی شہرت سن کر ان کو اپنے پاس بلالیا اور کہا کہ اگر آپ میری نمازوں کی امامت قبول کریں تو کیا عجب کہ اس امامت کی برکت سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میری نمازیں قبول ہوں لیکن مولانا کمال الدین نے بڑی بے نیازی سے سلطان کو جواب دیا کہ میرے پاس نماز کے سوا اور کوئی چیز نہیں، آپ اس کو بھی چھین لینا چاہتے ہیں، سلطان اس جواب کو سن کر خاموش ہو گیا اور معذرت کر کے مولانا کو واپس کیا، حضرت شیخ نظام الدینؒ نے ان ہی سے حدیث پڑھی اور اس علم میں بڑا پایہ حاصل کیا، حافظ کلام پاک بھی تھے، تحصیل علوم و فنون کا شغل برابر جاری رکھا، اپنے مرشد حضرت شیخ العالم بابا گنج شکرؒ سے عوارف المعارف اور تمہید ابوشکور سالمی پڑھی[1]، چنانچہ ان کا شمار متبحر علما میں ہوتا تھا، ان کے مریدین ان کے تبحر علمی سے بھی استفادہ کرتے تھے، اسی لیے ان کی خانقاہ میں رشد و ہدایت کے ساتھ درس و تدریس کا بھی سلسلہ رہتا تھا اور اس سلسلہ کو جاری رکھنے کے لیے ان کے مرشد کی بھی ہدایت تھی۔

کشش مرشد: حضرت شیخ نظام الدینؒ دہلی میں ہلال طشت دار کی مسجد کے نیچے ایک حجرہ میں رہتے تھے، اس سے قریب ہی بابا فریدالدین گنج شکرؒ کے چھوٹے بھائی شیخ نجیب الدین متوکلؒ کا مکان تھا جو ظاہری اور باطنی علوم سے بہرہ ور تھے، ان کی صحبت میں حضرت شیخ نظام الدینؒ کے دل میں بابا گنج شکرؒ کی ملاقات اور دیدار کا شوق پیدا ہوا، ایک رات شہر کی جامع مسجد میں مقیم تھے، صبح کے وقت مؤذن نے مینارہ پر چڑھ کر یہ آیت پڑھی:

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ (حدید-۲)	کیا اس کا وقت نہیں آیا ہے کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کے دل اللہ کے ذکر سے اس کی خشیت سے جھک جائیں۔

---

[1] سیر الاولیا، ص ۱۰۱ تا ۱۰۶۔

Marfat.com

اس کو سن کر ان پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی، بابا گنج شکرؒ کی زیارت کو اٹھ کھڑے ہوئے اور جب اجودھن پہنچے تو بابا صاحبؒ نے ان کو دیکھ کر یہ شعر پڑھا:

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ سیلابِ اشتیاقت جانہا خراب کردہ

اور اسی روز حلقہ ارادت میں داخل کرلیا، بابا صاحبؒ کی خانقاہ میں اور تمام مریدین زمین پر سویا کرتے تھے لیکن ان کے لیے بابا صاحبؒ کے حکم سے ایک کھاٹ کا انتظام ہوا، وہ اس پر سونا نہیں چاہتے تھے، کہا حافظان کلام ربانی اور عاشقان درگاہِ رحمانی تو زمین پر رہیں اور وہ کھاٹ پر آرام کریں لیکن مرشد کا حکم تھا اس لیے عدول حکمی بھی نہیں کی[1]۔

حضرت شیخ نظام الدینؒ اپنے پیر دست گیر کی صحبت میں ۱۵/رجب ۶۵۵ھ سے ۲/ربیع الاول ۶۵۶ھ تک تعلیم و تربیت پاتے رہے، ان سے کلام پاک کے چھ پارے، عوارف المعارف کے پانچ ابواب کے علاوہ ابوشکور سالمی کی تمہید المہدی بھی پڑھی، ان کے مرشد جب ان کو عوارف المعارف پڑھاتے تو ان کو بڑی لذت محسوس ہوتی، فوائد الفواد میں فرماتے ہیں:

''میں نے عوارف کے پانچ باب شیخ کبیر فریدالدینؒ سے پڑھے، ان کا ایسا بیان ہوتا کہ پھر ایسا بیان کسی اور سے نہ سنا گیا، اس بیان کے موقع پر ایسا ذوق طاری ہو جاتا کہ سننے والے کی تمنا ہوتی کہ اس بیان کے موقع پر موت آجاتی تو خوب ہوتا۔'' (ص ۵۷)

بابا گنج شکرؒ کی خانقاہ میں تمام درویشوں کی زندگی بڑی عسرت، تنگی اور فاقہ میں گزرتی تھی، مولانا بدرالدین اسحٰق لنگر خانہ کے لیے ایندھن کی لکڑیاں لاتے، شیخ جمال الدین ہانسوی جنگل جا کر ویلہ لایا کرتے، یہ ایک قسم کا پھل تھا، جس کا عام طور سے نمک اور سرکہ بنا کر اچار بناتے تھے، حسام الدین کابلی پانی بھر کر لاتے اور باورچی خانہ کے برتن دھویا کرتے، حضرت نظام الدینؒ ویلوں کے پکانے کی خدمت اپنے ذمہ لیتے، ویلے میں ڈالنے

---

[1] سیر الاولیا، ص ۱۰۶، فرشتہ، جلد دوم، ص ۳۹۲ و خزینۃ الاصفیا، جلد اول، ص ۳۲۹۔

Marfat.com

کے لیے نمک کبھی میسر ہوتا کبھی نہیں، جب کہیں سے کوئی غیبی مدد مل جاتی تو پڑوس کے بقال کے یہاں سے مسالہ خرید لیا جاتا، ایک روز نمک نہ تھا، حضرت شیخ نظام الدینؒ نے مرشد کی خاطر ایک درم کا نمک بقال سے ادھار لے لیا اور ویلہ پکا کر مرشد اور درویشوں کے سامنے لے گئے، مولانا بدر الدین اسحٰق، شیخ جمال الدین ہانسویؒ اور حضرت شیخ نظام الدینؒ ایک ہی پیالہ میں ساتھ کھاتے تھے، جب بابا گنج شکرؒ نے لقمہ اٹھانے کے لیے پیالہ میں ہاتھ ڈالا تو ہاتھ میں گرانی محسوس ہوئی اور لقمہ نہ اٹھا سکے، فرمایا کہ "ازیں بوئے اسراف می آید" اور پوچھا کہ نمک کہاں سے لا کر ڈالا گیا ہے، حضرت شیخ نظام الدینؒ نے لرزہ براندام ہو کر عرض کیا، قرض کا ہے، بابا گنج شکرؒ نے فرمایا کہ درویشوں کو فاقہ سے موت آجائے تو اس سے بہتر ہے کہ لذت نفسانی کے لیے وہ مقروض ہوں، قرض اور توکل میں بعد المشرقین ہے، اگر کسی مقروض درویش کو اچانک موت آجائے تو قیامت میں اس کی گردن قرض کے بار سے جھکی رہے گی، یہ کہہ کر پیالوں کو غربا میں تقسیم کر دینے کا حکم دیا، حضرت شیخ نظام الدینؒ کا خود بیان ہے کہ اسی وقت انہوں نے دل میں قرض لینے سے توبہ واستغفار کی، مرید کی اس توبہ کا کشف مرشد کو ہوا تو جس کملی پر بیٹھے تھے، اس کو عطا کر کے ارشاد فرمایا کہ انشاء اللہ آئندہ تم کو قرض کی ضرورت ہی نہ پڑے گی اور جب شیخ نظام الدینؒ دہلی واپس ہونے لگے تو مرشد نے ان کو دو باتوں کی نصیحت فرمائی، ایک یہ کہ اگر کسی سے قرض لینا تو اس کو جلد ادا کرنے کی کوشش کرنا، دوسرے اپنے دشمنوں کو ہر حال میں خوش رکھنے کی سعی کرنا، چنانچہ جب حضرت نظام الدینؒ دہلی واپس آئے تو ایک عزیز کے پاس پہنچے جس سے انہوں نے ایک کتاب مستعار لی تھی اور وہ گم ہو گئی تھی، ان سے فرمایا کہ میری نیت صادق ہے کاغذ مہیا کر کے آپ کی کتاب لکھ کر آپ کے حوالہ کروں گا، وہ عزیز یہ سن کر ایسے متاثر ہوئے کہ کتاب مذکور حضرت نظام الدینؒ کو بخش دی، وہاں سے حضرت نظام الدینؒ ایک بزاز کے پاس آئے جس سے کسی وقت بیس

ل فوائد الفواد، ص ۶۳ و سیر الاولیا، ص ۱۱۷۔

Marfat.com

جیتل کا کپڑا ادھار لیا تھا، دس جیتل دے کر بقیہ رقم بعد میں دینے کو کہا، بزاز نے دس جیتل تو لے لیے اور بقیہ دس حضرت نظام الدینؒ کے مرشد کی صحبت کی عمدہ تاثیر کے لیے معاف کر دیے[۱]۔

دہلی سے تین بار مرشد سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لیے حضرت نظام الدینؒ اجودھن تشریف لے گئے، (فوائد الفواد، ص۴۲)، ایک بار مرشد نے اپنے محبوب مرید کے لیے خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی کہ الٰہی! نظام الدین جو تجھ سے مانگا کرے، اسے عطا فرمایا کر، یہ دعا قبول ہوئی، اسی لیے وہ محبوب الٰہی کہلائے[۲]، آخری بار جب اجودھن مرشد سے ملنے گئے تو واپسی کے وقت مرشد نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھے نیک بخت بنائے، تم ایسے درخت ہو گے جس کے سایہ میں مخلوق آرام پائے گی اور نصیحت کی کہ حصول استعداد کے لیے برابر مجاہدہ کرتے رہنا۔

بابا گنج شکرؒ کا جب وصال ہوا تو محبوب الٰہیؒ اجودھن میں نہ تھے، لیکن مرشد نے عصا و خرقہ جو حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ سے ان کو ملا تھا، مولانا بدر الدین اسحٰق کی معرفت اپنے مرید کے پاس دہلی بھیجا، بابا گنج شکرؒ کے جلیل القدر اور عظیم المرتبت خلفا میں تاج الاولیا علاء الدین صابر بھی تھے، بابا گنج شکرؒ فرمایا کرتے تھے کہ:

> ''علم سینۂ من بہ شیخ نظام الدین اولیا بدایونی رسید، و علم دل من بہ شیخ علاء الدین علی احمد صابر فائز گردیدہ[۳]''

فقر و فاقہ: پہلی دفعہ جب اجودھن سے حضرت محبوب الٰہی دہلی تشریف لائے تو شہر میں آبادی کی کثرت کی وجہ سے ان کو عبادت و ریاضت کے لیے کوئی پُرسکون جگہ نہ ملی، ان دنوں مرشد کی ہدایت کے بموجب کلام پاک حفظ کر رہے تھے، اس لیے جب شہر میں یک سوئی

۱۔ سیر العارفین فارسی، ص۶۳، اردو ترجمہ، ص۱۲۱ و مرآۃ الاسرار، قلمی نسخہ دار المصنفین و مونس الارواح، قلمی نسخہ

۲۔ سیر العارفین، ص۶۳ ۳۔ سیر الاقطاب، ص۱۷۸۔

Marfat.com

نہ ملتی تو جنگل جا کر حفظ کرتے، ایک روز قتلغ خاں کے حوض کے پاس ایک درویش سے ملاقات ہوئی، اس کی باتوں سے معلوم ہوا کہ شہر اس وقت فسق وفجور کا مرکز ہو رہا ہے، اس لیے یہاں کے قیام سے ایمان میں سلامتی اور عبادت میں استقامت پیدا نہیں ہو سکتی ہے، اس گفتگو کے بعد حضرت محبوب الٰہی دہلی سے متصل ایک جگہ غیاث پور میں آ کر مقیم ہوئے، شروع میں یہاں کے قیام کے زمانہ میں بڑی عسرت اور تنگی رہی، چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں ایک من خربوزے دو جیتل کو ملتے تھے، لیکن ساری فصل گزر گئی مگر میں ایک پھل بھی نہ چکھ سکا، اتفاقاً ایک روز ایک شخص کئی خربوزے اور کچھ روٹیاں میرے پاس لایا، جس کو میں نے اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی نعمت سمجھ کر لے لیا۔

اس زمانہ میں ایک جیتل میں دو سیر آٹا ملتا تھا، پھر بھی حضرت محبوب الٰہی کے پاس اتنے دام نہ ہوتے تھے کہ روٹی کے لیے آٹا خرید سکیں، کئی کئی روز کا فاقہ ہو جاتا، ایک بار مسلسل تین روز کا فاقہ ہو گیا تو کسی نے دروازہ پر دستک دی، دروازہ کھولا گیا تو ایک شخص خشک کھچڑی دے کر غائب ہو گیا، حضرت محبوب الٰہی نے گرسنگی کی شدت میں اس کھچڑی کو کھا لیا اور اس کو کھا کر جو لذت محسوس کی اس کا ذکر آئندہ بار بار فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ پھر کسی کھانے میں ایسی حلاوت محسوس نہیں ہوئی، جب گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہ ہوتی تھی تو ان کی والدہ ماجدہ کہا کرتی تھیں کہ آج ہم لوگ خداوند تعالیٰ کے مہمان ہیں، حضرت محبوب الٰہی کو اس جملہ سے بڑی لذت ملتی اور جب ان کے گھر میں آذوقہ ہوتا تو وہ افسوس کرتے کہ ان کی والدہ ماجدہ یہ نہ کہہ سکیں گی کہ آج ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں، حضرت محبوب الٰہی کی عسرت کی خبر سلطان جلال الدین خلجی کو ملی تو ان کی خدمت میں یہ کہلا بھیجا کہ اگر وہ حکم دیں تو ان کے خدمت گزاروں کے لیے کچھ گاؤں نذر کیے جائیں، مگر حضرت محبوب الٰہی کے فاقہ مست جاں نثاروں نے ان سے عرض کیا کہ آپ کے یہاں ہم کبھی کبھی روٹی کھا لیتے ہیں لیکن یہ گاؤں قبول کر لیے گئے تو اس کے بعد ہم آپ کے یہاں پانی پینا بھی پسند نہ کریں گے، یہ

Marfat.com

جواب سن کر حضرت محبوب الٰہیؒ بے حد محظوظ ہوئے[1]۔

اسی زمانہ میں شیخ برہان الدین غریب اور شیخ کمال الدین یعقوب جو آگے چل کر حضرت محبوب الٰہیؒ کے خلیفہ ہوئے، ان کی خدمت میں رہتے تھے، ایک روز چار روز کا مسلسل فاقہ ہوگیا، پڑوس کی ایک نیک بی بی نے جو حضرت محبوب الٰہیؒ سے بیعت بھی نہیں تھیں، کچھ آٹا بھیجا، شیخ کمال الدین یعقوب نے آٹے کو مٹی کے ایک برتن (دیگ سفالین) میں ڈال کر آگ پر چڑھا دیا، اسی وقت ایک دلق پوش درویش آ پہنچا اور کچھ کھانے کو مانگا، محبوب الٰہیؒ نے دیگ کو خود اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر درویش کے سامنے رکھ دیا، اس نے دیگ سے کچھ گرم گرم لقمے منھ میں ڈالے پھر دیگ کو اٹھا کر زمین پر پٹک دیا اور یہ کہتا ہوا غائب ہوگیا:

''شیخ فرید الدین گنج شکر نعمت باطن شیخ نظام الدین اولیا ارزانی داشت و من دیگ فقر ظاہری او بشکستم، حالا سلطان ظاہری و باطنی شدی۔''

اس کے بعد حضرت محبوب الٰہیؒ کی عسرت اور تنگی جاتی رہی[2]، حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

''فتوحات کا یہ حال تھا کہ دولت کا دریا آگے دروازے کے بہتا تھا، کوئی وقت فتوحات سے خالی نہ ہوتا، صبح سے شام تک لوگ آتے بلکہ عشا تک مگر لینے والے لانے والوں سے زیادہ ہوا کرتے اور جو کچھ لاتا اس سے زیادہ حضرت کی عنایت سے پاتا، ایک بار ایک امیر سو تنکہ زر نذر کو لایا، آپ نے قبول نہ فرمایا، جب دیکھا کہ بہت رنجیدہ ہوتا ہے تو اس میں سے ایک تنکہ قبول کیا، باقی وہ پاس لیے ہوئے غم ناک بیٹھا رہا، دل میں کہتا تھا کہ اگر حضرت شیخ سب قبول فرماویں تو میری سعادت ہے، شیخ نے فرمایا، میں نے سب اس لیے قبول نہیں کیے کہ تیرے کام آویں گے، لے جا میرے پاس اور مال ہے، پھر اس سے کہا، الٹی طرف دیکھ، اس نے نظر کی تو دیکھا تو اپنا اشرفیوں کا لگا ہوا ہے، سر قدموں پر رکھ کر جانے کو اٹھا، آپ نے اسے منع کیا کہ جو کچھ دیکھا ہے اسے

---

[1] سیر الاولیا، ص ۱۱۳-۱۱۴ [2] سیر الاولیا، ص ۱۱۳، ۱۱۵ و فرشتہ، ج ۲، ص ۳۹۶ و خزینۃ الاصفیا، ج ۱، ص ۳۴۰۔

Marfat.com

کسی اور سے مت کہنا، وہ پوشیدہ نہ رکھ سکا، باہر آ کر یہ حال لوگوں سے بیان کر دیا۔" (خیر المجالس، اردو ترجمہ، ص ۲۰۲، ترجمہ کی عبارت ہو بہو نقل کر دی گئی ہے۔)

خلوت در انجمن: اسی زمانہ میں سلطان معز الدین کیقباد نے غیاث پور کے پاس کیلوکھڑی میں ایک محل بنوایا اور ایک شہر آباد کیا، جس میں ایک جامع مسجد بھی بنوائی، اس لیے لوگوں کے ہجوم سے حضرت محبوب الٰہیؒ کی طبیعت گھبرانے لگی اور کہیں دوسری طرف چلے جانے کا ارادہ کیا لیکن ایک روز ایک خوش رو نوجوان ان کے پاس آیا اور یہ دو شعر پڑھے:

آں روز کہ مہ شدی نمی دانستی — کانگشت نمائے عالمے خواہی شد
امروز کہ زلفت دل خلقے بر بود — در گوشہ نشستنت نمی دارد سود

اور کہا:

"اول مشہور نمی بایستی شد ایں کہ مشہور شد، چناں سعی کند کہ در روز قیامت از روئے رسول اللہ ﷺ شرمندہ نہ گردد، از خلق گوشہ گرفتن و بحق مشغول شدن سہل است اما مردانگی و کار مردی آنست کہ خلوت در انجمن باشد و باوجود انبوہ خلق در مشغولی خلل نیفتد[1]۔"

امرا کی آمد و رفت: یہ سن کر غیاث پور ہی میں آخر وقت تک مقیم رہے، دربار کی قربت کی وجہ سے امرا کی آمد و رفت بھی ان کے یہاں شروع ہوئی اور وہ تربیت پا کر مستفید ہوتے رہے۔

سیر العارفین کے مصنف کا بیان ہے کہ:

"بیشترے اہل دول کہ ہموارہ مائل بہ فسق و فجور بودند بخدمت حضرت شیخ انابت نمودند، و بصلاح دینی و فلاح یقینی مستلزم و مستحکم گشتند[2]۔"

امیر خسرو: امیر خسرو کے نانا عماد الملک اور والد بزرگ وار امیر سیف الدین لاچین بھی حضرت محبوب الٰہیؒ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور دونوں کا پورا خاندان شرف بیعت سے مشرف ہوا، امیر خسرو کی عمر اس وقت جب انھوں نے اپنے محبوب مرشد کے دامن میں پناہ لی،

---

[1] سیر الاولیا، ص ۱۱۱ و سیر العارفین، ص ۶۶، مطلوب الطالبین، ورق ۲۹ [2] سیر العارفین، ص ۶۵۔

Marfat.com

کل آٹھ سال کی تھی، رفتہ رفتہ مرشد کو اس مرید سے اتنا گہرا لگاؤ پیدا ہوگیا کہ بارہا فرمایا کرتے تھے کہ:

''اے ترک من از وجود خود برانجم لیکن از تو نہ رنجم[1]''

امیر خسرو پر بھی مرشد کی تربیت کا اتنا اثر ہوا کہ تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ چالیس سال تک صائم الدہر رہے اور عشق الٰہی کی ایسی سوزش ان میں پیدا ہوگئی کہ جب لباس زیب تن کرتے تو بعض تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ سینہ کے پاس کا کپڑا جل جاتا، چنانچہ محبوب الٰہی فرماتے ہیں کہ:

''روز قیامت از ہر کس خواہند پرسید کہ چہ آوردی از من پرسند خواہم گفت کہ سوز سینہ ایں ترک اللہ[2]''

امیر خسرو کو بھی اپنے مرشد سے کچھ ایسا لگاؤ پیدا ہوگیا تھا کہ ان کی فریفتگی اور شیفتگی آج تک ضرب المثل ہے، امیر خسرو نہ صرف ایک بے بدل شاعر اور ادیب تھے بلکہ شاہی دربار سے تعلقات کی بنا پر امیر کبیر بھی تھے لیکن اس کے باوجود وہ کبھی خلوت میں مرشد کے ادنیٰ خادم بن کر رہتے کبھی جلوت میں خوش الحان قوال کے لباس میں مرشد کو اپنی غزلیں سناتے اور جو شعر مرشد کو پسند آجاتا اس کو بے خود ہو کر بار بار گاتے، وہ اپنی شاعری کے سارے کمالات کو محض اپنے مرشد کے لعاب دہن کی برکت سمجھتے تھے،[3] مرشد نے بھی مرید کے شعر و شاعری کے متعلق یہ اشعار موزوں کیے ہیں[1]:

خسرو کہ بہ نظم و نثر مثلش کم خواہست ملک است کہ ملک سخن خسرو راست
ایں خسرو ما است ناصر خسرو نیست زیرا کہ خدائے ناصر خسرو ماست

---

[1] خزینۃ الاصفیا ص ۳۴۰، جلد اول، مونس الارواح، قلمی نسخہ دار المصنفین میں یہ الفاظ اس طرح ہیں: ''از خود تنگ آیم اما از تو تنگ نیایم۔'' [2] سفینۃ الاولیا، ص ۱۶۰ [3] کہا جاتا ہے کہ محبوب الٰہی نے امیر خسرو کے منھ میں اپنا لعاب دہن ڈالا تھا، خزینۃ الاصفیا۔ ج ۱، ص ۳۴۰ و سیر الاولیا، ص ۳۰۴۔

Marfat.com

مرشد سے امیر خسرو کا عشق اتنا بڑھ گیا تھا کہ ایک بار ایک درویش نے محبوب الٰہی کے پاس آ کر سوال کیا، اتفاق سے اس روز لنگر خانہ میں کوئی چیز نہ تھی، محبوب الٰہی نے فرمایا، آج جو کچھ بھی فتوح میں آئے گا، تم کو دے دیا جائے گا لیکن اتفاق سے اس روز کوئی چیز کہیں سے نہیں آئی، فرمایا کہ کل کی فتوح تمہارے نذر کی جائے گی، دوسرے دن بھی کوئی چیز نہیں آئی، بالآخر حضرت محبوب الٰہی نے اپنے پاؤں کی جوتیاں دے کر درویش کو رخصت کیا، وہ شہر سے باہر نکلا تو امیر خسرو جو بادشاہ وقت کے ساتھ کہیں گئے تھے، راستہ میں ملے اور درویش سے مرشد کی خیریت پوچھی، جب درویش باتیں کرنے لگا تو امیر خسرو نے بے اختیار ہو کر کہا:

''مرا از تو بوئے پیر روشن ضمیر من آید شاید کہ از شیخ نشانی نزد خود داری۔''

درویش نے وہ نشانی دکھائی، امیر خسرو بے تاب ہو گئے اور درویش سے پوچھا کہ اس کو فروخت کرتے ہو، وہ راضی ہو گیا، امیر خسرو کے پاس اس وقت پانچ لاکھ نقرئی ٹنکے تھے، وہ بادشاہ نے ان کو ایک قصیدہ کے صلہ میں عطا کیے تھے، یہ پوری رقم درویش کو دے کر مرشد کے نعلین خرید لیے اور ان کو اپنے سر پر رکھ کر مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

''درویش بر ہمیں اکتفا کرد، ورنہ اگر تمام جان و مال من بعوض ایں کفش طلب می کرد حاضری کردم[1]۔''

محبوب الٰہی کو بھی اپنے مرید سے ایسی شیفتگی تھی کہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر شریعت میں اجازت ہوتی تو میں وصیت کرتا کہ:

''او را در قبر من دفن نمایند تا ہر دو یکجا باشیم[2]۔''

لیکن پھر یہ وصیت فرما گئے کہ:

---

[1] خزینۃ الاصفیا، ص ۳۴۱ و سفینۃ الاولیا، ص ۱۷۰ [2] فرشتہ، ج ۲، ص ۴۰۳۔

Marfat.com

''امیر خسرو بعد از من نخواہد زیست، چوں رحلت کند پہلوئے من دفن کنند کہ او صاحب اسرار منست و من بے او قدم در بہشت نہم''[1]

امیر خسرو مرشد کے رحلت کے وقت دہلی سے دور سلطان محمد تغلق کے ساتھ بنگالہ کی مہم پر تھے، محبوب الٰہیؒ کا وصال ہوا تو یکا یک امیر خسرو کے دل پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی اور وہ بادشاہ سے اجازت لے کر چل کھڑے ہوئے، دہلی پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت محبوب الٰہیؒ اپنے محبوب سے جا ملے، یہ سن کر بے تاب ہو گئے، اپنی ساری ملکیت مرشد کے ایصال ثواب کے لیے فقرا و مساکین پر لٹا دی اور ماتمی لباس پہن کر مزار پر انوار پر پہنچ گئے، اس سے سر ٹکرا کر ایک چیخ ماری کہ:

''سبحان اللہ آفتاب در زیر زمین و خسرو زندہ''[2]

اور یہ ہندی شعر پڑھا:

گوری سوئے سیج پر مکھ پر ڈھرے کیس　　　چل خسرو گھر اپنے رین بھئے سب دیس

اور یہ پڑھ کر بے ہوش ہو گئے، سیر الاولیا کی روایت ہے کہ امیر خسرو لکھنوتی سے واپس آئے اور ان کو معلوم ہوا کہ سلطان المشائخ جنت کو سدھارے تو اپنا منھ سیاہ کر لیا، کپڑے پھاڑ ڈالے اور مٹی میں لت پت سلطان المشائخ کے مزار پر پہنچے، ع

جامہ دراں چشم چکاں خون دل رواں

اس کے بعد بولے کہ مسلمانو! میں کون ہوں کہ ایسے بادشاہ کے لیے روؤں، میں تو اپنے لیے روتا ہوں کہ سلطان المشائخ کے بعد اب زندہ نہ رہ سکوں گا (سیر الاولیا، ص ۳۰۵) اور اسی غم واندوہ میں چھ مہینہ کے بعد عالم بقا کو سدھارے لیکن وفات کے بعد مرشد کے پہلو میں دفن نہ کیے جا سکے، فرشتہ کا بیان ہے:

''چوں امیر خسرو فوت شد خواستند کہ موجب وصیت پہلوئے قبر درون گنبد دفن کنند

---

[1] فرشتہ، ج ۲، ص ۴۰۴ [2] سفینۃ الاولیا، ص ۱۷۰۔

Marfat.com

یکے از خواجہ سرایان کہ منصب وزارت داشت و مرید شیخ بود مانع شدہ کہ بعضے مریدان شیخ و امیر خسرو مشتبہ خواہد شد، پس او را در پایان شیخ بر چبوترہ یاران مدفون ساختند[1]۔"

دربار شاہی سے بے نیازی: حضرت محبوب الٰہی نے بادشاہوں کی صحبت سے ہمیشہ کنارہ کشی اختیار کی اور ان سے کسی حال میں بھی ملنا پسند نہیں فرمایا، سلطان جلال الدین خلجی کو حضرت محبوب الٰہی کے شرف ملاقات کی بڑی تمنا تھی لیکن یہ تمنا پوری نہیں ہوئی، امیر خسرو اس کے دربار سے متعلق تھے اور انہوں نے وعدہ کیا کہ حضرت کی اجازت کے بغیر وہ ان کی خدمت میں سلطان کو لے جائیں گے، سلطان خوش تھا کہ اسی طرح نیاز حاصل ہو جائے گا، امیر خسرو نے اپنے ولی نعمت سے وعدہ تو کر لیا لیکن دل میں خیال پیدا ہوا کہ کہیں مرشد کو یہ ناگوار نہ ہو، سلطان جلال الدین نے امیر خسرو سے اس واقعہ کو راز میں رکھنے کے لیے کہا تھا، مگر سلطان کے ایما کے خلاف انہوں نے اپنے مرشد کی خدمت میں عرض کیا کہ سلطان آنا چاہتے ہیں، محبوب الٰہی نے اسی وقت شہر چھوڑ کر اپنے مرشد کے مزار کی زیارت کے لیے اجودھن روانہ ہو گئے، سلطان جلال الدین کو خبر ملی تو امیر خسرو سے باز پرس کی کہ یہ راز کیوں فاش کیا، امیر خسرو نے عرض کیا کہ اگر آپ رنجیدہ ہوئے تو زیادہ سے زیادہ میری جان کا خطرہ ہے لیکن مرشد آزردہ ہوئے تو میرے ایمان کا خطرہ تھا، سلطان جلال الدین خلجی کو یہ جواب بہت پسند آیا[2]۔

خلجی دربار کے امرا میں محمد کاشف (یا کاتب) حاجب اور ملک قرہ بیگ ترک بھی حضرت محبوب الٰہیؒ کے معتقدین میں تھے، ایک بار کاشف علاء الدین خلجی کی جانب سے پچاس ہزار دینار نذر لایا، یہ رقم وہ اس وقت لے کر پہنچا جب محبوب الٰہی رشد و ہدایت کے سلسلہ میں کسی عقدہ کے حل کرنے کے وعدہ کا ایفا کرنے والے تھے، رقم دیکھ کر فرمایا، بادشاہ کے انعام کی طرف توجہ کروں یا عہد پورا کروں، مریدوں نے عرض کی:

---

[1] فرشتہ، ج ۲، ص ۴۰۴، مونس الارواح (قلمی نسخہ دار المصنفین) میں ہے کہ امیر خسرو نے اپنے مرشد کے وصال کے ساڑھے تین مہینہ کے بعد انتقال کیا۔ [2] سیر الاولیا، ص ۱۳۵۔

Marfat.com

''وفائے عہد بہتر از ہشت بہشت ست چہ جائے انعام پنجاہ ہزار دینار''[1]

سلطان علاء الدین خلجی نے جب ملک کافور کو ورنگل کی فتح کے لیے بھیجا تو کچھ دنوں تک اس کو اس مہم کے متعلق کسی قسم کی خبر نہ ملی، حالت اضطراب میں قاضی مغیث الدین بیانوی اور ملک قرا بیگ کو بھیج کر محبوب الٰہی کی خدمت میں یہ پیام کہلایا:

''شمارا غم اسلام بیش از من ست، اگر بیا من نور باطن حقیقی کیفیتی معلوم شدہ باشد، اشارہ نمایند کہ خاطر از نہ رسیدن خبر لشکر گران ست''[2]

محبوب الٰہیؒ نے بشارت دی:

''ورائے ایں فتح فتحہائے دیگر متوقع ست''[3]

چنانچہ اسی روز ورنگل کی فتح کی خبر ملی، سلطان علاء الدین نے خوشی میں سلطان الاولیا کی خانقاہ کے لیے پانچ سو اشرفیاں بھیجیں، ملک قرا بیگ اشرفیاں لے کر پہنچا تو اس کو دیکھ کر ایک خراسانی قلندر نے محبوب الٰہیؒ سے کہا، الھدایا مشترک، (یعنی ہدیہ مشترک ہوتا ہے) محبوب الٰہیؒ نے جواب دیا ''تنہا خوشترک'' (یعنی تنہا ایک ہی شخص کو مل جائے تو اس سے بہتر ہے) یہ کہہ کر تمام اشرفیاں قلندر کے حوالہ کر دیں[4]۔

ملک قرا بیگ (قنبر بیگ) کو علاء الدین نے یہ ہدایت کر رکھی تھی کہ محبوب الٰہیؒ کو محفل سماع میں جس شعر پر وجد آ جائے اس کو وہ لکھ لیا کرے اور آ کر سنایا کرے، مرأۃ الاسرار کے مصنف کا بیان ہے کہ ان اشعار کو سن کر علاء الدین کو قلبی راحت محسوس ہوتی تھی[5]، ایک بار محبوب الٰہیؒ کو حکیم سنائی کے ان دو شعروں پر وجد آیا:

بیش منما جمال جاں افروز در نمودی برو سپند بسوز

---

[1] فرشتہ دوم، ص ۳۹۴ و سیر العارفین، ص ۴۳ [2] فرشتہ، جلد اول، ص ۱۱۹ و تاریخ فیروز شاہی، ضیاء الدین برنی، ص ۳۳۱ [3] ایضاً [4] سیر العارفین، ص ۷۹ [5] مونس الارواح، قلمی نسخہ، دار المصنفین و سیر العارفین، ص ۷۴ و مرأۃ الاسرار، قلمی نسخہ دار المصنفین۔

Marfat.com

آں جمال تو چیست ہستی تو — واں سپند تو چیست مستی تو

حسب معمول قرا بیگ ان کو لکھ کر سلطان علاء الدین خلجی کے پاس پہنچا، سلطان ان اشعار کو بار بار پڑھتا، آنکھوں سے لگاتا اور تعریف کرتا تھا، قرا بیگ نے سلطان کی یہ عقیدت دیکھ کر کہا، اس حسن عقیدت کے باوجود آپ نے شیخ سے اب تک ملاقات نہیں کی ہے، جو تعجب کا باعث ہے، سلطان نے جواب دیا:

''اے قرا بیگ (قمر بیگ) ترک ما بادشاہیم از سرتا پا آلودۂ دنیا و بدیں آلودگی شرم داریم کہ آنچناں پاکی را در یابیم۔''

لیکن اسی وقت اپنے جگر گوشوں خضر خاں اور شادی خاں کو محبوب الٰہیؒ کے دامن ارادت سے وابستہ ہونے کے لیے دو لاکھ ٹنکے کے ساتھ بھیجا، دونوں مرید ہو کر محبوب الٰہی کی صحبت سے مستفیض ہوتے رہے، خضر خاں ہی نے خانقاہ کی عمارت بنوائی ہے[۱]۔

خضر خاں محبوب الٰہیؒ کے حلقہ ارادت میں آچکا تو تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ:

''ایک بار سلطان علاء الدین خلجی نے شیخ کے امتحان کی غرض سے ان کی خدمت میں امور سلطنت کی اصلاح کے متعلق چند فصلیں لکھیں جن میں ایک فصل کا مضمون یہ تھا کہ ''چوں کہ حضرت شیخ تمام دنیا کے مخدوم ہیں اور دین اور دنیا میں جس شخص کو کوئی ضرورت ہوتی ہے، ان کی خدمت سے پوری ہوتی ہے اور خداوند تعالیٰ نے دنیا کی سلطنت کی باگ ہمارے ہاتھ میں دی ہے تو ہم کو چاہیے کہ جو کام اور جو مصلحت سلطنت میں پیش آئے، حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کریں تاکہ جس چیز میں ملک کی بھلائی ہو، ہماری بہتری ہو، اس سے مطلع فرمائیں، اس لیے چند فصلیں اس باب میں شیخ کی خدمت میں بھیجی جاتی ہیں، ان میں جو اچھی باتیں ہوں ان کو نیچے لکھ دیں تاکہ ہم ان پر عمل کریں'' اس کاغذ کو خضر خاں کے ذریعہ، جو اس کے تمام لڑکوں میں زیادہ محبوب اور شیخ کا مرید تھا، شیخ کی خدمت میں بھیجا، جب خضر خاں نے اس کاغذ کو شیخ کے ہاتھ میں دیا تو انہوں نے

---

۱ فرشتہ، ج ۲، ص ۳۹۴ و سیر العارفین، ص ۴۷۔

Marfat.com

اس کو نہیں پڑھا اور حاضرین مجلس سے کہا کہ ہم فاتحہ پڑھتے ہیں، پھر فرمایا کہ فقیروں کو بادشاہوں کے کام سے کیا مطلب، میں ایک فقیر ہوں اور شہر سے الگ ایک گوشہ میں رہتا ہوں اور بادشاہوں اور مسلمانوں کی دعا گوئی میں مشغول ہوں، اس لیے بادشاہ اس کے بعد مجھ سے کہے گا تو میں اس جگہ سے بھی چلا جاؤں گا، خدا کی زمین کشادہ ہے، جب یہ خبر سلطان علاء الدین کو پہنچی تو خوش ہو کر معتقد ہو گیا اور کہلا بھیجا کہ اگر قبول فرمائیں تو میں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوں، شیخ نے فرمایا کہ آنے کی ضرورت نہیں، میں غائبانہ دعا میں مشغول ہوں اور غائبانہ دعا اثر رکھتی ہے، سلطان علاء الدین نے ملاقات کے لیے پھر اصرار کیا تو شیخ نے کہلا بھیجا کہ اس ضعیف کے گھر میں دو دروازے ہیں، اگر بادشاہ ایک دروازہ سے تشریف لائیں گے تو میں دوسرے دروازہ سے باہر نکل جاؤں گا[1]"

سلطان علاء الدین خلجی کی ایک نئی تصویر: اوپر کی سطروں سے سلطان علاء الدین خلجی کو محبوب الٰہیؒ سے جو عقیدت تھی، اس کا اندازہ ناظرین کو ہوا ہوگا، موجودہ دور کی تاریخوں میں سلطان علاء الدین کی خلجی کی بہت ہی بھیانک تصویر کھینچی گئی ہے لیکن اولیا اللہ اس کو کن نظروں سے دیکھا کرتے تھے اس کا ذکر شاید یہاں دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، حضرت محبوب الٰہیؒ کی وفات کے بعد حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کی مجلس میں ایک بار علاء الدین خلجی کا ذکر آیا تو حضرت چراغ دہلی نے فرمایا کہ ملک التجار قاضی حمید الدین جب اودھ آئے تو ایک دعوت میں مجھ کو بھی بلا بھیجا، دعوت کے بعد جب تمام لوگ رخصت ہو گئے تو میں تنہا رہ گیا، اثنائے گفتگو میں قاضی حمید الدین نے کہا کہ ایک بار میں نے علاء الدین کو پلنگ پر برہنہ سر، پاؤں زمین پر لٹکائے ہوئے بیٹھا دیکھا، جو فکر میں غرق اور مبہوت تھا، میں سامنے پہنچا تو بادشاہ کو بالکل خبر نہیں ہوئی، میں نے باہر آ کر ملک فرید بک سے کہا کہ آج بادشاہ کو میں نے اس حال میں دیکھا ہے، تم بھی چل کر دیکھو، میرے ساتھ وہ اندر گیا تو بادشاہ کو باتوں میں لگایا پھر عرض کیا، حکم ہو تو کچھ بیان کروں، بادشاہ نے اجازت دی تو میں (یعنی قاضی حمید الدین) آگے بڑھا

---

[1] اخبار الاخیار، ص ۵۵-۵۶، نیز دیکھو سیر الاولیا، ص ۱۳۲-۱۳۳۔

Marfat.com

اور عرض کیا، میں اندر آیا تھا تو میں نے دیکھا کہ حضور برہنہ سر، پریشاں حال اور فکر مند ہیں، آپ کو کس بات کی فکر ہے؟ بادشاہ نے کہا، سنو! مجھ کو چند روز سے یہ فکر ہے کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کا حاکم بنایا ہے، اب کچھ ایسا کام کرنا چاہیے کہ مجھ سے تمام مخلوق کو نفع پہنچے، سوچا کیا کروں،، اگر اپنا خزانہ تقسیم کروں، تو بھی مخلوق کو نفع نہ ہوگا، اب ایک بات یہ سوچی ہے کہ غلہ کی ارزانی کی تدبیر کروں، اس سے مخلوق کو ضرور فائدہ پہنچے گا اور اس کی تدبیر یہ ہے کہ بنجاروں کے نائکوں کو حکم دوں کہ وہ حاضر ہوں اور وہ جو غلہ اطراف ملک سے دس بیس ہزار بیلوں پر لاتے ہیں، اس کی قیمت اپنے خزانہ سے ادا کروں اور ان کو پہننے کے لیے کپڑے دوں اور خانگی خرچ کے لیے علاحدہ سے روپے دوں تاکہ وہ بے فکر رہیں اور اطراف ملک سے غلہ لاکر میرے نرخ مقررہ کے مطابق فروخت کریں، قاضی حمید الدین نے یہ واقعہ بیان کرکے کہا کہ غرض یہی بات کی گئی، شاہی فرمان جاری ہوئے، خلعت، خرچ اور قیمت شاہی خزانہ سے ادا کی گئی اور غلہ بہ کثرت آنے لگا، چند روز کے بعد گیہوں سات جیتل فی من بکنا شروع ہوا، گھی شکر اور دوسری چیزیں بھی ارزاں ہوئیں اور تمام لوگ آسودہ رہنے لگے، یہ قصہ بیان کرکے حضرت چراغ دہلیؒ نے فرمایا کہ سلطان علاء الدین رحمۃ اللہ علیہ بھی کیا بادشاہ تھا، مجلس کے حاضرین میں سے ایک نے کہا کہ لوگ اس کی قبر کی زیارت کو جاتے ہیں اور اپنے مراد کی ڈوری اس کے مزار پر باندھ آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی حاجتیں بر لاتے ہیں، حضرت چراغ دہلی کے ملفوظات کے کاتب شیخ حمید شاعر نے بھی اپنا ایک ذاتی واقعہ بیان کیا کہ ایک روز جمعہ کی نماز کے بعد سلطان علاء الدین کے مزار پر فاتحہ پڑھنے گیا، مجھ کو کوئی حاجت نہ تھی لیکن پھر بھی اپنی دستار سے ایک دھاگا نکال کر مزار پر باندھ آیا، رات کو خواب میں دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ تیری کیا حاجت ہے، میں نے کہا، مجھے کوئی حاجت نہیں[1]۔

محبوب الٰہیؒ کے فیوض و برکات: علاء الدین خلجی کے عہد میں محبوب الٰہیؒ کے فیوض و برکات سے ملک میں عام انقلاب پیدا ہوا، اس کی تصویر ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی

Marfat.com

میں کھینچی ہے، اس میں پہلے تو بعض اور مشائخ کا ذکر ہے، پھر محبوب الٰہی کی نظر کیمیا اثر اور صحبت روح پرور سے خواص و عوام میں جو غیر معمولی تبدیلیاں پیدا ہوئیں، ان کی تفصیل یہ ہے:

''سلطان علاء الدین کے زمانہ کے مشائخ میں سے سجادۂ تصوف شیخ الاسلام نظام الدینؒ، شیخ الاسلام علاء الدینؒ اور شیخ الاسلام رکن الدینؒ سے آراستہ تھا، ایک دنیا ان کے انفاس متبرکہ سے روشن ہوئی اور ایک عالم نے ان کی بیعت کا ہاتھ پکڑا اور ان کی مدد سے گناہ گاروں نے توبہ کی اور ہزاروں بدکاروں اور بے نمازیوں نے بدکاری سے ہاتھ اٹھایا اور ہمیشہ کے لیے پابند نماز ہو گئے اور باطنی طور پر دینی مشغلہ کی طرف رغبت ظاہر کی اور توبہ صحیح ہوگئی اور عبادات لازمہ اور متعدیہ کا معمول ہو گیا اور دنیا کی حرص و محبت جو انسانوں کے فوائد اور فرماں برداری کی بنیاد ہے، ان مشائخ کے اخلاق حمیدہ اور ترک تجرید کے معاملات کے دیکھنے سے دلوں سے کم ہوگئی اور سالکوں کو نوافل اور وضائف کی کثرت اور اوصاف عبودیت کی پابندی سے کشف و کرامات کی آرزو دل میں پیدا ہونے لگی اور ان بزرگوں کی عبادات و معاملات کی برکت سے لوگوں کے معاملات میں سچائی پیدا ہوگئی اور ان کے مکارم اخلاق و مجاہدہ و ریاضت کے دیکھنے سے اللہ والوں کے دلوں میں اخلاق کے بدلنے کی خواہش پیدا ہوئی اور ان دینی بادشاہوں کی محبت اور اخلاق کے اثر سے خداوند تعالیٰ کے فیض کی بارش دنیا میں ہونے لگی اور آسمانی مصیبتوں کے دروازے بند ہو گئے اور ان کے زمانہ کے لوگ قحط و وبا کی مصیبت میں مبتلا اور گرفتار نہیں ہوئے اور ان کی مخلصانہ اور عاشقانہ عبادت گزاری کی برکت سے مغلوں کا فتنہ جو سب سے بڑا فتنہ تھا، ایسا فرو ہوا اور یہ تمام ملاعین اس قدر آوارہ اور تباہ ہوئے کہ اس سے زیادہ نہیں ہو سکتے تھے اور یہ تمام باتیں جو ان تینوں بزرگوں کے وجود سے ان کے معاصرین کو نظر آئیں، وہ شعائر اسلام کی بلندی کا ذریعہ بن گئیں اور احکام شریعت و طریقت سے جو رونق و رواج حاصل ہوا، اس کا کیا کہنا، کتنا عجیب وہ زمانہ تھا، جو سلطان علاء الدین کے آخری دسویں سال

---

۱ خیر المجالس، مجلس ہفتاد و ہفتم، ص ۲۴۲-۲۴۰۔

Marfat.com

میں نظر آیا، ایک طرف سلطان علاء الدین نے ملک کی بہتری کے لیے تمام منشی اور ممنوع چیزوں کو اور فسق و فجور کے اسباب کو قہر وغلبہ، تعزیر و تشدد اور قید و بند سے روک دیا اور مال جو دینی اور ملکی فساد کا ذریعہ اور ہوا پرستوں کے لیے گناہوں کا آلہ اور حریصوں، بخیلوں اور تاجروں کے لیے سود، ذخیرہ اندوزی کا سامان اور فتنہ پروروں کے لیے بغاوت کی استعداد اور نیکوں کے لیے کبر، مفاخرت، غفلت اور کسل مندی پیدا کرنے والا ہے اور عبادت گزاروں کے لیے نسیان و فراموشی کا باعث ہے، سلطان علاء الدین ہر بہانہ سے کہ جو اس سے ملتا، مال داروں اور حکام سے سختی سے لے لیتا اور بازار والوں کو کہ دنیا کی تمام قوموں میں سب سے زیادہ جھوٹ بولنے والی اور سب سے زیادہ فریب کرنے والی قوم ہے، سچائی اختیار کرنے، سچائی کے ساتھ مال بیچنے اور سچ کہنے کے لیے خون خرابہ میں رکھتا تھا، دوسری طرف اسی زمانہ میں شیخ الاسلام نظام الدینؒ نے بیعت کا عام دروازہ کھول رکھا تھا اور گناہ گاروں کو خرقہ پہناتے اور ان سے توبہ کراتے تھے اور اپنی مریدی میں قبول کرتے تھے اور خاص و عام، غریب و دولت مند، بادشاہ و فقیر، عالم و جاہل، شریف و رذیل، شہری اور دیہاتی، غازی اور مجاہد، آزاد و غلام سب کو تزکیہ، توبہ اور پاکی کی تعلیم دیتے تھے اور یہ تمام لوگ کیوں کہ اپنے کو شیخ کا مرید سمجھتے تھے، بہت سے گناہوں سے باز آتے تھے اور اگر شیخ کے کسی مرید سے لغزش ہو جاتی تھی تو پھر از سر نو بیعت کر لیتے اور توبہ کا خرقہ عطا کرتے تھے اور شیخ کی مریدی کی شرم تمام لوگوں کو بہت سی ظاہری و باطنی برائیوں سے روک دیتی تھی اور عام طور پر لوگ تقلید و اعتقاد کی وجہ سے عبادت کی طرف رغبت کرتے تھے، مرد عورت، بوڑھے جوان، بازاری، عامی، غلام، نوکر سب کے سب نماز ادا کرتے تھے اور زیادہ تر مرید چاشت و اشراق کے پابند ہو گئے تھے، آزاد اور نیک کام کرنے والوں نے شہر سے غیاث پور تک چند تفریحی مقامات پر چبوترے قائم کر دیے تھے اور چھپر ڈال دیے تھے، کنویں کھدوا دیے تھے، پانی سے بھرے ہوئے گھڑے اور مٹی کے لوٹے رکھوا دیے تھے، چٹائیاں بچھوا دی تھیں اور ہر چبوترہ اور ہر چھپر میں ایک چوکی دار اور ایک ملازم مقرر کر دیا تھا، تا کہ مرید اور توبہ کرنے والے نیک لوگوں کو شیخ کے آستانہ تک آنے جانے میں

Marfat.com

نماز ادا کرنے کے وقت وضو کرنے کے لیے کوئی تردد نہ ہو اور چبوترہ اور چھپر میں نفل پڑھنے والے نمازیوں کا ہجوم دیکھا جاتا تھا، ارتکاب گناہ لوگوں کے درمیان کم ہو گیا تھا اور اکثر آدمیوں کے درمیان چاشت، اشراق اور اوابین، تہجد اور زوال کے وقت رکعت نماز کی تحقیقات زیادہ تھی کہ ان نوافل میں ہر وقت کتنی رکعتیں ادا کرتے ہیں اور ہر رکعت میں کلام پاک کی کون سی سورہ اور کون سی آیت پڑھتے ہیں، پنج گانہ نمازوں اور ہر نفل سے فارغ ہونے کے بعد کون کون سی دعائیں آئی ہیں، اکثر نئے مرید شیخ کے قدیم مریدوں سے غیاث پور کی آمد و رفت کے وقت پوچھتے تھے کہ شیخ رات کی نماز میں کتنی رکعتیں پڑھتے ہیں اور ہر رکعت میں کیا پڑھتے ہیں اور عشا کی نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ پر کتنی بار درود بھیجتے ہیں اور شیخ فرید اور شیخ بختیار رات دن میں کتنی بار درود بھیجتے تھے اور کتنی بار قل ہو اللہ احد پڑھتے تھے، نئے مرید شیخ کے قدیم مریدوں سے اسی قسم کے سوالات کرتے تھے، روزے، نوافل اور تقلیل طعام کے متعلق پوچھتے تھے، اس نیک زمانہ میں اکثر آدمیوں کو حفظ قرآن کا ذوق پیدا ہو گیا تھا، نئے مرید شیخ کے پرانے مریدوں کی صحبت میں رہتے تھے، پرانے مریدوں کو طاعت، عبادت، ترک تعلق، تصوف کی کتابوں کے پڑھنے، مشائخ کے اوصاف حمیدہ اور ان کے معاملات کے بیان کرنے کے سوا کوئی دوسرا کام نہ تھا، دنیا اور دنیاداروں کا ذکر ان کی زبان پر نہیں آتا تھا، کسی دنیادار کے گھر کی طرف اپنا رخ نہیں کرتے تھے، دنیا اور اہل دنیا کے میل جول کی حکایت نہیں سنتے تھے اور اس کو عیب و گناہ جانتے تھے، کثرت نوافل اور اس کی پابندی کا معاملہ اس بابرکت زمانہ میں اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ بادشاہ کے محل میں بہت سے امرا، سلاح دار، لشکری، شاہی نوکر شیخ کے مرید ہوتے تھے اور چاشت و اشراق کی نمازیں ادا کرتے تھے، ایام بیض اور عشرہ ذی الحجہ کے روزے رکھتے تھے اور کوئی ایسا محلہ نہیں تھا جس میں ایک مہینہ میں دن کے بعد صلحا کا اجتماع نہیں ہوتا تھا اور صوفیوں کی محفل سماع نہیں ہوتی تھی اور باہم گریہ وزاری نہیں کرتے تھے، شیخ کے چند مرید تراویح کی نماز میں مسجدوں اور گھروں میں ختم قرآن کرتے، وہ لوگ جو مستقیم الحال ہو چکے تھے، رمضان، جمعہ اور تیوہاروں کی راتوں میں قیام کرتے اور صبح تک بیدار رہتے، پلک کو پلک سے نہیں

Marfat.com

لگنے دیتے، شیخ کے مریدوں میں سے بڑے درجہ کے مرید تمام سال رات کے ایک یا دو تہائی حصے تہجد کی نماز میں گزارتے، بعض عبادت گزار عشا کی نماز کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے تھے، شیخ کے مریدوں میں سے چند آدمیوں کو میں جانتا ہوں کہ شیخ کے فیض نظر سے صاحب کشف و کرامات ہو گئے تھے، شیخ کے مبارک وجود، ان کے انفاس پاک کی برکت، ان کی مقبول دعاؤں کی وجہ سے اس ملک کے اکثر مسلمان عبادت، تصوف اور زہد کی طرف مائل اور شیخ کی ارادت کی طرف راغب ہو گئے تھے، سلطان علاء الدین اپنے تمام گھر والوں کے ساتھ شیخ کا معتقد اور مخلص ہو گیا تھا، خواص و عوام کے دلوں نے نیکی اختیار کر لی تھی، عہد علائی کے آخری چند سالوں میں شراب، معشوق، فسق و فجور، جوا، فحاشی وغیرہ کا نام اکثر آدمیوں کی زبان پر نہیں آنے پایا، بڑے بڑے گناہ لوگوں کے نزدیک کفر کے مشابہ معلوم ہونے لگے تھے، مسلمان ایک دوسرے کی شرم سے سود خواری اور ذخیرہ اندوزی کے کھلم کھلا مرتکب نہیں ہو سکتے تھے، بازار والوں سے جھوٹ بولنے، کم تولنے اور آمیزش کرنے کا رواج اٹھ گیا تھا، اکثر طالب علموں اور بڑے بڑے لوگوں کی رغبت، جو شیخ کی خدمت میں رہتے تھے، تصوف اور احکام طریقت کی کتابوں کے مطالعہ کی طرف ہو گئی تھی، قوۃ القلوب، احیاء العلوم، ترجمہ احیاء العلوم، عوارف، کشف المحجوب، شرح تعرف، رسالہ قشیریہ، مرصاد العباد، مکتوبات عین القضاۃ، لوائح و لوامع قاضی حمید الدین ناگوری، فوائد الفواد، میر حسن سجزی کے بہت سے خریدار پیدا ہو گئے تھے، زیادہ تر لوگ کتب فروشوں سے سلوک و حقائق کی کتابوں کے بارے میں دریافت کرتے تھے، کوئی پگڑی ایسی نہ تھی جس میں مسواک اور کنگھی لٹکی نظر نہ آتی تھی، صوفیوں کی کثرت خریداری کی وجہ سے لوٹا اور چرمی تشت گراں ہو گئے تھے، حاصل کلام یہ کہ خداوند تعالیٰ نے شیخ نظام الدین کو پچھلی صدیوں میں شیخ جنیدؒ اور شیخ بایزیدؒ کے مثل پیدا کیا تھا[1]۔"

حضرت محبوب الٰہیؒ اور قطب الدین خلجی: سلطان علاء الدین خلجی کی وفات کے بعد قطب الدین مبارک شاہ ملک کافور کی مدد سے خضر خاں اور شادی خاں کو قتل کر کے تخت نشین

---

[1] تاریخ فیروز شاہی، ضیاء الدین برنی، ص ۳۴۶-۳۴۱۔

Marfat.com

ہوا، خضر خاں اور شادی خاں محبوب الٰہی کے خاص اور عزیز مریدوں میں تھے، اس لیے سلطان قطب الدین ان سے بدگمان ہوگیا، پھر اس کی یہ بدگمانی عداوت میں تبدیل ہوگئی اور مصلحۃً وہ پہلے سہروردیہ سلسلہ کے ایک بزرگ شیخ ضیاء الدین رومی کا مرید ہوگیا اور حضرت محبوب الٰہی کی دشمنی کا کھلم کھلا اظہار کردیا، اس وقت محبوب الٰہی کے لنگر خانہ کا خرچ روزانہ دو ہزار ٹنکہ تھا، درویشوں اور مسکینوں کو داد و دہش اس کے علاوہ تھی، سلطان قطب الدین کے بعض مفسد امرا نے اس کے کان بھرے کہ یہ تمام اخراجات ان امرا کے نذرانے کی رقم سے پورے ہوتے ہیں، جو خانقاہ میں آیا جایا کرتے ہیں، اس لیے قطب الدین نے خانقاہ میں امرا کی آمد و رفت سختی سے روک دی، مگر اس سے لنگر خانہ کے اخراجات پر کسی قسم کا اثر نہیں پڑا اور سارے اخراجات غیبی امداد سے پورے ہوتے رہے، حضرت خواجہ نصیر الدینؒ فرماتے ہیں:

''ایک بار سلطان قطب الدین کو کسی دشمن نے کہا کہ شیخ آپ کی فتوحات قبول نہیں کرتے اور امرا اور سرداروں کے لائے ہوئے فتوحات قبول کرلیتے ہیں، آخر وہ سب بھی تو آپ ہی کے یہاں سے لے جاتے ہیں، سلطان قطب الدین نے صحیح جان کر حکم دیا کوئی امیر یا سردار شیخ کے یہاں نہ جائے دیکھیں وہ اس قدر دعوت لوگوں کی کہاں سے کرتے ہیں اور جاسوس مقرر کیے کہ دیکھتے رہیں جو امیر وہاں جاوے مجھ سے آکر اطلاع کرے، جناب شیخ نے جب یہ سنا فرمایا، کھانا آج سے زیادہ پکایا جائے، ایک مدت کے بعد سلطان نے لوگوں سے دریافت کیا کہ خانقاہ شیخ کا کیا حال ہے، انہوں نے عرض کی، سابق جس قدر پکتا تھا، اب اس سے دوگنا پکتا ہے، بادشاہ یہ سن کر پشیمان ہوا، کہا میں غلطی پر تھا[1]''

پھر بھی قطب الدین کی پرخاش بڑھتی گئی اور اس نے محبوب الٰہی کو اپنے دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا، مگر محبوب الٰہی نے اس حکم کا جواب دیا:

''من مرد منزدیم جائے نمی روم نیز رسم و عادت ہر سلسلہ نوعی باشد، قاعدۂ بزرگان ما نبود

[1] خیر المجالس، اردو ترجمہ، ص ۲۰۳، خیر المجالس، ص ۲۵۸۔

Marfat.com

کہ بدیوان روند و مصاحب پادشاہاں شوند، دریں باب معذور دارید و بحال خود بگوارید۔"

لیکن مغرور بادشاہ نے اس عذر کو قبول نہیں کیا اور حکم دیا کہ ہفتہ میں دو بار دربار میں آیا کریں، محبوب الٰہی نے بادشاہ کے پیر شیخ ضیاء الدین رومی کے پاس پیام کہلا بھیجا کہ وہ اپنے مرید کو سمجھائیں کہ درویشوں کو رنج پہنچانا کسی مذہب میں روا نہیں، مگر اس پیام کے پہنچنے سے پہلے شیخ ضیا الدین رومی کا انتقال ہو گیا اور ان کی فاتحہ خوانی کے لیے ان کے مقبرہ میں بادشاہ اور اس کے اکابر امرا شریک ہوئے، محبوب الٰہیؒ نے بھی اس مجلس میں شرکت کی، جس وقت وہ تشریف لائے تمام حاضرین تعظیم کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، محبوب الٰہی نے بادشاہ کو سلام کیا، اس نے جواب نہیں دیا لیکن اس نے دیکھا کہ تمام حاضرین انؒ کو سر آنکھوں پر بٹھا رہے ہیں، اس سے اس کا حسد اور بھی بڑھ گیا اور مجلس کے ختم ہونے کے بعد ایک محضر کے ذریعہ ہر قمری مہینہ کی پہلی تاریخ کو محبوب الٰہی کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم جاری کیا، شیخ عماد الدین طوسی، شیخ وحید الدین قندزی، مولانا برہان الدین اور دوسرے اکابر یہ محضر لے کر محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گزارش کی کہ بادشاہ جو کچھ کہہ رہا ہے، وہ اس کی ناعاقبت اندیشی ہے، پھر بھی وہ (یعنی محبوب الٰہیؒ) دربار میں تشریف لا کر ایک فتنہ کو روک دیں، محبوب الٰہیؒ نے یہ کہہ کر ان کو رخصت کیا کہ:

"بہ بینم چہ بظہور پیوندد۔"

انہوں نے واپس جا کر سلطان کو اطمینان دلایا کہ محبوب الٰہی دربار میں آنے کے لیے راضی ہو گئے ہیں، وہ خوش تھا کہ شیخ نے اس کی اطاعت قبول کر لی ہے لیکن قمری مہینہ کی پہلی تاریخ سے کچھ روز پہلے محبوب الٰہی نے اپنے مریدوں سے فرمایا کہ میں اپنے مرشدوں کے خلاف دستور کوئی کام نہ کروں گا، اس سے مریدوں میں بڑی سراسیمگی اور پریشانی پیدا ہو گئی کہ سلطان الاولیا اور سلطان دہلی کے تصادم سے ایک بڑی مصیبت بپا ہو جائے گی، مگر محبوب الٰہی کو کشف ہو چکا تھا کہ وہ نہ دربار جائیں گے اور نہ کوئی تصادم ہو گا، چنانچہ سلطان

Marfat.com

قطب الدین جس روز دربار میں محبوب الٰہی کی آمد کا منتظر تھا، اسی روز محل کے اندر شورش ہوئی اور خسرو خاں کے ہاتھوں وہ قتل ہوا۔

خسرو خاں تخت نشین ہوا تو اس نے اپنی سیاہ کاریوں پر پردہ ڈالنے کے لیے ملک میں روپے تقسیم کیے، مشائخ کرام کے پاس بھی روپے بھجوائے، محبوب الٰہیؒ کے پاس بھی پانچ لاکھ ٹنکے پہنچے، انہوں نے اسی وقت ساری رقم فقرا میں تقسیم کردی، چار مہینہ کے بعد غیاث الدین تغلق نے خسرو خاں کی سرکوبی کی اور خود تخت پر بیٹھا، جن لوگوں کو خسرو نے روپے دیے تھے ان سے غیاث الدین تغلق نے واپس مانگے، اس حکم پر دوسرے مشائخ نے روپے واپس کردیے لیکن محبوب الٰہیؒ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔

سلطان غیاث الدین تغلق اور محضر سماع: سلطان غیاث الدین تغلق طبعاً دین دار، دین پرور، حق گزار اور حق شناس واقع ہوا تھا، چنانچہ مولانا ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ:

''از برائے جریان احکام شریعت قاضیان و مفتیان و داد بک محتسبان عہدہ دار را آبروی بس بسیار و آشنائی تمام پیدا آمدہ بود[1]''

سلطان کی اس دین داری اور شریعت کی پابندی سے فائدہ اٹھا کر علمائے ظاہر نے اس سے سماع کی ممانعت میں ایک عام شاہی حکم جاری کرادیا لیکن محبوب الٰہیؒ کے یہاں محفل سماع بہ دستور جاری رہی، جاہ طلب علما نے ان کے خلاف شورش کی تو سلطان غیاث الدین تغلق نے ایک محضر طلب کیا، جس میں مسئلہ سماع کی تحقیق کے لیے تمام مشائخ، علما جمع کیے گئے، محبوب الٰہیؒ بھی اس مجلس میں شریک ہوئے، بحث شروع ہوئی تو دونوں طرف سے سماع کی اباحت اور حرمت کے دلائل پیش کیے گئے، چاشت کے وقت سے زوال آفتاب تک مناظرہ قائم رہا، مباحثہ میں بڑی گرما گرمی رہی، محبوب الٰہیؒ نے نفس غنا کے جواب میں جب حدیثیں پیش کیں تو علمائے احناف نے کہا کہ تم مقلد ہو، تم کو حدیث سے کیا مطلب، اگر فقہ

[1] تاریخ فیروز شاہی، ص ۴۴۱۔

Marfat.com

حنفی کی روایت ہو تو پیش کرو، یہ سن کر محبوب الٰہیؒ نے فرمایا، وہ ملک کیوں کر آباد رہے گا جس میں لوگوں کی رائے کو احادیث نبویؐ پر ترجیح دی جاتی ہو، بالآخر شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے نواسے مولانا علم الدین نے جو اپنے زمانہ کے جید عالم تھے، اور جن کا سلطان غیاث الدین تغلق بھی معتقد تھا، محبوب الٰہی کی موافقت یعنی سماع کی اباحت میں فیصلہ دیا جس کے بعد سلطان غیاث الدین تغلق نے محبوب الٰہی کو اعزاز واکرام کے ساتھ مجلس سے رخصت کیا، محبوب الٰہیؒ خانقاہ واپس تشریف لائے تو ظہر کی نماز کے وقت مولانا ضیاء الدین برنی، مولانا محی الدین کاشانی اور امیر خسرو سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''دہلی کے فقہا میری عداوت اور حسد سے بھرے ہوئے تھے، انہوں نے وسیع میدان پایا اور عداوت سے بھری ہوئی بہت سی باتیں کہیں اور آج ایک تعجب انگیز بات دیکھی گئی کہ استدلال کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیثیں نہیں سنتے تھے اور مجھ سے کہتے تھے کہ ہمارے شہر میں فقہی روایات پر عمل کرنا حدیث سے مقدم سمجھا جاتا ہے اور اس قسم کی باتیں وہ لوگ کہتے ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث پر اعتقاد نہیں، جب رسول اللہ ﷺ کی حدیث صحیح بیان کی گئی تو برہم ہوئے اور منع کیا اور کہا کہ اس حدیث سے امام شافعی استدلال کرتے ہیں اور وہ ہمارے علما کے دشمن ہیں، ہم نہیں سنتے اور نہیں جانتے کہ وہ عقیدہ رکھتے ہیں یا نہیں، حاکم کے سامنے وہ (یعنی شہر کے فقہا) مغرورانہ بحث کرتے ہیں اور صحیح احادیث کو نہیں مانتے ہیں، میں نے کوئی عالم ایسا نہ دیکھا اور نہ سنا کہ اس کے سامنے حضرت مصطفیٰ ﷺ کی حدیثیں بیان کی جائیں اور وہ کہے کہ ہم نہیں سنتے اور نہیں جانتے، یہ کیسا زمانہ ہے؟ یہ شہر جس کے اندر ایسی مغرورانہ بحث ہو، کیسے آباد رہ سکتا ہے، عجب نہیں کہ اس کی اینٹ سے اینٹ بج جائے، بادشاہ، امرا اور عوام قاضی شہر اور علمائے شہر سے یہ سن کر کہ اس شہر میں حدیث پر عمل نہیں ہوتا، کیسے پیغمبر ﷺ کی حدیثوں پر راسخ اعتقاد رکھ سکتے ہیں، میں ڈرتا ہوں کہ شہر کے علما کی اس بداعتقادی کی وجہ سے کہیں شہر پر بلا جلاء وقحط و وبا نہ آئے۔'' (سیر الاولیا، ص ۵۳۱-۵۳۲)

Marfat.com

سیر الاولیا کے مصنف سید مبارک امیر خورد کا بیان ہے کہ اس کے چار سال کے بعد شہر دہلی قحط و وبا سے واقعی تباہ ہوگیا، جب کہ سلطان محمد تغلق نے اپنا دارالسلطنت دیوگیر منتقل کیا اور اس سلسلہ میں علما بھی طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا ہوئے[1]۔

بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق ۷۲۵ھ میں بنگالہ کی مہم سے واپس آرہا تھا تو اس نے محبوب الٰہیؒ کے پاس یہ پیام لکھ بھیجا:

''وقتیکہ کہ ما در دہلی بیائیم شما از غیاث پور بیرون روید کہ بہ سبب سکونت شما کثرت مردم از بس در آنجا می باشد و جائے برائے متوسلان بادشاہی نمی ماند[2]۔''

اس پیام کو پڑھ کر محبوب الٰہیؒ کی زبان سے صرف یہ نکلا:

''ہنوز دہلی دور است۔''

چنانچہ غیاث الدین تغلق شہر سے تین کوس کے فاصلہ پر ایک مقام افغان پور میں ایک نئی عمارت میں مقیم تھا کہ اچانک یہ عمارت رات کو گر گئی، جس کے نیچے دب کر وہ جان بحق ہوگیا، مگر تاریخ فرشتہ، طبقات اکبری اور منتخب التواریخ کے دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ یہ مشہور روایت محض عوام کی ہے[3]، جس کا شاید حقیقت سے کوئی تعلق نہیں کیوں کہ مولانا ضیاء الدین برنی جو محبوب الٰہی کے خلفا میں تھے، اپنے مرشد کے ساتھ سلطان غیاث الدین تغلق کی اس ایذا رسانی اور تعدی کا ذکر اپنی تاریخ فیروز شاہی میں مطلق نہیں کرتے، بلکہ سلطان

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھو سیر الاولیا، باب نہم، حضرت محبوب الٰہیؒ کے خلیفہ مولانا فخر الدین زرادی نے اباحت سماع میں ایک رسالہ تالیف کیا ہے جس کا نام ''کشف المفتاح من وجوہ السماع'' ہے، و سیر الاولیا، ص ۵۳۰

[2] خزینۃ الاصفیا ص ۳۳۷، طبقات اکبری، جلد اول، ص ۱۹۸ میں پیام کے الفاظ یہ ہیں ''چوں من بدہلی برسم شیخ از شہر بدر رود'' فرشتہ جلد دوم، ص ۳۹۸ میں ہے ''تا آمدن من بدہلی نباید بود، بعد ازیں از غیاث پور روید'' مطلوب الطالبین، ورق ۴۳ میں ہے ''چوں در دہلی برسم اول سلطان المشائخ را از شہر بدر سازم'' [3] منتخب التواریخ میں اس روایت کی ابتدا اس طرح کی گئی ہے ''درمیان اہل ہند مشہور است۔'' (ج ۱، ص ۲۲۵)

Marfat.com

کی ''دین پروری، دین پناہی، حق گزاری، حق شناسی، عبادت گزاری، نیک نفسی، انصاف پرستی اور شریعت پسندی'' کا ذکر بار بار بہت ہی والہانہ انداز میں کرتے ہیں[1]۔

غیاث الدین تغلق کا جانشین سلطان محمد تغلق محبوب الٰہی کا معتقد رہا لیکن اس کی حکومت کے پہلے ہی سال ۷۲۵ھ میں ان کا وصال ہو گیا۔

مجاہدہ و ریاضت: حضرت محبوب الٰہیؒ کے مرشد بابا گنج شکرؒ نے ان کو ایک موقع پر نصیحت فرمائی تھی کہ:

''ہمیشہ مجاہدہ میں مشغول رہنا، بے کار رہنا مناسب نہیں، اس راہ میں روزہ رکھنا نصف راہ ہے، نماز اور حج سے بقیہ نصف راہ طے ہوتی ہے۔'' (سیر الاولیا، ص ۱۱۲)

اور جب خلافت عطا کی تو چند تحریری ہدایتیں کیں جن کا خلاصہ یہ ہے:

''شاگردوں کو تعلیم دیں، خطا و تصحیف سے بچتے رہیں، لغزشوں کی اصلاح اور تحقیق و تنقیح میں پوری کوشش کریں، جو کچھ مجھ سے سنا اور یاد رکھا ہے، اس کی روایت کریں، ایسی مسجد میں خلوت نشین ہوں جس کے اندر جماعت ہوتی ہو، خلوت میں اپنے نفس کو کم زور، ست اور خلق کو معدوم سمجھیں، دنیا کی تمام خواہشات کو ترک کر دیں، خلوت طرح طرح کی عبادات سے معمور ہو، اس خلوت میں جب نفس بڑے بڑے مجاہدات سے تھک جائے تو چھوٹے چھوٹے مجاہدات اختیار کیے جائیں اور نفس غلبہ کرے تو تھوڑی سی نیند سے اس کو راضی کرلیں اور خلوت سے اپنا پورا حصہ لے لیں تو حکمت کا چشمہ جاری کریں اور جو شخص ان کے پاس پہنچے تو اس کو نعمت سے سرفراز کریں۔''

(سیر الاولیا، ص ۱۱۷)

اور حضرت محبوب الٰہیؒ نے اپنے مرشد کی ان ہدایات پر برابر عمل کیا، سیر الاولیا کے مؤلف کا بیان ہے کہ جوانی میں تیس سال تک بڑے سخت مجاہدے کیے، پھر جوانی کے بعد بقیہ زندگی اس سے زیادہ سخت مجاہدے میں گزاری، تمام عمر صائم الدہر رہے، دن رات

---

[1] تاریخ فیروز شاہی، صفحہ ۴۴۰-۴۴۶۔

Marfat.com

میں چار پانچ سو رکعتیں نماز پڑھا کرتے تھے اور خانقاہ میں کوٹھے پر ان کا قیام رہتا تھا مگر اسّی سال کی عمر میں بھی کوٹھے سے اتر کر نماز باجماعت ادا کرتے، روزانہ کا یہ معمول تھا کہ فجر، اشراق اور چاشت کی نمازوں کے بعد جماعت خانہ میں مسند رشد و ہدایت پر جلوہ فرماتے، اس وقت تمام علما، صلحا اور صوفیا کا اجتماع ہوتا اور وہ سلوک و معرفت کے دقائق بیان فرماتے، اس اثنا میں شہر سے غربا و مساکین آتے رہتے، ان کو پیسے، غلے اور تحفے دیے جاتے، حکم تھا کہ خانقاہ کی ساری چیزیں غربا میں روز تقسیم کردی جائیں، کوئی چیز باقی نہ رہنے پائے، ظہر کی نماز سے پہلے کچھ قیلولہ فرماتے، ایک روز قیلولہ فرما رہے تھے کہ ایک درویش آیا، خانقاہ میں کوئی چیز نہ تھی، خدام نے اس کو واپس کردیا، اسی وقت حضرت محبوب الٰہی کی آنکھ لگ گئی تو خواب میں دیکھا کہ مرشد تشریف لائے ہیں اور کہہ رہے ہیں ایک درویش آیا اور خستہ دل واپس گیا، اگر کچھ دینے کو نہ تھا تو کم از کم حسن رعایت تو تھا، آنکھ کھلی تو خدام سے مرشد کی تنبیہ کا ذکر کیا اور حکم دیا کہ آئندہ اگر کوئی درویش آئے تو قیلولہ کے وقت بھی ان کو خبر کردی جائے۔

ظہر کی نماز کے بعد پھر مجلس ہوتی اور اس مجلس میں حضرت محبوب الٰہیؒ زیادہ تر علمی نکات بڑی گہرائی سے بیان فرماتے، حدیث کشاف اور دوسری مشہور کتابوں کا درس بھی ہوتا، حاضرین سر جھکائے بیٹھے رہتے، کسی کو سر اٹھانے کی مجال نہ ہوتی، ہر شخص سر جھکائے سنتا رہتا اور سنتے وقت محسوس کرتا کہ وہ الہامی باتیں سن رہا ہے، عصر کی نماز کے بعد حضرت محبوب الٰہی کوٹھے پر تشریف لے جاتے اور مغرب کے وقت پھر نیچے آتے، روزہ افطار فرماتے، مغرب کی نماز پڑھ کر کوٹھے پر واپس جاتے اور اس وقت بھی ایک مجلس ہوتی، اور حاضرین کو خشک و تر میوے اور لطیف و لذیذ مشروبات پیش کیے جاتے، عشا کی نماز پڑھنے کے لیے پھر نیچے آتے اور نماز پڑھ کر پھر کوٹھے پر حجرہ میں چلے جاتے، اس وقت صرف امیر خسرو آتے اور کچھ حکایتیں سناتے، جن کو حضرت محبوب الٰہیؒ لطف و لذت کے ساتھ سنتے، کبھی کبھی اعزہ و اقارب کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی آجاتے، جب امیر خسرو رخصت ہوتے، تو خادم وضو کا

Marfat.com

پانی لاکر رکھتا، اس کے بعد حضرت محبوب الہیٰؒ خود اٹھ کر دروازہ بند کر دیتے، پھر حجرہ کی تنہائی میں کیا ہوتا، یہ کسی کو خبر نہ ہوتی، صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے اور تمام رات ان پر غیر معمولی کیف و مستی اور بے خودی و وارفتگی طاری رہتی، جس کا اظہار حسب ذیل اشعار سے ہوتا تھا جو کبھی کبھی دن کے وقت ان کی زبان مبارک سے سنے جاتے:

عشقے ز تو دارم اے شمع چہ گل　　دل داند و من دانم و من دانم و دل
بارے بتماشائے من و شمع بیا　　کز من دمکے نہ ماند واز وے دو وے

قطعہ

تنہا منم و شب چراغے　　مونس شدہ تا پگاہ بوزم
کاہش ز آہِ سر و بکشم　　گاہ از تف سینہ بر فروزم

صبح ہونے سے پہلے خادم سحری لاکر پیش کرتا، کچھ نوش جان فرمالیتے، بقیہ تقسیم کردینے کو حکم دیتے[1]، صبح ہوتی تو شغل باطن سے آنکھیں سرخ رہتیں، انہی خمار آلود آنکھوں کی کیفیت پر امیر خسرو نے یہ شعر کہا تھا:

تو شبانہ می نمائی بہ بر کہ بودی امشب　　کہ ہنوز چشم مستت اثر خمار دارد[2]

عباداتو ریاضت کی کثرت کی وجہ سے محبوب الہیٰؒ[3] "نہنگ دریائے وحدت، پلنگ بیدائے محبت و معرفت، مسند نشین سپہر صدق و صفا[4]، ملک الاتقیا، نقادۂ مشائخ عظام اور عارف معارف ربانی" کہلاتے تھے[4]، فرماتے تھے کہ ہر وجود و عدم کے بیچ میں ہے، یعنی وہ نہ پہلے تھا نہ بعد میں ہوگا، ایسا وجود گویا عدم کے برابر ہے، انسان کا وجود بھی بین العدمین ہونے کے سبب عدم کے برابر ہے، پھر انسان ایسی زندگی پر اعتماد کر کے تعطل اور غفلت میں کیوں گزارے، عمر کا بہترین مصرف یہ ہے کہ ہر وقت خدا کی یاد میں مستغرق رہے[5]۔

---

[1] سیر الاولیا، ص ۱۳۰، ۱۲۴ [2] اخبار الاخیار، ص ۵۵ [3] سیر العارفین، ص ۵۹ [4] مونس الارواح، قلمی نسخہ، دار المصنفین [5] فوائد الفواد، ص ۴۲۔

Marfat.com

جس حجرہ میں عبادت کرتے اس میں سے عود کی سی خوشبو آتی رہتی، ایک بار دہلی کے کوتوال مولانا ظہیر الدین حضرت خواجہؒ سے ملنے ان کے حجرہ کے پاس آئے تو عود کی خوشبو سونگھ کر سمجھے کہ اندر عود جل رہا ہے لیکن حجرہ کا دروازہ کھولا گیا تو وہاں کوئی چیز جل نہیں رہی تھی، ان کی حیرت کو دیکھ کر حضرت خواجہ نے فرمایا کہ یہ عود کی خوشبو نہیں ہے کسی اور چیز کی ہے، اسی طرح ایک بار حضرت خواجہ نے اپنا ایک کمبل قاضی محی الدین کاشانی کو دیا تو اس سے ایک خاص قسم کی خوشبو آتی تھی، جو بہت دنوں تک رہی، قاضی محی الدین نے اس کو دھو ڈالا تب بھی وہ خوشبو باقی رہی، قاضی محی الدین نے حضرت خواجہ سے اس کا ذکر کیا تو فرمایا، ''قاضی ایں بوئے محبت باری تعالیٰ است۔''

ایں بوئے ز کوئے دوستانست ایں بوئے نہ بوئے بوستانست

خلق اللہ کی محبت: مگر خالق کے ساتھ اس استغراق کے باوجود اس کی مخلوق کو کسی حال میں نہیں بھولتے، ایک بار بابا گنج شکرؒ کے نبیرہ شیخ شرف الدین، شیخ رکن الدین فردوسی کے پیر شیخ بدر الدین سمرقندی کے عرس میں شریک تھے، مجلس میں کسی صوفی نے کہا کہ شیخ نظام الدینؒ رات دن بے شمار دولت مخلوق خدا میں تقسیم تو ضرور کرتے ہیں لیکن اہل و عیال کے جھگڑے سے پاک ہیں، اس لیے دنیا کا کوئی غم والم ان کو لاحق نہیں ہوتا ہوگا، یہ سن کر شیخ شرف الدینؒ حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کو نقل ہی کرنا چاہتے تھے کہ محبوب الٰہیؒ نے خود ہی فرمایا:

> ''بابا شرف الدین جو رنج و غم میرے دل کو وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے شاید ہی کسی دوسرے شخص کو اس سے زیادہ ہوتا ہو، جو شخص اپنا غم والم مجھ سے بیان کرتا ہے، اسے سن کر اس سے دو چند زیادہ رنج و غم مجھ کو ہوتا ہے، جس کی شرح میں نہیں کر سکتا، معلوم نہیں وہ لوگ کیسے سنگ دل ہیں جو اپنے دینی بھائیوں کا غم والم اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور آہ نہ کریں ان پر بڑا تعجب ہے[1]۔''

---

[1] سیر العارفین، ص ۸۰، اردو ترجمہ، ص ۴۴، فرشتہ، ج ۲، ص ۳۹۶ نیز دیکھو سراج المجالس، ص ۴۷۔

Marfat.com

چنانچہ خدا کی مخلوق کو اس تعلق خاطر کی بنا پر ان کی ذات سے جو فیض پہنچا اس کا اندازہ مولانا ضیاء الدین برنی کے گذشتہ اقتباسات سے ہوا ہوگا، معمولی مثال یہ ہے کہ صوم دہر کے باوجود افطار میں کوئی چیز صرف چکھ لیتے، اس کے بعد سحری میں کچھ کھاتے اور اکثر ایسا بھی ہوتا کہ اس وقت کچھ نہ کھاتے، خادم عرض کرتا کہ اگر آپ اس قدر بھی کچھ نہ تناول فرمائیں گے تو کم زوری آجائے گی، قوت برقرار نہ رہے گی، یہ سن کر روتے اور فرماتے کہ:

"چندیں مسکینان و درویشاں در کنج ہائے مساجد و دوکانہا گرسنہ و فاقہ زدہ افتادہ اند ایں طعام در حلق من چہ گونہ فرو رود[1]"

اس کے بعد خادم سامنے سے کھانا اٹھالیتا۔

جود و سخا: بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ حضرت محبوب الٰہیؒ جب اپنے مرشد کی خدمت میں تھے تو ایک موقع پر اپنی دستار رہن رکھ کر مرشد کے لیے لوبیا خریدی اور اس کو جوش دے کر ان کی خدمت میں پیش کیا، اس میں نمک ایسے مناسب انداز سے ڈالا گیا تھا کہ مرشد کو بہت پسند آیا، انہوں نے اپنے محبوب مرید کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم نے لوبیا بہت اچھی پکائی، نمک بھی خوب ڈالا، خدا کرے تمہارے باورچی خانہ میں ستر من نمک خرچ ہوا کرے[2]، مرشد کی دعا سے حضرت محبوب الٰہی کا مطبخ ہمیشہ گرم رہا، کئی ہزار فقرا اور مساکین روزانہ مطبخ سے کھانا کھاتے، پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ تمام دن جو چیزیں خانقاہ میں آتیں، شام تک تقسیم کردی جاتیں، خانقاہ میں دنیاوی ساز و سامان جمع ہوجاتے تو ان کو دیکھ کر حضرت محبوب الٰہیؒ پر گریہ طاری ہوجاتا، اگر کسی وقت کوئی قیمتی چیز بطور تحفہ آجاتی تو اور بھی زیادہ آہ و بکا کرتے اور ہدایت دیتے کہ اس کو جلد از جلد تقسیم کردیا جائے، خدام فوراً تعمیل کرتے اور جب سارا مال تقسیم ہوکر محتاجوں کو پہنچ جاتا تو خاطر مبارک کو اطمینان ہوتا، ہر جمعہ کے دن تجرید فرماتے، تمام حجروں اور انبار خانوں کو یہاں تک خالی کراتے کہ جھاڑو دے دی جاتی، اس کے بعد جامع مسجد تشریف

[1] سیر الاولیا، ص ۱۸، اخبار الاخیار، ص ۵۴ [2] سیر الاولیا، ص ۱۳۱ میں اس واقعہ کی تفصیل کچھ مختلف ہے۔

Marfat.com

لے جاتے اور اطمینان سے نماز ادا فرماتے۔[1]

پھر بھی خانقاہ میں غریب الوطن مسافر یا شہر کا باشندہ جو بھی آتا محروم واپس نہ جاتا، کپڑا، نقدی تحفے تحائف جو کچھ بھی خانقاہ میں موجود ہوتا، آنے جانے والوں کو دے دیا جاتا۔[2]

جوامع الکلم میں ہے کہ ہر عرس کے موقع پر تمام شہر میں کھانا تقسیم کیا جاتا اور کچھ نقد رقم بھی بھیجی جاتی، ایک روز غیاث پور میں گرمی کے موسم میں آگ لگی، مکانات کو جلتے دیکھ کر حضرت محبوب الٰہیؒ رونے لگے، جب آگ بجھی تو خادم خاص کو بلا کر فرمایا، جاؤ، ان سب گھروں کو جو جل گئے، گنو اور ہر گھر میں دو خوان کھانا، دو سبو پانی، دو تنکہ زر لے جاؤ اور گھر والوں کو دلاسہ دو، نفحات الانس میں ہے کہ ایک سوداگر ملتان کے قریب لٹ گیا، وہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے صاحب زادے حضرت شیخ صدر الدین کی ایک سفارش لے کر حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں پہنچا، حضرت محبوب الٰہیؒ نے خادم خاص کو حکم دیا کہ صبح سے چاشت تک جو فتوح پہنچے اس سوداگر کے حوالہ کردو، چاشت تک بارہ ہزار تنکے آئے، یہ ساری رقم سوداگر کو دے دی گئی۔ (نیز دیکھو مطلوب الطالبین، ورق ۴۰)

ایک بار ایک درویش آیا، حضرت محبوب الٰہیؒ کے افطار کا وقت تھا، دستر خوان سامنے بچھا ہوا تھا، اس پر زنبیل کے خشک ٹکڑے رکھے ہوئے تھے، درویش سمجھا کہ حضرت محبوب الٰہیؒ افطار کر چکے ہیں اور یہ ٹکڑے دستر خوان پر باقی رہ گئے ہیں، اس نے وہ تمام ٹکڑے دستر خوان سے چن لیے اور ہاتھ میں لے کر چلا گیا، حضرت محبوب الٰہیؒ یہ دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا:

"ہنوز در کار ما خیریت بسیار راست کہ گرسنہ می دارند، ایں حال بعد دو فاقہ بود کہ آن درویش را از غیب رسانیدند۔" (سیر الاولیا، ص ۱۱۴)

---

[1] سیر الاولیا، ص ۱۳۰ [2] سیر الاولیا، ص ۱۳۰۔

Marfat.com

روضۃ الاقطاب کے مؤلف کا بیان ہے کہ تین ہزار اہل علم طلبہ اور مرید کو حضرت خواجہؒ کے یہاں سے وظیفے ملا کرتے تھے۔(ص ۵۵)

استغنا: اس جود وسخا کے باوجود استغنا کا یہ عالم تھا کہ اگر بادشاہوں یا شہزادوں میں سے کوئی تحفہ یا ہدیہ پیش کرتا تو ایک سرد آہ کھینچتے کہ آہ یہ لوگ درویش کا غارت کرتے ہیں[1]، ایک بار ایک عقیدت مند ملک نے دو باغ، کچھ زمین اور دوسرے قسم کا ساز وسامان باضابطہ لکھ کر نذر کرنا چاہا لیکن حضرت محبوب الٰہیؒ نے اس کو قبول نہیں کیا اور مسکرا کر فرمایا کہ اگر میں ان چیزوں کو قبول کرلوں تو لوگ مجھے یہی کہیں گے کہ شیخ اب باغ میں جاتا ہے اور اپنی زمین اور باغ کا تماشا دیکھتا ہے، یہ میرے لیے بالکل مناسب نہیں، پھر اشک بار ہو کر فرمایا:

''از خواجگان ما ومشایخان ما ہیچ کس ازیں قبول نہ کردہ است[2]''

حضرت محبوب الٰہیؒ کے ابتدائی زمانہ کی عسرت وتنگی کی خبر سلطان جلال الدین خلجی کو ہوئی تو ان کی خدمت میں کچھ تحائف بھیجے اور کہلایا کہ اگر حکم ہو تو ایک گاؤں خدمت گزاروں کے لیے مقرر کردوں، تاکہ وہ فارغ البالی سے آپ کی خدمت میں مصروف رہیں لیکن حضرت محبوب الٰہیؒ نے کہلا بھیجا کہ اس گاؤں کی ضرورت نہیں، میرا اور میرے خدمت گزاروں کا کارساز خداوند تعالیٰ ہے لیکن جب بعض خدمت گزاروں کو اس کی خبر ہوئی تو وہ حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ تو اپنی فلاح اسی میں سمجھتے ہیں کہ پانی تک نہ پئیں لیکن ہم لوگوں کا حال فقر وفاقہ سے نازک ہے، حضرت محبوب الٰہیؒ نے اس شکایت کی طرف التفات نہیں کیا اور طے کرلیا کہ اگر سب کے سب اسی وقت مجھ کو چھوڑ کر چلے جائیں تو مجھے کچھ افسوس اور غم نہ ہوگا، مگر جب اپنے اور دوسرے یاران طریقت کو بلایا اور سلطان جلال الدین خلجی سے گاؤں قبول کرلینے کے بارہ میں مشورہ کیا تو انہوں نے متفقہ طور پر گزارش کی کہ مولانا نظام الدین ہم جو آپ کے یہاں بے وقت روٹی کھا لیتے ہیں تو

[1] سیر الاولیا، ص ۱۳۰ [2] فوائد الفواد، ص ۹۹۔

Marfat.com

یہی بہت غنیمت ہے لیکن اگر آپ نے گاؤں قبول کرلیا تو اس کے بعد ہم پانی بھی نہ پئیں گے، اس جواب کو سن کر حضرت محبوب الٰہیؒ خوش ہوئے اور فرمایا، الحمدللہ! دین کے کاموں میں تم ہی میرے مددگار رہو، دوستوں کو ایسا ہی ہونا چاہیے[1]۔

امیر خسرو نے ان کی شان استغنا ہی پر فرمایا ہے: (سیر الاولیا، ص ۱۳۰)

در حجرہ فقر بادشاہی   در عالم دل جہاں پناہی

شاہنشہ بے سریر و بے تاج   شاہانش بخاکپائے محتاج

بردباری: فوائد الفواد میں ہے کہ ایک روز حضرت محبوب الٰہیؒ سجادہ پر رونق افروز تھے کہ ایک جوالقی پہنچا اور گالیاں دینے لگا، حضرت محبوب الٰہیؒ نے گالیوں کو خاموشی سے سنا اور برداشت کیا، مزید یہ کہ جوالقی نے جو کچھ مانگا، عطا کیا اور حاضرین مجلس کو مخاطب کر کے فرمایا، میرے پاس بہت سے لوگ آتے ہیں اور چیزیں لاتے ہیں، ایسے شخص کو بھی آنا چاہیے جو مجھ کو برا کہے، اس سلسلہ میں فرمایا، ایک موقع پر ایک شخص آیا اور مجھ سے ناگفتہ بہ باتیں کیں، میں نے اس سے کہا کہ جب تک دنیا میں ہوں، مجھ سے جرم سرزد ہوگا اور تجھ سے عفو۔

فوائد الفواد ہی میں ہے کہ حاضرین مجلس میں سے کسی نے حضرت محبوب الٰہیؒ سے کہا کہ آپ کے لیے بعض لوگ نامناسب الفاظ استعمال کرتے ہیں جن کا سننا مشکل ہے، فرمایا، جو مجھ کو برا کہتے ہیں میں نے ان کو معاف کیا، مجھ کو برا کہنے والوں سے تکرار کرنے کی ضرورت نہیں۔

مخالفین سے حسن سلوک: خدا کی کسی مخلوق سے عناد رکھنا طریقت کے خلاف سمجھتے تھے، غیاث پور کے قریب کا رہنے والا ایک شخص چھجو نامی بلاوجہ حضرت محبوب الٰہی کا دشمن ہوگیا تھا اور ایذا رسانی پر کمربستہ رہتا تھا لیکن جب اس کی وفات کی خبر حضرت محبوب الٰہی کو ملی تو اس کے جنازے میں شریک ہوئے اور تدفین کے بعد اس کی قبر پر دوگانہ نماز ادا کی اور اس سے

---

[1] سیر الاولیا، ص ۱۱۴-۱۱۵۔

Marfat.com

جو تکلیفیں پہنچی تھیں ان کو معاف کر کے ارحم الراحمین سے اس کی مغفرت کے لیے دعائیں کیں[1]۔

مولانا ضیاء الدین سنامیؒ اپنے وقت کے متشرع، متقی اور دیانت دار عالم تھے، احتساب پر ایک کتاب نصاب الاحتساب بھی لکھی تھی، اسی بنا پر حضرت محبوب الٰہیؒ سے سماع پر احتساب کرتے رہے اور شد و مد سے ان کی مخالفت کی لیکن جب وہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو حضرت محبوب الٰہیؒ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، مولانا ضیاء الدین سنامیؒ نے اپنی دستار حضرت محبوب الٰہیؒ کے قدموں کے پاس بچھادی، حضرت محبوب الٰہیؒ نے اس کو اٹھا کر اپنی آنکھوں پر رکھ لیا، جب وہ مولانا ضیاء الدین کے پاس پہنچے تو مولانا سنامیؒ آنکھیں چار نہ کر سکے، حضرت محبوب الٰہیؒ اٹھ کر باہر چلے آئے لیکن اسی وقت خبر ملی کہ مولانا کی روح پرواز کر گئی، محبوب الٰہیؒ رونے لگے اور فرمایا کہ ایک حامی شریعت تھا وہ بھی نہ رہا[2]۔

مریدوں کی محبت واصلاح: اپنے مریدوں پر بے حد شفقت فرماتے تھے، حضرت امیر خسرو سے ان کو جو شیفتگی تھی، وہ آج بھی ضرب المثل ہے، مگر محبت کے ساتھ مریدوں کی تربیت میں کسی قسم کی رو رعایت نہیں کرتے تھے، حضرت خواجہ برہان الدین غریبؒ کی بیعت محض اس لیے فسخ کر دی کہ وہ کمبل کو دو تہہ کر کے اس پر بیٹھتے تھے، اس کو ان کی تن پروری اور راحت پسندی پر محمول کیا، اس کی تفصیل آئندہ اوراق میں آئے گی، حضرت جلال الدین اودھیؒ اپنے زہد و ورع، ترک اور تجرید کے لحاظ سے ممتاز مریدوں میں تھے، ان کے ساتھیوں نے ان سے درس و تدریس کی خواہش ظاہر کی، مرشد سے اس کی اجازت چاہی تو مرشد نے فرمایا کہ وہ کسی اور ہی کام کے ہیں لیکن مریدوں کی دل جوئی کے لیے یہ بھی فرمایا کہ وہ سب مثل پیاز کے تہ بہ تہ ایک ہی ہیں، خواجہ مؤید الدین کرہ، سلطان علاء الدین کی شہزادگی کے زمانہ میں ان کے جاں نثاروں میں سے تھے، مگر ترک دنیا کر کے حضرت محبوب الٰہیؒ کے

---

[1] سیر العارفین، ص ۸۷ [2] اخبار الاخیار، ص ۱۰۲ و مطلوب الطالبین، قلمی نسخہ، ص ۶۶۔

Marfat.com

آستانہ پر جبیں سائی کرنے لگے، علاء الدین جب بادشاہ ہوا تو ایک صاحب کو حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں بھیج کر پیام دیا کہ خواجہ مؤید الدین کو رخصت کردیں تاکہ میرا کام بتائیں، حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا کہ ان کو ایک اور کام درپیش ہے اور اسی میں کوشش کر رہے ہیں، شاہی حاجب کو یہ جواب گراں گزرا اور اس نے کہا کہ مخدوم! آپ چاہتے ہیں کہ اپنے جیسا سب کو کرلیں، حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا، اپنے جیسا کیا، میں اپنے سے بہتر کرنا چاہتا ہوں، سلطان علاء الدین کو جب اس جواب کی اطلاع دی گئی تو وہ خاموش رہا، حضرت خواجہ شمس الدین دھاری شاہی ملازمت میں دیوان کے عہدے پر مامور تھے، مگر اس عہدہ کو چھوڑ کر حضرت محبوب الٰہیؒ کے مرید ہوگئے اور ان کے ملفوظات کو جمع کر کے ان کو مرتب بھی کیا، ایک دن مرشد سے عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو آنے جانے والوں کے لیے ایک مکان بنا لوں، مرشد نے فرمایا کہ یہ کام اس کام سے جس کو تم نے چھوڑا ہے، کم نہیں ہے[1]۔

حضرت قطب الدین منور اور حضرت شیخ نصیر الدین محمود کو ایک ساتھ خلافت دی، پہلے خلافت نامہ حضرت قطب الدین منور کے ہاتھ میں دے کر دو رکعت نماز ادا کرنے کو فرمایا اور جب وہ جماعت خانہ میں نماز ادا کر رہے تھے تو حضرت شیخ نصیر الدین کو خلعت خلافت عطا کیا، پھر حضرت شیخ قطب الدین منور کو بلا کر فرمایا، شیخ نصیر الدین کو خلافت کی مبارک باد پیش کرو اور جب وہ مبارک باد پیش کر چکے تو شیخ نصیر الدین سے فرمایا، اب تم قطب الدین کو خلافت کی مبارک باد دو، شیخ نصیر الدین نے مبارک باد دی، پھر دونوں کو حکم دیا کہ ایک دوسرے سے بغل گیر ہوں اور جب وہ مل رہے تھے تو فرمایا، تم دونوں بھائی بھائی ہو، خلافت کی تقدیم وتاخیر کو خاطر میں نہ لانا، دونوں نے اپنی زندگی میں ایسا ہی کیا[2]۔

محی الدین کاشانی کو سند لافت: حضرت محبوب الٰہیؒ اپنے مریدوں میں قاضی محی الدین کاشانی کا سب سے زیادہ لحاظ کرتے تھے، ان کو اپنے علم، حلم، زہد اور تقویٰ کی وجہ سے بڑی

---

[1] اخبار الاخیار، ص ۱۰۱ و ۱۰۲ [2] سیر الاولیا، ص ۲۴۸-۲۴۹۔

Marfat.com

شہرت حاصل تھی، جب حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے تو اپنی جاگیر کا شاہی فرمان مرشد کے سامنے لا کر چاک کر دیا اور فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرنے لگے، حضرت محبوب الٰہیؒ ان کے علمی تبحر کی وجہ سے ان کی بڑی قدر کرتے تھے، جب وہ ان کی خدمت میں آتے تو ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے، جب وہ درجۂ کمال کو پہنچ گئے تو مرشد کی طرف سے خلافت ملی، خلافت کے وقت یہ تحریر بھی عطا ہوئی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

می باید کہ تارک دنیا باشی بسوئے دنیا و ارباب دنیا مائل نشوی دیہہ قبول نہ کنی وصلہ بادشاہان نگیری و اگر مسافران برتو رسند و برتو چیزے نباشد ایں حال راغنیمت شمری ازنعمت ہائے الٰہی فان فعلت ماامرتك فظني بك ان تفعل كذالك فانت خليفتي و ان لم تفعل فالله خليفتي على المسلمين	چاہیے کہ تارک دنیا ہو جاؤ، دنیا اور اہل دنیا کی طرف مائل نہ ہو، گاؤں، جاگیر قبول نہ کرو، بادشاہوں سے صلہ نہ لو، اگر تمہارے یہاں مسافر آئیں اور تمہارے پاس کوئی چیز نہ ہو تو اس حال کو غنیمت جانو اور اس کو اللہ تعالیٰ کی نعمت تصور کرو، بس اگر تم نے ایسا کیا جس کا میں تم کو حکم دیتا ہوں اور جس کی نسبت میرا گمان ہے کہ تم ایسا ہی کرو گے تو تم میرے خلیفہ ہو ورنہ میرا خلیفہ مسلمانوں کے لیے اللہ ہے۔

ارادت کے بعد قاضی محی الدین کاشانی کے یہاں بڑی تنگی ہو گئی اور بچے فاقہ سے تنگ آنے لگے، ان کے گھر کی اس عسرت کا حال کسی نے سلطان علاء الدین خلجی سے بیان کیا، سلطان علاء الدین نے کہا کہ صوبہ اودھ کا عہدہ قضا ان کا موروثی حق ہے، میں ان کو یہ بھی دوں گا اور انعام میں جاگیر اور گاؤں بھی پیش کروں گا، چنانچہ اس کے لیے ایک فرمان بھی جاری کیا، قاضی محی الدین کاشانی کو فرمان کی خبر ملی تو مرشد کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ بادشاہ نے میری رضامندی کے بغیر ایسا فرمان جاری کیا ہے، مرشد نے یہ بات سنی تو رنجیدہ خاطر ہوئے اور فرمایا، تمہارے دل میں یہ بات آئی ہوگی تو سلطان نے یہ فرمان جاری

Marfat.com

کیا ہوگا، یہ کہہ کر حضرت محبوب الٰہیؒ نے قاضی محی الدین کی طرف سے اپنی توجہ اور تلطف کی نظر پھیر لی اور ایک سال تک ملتفت نہ ہوئے، ایک سال کے بعد قاضی صاحب کو دوبارہ مرید فرمایا[1]۔

خلفا میں حضرت بابا گنج شکرؒ کے ایک نواسے مولانا خواجہ سید محمد امام بھی تھے، وہ نماز میں محبوب الٰہی کی امامت کرتے تھے، جب وہ خوش الحانی سے کلام پاک پڑھتے تو حضرت محبوب الٰہیؒ پر رقت طاری ہو جاتی، حضرت نے نماز کے بعد کئی بار ان کو لباس خاص عطا فرمایا، مجلسوں میں کوئی شخص خواجہ محمد امام سے اونچی جگہ پر نہ بیٹھ سکتا تھا، جب خواجہ محمد نہ ہوتے تو ان کے بھائی خواجہ محمد موسیٰ امامت کیا کرتے، دونوں حضرت کے دسترخوان پر برابر شریک رہتے اور وہی دسترخوان کی دعا پڑھا کرتے۔

مرشد کے اعزہ اور مریدوں سے محبت: ایک روز حضرت بابا گنج شکرؒ کے چھوٹے بھائی حضرت شیخ نجیب الدین متوکل کے پوتے خواجہ عطا حضرت محبوب الٰہیؒ کے پاس آئے اور دوات وقلم سامنے رکھ کر کہا کہ فلاں امیر کو رقعہ لکھ دو کہ وہ مجھ کو کچھ دے، حضرت محبوب الٰہیؒ نے عذر فرمایا کہ اس امیر کی آمد و رفت میرے یہاں نہیں ہے، تم کو اس سے جو توقع ہو بیان کرو، میں اپنے پاس سے دینے کی کوشش کروں گا، خواجہ عطا نے جواب دیا کہ جو تمہارے دل میں آئے دے دو لیکن رقعہ بھی لکھ دو، حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا، یہ درویشوں کا طریقہ نہیں، خواجہ عطا نے محبوب الٰہی کو برا بھلا کہنا شروع کیا کہ تم میرے دادا کے مرید ہو، ہم لوگوں کے غلام ہو، ایک رقعہ لکھنے کو کہتا ہوں اور تم نہیں لکھتے، یہ کہہ کر دوات زمین پر پٹک دی اور غصہ سے اٹھ کر جانے لگے، حضرت محبوب الٰہیؒ نے ہاتھ بڑھا کر دامن پکڑ لیا اور فرمایا، ناخوش ہو کر مت جاؤ، خوش ہو کر جاؤ[2]۔

حضرت بابا گنج شکرؒ کے ایک مرید محبوب الٰہیؒ کے پاس آئے اور عرض کی کہ میرے

---

[1] سیر الاولیا، ص ۳۲۷ [2] خیر المجالس، ص ۱۰۶، سیر المجالس اردو ترجمہ خیر المجالس، ص ۷۴-۷۵۔

Marfat.com

پانچ چھ لڑکیاں ہیں، مجھ کو کسی کے سپرد کردیں کہ وہ میری خبر گیری کرے، اتفاق سے اسی وقت علاء الدین خلجی کا عارض ممالک ظفر خاں حضرت محبوب الٰہیؒ کے پاس آیا، حضرت محبوب الٰہیؒ نے اس سے سفارش کی، ظفر خاں نے تعظیم بجالا کر کہا کہ گھر اور کھانا موجود ہے، آپ ان سے فرمادیں کہ وہاں چل کر رہیں، میں ہر طرح خدمت کرتا رہوں گا۔[1]

غذا: حضرت محبوب الٰہیؒ ہمیشہ صائم الدہر رہے، صرف افطار اور سحری کے وقت کچھ تناول فرماتے، افطار کے وقت آدھی یا زیادہ سے زیادہ ایک روٹی سبزی یا تلخ کریلہ کے ساتھ کھاتے، کبھی چاول بھی کھالیتے، دسترخوان پر اور لوگ بھی شریک ہوتے تھے، ان کی خاطر دیر تک کھاتے رہتے، کبھی اپنے پیالہ میں ہاتھ ڈالتے رہتے تاکہ اور لوگ ان کو کھانا ختم کرکے دیکھ کر ہاتھ نہ روک لیں، کبھی کسی پر شفقت فرماتے تو اپنے کھانے کا کچھ حصہ خوان میں رکھ کر اس کے یہاں بھجوادیتے تھے، سحری کے وقت کھانے کی چیزیں لائی جاتیں تو کچھ چکھ لیتے اور بقیہ کو تقسیم کردینے کا حکم دے دیتے، بھوکوں کو یاد کرکے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتا اور لقمہ فرو نہ ہوتا جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے، دسترخوان پر کبھی ادھ چبے نوالے پائے جاتے، اس کی وجہ یہ ہوتی کہ جو لقمہ لذیذ معلوم ہوتا اس کو دہن مبارک سے نکال کر دسترخوان پر رکھ دیتے، خانقاہ میں فقرا اور مہمانوں کے لیے انواع واقسام کے کھانے پکتے، مگر خود ان کی لذت سے ناآشنا رہتے، مغرب کے بعد کی مجلس کے لیے شہر سے مختلف قسم کی کھانے پینے کی چیزیں آتیں تو حاضرین میں تقسیم کردی جاتیں، ان کی تواضع کے لیے ہر ایک سے خداوند تعالیٰ کی ان نعمتوں کی لذت پوچھتے رہتے۔ (سیر الاولیا، ص ۱۲۴، ۱۲۸)

لباس: لباس میں بھی درویشانہ شان ہوتی تھی، مرشد کی صحبت میں جب اجودھن میں مقیم تھے تو کپڑے میلے اور جابجا شکستہ ہوگئے تھے، ناداری کی وجہ سے نہ صابن خرید سکتے تھے اور

---

[1] سیر المجالس، اردو ترجمہ خیر المجالس، ص ۱۲، خیر المجالس کے فارسی متن میں ظفر خاں کے بجائے میسہ ظفر خاں ہے، ص ۱۸۷۔

Marfat.com

نہ پیوند لگا سکتے تھے، سیر الاولیا کے مصنف کی دادی نے ایک روز اصرار کر کے کپڑے دھو دیے اور پیوند بھی لگا دیے تو اس احسان کو تمام زندگی یاد کرتے رہے۔ (سیر الاولیا، ص ۱۱۵)

محبت رسول ﷺ: محبت رسول ﷺ کا یہ عالم تھا کہ وصال سے کچھ دنوں پہلے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے کہ نظام تم سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے، اس خواب کے بعد سفر آخرت کے لیے بے چین رہے۔

وفات سے چالیس روز پہلے کھانا پینا بالکل ترک کر دیا تھا اور برابر آنکھوں سے آنسو جاری رہتا تھا، کبھی کچھ کھانے کے لیے اصرار کیا جاتا تو فرماتے:

''وکسیکہ مشتاق حضرت رسالت مآب ﷺ باشد او طعام دنیا چگونہ۔''

وصال: مرض الموت کی شدت ہوئی تو دوا پینے کے لیے کہا گیا لیکن فرمایا:

''ع درد مند عشق را دارو بجز دیدار نیست۔''

وصال کے روز لنگر خانہ اور ان کی ملکیت میں جتنی چیزیں تھیں، غربا اور مساکین میں تقسیم کر دیں تاکہ خداوند تعالیٰ کے یہاں کسی چیز کا مواخذہ نہ ہو، خادم خاص نے کچھ غلہ درویشوں کے لیے رکھ لیا تھا، اس کی خبر ہوئی تو ناخوش ہو کر فرمایا کہ اس کو بھی لٹا دو اور ہر توشہ خانہ میں جھاڑو پھیر دو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، نماز کا وقت آتا تو ایک ہی وقت کی نماز کئی بار پڑھتے، پھر بھی تسکین نہ ہوتی اور فرماتے:

''می رویم و می رویم و می رویم۔''

وفات سے کچھ پہلے بقچۂ خاص سے مختلف چیزیں مختلف خلفا کو عطا کیں اور ان کو خاص خاص مقامات پر جانے کا حکم دیا، حضرت شیخ نصیر الدین چراغ کو بابا فرید گنج شکر کا عنایت کیا ہوا مصلیٰ، خرقہ، تسبیح اور کاسہ چوبیں دے کر فرمایا:

''شمارا در دہلی باید بود و جفائے مردم باید کشید۔''

اس کے بعد صبح کی نماز پڑھی اور جب آفتاب طلوع ہو رہا تھا تو یہ آفتاب دین ابد

Marfat.com

کے پردوں میں مستور ہو گیا، تاریخ وفات روز چہار شنبہ ۱۸ ربیع الاول ۷۲۵ھ/۱۳۲۴ء ہے۔

تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ جنازہ کے ساتھ قوال بھی تھے، جو یہ غزل گاتے جاتے تھے، یہ غزل سعدی کی ہے:

سرو سیمینا بہ صحرا می روی — نیک و بدعہدی کہ بے ما می روی

اے تماشا گاہ عالم روئے تو — تو کجا بہر تماشا می روی

مزار پر انوار دہلی میں ہے جہاں آج بھی خواص و عوام کا ہجوم رہتا ہے اور زائرین کو بڑی کیفیت محسوس ہوتی ہے، وصیت یہ تھی کہ ان کو صحرا میں دفن کیا جائے اور قبر کے لیے کوئی عمارت نہ بنائی جائے اور ایسا ہی کیا گیا لیکن بعد میں سلطان محمد بن تغلق نے روضہ مبارک کی عمارت بنوادی[1]۔

ساری عمر تجرد میں گزار دی، اس لیے کوئی اولاد نہیں تھی، مگر ان کی معنوی اولادوں نے ان کی تعلیمات کو جاری رکھا۔

محبوب الٰہیؒ کے ملفوظات: محبوب الٰہیؒ کے ملفوظات جن کی حیثیت گویا ان کی تصانیف کی ہے، حسب ذیل ہیں:

(۱) فوائد الفواد، (۲) فضل الفواد، (۳) راحت المحبین، (۴) سیر الاولیا[2]۔

اول الذکر کو خواجہ حسن سجزیؒ نے مرتب کیا ہے جو محبوب الٰہیؒ کے محبوب خلفا میں تھے، سیر العارفین کے مؤلف کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت شیخ نظام الدینؒ، حضرت شیخ بختیار کاکیؒ قدس سرہ کے مزار پر تشریف لے گئے، وہاں سے حوض شمسی کے پاس بعض بزرگان دین کی فاتحہ خوانی کے لیے پہنچے تو دیکھا کہ خواجہ حسن سجزیؒ اپنے دوستوں کے ساتھ رندانہ

---

[1] اوپر کی تفصیل سیر الاولیا، ص ۱۵۵-۱۵۴، خزینۃ الاصفیا، ج ۱، ص ۳۳۷ اور مونس الارواح قلمی نسخہ دار المصنفین اور مطلوب الطالبین قلمی نسخہ، ورق ۹۶ میں ملے گی۔ [2] خواجہ شمس الدین دھاری نے بھی حضرت محبوب الٰہیؒ کے ملفوظات جمع کیے تھے، مگر اس کا نام نہ معلوم ہو سکا۔

Marfat.com

مشاغل میں مشغول ہیں، خواجہ حسن بچپن میں حضرت محبوب الٰہیؒ کے ساتھ بدایوں میں رہ چکے تھے، ان کو بچپن کی صحبت یاد آ گئی اور محبوب الٰہی کو دیکھ کر مستانہ وار یہ دو بیت زبان پر لائے:

سالہا باشد کی ماہم صحبتیم گر ز صحبتہا اثر باشد کجاست

زہدتاں ایں فسق مارا کم نکرد فسق مامحکم تر از زہد شماست

محبوب الٰہیؒ نے یہ سن کر فرمایا کہ اثر صحبت بھی اپنا محل و موقع چاہتا ہے، تاثیر صحبت کی صورتیں مختلف ہیں، خواجہ حسن پر ان الفاظ نے سحر کا کام کیا، اسی وقت ان کا دل جاری ہو گیا، قدموں پر گر پڑے اور تمام افعال قبیحہ سے تائب ہو کر محبوب الٰہیؒ کے مرید ہو گئے، اس وقت ان کی عمر تہتر سال کی تھی[1]، مرشد کی صحبت میں برابر رہنے لگے اور ۷۰۷ھ سے ۷۱۹ھ تک جو کچھ مرشد کی زبان مبارک سے سنتے ان کو قلم بند کر لیتے، چنانچہ ان کے مرتب کردہ ملفوظات فوائد الفواد کو ہر زمانہ میں جو مقبولیت حاصل رہی وہ چشتیہ سلسلہ کے اور مشائخ کے ملفوظات کو شاید حاصل نہیں ہوئی، امیر خسرو کہا کرتے تھے کہ:

> ''اے کاش میری تمام تصنیفات خواجہ حسن سے نامزد ہو جاتیں اور ان کے بدلے میں کتاب فوائد الفواد کا حسن قبول میرے لیے نامزد ہو جاتا[2]۔''

حضرت محبوب الٰہیؒ کے خلیفہ مولانا علاء الدین نیلی ہمیشہ اسی کو پڑھا کرتے تھے اور جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ کوئی اور کتاب کیوں نہیں پڑھتے تو فرمایا، میری نجات اسی سے ہے:

مرا نسیم تو باید صبا کجا است کہ نیست کجاست زلف تو مشک خطا کجاست کہ نیست

(سیر الاولیا، ص ۲۷۸)

---

[1] سیر العارفین، ص ۷۸ و فرشتہ، جلد دوم، ص ۳۹۴ [2] فرشتہ، جلد دوم، ص ۷۸، فرشتہ کے الفاظ یہ ہیں ''امیر خسرو براں رشک...... بردہ گفت کاش تشریف قبول و تحسین آں نسخہ تصنیف آں بمن منسوب گشتی و تمام تصانیف من بنام خواجہ حسن گردیدی۔

Marfat.com

ضیاء الدین برنی نے اپنے زمانہ کا حال لکھا ہے کہ:

''دریں ایام فوائد الفواد دستور صادقان ارادت شدہ است[1]''

عہد ہمایوں کے مصنف صاحب سیر العارفین کا بیان ہے: (ص ۸۷)

''فوائد الفواد اہل اللہ کے لیے مونس جان اور ہادی راہ ہے۔''

فرشتہ رقم طراز ہے:

''کتاب الفواد بشرف قبول و تحسین سرفراز گشت[2]''

مرأۃ الاسرار کے مؤلف مولانا عبدالرحمٰن چشتی لکھتے ہیں:

''امروز آں فوائد الفواد مقبول اہل ولان عالم شدہ است، ودستور عاشقاں گشتہ وشرق و غرب عالم گرفتہ۔''

بعد کے تذکرہ نگاروں میں خزینۃ الاصفیا کے مؤلف نے لکھا ہے کہ:

''کتاب فوائد الفواد از ملفوظات حضرت شیخ تالیف کردہ دی (خواجہ حسن) است و بغایت مقبول افتادہ[3]''

امیر خسرو نے بھی اپنے مرشد کے ملفوظات افضل الفواد کے نام سے مرتب کیے ہیں[4] مگر اس کو وہ مقبولیت حاصل نہیں ہوئی، برٹش میوزیم کے فارسی مخطوطات میں حضرت محبوب الٰہیؒ کے ملفوظات میں ایک کتاب راحت المحبین بھی ہے جس میں ان کے ایک نامعلوم مرید نے ۶۸۹ھ سے ۶۹۰ھ تک کے ملفوظات درج کیے ہیں[5]۔

خواجہ سید محمد مبارک امیر خورد بھی حضرت محبوب الٰہیؒ کے مرید تھے، انہوں نے بھی سیر الاولیا میں ان کے ملفوظات جمع کیے ہیں، اس کتاب میں خواجگان چشت کے حالات

---

۱ تاریخ فیروز شاہی، ص ۲۶۰ ۲ فرشتہ، جلد دوم، ص ۳۹۴ ۳ خزینۃ الاصفیا، جلد اول، ص ۳۳۶

۴ برٹش میوزیم کیٹلاگ جلد سوم، ص ۱۵۸ ۵ برٹش میوزیم کیٹلاگ جلد سوم، ص ۹۷۳، بعض اور مریدوں نے حضرت محبوب الٰہیؒ کے ملفوظات جمع کیے لیکن یہ مشہور نہ ہو سکے۔

Marfat.com

بھی ہیں اور آخر میں محبوب الٰہیؒ کے ملفوظات بھی ہیں۔

ان تمام ملفوظات میں ایک سالک کو توبہ، استقامت توبہ، ایمان، استغراق، نماز، تلاوت قرآن، اوراد و وظائف، فقر و فاقہ، ترک دنیا، جہد و طاعت، مشغولی حق، مجاہدہ، صبر و رضا، توکل، احترام پیر، حلم و بردباری اور جود و سخا وغیرہ کی وہی تعلیمات دی گئی ہیں جو چشتیہ سلسلہ کے پیش رو مشائخ نے دی تھیں جن کا ذکر گذشتہ صفحات میں آچکا ہے، کچھ مزید تعلیمات ملاحظہ ہوں:

رہروانِ سلوک کی قسمیں: حضرت محبوب الٰہیؒ نے راہِ سلوک کے رہرووں کی تین قسمیں بتائی ہیں، (۱) سالک، (۲) واقف، (۳) راجع، اس راہ کے مسلسل چلنے والے سالک ہیں اور جن کو طاعت و عبادت میں وقفہ حاصل ہو وہ واقف ہیں اور جو وقفہ میں پھر راہ سلوک کی طرف رجوع نہ کریں وہ راجع ہیں۔ (فوائد الفواد، ص ۱۶)

راہِ سلوک کی لغزشیں: اس راہ میں مندرجہ ذیل لغزشیں ہیں، (۱) اعراض، (۲) حجاب، (۳) تفاصل، (۴) سلب مزید، (۵) سلب قدیم، (۶) تسلی، (۷) عداوت۔

ان کی تفصیل یہ بتائی ہے کہ عاشق سے جب کوئی فعل یا حرکت ایسی سرزد ہو جائے جو معشوق کے لیے پسندیدہ خاطر نہ ہو تو وہ یعنی معشوق منہ پھیر لیتا ہے، اس کو اعراض کہتے ہیں، عاشق کو چاہیے کہ وہ استغفار اور معذرت کرے اور جب اس کی معذرت قبول نہیں ہوتی تو دونوں کے درمیان حجاب پیدا ہو جاتا ہے، اس حجاب کے دور کرنے کے لیے عاشق خضوع و خشوع کے ساتھ توبہ کرے اور اگر توبہ قبول نہیں ہوتی ہے تو تفاصل یعنی جدائی ہو جاتی ہے اور اس کے بعد بھی اگر استغفار قبول نہیں ہوتا تو عاشق سے طاعت و عبادت کا ذوق سلب کر لیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ وہ اپنی قدیم عبادت کا ثواب بھی کھو بیٹھتا ہے اور معشوق عاشق کے دل میں جدائی کی تمام صورتیں پیدا کر دیتا ہے، جس کو تسلی کہتے ہیں، اس سے عاشق اہمال کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور اس کی محبت عداوت میں منتقل ہو جاتی ہے۔ (فوائد الفواد، ص ۱۶-۱۷)

Marfat.com

عزیمت: سالک کو ہر خطرہ کے حال میں خداوند تعالیٰ کی پناہ کا جویاں ہونا چاہیے، اس کا نام عزیمت ہے اور پھر اس عزیمت کو عمل میں منتقل کر دینا چاہیے، (فوائد الفواد، ص ۱۸) جب سالک عبادت اور ریاضت کا آغاز کرتا ہے تو اس کو نفس پر گرانی محسوس ہوتی ہے لیکن جب وہ صدق دل سے اس کو جاری رکھتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کو توفیق عطا ہوتی ہے اور اس کی مشکل آسان ہو جاتی ہے، (فوائد الفواد، ص ۲۷-۲۸) اس کے بعد وہ مجاہد وریاضت میں ذوق وشوق محسوس کرتا ہے، رفتہ رفتہ اس کو ایسا استغراق ہو جاتا ہے کہ یادِ حق کے سوا ہر چیز اس راہ میں مانع ہو جاتی ہے۔ (فوائد الفواد، ص ۹۱)

فراغت قلب: اس راہ میں عاشق وہی ہے جو حضور اور غیبت کی حالت میں یکساں معشوق کی محبت کا دم بھرتا ہو اور اس کے وصال کا ہمیشہ طالب رہتا ہو، محبت کی دو قسمیں ہیں، ایک محبت ذات دوسری محبت صفات، اول الذکر موہبت الٰہی ہے اور آخر الذکر کسب سے حاصل ہوتی ہے، محبت الٰہی کا تعلق بندہ کے عمل سے نہیں، مگر محبت صفات کو کسب سے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ماسوی اللہ سے قلب کو فارغ کر کے اس کو ذکر دوام میں مصروف رکھنا چاہیے، فراغ قلب کو روکنے والی چار چیزیں ہیں، (۱) خلق، (۲) دنیا، (۳) نفس اور (۴) شیطان، مگر دفع خلق کے لیے عزلت، دفع دنیا کے لیے قناعت اور دفع نفس وشیطان کے لیے اللہ جل شانہ سے التجا، فریاد گریہ وزاری ہو تو فراغت قلب حاصل ہو جاتی ہے۔

عشق ومحبت: درویش اہل عشق ہوتے ہیں اور علما اہل عقل، جب تک اللہ جل شانہ کی محبت قلب کے غلاف میں ہوتی ہے گناہ کا صادر ہونا ممکن ہے لیکن محبت جب قلب کے گرد ونواح میں آجاتی ہے تو پھر گناہ صادر نہیں ہوتا، اہل محبت کے دل میں نماز کے وقت دنیا کا خیال آجاتا ہے تو وہ پھر سے نماز پڑھتے ہیں اور اگر عاقبت کا خیال آجاتا ہے تو سجدۂ سہو بجالاتے ہیں۔ (افضل الفوائد)

صبر، رضا، توکل: اس راہ میں صبر، رضا اور توکل لازمی چیزیں ہیں، بلا ومصیبت کے وقت

Marfat.com

شکایت نہ کرنا صبر ہے اور بلا اور مصیبت کے وقت اپنی کراہت کا اظہار نہ ہونے دینا رضا ہے جو بظاہر ناممکن العمل معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقتاً ایسا نہیں، مثلاً تیز رو مسافر کے پاؤں میں کانٹا چبھ جاتا ہے تو وہ کانٹے کا خیال کیے بغیر اپنی راہ طے کرتا چلا جاتا ہے یا ایک سپاہی جنگ میں مشغول ہوتا ہے تو پھر اس کو اپنے زخم کا خیال مطلق نہیں ہوتا، (فوائد الفواد، ص ۵۴) توکل کی تین قسمیں بتائی ہیں، ایک یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو اپنے حال کا عالم ودانا سمجھ کر اس سے سوال کرے، دوسرا توکل بچوں کا ہے کہ وہ ماں سے دودھ نہیں مانگتا ہے لیکن پھر بھی اس کو دودھ مل جاتا ہے، تیسرا توکل مردوں کا ہوتا ہے، وہ اپنے غسالوں کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں، جس طرح غسال چاہتے ہیں ان کو غسل دیتے ہیں، محبوب الٰہیؒ کے نزدیک سب سے اعلیٰ توکل یہی ہے، (فوائد الفواد، ص ۵۴) فرمایا کہ ایک شخص کا ایمان مکمل اسی وقت ہوتا ہے جب وہ دنیا اور اس کی تمام چیزوں کو اونٹ کی مینگنی کے برابر سمجھتا ہو اور خدا کے سوا کسی اور پر اعتماد نہ کرتا ہو، (فوائد الفواد، ص ۱۰۱) جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی دوستی کا دعویٰ کرتا ہے اور اسی کے ساتھ دنیا کی دوستی بھی رکھتا ہے وہ کاذب ہے، (فوائد الفواد، ص ۵۸) عارف کے ستر مقامات ہیں، ان میں سے ایک اس دنیا کی مرادوں سے محرومی ہے، لیکن اگر وہ اپنے کو نیک اور اچھا انسان سمجھنے لگے اور اس میں رعونت پیدا ہو جائے تو وہ بدترین آدمی ہے۔ (فوائد الفواد، ص ۲۱۶)

بنیادِ حق: سالک کے لیے یادِ حق کی بنیاد چھ چیزوں پر ہے:

(۱) وہ خلوت نشین ہو کہ اس سے اس کا نفس مغلوب ہوگا، (۲) وہ ہمیشہ باوضو رہتا ہو، اگر اس کو نیند آجائے تو جاگنے کے بعد پھر وضو کر لے، (۳) صوم دوام رکھنے کی کوشش کرتا ہو، اگر یہ ممکن نہ ہو تو غذا میں تقلیل کرے، (۴) غیر حق سے ہمیشہ سکوت اختیار کرتا ہو، (۵) شیخ سے قلبی لگاؤ اور محبت رکھتا ہو، (۶) حق کی خاطر تمام خواطر کی نفی کر دیتا ہو۔

سالک کا پرہیز: ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ سالک کے لیے چار چیزوں سے پرہیز کرنا ضروری ہے، (۱) دنیا خصوصاً صحبت اغنیا، (۲) ماسویٰ اللہ کا تذکرہ، (۳) غیر اللہ کی طرف

Marfat.com

التفات وتوجہ، (۴) دل کا میل یعنی دل میں دنیا کی کسی قسم کی محبت نہ ہو۔ (افضل الفوائد نسخہ قلمی، ص۶)

توبہ: ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا کہ سالک جب کسی چیز سے توبہ کرے تو اس کی نیت خالص ہو (فوائد الفواد، ص ۲۵) اور ہر حال میں اس پر ثابت قدم رہے، (فوائد الفواد، ص ۵۷-۱۳۹-۱۰۵) گناہ سے ایک مرتبہ توبہ کی جاتی ہے، مگر طاعت سے ہزار مرتبہ، جس طاعت میں ریا کی آمیزش ہو وہ گناہ سے بھی بدتر ہے۔

ظاہری اخلاق: حضرت محبوب الٰہیؒ نے سالک کے ظاہری اخلاق پر بھی پورا زور دیا ہے، فرماتے ہیں کہ سالک میں چار چیزوں سے کمال پیدا ہوتا ہے، (۱) کم کھانا، (۲) کم بولنا، (۳) کم سونا اور (۴) لوگوں سے میل جول کم رکھنا۔

حقوق العباد: مخالطت خلق سے پرہیز کی تاکید جا بجا ہے، مگر اسی کے ساتھ خلق اللہ کے حقوق کی بھی تعلیم ہے، فرمایا کہ مومن کے دل کو ستانا اللہ تبارک وتعالیٰ کو تکلیف پہنچانا ہے، مومن وہ شخص ہے کہ اگر وہ مشرق میں ہے اور مغرب میں ایک مومن کے پاؤں میں کانٹا چبھے تو اس کو یہاں درد محسوس ہو۔ (افضل الفوائد، قلمی نسخہ)

عیب پوشی: درویش کو جب کسی سے تکلیف پہنچے تو اس کے دل سے کسی حال میں بھی بددعا نہ نکلے اور درویش کو پردہ پوش ہونا چاہیے، پردہ پوشی تمام عبادتوں میں افضل ہے۔ (افضل الفوائد، قلمی نسخہ)

حقوق ہمسایہ: ہمسایہ کے حقوق کے سلسلہ میں فرمایا، وہ قرض مانگے تو اس کو قرض دو، اس کو کوئی ضرورت ہو تو پوری کرو، بیماری میں اس کی عیادت کرو، مصیبت میں غم خواری کرو، اس کا انتقال ہو جائے تو اس کی میت کے ساتھ جاؤ اور اس کے جنازہ کی نماز پڑھو۔ (افضل الفوائد، قلمی نسخہ دار المصنفین، ص۲۹)

پابندی شریعت: شریعت کی پابندی ہر حال میں ضروری بتائی ہے، اپنے خواجگان ہی کی

Marfat.com

طرح فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی مقام سے گرے تو شروع میں گرے اور اگر یہاں سے گر گیا تو پھر اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں، ایک اور موقع پر فرمایا کہ انچہ نامشروع ست ناپسندیدہ است یعنی جو شے شرعاً ناجائز ہے وہ بری ہے، (فوائد الفواد، ص ۲۴۷) وجد وحال، ذوق وکیف اور استغراق وتحیر سے شریعت ساقط ہو جاتی تو اس کو کسی حال میں گوارا نہیں فرماتے، ارشادات عالیہ میں ہے کہ وہی لوگ مشائخ ہیں جن کے ظاہر و باطن دونوں آراستہ ہیں (فوائد الفواد، ص ۱۳۴)، اسی لیے ملفوظات میں ذوق وکیف اور استغراق وتحیر کے ساتھ نماز، روزہ، سنن ونوافل، تلاوت قرآن پاک، تراویح، احترام شریعت اور اتباع سنت کی جابجا تاکیدیں ہیں، خصوصاً نماز باجماعت کی بڑی تاکید کی ہے، فرمایا کہ:

''اگر در کس باشند ہم جماعت باید کرد چہ از دو کس جماعت نباشد اما ثواب جماعت باشد آں دو تن را باید کہ برابر ایستد۔'' (فوائد الفواد، ص ۱۰۶)

خود بھی جماعت کا بڑا اہتمام رکھتے تھے، ضعیفی اور کبر سنی کے باوجود آخر وقت تک نماز باجماعت کے لیے خانقاہ کے کوٹھے پر سے نیچے تشریف لاتے، جمعہ کی نماز کے متعلق ارشاد ہے کہ مسافر اور مریض کے علاوہ اگر کوئی شخص ایک جمعہ کی نماز میں شرکت نہیں کرتا تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے اگر دو جمعہ ناغہ کرتا ہے تو دو سیاہ نقطے پیدا ہو جاتے ہیں اور تین جمعہ کی عدم شرکت سے اس کا تمام قلب سیاہ ہو جاتا ہے۔ (فوائد الفواد، ص ۱۳۱)

پہلے ذکر آچکا ہے کہ حضرت بابا گنج شکرؒ نے حضرت محبوب الٰہی کو وصیت فرمائی تھی کہ راہِ سلوک میں روزہ رکھنا نصف راہ ہے، اور بقیہ نصف راہ نماز اور حج سے طے ہو جاتی ہے، حضرت محبوب الٰہیؒ نے اسی کی تعلیم اپنے مریدوں کو دی، اس کے علاوہ اپنی مجلسوں میں احکام الٰہی کی تلقین زیادہ تر کلام الٰہی کی تفسیر کے تحت فرماتے، احادیث نبویؐ کی بھی بڑی تعظیم کرتے، ایک موقع پر فرمایا کہ وہ ملک کیوں کر آباد رہے گا جن میں لوگوں کی رائے کو احادیث نبویؐ پر ترجیح دی جاتی ہو۔

Marfat.com

اظہارِ کرامت: کرامت کے اظہار کی ممانعت سختی سے کی ہے، فرمایا کہ:

''کرامت پیدا کردن کارے نیست مسلمانے روی راستی گدائے بیچارہ می باید بود۔''

اسی کے ساتھ یہ حکایت بیان کی کہ ایک بار خواجہ ابوالحسن نوائی دجلہ کے کنارے پہنچے تو دیکھا کہ ایک ماہی گیر دریا میں جال ڈال رہا ہے، خواجہ ابوالحسن نوائی نے ماہی گیر کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر میں صاحب ولایت و کرامت ہوں گا تو تمہارے جال میں میرے کہنے سے ڈھائی من وزن کی ایک مچھلی پھنسے گی اور مچھلی ٹھیک اسی وزن کی ہوگی، نہ کم ہوگی نہ زیادہ، ان کے ارشاد کے مطابق واقعی اس وزن کی مچھلی پھنس گئی، اس کی خبر حضرت شیخ جنید قدس سرہ کو ملی تو انہوں نے فرمایا، کاش اس جال میں ایک مار سیاہ پھنستا اور ابوالحسن کو کاٹ لیتا کہ وہ ہلاک ہو جاتے، لوگوں نے پوچھا کہ آپ ایسا کیوں فرماتے ہیں، جواب دیا کہ اگر سانپ ان کو کاٹ لیتا تو وہ شہید ہو جاتے لیکن اپنی کرامت کے بعد زندہ رہے تو دیکھنا پڑے گا کہ ان کا خاتمہ کس طرح ہوا۔ (فوائد الفواد، ص ۱۷۳)

سماع: سلسلۂ چشتیہ میں سماع جائز ہے، فوائد الفواد میں کثرت سے اس کا ذکر آیا ہے، محبوب الٰہیؒ نے فرمایا کہ سماع ایک صوت موزوں ہے، اس لیے حرام نہیں، اس سے تحریک قلب ہوتی ہے، اگر یہ تحریک یادِ حق کے لیے ہے تو مستحب ہے لیکن فساد کی طرف مائل ہے تو حرام ہے۔ (ص ۲۴۶)

سماع سے تین سعادتیں حاصل ہوتی ہیں:

(۱) انوار (۲) احوال (۳) آثار

اور یہ تین عالم سے نازل ہوتی ہیں:

(۱) ملک (۲) جبروت (۳) ملکوت

اور تین چیزوں پر نازل ہوتی ہیں:

(۱) ارواح (۲) قلوب (۳) جوارح

Marfat.com

انوار عالم ملکوت سے ارواح پر احوال عالم جبروت سے قلوب پر اور آثار عالم ملک سے جوارح پر نازل ہوتے ہیں، انوار پھر احوال اور آخر میں آثار ظاہر ہوتے ہیں، آثار کے نزول سے جسم میں حرکت اور جنبش پیدا ہوتی ہے، (ص ۳۶) دفعۃً جنبش اور ہیجان پیدا کرنے والے سماع کو ہاجم کہتے ہیں لیکن سماع کے اثر کرنے کے بعد کسی شعر کو خدا یا اپنے پیر یا کسی ایسی چیز کی طرف منسوب کرے جو اس کے دل میں پیدا ہو تو وہ غیر ہاجم ہے۔ (فوائد الفواد، ص ۱۱۴)

سماع کے لیے حسب ذیل شرطیں لازمی ہیں:

(۱) مسمع، یعنی سنانے والا لڑکا اور عورت نہ ہو۔

(۲) مسموع، یعنی جو چیز سنی جائے وہ ہزلیات اور فواحش سے پاک ہو۔

(۳) مستمع، جو سنے وہ صرف خدا کے لیے سنے۔

(۴) آلات سماع مثلاً چنگ و رباب اور دوسرے مزامیر نہ ہوں، (ص ۲۴۶) محفل سماع میں عورتیں نہ ہوں۔ (فوائد الفواد، ص ۹۵)

ایک مجلس میں مریدوں نے عرض کہ آج کل مخدوم کی خدمت کی خاطر ہر وقت سماع سننا جائز کر دیا گیا ہے، محبوب الٰہیؒ نے فرمایا کہ جو چیز حرام ہے وہ کسی کے کہنے سے حلال نہیں ہو سکتی اور جو چیز حلال ہے وہ کسی کے حکم سے حرام نہیں ہو سکتی، مثلاً امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں سماع دف اور چغانہ کے ساتھ جائز ہے لیکن ہمارے علمائے احناف اس کے خلاف ہیں لیکن اب اس اختلاف میں حاکم وقت کا جو حکم ہوگا وہی صحیح ہوگا، مریدوں میں سے ایک نے گزارش کی کہ آج کل بعض خانقاہوں میں درویش چنگ و رباب و مزامیر کی محفلِ سماع میں رقص کرتے ہیں، محبوب الٰہیؒ نے فرمایا کہ وہ اچھا نہیں کرتے کیوں کہ جو فعل نامشروع ہے وہ ناپسندیدہ ہے، ایک مرید نے عرض کی کہ یہ درویش جب محفل سے باہر آتے ہیں اور ان سے کہا جاتا ہے کہ ایسی محفل میں کیوں شریک ہوئے جہاں مزامیر تھے اور وہاں کیوں رقص کیا تو جواب دیتے ہیں کہ ہم سماع میں اس قدر مستغرق ہو جاتے ہیں کہ ہم کو خبر

Marfat.com

نہیں ہوتی کہ اس جگہ مزامیر بھی ہیں، محبوب الٰہیؒ نے فرمایا کہ یہ جواب درست نہیں اور یہ تمام باتیں معصیت کی ہیں۔ (فوائد الفواد، ص ۲۲۷)

افضل الفواد میں ہے کہ حضرت محبوب الٰہیؒ فرماتے کہ سماع کے وقت نعرہ لگانا، آہ آہ کی آواز بلند کرنا، فریاد کرنا وغیرہ ناقصوں کا کام ہے اور فعل شیطانی ہے، وہ یہ بھی فرماتے کہ مجلس سماع میں شرکا باوضو رہیں، صاف اور تازہ کپڑے پہن کر شریک ہوں، مجلس میں عود اور اگر کی خوشبو ہو۔

خلفا: حضرت محبوب الٰہیؒ کے خلفا کی فہرست بڑی لمبی ہے، بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں، حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ (دہلی)، حضرت شیخ قطب الدین منور (ہانسی)، حضرت شیخ حسام الدین ملتانی (پاک پٹن)، حضرت شیخ برہان الدین غریب (دیوگیری)، شیخ اخی سراج الدین (مالدہ، بنگال)، مولانا علاء الدین نیلیؒ، مولانا فخر الدین زرادی، قاضی محی الدین کاشانی، مولانا شمس الدین یحیٰی، بعض تذکروں مثلاً خزینۃ الاصفیا جلد ا، ص ۳۳۸ میں امیر خسرو کو بھی ان کا خلیفہ بتایا گیا ہے۔

تبلیغ و اشاعت اسلام: ان خلفا میں حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی نے دہلی، اودھ، پنجاب اور گجرات میں مذہبی روحانی اثرات پیدا کیے، حضرت شیخ اخی سراج الدین نے بنگال اور اس کے اطراف، بہار اور آسام میں اسلامی تعلیمات پھیلائیں، حضرت خواجہ برہان الدین غریب نے دکن کو اپنے مرشد کی برکات سے مستفیض کیا، جناب خواجہ حسن نظامی کا بیان ہے کہ چین میں بھی حضرت محبوب الٰہیؒ کے ایک خلیفہ تھے، ان کا اسم گرامی خواجہ سالار ہن ین تھا، انہوں نے چین میں سلسلہ نظامیہ قائم کر کے اسلام کی تبلیغ کی۔

Marfat.com

حضرت شیخ بو علی قلندر پانی پتیؒ

نام ونسب: نام شیخ شرف الدین اور لقب بو علی قلندر تھا، امام اعظم ابوحنیفہ کی اولاد سے تھے، سلسلہ نسب یہ ہے، شیخ شرف الدین بو علی قلندر بن سالار فخر الدین بن سالار حسن بن سالار عزیز بن ابوبکر غازی بن فارس بن عبدالرحمٰن بن عبدالرحیم بن محمد ابن دانک بن امام اعظم ابوحنیفہؒ[1]

والد ماجد ۶۰۰ھ میں عراق سے ہندوستان آئے، وہ بڑے متبحر اور جید عالم تھے، ان کی پہلی شادی حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کی دختر نیک اختر سے ہوئی لیکن وہ لاولد فوت ہوگئیں، ان کے بعد مولانا سید نعمت اللہ صاحب ہمدانی کرمانی کی ہمشیرہ بی بی حافظہ جمال سے عقد ہوا، جو حضرت شیخ شرف الدین بو علی قلندر کی ماں تھیں۔

شیخ بو علی قلندر ۶۰۵ھ میں پانی پت میں پیدا ہوئے، کمسنی میں تمام علوم ظاہری حاصل کیے اور بیس برس تک دہلی میں قطب مینار کے پاس ان کے درس وتدریس کا فیض جاری رہا، دہلی کے اکابر علما مولانا قطب الدین، مولانا وجیہ الدین پاٹلی، قاضی ظہور الدین بجواری، قاضی حمید الدین، صدر شریعت مولانا فخر الدین پاٹلی وغیرہ ان کے علمی تبحر اور فضیلت کے معترف تھے۔

جذب وسکر: لیکن جب تصوف کے کوچہ میں قدم رکھا اور ریاضت ومجاہدہ میں مشغول ہوئے

[1] سیر الاقطاب، ص ۱۹۰۔

Marfat.com

تو جذب وسکر کی حالت میں علوم وفنون کی تمام کتابوں کو دریا میں ڈال کر جنگل کی راہ لی اور پانی پت کے مضافات یا گھونی اور کرنال کے نواح بڈھا کھیڑا میں آخیر وقت تک مقیم رہے[1]۔

خزینۃ الاصفیا میں ہے کہ معارج الولایت کے مؤلف نے شیخ بوعلی قلندر کو حضرت خواجہ بختیار کاکی کا خلیفہ لکھا[2] ہے لیکن ان کی ارادت اور خلافت حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کی طرف بھی منسوب ہے، اخبار الاخیار میں ہے:

''بعضے گویند کہ بخواجہ بختیار کاکی ارادت داشت وبعضے گویند بشیخ نظام الدین اولیاء وہیچ یکے ازیں دونقل بصحت نرسیدہ است[3]۔''

سکر ومستی کی حالت میں ایک بار مونچھیں شرعی حدود سے بہت بڑھ گئی تھیں، کسی کو تراشنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، اس کے ہم عصر بزرگ مولانا ضیاء الدین سنامی کو شریعت کی پابندی کا بڑا جوش تھا، انہوں نے شیخ کی ریش مبارک کو پکڑ کر مونچھوں کو شرعی حد کے مطابق تراش دیا، جب وہ تراش کر تشریف لے گئے تو شیخ بوعلی قلندر اپنی داڑھی کو پکڑ کر بار بار فرماتے، یہ ریش کیسی مبارک ریش ہے کہ شرع محمدی کی راہ میں پکڑی گئی[4]۔

خواجہ شمس الدین ترک: شیخ بوعلی قلندر کے قیام پانی پت کے زمانہ میں شمس الاولیا حضرت خواجہ شمس الدین ترک اپنے خلیفہ تاج الاولیا حضرت خواجہ علاء الدین صابر رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے یہاں آکر قیام پذیر ہوئے۔ حضرت خواجہ شمس الدین ترکستان کے سادات میں اور حضرت خواجہ احمد بسوئی کے فرزند تھے، جن کا سلسلۂ نسب حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے، خواجہ شمس الدین علوم نقلی وعقلی کی تعلیم پانے کے بعد علم سلوک کی طرف مائل ہوئے اور ماوراء النہر کے بہت سے بزرگوں کی صحبت میں رہے، مگر جب کہیں تشنگی نہ بجھی تو مرشد کامل کی طلب میں ہندوستان کی طرف چل کھڑے ہوئے، ملتان پہنچ کر بابا فرید گنج شکر

---

[1] خزینۃ الاصفیا، جلد اول، ص ۳۲۸ [2] ایضاً، ص ۳۲۲ [3] اخبار الاخیار، ص ۱۲۱ [4] ایضاً وخزینۃ الاصفیا، جلد اول، ص ۲۲۶۔

Marfat.com

کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تربیت پانے کے بعد وہاں سے بابا صاحب کی ہدایت کے مطابق کلیر شریف پہنچے، جہاں حضرت شیخ علاء الدین صابرؒ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ:

"شمس الدین تو مرا فرزندی از حق سبحانہ تعالیٰ خواستہ ام کہ ایں سلسلہ ما از تو جاری باشد و تا قیامت برپا ماند[1]"

اور اپنی چہار ترکی کلاہ ان کے سر پر رکھ دی، وہ گیارہ سال تک پیر دست گیر کی خدمت میں رہے، مرشد کو اپنے ہاتھوں سے نہلاتے، وضو کراتے اور ان کے لیے جنگلوں سے لکڑیاں لا کر کھانا پکاتے اور خود فقر و فاقہ سے مجاہدہ و ریاضت میں مشغول رہتے، مرشد سے علوم سینہ کی تحصیل کے بعد پانی پت میں قیام کرنے کا حکم ملا لیکن روحانی طور سے اس مقام کا بار اٹھانے کی اپنے میں صلاحیت نہیں پائی، اس لیے مرشد کی اجازت سے مزدوری کی طرف متوجہ ہو گئے، اس وقت سلطان غیاث الدین بلبن کا دور حکومت تھا، دہلی آ کر اس کی فوج میں سواروں کے زمرہ میں شامل ہو گئے[2]، کچھ دنوں میں ان کے پاس کافی دولت ہو گئی، لیکن امارت کی کسی چیز سے ان کو کوئی تعلق نہ تھا، شب و روز ذکر الٰہی میں مشغول رہتے۔

سیر الاقطاب کے مؤلف کا بیان ہے:

"ایک مرتبہ سلطان غیاث الدین بلبن نے ایک قلعہ کا محاصرہ کیا[3]، ایک زمانہ اسی حالت میں گزر گیا اور قلعہ فتح نہ ہو سکا، اسی دوران میں ایک رات ایسی سخت آندھی آئی اور بارش ہوئی کہ سپاہیوں اور امرائے اسلام کے خیمے گر پڑے، بارش تیزی سے جاری رہی، سخت سردی پڑنے لگی اور کسی جگہ آگ باقی نہیں رہی، شاہی سقہ بادشاہ کے وضو کا پانی گرم کرنے کے لیے آگ کی تلاش میں نکلا، اس نے دفعۃً دور سے دیکھا کہ ایک خیمہ میں چراغ جل رہا ہے، وہ خیمہ حضرت (یعنی خواجہ شمس الدین ترک) کا تھا، سقہ دوڑا ہوا خیمہ کے پاس گیا، دیکھا کہ ایک فقیر کلام مجید کی تلاوت کر رہا ہے،

---

[1] مرأۃ الاسرار (قلمی نسخہ دار المصنفین) و سیر الاقطاب، ص ۱۸۶ [2] خزینۃ الاصفیاء، ص ۳۲۱ [3] قلعہ کا نام معلوم نہ ہو سکا۔

Marfat.com

حضرت کے خوف سے وہ آگ مانگ نہ سکا، حضرت نے سر اٹھایا اور فرمایا کہ اے بھائی! آؤ اور جتنی آگ چاہتے ہو، لے جاؤ، وہ سامنے آیا اور ایک لکڑی آگ سے جلائی اور لوٹا لے کر لوٹ گیا، اس واقعہ سے سقہ کو بے قراری تھی، صبح کے وقت مشک لے کر اس خیمہ کی طرف چلا اور جب اس کے پاس پہنچا تو حضرت کو اس میں نہ پا کر حیران ہوا، اور وہاں سے واپس آ کر ایک تالاب پر، جو لشکر گاہ کے پاس تھا، گیا، دیکھا کہ ایک نیک بزرگ وضو کر رہے ہیں، غور کیا تو وہی پاک صورت نظر آئی جن کے چراغ سے رات کو آگ جلانے گیا تھا، یہ دیکھ کر ایک گوشہ میں کھڑا رہا، یہاں تک کہ وہ بزرگ وضو کے بعد نماز ادا کر کے اپنے خیمہ کی طرف تشریف لے گئے، سقہ نے اسی جگہ سے مشک میں پانی بھرا اور باوجود یہ کہ جاڑے کا زمانہ تھا اور ہر جگہ پانی جم گیا تھا لیکن جس جگہ حضرت نے وضو کیا تھا، وہاں کا پانی اس قدر گرم تھا گویا کسی نے اس کو ابھی گرم کیا ہے، اس کو لے کر اپنے کارخانہ میں گیا اور اپنی عقل سے معلوم کیا کہ یہ سب کچھ اسی مردِ خدا کی عظمت و برکت کے سبب ہوا ہے لیکن اس راز کو کسی سے ظاہر نہیں کیا، دوسرے دن حضرت کے پہنچنے سے پہلے جب دو چار گھڑی رات رہ گئی تھی، تالاب پر پہنچا اور پانی کو دیکھا کہ جما ہوا ہے، قریب ہی ایک درخت تھا، اس کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا، یہاں تک کہ حضرت تشریف لائے، ان کے پہنچنے کے ساتھ ہی تالاب کے پانی نے جوش مارا، حضرت نے وضو کیا اور نماز ادا کر کے اپنے خیمہ کی طرف روانہ ہو گئے، سقہ نے گرم پانی کو مشک میں بھرا اور سلطان غیاث الدین بلبن کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس وقت جب سلطان دربارِ عام میں بیٹھا تھا، سقہ نے فریاد کی، سلطان نے اس کو بلا کر استفسار کیا، اس نے عرض کیا، اگر جہاں پناہ میرے راز کو خلوت میں سنیں تو گزارش کروں، سلطان نے اس کو موقع دیا، سقہ نے حضرت کا تمام حال بیان کیا، سلطان سن کر متحیر ہوا اور اپنی خواب گاہ میں اس کو ٹھہرنے کا حکم دیا، جب رات ہوئی تو سلطان خیمہ کے اندر چلا گیا اور دروازہ کی کنجی سقہ کے حوالہ کر دی، جب تین چار گھڑی رات باقی رہ گئی تو سقہ نے دروازہ کھول کر سلطان کو جگا دیا، سلطان مسلح ہو کر باہر نکلا اور سقہ کے ساتھ پا پیادہ تالاب پر پہنچا، پانی کو دیکھا تو بالکل سرد تھا، وہ چھپ کر وہیں بیٹھ گیا، یہاں تک کہ حضرت تشریف لائے، ان کے پہنچتے ہی حسبِ معمول

Marfat.com

پانی میں جوش آگیا، جس کو سلطان نے خود دیکھا، حضرت نے وضو کر کے نماز ادا کی اور اپنے خیمہ کی طرف تشریف لے چلے، سلطان نے پانی کو دیکھا تو گرم تھا، وہ متحیر ہوا اور حضرت کے پیچھے پیچھے چلا، حضرت خیمہ میں پہنچ کر قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول ہو گئے، سلطان دست بستہ وہیں کھڑا رہا، جب وہ تلاوت سے فارغ ہو چکے تو بادشاہ کو دیکھ کر تعظیم کے لیے کھڑے ہوئے اور سلام کیا، سلطان نے اظہار ادب کر کے عرض کی کہ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ جیسے دوست میرے عہد میں موجود ہیں لیکن اس کے باوجود ہزار افسوس ہے کہ ابھی تک یہ قلعہ فتح نہیں ہو سکا، حضرت نے ہر چند اپنے کو چھپانے کی کوشش کی لیکن بے سود تھا، مجبوراً دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور فاتحہ پڑھ کر فرمایا کہ اسی وقت حملہ کیا جائے، ان شاء اللہ فتح ہوگی، سلطان خوش خوش رخصت ہوا اور لشکر میں پہنچ کر اسی وقت حملہ کیا، قلعہ فتح ہو گیا، سلطان جب مسرت سے معمور اپنے فتح مند لشکر میں پہنچا تو دوسرے دن برہنہ پا حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا اور حضرت نے اپنے نور باطن سے اس کا ارادہ معلوم کر لیا، اپنا اسباب و مال و متاع فقرا کو دے دیا اور کمبل اوڑھ کر لشکر سے چل کھڑے ہوئے اور اپنے پیر دست گیر کی خدمت میں پہنچے، کچھ دنوں وہاں رہ چکے تو پانی پت میں مامور کیے گئے۔[1]

بلبن پر بزرگانِ دین کے اثرات: گو ہم اپنے موضوع سے کچھ الگ ضرور ہو رہے ہیں لیکن یہ اس لیے کہ ناظرین کو اندازہ ہو جائے کہ سلطان بلبن کو اولیاء اللہ سے کیسی عقیدت تھی، پہلے ذکر آچکا ہے کہ اس کی ایک لڑکی حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے حبالہ عقد میں تھی، ایک موقع پر بابا صاحب نے اس کے لیے دعائیں بھی کیں، بادشاہت کے زمانہ میں وہ علما و مشائخ کی صحبت سے برابر مستفیض ہوتا رہا، تاریخوں میں اس کی دین داری، خدا ترسی اور عبادت گزاری کی بڑی تعریف کی گئی ہے، مولانا ضیاء الدین برنی اس کے متعلق رقم طراز ہیں:

"وہ (یعنی سلطان بلبن) عبادت، ریاضت، روزہ، نفل اور شب بے داری میں غیر معمولی اہتمام کرتا، جمعہ کی نماز با جماعت، اشراق و چاشت اوابین اور تہجد کی نماز کی بھی پابندی کرتا، خواہ وہ کوئی

---

[1] سیر الاقطاب، ص ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹۔

Marfat.com

موسم ہو، رات کو جاگتا، سفر و حضر میں بھی اوراد و وظائف کو نہ چھوڑتا، کبھی بے وضو نہ رہتا، علما کے بغیر کھانا نہ کھاتا، کھانے کے وقت علما سے دینی مسائل پوچھتا اور اس وقت بحث و مباحثہ بھی ہوتا، ہر قسم کے علما و مشائخ کی بے حد تعظیم کرتا، بزرگانِ دین کی ملاقات کے لیے ان کے گھروں پر جاتا، جمعہ کی نماز کے بعد اپنی سواری کی حشمت و شوکت کے ساتھ مولانا برہان الدین خلجی کے گھر پر اترتا اور اس عالم ربانی سے بہت سی تعظیم و توقیر سے پیش آتا، قاضی شرف الدین مارالجی، مولانا سراج الدین سنجری، مولانا نجم الدین دمشقی کی بھی، جو اس زمانہ کے ممتاز علما تھے، بڑی عزت کرتا، جمعہ کی نماز کے بعد بزرگانِ دین کے مزاروں کی زیارت کو بھی جاتا، شہر کے سادات، مشائخ و علما میں سے کسی کا انتقال ہو جاتا تو ان کے جنازہ میں شریک ہوتا، پھر ان کے سیوم میں حاضر ہو کر ان کے لڑکوں اور بھائیوں کو خلعت دیتا، جاگیر اور وظیفہ مقرر کرتا، اگر اپنے دبدبہ اور حشمت کے ساتھ کہیں سے گزرتا ہوتا اور اس کو معلوم ہو جاتا کہ پاس ہی مسجد میں وعظ ہو رہا ہے تو اتر جاتا اور عام لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر وعظ سنتا، وعظ سنتے وقت اس پر رقت اور گریہ بھی طاری ہو جاتا، وہ اپنے لشکر کے قاضیوں کی بھی بڑی عزت کرتا، جو اپنے تقویٰ اور دین داری کے لیے ممتاز ہوتے اور وہ سلطان سے جس بات کی سفارش کرتے، اس کو وہ ضرور قبول کرتا۔[1]

لیکن اس زہد و عبادت اور سلامت روی کے باوجود وہ ایک مسلمان حکم راں کے فرائض سے غافل نہیں رہنا چاہتا تھا، چنانچہ اپنے لڑکوں اور خاص خاص لوگوں سے مولانا سید نور الدین کے اس وعظ کا ذکر بار بار کرتا جو انہوں نے سلطان شمس الدین ایلتتمش کے سامنے کہا تھا، یہ وعظ طویل ہے لیکن اس کا ایک حصہ یہ ہے کہ اگر ایک بادشاہ روزانہ ہزار رکعتیں نماز پڑھتا رہے، تمام عمر روزے رکھتا رہے، گناہوں سے بچتا رہے، خزانے کو راہِ حق میں خرچ کرتا رہے لیکن وہ دین کی حمایت نہ کرتا ہو، اپنی سطوت کو خدا اور رسول کے دشمنوں کے قلع قمع کرنے میں صرف نہ کرتا ہو، شریعت کے احکام کو جاری نہ کراتا ہو، اپنے ملک میں امر معروف کو جاری کرانے اور منکر کو مٹانے میں کوشاں نہ رہتا ہو اور عدل و

---

[1] تاریخ فیروز شاہی، ص ۴۶-۴۷ نیز دیکھو فوائد الفواد، ص ۳۲-۲۳۱۔

Marfat.com

انصاف سے کام نہ لیتا تو اس کی جگہ دوزخ کے سوا اور کوئی نہ ہوگی، مولانا ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ بلبن جب وعظ کے اس حصہ کو بیان کرتا تو زار زار رونے لگتا[1]۔

حضرت شمس الدین ترکؒ اور حضرت بو علی قلندرؒ: جب حضرت شمس الدین ترک کا نزول اجلال پانی پت میں ہوا تو دودھ سے بھرا ہوا ایک پیالہ اپنے خادم کے ہاتھ شیخ بوعلی قلندرؒ کی خدمت میں بھیجا، شیخ بوعلی قلندرؒ خادم کو دیکھ کر مسکرائے، گلاب کے چند پھول ان کے سامنے پڑے تھے، ان کی پنکھڑیاں دودھ میں ڈال کر اسے حضرت شمس الدین ترکؒ کے پاس واپس کردیا، وہ پیالے میں گلاب کی پتیاں دیکھ کر متبسم ہوئے، حاضرین مجلس نے تبسم کی وجہ پوچھی، فرمایا، شیخ بوعلی قلندرؒ کے پاس دودھ سے بھرا ہوا پیالہ بھیجنے سے مراد یہ تھی کہ یہ ملک میرے شیخ نے مجھ کو عطا کیا ہے جو مجھ سے پُر ہو گیا ہے، شیخ بوعلی قلندرؒ نے گلاب کی پنکھڑیاں ڈال کر دودھ کا پیالہ جو واپس کردیا تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ میرے ملک سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گے اور یہاں اسی طرح رہیں گے جس طرح دودھ میں گلاب کی پنکھڑیاں ہیں، شیخ بوعلی قلندرؒ سے پوچھا گیا تو انہوں نے بھی یہی فرمایا، چنانچہ دونوں میں آخیر وقت تک اخلاص و محبت قائم رہی[2]۔

شیخ بوعلی قلندر کا فیض: کبیر الاولیا حضرت شیخ جلال الدین محمود پانی پتی شیخ بوعلی قلندرؒ ہی کے فیض نظر سے راہِ طریقت پر گام زن ہوئے، ایک دن شیخ بوعلی قلندرؒ سر راہ بیٹھے ہوئے تھے کہ کم سنی کے زمانہ میں شیخ جلال الدین گھوڑے پر سوار ادھر سے گزرے، ان کو دیکھ کر شیخ بوعلی قلندرؒ نے فرمایا:

زہے اسپ و زہے سوار

کانوں میں یہ آواز پڑتے ہی شیخ جلال الدین بے خود ہوگئے، گھوڑے سے اتر پڑے اور اسی وقت گریبان چاک کر کے جنگل کی راہ لی اور چالیس سال تک جنگل میں پھرتے رہے اور

---

[1] تاریخ فیروز شاہی، از ضیاء الدین برنی، ص ۴۴ [2] سیر الاقطاب، ص ۱۸۹۔

Marfat.com

اس درمیان میں مختلف درویشوں اور فقیروں کی صحبت اختیار کی، پھر جب وطن واپس آئے تو شیخ بوعلی قلندرؒ سے بیعت کے لیے مصر ہوئے، شیخ نے فرمایا:

''اے فرزند عزیز! کشایش تو موقوف بر مرد دیگر است۔''

چنانچہ جب حضرت شمس الدین ترکؒ پانی پتی کا ورود مسعود پانی پت میں ہوا تو شیخ بوعلی قلندرؒ نے شیخ جلال الدینؒ کو ان کے پاس ارادت کے لیے بھیجا، جو آگے چل کر ان کے خلیفہ ہوئے[1]۔

سلطان جلال الدین خلجی کی عقیدت: سلطان جلال الدین خلجی کو حضرت خواجہ بوعلی قلندرؒ سے بڑی عقیدت تھی، وہ ان کے حلقۂ ارادت میں بھی شامل ہوگیا تھا اور بزرگانِ دین ہی کی صحبت کا شاید یہ اثر تھا کہ اس میں حلم، نرمی اور خدا ترسی کے اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے، مولانا ضیاء الدین برنی لکھتے ہیں:

''ایں چنیں بادشاہ حلیم و کریم و ایں چنیں فرمان روایان و کارگزاران مہربان و خدا ترس بر بندگان خدا نتواند دید۔''

حضرت سیدی مولہ: مگر ان خوبیوں کے باوجود حضرت سیدی مولہ کا خون اس کے سر پر ہے، گو اس واقعہ کی تفصیل ہمارے موضوع سے متعلق نہیں لیکن ناظرین کو اس سے دل چسپی ہوگی، اس لیے اس کو مجملاً مولانا ضیاء الدین برنی کی زبانی ہم بیان کرتے ہیں:

''سیدی مولہ ایک درویش تھے جو سلطان بلبن کے عہد میں ولایت ملک بالا سے شہر (یعنی دہلی) آئے، وہ عجیب طریقے رکھتے تھے، خرچ کرنے اور کھانا کھلانے میں بے نظیر تھے لیکن جامع مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھنے نہیں آتے تھے، گو وہ نماز کے پابند تھے، مگر جماعت کے ساتھ نماز ادا نہیں کرتے تھے جس کی پابندی تمام بزرگانِ دین نے کی ہے، وہ مجاہدہ و ریاضت بہت کرتے تھے، جامہ اور چادر پہنتے اور چاول کی روٹی معمولی سالن سے کھاتے تھے، ان کے پاس کوئی عورت، کنیز اور

[1] سیر الاقطاب، ص ۲۰۱، ۲۰۶۔

Marfat.com

خدمت گار نہ تھا اور نہ وہ کسی نفسانی خواہش میں مبتلا تھے، کوئی کچھ دیتا تو اس کو قبول نہ کرتے لیکن ان کے اخراجات اتنے تھے کہ لوگوں کو حیرت ہوتی تھی اور ان کا خیال تھا کہ وہ علم کیمیا جانتے تھے، اپنے دروازہ کے سامنے میدان میں انہوں نے ایک خانقاہ بنوائی تھی، اس کی تعمیر میں ہزاروں روپے خرچ کیے تھے، اس خانقاہ میں بڑی مقدار میں کھانا پکتا تھا، بری و بحری سفر کرنے والے مسافر یہاں آ کر مقیم ہوتے تھے اور ان کو دو وقت کھانا ملتا تھا اور کھانا ایسا ہوتا تھا کہ اس زمانہ کے خوانین وملوک کو میسر نہ تھا، خانقاہ میں ہزاروں من میدہ خرچ ہوتا تھا، پانچ سو جانور ذبح کیے جاتے تھے، دو تین سو من شکر اور سو دو سو من نبات خریدی جاتی تھی، خانقاہ کے سامنے آدمیوں کا ایک ہجوم رہتا تھا، ان کے پاس (یعنی حضرت سیدی مولہ) نہ کوئی گاؤں تھا اور نہ ان کو شاہی وظیفہ ملتا تھا اور نہ وہ کسی سے فتوح قبول کرتے تھے، جب کسی سے کوئی چیز خریدتے یا کسی کو کچھ رقم دینا چاہتے تو کہتے کہ جاؤ، فلاں پتھر یا اینٹ کے نیچے جا کر اتنے نقرئی ٹنکے لے لو، وہ جاتا تو واقعی اینٹ یا پتھر کے نیچے یا طاق میں طلائی اور نقرئی سکے مل جاتے، یہ سکے ایسے ہوتے جیسے دار الضرب سے بالکل نئے نئے نکلے ہوں۔''

آگے چل کر مولانا ضیاء الدین برنی لکھتے ہیں:

''حضرت سیدی مولہ کی خانقاہ کے اخراجات سلطان جلال الدین خلجی کے عہد میں اور بھی زیادہ بڑھ گئے تھے، سلطان جلال الدین کا بڑا لڑکا خان خاناں ان کا معتقد ہو گیا تھا اور اپنے کو حضرت سیدی مولہ کا بیٹا کہتا تھا، امراو حکام کی آمد و رفت ان کے پاس بڑھ گئی تھی، قاضی جلال کاشانی نے، جو اس زمانہ کا قاضی القضاۃ تھا لیکن فتنہ انگیز تھا، سیدی مولہ سے تعلقات پیدا کیے، دو دو تین تین راتیں خانقاہ میں بسر کرتا اور وہاں کے لوگوں سے گفتگو کرتا، بلبن کے عہد کے مولا زادے جو امرا اور ملوک کی اولاد سے تھے، اس گفتگو میں شریک رہتے، یہ سب عہد جلالی میں بالکل بے سروسامان، بے اقطاع اور بے حشم ہو گئے تھے، برنج تن اور ہتھیا پایک کے کوتوال جو آزادوں اور پہلوانوں کے گروہ میں تھے اور بلبنی عہد میں ایک لاکھ جیتل وظیفہ پاتے تھے، بے وظیفہ ہو گئے تھے اور بعض دوسرے اکابر جو عہدوں سے معزول کر دیے گئے تھے، سیدی مولہ کی خانقاہ میں آ کر رات کو سوتے اور ان سے کچھ چیزیں

Marfat.com

پاتے، لوگ سمجھتے کہ ان اکابر کی آمد ورفت محض حصول برکت کے لیے ہوتی ہے لیکن معلوم ہوا کہ قاضی جلال کاشانی، خان زادے، ملک زادے، برنج تن اور ہتھیا پایک کے کوتوال رات کو سیدی کے پاس بیٹھ کر فتنہ انگیزی کا مشورہ کرتے ہیں، چنانچہ برنج تن اور ہتھیا پایک کے کوتوال نے ارادہ کیا کہ جمعہ کے دن جب نماز کے لیے سلطان جلال الدین کی سواری نکلے تو اس پر حملہ کر دیا جائے اور سیدی کو خلیفہ بنا کر ان کا نکاح سلطان ناصر الدین کی لڑکی سے کر دیا جائے اور قاضی جلال کو قاضی خان کا عہدہ اور ملتان کا اقطاع دار مقرر کیا جائے، اسی طرح اور اقطاعات ملک زادوں اور خان زادوں میں تقسیم کر دی جائیں، ان بے کار لوگوں میں سے ایک شخص نے، جو مشورہ میں شریک تھا، ان سے منحرف ہو کر یہ تمام خبریں سلطان جلال الدین تک پہنچا دیں، سیدی اور ان کے ساتھی متہم کر کے سلطان کے سامنے لائے گئے، سلطان نے تفتیش کرنی چاہی تو سب نے انکار کر دیا، اس زمانہ میں رواج نہ تھا کہ انکار کرنے والوں سے لات اور ڈنڈے کے ذریعہ اقرار کرایا جاتا، چنانچہ دب کے لیے حکم جاری کیا گیا، سلطان اور دوسرے لوگوں کو سازش کا پورا یقین تھا لیکن سازش کرنے والے منکر تھے، دوسرا کوئی ثبوت نہ تھا اور ان پر کوئی حکم نافذ نہ کیا جا سکتا تھا، اس لیے بہار پور کے میدان میں آگ روشن کی گئی، سلطان ملوک اور خوانین کے ساتھ وہاں پہنچا، ایک کوشک خاص نصب کیا گیا، سلطان نے شہر کے تمام اکابر علما و مشائخ کا محضر طلب کیا، اس میدان میں شہر کے خواص و عوام جمع ہوئے، سلطان نے حکم دیا کہ سازش کرنے والوں کو آگ میں ڈال دیا جائے تا کہ جھوٹ اور سچ روشن ہو جائے لیکن اس بارے میں جب علما سے استفتا کیا گیا تو متدین علما نے کہا کہ دب نامشروع ہے اور آگ کے ذریعہ سے جھوٹ اور سچ کی تمیز نہیں کی جا سکتی ہے، سازش کی خبر صرف ایک شخص نے دی ہے اور ایسے جرم میں صرف ایک شخص کی شہادت قابل سماعت نہیں، اس لیے سلطان نے دب کا ارادہ ترک کر دیا اور قاضی جلال کو، جو فتنہ کا سرغنہ تھا، بدایوں کا قاضی بنا کر وہاں بھیج دیا، خان زادوں اور ملک زادوں کو جلا وطن کر دیا اور ان کی املاک ضبط کر لی، برنج تن اور ہتھیا پایک کے کوتوال کو سزا دی، اس کے بعد سیدی مولہ کو باندھ کر سلطان کے کوشک کے پاس لایا گیا، سلطان نے ان سے خود مباحثہ کیا، اس مجمع میں شیخ ابوبکر طوسی

Marfat.com

حیدری بھی اپنی حیدری جماعت کے ساتھ موجود تھے، سلطان نے ان سے خطاب کر کے کہا، اے درویشاں! انصاف من ازیں مولہ بستانید، بحری نامی ایک حیدری نے بڑھ کر سیدی کو استرے سے زخمی کر دیا، ارکلی خاں نے کوشک کے اوپر سے فیل بانوں کو اشارہ کیا، ایک ہاتھی سیدی کی طرف دوڑا اور ان کو پاؤں تلے مسل ڈالا۔''

اس کے بعد مولانا ضیاء الدین برنی اپنے تاثرات کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''ایسا حلیم اور بردبار بادشاہ اس معاملہ میں مشوروں کو سننے کی طاقت نہ پیدا کر سکا اور ایسا حکم صادر کر دیا جس سے درویشی کی عزت جاتی رہی، مجھ کو یاد ہے کہ جس روز سیدی مولہ کا قتل ہوا، ایک سیاہ طوفان آیا اور تاریکی چھا گئی، سیدی مولہ کے قتل کے بعد ملک میں طرح طرح کے فتور پیدا ہو گئے، بزرگوں نے کہا کہ کسی درویش کو قتل کرنا نحس ہے اور کسی بادشاہ کو راس نہیں آتا، سیدی مولہ کے قتل کے بعد اس سال بارش نہیں ہوئی، دہلی میں قحط پڑ گیا اور غلہ ایک جیتل میں ایک سیر ملنے لگا، سوالک کے علاقہ میں ایک قطرہ بھی بارش نہیں ہوئی، اس سرزمین کے ہندو، عورتوں اور بچوں کے ساتھ دہلی چلے آئے، بیس بیس اور تیس تیس آدمی ایک جگہ رہتے اور بھوک سے بے تاب ہو کر اپنے کو جمنا میں غرق کر دیتے تھے، ادنیٰ لوگ سلطان اور امرا کے صدقات پر زندگی بسر کرتے تھے[1]۔''

اخبار الاخیار کے مصنف کا بیان ہے کہ:

''جس روز سیدی مولہ کا قتل ہوا، بے اندازہ باد و غبار فضا میں اٹھا، دنیا تاریک ہو گئی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قیامت آ گئی ہے، سلطان جلال الدین نے یہ حال دیکھا تو سیدی مولہ سے اس کو اعتقاد پیدا ہو گیا جو پہلے نہ تھا[2]۔''

شیخ بوعلی قلندرؒ سے سلطان علاء الدین خلجی کی عقیدت: علاء الدین خلجی بھی حضرت شیخ بوعلی قلندرؒ کے حلقہ ارادت میں تھا، خزینۃ الاصفیا میں ہے:

''جلال الدین و علاء الدین بادشاہان دہلی ہم حلقہ ارادت آں حضرت بگردن خود

---

[1] تاریخ فیروز شاہی، ص ۲۱۲، ۲۰۸ [2] اخبار الاخیار، ص ۶۹۔

Marfat.com

داشتند۔" (ج ۱، ص ۳۲۷)

ایک بار سلطان علاء الدین خلجی نے حضرت بوعلی قلندرؒ کے پاس کچھ نذر بھیجنی چاہی لیکن یہ معلوم تھا کہ وہ کوئی نذر قبول نہیں کرتے ہیں، امرا نے رائے دی کہ اگر تحفہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی وساطت سے بھیجا جائے تو وہ ضرور قبول کرلیں گے، سلطان علاء الدین نے امیر خسرو کو حضرت نظام الدین اولیاؒ کے پاس اپنی خواہش کا اظہار کرنے کے لیے بھیجا، حضرت نظام الدین اولیاؒ نے پہلے تو تامل فرمایا پھر اپنے محبوب مرید کو نذر لے جانے کی اجازت دے دی لیکن یہ بھی نصیحت فرمائی کہ جو کچھ قلندر عاشق اللہ کہیں اس کو تسلیم کرنا، معترض نہ ہونا، حضرت امیر خسرو دہلی سے پانی پت تین روز میں پہنچے اور جب وہ حضرت بوعلی قلندر کی قیام گاہ پر آئے تو خدام سے کہلا بھیجا کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کا بھیجا ہوا خسرو خدمت میں حاضر ہوا ہے، حضرت بوعلی قلندرؒ نے ان کو اپنے پاس بلایا اور جب وہ جا کر بیٹھے تو فرمایا کہ کچھ سناؤ[۱]، امیر خسرو نے اپنی ایک غزل شروع کی، جو حسب ذیل ہے:

اے کہ گوئی ہیچ سختی چوں فراق یار نیست | گر امید وصل باشد آنچناں دشوار نیست
عاشقاں را در جہاں یکساں نباشد روزگار | زانکہ ایں انگشتہا بر دست من ہموار نیست
خلق را بیدار باید بود از آب چشم من | ایں عجب کان وقت میگریم کہ کس بیدار نیست
یک قدم بر نقش خود نہ واں دگر در کوئے دوست | ہر چہ بینی دوست بین با ایں و آنت کار نیست
چند می گوئی بروز نار بند اے بت پرست | بر تن خسرو کدامی رگ کہ آں زنار نیست

غزل سن کر حضرت بوعلی قلندرؒ خوش ہوئے اور امیر خسرو کو مخاطب کر کے فرمایا کہ خسرو! خوش رہو گے اور خوش جاؤ گے، پھر خود ہی یہ غزل پڑھی:

دیہیم خسرواں بر نعل اشتر است | خسرو کسے کہ حلقہ تجرید بر سر است
گفتم بعلم و عقل بملک دگر شدم | ملکم زعقل و دیں چو دیدم فزوں تر است

---

[۱] اصلی الفاظ یہ ہیں: "اے ہیرے ہائے خود چیزے بگو۔"

Marfat.com

سیمرغ دار روی نہفتم بقاف عشق — کو عارفی کہ منظر او عرش اکبر است
عقل کل است علم لدنی بعارفاں — ایں عقل و علم جسمے در سے مختصر است
درس شرف نبود ز الواح ابجدی — لوح جمال دوست مرا در ابر است

امیر خسرو حضرت بوعلی قلندر کی زبانی اس غزل کو سن کر بہت روئے، حضرت بوعلیؒ نے پوچھا کہ کچھ سمجھے بھی، عرض کیا، رونا اسی کا ہے کہ کچھ نہ سمجھا، اس جواب سے حضرت بوعلیؒ خوش ہوئے اور بادشاہ کی بھی نذر قبول کرلی، نذر قبول کرتے وقت فرمایا، اگر حضرت خواجہ نظام الدینؒ کا قدم درمیان میں نہ ہوتا تو میں ہرگز قبول نہ کرتا، پھر خدام کو حکم دیا کہ خسرو کو اعزاز واکرام سے خانقاہ میں رکھو، تین دن ٹھہر کر امیر خسرو نے واپس ہونے کی اجازت مانگی، رخصت کرتے وقت حضرت بوعلیؒ نے ایک خط تو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی خدمت میں تحریر فرمایا اور ایک خط بادشاہ کو اس طرح لکھا:

''علاء الدین فوطہ دار دہلی مصر رواند کہ با بندگان خدائے تعالیٰ نیکو کند۔''

جب یہ خط سلطان علاء الدین خلجی کو ملا تو امرا نے کہا کہ بادشاہ کو اس طرح لکھنا ادب ہے لیکن سلطان نے کہا، غنیمت ہے کہ اس ذرہ بے قدر کو فوطہ دار لکھا ہے، ایک بار تو شحنہ دہلی تحریر فرمایا تھا، اب فوطہ دار جو فرمایا اس کے لیے میں بہت شکر ادا کرتا ہوں[1]، یہ شاید اس رقعہ کی طرف اشارہ تھا جو حضرت بوعلیؒ نے ملک نائب کے خلاف سلطان علاء الدین کو لکھا تھا، ملک نائب نے ایک درویش کو ایذا پہنچائی تھی، حضرت بوعلیؒ نے سلطان کی توجہ اس کی طرف دلائی اور ایک رقعہ میں تحریر فرمایا:

''علاء الدین شحنہ[2] دہلی را اعلام آنکہ خواجہ سرائے ...... یکے از درویشاں را رنجانید، عرش الرحمٰن را بلرزہ آوردہ، اگر او را بہ سزا رسانیدی بہتر والا بجائے تو شحنہ دیگر بدہلی نشانیدہ خواہد شد۔''

---

[1] بحوالہ مرأۃ الکونین، نول کشور پریس، ص ۳۸-۳۴۷ و تذکرہ اولیائے ہند مؤلفہ مرزا محمد اختر، ص ۱۲۲ [2] مرأۃ الکونین میں ''فوطہ دہلی'' مرقوم ہے جو صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ (ص ۳۴۸)۔

Marfat.com

سلطان غیاث الدین تغلق بھی حضرت شیخ بوعلی قلندرؒ کا معتقد تھا، ایک بار اپنے لڑکے شہزادہ جونا خاں اور اپنے پوتے شہزادہ کمال الدین کے ساتھ خدمت میں حاضر ہوا، حضرت شیخ نے خادموں کو حکم دیا کہ تینوں کے لیے کھانا لائیں، خدام ایک پیالہ میں کھانا لائے، بادشاہ اور شہزادوں نے ایک ہی پیالہ میں کھانا شروع کیا، اس وقت حضرت شیخ نے فرمایا، تین بادشاہ ایک ساتھ کھا رہے ہیں، یہ گویا شہزادہ جونا خاں اور شہزادہ کمال الدین کے لیے بشارت تھی[1] دونوں آگے چل کر سلطان محمد تغلق اور سلطان فیروز شاہ کے نام سے ہندوستان کے بادشاہ ہوئے۔

وصال: ۱۳ رمضان المبارک ۷۲۴ھ میں شیخ بوعلی قلندرؒ کا وصال ہوا، تاریخ وفات "یا شرف الدین ابدال" سے نکلتی ہے، کرنال میں مدفون ہوئے لیکن کہا جاتا ہے کہ اعزہ و اقربا نے ایک رات پوشیدہ طور پر نعش مبارک پانی پت میں لے جا کر دفن کیا[2]، چنانچہ کرنال، پانی پت، بڈھا کھیڑا اور باگھوتی میں آج بھی اُن کے معتقدین کا ہجوم رہتا ہے۔

اشاعت اسلام: پانی پت کے علاقہ میں جو مسلمان راج پوت ہیں، وہ حضرت بوعلی قلندرؒ ہی کے رشد و ہدایت سے مشرف بہ اسلام ہوئے، ایک ممتاز راج پوت امیر سنگھ ان کے ہاتھوں پر ایمان لایا، اسی کے خاندان سے مسلمان راج پوت پھیل کر اسلام کی قوت بازو بنے[3]۔

تصانیف: حضرت بوعلی قلندرؒ کے نام سے حسب ذیل تصانیف منسوب ہیں:

(۱) مکتوبات بنام اختیار الدین، (۲) حکم نامہ شرف الدین، (۳) مثنوی کنز الاسرار، (۴) رسالہ عشقیہ۔

مکتوبات کے بارہ میں مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

"اورا مکتوب است بزبان عشق و محبت مشتمل بر معارف و حقائق توحید و ترک دنیا و

---

[1] تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف، ص ۲۸ [2] خزینۃ الاصفیا، ج ۱، ص ۳۲۸ [3] دعوت اسلام ترجمہ جناب عنایت اللہ صاحب، ص ۳۰۱۔

Marfat.com

طلب آخرت ومحبت مولےٰ جملہ بنام اختیار الدین می گوید[1]۔"

خزینۃ الاصفیا میں ہے:

"مکتوبات وی کہ بنام اختیار الدین مرید خود تحریر کردہ است کتابےاست جامع علوم توحید[2]۔"

سلطان شمس الدین ایلتتمش کے شاہی حاجب کا نام بھی اختیار الدین تھا لیکن خلجی امرا میں بھی شاید کوئی اختیار الدین ہو، یہ مکتوبات غالباً اسی کے نام ہیں، بعض مکتوبات کے نمونے ملاحظہ ہوں:

"اے برادر! جب تم پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی عنایت شروع ہو جائے، تم میں جذبہ پیدا ہونے لگے اور تم کو تم سے دور کیا جائے تو گویا تم میں عشق کا آغاز اور تم پر حسن کا جلوہ ظاہر ہو گیا اور جب تم پر حسن کا مشاہدہ ہو جائے تو معشوق کو پہچانو اور عاشق بن کر معشوق ہو جاؤ اور جب عاشق بن کر معشوق ہو گئے تو اسی طرح کام کرو، معشوق کی سنت اور عاشق کے فریضہ کو قائم رکھو، اس وقت معشوق کو عاشق کے ذریعہ سے پہچان لو گے، اے برادر! معشوق کو تمہاری ہی صورت میں پیدا کر کے تمہارے درمیان بھیجا گیا ہے، تاکہ براہ راست تم کو وہ دعوت دے، اے برادر! خدائے عزوجل نے بہشت ودوزخ پیدا کیا اور اس کا حکم ہے کہ دونوں پُر کیے جائیں گے، معشوق کو عاشقوں کے ساتھ بہشت میں جگہ دی جائے گی اور شیطان اپنے ساتھیوں کے ساتھ دوزخ کو پُر کرے گا، بہشت ودوزخ میں عاشقوں کے سوا کوئی نہیں ہوگا، دونوں عاشق ہی کے حسن سے پیدا ہوئے ہیں اور دونوں مقام غیر نہ ہوں گے، بہشت دوستوں سے وصال کا مقام ہے، دوزخ دشمنوں کے لیے جائے فراق ہے، یہ فراق کافروں اور منافقوں کو حاصل ہوگا اور وصال محمد رسول اللہ ﷺ کے عاشقوں اور دوستوں کو نصیب ہوگا، اے برادر! چشم دل کو کھولو، اور اچھی طرح سے دیکھو اور یہ جانو کہ عاشق نے اپنے عشق سے تمہارے لیے کیا کیا چیزیں اور کیا کیا تماشے پیدا کیے ہیں، اپنا حسن ایک درخت میں منتقل کر دیا ہے اور گوناگوں میوے پیدا کیے، ہر میوہ میں علاحدہ مزہ رکھا اور اس درخت کو نہ اپنی ذات کی خبر اور نہ اپنے پھول کی خبر اور نہ اپنے

[1] اخبار الاخیار، ص ۱۲۱ [2] جلد اول، ص ۳۲۷۔

Marfat.com

میوہ کی خبر ہے، گنا تمہارے لیے پیدا کیا اور اس کو شکر کی خبر نہیں، مشک کو ہرن کی ناف میں رکھا جو تمہارے لیے ہے، ہرن کو مشک کی کوئی خبر نہیں، گائے سے عنبر کو تمہارے لیے پیدا کیا اور گائے کو عنبر کی خبر نہیں، زباد کو بلی سے تمہارے لیے پیدا کیا اور بلی کو زباد کی خبر نہیں، کافور کو تمہارے لیے درخت سے پیدا کیا اور درخت کو کافور کی خبر نہیں، صندل کو تمہارے لیے پیدا کیا اور صندل کو اپنی خبر نہیں، اے برادر! عاشق ہو جاؤ اور دونوں عالم کو معشوق کا حسن جانو اور اپنے آپ کو معشوق کا حسن کہو..... عاشق نے اپنے عشق سے تمہارے وجود کا ملک بنایا تاکہ اپنے حسن و جمال کو تمہارے آئینہ میں دیکھے اور تم کو محرم اسرار جانے اور ان الانسان سری (انسان میرا بھید ہے) تمہاری شان میں آیا ہے عاشق ہو جاؤ تاکہ حسن کو ہمیشہ دیکھو اور دنیا و عقبیٰ کو پہچانو، عقبیٰ محمد ﷺ کی ملک ہے اور دنیا شیطان کی ملکیت ہے، دونوں میں معلوم کرو کہ تمہارے لیے کس کو پیدا کیا ہے، اے برادر! نفس کو اچھی طرح پہچانو، جب تم نفس کو پہچان لوگے تو دنیا کو بھی پہچان سکو گے اور اگر روح کو پہچان لوگے تو عقبیٰ کو بھی پہچان لوگے، اے برادر دنیا! کفر میں جو حسن رکھا گیا ہے عاشقؒ جانتے ہیں کہ اس نے (یعنی حسن نے) کفر کو اپنے عاشقوں کے سامنے کس قدر آراستہ کر دیا ہے، جو دنیا کا عاشق اس کا معشوق کفر کا حسن ہے، اے برادر! تم جانتے ہو، حسن کا جو غمزۂ کفر میں رکھا گیا ہے اس نے کس قدر پر لطف تیر دنیا والوں پر مارا ہے اور ان کو اپنا عاشق بنالیا ہے، اے برادر! اپنی جستجو میں رہو اور اپنے کو پہچانو، جب تم اپنے نفس کو پہچان لوگے تو عشق کو بھی جان سکو گے اور جب عشق کو اپنے حسن پر دیکھو گے تو کل اللسان کی کیفیت اپنے میں پاؤ گے، عاشق ہو جاؤ اور معشوق اپنی گود میں دیکھو اور حسن کو اپنے دل کے آئینہ میں معائنہ کرو:

آں شاہد معنی کہ ہمہ طالب اویند — ہم اوست کہ از چادرِ تو ساختہ سرپوش
در بادیۂ ہجر چرا بندہ بمانیم — در عین وصالیم نگار است در آغوش

اے برادر! قند کا ایک گولہ لاؤ اور اس سے سو گولے بنالو اور ہر گولہ سے ایک صورت بناؤ اور ہر صورت کا نام رکھو بعض کو گھوڑا اور بعض کو ہاتھی کہو تو قند کا نام جاتا رہے گا اور صرف وہ صورت باقی رہے گی، جب کل صورتوں کو توڑ کر قند کا گولہ بنالو تو قند کا نام پھر ظاہر ہو جائے گا۔"

Marfat.com

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں:

''اے برادر! یہ تمہیں معلوم کہ ہم لوگوں کو کس لیے پیدا کیا گیا ہے اور ہم لوگوں کے ساتھ کیا ہوگا لیکن خیال ہمیشہ فکر کے ساتھ وابستہ رہتا ہے، کبھی فکر ہمارے دل کے آئینہ کو آراستہ کردیتی ہے اور عاشق کے سامنے معشوق کو ظاہر کرتی ہے اور عاشق کا وہ حکم جس کو معشوق نے پہنچایا ہے، عاشق کے فرض اور معشوق کی سنت کے مطالعہ میں بجالاتی ہے، عاشق کے عشق اور معشوق کے حسن سے باطن کو معمور رکھتی ہے اور حسن کے تماشہ سے عاشق اپنے ظاہر کو بھلا دیتا ہے اور اپنے باطن کے تماشہ میں مصروف ہو جاتا ہے تاکہ عاشق کا حکم جس کو معشوق نے پہنچایا ہے نافذ ہو جائے، اے برادر! کبھی خیال نفس کا دوست ہو جاتا ہے اور حال خیال کے ساتھ متحد ہو کر دنیا کی روزی کی طرف لے آتا ہے، خیال دنیا کی آرائش نفس کو دکھلاتا ہے اور اس کے شوق میں اس کو پریشان کرتا ہے اور اس کو یعنی نفس کو معشوق کے دروازے پر پھراتا ہے، ہر دروازہ پر ذلیل کرتا ہے اور (نفس) شوق و آرائش کی آسائش کی وجہ سے اس ذلت سے واقف نہیں ہوتا اور باز نہیں آتا اور یہ نہیں سوچتا کہ دنیا نے کسی کے ساتھ نہ وفا کی اور نہ وفا کرے گی، نہ اس کو (نفس کو) موت کی فکر ہوتی ہے کہ دفعۃً آکر اس کو فنا کردے گی، دنیا کی آرائش کا حسن دنیا کے عاشقوں کو اپنے عشق میں ایسا بے خبر کردیتا ہے کہ نہ اس کو اس دنیا کی خبر ہوتی ہے جس کو انہوں نے معشوق بنایا ہے، اس کی بھی ان کو خبر نہیں ہوتی کہ اگر دنیا ختم ہو جائے گی تو کیا واقعات ظہور پذیر ہوں گے اور نہ عقبیٰ کی خبر ان کو ہوتی کہ ان کے سامنے کیا مہم درپیش ہے، اے برادر! سوچو کہ تمہارے سامنے ایک مہم درپیش ہے اور تم نے خیال اور .... اپنا مونس بنایا ہے، خیال کی نسبت ہوش رکھو کہ وہ نفس کا دوست ہو گیا ہے، اے برادر! کچھ معلوم نہیں کہ خیال اور فکر کا کیا حال پیدا کریں جب وہ (حال) تم کو نظر آئے گا اس وقت تم کو معلوم ہوگا کہ یہ قسمت میں لکھا تھا کہ تمہارے سامنے آیا، اے برادر! میں نہیں جانتا ہوں کہ میں کیا کروں اور مجھ سے کون سا کام بن پڑے گا اور کیا میری زبان سے نکلے گا، زبان خدا کی قدرت میں ہے، اگر تم پر خدا کا فضل ہوا تو تمہاری زبان سے وہ بات نکلے گی جو دونوں جہان کو پسند ہوگی، اے برادر! اس قدر معلوم ہوا کہ خدا نے اپنی مشیت سے تم کو

Marfat.com

پیدا کیا اور اپنی مشیت سے باقی رکھتا ہے، یفعل اللہ ما یشاء ویحکم ما یرید (یعنی جو کچھ اس نے چاہا، اس کو کیا اور جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے) کسی کو اس کی مشیت میں دخل نہیں[1]۔"

حکم نامہ شرف الدین کے بارے میں مولانا عبدالحق محدث دہلوی رقم طراز ہیں:

"درسالہ دیگر در عوام الناس شہرت دارد کہ اورا حکم نامۂ شیخ شرف الدین می گویند، ظاہر آنست کہ آں از مخترعات عوام است[2]۔"

اس کا ایک نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں ہے۔ (دیکھو کیٹلاگ فارسی مخطوطات، ص ۵۷۰، نمبر ۱۱۹۶)

حضرت شیخ بوعلی قلندرؒ کے نام سے دو مثنویاں منسوب ہیں، مثنوی کنز الاسرار اور رسالہ عشقیہ، خزینۃ الاصفیا کے مؤلف نے صرف اتنا لکھا ہے:

"وسوائے ازیں مثنوی است، مختصر کہ مخزن رموز توحید و معارف است۔" (ج ۱، ص ۳۲۷)

۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء میں مطبع نامی لکھنؤ سے ایک منظوم رسالہ مثنوی شاہ بوعلی قلندرؒ کے نام سے شائع ہوا تھا، اگر یہ رسالہ واقعی حضرت شاہ بوعلی قلندر کا ہے تو اس کو رسالہ عشقیہ کہہ سکتے ہیں، کیوں کہ اس میں عشق پر بہت سے اشعار ہیں، مثلاً:

عشق کو بے بال و پر طیراں کند ‌ ‌ عشق کو در لامکاں جولاں کند
عشق کو تا تاج سلطانی نہد ‌ ‌ عشق کو ملک سلیمانی دہد
عشق کو تا چشم دل بینا کند ‌ ‌ عشق کو تا سینہ پر سودا کند
عشق کو تا عقل را زائل کند ‌ ‌ عشق کو تا عقل را حاصل کند
عشق کو تا جام مدہوشی دہد ‌ ‌ عشق باید تا فراموشی دہد
عشق دہ تا بے خبر سازد مرا ‌ ‌ بادہ کو بے پا و سر سازد مرا

---

[1] یہ دونوں مکتوب اخبار الاخیار سے لیے گئے ہیں۔ ص ۱۲۱-۱۲۲ [2] اخبار الاخیار، ص ۱۲۱۔

Marfat.com

عشق باید تا دہد جام شراب　　　عشق سازد ساغرے آفتاب

اس میں قریب ۳۶۲ اشعار ہیں، مثنوی کا آغاز ان اشعار سے کیا گیا ہے:

مرحبا اے بلبل باغ کہن　　　از گل رعنا بگو با ما سخن
مرحبا اے قاصد طیار ما　　　می دہی ہردم خبر از یار ما
مرحبا اے ہدہد فرخندہ فال　　　مرحبا اے طوطی شکر مقال
درزمان ہفت آسماں راطے کنی　　　مرکب حرص و ہوا را پے کنی
دمبدم روشن کنی در دل چراغ　　　ہرنفس از عشق سازی سینہ داغ
از تو روشن گشت فانوس تنم　　　از تو حاصل شد مرا وصل صنم
مرحبا اے رہنمائے راہ دیں　　　از تو روشن شد مرا چشم یقیں
یافت قالب طینت پاکی زتو　　　شد پریشاں آدم خاکی زتو
مرحبا اے فیض بخش کائنات　　　یافت ترکیب از وجودتو حیات

آگے چل کر ایک شیخ کے زہد وتقویٰ کی تصریح کی گئی ہے:

زہد وتقویٰ چیست اے مردفقیر　　　لاطمع بودن ز سلطان و امیر
زہد وتقویٰ نیست ایں کز بہر خلق　　　صوفی باشی و پوشی کہنہ دلق
شانہ و مسواک و تسبیح ریا　　　جبہ و دستار قلب بے صفا
پیش و پس گردد مرید ناخلف　　　چوں خرابلہ پے آب و علف
چوں بہ بینی چندکس بیہودہ گرد　　　خویش را گوئی منم مردانہ مرد
دام اندازی برائے مرد وزن　　　خویش را گوئی منم شیخ زمن
وعظ گوئی خود نیاری در عمل　　　چشم پوشی ہم چو شیطان دغل
مکر وتلبیس و ریا کارد بود　　　ہرنفس شیطان ترا یارت بود
چوں شوی استادہ از بہر نماز　　　دل بود در گاوخرا ے حیلہ ساز

Marfat.com

آں نماز تو شود آخر تباہ — فکر باطل ہا کند رویت سیاہ
چوں در ایمانت فتد آخر قصور — ہاں چرا خوانی نماز بے قصور
بر مصلا چوں نشینی قبلہ رو — چشم پوشی دل بود جائے گرو
خادمان گویند ایں شیخ زماں — چشم پوشیدہ ست از خلق و جہاں
شیخ را لاہوت باشد منزلش — شد فنا ذات بقا شد حاصلش
ایں خوشامد گوی چندیں ابلہاں — رہزنانند رہزنانند رہزناں
از ستائش خویش تن را گم مکن — عیب خود بیں عیب بر مردم مکن
اے گرفتار آمدی در بند نفس — نفس کافر را بکش بشکن قفس
تا کنی پرواز سوئے اصل خویش — جا کنی در آشیان وصل خویش

اس کے بعد دنیا کی حرص و ہوا سے پرہیز کی تعلیم ہے:

دل چو آلودست از حرص و ہوا — کے شود مکشوف اسرار خدا
صد تمنا در دلست اے بوالفضول — کے کند نور خدا در دل نزول
دین و دنیا ہر دو کے آید بدست — ایں فضولیہا بکن اے خود پرست
بر تو قسمت میرسد اے بے خبر — پس چرا قانع نہ بر خشک و تر
حرص تو دلق قناعت پارہ کرد — نفس امارہ ترا آوارہ کرد
ہست دنیا پیر زال و پُر فریب — می کند پیر و جواں را بے شکیب
عارفان دادند او را صد طلاق — ہر کہ عاشق شد بر داو گشت عاق
ایں سخن در گوش داری اے جواں — مولوی گفتہ ز روئے امتحاں
''ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں — ایں خیال است و محال است و جنوں''

نفس کشی کی تلقین اس طرح کی گئی ہے:

مرد باید تا نہد بر نفس پا — بگذرد از شہوت و حرص و ہوا

Marfat.com

دست ہمت را برافرازد بلند نفس را چوں صید آرد در کمند
دست را کوتاہ سازد از ہوس بشکند با چنگ ہمت ایں قفس
گرخوری یک لقمہ از وجہ حلال نور تابد بر دل از مہر کمال
گر شوی از لقمہ شبہ نفیر نفس را سازی بفضل حق اسیر
دل شود روشن ز نور آئینہ دار بر تو اندازد در آئینہ نگار
چوں کشائی چشم ما اہل یقیں ہر طرف تاباں جمال یار بیں

اسی کے بعد توحید و معرفت کی مصوری کی گئی ہے:

یار را می بیں تو در ہر آئینہ سوز و ساز اوست در ہر طنطنہ
ہر چہ آید در نظر از خیر و شر جملہ ذات حق بود اے بے خبر
اوست در ارض و سماؤ لامکاں اوست در ہر ذرہ پیدا و نہاں
پاس دار انفاس اے اہل خرد تا ترا ایں فاصلہ منزل برد
اوست پیدا و نہاں و آشکار جلوہا کردست در ہر شے نگار
ہوش در دم دار اے مرد خدا یک نفس یک دم معاش از حق جدا
نفی گرداں از دل خود ما سوا تا نہ گنجد در دلت غیر از خدا
زنگ دل از صیقل لا پاک کن سینہ با تیغ محبت چاک کن
اسم ذات او چو بر دل نقش بست سکہ ضرب محبت خوش نشست
گشت چوں بر نقش دل نقش الہ غیر نقش اللہ را اے دل مخواہ
چوں شوی فانی تو از ذکر خدا راہ یابی در حریم کبریا
چوں بمانی با خدا یابی وصال خویش را گم ساز اے صاحب کمال
ہر کہ شد در بحر عرفاں آشنا ذرہ ذرہ قطرہ داند از خدا

عرفان کے لیے چشم بینا اور دل مصفا ضروری ہے:

Marfat.com

چشم دل بکشا جمال یار بیں | ہر طرف ہر سو رخ دل دار بیں
چشم باید تا بہ بیند روئے یار | جلوہ کر دست در ہر شے نگار
نیست پوشیدہ رخ دل دار تو | لیک ایں نقص ست در ابصار تو

عشق الٰہی میں جو مدہوشی اور خود فراموشی ہونی چاہیے اس کی تصویر ان اشعار سے نمایاں ہو جاتی ہے، جو شروع میں نقل کیے گئے ہیں، اس سلسلہ کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں:

ہیچ میدانی کہ اصل عشق چیست | عشق را از حسن جاناں زندگیست
عشق چوں جبرئیل در معراج حسن | بر سر عاشق نہد صد تاج حسن
عاشق و معشوق گردند ہر دو یک | ہم توئی معشوق و عاشق نیست شک
اے کہ گشتی واقف از اسرار عشق | نہ قدم مردانہ اندر کار عشق
سر بر آور زیر پائے عشق نہ | بعد ازاں سر در ہوائے عشق نہ
عشق بازی نیست کار بوالہوس | خام طبعاں حاضر اند ہم چوں مگس
گر کنی جاں را تو بر جاناں نثار | در عوض یک جاں دہد صد جاں نگار
کشتگان عشق را جان دگر | ہر زماں از غیب احسان دگر

مثنوی کا خاتمہ حسب ذیل طریقہ پر ہوتا ہے:

یا الٰہی چشم بینائی بدہ | در سرم از عشق سودائی بدہ
آتش افگن در دلم مانند طور | شعلہ بر خیزد و گردد زنگ دور
سالہا شد از تو می خواہم ترا | حاجتم را چوں نمی سازی روا
از لسان الغیب ایں گردد نوید | از در تو کس نہ گشتہ نا امید
ہر کہ باشد بر درت امید وار | شاہد مقصود باید در کنار
اے خدائے من بہ حق مصطفیٰ | از طفیل حرمت آل عبا
روز محشر دار ما آل رسول | از طفیل مقبلاں گردد قبول

Marfat.com

حضرت شیخ ابوالفتح رکن الدینؒ

خاندان: حضرت شیخ ابوالفتح رکن الدینؒ حضرت شیخ صدر الدینؒ کے لڑکے اور حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے پوتے تھے، والدہ ماجدہ کا نام بی بی راستی تھا جو اپنے زہد و تقویٰ کی وجہ سے رابعہ عصر کہلاتی تھیں، انہوں نے اپنے خسر حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کے زیر سایہ باطنی و روحانی تعلیم و تربیت حاصل کی، ان کو کلام مجید کی تلاوت سے خاص شغف تھا، روزانہ ایک بار کلام مجید ختم کرتی تھیں، حضرت شیخ رکن الدین کی ولادت سے پہلے حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی نے یہ بشارت دی تھی کہ ان کی وجہ سے خاندان کا چراغ روشن ہوگا، ایک دن جب کہ شیخ رکن الدین چار سال کے تھے، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا چارپائی پر بیٹھے تھے اور دستار مبارک سر سے اتار کر چارپائی کے پایہ پر رکھ دی تھی، حضرت شیخ صدر الدین بھی پاس ہی مودب بیٹھے تھے کہ شیخ رکن الدین کھیلتے ہوئے آئے اور دادا کی دستار مبارک اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لی، والد ماجد نے ڈانٹا کہ یہ بے ادبی ہے، مگر دادا نے فرمایا کہ صدر الدین پگڑی پہننے سے اس کو نہ روکو، وہ اس کا مستحق ہے اور میں یہ پگڑی اس کو عطا کرتا ہوں، چنانچہ وہ پگڑی محفوظ کر دی گئی اور جب حضرت شیخ رکن الدینؒ اپنے والد بزرگوار کے بعد مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو وہ ان کے سر پر رکھی گئی[۱]۔

تعلیم: ظاہری تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی اور روحانی تربیت میں جد امجد سے

---

[۱] سیر العارفین، ص ۱۴۱ و فرشتہ، ج ۲، ص ۴۱۱ و مرآۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین۔

Marfat.com

فیض یاب ہوئے، دونوں ان کو بہت محبوب رکھتے تھے، شیخ رکن الدین دونوں بزرگوں کا اتنا احترام کرتے تھے کہ کبھی ان سے آنکھیں چار نہ کرتے تھے اور نہ ان کے سامنے بلند آواز سے بولتے، اس خوردسالی میں ان کے اس ادب سے متاثر ہو کر حضرت خواجہ شمس الدین تبریزیؒ نے ان کو رکن الدین عالم کا لقب عطا فرمایا اور وہ "رکن عالم" کے نام سے مشہور ہوئے[1]، انہی دونوں بزرگوں کی صحبت میں انہوں نے صوری و معنوی کمالات حاصل کیے، علم، تواضع، شفقت، حلم، موافقت، بشاشت و مروت، عفو و حیا، وقار، حسن ظن اور تصغر نفس جملہ صفات ان میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں اور انہوں نے مکاشفہ و محاسبہ سے اتنے مدارج طے کر لیے تھے کہ ان کو "مخزن مشہود الٰہی، منبع جو نامتناہی، ادریس خلوت وحدت، برجیس برج معرفت، گوہر معدن صفات لاریب، لولوئے سجہ دریائے غیب، زبدۃ المشائخ، مفتاح قفل حق الیقین[2]" کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے، سیر العارفین کے مؤلف نے ان کے روحانی مرتبہ کی مدح ان الفاظ میں کی ہے:

جہان معرفت سلطان معنی ‌ ‌ ‌ وجودش آیتے در شان معنی
دلش از طلعت اسرار مسرور ‌ ‌ ‌ ہمیشہ جانش از انوار معمور
بباطن در حقیقت رفتہ بے باک ‌ ‌ ‌ بظاہر در شریعت چست و چالاک
بریدہ گردن شیطان خناس ‌ ‌ ‌ خزیدانش ز تیغ پاس انفاس
بملک فقر از کشف و کرامات ‌ ‌ ‌ دہ بر عرش کوس استقامات
کلامش پاک از طامات و از شطح ‌ ‌ ‌ یگانہ شیخ رکن الدین ابو الفتح
بملک فقر و جز نعمت نبودش ‌ ‌ ‌ جمالی ریزہ چین خوان جودش

ریاضت: حضرت شیخ رکن الدین کے خلیفہ حضرت جہانیان جہاں گشت اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ جب شیخ رکن الدین قدس سرہ کا کام کمال کو پہنچ گیا تھا تو بھی وہ تہجد کے

---

[1] مرأۃ الاسرار قلمی [2] سیر العارفین، ص ۱۴۰۔

Marfat.com

وقت سے دو پہر تک ریاضت و عبادت میں مشغول رہتے[1]۔

خلافت: چھبیس سال کی عمر میں جب اپنے والد بزرگ وار کی مسند خلافت پر بیٹھے تو ہر گوشہ سے لوگ خدمت میں حاضر ہو کر فیض یاب ہوئے، جو بھی اہل حاجت حاضر ہو جاتا، اس کی حاجت روائی ضرور فرماتے، اسی لیے "قبلہ حاجات" بھی کہلاتے تھے، مجلس میں جس کے دل میں کوئی بات آتی اس کا ان کو کشف حاصل ہو جاتا اور اس کی دل جوئی کرتے۔

سلاطین و مشائخ سے تعلقات: سلطان و مشائخ دونوں سے ملتے مگر ان کے مراتب کے حدود کو ملحوظ رکھ کر تعلقات قائم کرتے، سلطان علاء الدین خلجی کے زمانہ میں ایک بار ملتان سے دہلی تشریف لائے تو سلطان نے شاہی کروفر کے ساتھ دہلی سے باہر ان کا استقبال کیا اور بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ ان کو دہلی لایا اور دو لاکھ ٹنکے نذر پیش کیے، پھر رخصت کے وقت پانچ لاکھ نذر کیے، حضرت شیخ رکن الدینؒ نے دہلی چھوڑنے سے پہلے یہ کل رقم فقرا و مساکین میں تقسیم کر دی اور اپنے ساتھ ایک حبہ بھی نہ لے گئے، سلطان وقت کی طرف سے اعزاز و اکرام کے باوجود فرماتے کہ میں ملتان سے دہلی صرف حضرت نظام الدین اولیا کی محبت اور شوق ملاقات میں آتا ہوں، حضرت نظام الدین اولیا کو بھی ان سے قلبی لگاؤ تھا، چنانچہ جب سلطان علاء الدین کی دعوت پر دہلی آئے تو اگر ایک طرف ان کے استقبال کے لیے سلطان وقت اپنے خدم و حشم کے ساتھ تھا تو دوسری طرف حوض علائی کے پاس سلطان الاولیاؒ بھی اپنی جلالت و عظمت کے ساتھ ان کے لیے چشم براہ تھے۔

حضرت محبوب الٰہیؒ سے محبت: حضرت شیخ رکن الدین کو دہلی میں شاہی مہمان ہوتے تھے، مگر زیادہ وقت حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاؒ ہی کی صحبت میں بسر کرتے تھے، دونوں ایک دوسرے کا غیر معمولی احترام کرتے، ایک مرتبہ حضرت شیخ رکن الدینؒ دہلی آئے تو جمعہ کی نماز ادا کرنے جامع مسجد تشریف لائے، حضرت محبوب الٰہیؒ پہلے سے موجود تھے، جمعہ کی نماز ہو

---

[1] المنظوم ملفوظ المخدوم، اردو ترجمہ، ص ۴۴۵۔

Marfat.com

چکی تو حضرت محبوب الٰہیؒ اپنی جگہ سے اٹھے اور ایک وسیع صحن طے کر کے حضرت رکن الدینؒ کے پاس آئے جو اس وقت تک نماز سے فارغ نہ ہوئے تھے، حضرت محبوب الٰہیؒ ان کی پیٹھ کے پیچھے بیٹھ گئے اور جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو دونوں نے اٹھ کر بڑی گرم جوشی سے معانقہ کیا اور پھر حضرت رکن الدینؒ حضرت محبوب الٰہیؒ کا دست مبارک پکڑے ہوئے اس جگہ پر آئے جہاں وہ (یعنی حضرت محبوب الٰہیؒ) پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے اور جب دونوں مسجد سے روانہ ہو کر اپنے اپنے ڈولے کے پاس پہنچے تو دونوں ایک دوسرے سے اصرار کرنے لگے کہ پہلے وہ اپنے ڈولے پر جلوہ فرما ہوں، بالآخر حضرت محبوب الٰہیؒ کا اصرار غالب رہا اور حضرت رکن الدینؒ پہلے اپنے ڈولے میں سوار ہوئے[1]۔

اسی قیام کے زمانہ میں حضرت شیخ رکن الدینؒ حضرت محبوب الٰہی کی زیارت کے لیے ان کی خانقاہ میں بھی تشریف لائے، ان کے پاؤں میں کچھ تکلیف تھی، ڈولے سے باہر نکلنے کی کوشش کی تو حضرت محبوب الٰہیؒ نے بضد ہو کر روک دیا اور خود اور درویشوں کے ساتھ ڈولے ہی کے پاس بیٹھے رہے، اس قران السعدین کے وقت حضرت شیخ رکن الدینؒ کے بھائی عماد الدین اسماعیل کے دل میں بعض علمی نکات حل کرنے کا خیال پیدا ہوا اور دونوں بزرگوں سے اجازت لے کر عرض کیا کہ ہجرت نبوی ﷺ میں کیا مصلحت تھی، حضرت شیخ رکن الدینؒ نے فرمایا کہ جناب رسول مقبول ﷺ کے بعض کمالات کی تکمیل مدینہ منورہ کی ہجرت ہی پر موقوف و منحصر تھی، اس لیے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی جانب جلوہ فرما ہوئے، حضرت محبوب الٰہیؒ نے ارشاد فرمایا کہ اس مسئلہ میں میری سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ اللہ جل شانہ نے اپنے محبوب کو مدینہ طیبہ اس لیے بھیجا کہ وہ اصحاب مدینہ جو اپنی بے بضاعتی کی وجہ سے مکہ معظمہ حاضر ہونے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے، وہ بھی رسول کریم ﷺ کی ذات بابرکات سے مستفیض و مستفید ہو کر ظاہری و باطنی کمالات میں مکمل ہو جائیں، اس گفتگو کے بعد حضرت محبوب الٰہیؒ نے

---

[1] سیر الاولیا، ص ۱۳۶، ۱۳۷۔

Marfat.com

ڈولے ہی کے پاس کھانا منگوایا اور کھانے کے بعد اعلا درجہ کا کپڑا اور سوا شرفیاں حضرت شیخ رکن الدینؒ کی خدمت میں بہ طور نذر پیش کیں، اشرفیوں کو دیکھ کر حضرت رکن الدینؒ نے حضرت نظام الدین اولیاؒ کو مخاطب کر کے فرمایا، استر ذهبك[1] لیکن حضرت محبوب الٰہیؒ نے برجستہ جواب دیا، استر ذهبك وذهابك ومذهبك[2] حضرت شیخ رکن الدینؒ نے ان نذرانوں کو قبول کرنے میں تامل کیا تو حضرت محبوب الٰہیؒ نے ان کے بھائی شیخ عماد الدین اسماعیل کے حوالہ کر دیا[3]۔

غالباً حضرت شیخ رکن الدینؒ دہلی کے پہلے ہی قیام کے زمانہ میں حضرت بابا گنج شکرؒ کے عرس کا زمانہ آ گیا، چنانچہ پاک پٹن کی طرح دہلی میں بھی عرس کی تقریب منائی گئی، عرس کی محفل میں حضرت شیخ رکن الدینؒ بھی شریک ہوئے، مجلس سماع میں حضرت محبوب الٰہیؒ پر وجد طاری ہو گیا اور غایت اضطراب میں کھڑا ہو جانا چاہا لیکن شیخ رکن الدینؒ نے ان کا دامن پکڑ کر بٹھا دیا، تھوڑی دیر کے بعد پھر وجد کی کیفیت شروع ہوئی تو پھر کھڑے ہو گئے، اس مرتبہ شیخ رکن الدینؒ نے ان کو بٹھانے کی کوشش نہیں کی بلکہ اور مشائخ کی طرح خود دست بستہ مؤدب کھڑے ہو گئے، مجلس ختم ہوئی تو مولانا علم الدینؒ نے حضرت شیخ رکن الدینؒ سے پوچھا کہ اس کا کیا سبب تھا کہ پہلی بار تو آپ نے محبوب الٰہیؒ کو کھڑے ہونے نہ دیا لیکن دوسری بار نہیں روکا، حضرت شیخ نے ارشاد فرمایا کہ پہلی بار شیخ نظام الدینؒ کی رسائی عالم ملکوت تک ہوئی تھی وہاں تک میری گزر ممکن تھی، اس لیے میرا ہاتھ پہنچ گیا اور ان کو بٹھا دیا، دوسری بار ان کی رسائی عالم جبروت میں ہوئی، وہاں تک میں نہیں پہنچ سکتا تھا، اس لیے مزاحم نہ ہوا[4]۔

---

[1] یعنی آپ اپنا سونا چھپایئے۔ [2] یعنی اپنے سونے کو اور جانے کو (مراد راہِ سلوک) اور جانے کی جگہ کو چھپایئے، اس میں تجنیس لفظی بھی قابل غور ہے۔ [3] سیر الاولیا، ص ۱۴۰-۱۳۹ [4] سیر العارفین، ص ۴۳ و فرشتہ، جلد دوم، ص ۴۱۲۔

Marfat.com

سیر الاولیا (ص ۱۴۰) میں ہے کہ ایک اور موقع پر حضرت رکن الدینؒ ملتان سے دہلی تشریف لائے تو حضرت محبوب الٰہیؒ سے بھی ملنے آئے، یہ زمانہ عشرہ ذی الحجہ کا تھا، اس لیے جب حضرت رکن الدینؒ سلطان المشائخ سے ملے تو فرمایا، یہ زمانہ حج کا ہے، میں حج کی سعادت تو حاصل نہ کر سکا لیکن آپ کی زیارت سے مجھے حج کا ثواب ضرور مل جائے گا، یہ سن کر حضرت محبوب الٰہی کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں اور اظہار شرمندگی کیا۔

دونوں بزرگ غائبانہ طور پر ایک دوسرے کا بڑا احترام کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک خراسانی عالم نے حضرت محبوب الٰہیؒ سے کہا کہ میں آپ کے پاس آتا ہوں تو ہر بار مجھ کو کچھ نہ کچھ کھلاتے ہیں لیکن میں شیخ رکن الدینؒ کے پاس کئی بار گیا، انہوں نے مجھ کو کوئی چیز نہیں کھلائی، حضرت محبوب الٰہیؒ نے جواب دیا کہ میں اس حدیث پر عمل کرتا ہوں من زار حیا ولم یذق منہ شیئا فکانما زار میتا یعنی جو شخص زندہ کی زیارت کرے اور اس کے یہاں کچھ نہ چکھے تو گویا اس نے مردے کی زیارت کی، خراسانی عالم نے پوچھا کہ کیا شیخ رکن الدینؒ تک یہ حدیث نہیں پہنچی، حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا، شیخ رکن الدینؒ عمل معنوی کرتے ہیں اور وہ ذوق روحانی چکھاتے ہیں، خراسانی عالم نے کسی موقع پر حضرت شیخ رکن الدینؒ سے یہ عرض کیا کہ شیخ نظام الدینؒ کہتے ہیں کہ شیخ رکن الدینؒ ذوق روحانی دیتے ہیں اور میں ذوق جسمانی دیتا ہوں، شیخ رکن الدینؒ نے فرمایا، برادرم! نظام نے تواضع کی ہے، ان میں دونوں وصف ہیں، وہ ذوق روحانی بھی عطا کرتے ہیں اور ذوق جسمانی بھی[1]۔

حضرت محبوب الٰہیؒ سے حضرت شیخ رکن الدین کی محبت وعقیدت کا اظہار اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے محبوب خلیفہ حضرت شیخ وجیہ الدین عثمان سیاح سنامی کو محبوب الٰہی کی قربت کی خاطر دہلی ہی میں قیام کرنے کا حکم دیا، شیخ عثمان، جن کا

---

[1] الدر المنظوم فی ترجمۃ ملفوظ المخدوم یعنی ملفوظات حضرت جہانیاں جہاں گشت اردو ترجمہ مطبوعہ مطبع انصاری دہلی، ص ۲۸-۲۹۔

Marfat.com

مزار شریف دہلی میں ہے، جب سنام سے سیر و سیاحت کرتے ہوئے دہلی پہنچتے تو ایک دن کیلوکیری میں نہر کے پاس حضرت شیخ رکن الدین کو نماز پڑھتے دیکھا، چہرہ اقدس پر نظر پڑی تو دل انوارِ روحانی سے منور ہو گیا اور وہیں باضابطہ ارادت حاصل کر لی، حضرت شیخ رکن الدینؒ ان کو اپنے ساتھ ملتان لے گئے اور دو سال تک اپنی معیت میں رکھا، اسی مدت میں کلام پاک حفظ کیا اور مرشد سے حضرت شیخ شہاب الدین کی تصنیف عوارف پڑھتے رہے، خود حضرت شیخ رکن الدین کا بیان ہے کہ جس دن سے حضرت شیخ عثمان مرید ہوئے، ترک دنیا اور تجرد کلی اختیار کر لیا، ایک تہبند کے علاوہ ان کے پاس کوئی چیز نہیں رہتی تھی، اسی بے سروسامانی کی حالت میں حج کے لیے تشریف لے گئے، مدینہ منورہ میں ایک سال رہ کر دو مرتبہ حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا، طواف کے دوران میں چشم بینا سے دیکھا کہ حضرت خضر علیہ السلام ان کے سر پر سایہ کیے ہوئے ہیں، یہ دیکھ کر بے چین ہو گئے اور اسی وقت دوسرے ممالک کی سیاحت کو روانہ ہو گئے، سات برس کے بعد ملتان لوٹے تو مرشد نے گلے سے لگا لیا اور سر کو بوسہ دے کر فرمایا، تم نے یہ بہت اچھا کیا کہ جس روز اپنے سر پر حضرت خضر کا سایہ دیکھا، اسی وقت مسافرت اختیار کر لی ورنہ مخلوق کے فتنہ میں پڑ جاتے، یہ کہہ کر اپنا پیراہن محبوب مرید کو پہنایا اور اپنی دستار ان کے سر پر باندھی اور پھر چند روز اپنے ساتھ ٹھہرا کر دہلی روانہ کر دیا، رخصت کرتے وقت فرمایا، تم وہیں قیام کرنا جہاں حضرت شیخ نظام الدین مقیم ہیں، وہاں جا کر پہلے حضرت شیخ نظام الدین کو میرا اسلام پہنچانا اور وہ جہاں رہنے کا حکم دیں وہیں سکونت اختیار کر لینا، چنانچہ حضرت شیخ عثمان نے دہلی پہنچ کر محبوب الٰہی کی خدمت میں مرشد کا سلام پہنچایا، انہوں نے کھڑے ہو کر علیک وعلیہ السلام فرمایا، حضرت شیخ عثمان کو محبوب الٰہی کی صحبت میں ان سے ایسی محبت و شیفتگی پیدا ہو گئی کہ ہر جگہ اس کا چرچا پھیل گیا، حضرت شیخ عثمان کو سماع کا ذوق پہلے سے تھا محبوب الٰہی کی مجلسوں میں شرکت سے یہ ذوق اور بھی بڑھ گیا، ایک بار اپنی قیام گاہ پر ہم جلیسوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ سامنے سے امیر حسن

Marfat.com

قوال اپنے ساتھیوں سمیت گزرا، امیر حسن کو حضرت محبوب الٰہیؒ بہت عزیز رکھتے تھے اور اس کے گانے پر بہت فریفتہ تھے، امیر حسن بھی حضرت محبوب الٰہی اور شیخ عثمان کے گہرے مراسم سے واقف تھا، ان کو دیکھ کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت شیخ عثمان محبوب الٰہی کے ہمدم مجلس اور محرم صحبت قوال کے ساتھ بڑی محبت سے پیش آئے اور اس سے کچھ سنانے کی فرمائش کی، اس زمانہ میں سلطان غیاث الدین تغلق کی طرف سے محفل سماع پر قدغن تھی، اس لیے امیر حسن کو اس کی فرمائش کی تعمیل میں تامل ہوا، حضرت شیخ عثمان کواڑ میں زنجیر لگا کر گانے کے لیے مصر ہوئے، امیر حسن نے سلطان وقت کے خوف سے دھیمی آواز میں یہ بیت گائی شروع کی:

زاہد زدین برآمد و صوفی زاعتقاد ترسا محمدی شد و عاشق ہماں کہ ہست

امیر حسن نے جب تکرار کے ساتھ اس کو گایا تو حضرت شیخ عثمان بے خود اور بے قابو ہوگئے اور امیر حسن سے زور سے گانے کو فرمایا، وہ بھی شیخ کے جذب و بے خودی کو دیکھ کر بے اختیار ہوگیا اور دل کھول کر گانے لگا، حضرت شیخ عثمان نے اس بے خودی میں دروازہ کھول دینے کا حکم دیا، بائیس قوال اور آگئے اور یہ محفل سماع جذب و کیف کی ایسی مجلس بن گئی کہ شہر کے تمام صوفیا آکر جمع ہوگئے اور کئی ہزار تماشائیوں پر وجد طاری ہوگیا اور حضرت شیخ عثمان مذکورہ بالا شعر پڑھتے ہوئے بے خودی کی حالت میں جماعت خانہ سے نکل آئے اور ایک سمت چل کھڑے ہوئے، قوال بھی ساتھ ساتھ گاتے جاتے تھے، پیچھے لوگوں کا مجمع تھا اور سب کے سب شیخ کے جذب و بے خودی کے اثر سے سرشار تھے، اسی حال میں شیخ شاہی محل کے پاس پہنچے، سلطان غیاث الدین تغلق نے سوچا کہ کوئی فتنہ اٹھا ہے، ملک شادی خاں کو تحقیقات کے لیے بھیجا، اس نے واپس آکر اطلاع دی کہ حضرت شیخ عثمان صوفیوں اور قوالوں کی ایک کھلی ہوئی محفل سماع منعقد کیے ہوئے ہیں، سلطان پر برہمی کے آثار ظاہر ہوئے، مگر پھر اس نے اس فہرست کو منگا کر دیکھا جس میں ان درویشوں اور فقرا کے نام

Marfat.com

درج تھے، جنہوں نے اس کے حریف اور شاہی تخت کے دعوے دار خسرو خاں سے رشوتیں قبول کی تھیں، مگران میں شیخ عثمان کا نام نہ تھا، اس لیے سلطان کی برہمی نرمی میں بدل گئی اور وہ حضرت شیخ عثمان کو مست الست دیکھ کر خود بہت متاثر ہوا اور حکم دیا کہ ان کو اور ان کے ساتھیوں کو لاکر محل کے اندر ٹھہرایا جائے اور شاہی باورچی خانہ سے ان کی ضیافت کا سامان کیا جائے، چنانچہ پوری جماعت تین روز تک شاہی باورچی خانہ کے الوان نعمت سے متمتع ہوتی رہی اور جب حضرت شیخ عثمان رخصت ہونے لگے تو سلطان نے نذر پیش کی، مگر انہوں نے اس کو قبول نہیں کیا اور غیاث پور کی طرف چل کھڑے ہوئے[1]، یہ واقعہ اس محضر سے پہلے کا ہے، جس کا ذکر حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ کے حال میں آچکا ہے۔

خدمت خلق اللہ: اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت شیخ رکن الدین کے تعلقات سلاطین وقت سے بھی تھے، مگر یہ تعلقات محض خدمت خلق اللہ کی خاطر تھے، علاء الدین خلجی کے بعد جب اس کا لڑکا قطب الدین خلجی تخت نشین ہوا تو اس کو محبوب الٰہیؒ سے ذاتی مخاصمت پیدا ہوگئی، جس کی تفصیل پہلے بیان کی جا چکی ہے، اس مخالفت اور عناد کی وجہ سے سلطان نے دوسرے مشائخ سے مراسم پیدا کیے، اس سلسلہ میں اس نے حضرت شیخ رکن الدین سے بھی اپنی گرویدگی اور شیفتگی کا اظہار کیا اور ان کو ملتان سے دہلی آنے کی دعوت دی، جب وہ دہلی تشریف لائے اور سلطان سے ملنے گئے تو اس نے پوچھا کہ دہلی میں سب سے پہلے کس شخص نے آپ کا استقبال کیا تھا، گو اس کو حضرت محبوب الٰہیؒ سے سلطان کے عناد کا حال معلوم تھا تاہم انہوں نے جواب دیا کہ اس نے جو اس شہر کا سب سے اچھا آدمی ہے، یعنی حضرت نظام الدین اولیاؒ نے[2]۔

حضرت شیخ رکن الدینؒ کا معمول تھا کہ جب وہ سلطان قطب الدین کے پاس تشریف لے جاتے تو راستہ میں اپنی سواری تخت رواں کو ٹھہراتے چلتے تاکہ اہل ضرورت اپنی درخواستیں سلطان کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے ان کی سواری میں ڈال دیں،

---

[1] سیر العارفین، ۴۶-۱۴۵ [2] سیر الاولیا، ص ۱۳۶، اخبار الاخیار، ص ۶۳۔

Marfat.com

بعض ضرورت مندوں کی معروضات زبانی بھی سنتے تھے،،شاہی محل کے پاس پہنچ کر دو دروازوں تک تخت رواں پر سوار رہتے ،تیسرے دروازے کے قریب، جہاں سلطان ان کی تعظیم واستقبال کے لیے کھڑا نظر آتا، وہ اتر جاتے، سلطان بڑے ادب وتکریم سے دربار میں لے جا کر بٹھاتا اور خود مؤدب دوزانو ہوکران کے سامنے بیٹھتا،اس کے بعد حضرت شیخ رکن الدین شہر کے لوگوں کی درخواستیں سلطان کے سامنے پیش کرتے ،وہ ہرایک درخواست کو بغور پڑھتا اوراس کی پشت پر اسی وقت حکم صادر کردیتا، حضرت شیخ رکن الدین واپسی کے وقت تمام درخواستوں کو ساتھ لیتے آتے[1]۔

سلطان غیاث الدین تغلق سے بھی حضرت رکن الدینؒ کے مراسم خوش گوار رہے، ۷۲۵ھ میں جب وہ بنگالہ کی مہم سے دہلی واپس آرہا تھا تو حضرت شیخ رکن الدینؒ دہلی سے افغان پور تک اس کے استقبال کو گئے تھے، شب کو سلطان کے ساتھ ماحضر تناول فرما رہے تھے کہ نور باطن سے کشف ہوا کہ جس عمارت میں وہ بیٹھ کر کھانا کھا رہے ہیں، وہ اچانک گر جائے گی، اس لیے کھانا چھوڑ کر باہر چلے آئے اور سلطان کو بھی باہر نکلنے کے لیے فرمایا، مگراس نے نکلنے میں دیر کی، اتنے میں عمارت گر پڑی اور سلطان اس کے نیچے دب کر ختم ہوگیا[2]۔

حضرت محبوب الٰہیؒ سے آخری ملاقات: غیاث الدین تغلق کے بعد سلطان محمد تغلق سریرآرائے سلطنت ہوا، اس سے بھی حضرت رکن الدینؒ کے تعلقات قائم رہے اور اس کے یہاں آکر مہمان ہوئے، یہ زمانہ حضرت محبوب الٰہیؒ کے مرض الموت کا تھا، حضرت شیخ رکن الدینؒ ان کی عیادت کے لیے آئے تو وہ عالم تحیر میں تھے، مریدین پریشان ہوئے کہ اس عالم تحیر میں دونوں کی ملاقات کیسے ہوگی لیکن حضرت محبوب الٰہی کا تحیر جاتا رہا، حضرت شیخ رکن الدین کو دیکھ کر تعظیم کے لیے چارپائی سے نیچے اترنا چاہتے تھے، مگر غایت ضعف کی

---

[1] سیر العارفین، ص ۱۴۳ [2] فرشتہ، ج ۲، ص ۳۴۱۔

Marfat.com

وجہ سے نیچے نہ اتر سکے، اس لیے حضرت شیخ رکن الدین کو چار پائی ہی پر بیٹھنے کو کہا لیکن شیخ رکن الدینؒ نے تعظیماً چار پائی پر بیٹھنا پسند نہیں فرمایا، ایک کرسی لائی گئی تو وہ اسی پر بیٹھے، حضرت شیخ رکن الدینؒ نے سلسلہ کلام شروع کرتے ہوئے فرمایا کہ انبیا کو موت اور زندگی کا اختیار دیا جاتا ہے، اولیا انبیا کے جانشین ہوتے ہیں، اس لیے ان کو بھی موت اور زندگی کا اختیار ملتا ہے، آپ کی حیات کچھ دنوں اور رہوتی کہ ناقصوں کو آپ کمال تک پہنچا سکتے، محبوب الٰہیؒ نے یہ سنا تو ان کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں اور فرمایا، میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ مجھ سے فرما رہے ہیں کہ نظام، تم سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے، حضرت شیخ رکن الدینؒ نے یہ سنا تو ان پر گریہ طاری ہوگیا اور ان کے ساتھ اور حاضرین بھی رونے لگے[1]۔

اس ملاقات کے بعد حضرت محبوب الٰہیؒ نے رحلت فرمائی، ان کے جنازہ کی نماز حضرت شیخ رکن الدینؒ نے پڑھائی اور اس سعادت پر وہ ہمیشہ فخر کرتے تھے[2]۔

وصال: حضرت محبوب الٰہی کی وفات کے دس سال بعد حضرت شیخ رکن الدینؒ اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے، وفات سے تین مہینہ پہلے لوگوں سے ملنا جلنا اور بولنا چالنا بالکل ترک کر دیا تھا، صرف نماز جماعت کے لیے حجرہ سے باہر آتے تھے اور پھر لوٹ جاتے تھے، ۷۳۵ھ کے رجب کی سولہویں تاریخ، جمعرات کے دن، نماز مغرب کے بعد اوابین پڑھ رہے تھے کہ اسی حالت میں سجدہ میں جان جان آفریں کے سپرد کر دی[3]، مرقد مبارک ملتان میں ان کے جدامجد اور والد ماجد کے مزار کے پاس ہی ہے۔

نورِ باطن: حضرت شیخ رکن الدین کا ایک بڑا وصف یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ ان کو نور باطن سے اپنے ملنے والوں اور مریدوں کے دلوں کی باتوں کا کشف ہو جاتا تھا، اسی لیے ابوالفتح کے لقب سے ملقب تھے، ان کے ایک مرید نے اس سلسلہ میں اپنی تصنیف مجمع الاخیار[4] میں ایک واقعہ

---

[1] سیر الاولیا، ص ۱۴۱، مطلوب الطالبین، ورق ۹۴-۹۷ [2] ایضاً [3] سیر العارفین، ص ۱۴۷، فرشتہ، جلد دوم، ص ۴۱۲، مرأۃ الاسرار، قلمی نسخہ دارالمصنفین [4] اس تصنیف کا ذکر اخبار الاخیار، ص ۶۲ پر ہے۔

Marfat.com

نقل کیا ہے کہ ایک بار سلطان غیاث الدین تغلق نے مولانا ظہیر الدین بیگ سے پوچھا کہ شیخ رکن الدین کی کوئی کرامت آپ نے دیکھی ہے، مولانا نے فرمایا کہ ایک مرتبہ جمعہ کے دن جب لوگ ان کی قدم بوسی کے لیے جمع تھے، میں نے دل میں خیال کیا کہ شیخ کے پاس تسخیر کا کوئی عمل ہے، میں بھی عالم ہوں لیکن میری طرف کوئی توجہ نہیں کرتا، میں نے سوچا کہ دوسرے دن صبح کو شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھوں گا کہ وضو میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے میں کیا حکمت ہے، رات کو جب سویا تو خواب میں دیکھا کہ شیخ مجھ کو حلوہ کھلا رہے ہیں، جس کی شیرینی دن تک زبان پر قائم رہی، میں نے خیال کیا کہ اگر یہی کرامت ہے تو شیطان بھی عوام کو اسی طرح گم راہ کرتا ہے، صبح کو جب میں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو مجھ کو دیکھتے ہی فرمایا، میں تمہارا ہی منتظر تھا، پھر گفتگو شروع کی اور فرمایا، جنابت دو قسم کی ہوتی ہے، جنابت جسم اور جنابت دل، جنابت جسم کا سبب تو بالکل ظاہر ہے، مگر دل کی جنابت ناہموار آدمیوں کی صحبت سے پیدا ہوتی ہے، جسم تو پانی سے پاک ہو جاتا ہے، مگر دل کی جنابت آنکھوں کے پانی سے دور ہوتی ہے، اس کے بعد فرمایا کہ پانی میں تین صفتیں ہیں، رنگ، مزہ اور بو، اسی لیے شریعت نے وضو میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کو مقدم رکھا ہے، کلی سے مزہ معلوم ہوتا ہے اور ناک میں پانی ڈالنے سے اس کی بو معلوم ہوتی ہے، پھر فرمایا کہ جس طرح نبی کی صورت میں شیطان ظاہر نہیں ہوسکتا اسی طرح شیخ حقیقی کی صورت میں بھی شیطان نمودار نہیں ہوسکتا کیوں کہ شیخ حقیقی کو نبی کی کامل متابعت حاصل ہوتی ہے، مولانا ظہیر الدین کا بیان ہے کہ جس وقت حضرت شیخ رکن الدین کی زبان مبارک سے یہ باتیں نکل رہی تھیں اس وقت میرے تمام جسم سے پسینہ جاری تھا[1]۔

تواضع: ایک بار ایک غریب درویش خانقاہ میں فروکش ہوا، حضرت شیخ رکن الدینؒ نے خادم خاص سے اس کے پاس کھانا بھجوایا، خادم نے درویش سے پوچھا، تم حضرت شیخ کو

[1] بحوالہ اخبار الاخیار، ص ۶۲۔

Marfat.com

دیکھو گے، درویش نے کہا، میری کیا مجال ہے کہ میں شیخ کو دیکھوں، خادم نے لوٹ کے یہ واقعہ حضرت شیخ رکن الدینؒ سے بیان کیا تو انہوں نے فرمایا، میں خود اس کے پاس جاؤں گا، جب معلوم ہوا کہ درویش اوراد سے فارغ ہو چکا ہے تو اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس کو اس کے مقصود تک پہنچا کر سرفراز فرمایا[1]۔

تعظیم اولاد استاد: ایک بار ایک شخص حضرت رکن الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میں آپ کے استاد کے لڑکوں میں سے ایک لڑکا ہوں، دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اس کے باپ سے سورہ اخلاص پڑھی تھی، فرمایا، تم میرے خداوندزادہ ہو، مجھ کو اسی طرح حکم دو، جس طرح ایک آقا اپنے غلام کو دیتا ہے، اس نے کہا مجھ کو دنیا کا مال و متاع چاہیے، حضرت شیخ رکن الدینؒ نے اس کو اسی وقت دس ہزار ٹنکے مرحمت فرمائے[2]۔

غذا: غذا بہت ہی قلیل تھی، ایک پیالہ دودھ میں کچھ میوے ڈال دیے جاتے، اسی سے چند لقمہ تناول فرما لیتے، گھر والوں نے ایک طبیب سے قلت غذا کی شکایت کی، طبیب نے غذا منگوا کر دیکھی اور اس میں سے چند لقمے خود کھائے، کھانے کے بعد اس نے گرانی محسوس کی اور کہا کہ اب سات دن کھانے کی حاجت نہ ہوگی کیوں کہ بزرگوں کے کھانے میں کمیت سے زیادہ کیفیت ہوتی ہے[3]۔

خیال دنیا و آخرت: وضو فرماتے تو اس کے بعد کی دعا پڑھتے، ایک روز وضو سے فارغ ہوئے تو دعا نہیں پڑھی، بلکہ صرف الحمد للہ کہا، خادم خاص نے ان کے نانا سے جا کر عرض کیا کہ آج حضرت نے صرف الحمد للہ کہا اور کوئی دعا نہیں پڑھی، وہ حضرت شیخ رکن الدینؒ کے پاس آئے اور واقعہ دریافت کیا، حضرت شیخ رکن الدینؒ نے فرمایا، آج وضو میں دنیا و آخرت کا خیال دل میں نہیں گزرا تو میں سمجھا کہ آج میرا وصال ہے، اسی لیے صرف الحمد للہ کہا[4]۔

---

[1] الدر المنظوم، اردو ترجمہ، ص ۶۴۴ [2] سراج الہدایہ ملفوظات حضرت جلال الدین بخاری قلمی نسخہ کتب خانہ ریاست رام پور [3] الدر المنظوم، ص ۲۰-۵۱۹ [4] ایضاً ص ۳۱۰-۳۰۹۔

Marfat.com

وصایا: حضرت شیخ رکن الدینؒ کی کسی تصنیف کا کہیں کوئی ذکر نہیں، مگر مجمع الاخبار میں ان کے وصایا و ملفوظات درج ہیں، جن کے کچھ اقتباسات اخبار الاخیار میں نقل کیے گئے ہیں، موخر الذکر کتاب کی مدد سے حضرت شیخ رکن الدینؒ کی صوفیانہ تعلیمات ہدیہ ناظرین کی جاتی ہیں، اپنے ایک مرید کو لکھتے ہیں کہ:

''آدمی دو چیزوں سے عبارت ہے، صورت اور صفت، ان میں سے قابل اعتنا آدمی کی صفت ہے، خدائے عزوجل صورتوں کو نہیں بلکہ قلوب کو دیکھتا ہے، اگر کسی کا قلب اوصاف ذمیمہ سے پر ہے تو اس کا شمار بہائم میں ہے، اوصاف ذمیمہ کو دور کرنے کے لیے تزکیہ نفس کی ضرورت ہے اور تزکیہ نفس اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا جب تک بندہ خدائے عزوجل سے التجا و استعانت نہ کرے، یعنی اس کی بارگاہ میں گڑگڑائے اور اس سے مدد طلب کرے، التجا اور استعانت سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے فضل و رحمت حاصل ہوتی ہے، فضل و رحمت کے ظہور کی علامت یہ ہے کہ بندہ کی چشم بینا میں اس کے عیوب ظاہر ہوجاتے ہیں اور عظمت الٰہی کے انوار کے پرتو سے ساری کائنات اس کی نظر میں ہیچ ہوجاتی ہے، دنیا کے بکھیڑوں میں پھنسے رہنے والوں کی وقعت اس کے دل سے بالکل جاتی رہتی ہے اور جب اس کے قلب پر یہ کیفیت مستولی ہوجاتی ہے تو اس کے اوصاف فرشتوں کے اوصاف میں تبدیل ہوجاتے ہیں اور اس میں ظلم کے بجائے عفو، غضب کے بجائے حلم، کبر کے بجائے تواضع، بخل کے بجائے سخاوت اور حرص کے بجائے ایثار کی خوبیاں پیدا ہوجاتی ہیں، مگر یہ خوبیاں عقبیٰ کی طلب کرنے والوں کے لیے ہیں، طالبان حق کے اوصاف اور بھی بلند تر ہیں، وہاں تک پہنچنے کے لیے ہر شخص کی عقل کام نہیں دیتی:

عہدیست مرا کہ نگیرم بجز تو دوست ۔۔۔ شرطیست مرا کہ نخواہم بجز تو ہیچ

ایک دوسرے موقع پر اپنے ایک مرید کو تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے آج تک کسی کے ساتھ نہ نیکی کی اور نہ بدی، حاضرین نے استعجاب سے پوچھا کہ امیر المومنین ابدی تو خیر آپ سے نہیں ہوسکتی مگر نیکی

Marfat.com

کے متعلق آپ کیا فرما رہے ہیں، ارشاد فرمایا کہ حق جل وعلا کا قول ہے کہ جس نے اچھے کام کیے اپنے نفس کے لیے کیے اور برے کام کیے وہ بھی اپنے نفس کے لیے کیے، بس جو کچھ نیکی یا بدی مجھ سے صادر ہوئی وہ درحقیقت میرے لیے تھی، نہ کہ دوسروں کے لیے، اس کے بعد حضرت شیخ رکن الدینؒ لکھتے ہیں کہ:

''ایک عاقل کو دنیا وآخرت کے لیے اتنی نصیحت کافی ہے، بزرگوں نے کہا:

صلاح ایں کس صلاح اولین است

یعنی ایک شخص کا ہتھیار اس کی نیکی ہے:

چو می دانی ہر انچہ کاری دروے آخر ہمہ حال نکو کاری بہ

فرماتے تھے کہ اعضا و جوارح کو شرعی ممنوعات سے قولاً وعملاً باز رکھنا چاہیے، لایعنی مجلس سے بھی پرہیز لازم ہے، اس سے مراد ایسی مجلس ہے جو حق تعالیٰ سے برگشتہ کرکے دنیا کی طرف مائل کرتی ہے، بطالوں سے بھی احتراز ضروری ہے، بطال وہ لوگ ہیں جو طالب حق نہیں۔[1]

---

[1] اخبار الاخیار، ص ۶۱-۶۲۔

Marfat.com

حضرت شیخ برہان الدین غریبؒ

نام ونسب: اسم گرامی برہان الدین تھا اور عام طور پر شیخ برہان الدین غریب کہلاتے تھے، سلسلہ نسب یہ ہے:

برہان الدین غریب بن شیخ محمد محمود بن ناصر ہانسوی بن سلطان مظفر بن سلطان ابراہیم بن شیخ ابوبکر بن شیخ عبداللہ بن شیخ عبدالرشید بن شیخ عبدالصمد بن شیخ عبدالسلام بن امام اعظم حضرت ابوحنیفہ کوفی[1]۔

وطن: خاندان شہر ہانسی میں آباد تھا، اسی جگہ ۶۵۴ھ میں شیخ برہان الدین کی ولادت باسعادت ہوئی۔

خاندان: حضرت برہان الدین غریبؒ کا خاندان مذہبی اور روحانی حیثیت سے ممتاز تھا، والد بزرگوار مقبول خاص وعام تھے، وہ جس مجلس میں ہوتے لوگوں کی خواہش ہوتی کہ وہ تمام دن باتیں کرتے رہیں، حضرت برہان الدینؒ نے اپنے والد ماجد کی اس مقبولیت کی وجہ یہ بتائی ہے کہ وہ ہر قبرستان پر روزانہ سوبار فاتحہ پڑھا کرتے تھے، حضرت شیخ کے حقیقی بھائی حضرت شیخ

---

[1] مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے روضۃ الاولیا میں حضرت شیخ برہان الدین غریبؒ کے حالات لکھے ہیں، اس کا اردو ترجمہ جناب عبدالمجید صاحب خلد آبادی نے کیا ہے، اردو ترجمہ میں جابجا مفید حواشی ہیں جو حضرت شیخ برہان الدین کے ملفوظات سے مرتب کیے گئے ہیں، ہم نے ان حواشی سے بھی استفادہ کیا ہے، روضۃ الاولیا کا جابجا حوالہ دیا جائے گا، اس سے مراد یہی اردو ترجمہ ہے۔

Marfat.com

منتخب الدینؒ بھی حضرت محبوب الٰہیؒ یعنی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے ممتاز خلفا میں تھے، اہل دکن ان کے فیوض و برکات سے متمتع ہوئے، ان کا مزار اقدس خلد آباد میں ہے، جہاں ہر سال بڑے تزک و احتشام سے ان کا عرس ہوتا ہے، حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کے جلیل القدر خلیفہ حضرت خواجہ جمال الدین ہانسویؒ جن سے جمالیہ سلسلہ جاری ہوا، حضرت شیخ کے ماموں تھے اور حضرت محبوب الٰہیؒ کے عظیم المرتبت خلیفہ مولانا قطب الدین منورؒ ماموں زاد بھائی تھے۔

تعلیم: والد بزرگ وار کی نگرانی میں اپنے چچا سے قدوری پڑھی، مولانا غلام علی آزاد بلگرامی کے روضۃ الاولیا میں ہے کہ حضرت شیخ نے فقہ نافع کو حفظ کرلیا تھا، فقہ، معانی، تفسیر، حدیث کی بھی تعلیم پائی، ہم عصروں میں ایک جید عالم کا مرتبہ رکھتے تھے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ جب مخاطب فرماتے تو مولانا برہان الدینؒ کہتے۔

عبادت: ایام طفلی ہی میں عبادت کا ذوق و شوق پیدا ہوا، جب عمر شریف چھ سات سال کی تھی تو تنہائی میں جا کر کلمہ طیبہ کے ذکر پر مواظبت کرتے، تیرہ سال کی عمر میں ازدواجی علائق سے آزاد رہنے کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ تمام زندگی تجرد میں گزار دی، کچھ دنوں کیمیا بنانے کا شوق رہا لیکن محبوب الٰہی کی صحبت کیمیا اثر میں یہ شوق زائل ہوگیا۔

قیام دہلی: اس زمانہ میں حضرت محبوب الٰہیؒ کے فیوض و برکات کے سرچشمہ سے تمام ہندوستان سیراب ہو رہا تھا، اس لیے حضرت شیخ برہان الدینؒ نے بھی دہلی میں یہ کشش پائی اور ہانسی سے دہلی کھنچ کر چلے آئے، دہلی آکر ایک مسجد میں قیام فرمایا، وہاں کے لوگوں نے حضرت شیخ میں بڑی جاذبیت پائی اور مسجد میں ہجوم رہنے لگا لیکن لوگوں کے اس میلان کے باوجود حضرت شیخ اس مسجد میں اس طرح رہتے جیسے کوئی اجنبی اور غریب الوطن رہتا ہے۔

ارادت: ایک رات خواب میں دیکھا کہ وہ ایک خندق میں گر پڑے ہیں اور اس سے باہر نکلنا چاہتے ہیں لیکن نکل نہیں سکتے، یکایک حضرت محبوب الٰہیؒ نے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھوں میں دے کر باہر نکالا، اس خواب کے بعد حضرت محبوب الٰہیؒ کی خانقاہ میں تشریف لے گئے، حضرت

Marfat.com

محبوب الٰہیؒ کے خادم خاص اقبال نے خدمت میں جا کر عرض کیا کہ برہان الدین غریبؒ آئے ہیں، محبوب الٰہیؒ نے فرمایا، اب تو ان سے تمام لوگ آشنا ہو گئے ہیں، ابھی تک وہ غریب (اجنبی) ہیں، اسی کے بعد سے وہ غریب کے لقب سے مشہور ہوئے، ارادت کے بعد حضرت محبوب الٰہیؒ کی خدمت میں بڑا تقرب حاصل کیا اور باورچی خانہ کے نگراں مقرر ہوئے[1]۔

مقبولیت: تھوڑے ہی عرصہ میں حضرت شیخ کو اپنے ہم چشموں میں بھی بڑی مقبولیت حاصل ہوگئی، حضرت محبوب الٰہیؒ کے مریدوں میں امیر خسرو، امیر حسن سجزی، مولانا ابراہیم طشت دار، سید خاموش، خواجہ مبشر، سید حسین، اقبال خادم برابر ان کی صحبت میں رہتے اور ان کی شیریں کلامی اور بذلہ سنجی سے بہت لطف وحظ اٹھاتے، لطائف اشرفی میں ہے:

''در واد یہ خلت از ہمہ سبقت کردند، در ظرافت و لطافت طبع آیتی بود کہ در شان او نزول یافتہ، چناں کہ میر حسن، امیر خسرو وخوش طبعان دیگر بوسیلہ لطافت طبع او فریفتہ بودند۔'' (ص ۳۵۷)

حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ جب اودھ سے دہلی تشریف لاتے تو حضرت شیخ ہی کے ساتھ قیام فرماتے اور کبھی کبھی درس بھی لیتے[2]۔

عتاب مرشد: ایک موقع پر مرشد کو کچھ باتیں ناگوار گزریں، جس سے شیخ کو ابتلا و آزمائش کی کٹھن گھڑیاں گزارنی پڑیں، علی زنبیلی اور ملک نصرت نے، جو سلطان علاء الدین خلجی کے رشتہ دار تھے، حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ہو کر اثنائے گفتگو میں یہ بیان کیا کہ مولانا برہان الدین مشائخ کی طرح سجادے پر بیٹھتے ہیں، وہ جسمانی حیثیت سے نحیف و منحنی تھے، کبرسنی کی وجہ سے دونوں زانوؤں میں درد رہا کرتا تھا، اس لیے کمبل کو دوتہ کر کے اس پر بیٹھتے تھے، اسی طرف علی زنبیلی اور ملک نصرت نے اشارہ کیا لیکن نشست کا یہ طریقہ حضرت محبوب الٰہی کو ناگوار گزرا، اس لیے جب حضرت شیخ خدمت میں حاضر ہوئے تو ان سے مخاطب ہونا پسند نہیں فرمایا اور جب جماعت خانہ میں تشریف لائے تو اپنے خادم اقبال سے ان کو یہ کہلا بھیجا

[1] روضۃ الاولیا، اردو ترجمہ، ص ۱۰-۷ [2] سیر الاولیا، ص ۲۷۸-۲۷۹۔

Marfat.com

کہ وہ جماعت خانہ میں نہ بیٹھیں، حضرت شیخ یہ سن کر پریشان اور سراسیمہ ہوئے، گھر جا کر سوگ میں بیٹھ گئے اور برابر روتے رہتے، لوگ ان کو دیکھنے کے لیے آتے اور ان کو روتا دیکھ کر خود بھی رونے لگتے، چند روز کے بعد حضرت امیر خسرو اپنی دستار گردن میں لٹکا کر حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت محبوب الٰہیؒ نے ان کو اس طرح دیکھ کر پوچھا، ترک! کیا ہے؟ عرض کیا، مولانا برہان الدین کی معافی چاہتا ہوں، متبسم ہو کر پوچھا، وہ کہاں ہے؟ مولانا برہان الدین بھی اپنی دستار گردن میں ڈال کر حاضر ہوئے اور صف نعال میں کھڑے ہو گئے، حضرت محبوب الٰہیؒ نے تقصیر معاف کی اور تجدید بیعت سے مشرف کیا[1]۔

خلافت: رفتہ رفتہ حضرت شیخ درجہ کمال کو پہنچے تو مرشد کی طرف سے خلافت ملی[2]، خلافت کے بعد مرشد نے کئی بار اپنے بلند مرتبہ مرید کے کمالات کا اظہار کیا۔

ایک موقع پر حضرت محبوب الٰہی کی مجلس میں حضرت بایزید بسطامی کی بزرگی کا ذکر آیا، محبوب الٰہیؒ نے فرمایا، ہم بھی ایک بایزید رکھتے ہیں، کسی نے پوچھا، وہ کہاں ہیں؟ فرمایا، جماعت خانہ میں، اقبال خادم نے جماعت خانہ میں جا کر دیکھا تو وہاں اس وقت حضرت شیخ برہان الدینؒ بیٹھے تھے۔

ایک اور موقع پر حضرت محبوب الٰہیؒ نے حضرت شیخ کو اپنا فرزند شائستہ بتایا اور فرمایا، جو شخص مولانا برہان الدین کے ساتھ رہے گا وہ بھی صاحب حشمت ہوگا، ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا، مولانا برہان الدین اخلاق، نعمتوں اور علوم لدنی کے مجموعہ ہیں[3]۔

احترامِ مرشد: حضرت شیخ کو بھی اپنے مرشد سے بڑی محبت وعقیدت رہی، مرشد کی وفات کے بعد کبھی اپنی پشت غیاث پور کی طرف نہیں کی جہاں ان کا مرقد مبارک ہے[4]، سیر الاولیا میں ہے کہ:

۱؎ سیر الاولیا، ص ۲۸۱-۲۸۰-۲۷۹ ۲؎ جس طرح سے خلافت ملی اس کی روایتیں سیر الاولیا، تاریخ فرشتہ اور دوسرے تذکروں میں مختلف ہیں، جن کی تفصیل لکھنا تحصیل حاصل ہے۔ ۳؎ روضۃ الاولیا، ص ۱۱ وحواشی

۴؎ سیر الاولیا، ص ۲۷۸۔

Marfat.com

''دراعتقاد ومحبت پیر راموئے بہتر از وکشتہ نہ نمود'' (ص ۲۷۹)

دکن کو روانگی: حضرت شیخ کے بھائی حضرت منتخب الدین کی وفات کے بعد حضرت محبوب الٰہیؒ نے اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور مسلمانوں کے رشد و ہدایت کی غرض سے حضرت شیخ کو دکن جانے کا حکم دیا، حضرت شیخ کو مرشد کی مفارقت پسند نہ تھی، اس لیے یہ حکم سن کر عرض کیا کہ نعلین مبارک سے جدا ہو جاؤں گا، حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا، نعلین بھی ہم راہ لے جاؤ، پھر عرض کیا، مجلس سے دور ہو جاؤں گا، مرشد نے فرمایا، اس وقت مجلس میں جتنے لوگ بیٹھے ہیں ان کو بھی ساتھ لے جاؤ، کہا جاتا ہے کہ مجلس میں سات سو مریدین بیٹھے تھے، ان میں حضرت امیر حسن سجزی، شیخ کمال خجندی، شیخ جام اور شیخ فخر الدین وغیرہ بھی تھے، حضرت شیخ کو مرشد کا حکم بجالانا پڑا اور سات سو ہم راہیوں کے ساتھ دولت آباد روانہ ہو گئے، یہ گویا دکن روحانی سپاہیوں کی فوج کشی تھی، رخصت کرتے وقت مرشد نے کچھ نصیحتیں کیں جن میں دو یہ تھیں کہ جمعہ کی نماز ترک نہ کرنا اور اپنی والدہ کی خوشی ہر کام پر مقدم رکھنے کو رحمت حق تصور کرنا۔

دولت آباد پہنچ کر یہاں تقریباً اٹھائیس انتیس سال قیام فرمایا اور یہیں واصل بحق ہوئے، اس مدت میں اپنی عادات و اطوار، معاملات و عبادات اور کشف و کرامات کی بنا پر عوام و خواص، امرا و سلاطین کے قلوب پر فرماں روائی کرتے رہے۔

اشاعت اسلام: حضرت شیخ اور ان کے ہم راہیوں کی مساعی جمیلہ سے بہت سے غیر مسلم مشرف بہ اسلام ہوئے، حضرت شیخ کے ذکر میں سفینۃ الاولیا میں ہے:

''از مریدان سلطان المشائخ اند و حضرت شیخ ایشاں را بہ طرف برہان پور دولت آباد بجہت رواج اسلام و ارشاد ساکنان الحدود فرستادند و شیخ حسن دہلی را با بعضی از مریدان خود با ایشاں ہمراہ کردند و از برکت قدوم ایشاں اکثرے ازاں جماعہ بشرف اسلام مشرف گشتہ و مرید و معتقد گشتند۔'' (ص ۱۷۲)

رشد و ہدایت: عام مسلمانوں نے بھی ہر طرح کا استفادہ کیا اور جوق در جوق حلقۂ ارادت

Marfat.com

میں داخل ہوئے، صرف حضرت رکن الدین کاشانی کی وساطت سے ایک ہزار آدمیوں نے بیعت کی، ان مریدوں کو جو مذہبی اور روحانی تعلیمات دیں، ان کی تفصیل تو آگے آئے گی جب ہم حضرت شیخ کے مریدوں کی ایسی تصانیف کا ذکر کریں گے جو خاص ان کی فرمائش سے لکھی گئیں، یہاں پر اجمالی طور سے ہم ان تعلیمات کو پیش کرتے ہیں جن سے حضرت شیخ نے اپنے مریدوں کی اخلاقی اور معاشرتی حالت سنوارنے کی کوشش کی۔

طلب حق: ایک مسافر حضرت شیخ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ میں آپ کے پاس دو چیزوں کے واسطے آیا ہوں، ایک تو دین حاصل کرنے کے لیے کیوں کہ آپ پیشوائے دین، سر ولایت اور صاحب کشف وکرامت ہیں، دوسرے دنیا حاصل کرنے کے لیے کیوں کہ سلاطین اور امرا آپ کے مطیع وفرمابردار ہیں، حضرت شیخ نے فرمایا، ایک خدا تم کو دونوں چیزیں پہنچادے گا، خدا کو حاصل کرلو، ساری چیزیں خود بخود حاصل ہوجائیں گی۔

کمالِ انسان: مولانا وجیہ الدین یوسف نے حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں جس قدر نفس کے عیوب کو دور کرتا ہوں اسی قدر زیادہ عیوب نظر آتے ہیں، حضرت شیخ نے فرمایا، یہ ایک انسان کا کمال ہے کیوں کہ انسان جب کمال کو پہنچتا ہے تو اس کی نظر اپنے عیوب پر زیادہ پڑتی ہے۔

دنیا کی حقیقت: ایک موقع پر مریدوں کو مخاطب کرکے فرمایا، دنیا سایہ کے مانند ہے، جب آدمی سایہ کی طرف منھ کرتا ہے تو وہ آگے آگے چلتا ہے اور جب پیٹھ پھیرتا ہے تو پیچھے پیچھے آتا ہے، ایک اور موقع پر فرمایا کہ مجھ کو شرق سے غرب تک تمام عالم ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہتھیلی پر مرغی کا انڈا ہو۔

فضیلت محبت: دل کی ماہیت یہ بتائی کہ ایک ظرف کے مانند ہے، جب تک ظرف خالی ہے ہوا سے پُر رہتا ہے اور جب اس میں کوئی چیز رکھ دی جاتی ہے تو ہوا سے خالی ہوجاتا ہے، اسی طرح دل دنیا کی خواہش سے پُر ہوتا ہے لیکن جب اس میں محبت بھر جاتی ہے تو

Marfat.com

خواہش نفسانی دور ہو جاتی ہے اور پھر اللہ کی محبت بھر جاتی ہے۔

راحت رسانی: معتقدوں کو تلقین کی کہ لوگوں کی راحت رسانی میں کوشاں رہیں، اس سلسلہ میں فرمایا، ایک درخت خود تو دھوپ میں کھڑا رہتا ہے لیکن دوسروں کو سایہ دیتا ہے، لکڑی خود تو جلتی ہے لیکن اوروں کو آرام پہنچاتی ہے، اسی طرح انسان خود تکلیف اٹھائے اور اپنی تکلیف کا خیال نہ کرے لیکن دوسروں کو فائدہ اور آرام پہنچائے۔

عیب جوئی: لوگوں کی عیب جوئی کے سلسلہ میں مریدوں کو بتایا کہ اگر تمہارا کوئی عیب ظاہر کرے تو یہ دیکھو کہ تم میں وہ عیب ہے یا نہیں، اگر ہے تو اس سے باز آؤ اور عیب ظاہر کرنے والے سے کہو کہ تم نے مجھ پر کرم کیا کہ میرا عیب مجھ کو بتا دیا اور اگر تم میں یہ عیب نہیں ہے تو دعا کرو کہ الٰہی اس عیب ظاہر کرنے والے کو عیب جوئی سے بچائے اور مجھ کو بھی بدکلامی سے محفوظ رکھے۔

بخل و سخاوت: فرمایا، ایک سخی ہوتا ہے اور ایک بخیل، سخی وہ ہے جو مہمان کو دوست رکھتا ہے اور بخیل وہ ہے جو دولت کو مہمان رکھتا ہے۔

مہمان نوازی: مہمان نوازی کے متعلق یہ تعلیم دی کہ جب کوئی مسافر مقیم کے پاس پہنچے تو مقیم کو مسافر کے سامنے دو قسم کا گرم پانی پیش کرنا چاہیے، ایک گرم پانی ہاتھ اور منہ دھونے کے لیے اور دوسرا گرم شوربا۔

عدل و احسان: عدل و احسان کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ عدل بھی کرنا چاہیے اور احسان بھی، عدل تو یہ ہے کہ کھانے کے وقت ہم پیالہ کے ساتھ لقمہ کا انصاف کرے یعنی برابر کھائے اور احسان یہ ہے کہ ہم پیالہ کے ساتھ اپنا لقمہ چھوٹا اٹھائے اور جو چیز لذیذ اور اچھی ہو، اس سے ایثار کرے۔

طہارت باطن: ایک موقع پر مریدوں کو بتایا کہ جس گھر میں کتا یا تصویر ہوتی ہے وہاں فرشتہ رحمت داخل نہیں ہوتا، اسی سلسلہ میں یہ صوفیانہ نکتہ بتایا کہ نفس کتا ہے اور خدا کے علاوہ

Marfat.com

کسی اور کی محبت گویا تصویر ہے، ایسے آدمی کے دل میں خدا کی محبت نہیں ہو سکتی، خدا کی محبت کے لیے نفس کو پاک اور دل کو ماسوا اللہ کی محبت سے دور رکھنا ضروری ہے۔

اہل وعیال کے حقوق: بیوی اور بچوں کے حقوق کے بجالانے کی بھی تاکید کی اور فرمایا، بیوی بچے باغ اور بوستان ہیں، جب خداوند تعالیٰ کی عبادت سے کوئی ملول ہو تو اس کو اپنا دل بیوی بچوں ہی سے بہلانا چاہیے، کیوں کہ یہ بھی عبادت ہے[1]۔

شیخ کے اقوال کی مقبولیت: حضرت شیخ کی زبان مبارک سے جو کوئی بات نکل جاتی اس کو عام طور سے لوگ بہت ہی حسن عقیدت سے سنتے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرتے، ایک نوجوان سپاہی میدان جنگ میں گیا تو وہ بالکل نڈر ہو کر معرکہ کارزار میں پیش پیش رہتا، لوگوں نے اس سے احتیاط کرنے کو کہا تو اس نے کہا، میں جوانی میں مر نہیں سکتا، کیوں کہ حضرت شیخ برہان الدینؒ نے فرمایا ہے کہ جب تک تو بوڑھا نہ ہو گا نہ مرے گا[2]۔

شیخ کی شیریں کلامی: حضرت شیخ اپنی مجلسوں میں تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں جو کچھ فرماتے اس میں بڑی شیرینی، فصاحت، بلاغت اور تاثیر ہوتی، اس لیے سامعین مجلسوں سے اٹھتے تو اپنے قلب کو پاکیزہ اور ذہن کو مصفا پاتے، سیر الاولیا میں ہے:

"ہر کہ یک ساعت بخدمت ایں بزرگ بودے از ذوق کلام عشق آمیز وصفائی محاورۂ دلفریب او عاشق جمال ولایت گشتے۔" (ص ۲۷۹)

مستفیدین: حضرت شیخ کی صحبت کیمیا اثر سے جن بزرگوں نے روحانی کمالات حاصل کیے ان میں بعض کے مختصر حالات حسب ذیل ہیں:

۱- حضرت سید زین الدین نام سید داؤد حسین لقب سید زین الدین اور وطن شیراز تھا، شیراز سے دہلی آئے اور دہلی سے دولت آباد منتقل ہوئے، بڑے جید عالم تھے، اس لیے دولت آباد میں علما اور طلبا کا ہجوم ان کے گرد رہتا تھا، ایک مسجد میں تفسیر اور حدیث کا درس

---

[1] یہ تعلیمات روضۃ الاولیا اور نفائس الانفاس کے ملفوظات سے جمع کی گئی ہیں۔ [2] روضۃ الاولیا، ص ۱۰۸۔

Marfat.com

دیتے تھے، اپنے علم کے غرور میں صوفیہ اور مشائخ کے قائل نہ تھے اور ان پر طنز و تشنیع کیا کرتے، ایک روز ان کا ایک شاگرد حضرت شیخ برہان الدینؒ کے پاس مشکوٰۃ المصابیح پڑھنے گیا، درس کے بعد محفل سماع تھی، اس میں بھی شریک ہوگیا، مولانا سید زین الدین کو معلوم ہوا تو اس پر برہم ہوئے کہ ناچ گانے کی محفل میں کیوں شرکت کی، اسی برہمی میں شاگرد سے کہا کہ اگر شیخ برہان الدینؒ صاحب فضیلت اور صاحب علم ہیں تو ان سے میرے چند سوالوں کو حل کرا کے لاؤ، اس کے بعد ان سوالوں کو کاغذ پر لکھ کر شاگرد کے حوالہ کیا، یہ بعض علمی سوالات تھے جن کا جواب مولانا کے اساتذہ بھی نہ دے سکتے تھے اور اپنی غیر معمولی قابلیت کے باوجود خود ان کے حل کرنے سے قاصر اور معذور تھے، ان کو لکھ رکھا تھا کہ بیت اللہ جا کر حرمین کے علما سے حل کرائیں گے، جب شاگرد یہ سوالات لے کر حضرت شیخ برہان الدینؒ کے پاس پہنچا تو شیخ نے ان کے کئی کئی جوابات لکھے اور جب ان کو مولانا زین الدین نے پڑھا تو ان کے علم کا سارا غرور جاتا رہا، ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور حضرت شیخ کی طرف غیر معمولی کشش محسوس کی، مولانا رکن الدین کاشانی کو لے کر حضرت شیخ کی قیام گاہ پر پہنچے اور جب سامنا ہوا تو دوڑ کر پیشانی قدموں پر جھکا دی، شیخ نے فرمایا، ہاں ہاں داؤد حسین، یہ رسم شریعت میں جائز نہیں، مولانا نے کہا، جب تک میں اس رسم کو شریعت کے خلاف جانتا تھا، نعمت باطنی سے محروم تھا، پھر یہ شعر پڑھا:

دست از طلب ندارم تا کار من برآید	یا جان رسد بجاناں یا جاں زتن برآید

اور اسی وقت بیعت کی، اس کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ ختم کر دیا اور مرشد کی صحبت بابرکت میں رہنے لگے، ایک روز مرشد نے کہا، داؤد صلاحیت پیدا کرنے کے لیے کوئی کتاب پڑھو، عرض کیا، جس کتاب کا حکم ہو وہی پڑھوں، مرشد نے فرمایا، مرصاد العباد پڑھو، مولانا زین الدین مرصاد العباد پڑھ چکے تھے اور شاگردوں کو بھی پڑھا چکے تھے لیکن مرشد کے حکم سے اس کو از سر نو پڑھنا شروع کیا، تین بار اس کو ختم کیا اور ہر بار کہتے، واللہ یہ وہ مرصاد نہیں جو میں نے پہلے پڑھی

Marfat.com

تھی[1]، رفتہ رفتہ مولانا زین الدین نے درویشی میں بڑی فضیلت حاصل کی، خواص وعوام و سلاطین ان کے بہت معتقد رہے، سلطان محمد شاہ بہمنی ان ہی کے ہاتھوں پر اپنے اعمال قبیحہ سے تائب ہوا اور ان ہی کے رشد وہدایت سے اپنی مملکت میں شریعت کو رواج دیا، شراب فروشی کی دکانیں بند کرائیں، چوروں اور رہزنوں کا استیصال کیا[2]، خاندیس کے والی نصیر خاں فاروقی نے بھی حضرت سید زین الدینؒ سے فیوض و برکات حاصل کیے اور ان کے نام پر ایک شہر زین آباد آباد کیا۔

ایک بار حضرت شیخ زین الدینؒ دہلی تشریف لے گئے تو سلطان فیروز شاہ تغلق نے دہلی میں مستقل اقامت کے لیے اصرار کیا لیکن ارشاد فرمایا کہ میں اپنے شیخ کے آستانہ ہی پر مرنا چاہتا ہوں[3]، مزار اقدس خلد آباد میں ہے، جہاں ہر سال عرس ہوتا ہے اور اہل دکن ان کو جلیل القدر اولیا میں شمار کرتے ہیں، حضرت شیخ برہان الدینؒ نے ان کو زین الدینؒ کا لقب عطا کیا تھا۔

حضرت شیخ برہان الدینؒ کی صحبت میں حضرت فرید الدین ادیب بھی روحانی طور پر درجہ کمال کو پہنچے، جب اٹھارہ سال کے تھے تو بیعت کی اور رفتہ رفتہ مرشد کی نظر عنایت سے تمام ظاہری و باطنی نعمتوں سے مالا مال ہوئے، مشہور تھا کہ ان کا گھر انوار الٰہی سے منور رہتا ہے، جب نماز پڑھتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ ان کی گردن کی ہر رگ سے اللہ اللہ کی صدا بلند ہو رہی ہے، حضرت شیخ برہان الدینؒ فرماتے، اگر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ کیا لائے تو کہوں گا کہ فرید کو لایا ہوں، حضرت فرید الدین بھی مرشد کا بڑا ادب کرتے اور اسی ادب کے لیے فرید الدین ادیب مشہور ہوئے، وفات سے کچھ دنوں پہلے ایک روز روتے دکھائی دیے، رونے کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا، شیخ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میری وفات کے بعد فرید میری جگہ

---

[1] روضۃ الاولیا، مؤلفہ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی اور روضۃ الاقطاب مؤلفہ محمد رونق علی میں مولانا زین الدین کے مفصل حالات ملیں گے۔ [2] و [3] روضۃ الاولیا، ص ۱۰۰، ۱۰۶۔

Marfat.com

پر بیٹھے گا لیکن یہ کس کی طاقت ہے کہ شیخ کی جگہ پر بیٹھے، اس لیے میں نے اللہ تعالیٰ سے الت
کی ہے کہ شیخ سے پہلے مجھے دنیا سے اٹھالے، آخر ایسا ہی ہوا، اپنے مرشد سے تیرہ دن پہلے
۲۹ محرم ۷۳۸ھ میں وفات پائی[1]، مزار شریف خلد آباد میں ہے۔

حضرت فخر الدین دولت آباد کے جلیل القدر امرا میں تھے، حضرت شیخ دولت آباد تشریف لائے تو کچھ دنوں ان ہی کے یہاں قیام فرمایا، حضرت فخر الدین نے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر امارت میں درویشی کی شان پیدا کی اور عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے، شاہی دربار کی طلب پر دہلی گئے اور وہاں سے مرشد کے حکم سے حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے، وہاں سے واپسی کے بعد حضرت شیخ نے ان کو خرقہ خلافت اور ارادت کا اجازت نامہ بھیجا لیکن قاصد اس وقت دہلی پہنچا جب حضرت شیخ کا وصال ہو چکا تھا، حضرت فخر الدینؒ اجازت نامہ پڑھ کر روتے اور کہتے کہ افسوس میری عمر دنیاداروں میں گزری، اب یہ شب ہجر کیسے تمام ہوگی اور صبح مراد کیوں کر حاصل ہوگی، اسی وقت تمام املاک چھوڑ کر دولت آباد آئے اور بقیہ عمر شیخ کے طریقہ پر گزاری، حضرت فخر الدینؒ پہلے خلیفہ ہیں جن کو حضرت شیخ نے مرید کرنے کی اجازت دی، شیخ کے حکم کے بموجب بہت سے سالکان طریقت کو داخل بیعت کیا[2]۔

حضرت کاکا سعد بخت (یا شاد بخت) شیراز کے رہنے والے تھے، وطن مالوف سے دہلی اور وہاں سے دولت آباد آئے، حضرت شیخ جب دولت آباد پہنچے تو ان ہی کے دولت کدہ پر قیام فرمایا، اس کے بعد حضرت فخر الدین کے یہاں منتقل ہو گئے، حضرت کاکا نے ارادت کے بعد اپنی تمام زندگی مرشد کی خدمت گزاری اور غم خواری میں گزار دی، حضرت شیخ کے باورچی خانہ کے وہی نگراں رہے، حضرت شیخ بھی ان سے بہت خوش رہتے اور فرماتے کہ کاکا نیک اور پاک لوگوں میں ہیں، اسی لیے وہ منظور الاولیا اور مقبول الاتقیا کہلائے، مرشد کی وفات کے بعد

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھو، روضۃ الاولیا، ص ۶۲-۶۱ [2] تفصیل کے لیے دیکھو روضۃ الاقطاب، ص ۶۷-۶۵۔

Marfat.com

بھی نو سال تک مزار مبارک کی تولیت کی، شیخ کے پائیں میں مدفون ہیں[1]۔

حضرت رکن الدین کاشانی، حضرت حماد کاشانی اور حضرت مجد والدین تینوں بھائی تھے، حضرت شیخ کی نظر کیمیائے اثر سے سلوک کے اعلیٰ مدارج کو پہنچے اور ممتاز خلیفہ ہوئے، ان کی تصانیف کا ذکر آگے آئے گا۔

قتلغ خاں دبیر اور رفیع الدین دولت آباد کے یکے بعد دیگرے صوبہ دار ہوئے اور دونوں حضرت شیخ کی صحبت سے فیض یاب ہوا کرتے تھے۔

حضرت شیخ سے سلاطین کی عقیدت: نصیر الدین فاروقی نے دریائے تاپتی کے کنارے حضرت شیخ ہی کے اسم مبارک پر ایک شہر برہان پور آباد کیا[2]، روضۃ الاولیا میں ہے کہ ملوک زمانہ میں سے کسی نے حضرت شیخ سے درخواست کی کہ اس کے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کو فرزند عطا فرمائے، حضرت شیخ نے فرمایا کہ اس کو ایک نہیں چار فرزند عطا ہوں گے لیکن وہ چاروں اس کے کام کے نہ ہوں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اس کے چار لڑکے خواجہ خیر الدین، خواجہ قبول، خواجہ عبد الرحمٰن اور خواجہ جلدک ہوئے اور چاروں نے حضرت شیخ کی خدمت میں زندگی گزاری، حضرت شیخ فرماتے، یہ میرے غلام بھی ہیں اور فرزند بھی[3]۔

سلطان محمد تغلق کو بھی حضرت شیخ سے عقیدت تھی، ایک روز دولت آباد میں جامع قطبی میں جمعہ کی نماز پڑھ کر ان کی ملاقات کے لیے روانہ ہوا، حضرت شیخ اپنے مرشد کی طرح بادشاہوں کی ملاقات وصحبت کو پسند نہیں کرتے تھے، جب اپنی قیام گاہ کی طرف شاہی سواری کے آنے کی خبر سنی تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگے کہ بادشاہ سے ملاقات نہ ہو، معلوم نہیں سلطان کے دل میں کیا بات آئی کہ راستہ سے واپس چلا گیا، سلطان نے ایک موقع پر تین ہزار سونے کے ٹنکے حضرت شیخ کی خدمت میں بھیجے، ملک نائب باربک یہ رقم لے کر پہنچا تو انہوں نے اس رقم کے لینے سے انکار کیا کہ اس کی ضرورت نہیں لیکن سلطان نے ملک نائب

---

[1] روضۃ الاولیا، ص ۴۳-۴۲ [2] روضۃ الاولیا، ص ۱۰۸ [3] ایضاً ص ۴۴۔

Marfat.com

باربک کو یہ کہہ کر پھر بھیجا کہ یہ رقم ان کے لیے نہیں بلکہ ان کے خدمت گزاروں کے لیے ہے، حضرت شیخ نے یہ رقم لے لی اور خادم خاص کو بلایا کہ گھر میں جو کچھ موجود ہو، لاؤ، خادم نے بیس ٹنکے لا کر پیش کیے، فرمایا، ان کو سلطان کے تین ہزار ٹنکے میں ملا کر فقرا میں تقسیم کر دو اور ایسا ہی کیا گیا[1]۔

ذوقِ سماع: سماع سے بڑا شغف رکھتے تھے اور جب وجد میں آتے تو ان پر غیر معمولی کیفیت طاری ہو جاتی، سیر الاولیا میں ہے:

"درسماع غلو تمام بود و ذوق بسیار و اورا یاران او را در رقص طرز علاحدہ بود چنانکہ اصحاب ایں بزرگ رامیان یاراں برہانی گفتندے۔" (ص ۲۷۹)

ریاضت: رشد و ہدایت کی مشغولیت کے باوجود عبادت و مجاہدہ میں کسی قسم کی کمی نہیں کی، تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ عشا کے وضو سے صبح کی نماز ادا فرماتے اور یہ معمول پچیس سال تک رہا، مصلیٰ ہی اوڑھنا پچھونا ہوتا، تیس سال تک داؤدی روزے رکھے، صبح کی نماز کے بعد اوراد و وظائف میں مشغول رہتے، اشراق کی نماز کے بعد صلوٰۃ الخضر اور اس کے بعد چاشت کی نماز پڑھتے، پھر کلام پاک کے تین پاروں کی تلاوت فرماتے جس کے بعد قبرستان کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتے، وہاں کبھی پانچ سو اور کبھی ہزار بار سورہ اخلاص پڑھتے، زیارت کے بعد قیلولہ کرتے، اس ریاضت کے باوجود فرماتے، یہ کیا نماز اور سجدہ ہے جو ہم کرتے ہیں، سجدہ وہ ہے جو نباتات کرتے ہیں کہ جب سے اگتے ہیں ان کا سر سجدہ میں ہوتا ہے، یہاں تک کہ خشک ہو جاتے ہیں، کبھی فرماتے، اے نفس! میں کہتا تھا کہ تجھ کو خوب پامال کروں گا، ایک مدت ہو گئی لیکن کچھ نہ کر سکا[2]۔

غذا: اوپر ذکر آیا ہے کہ تیس سال تک داؤدی روزے رکھے، افطار کبھی صرف پانی کبھی صرف سرکہ اور کبھی صرف دہی سے فرماتے، ہفتہ میں صرف دو دن آدھا پیٹ کھاتے تھے، لوبیا اور

---

[1] روضۃ الاولیا، ص ۲۷ [2] روضۃ الاولیا، ص ۱۰۔

Marfat.com

نان جو پسند تھی، ایک دفعہ حضرت کا کا سعد بخت نے مغز بادام اور مصری پیش کی، چند دانے کھا کر فرمایا، کا کا، اس میں کسی قسم کی لذت محسوس نہیں ہوتی، حضرت کا کا بولے، ایک وہ وقت تھا کہ شوق سے لوبیا اور جو کی روٹی تناول فرماتے، اب مصری کے ساتھ مغز بادام پسند نہیں، فرمایا، سچ کہتا ہوں، جو لذت وحلاوت جو کی روٹی اور لوبیا میں پاتا تھا، اب کسی کھانے میں نہیں پاتا، وہ مجاہدے کا وقت اور محبوب سے فراق کا دور تھا، اب وصال الٰہی کا زمانہ ہے، اس بادام اور اس مصری میں کیا لذت مل سکتی ہے[1]۔

لباس واسباب: عمامہ، کرتا، عبا اور تہ بند زیب تن فرماتے، وفات کے وقت ذاتی ملک میں کوئی چیز نہیں چھوڑی، گھر میں جو کچھ ہوتا، راہ خدا میں دے دیتے، ایک مصلے پر چھ سال نماز پڑھی، کبھی اس پر سو رہتے اور کبھی اسی کو اوڑھ لیتے[2]۔

علالت: وفات سے پہلے تین سال تک مسلسل علیل رہے لیکن علالت کے زمانہ میں بھی رشد و ہدایت اور عبادت وریاضت کا سلسلہ جاری رکھا، علاج کرانے کے قائل نہ تھے، فرماتے، طبیبی ذکر حبیبی، یعنی میرے دوست کی یاد میرا طبیب ہے، کبھی رویا کرتے لیکن مریدوں سے کہتے کہ یہ نہ سمجھنا کہ میں بیماری کی تکلیف سے روتا ہوں، ایک لمحہ بھی خدا کی یاد سے باز رہتا ہوں تو روتا ہوں، آخر زمانہ میں مریدوں نے دہلی لے جانا چاہا لیکن جہاں مرقد مبارک ہے اس کی طرف اشارہ کرکے فرمایا، میں اس مقام سے جا نہیں سکتا۔

وفات: آخر وقت میں ایک روز مریدوں کو بلا کر نصیحتیں کیں اور ان میں سے ہر ایک کو دست مبارک سے کچھ کپڑے عنایت کیے، وفات کے روز اپنے مرشد حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کی تسبیح منگوائی، اس کو سامنے رکھا اور اپنی دستار گلے میں ڈال کر کہنے لگے، مسلمان ہوں، امت رسول ہوں، شیخ کا مرید ہوں، میں نیک نہ تھا، نیک زندگی بھی بسر نہیں کی، اپنا انصاف خود کرتا ہوں، پھر مرشد کی تسبیح سے تجدید بیعت کی اور زار زار رونے لگے، چاشت کے وقت خادم

---

[1] روضۃ الاولیا، ص ۲۵ [2] ایضاً، ص ۱۰، نیز دیکھو روضۃ الاقطاب، ص ۱۶۷۔

Marfat.com

خاص سے کہا کہ باورچی خانہ میں دوستوں کو لے جا کر کھانا کھلا دو، وہاں کچھ باقی نہ رہے اور جب یارانِ طریقت کھانا کھا رہے تھے تو حضرت شیخ نے مرشد کا خرقہ اور تبرکات لانے کو کہا اور اسی وقت روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی[1]، انفاس الانفاس میں وفات کی تاریخ صفر ۷۳۸ھ لکھی ہوئی ہے، مرقد مبارک خلد آباد میں ہے۔

درجہ و مقام: تذکروں میں حضرت شیخ کے اسم مبارک کے ساتھ اسد الاولیا والعارفین، قطب عالم، مظہر الوہیت، طیر الامکان، قطب المدار، بایزید ثانی وغیرہ القاب لکھتے جاتے ہیں۔

ملفوظات: حضرت شیخ برہان الدین غریب کے ملفوظات کے تین مجموعوں کے نام معلوم ہو سکے ہیں:

(۱) حصول الوصول، اس کو حضرت شیخ کے مرید خواجہ حماد کاشانی نے جمع کیا۔

(۲) ہدایت القلوب، اس کو ایک دوسرے مرید شیخ حسین نے قلم بند کیا۔

(۳) نفائس الانفاس، اس کو ایک تیسرے مرید خواجہ رکن الدین بن عماد الدین کاشانی نے مرتب کیا۔

(۴) مولانا حمید شاعر قلندر نے بھی غالباً ملفوظات کا کوئی مجموعہ تیار کیا تھا۔

راقم کو ان ملفوظات میں صرف نفائس الانفاس کا ایک کرم خوردہ اور بدخط قلمی نسخہ ندوۃ العلما لکھنؤ کے کتب خانہ سے دست یاب ہوا ہے، اس کی ابتدا رمضان المبارک ۷۳۲ھ سے کی گئی ہے اور صفر ۷۳۸ھ تک کے ملفوظات درج کر کے ختم کر دیا گیا ہے، یہی تاریخ حضرت شیخ برہان الدین کی وفات کی ہے، ان ملفوظات کو فوائد الفواد کے طرز پر جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مرتب خواجہ رکن عماد کاشانی کو اپنے مرشد سے بڑی عقیدت تھی، اس لیے نفائس الانفاس کے دیباچہ میں مرشد کے لیے یہ القاب استعمال کرتے ہیں: (ص ۴)

---

[1] روضۃ الاولیا، ص ۲۹-۲۸۔

Marfat.com

''ختم المشائخ والعاشقین، ملجا الاوتاد والمجتہدین، برہان الحق والشرع والدین، حجۃ الاسلام والدین، زبدۃ الاتقیا، زین الاولیا، کاشف الاسرار المعانی، شارح رموز السبع المثانی، علم الہدیٰ، علامت الوریٰ، غوث الثقلین...... الخافصین الجنید فی زمانہ والفضل فی اوانہ الشبلی فی عبادتہ والنوری فی زہادتہ، کہف الصدق والیقین، ملاذ الاقطاب والمحققین محمد محمود ناصر المدعو بالغریب بیت

غریب است ایں محب حق بدنیا حبیب اللہ فی الدنیا غریب

نفائس الانفاس کا پیش نظر قلمی نسخہ ۱۶۸ صفحے پر مشتمل ہے، اس میں تصوف کی تمام تر وہی تعلیمات ہیں جن کو ہم گذشتہ صفحات میں بزرگان چشت کے ملفوظات سے پیش کر چکے ہیں اور جستہ جستہ حضرت شیخ برہان الدین غریبؒ کے رشد و ہدایت کے سلسلہ میں بھی ہدیہ ناظرین کیا جا چکا ہے لیکن یہاں پر ہم حضرت شیخ کی کچھ روحانی تعلیمات کو ان کے خلفا کی تصانیف کی مدد سے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

شمائل الاتقیا: نفائس الانفاس کے مرتب خواجہ رکن الدین بن عماد الدین دبیر کاشانی نے اپنے مرشد کی فرمائش سے شمائل الاتقیا لکھی جو اب تک فن تصوف میں ایک اہم تصنیف سمجھی جاتی ہے، یہ کتاب چار قسموں میں تقسیم ہے، پہلی قسم اصحاب طریقت کے افعال، دوسری قسم ارباب حقیقت کے احوال، تیسری قسم وجود باری تعالیٰ کے اوصاف اور چوتھی قسم بندوں کے فضائل پر ہے، کل ۹۱ بیانات (یعنی ابواب) ہیں، اس کتاب کی تالیف میں فاضل مؤلف نے تقریباً دو سو کتابوں سے استفادہ کیا ہے، جس سے ان کے علمی تبحر اور وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے، دیباچہ میں ان تمام کتابوں کے نام درج ہیں، تصوف کا کوئی ایسا مسئلہ نہیں جو اس کتاب میں موجود نہ ہو لیکن مؤلف نے ان مسائل پر کوئی مرتب اور مدلل بحث نہیں کی ہے بلکہ ہر مسئلہ پر شروع میں اپنی رائے کا اظہار کر کے کلام پاک کی آیات، تفاسیر کی تشریحات، احادیث نبوی، صحابہ کرام، تابعین عظام، بزرگانِ علم طریقت و حقیقت کے اقوال اور مختلف ارباب تصانیف کی رائیں نقل کر دی ہیں، اس کا سبب خود بتایا ہے کہ:

Marfat.com

''اگر کسے را در روایتے نزاع افتد و در مقدمہ و کلمہ شبہ بر خاطر گذرد در کتب و نسخ مذکور نظر فرماید تا بہ تحقیق و تیقن انجامد۔''

شمائل الاتقیا کے اس طرز تالیف سے رہروانِ سلوک کو تصوف کے تمام مسائل کو مختلف مصنفوں کے خیالات کی روشنی میں علمی نقطہ نظر سے مطالعہ کرنے میں بڑی آسانی اور سہولت پیدا ہو جاتی ہے، اہل نظر نے اس کو جامع، مفصل اور دل چسپ تصنیف بتایا ہے[1]۔

خواجہ رکن الدین عماد الدین کاشانی کی کچھ اور تصانیف اور رسائل کے نام یہ ہیں، رسالہ غریب، رموز الوالہین، اذکار المذکور، تفسیر رموز، لیکن یہ سب ناپید ہیں البتہ ان کے اقتباسات کثرت سے شمائل الاتقیا میں ملتے ہیں۔

رسالہ غریب: رسالہ غریب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے حضرت خواجہ برہان الدینؒ کے نام سے موسوم ہے، اس میں وہی تعلیمات دی گئی ہیں، جو حضرت خواجہ غریب نے بزرگانِ چشت سے پائی تھیں، ان تعلیمات کو خاص خاص عنوانات کے تحت ہم قلم بند کرتے ہیں۔

نماز: ظاہری نماز کا تعلق شریعت کے مطابق اعضا سے ہے اور باطن کی نماز طریقہ کے رو سے دل کا تفکر ہے اور قلب و روح کی نماز فیض سے حاصل ہوتی ہے اور وہ حقیقت کی نماز ہے، خواص ظاہر میں تو کعبہ کی طرف رخ کرتے ہیں لیکن ان کی توجہ رب کعبہ کی طرف ہوتی ہے، سجدہ جسم تو خضوع ہے اور سجدہ دل خشوع، سجدہ میں پیشانی اگر زمین پر ہے اور دل ہر طرف دوڑ رہا ہے تو ایسا سجدہ مسجود تک نہیں پہنچتا، بلکہ مردود ہو جاتا ہے، حضور دل کے ساتھ تھوڑی سی نماز بے حضوری کی بہت سی نمازوں سے افضل ہے، نماز پڑھنے والے اگر اپنی نماز کی بربادی سے واقف ہو جاتے ہیں یعنی ان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کی نماز قبول نہیں ہوئی تو پھر ان کو دعا مانگنے میں شرمندگی محسوس ہوتی ہے[2]۔

---

[1] کیٹلاگ انڈیا آفس، ص ۱۰۰۴ و فہرست کتب خانہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ [2] رسائل غریب در شمائل الاتقیا، ص ۷۶-۷۹۔

Marfat.com

تلاوت قرآن پاک: تلاوت قرآن مجید کے وقت اگر عذاب و رحمت کی آیت آئے تو اس وقت تلاوت کرنے والے تامل اور تفکر کریں، اگر حق تعالیٰ کی صفات کی آیات آئیں تو وہ تواضع و عزت کریں اور جب حق تعالی اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کفار کی جسارت کا ذکر ہو تو اس کو آہستہ اور شرم کے ساتھ پڑھیں، تلاوت کے وقت یہ خیال رہے کہ خود خداوند تعالیٰ ان سے کچھ کہہ رہا ہے، خداوند تعالیٰ کی تجلی کلام پاک کے حروف میں تبدیل کردی گئی ہے، اسی وجہ سے آنکھ اور دل اس تجلی کی تاب لا سکتے ہیں، ورنہ زمین اور آسمان بھی ان کی تجلی کے متحمل نہیں ہو سکتے[1]۔

روزہ: روزہ حق تعالیٰ کی صفت ہے، روزے سے حیوانی صفات دور ہوتی ہیں اور خداوند تعالیٰ کی صفتیں پیدا ہوتی ہیں، ہر عبادت واطاعت کی جزا تو بہشت ہے لیکن روزہ کی جزا خود حق تعالیٰ ہے، روزہ داروں کی مخصوص جگہ ریان میں ہے[2]۔

زکوٰۃ: اللہ تعالیٰ کی زکوٰۃ یہ ہے کہ وہ اپنے خاص و عام بندوں کو سفر میں چار رکعت کے بجائے دو ہی رکعت پڑھنے کو کہتا ہے، وہ اپنی غفاری سے بخش دیتا ہے اور اپنی رحمانی سے رحمت نازل کرتا ہے، انبیا کی زکوٰۃ یہ ہے کہ وہ اپنی نعمت نبوت کی وجہ سے خلق اللہ کو اوامر و نواہی سے آگاہ کرتے ہیں، برگزیدہ اولیاء اللہ کی زکوٰۃ یہ ہے کہ وہ تصفیہ دل و تجلیہ روح کے ذریعہ سے عشق و محبت اور معرفت حاصل کرتے ہیں، مشائخ کی زکوٰۃ یہ ہے کہ وہ اپنے مریدوں کو علم سلوک کی تلقین کرتے ہیں، علما کی زکوٰۃ یہ ہے کہ کلام پاک، احادیث نبوی ﷺ اور فقہ کی تعلیم دیتے ہیں اور اغنیا کی زکوٰۃ یہ ہے کہ دو سو دینار میں پانچ دینار غربا کو دے دیتے ہیں[3]۔

حج: عام حاجیوں کا حج دینی اور دنیاوی مقاصد کے لیے ہوتا ہے، وہ خانہ کعبہ کا طواف اس لیے کرتے ہیں کہ ان کے گناہ معاف کردیے جائیں لیکن عاشقان خدا کا حج رب کعبہ سے

---

[1] یہ باتیں رسالہ غریب اور رموز الوالہین دونوں سے لی گئی ہیں، دیکھو شمائل الاتقیا ص ۹۶-۹۵ [2] ایضاً، ص ۸۳ [3] رموز الوالہین در شمائل الاتقیا ص ۹۲۔

Marfat.com

قربت حاصل کرنے کے لیے ہوتا ہے، وہ احرام اس لیے باندھتے ہیں کہ اسرارالوہیت معلوم کریں، ایک حاجی حج میں اپنی مغفرت کے خیال سے خوش ہوتا ہے لیکن ایک عاشق خدا حج میں اپنی جان نذر کرنے میں فرحت و مسرت محسوس کرتا ہے کیوں کہ کعبہ ہی میں اس کو مقصود اصلی و مطلوب کلی نظر آتا ہے[1]۔

عبادت: بلا عذر عبادت کا ترک کرنا فسق ہے اور عبادت سے منھ موڑنا کفر ہے[2]۔

شریعت، طریقت و حقیقت: اوامر و نواہی کا پابند ہونا شریعت ہے، دل کی صفائی کرنا اور برائیوں کو اچھائیوں سے بدل دینا طریقت ہے اور ماسوا اللہ کی باتوں کو دفع کرکے روح میں تجلی پیدا کرنا حقیقت ہے۔ (رسالہ غریب در شمائل الاتقیا، ص ۹۸)

سلوک ملکوتی: سلوک ملکوتی یہ ہے کہ اخلاق نبوی ﷺ اور افعال نبوی ﷺ کی متابعت کی جائے، اخلاق و اعمال نبوی ﷺ کے اتباع کے بعد احوال مصطفوی ﷺ کی متابعت ضروری ہے اور اسی سے انوار الٰہی ظاہر ہوتے ہیں جس کے بعد سالک عالم جبروت میں پہنچ کر صفات خداوندی سے حظ اٹھاتا ہے۔ (ایضا، ص ۱۱۳، ۱۱۶)

ذکر: ذکر چار قسم کا ہوتا ہے، (۱) لسانی، جس سے دل پر اثر ہوتا ہے، (۲) قلبی، جس سے تمام اعضا متاثر ہوتے ہیں، (۳) طبعی، یعنی اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے میں بھی ہر عضو سے ذکر ہو اور کان میں جو آواز پڑے وہ بھی ذکر ہو، (۴) مستولی، یعنی ذکر کا ایسا استیلا ہو کہ نہ ذکر رہے نہ ذاکر بلکہ صرف مذکور رہے۔

جمع و تفرقہ: تفرقہ فصل پیدا کرتا ہے اور جمع سے وصل ہوتا ہے، مجنوں کے باطن کی جمعیت لیلیٰ سے تھی، اس لیے وہ جملہ موجودات کو لیلیٰ کی صورت میں دیکھتا تھا، اسی طرح جو دل حق تعالیٰ میں جمع ہے وہ تمام مخلوقات کے اندیشہ سے متفرق یعنی علاحدہ رہتا ہے اور جب وہ تمام تکوینی قوتوں سے رخ پھیر لیتا ہے تو اس کا رخ حق کی طرف ہو جاتا ہے، تفرقہ کسب

---

[1] رموز الوالہین در شمائل الاتقیا، ص ۸۸ [2] رسالہ غریب در شمائل الاتقیا، ص ۱۶۲۔

Marfat.com

سے حاصل ہوتا ہے اور جمع عطیہ الٰہی ہے، اولیاء اللہ اسرار باطن کو جمع رکھتے ہیں اور معاملات ظاہر سے متفرق یعنی علاحدہ رہتے ہیں۔

علم الیقین و عین الیقین: دنیا میں علم الیقین کی تمیز حضور قلب کی حالت میں ہوتی ہے اور جب ایک سالک حضور سے غیبت میں ہوتا ہے تو حالت تمیز سکر میں بدل جاتی ہے اور عین الیقین ظاہر ہوتا ہے، ایک سالک کو پہلے علم الیقین حاصل ہوتا ہے، علم الیقین سے عین الیقین اور عین الیقین سے حق الیقین حاصل ہوتا ہے، اہل یقین دوزخ کی آگ سے محفوظ رہتے ہیں اور اسی یقین کی بدولت پانی کو زمین، زمین کو پانی، سرد کو گرم اور گرم کو سرد بنا سکتے ہیں[1]۔

موت: موت تین قسم کی ہوتی ہے، صوری، معنوی اور حقیقی، صوری تو یہ ہے کہ جسم سے روح نکل جاتی ہے اور یہ شرعی موت ہے، جس کو موت صغریٰ کہتے ہیں، معنوی یہ کہ ایک مرید کسی غیر شیخ سے کچھ التجا کرے، یہ موت طریقت اور موت کبریٰ ہے اور موت حقیقی یہ ہے کہ کوئی غیر حق سے کچھ التجا کرے اور یہ موت اکبر ہے[2]۔

رضا و صبر: رضا یہ ہے کہ جب کوئی مصیبت آئے تو اس سے کراہت پیدا نہ ہو لیکن اگر اس سے کراہت پیدا ہو اور اس کا اظہار نہ کرے تو یہ صبر ہے یعنی مصیبت کو شوق سے برداشت کرنا رضا ہے اور کراہت کے ساتھ برداشت کرنا صبر ہے[3]۔

حضور: حضور سے مراد حق تعالیٰ کو دیکھنا ہے نہ اس سے گفتگو کرنا ہے، حضور میں گفتگو کرنا بے ادبی ہے اور بے ادب اس مقام تک نہیں پہنچ سکتا، اگر گفتگو ہو تو صرف سننے کے لیے ہو اور سننا صرف جاننے کے لیے ہو اور جاننا تمام چیزوں سے فارغ ہونے کے لیے ہو، اس کا طالب اگر سو سال تک مشغول رہے اور ایک لحظہ کے لیے بھی غائب ہو جائے تو اس سے جو چیز کھو جاتی ہے وہ پھر واپس نہیں ہو سکتی، حضور دل کے لیے مراقبہ لازمی ہے اور مراقبہ بغیر حضور

---

[1] رسالہ غریب در شمائل الاتقیا، ص ۱۷۹ اور رموز الوالہین، ص ۱۸۰ [2] رسالہ غریب در شمائل الاتقیا، ص ۱۸۲

[3] ایضاً، ص ۲۱۰۔

Marfat.com

کے ممکن نہیں، اسی طرح مراقبہ کے بغیر مشاہدہ نہیں ہوسکتا[۱]۔

رویت: رویت خدا تین قسم کی ہوتی ہے، یقینی، مشاہدہ اور عیانی، یقینی تو یہ ہے کہ عوام میں سے ہر مومن یہ یقین رکھتا ہے کہ حق تعالیٰ کی ایک حقیقت ہے جو نظر آئے گی، خواص کا مشاہدہ یہ ہے کہ وہ دنیا میں دل کی آنکھ سے حق تعالیٰ کو دیکھ لیتے ہیں اور عیانی یہ ہے کہ قیامت کے روز آنکھوں سے دیکھیں گے[۲]۔

رموز الوالہین: حضرت خواجہ رکن الدین کی ایک تصنیف رموز الوالہین بھی ہے، اس کی تعلیمات یہ ہیں:

فقر: فقر عشق ہے، فقیر راہ طریقت وحقیقت کا عاشق یعنی عاشق لقاء اللہ ہے، اس عشق میں اس کو کسی اور چیز کی آرزو نہیں ہوتی اور جب لقاء اللہ میں اس کو استغراق ہوجاتا ہے تو صفت بقا سے موصوف ہوتا ہے اور وہ جمال اللہ کے انوار کی تجلی پاتا ہے اور ''ہویت'' کی صفت سے مخصوص ہوجاتا ہے، اسی کے بعد فقر کا درجہ ختم ہوجاتا ہے[۳]۔

صحو وسکر: ہر صحو میں سکر اور ہر سکر میں صحو ہے، جب سالک صحو میں ہوتا ہے تو ایک ایسے مقام میں پہنچتا ہے جہاں وہ حیران رہتا ہے، اسی کے بعد وہ سکر میں آجاتا ہے اور جب اس مقام میں اس کی حیرانی دور ہوجاتی ہے تو صحو میں چلا آتا ہے، اس کے بعد پھر کوئی بلندتر مقام پر اس کی نظر پڑتی ہے تو پھر سکر میں ہوجاتا ہے، اس مقام خاص میں کبھی سکر میں اور کبھی صحو میں ہوتا ہے، یہ احوال ذوق سے پیدا ہوتے ہیں[۴]۔

تلوین وتمکین: سالک جب فکر کرتا ہے تو دو مقام آتے ہیں، تلوین وتمکین، مقام تلوین میں صفات سلبی اور مقام تمکین میں صفات ثبوتی پیدا ہوتی ہے جس کے بعد نفسانی خواہشات بالکل نہیں رہتی ہیں[۵]۔

---

۱ رسالہ غریب در شمائل الاتقیا، ص ۲۷۷-۲۷۸ ۲ ایضاً، ص ۴۲۶ ۳ رموز الوالہین در شمائل الاتقیا، ص ۱۷ ۴ ایضاً، ص ۱۵۵ ۵ ایضاً، ص ۲۷۳۔

Marfat.com

جلال و جمال: حق تعالیٰ جب کسی پر عنایت کرتا ہے تو پہلے اس پر اپنے جلال کا قہر نازل کرتا ہے، اگر وہ اس جلال کا متحمل ہوتا ہے اور اس جلال میں لطف محسوس کر کے اس کی زیادتی کے لیے دعا کرتا ہے تو گویا اس میں اصلی محبت و حقیقی عشق کا جذبہ پیدا ہونے لگتا ہے اور جب جلال میں اس کو لذت محسوس ہوتی رہتی ہے تو وہ جمال حق تعالیٰ سے سرفراز کیا جاتا ہے، انبیا جمال سے جلال کی طرف آتے ہیں لیکن اولیا جلال سے جمال کی طرف جاتے ہیں[1]۔

حضرت غریبؒ کے مریدوں کی تصانیف: خواجہ رکن الدینؒ کے دو بھائی خواجہ عماد الدینؒ اور خواجہ مجد الدین بھی صاحب تصنیف تھے، اول الذکر کی تصنیفات کے نام یہ ہیں:

(۱) حصول الوصول، (۲) اسرار الطریقت، (۳) احسن الاقوال (ملفوظات حضرت خواجہ برہان الدین غریب)

موخر الذکر کی دو کتابوں کے نام معلوم ہو سکے ہیں، غرائب الکرامت وبقیۃ الغرائب، ان دونوں میں حضرت برہان الغریب کے خوارق عادات و کرامات کا ذکر ہے۔

---

[1] رموز الواہلین در شمائل الاتقیا ص ۳۷۶ در مذہب محققان جلال جمال واحد وصمد نیز از صفات ذاتی است و زائد بر ذات اسما لاتا ثیرا۔

Marfat.com

حضرت مولانا ضیاء الدین نخشبیؒ

نام و وطن: اسم گرامی ضیاء الدین تھا، بدایوں کے رہنے والے تھے، اصلی وطن نخشب (بخارا) تھا، اسی مناسبت سے اپنی شاعری میں نخشبی تخلص کرتے تھے، گو زندگی گوشہ تنہائی میں گزاری لیکن اپنی استعداد کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل کی۔

ارادت: اخبار الاخیار اور خزینۃ الاصفیا میں ہے کہ مولانا ضیاء الدین نخشبی کی ارادت سلطان التارکین شیخ حمید الدین ناگوری کے پوتے حضرت شیخ فرید سے تھی[1]، اخبار الاخیار میں ہے:

"چنیں شنیدہ شدہ است کہ وی مرید شیخ فرید است کہ نبیرہ خلیفہ سلطان التارکین شیخ حمید الدین ناگوری است واللہ اعلم۔"

خزینۃ الاصفیا میں ہے:

"از عظمائے مشائخ و کبرئ خلفائے شیخ فرید الدین نبیرہ حضرت سلطان التارکین حمید الدین صوفی است، از مشاہیر اولیائے ہندوستان است در شہر بداؤں بزاویہ خمول بکار خود مشغول اوی واز صحبت خلق متنفر باعتقاد و انکار کسے کارے ندارد"

بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ وہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے مرید تھے لیکن اخبار الاخیار میں ہے:

---

[1] اخبار الاخیار، ص ۹۸، خزینۃ الاصفیا، ج ۱، ص ۳۵۱۔

Marfat.com

''حضرت شیخ نظام الدین کے زمانہ میں تین شخص ضیاء نام کے تھے، (۱) ضیاء منامی جو منکر شیخ تھے، (۲) ضیاء برنی جو شیخ کے معتقد اور مرید تھے، (۳) ضیاء نخشی جو شیخ کے نہ منکر تھے اور نہ معتقد۔''

(ص ۹۸)

عزلت نشینی: حضرت ضیاء الدین نخشی نے خواص و عوام دونوں سے الگ تھلگ رہ کر اپنی فقیرانہ زندگی زاویہ خمول میں گزار دی اور اس گوشہ عافیت میں زیادہ تر تصنیف و تالیف کا مشغلہ رکھا، اس لیے ان کے حالات زندگی کی کوئی زیادہ تفصیل نہیں ملتی۔

سال وفات: اخبار الاخیار اور خزینۃ الاصفیا میں سال وفات ۷۵۱ھ درج ہے، مرقد بدایوں ہی میں ہے۔

تصانیف: متعدد تصانیف چھوڑیں، خزینۃ الاصفیا میں ان کے نام یہ ہیں، (۱) سلک السلوک، (۲) عشرہ مبشرہ، (۳) کلیات و جزئیات، (۴) شرح دعائے سریانی، (۵) طوطی نامہ[1]، ان تمام تصانیف پر خزینۃ الاصفیا کے مصنف اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''ایں ہمہ کتب مملو از قطعات رنگین و دلچسپ کہ بیک طریق و یک طرز واقع شدہ اند۔''

(ص ۲۸۱)

ان میں سے سلوک السلوک اور طوطی نامہ بہت مقبول ہوئیں۔

سلک السلوک پر ایک نظر: سلک السلوک، فن معرفت و سلوک میں ایک اہم تصنیف ہے، اس میں تصوف کے مختلف مسائل کو الگ الگ عنوانات میں بیان کیا گیا ہے، ہر مسئلہ ایک علاحدہ سلک یعنی باب میں ہے، کل ۱۵۱ سلک ہیں، شروع میں تصوف کی اصطلاحات کی تشریح ہے، پھر صوفیانہ رموز و نکات کی تصریح و توضیح حکایتوں کے پیرایہ میں کی گئی ہے، مثلاً یہ بتانا چاہتے ہیں کہ رات کے وقت یادِ حق ضرور کرنی چاہیے تو لکھتے ہیں:

---

[1] خزینۃ الاصفیا، ص ۳۵۱۔

Marfat.com

''ایک دن ایک خواجہ نے ایک لونڈی خریدی، جب رات ہوئی لونڈی سے کہا، اے کنیزک! میرا بچھونا درست کردے کہ میں سورہوں، لونڈی نے کہا، اے مولیٰ! کیا تمہارا بھی مولیٰ ہے، خواجہ نے کہا، ہاں، لونڈی نے پوچھا، کیا وہ بھی سوتا ہے، خواجہ نے کہا، نہیں، لونڈی نے کہا، تمہیں شرم نہیں آتی، تمہارا مولیٰ تو جاگے اور تم سورہو۔''

اسی طرح یہ تلقین کرنی چاہتے ہیں کہ کسی کا محکوم ہونا نفس کے محکوم ہونے سے بہتر ہے تو رقم طراز ہیں:

''ایک سجادہ نشین ہر جمعہ کو اپنی خانقاہ سے مسجد جانے کے لیے باہر نکلتے تھے، جس کسی کو دیکھتے پوچھتے کہ مسجد کا راستہ کون سا ہے، ایک بار ایک شخص نے کہا، تم کو برسوں مسجد جاتے ہوگئے لیکن راستہ یاد نہیں، انہوں نے کہا، میں جانتا ہوں، مگر محکوم ہو کر چلنا حاکم ہونے سے بہتر ہے، چاہیے کہ اپنی ذات کو دوسروں کے طفیل میں رکھے۔''

یہ انداز بیان اور بھی دل پذیر اور مؤثر ہو جاتا ہے جب ناصحانہ طریقہ پر ایک ایک حکایت بشنو بشنو سے شروع کی جاتی ہے، مثلاً:

''سنو سنو! ایک دفعہ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ تمہاری قوم میں جتنے نیک ہیں ان کو بدوں سے الگ کرو، موسیٰ علیہ السلام نے آواز دی، بہت سے لوگ باہر آئے، حکم ہوا، ان میں سے نیکوں کو چن لو، موسیٰ علیہ السلام نے ان میں سے ستر آدمی نکالے، فرمان ہوا، موسیٰ! ان میں سے بھی چنو، چنانچہ ستر میں سے سات چنے، پھر حکم ہوا کہ ان میں سے چنو، تب ان میں سے تین چنے، حکم آیا اے موسیٰ! میرے نزدیک یہ تینوں سب سے برے ہیں کیوں کہ جب انہوں نے سنا کہ تم نیکوں کو پکارتے ہو تو یہ اپنے کو نیک سمجھ کر باہر آئے، اے عزیزو! اگر کوئی عبادت نہ کرے تو اس سے بہتر ہے کہ عبادت کرے اور فخر کرے، شریعت میں مدعا علیہ کو قید کرتے ہیں لیکن طریقت میں مدعی کو قید خانہ بھیجا جاتا ہے۔''

ایک حکایت اور ملاحظہ ہو:

Marfat.com

''سنوسنو! ایک بقال نے ایک شخص کو شیر پر سوار اور سانپ کو کوڑا بنائے ہوئے دیکھا، دیکھ کر کہا، یہ آسان ہے لیکن ترازو کے دونوں پلڑوں میں بیٹھنا مشکل ہے۔''

ایک اور حکایت ہدیہ ناظرین ہے:

''سنوسنو! ایک بزرگ نے چاہا کہ بازار جا کر کچھ خریدیں، دینار کو گھر میں تولا، جب بازار لے گئے تو دینار گھر کے وزن سے کم نکلا، رونے لگے، لوگوں نے پوچھا، کیوں روتے ہیں؟ فرمایا، جب گھر کی چیز یہاں ٹھیک نہیں ہوئی تو قیامت میں دنیا کی باتوں کا کیا حال ہوگا۔''

ان دل چسپ حکایتوں میں اور بھی زیادہ تاثیر پیدا کرنے کے لیے جا بجا ان کو اپنے قطعات سے بھی مزین کرتے ہیں، مثلاً:

''سنوسنو! وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ کعب احبار مسجد میں سب صفوں کے پیچھے کھڑے ہوتے، ان سے پوچھا گیا کہ اس میں کیا بھید ہے؟ فرمایا، میں نے توریت میں دیکھا ہے کہ امت محمد ﷺ میں ایسے لوگ ہوں گے کہ جب وہ مسجد میں سجدے کریں گے اور انہوں نے سر بھی نہ اٹھایا ہوگا کہ ان سے پیچھے والوں کو خدا بخش دے گا، میں اسی سبب سے سب سے پیچھے کھڑا ہوتا ہوں تا کہ ان کے سجدے سے میرا کام بن جائے۔'' قطعہ

قطرۂ را چہ میلے می خوانی — نخشی درمیان بہ بیں خود را
گر تو خود را طفیل کس دانی — ہمہ کس در طفیل تو گردد

''ایک بار ایک خلیفہ نے ایک بوڑھی عورت کے لڑکے کو قید کر دیا، بوڑھی عورت نے خلیفہ کے پاس پہنچ کر فریاد کی اور کہا کہ میرے لڑکے کو رہا کر دیجیے، خلیفہ نے کہا کہ میں نے حکم دیا ہے کہ جب تک میں خلیفہ ہوں تیرا لڑکا قید سے رہا نہیں کیا جائے گا، بوڑھی عورت نے یہ سن کر آسمان کی طرف دیکھا اور درد بھری آواز سے بولی، اے سلطان عالم! دنیا کی قید و رہائی تیری قدرت میں ہے لیکن تیرے خلیفہ نے جو حکم دیا ہے کیا تو نے اس کو سنا، نہیں معلوم کہ اب تو کیا حکم دے گا، بوڑھی عورت کی یہ بات خلیفہ نے سنی تو اس کے دل میں بڑی نرمی پیدا ہوئی اور اس کے

Marfat.com

لڑکے کو قید خانہ سے باہر لانے کا حکم دیا، اس کو ایک خلعت دیا اور گھوڑے پر سوار کر کے بغداد کی گلیوں میں پھرایا اور ساتھ ساتھ یہ منادی کی جاتی تھی کہ **هذا عطاء الله تعالیٰ علی رغم خلیفه و مقامه و محله** (یہ خلیفہ اس کے درجے اور مرتبے کے علی الرغم اللہ تعالیٰ کی عطا ہے) قطعہ

نخشی حکم خلق چیزے نیست
مرد ایں رہ کجاست در عالم
در جہاں گفت ہیچ کس نشود
حکم حکم خداست در عالم

"سنو سنو! بنی اسرائیل میں ایک زاہد تھا، ستر سال عبادت کی، ایک دن کسی حاجت روائی کے لیے دعا مانگی لیکن دعا قبول نہیں ہوئی، اپنے نفس سے برہم ہوا کہ اے نفس! اگر تیری عبادت میں اخلاص ہوتا تو میری دعا ضرور قبول ہوتی، حق تعالیٰ کے یہاں سے اس زمانہ کے پیغمبر کے پاس فرمان آیا کہ اس زاہد سے کہو، نفس پر ایک ساعت کا عتاب ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے۔" قطعہ

نخشی در عتاب خود می باش
ورنہ خود باطن تو خوں گردد
ہر کہ با نفس خود عتاب کرود
از عتاب ہمہ مصئون گردد[1]

مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ سلک السلوک کو بڑی شیریں اور رنگین کتاب بتاتے ہیں، اخبار الاخیار میں رقم طراز ہیں:

"سلک السلوک او بغایت کتاب شیریں و رنگین است بزبانی لطیف موثر مشتمل بر حکایات مشائخ و کلمات ایشاں و اکثر تصنیفات وی مملوست بقطعہائے کہ ہمہ بیک طریقہ یک نہج واقعند۔" (ص ۹۸-۹۷)

نخشی کے قطعات کے کچھ اور نمونے یہ ہیں، ان میں ہر قسم کی اخلاقی اور روحانی تعلیمات ہیں:

نخشی تا نظر بہ خود نہ کنی
مثل ایں کار مرد رہ نکند

---

[1] یہ تمام حکایتیں دار المصنفین اعظم گڑھ کے قلمی نسخہ سلک السلوک میں سے لی گئی ہیں، اخبار الاخیار، ص ۱۰۰-۹۸ میں ان حکایتوں کے بہت سے اقتباسات ملیں گے۔

Marfat.com

ہر کرا سوئے خود نگہ باشد | ہیچ کس سوے او نگہ نکند
نخشی تانواں حلال طلب | کہ رہ شبہ خارہا دارد
نان بے شبہ را کجا یابند | لقمہ پاک کارہا دارد
نخشی ہاں بفقر خوش می باش | گرچہ کس در غنا نباشد خوش
فقر آں چناں خوش انداز فقر | کہ کسے در غنا نباشد خوش
نخشی علم باعمل نیکوست | بر تو باد کہ کار چند کنی
ہم چنیں داں کہ تو نمی دانی | ہم بدانستن از بسند کنی
نخشی مفلس است در دنیا | مفلس از مال شاں باشد
ہر کہ بینی تونگر عقبیٰ | او بدنیا چو مفلساں باشد
نخشی از ہمہ ہمہ مطلب | آب حیواں نہ ہر سبو دارد
ہمہ ازاں کس طلب کہ او ہمہ وقت | ہر چہ خواری ہمہ ہمو دارد

جزئیات وکلیات: اس میں صوفیانہ طرز پر جسم کے چالیس اور اعضا اور ان کے متعلقات مثلاً مو، سر، دماغ، پیشانی، ابرو، پلک، مژہ، چشم، اشک، بینی، رخسار، گوش، زلف، خط، لب دہان، دنداں، زبان، زنخ رو، خال، گلو، گردن، پشت، استخواں، بازو، رگ، خون، دست، انگشت، ناخن، سینہ، دل، روح، پہلو، شکم، کمر، زانو، ساق و پائے وغیرہ کے اوصاف بتائے گئے ہیں، اسی مناسبت سے اس کتاب کا نام چہل ناموس بھی ہے اور ناموس اکبر سے بھی موسوم ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ دارالمصنفین کے کتب خانہ میں ہے، ہر عضو کے ذکر کے ساتھ اشعار اور غزلیں درج ہیں جو معیاری نہیں کہی جاسکتی ہیں، مثلاً زلف پر ایک غزل یہ ہے:

اے بت مشک بوئے عنبر زلف | کہ بود چوں روز زلف تو ہر زلف
تا کہ از شانہ ات زبانے یافت | روز زاں روز باد بر سر زلف
اندراں عارض چو خرشیدت | خود چہ گویم کہ ہست در خور زلف

Marfat.com

ہمچو مویم ترک دہ از زلف ہر چہ تہمت ہمی نہی بر زلف
دل پریشاں شدہ برفت ازمن مردمی کن یکے بہ بیں در زلف
نخشبی را بکشت از غم خود یکے کز خال خوب دیگر زلف

شرح دعائے سریانی: یہ زبور کی ایک سورہ کی شرح ہے، اس سورہ کو حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے عربی میں نظم کیا، اسی عربی نظم کی شرح نخشبی نے فارسی میں لکھی ہے۔

گلریز: یہ ایک عشقیہ کہانی ہے، جو مقفّی عبارت میں لکھی گئی ہے، یہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ سے شائع ہوگئی ہے۔

طوطی نامہ: سنسکرت میں قصوں کی ایک مشہور کتاب کوکا سپتی ہے، نخشبیؒ نے اسی کتاب کو سامنے رکھ کر فارسی میں اس کے سارے قصے لکھے، ۱۷۹۲ء میں ام جرانس نے اس کا ترجمہ انگریزی میں کیا، ترکی زبان میں بھی اس کا ترجمہ ہوا، اس کے خلاصے بھی لکھے گئے جن کے ترجمے مختلف زبانوں میں ہوتے رہے۔

عشرہ مبشرہ: اس کے متعلق کچھ معلومات حاصل نہ ہوسکیں لیکن نام سے اس کی نوعیت ظاہر ہے[1]۔

---

[1] مولانا ضیاء الدین نخشبی سے متعلق مزید تفصیلات کے لیے تاریخ مقالات از پروفیسر خلیق احمد نظامی ص ۱۱۴-۹۷ دیکھیے۔

Marfat.com

حضرت شیخ خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ

نام ونسب: اسم مبارک محمود، نصیر الدین محمود گنج اور چراغ دہلی القاب تھے، جد بزرگ وار شیخ عبد اللطیف یزدی خراسان سے لاہور آئے، والد ماجد شیخ محمود یحییٰ اسی شہر میں پیدا ہوئے اور سن شعور میں اودھ منتقل ہو گئے تھے[1]، یہاں وہ پشمینہ کی تجارت کرتے تھے، جس میں ان کو بڑا فروغ حاصل ہوا، ان کے پاس بہت سے غلام تھے[2]۔

حضرت نصیر الدین محمود کی ولادت باسعادت اسی خطہ میں ہوئی، بعض تذکرہ نگاروں نے مقام پیدائش اجودھیا، اور بعض نے بارہ بنکی لکھا ہے، اسی لیے نام کے ساتھ اودھی لکھا جاتا ہے، خزینۃ الاصفیا میں ہے کہ نسباً سادات حسینی میں سے تھے[3]۔

ابتدائی تعلیم: نو سال کے تھے کہ والد بزرگ وار کا سایہ سر سے اٹھ گیا، تعلیم وتربیت کا فرض والدہ ماجدہ نے انجام دیا، ان کے زہد وتقویٰ کے اثر سے بچپن ہی میں نماز باجماعت کے پابند ہو گئے تھے، جو کسی حال میں بھی فوت نہیں ہوتی تھی، خیر المجالس کے ایک ملفوظ میں ہے کہ فقہ کی مشہور کتاب بزدوی قاضی محی الدین کاشانی سے پڑھی[4] لیکن سیر العارفین میں ہے کہ ابتدا میں

---

[1] سیر العارفین، ص ۹۲ [2] سیر الاولیا، ص ۲۳۸ [3] خزینۃ الاصفیا، ص ۳۵۳ [4] مجلس چہل وششم میں ہے: (اردو ترجمہ، ص ۱۰۹)

"جناب خواجہ ذکر اللہ تعالیٰ بالخیر قاضی محی الدین کاشانی کے ذکر میں تھے، فرمایا، میں نے بزدوی ان ہی سے پڑھی ہے، پھر ان کے طبع رسا اور دقت نظر کا بیان کیا کہ بڑے محقق تھے، اس مجلس میں ایک (بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۶ پر)

Marfat.com

مولانا عبدالکریم شیروانی علامہ زمان سے ہدایہ اور بزودی کو پڑھا، بعد وفات مولانا افتخار الدین محمد گیلانی سے جمیع علوم حاصل کیے۔ (جلد۲،ص۴۰)

ترکِ تجرید: پچیس سال کی عمر میں ترک تجرید اختیار فرمائی اور محاسبہ نفس میں مشغول ہوگئے، گرد ونواح کے جنگل و بیابان میں ایک درویش کے ہم راہ آٹھ سال تک گھومتے رہے، اس صحرانوردی میں بھی نماز باجماعت کے پابند رہے، روزے بھی ترک نہیں ہوئے، برگ سنبھالو سے افطار کیا کرتے تھے۔ (سیر العارفین، جلد دوم، ص۴۰)

بیعت: سیر العارفین اور مراۃ الاسرار میں ہے کہ ۴۳ سال کی عمر میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر شرف بیعت حاصل کیا، بیعت کے ابتدائی زمانہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ محمود حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کی قیام گاہ کے پاس ایک درخت کے نیچے متحیر کھڑے تھے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ بالا خانہ سے نیچے اتر رہے تھے کہ شیخ محمود پر ان کی نظر پڑی، خادم خاص کے ذریعہ خلوت میں بلا کر دل کی کیفیت پوچھی، عرض کی، بزرگوں کی جوتیاں سیدھی کرنے آیا ہوں، اس جواب سے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے شیخ محمود میں سچی طلب محسوس کرکے ان کی جانب توجہ فرمائی، اثنائے گفتگو میں فرمایا، جب میں اپنے مرشد کی خدمت میں رہتا تھا تو اجودھن میں میرے ایک ہم سبق نے میرے پھٹے کپڑے دیکھ کر کہا، تمہارا یہ کیا حال ہے؟ اگر تم اس شہر میں لڑکوں ہی کو پڑھایا کرتے تو تمہیں بھی فارغ البالی ہوجاتی، میں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور مرشد کی خدمت میں حاضر ہوا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۵) مرید جناب سلطان المشائخ کا حاضر تھا، اس نے یہ قصہ بیان کیا کہ ایک بار قاضی محی الدین کاشانی سخت بیمار ہوئے کہ یاروں نے ان کی صحت دشوار جانی، حضرت سلطان الاولیاؒ سن کر ان کی عیادت کو تشریف لائے، وہ دیکھ کر اٹھے اور اپنے آپ کو سنبھال کر شیخ کی تعظیم کی، اسی وقت سے مرض میں تخفیف ہوگئی، جب حضرت شیخ لوٹ گئے تو کہا، شیخ بظاہر میری عیادت کو آئے تھے مگر دیکھو کس طرح در پردہ سلب مرض کر گئے۔" (خیر المجالس فارسی، علی گڑھ ایڈیشن، ص۱۵۱-۱۵۰)

Marfat.com

آپ نے دیکھ کر فرمایا، نظام الدین! اگر تمہارا کوئی دوست تمہارا یہ حال دیکھ کر تم سے پوچھے کہ آخر یہ کیا حالت ہے؟ تعلیم دینے سے تم کو فارغ البالی حاصل ہو جاتی، اس کو کیوں ترک کر دیا تو اس کو کیا جواب دو گے، میں نے عرض کیا، جو ارشاد ہو، فرمایا، یہ شعر جواب میں پڑھ دینا:

نہ ہم رہی تو مرا راہ خویش گیر د برد ترا سعادتے بادا مرا نگوں ساری

اس کے بعد ایک خوان طلب فرمایا اور مجھ سے کہا، اس کو سر پر رکھ کر جہاں تمہارا دوست ہے، وہاں لے جاؤ، میں نے ایسا ہی کیا، دوست نے میرا یہ حال دیکھ کر کہا، تمہیں یہ صحبت اور یہ حالت مبارک ہو[1]۔

حضرت شیخ محمود نے یہ واقعہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کی زبانی سنا تو دل میں عشق الٰہی کی آگ شعلہ زن ہونے کے ساتھ مرشد کی محبت بھی پیوست ہوگئی اور بیعت کے بعد بڑی دل سوزی سے مرشد کی خدمت شب و روز کرتے رہے، اسی لیے تمام درویش ان کو نصیر الدین محمود گنج کہا کرتے اور محبوب رکھتے تھے[2]۔

حضرت نصیر الدین محمود کو اپنے مرشد سے جو والہانہ شیفتگی تھی، اس کا ایک واقعہ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت محبوب الٰہی کی خانقاہ میں حضرت خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانی کے ایک مرید خواجہ محمد گازرونی آکر مقیم ہوئے، وہ تہجد کی نماز کے لیے اٹھے تو جماعت خانہ میں کپڑے رکھ کر وضو کرنے لگے، واپس ہوئے تو کپڑے غائب تھے، تلاش میں شور و شغب کرنے لگے، حضرت شیخ نصیر الدین محمود خانقاہ کے ایک گوشہ میں عبادت میں مشغول تھے، خیال ہوا کہ اس شور و شغب سے مرشد کی عبادت میں خلل پڑے گا، اس لیے خواجہ محمد گازرونی کے پاس پہنچے اور کپڑے اتار کر ان کو دے دیے، صبح کو جب یہ واقعہ حضرت محبوب الٰہی کو معلوم ہوا تو حضرت نصیر الدین محمود کو بالا خانہ پر طلب کر کے اپنی خاص پوشاک عطا کی اور ان کے لیے دعائے خیر کی[3]۔

---

[1] سیر الاولیا، ص ۲۴۰-۲۳۸ [2] سیر العارفین، ص ۹۲ [3] سیر الاولیا، ص ۲۳۶، بعض (بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۸ پر)

Marfat.com

ریاضت: بیعت کے بعد مرشد کی ہدایت کے بموجب ریاضت ومجاہدہ جاری رکھا، دس دس روز گزر جاتے اور کچھ نہ تناول فرماتے اور جب خواہشات کا غلبہ ہوتا تو لیموں کا عرق پی لیتے[1]۔

سیر العارفین میں ہے کہ کچھ دنوں مرشد کی خدمت میں رہنے کے بعد والدہ ماجدہ کے پاس چلے گئے[2]، لیکن یہاں خلق اللہ کے ہجوم سے یادالٰہی میں سکون میسر نہیں ہوتا اس لیے حضرت امیر خسرو کے ذریعہ مرشد کی خدمت میں عرض حال کر کے جنگل میں جا کر عبادت کرنے کی اجازت مانگی، حکم ملا کہ وہ خلق اللہ کے درمیان ہی میں رہیں اور خلق کی جفاؤں کو برداشت کریں، اس ایثار کا بدلہ ان کو ملے گا، اس سلسلہ میں حضرت محبوب الٰہیؒ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مختلف افراد مختلف کاموں کے لیے موزوں ہوتے ہیں، اسی لیے میں کسی سے تو یہ کہتا ہوں کہ اپنے لب کو بھی بند رکھے اور اپنے دروازے کو بھی، کسی سے ہدایت کرتا ہوں کہ وہ مریدوں کی تعداد بڑھائے اور کسی کو حکم یہ دیتا ہوں کہ خلق اللہ کے درمیان ہی میں رہے اور ان کی جفاؤں کو برداشت کرتے ہوئے ان سے حسن سلوک سے پیش آئے، یہی مقام انبیا و اولیا کا ہے[3]۔

حضرت شیخ نصیر الدین نے مرشد کے حکم کی تعمیل کی اور آبادی میں رہ کر عبادت و ریاضت کو جاری رکھا، ملفوظات خیر المجالس (مرتبہ حمید شاعر معروف بہ قلندر) میں ہے:

"سالہا سال مجھ کو یہ آرزو رہی کہ ایک تہ بند اور کرتہ پہن کر کلاہ سر پر رکھ کر کوہ و بیاباں یا کسی مسجد و مزار میں جا بیٹھوں، پھر شہر کو یاد کر کے فرمایا کہ وہاں بہت خطیرے دل پسند ہیں، وہاں مجھ کو خلوت سے بہت راحت و تسکین ہوتی تھی، ان دنوں وہ مزار اور خطیرے نہیں رہے، سنتا ہوں کہ وہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۷) تذکروں میں یہ روایت کسی اور موقع پر درج ہے لیکن سیر الاولیا میں یہ روایت ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے "در ابتدائے بہ نظر خاص سلطان المشائخ ملحوظ گشتہ بود......" اور روایتوں میں بھی کہیں کہیں تقدیم و تاخیر ہوگئی ہے، اگر عاجز راقم سے بھی روایتوں کی ترتیب میں تقدیم و تاخیر ہوگئی ہو تو وہ ناظرین سے معذرت کا خواہاں ہے۔ [1] سیر الاولیا، ص ۲۴۱، اخبار الاخیار، ص ۷۵ [2] سیر العارفین، ص ۹۰ [3] سیر الاولیا، ص ۲۳۸۔

Marfat.com

سب مقامات دل کش خراب و برباد ہو گئے ہیں، پھر فرمایا کہ خواجہ محمود والد معین الدین جو بھانجا مولانا کمال الدین کا ہے، میرے ہم راہ ہوا کرتا، ہمیشہ نماز صبح مسجد میں پڑھ کر ہم نکلتے اور وظیفہ پڑھتے جاتے، راہ میں جب کسی مزار پر پہنچتے تو میں محمود سے کہتا، اب تم چاہو مکان جاؤ چاہو اور کسی مزار پر تنہا مشغول ہو، وہ میرا کہنا قبول کر کے جدا کسی مزار پر ظہر تک جا کر مشغول ہو جاتا، پھر ہم نماز کے وقت طہارت کو نکلتے، اذان کہتے، دس بارہ درویش اپنے مقام مشغولی سے آ کر جمع ہو جاتے، نماز باجماعت پڑھتے اور مجھ کو امام بناتے، پھر باقی روز ذکر و شغل میں گزرتا، یہاں تک کہ نماز مغرب وعشا زمین وصحرا میں ہوتی، پھر وظیفہ پڑھتے ہوئے گھر آتے اور جب جنگل میں دن کو قیلولہ کرتے تو گرد چند درختوں کے رسی گھیر دیتے اور درمیان میں سو رہتے، نہ درندے کا ڈر ہوتا نہ چور کا کہ بدھنا یا لوٹا لے جاوے گا، شب کو گھروں میں ایک جگہ مقرر تھی، وہاں مشغول رہتے، اسی راحت و آرام میں چند سال گزر گئے، جناب خواجہؒ اس وقت کا ذکر بڑے ذوق وشوق سے بیان فرماتے تھے، پھر کہا کہ اگر حکم حضرت پیرو مرشد کا نہ ہوتا تو مخلوق کے درمیان رہنا جفا و قفائے خلق گوارا کرتا تو کہاں میں تھا اور کہاں یہ شہر، کسی کوہ و بیابان میں روپوش رہتا، میں نے عرض کی کہ حق وہی ہے جو حضور ارشاد فرماتے ہیں، مگر آپ کو یہاں سے رہنے کی تاکید اس واسطے فرمایا کہ ہم لوگ سعادت حاصل کریں[1]"

حضرت شیخ نصیر الدین مرشد سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً وطن سے دہلی آتے رہتے تھے، یہاں ہر جگہ ان کی بڑی پذیرائی ہوتی، یاران طریقت جس لطف و کرم سے ان کے ساتھ پیش آتے، اس کو اپنی زندگی کے آخری ایام میں بڑے ذوق

---

[1] دیکھو مجلس پنجاہ خیر المجالس کا اردو ترجمہ سراج المجالس کے نام سے مولانا احمد علی صاحب ٹونکی نے کیا ہے جو مسلم پریس دہلی میں چھپا تھا، یہ ترجمہ اگرچہ پرانے طرز کا ہے لیکن عاجز راقم کو اس میں بڑی کیفیت و تاثیر نظر آئی، اس لیے اس کو بغیر کسی ترمیم کے ہر جگہ نقل کر دیا ہے، خیر المجالس فارسی علی گڑھ ایڈیشن ص ۱۷۱-۱۷۰ کے اردو ترجمہ میں کہیں کہیں بعض جملے ایسے ہیں جو فارسی ایڈیشن میں نہیں ہیں، وہ رہنے دیے گئے ہیں، جس نسخہ سے اردو ترجمہ کیا گیا ہو اس میں شاید ہوں۔

Marfat.com

اور لذت سے یاد فرماتے ہیں:

''جب میں اودھ سے آیا کرتا تو اکثر یار میری دعوت کیا کرتے، مولانا برہان الدین غریب طاب ثراہ اور امیر خسرو اور امیر حسن وغیرہ احباب جب میرا آنا سنتے تو دعا گو کہ چند روز تک متواتر دعوت کیا کرتے اور شیخ سے استدعا کرتے، فلانے کو اجازت دعوت کھانے کی ہو اور ایک دن پہلے مجھ سے کہہ دیتے کہ کل ہمارے یہاں دعوت ہے کہ اگر اسی دن غیاث پور سے شہر کو جاؤں تو تھک جاؤں تو اس روز مولانا برہان الدین کے گھر میں رہا کرتا، دوسرے دن ان کے ہم راہ جاتا اور دعوت ظہر تک ہوا کرتی، کبھی عصر تک بھی رہنا ہوتا، جب لوٹتا تو بے وقت ہو جاتا تھا، غیاث پور تک پہنچنا نہ ہوتا، اس رات بھی مولانا برہان الدین کے گھر میں رہنا ہوتا، کبھی تیسرے دن بھی صبح کو کوئی یار آ جاتا اور کہتا، ذرا توقف کرو ناشتہ لاتا ہوں، غرض چاشت تک ٹھہرنا ہوتا، غرض دوپہر کو غیاث پور پہنچتا، پھر اس دن بھی شیخ کی زیارت کو نہ جا سکتا۔''

جب مرشد کی زیارت نہ ہوتی تو بڑی تکلیف محسوس کرتے، فرماتے ہیں:

''ان دنوں میں ایسا ہی ہوا کہ متواتر تین دعوتیں ہوئیں اور ہر دعوت میں تین تین دن شہروں میں رہنا پڑا اور نو روز تک زیارت شیخ میسر نہ ہوئی، ہر جگہ سے پیام دعوت آتا اور شیخ سے واسطے اجازت کے عرض کرتا، شاید ان دنوں یاد ہوتا ہے کہ خادم نصیر نامی تھا، فرمان شیخ پہنچا کہ فلاں جا دعوت میں جا، میں نے عرض کی کہ مجھ کو کچھ خدمت میں عرض ہے، اس پر مجھ کو طلب فرمایا، میں خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا، کیا کہتا ہے، میں نے عرض داشت کی کہ غلام اودھ سے اس اشتیاق میں آتا ہے کہ چند روز زیر قدم خواجہ رہے اور ہر روز آپ کو دیکھوں، یہاں ہر کوئی دعوت کرتا ہے اور حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کرتا ہے، مجھ کو حکم آتا ہے کہ دعوت میں جا، صبح سے جاتا ہوں اور مولانا برہان الدین غریبؒ کے گھر میں شب بھر رہتا ہوں اور دوسرا دن دعوت کا ہوتا ہے، اس دن بھی حضرت کی خدمت میں آ نہیں سکتا، تیسرے دن بھی لوگ روکتے ہیں کہ ذرا ٹھہرو، ناشتہ کر لو، دوپہر کو یہاں آنا ہوتا ہے، اس دن بھی زیارت نصیب نہیں ہوتی، تین دن مفت جاتے ہیں، یہ سن کر

Marfat.com

شیخ نے خادم سے فرمایا کہ جو کوئی مولانا کو بلانے آیا ہے اسے لوٹا دو اور کہہ دو کہ یاران شہر کی دعوت کریں اور ان کو معذور رکھیں[۱]"

خود مرشد کو اپنے مرید کی راحت اور خاطرداری کا بہت خیال رہتا تھا، فرماتے ہیں:

"ایک بار میں اودھ سے آیا تھا اور بھائی یعنی پدر خواجہ یوسف بھی ہم راہ تھے اور ان دنوں میں نے تقلیل طعام کی تھی، بھائی نے مبشر سے کہہ دیا کہ فلانے نے کھانا چھوڑ دیا ہے اور معرض تلف میں پڑا ہے، خدمت شیخ میں عرض کردے، مبشر نے خدمت شیخ میں اور بڑھ کر عرض کی کہ جب رکابی بھر کر فلانے کے واسطے لے جاتا ہوں تو بلاکم وکاست ویسی ہی لوٹ آتی ہے، جناب شیخ نے افطار کے وقت ایک قرص قریب دو سیر کے مجھے دیا اور بہت سا حلوہ اس پر رکھا تھا، جن یاروں کا صوم دوام ہوتا ان کو حضرت شیخ کے یہاں سے سوائے رمضان شریف سحری ملا کرتی، چنانکہ مولانا فخر الدین غریب زرادی اور مولانا حسام الدین ملتانی اور مولانا شہاب الدین کو، یہ ہمیشہ روزہ دار ہوتے تھے، مگر مولانا برہان الدین غریب کہ بسبب ضعف جسم روزے سے معذور تھے، ان کو ماہ رمضان میں سحری ملتی اور سحری کو کھچڑی روغن پڑی ہوئی آیا کرتی، یار جمع ہوتے اور ہاتھ دھو کر کھچڑی کھاتے، غرض جب شیخ نے مجھ کو وہ قرص دیا تو میں حیران ہوا کہ اس کو کس طرح کھاؤں گا، بیمار نہ ہو جاؤں، یہ قرص تو میرے بیس دن بلکہ زائد کو کافی ہے، بعد عشا وہ قرص میں نے روبرو رکھا اور کچھ کچھ کھانا شروع کیا، بعد آدھی رات کے تھوڑی آنکھ لگی تھی کہ فی الفور اٹھ کر وضو کیا اور تہجد کی نماز پڑھی، پھر وہ قرص لے کر کھانے بیٹھا، برکت ولایت شیخ سے صبح تک سب کھالیا اور کوئی زحمت نہ ہوئی[۲]۔

قیامِ دہلی: والدہ ماجدہ کی وفات کے بعد وطن چھوڑ کر مستقل طور پر دہلی تشریف لے آئے اور مرشد کے خاص حجرہ میں سکونت اختیار فرمائی، یہ حجرہ جماعت خانہ میں تھا[۳]، مرشد کی صحبت

۱؎ مجلس پنجاہ پنجم، ص ۱۴۱-۱۴۲ اردو ترجمہ خیر المجالس فارسی، ص ۱۸۷ ۲؎ خیر المجالس مجلس پنجاہ و پنجم، اردو، ص ۱۴۱-۱۴۲، فارسی، ص ۱۸۷-۱۸۶ ۳؎ سیر العارفین، ص ۹۴۔

Marfat.com

میں فقر، صبر، تسلیم و رضا کی تمام درویشانہ صفتیں پایہ تکمیل کو پہنچ گئیں، چنانچہ جیسا کہ سیر العارفین کے مؤلف کا بیان ہے:

> ''حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ کے خلفا اپنے مرشد اور شیخ نصیر الدینؒ کی ذات پر فخر کیا کرتے تھے۔'' (ص ۹۵)

مرشد کی جانشینی: جب حضرت محبوب الٰہیؒ نے حضرت شیخ نصیر الدینؒ میں وہ تمام باتیں بدرجۂ کمال پائیں جو جانشینی کے لیے موزوں تھیں تو ان کو دہلی میں اپنا جانشین مقرر فرمایا اور وفات کے وقت ان کو خواجگان سے جو خرقہ، عصا، کاسہ اور نعلین ملی تھیں ان کو عطا کر کے دہلی کے لوگوں کی جفاؤں کو صبر و سکون سے تحمل کرنے کی تلقین فرمائی[1] حضرت محبوب الٰہی کی وفات کے بعد جماعت خانہ ان کی بہن کی اولاد کو ترکہ میں ملا، اس لیے حضرت نصیر الدین نے اپنی قیام گاہ کے لیے وہ جگہ منتخب کی جہاں ان کی ابدی خواب گاہ ہے۔

تنگی معاش: جانشینی کا ابتدائی زمانہ بہت ہی تکلیف اور عسرت میں گزرا، اپنے ملفوظات میں ان ایام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بار روزہ رکھا، دو دن گزر گئے لیکن کچھ کھانے کو نہ ملا، میرا ایک آشنا نتھو نامی تھا، وہ دو روٹیاں اور ترکاری دسترخوان میں لپیٹ کر میرے پاس لایا، اس حال میں اس کھانے نے وہ مزہ دیا کہ بیان نہیں ہو سکتا، اکثر راتوں کو میرے گھر میں چراغ روشن نہ ہوتا، چند دن متواتر چولہا نہ سلگتا، میرے اعزہ سامان معاش کرنا چاہتے لیکن میں ان کو کرنے نہ دیتا، وہ میرا مزاج پہچان گئے تھے کہ میں مشقت اور بے سر و سامانی ہی میں خوش رہتا ہوں، اس لیے میرا خیال چھوڑ دیا، اگر کوئی دنیا دار مجھ سے ملنے آتا تو میں شیخ کا جبہ پہن کر بیٹھ جاتا، جب وہ چلا جاتا تو کھاروے کا لباس پہن لیتا، جامع شیخ پہن کر وضو کرنا پسند نہ کرتا لیکن اس کو پہن کر لوگوں سے اپنا فقر پوشیدہ رکھتا تھا[2]۔

فارغ البالی: کچھ دنوں کے بعد یہ تنگی جاتی رہی اور اچھے دن آئے مگر حضرت خواجہ نصیر الدین

---

[1] سیر العارفین، ص ۹۴ [2] خیر المجالس مجلس شصت و سویم فارسی، ص ۲۱۲-۲۱۳۔

Marfat.com

ان عسرت بھرے دنوں کو برابر یاد کیا کرتے تھے، دو دن کے فاقہ کے بعد ان کو جو کی روٹی اور ترکاری ملی تھی، اس کے مزے کو یاد کر کے سر ہلاتے اور فرماتے، سبحان اللہ! یہ فقر بھی کیا نعمت ہے، اس کے اول اور آخر دونوں خوب ہیں، وہ کیا عمدہ دن اور پر ذوق زمانہ تھا، یہ کہہ کر روتے گویا وہ ذوق پھر حاصل کر لیتے[1]۔

فارغ البالی کے زمانہ میں مہمان اور مریدوں کے لیے دستر خوان پر اچھے اچھے کھانے ہوتے، خود تو صائم الدہر ہوتے لیکن مہمانوں کو بڑے لطف و کرم سے لذیذ کھانے کھلاتے، کبھی کبھی کسی مہمان کی خاطر افطار کر لیتے، ایک بار دستر خوان پر حلوے کی کئی قسمیں تھیں، ایک حاجی نے عرب کے کھانے بھی اس موقع پر پیش کیے، حاضرین میں ایک صاحب نفل روزہ رکھے ہوئے تھے، حضرت خواجہ نصیر الدین نے ان کی خاطر افطار کر لیا اور یاروں کو خوب کھانے کی تاکید فرمائی[2]۔

تلقین: مہمانوں کو لذیذ کھانا کھلاتے وقت پند و نصیحت کا سلسلہ جاری رکھتے، ایک بار دستر خوان پر عمدہ پلاؤ تھا، حاضرین کو بڑی شفقت اور محبت سے کھلا رہے تھے، دست مبارک سے پلاؤ برتنوں میں ڈالتے جاتے اور تاکید فرماتے، یارو خوب کھاؤ، جب لوگ کھا چکے تو فرمایا، طعام حلال و طیب وہ ہے کہ کھانا کھاتے وقت یہ خیال رہے کہ خدائے تعالیٰ دیکھتا ہے، خدا کے واسطے کھائے اور نیت کرے کہ جو قوت اس سے پیدا ہوگی وہ طاعت و عبادت میں صرف ہوگی تو وہ شخص عین عبادت و نماز میں ہوگا، فرمایا، ایک دن صحابہ کرامؓ نے خدمت نبویؐ میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! ہم کھانا کھاتے ہیں مگر ہمارا پیٹ نہیں بھرتا، آپ ﷺ نے فرمایا، شاید تم تنہا کھاتے ہو، عرض کیا، ہاں ہر شخص الگ الگ کھاتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا، اب اکٹھا ہو کر کھایا کرو، پہلے بسم اللہ کہا کرو، اللہ تعالیٰ برکت دے گا[3]۔

---

[1] خیر المجالس مجلس شصت و سویم فارسی، ص ۲۱۳　[2] ایضاً مجلس ہفتاد و یکم فارسی، ص ۲۲۳　[3] ایضاً، پنجاہ و ہشتم فارسی، ص ۱۹۹۔

Marfat.com

ایک بار عید الضحیٰ کے دن بہت سے لوگ ملنے آئے، ان کی خاطر دستر خوان بچھایا گیا، جس پر اچھے کھانے اور اچھے جلوے تھے، حضرت خواجہ نصیر الدین نے اس موقع پر یہ حکایت سنائی کہ ایک بار ایک درویش شیخ ابوسعیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، ان کے سامان امارت میں بارگاہ شاہی، طنابہائے ریشمی اور میخہائے زریں دیکھ کر سوچنے لگا کہ یہ کیسی درویشی ہے، یہ تو کسی بادشاہ کو بھی میسر نہیں، حضرت ابوسعیدؒ نے اس کے خیال کو نور باطن سے معلوم کر لیا اور اس سے مخاطب ہو کر فرمایا، اے درویش! ہم نے خیمہ کی میخ دل میں نہیں نصب کی ہے، زمین میں گاڑی ہے، یہ بھی فرمایا کہ دنیا کی مثال تیرے سایہ کی ہے، اگر اس کی طرف تو رخ کرے تو تیرے پیچھے ہوگا اور اس کی طرف پشت کرے تو تیرے آگے ہوگا۔ (مجلس ۶۳، فارسی، ص ۲۱۴)

ایک اور موقع پر کچھ معتقدین حضرت خواجہ نصیر الدین کے سامنے پالودہ (فالودہ) نوش کر رہے تھے، حسب دستور پند و موعظت شروع کی اور فرمایا، ایک بار حضرت خواجہ ابراہیم بن ادہم قدس سرہ العزیز ایک بادشاہ کے حضور میں پیش کیے گئے[1]، بادشاہ نے ان کے لیے کھانا منگوایا، آراستہ دستر خوان پر پہلے ان کے سامنے پالودہ کا پیالہ رکھا گیا، حضرت خواجہ ابراہیم نے پیالہ کو غور سے دیکھا مگر اس میں سے کچھ کھانا پسند نہ کیا، بادشاہ نے پوچھا، پالودہ کو آپ دیکھتے ہیں لیکن کھاتے نہیں، حضرت خواجہ ابراہیم نے فرمایا، پالودے سے قیامت یاد آتی ہے، بادشاہ نے پوچھا، کس طرح؟ فرمایا، اس دن دو گروہ ہوں گے، ایک پالودہ اور ایک آلودہ، "**فریق فی الجنۃ وفریق فی السعیر**" کا اشارہ اسی طرف ہے، جس نے اپنے آپ کو دنیا میں مجاہدہ، طاعت و عبادت میں پالودہ کیا تو وہ بہشت میں جائیں گے اور جو آلودہ معصیت ہیں ان کو آتش دوزخ میں پاک و صاف کر کے بہشت لے جائیں گے، بادشاہ نے یہ سن کر کہا، اے

---

[1] حضرت ابراہیم بن ادہم ایک شہر کی مسجد میں مقیم تھے، رات کو دروازہ کھول کر باہر نکلے، چوکی دار نے چور سمجھ کر پکڑ لیا اور کوتوال نے بادشاہ کے حضور میں پیش کیا۔

Marfat.com

درویش! آپ کی باتوں سے میرا دل ہل گیا۔[1]

چراغ دہلی کا لقب: رفتہ رفتہ حضرت خواجہ نصیر الدین کے رشد وہدایت کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیلی، جب حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاریؒ مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو وہاں کے شیخ امام عبداللہ یافعی سے ایک عرصہ تک تعلیم و تربیت حاصل کرتے رہے، ایک موقع پر شیخ مکہ نے حضرت جلال الدین سے فرمایا، اگرچہ شہر دہلی کے بڑے بڑے مشائخ اٹھ گئے تاہم ان کی برکت کا اثر شیخ نصیر الدین محمود کے اندر موجود ہے، ان کی ذات بابرکات بہت غنیمت ہے، وہ چراغ دہلی ہیں اور مشائخ کی رسموں کو زندہ کرنے والے ہیں، حضرت سید جلال الدین بخاری نے جب یہ سنا تو ان کو حضرت خواجہ نصیر الدین محمود سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا اور وہ مکہ معظمہ سے دہلی آئے اور حضرت خواجہ نصیر الدین کی قدم بوسی کر کے شیخ مکہ نے جو کچھ کہا تھا، اس کو بیان کیا، اس کے بعد حضرت خواجہ نصیر الدین محمود کا لقب چراغ دہلی بھی ہو گیا اور اسی لقب سے مشہور ہوئے۔[2]

رشد وہدایت: مذہبی وروحانی استفادہ کے لیے ہند و بیرون ہند کے مختلف مقامات سے ہر طبقہ کے افراد آتے اور حضرت چراغ دہلیؒ حسب مراتب ان کی تربیت فرماتے۔

ایک مرتبہ ایک صاحب علم بیعت کے لیے آئے، یہ ہدایہ، بزدوی اور کشاف پڑھ چکے تھے، بیعت کے وقت حضرت چراغ دہلیؒ نے ارشاد فرمایا، جب کوئی طریقت میں داخل ہو تو اس کو چاہیے کہ اپنی آستین چھوٹی کرے، دامن اونچا رکھے اور سر منڈائے، آستین چھوٹی کرنے سے یہ مراد ہے کہ اس نے اپنا ہاتھ کاٹ ڈالا ہے تاکہ اس کو مخلوق کے سامنے نہ پھیلا سکے، دامن اونچا کرنے سے یہ مطلب ہے کہ اس نے اپنا پاؤں قطع کر لیا ہے، تاکہ کسی ایسی جگہ نہ جا سکے جو بری ہو اور جہاں معصیت ہوتی ہو، سر منڈانے کے معنی یہ ہیں کہ راہِ حق میں اس نے اپنا سر کاٹ لیا ہے اور اس سے کوئی بات خلاف شرع ظہور میں نہ آئے۔[3]

---

[1] مجلس ہفتادم فارسی، ص ۲۳۱ [2] سیر العارفین، جلد دوم ص ۱۵۶ [3] خیر المجالس، مجلس پانزدہم، فارسی، ص ۶۵-۶۶۔

Marfat.com

ایک بزرگ بیعت کے لیے آئے جو نسباً سید اور جوہری بازار کے داروغہ تھے، حضرت چراغ دہلی نے کلاہ منگائی، دست مبارک بیعت کے لیے آگے بڑھایا، اقرار لیا، دوگانہ نماز پڑھوائی، نماز کے بعد مخاطب کر کے فرمایا، ہر بات میں پیغمبر ﷺ کی متابعت کرنی چاہیے اور تمہارے لیے اور ضروری ہے کہ تم آل رسول ﷺ سے ہو، رسول ﷺ کی متابعت دو چیزوں میں ہے، جو کچھ خدا اور رسول ﷺ نے کہا، اس کو کرنا اور جس سے خدا اور رسول نے منع کیا اس سے بچنا، پھر فرمایا، خرید و فروخت میں ہرگز جھوٹ بات زبان پر نہ آنی چاہیے، مثلاً ایک چیز پانچ درم کی خریدی ہوئی ہے، جب کسی خریدار کو اس کے لینے پر آمادہ دیکھے تو یہ نہ کہے کہ میں نے چھ درم میں لی ہے، سات درم میں دوں گا، اس سے کچھ برکت نہیں ہوتی، بلکہ نقصان ہوتا ہے، ہاں اگر یہ کہے کہ پانچ درم ایک دام میں دوں گا تو اس کے ایک دام میں برکت ہوگی اور اس کا مال اسی طرح بڑھے گا کہ اس کو خود خبر نہ ہوگی کہ کہاں سے بڑھا[1]۔

ایک مرتبہ ایک عالم موضع سہانے سے آئے، حضرت چراغ دہلی نے پوچھا کہ کہاں سے آتے ہو؟ عالم نے کہا، سہانے سے جہاں کے اکثر لوگ آپ کے مرید ہیں اور وہاں کی عورتیں بھی یہیں سے بیعت رکھتی ہیں اور وہ مردوں سے زیادہ صالح ہیں، پھر پوچھا، کیا شغل رکھتے ہو؟ عالم نے کہا، لڑکوں کو پڑھاتا ہوں، فرمایا، یہ عمدہ کام ہے، مطالعہ کتب میں مشغول رہنا اور دوسروں کو قرآن مجید پڑھانا اچھی بات ہے لیکن جو دوسروں کو کلام پاک پڑھائے اس کو ہمیشہ باوضو رہنا چاہیے[2]۔

ایک درویش یمن سے آیا، حضرت چراغ دہلی نے اس کو اپنا پیراہن عطا کیا اور اپنے پاس بٹھایا، درویش نے کہا، آج میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ کوئی مجھ کو پیراہن پہناتا ہے اور کہتا ہے، یہ جامہ شیخ محمود کا ہے، اسی موقع پر چراغ دہلیؒ نے مریدوں کو مہمان نوازی کی تلقین

---

1 خیر المجالس، بست و ہشتم فارسی، ص ۹۵ 2 مجلس سی و دوم، اردو، ص ۷۵، فارسی، ص ۱۰۷۔

Marfat.com

کی اور فرمایا، مہمانوں کی تعظیم و تکریم سے ان کے دلوں میں یگانگت اور محبت پیدا ہوتی ہے[1]۔

ایک مرتبہ ایک خاتون آئیں اور ایک شخص کی معرفت مرید ہونے کا پیام کہلا بھیجا، حضرت چراغ دہلیؒ نے پانی کا ایک کوزہ منگوایا، اس کو اپنے سامنے رکھ کر کچھ پڑھا، پھر اس میں اپنی انگشت شہادت ڈبوئی اور اس شخص کو کوزہ دے کر کہا کہ اس کو خاتون کے پاس لے جاؤ، ان سے سلام کہنا اور کہنا کہ اپنی شہادت کی انگلی پانی میں ڈال کر کہیں کہ میں فلاں کی مرید ہوئی، اسی کے ساتھ خاتون کو یہ بھی کہلا بھیجا کہ وہ برابر نماز پڑھتی رہیں اور ایام بیض کے روزے رکھیں، غلام اور لونڈی کو نہ ستائیں، مار پیٹ نہ کریں اور اپنوں اور بے گانوں سے اخلاق سے ملتی رہیں[2]۔

ایک مرتبہ ایک کاشت کار آیا تو اس سے پوچھا، کیا کرتے ہو؟ اس نے عرض کیا، زراعت کرتا ہوں، فرمایا، لقمہ زراعت اچھا لقمہ ہے اور بہت سے کاشت کار صاحب حال گزرے ہیں، اس کے بعد ایک کاشت کار کی حکایت بیان فرمائی جس میں یہ نصیحت تھی کہ تخم ریزی کے وقت دل شاکر اور زبان ذاکر ہونی چاہیے، اسی سلسلہ میں فرمایا، کوئی کام بغیر نیک نیت کے کرنا درست نہیں، اگر کوئی اس نیت سے نماز پڑھے کہ لوگ اس کو دیکھ کر نمازی کہیں تو اس کی نماز روا نہیں اور بعض کے نزدیک وہ کافر ہو جاتا ہے کہ اس نے عبادت خدا میں اور کو بھی شریک کیا[3]۔

ایک مرتبہ شاہ پور سے ایک بزرگ آئے، حال پوچھنے پر عرض کیا کہ قناعت و توکل کی زندگی بسر کرتے ہیں، حضرت چراغ دہلیؒ نے فرمایا، ایک درویش کو چاہیے کہ اگر اس پر فاقہ گزرے تو بھی اپنی حاجت غیروں سے نہ بیان کرے اور اگر کوئی اس کے پاس آئے تو اپنے منہ پر طمانچہ مار کر گالوں کو سرخ کرلے کہ دیکھنے والا اس کے فقر و فاقہ سے مطلع نہ ہو، پھر بیان کیا کہ ایک بار آنحضرت ﷺ صحابہ کرامؓ کے ساتھ بیٹھے تھے، فرمایا، ہے کوئی جو

---

[1] مجلس سی ؤ ہفتم، اردو، ص ۶، فارسی، ص ۱۲۵ [2] مجلس چہلم فارسی، ص ۱۳۴ [3] مجلس چہل و ہشتم فارسی، ص ۱۵۶۔

Marfat.com

ایک بات کی ذمہ داری لے تاکہ میں اس کے لیے جنت کی ذمہ داری لوں، ثوبانؓ نے کہا، یارسول اللہ ﷺ! وہ میں ہوں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، کسی سے کچھ سوال نہ کرنا، ثوبانؓ نے اس حکم کو قبول کر کے کسی سے کوئی سوال نہ کرنے کا عہد کر لیا، ایک روز وہ گھوڑے پر سوار جارہے تھے کہ چابک ہاتھ سے گر پڑا، دوسرے سے اٹھا کر نہ مانگا، خود اتر کر اٹھایا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے کسی سے سوال کرنے سے منع فرمایا تھا، اس موقع پر حضرت چراغ دہلی کی مجلس میں ایک درویش نے پوچھا، جس چیز سے آنحضرت ﷺ نے ایک کو منع کیا ہو وہ امر کیا اوروں کے لیے بھی لازم ہو جاتا ہے، حضرت چراغ دہلیؒ نے فرمایا، ہاں، سب کے حق میں حکم ممانعت ہوتا ہے[1]۔

ایک درویش آیا اور کسی کے ظلم کی شکایت کی، حضرت چراغ دہلیؒ نے فرمایا، تحمل سے کام لو، اگر اور جفا کرے تو بھی معاف کر دو کیوں کہ ایک درویش کا یہی شیوہ ہوتا ہے[2]۔

ایک جوان عرب آیا، اس نے ایک کنگھی نذر کی، حضرت چراغ دہلیؒ نے دست مبارک سے شانہ دان اٹھا کر پرانی کنگھی نکالی اور اس نے نئی رکھی اور جب رکھ لی تو حاضرین سے پوچھا کہ کنگھی پہلے کس طرف سے رکھی، پھر خود ہی فرمایا، دندانوں کی طرف سے پہلے رکھنا چاہیے کیوں کہ وہ بالوں کی تفریق کا باعث ہے، پس جو چیز باعث تفریق ہو اس کو دور رکھنا مناسب ہے[3]۔

ایک مرتبہ عرب سے ایک عالم آئے، حضرت چراغ دہلیؒ نے پوچھا، کیا کام کرتے ہو، عرض کیا، مقنع بافی کرتا ہوں، حضرت چراغ دہلیؒ نے فرمایا، شیخ احمد نہروالہ بھی نور بافی کیا کرتے تھے، کبھی کبھی کرگھہ پر کام کرتے ہوئے ان پر ایسا حال طاری ہو جاتا کہ غائب ہو جاتے اور جب موجود ہوتے تو کپڑا بنا ہوا تیار پاتے، اس کے بعد کچھ حکایتیں بیان کیں اور فرمایا، کسب ہنر کا لقمہ پاکیزہ ہے، ابدال اللہ جو کوہستان میں رہتے ہیں، پہاڑ سے لکڑی، گھاس،

---

[1] مجلس چہل ونہم فارسی، ص ۱۶۳ [2] مجلس پنجاہ و دوم فارسی، ص ۱۷۷ [3] مجلس پنجاہ و دوم۔

Marfat.com

جنگلی اجوائن، پہاڑی میوے وغیرہ لا کر شہر میں بیچتے ہیں اور کھانا مول لے کر واپس جاتے ہیں[1]۔

حضرت چراغ دہلیؒ اپنی مجلسوں میں زیادہ تر کلام پاک اور احادیث نبویؐ کی تعلیمات پر گفتگو فرماتے، ایک موقع پر فرمایا کہ لوگوں نے قرآن وحدیث کو چھوڑ دیا ہے، اس پر عمل نہیں کرتے، اس لیے خراب و پریشان ہیں[2] اور اس کا اعادہ بار بار کیا کہ حضرت رسول اللہ ﷺ سے جو قول اور فعل صادر ہوا، وہ سزاوار متابعت ہے، فرمایا، ایک مسلمان کے ایمان کی بنیاد صرف دو چیزوں پر ہے، جو خدا اور رسول ﷺ نے فرمایا ہے، اس کی متابعت کرے اور جس سے ممانعت کی ہے، اس کو ترک کردے[3]۔

تارک نماز کے متعلق مریدوں کو ہدایت کی کہ اگر وہ محفل میں آکر بیٹھے تو اس کی تعظیم نہ کریں اور سلام کے جواب میں علیک نہ کہیں تا کہ اس کی اہانت ہو اور وہ شرمائے۔

نہ صرف نماز بلکہ نماز باجماعت کی بھی سخت تاکید فرماتے تھے، خود بھی تمام عمر نماز باجماعت کے پابند رہے، ایک مجلس میں یہ حکایت بیان کی کہ ایک بزرگ بڑے اچھے واعظ تھے، ان کے وعظ سے لوگ بہ کثرت تائب ہوتے اور کپڑے پھاڑ کر بے ہوش ہو جاتے، وہ بزرگ زیارت کعبہ کو تشریف لے گئے، وہاں سے واپسی پر ان کا وعظ سننے کے لیے لوگ اور بھی ذوق وشوق سے جمع ہوئے لیکن ان کے وعظ میں پہلی سی تاثیر مطلق نہ تھی، لوگوں نے ان سے کہا کہ زیارت کعبہ کے بعد ہم تو متوقع تھے کہ وعظ میں صد گونہ تاثیر اور بھی بڑھ گئی ہوگی، وہ بولے، سفر حج میں مجھ سے ایک قصور ہو گیا تھا، اسی وقت میں نے جان لیا تھا کہ مجھ سے یہ نعمت چھین لی جائے گی، وہ قصور یہ تھا کہ راستہ میں مجھ سے ایک بار نماز باجماعت فوت ہوگئی، یہ محرومی اسی شامت کی بنا پر ہے، اس حکایت کو بیان کر کے حضرت چراغ دہلیؒ

---

[1] مجلس نود و نہم، فارسی، ص ۲۷۹ [2] مجلس سی و نہم، فارسی، ص ۱۳۲ [3] مجلس ہشت و یکم فارسی، ص ۲۴۶ نیز دیکھو مجلس ہشتاد و ہفتم فارسی، ص ۲۵۸۔

Marfat.com

اس قدر روئے کہ حاضرین بھی رونے لگے اور جب آنسو رکے تو فرمایا، جو لوگ جماعت میں بالکل نہیں جاتے ان کا کیا حال ہوگا، وہ کتنی نعمتوں سے محروم رہتے ہوں گے اور پھر ایک اور حکایت بیان کی کہ ایک بزرگ کے پاس لوگوں کا ہجوم رہا کرتا تھا، بزرگ نے دل میں خیال کیا کہ خداوندا مجھ میں نہ کچھ طاعت ہے اور نہ عبادت ہے، پھر میرے پاس لوگوں کا اژدہام کیوں رہتا ہے، آواز آئی کہ اس کا یہ سبب ہے کہ تو جماعت میں شریک ہونے کی کوشش کرتا ہے اور اس خیال سے پریشان رہتا ہے کہ مبادا فوت نہ ہو جائے، یہ بات ہم کو پسند آئی اور اسی لیے تجھ کو یہ مقبولیت عطا کی[1]۔

نماز کے متعلق فرمایا، یہ حضورِ قلب کے ساتھ پڑھی جائے، نماز کے وقت اعضا کا قبلہ کعبہ شریف ہوتا ہے، اگر اعضا اس طرف نہ ہوں تو نماز درست نہیں ہوتی، اس طرح دل کا کعبہ ذات پاک حق تعالیٰ ہے، اگر دل اپنے قبلہ سے پھر جائے تو پھر یہ کیسی نماز ہوگی[2]۔

شاہی ملازمین کی اصلاح: حضرت چراغ دہلیؒ شاہی ملازمت کو روحانیت کے منافی سمجھتے تھے لیکن شاہی ملازموں میں سے جس کسی کو سچی طلب ہوتی، اس کی اخلاقی، مذہبی اور روحانی حالت سنوارنے میں دریغ بھی نہ کرتے تھے۔

خیر المجالس مجلس ہفتاد ہشتم فارسی ص ۲۴۲ میں ہے کہ ایک سید مرید ہونے آیا، وہ شاہی اہل قلم کے زمرہ میں شامل تھا، حضرت چراغ دہلیؒ نے اس کو مرید کیا اور فرمایا، نماز باجماعت پڑھا کرو، جمعہ کی نماز فوت نہ ہو، ایام بیض کے روزوں کو لازم جانو، جو شخص ایام بیض کے روزے رکھتا ہے اس کی روزی بڑھتی ہے، میرے اور مریدوں کو بھی یہ وصیت ہے کہ جو کام خدا اور رسول نے منع کیا ہے، وہ نہ کریں، پھر فرمایا، دنیا کی دولت میں بے ثباتی ہے، تم یہ خیال کر لو کہ تمہارے پائے گاہ کے گھوڑے تمہارے خدمت گار، تمہارے دینار و درم یہ ساری چیزیں ایک روز تم سے چھوٹ جائیں گی، پھر چھوٹنے والی چیزوں کا غم اور فکر کرنا بے فائدہ ہے،

---

[1] مجلس ششم فارسی، ص ۳۲-۳۳ [2] مجلس ہشتاد و ششم، فارسی، ص ۲۵۵۔

Marfat.com

فکر اور غم اس چیز کے لیے کرنا چاہیے جو ہمیشہ باقی رہے گی، غور سے دیکھو ہمارے سامنے کتنے تھے اور کتنے چلے گئے، آخر ہم سے پہلے تھے اور ہم سے پہلے چل دیے، پھر اس سید سے پوچھا کہ کیا کرتے ہو؟ جواب دیا قرآن مجید پڑھاتا ہوں، سید کے ایک ہم راہی نے کہا، یہ حافظ ہیں اور ان کے والد بھی حافظ اور صالح بزرگ تھے، حضرت چراغ دہلیؒ نے فرمایا، اگر کوئی گھر یا راہ میں شب و روز قرآن پڑھتا رہے اور ذکر خدا میں مشغول رہے تو اس کے لیے نوکری حجاب نہیں، وہ صوفی ہے اور اسی کے بعد حضرت سعدیؒ کا یہ شعر پڑھا:

مراد اہل طریقت لباس ظاہر نیست کمر بخدمت سلطاں بہ بند صوفی باش

ایک بار ایک عالم نے آکر عرض کیا کہ فلاں شاہی سردار (ملک) نے سلام عرض کیا ہے، حضرت چراغ دہلیؒ نے پوچھا، اس کا کیا حال ہے؟ عالم نے کہا کہ زر سرکاری کے مطالبہ میں اس کو قید کر دیا گیا ہے اور اس کو زدوکوب کیا جاتا ہے، حضرت چراغ دہلیؒ نے فرمایا، شغل دنیا یہی پھل دیتا ہے، اگلے زمانہ میں کام کرنے والے صرف خدائے تعالیٰ کے لیے کام انجام دیا کرتے تھے اور وہ معاملات میں جنید و شبلیؒ ہوتے تھے[1]۔

ایک لشکری آیا تو اس کو مخاطب کر کے فرمایا، اگر طلب دنیا میں نیت اچھی ہو تو فی الحقیقت طلب آخرت ہے[2]۔

سیر الاولیا (ص ۲۲۴) میں ہے کہ خواجہ قوام الدین حضرت شیخ نصیر الدین کے مرید صادق تھے، شاہی ملازمت میں داخل ہوئے تو کچھ دنوں کے بعد کسی الزام میں موقوف کر دیے گئے، ان پر سخت وقت پڑا، عزیزوں اور دوستوں کی نظریں ان سے بدل گئیں، ضرورت کے وقت اپنی کوئی چیز فروخت کرنے کے لیے بازار جاتے تو کوئی خریدنے کے لیے تیار نہ ہوتا، اسی پریشانی میں مرشد یاد آئے، چنانچہ وہ حضرت چراغ دہلی کی خدمت میں پہنچے لیکن وہ اپنا مدعا کہنے بھی نہ پائے تھے کہ حضرت چراغ دہلیؒ نے یہ قطعہ پڑھا:)

[1] مجلس بست و پنجم، فارسی، ص ۸۶ [2] مجلس ہشتاد و پنجم، فارسی، ص ۲۵۴۔

Marfat.com

دنیا چو مقدرست نخروشی بہ　　رزقے تو رسد بوقت کم پوشی بہ
چیزے نمی خرند نہ فروشی بہ　　گفت تو نمی کنند خاموشی بہ

خواجہ قوام الدین کا بیان ہے کہ میرے دل میں جو بات تھی، اس کو حضرت خواجہ نے اپنے نور باطن سے اس قطعہ میں ظاہر کر دیا اور میں نے سر جھکا کر عرض کیا کہ حضرت مخدوم نے جو کچھ فرمایا ہے، وہی بندہ کے دل میں ہے، خواجہ قوام الدین کا بھی بیان ہے کہ حضرت مخدوم کی اس کرامت سے میرے دل کو بڑی تقویت پہنچی۔

رجوعِ خلق سے ریاضت میں خلل: رشد و ہدایت کا سلسلہ اتنا بڑھتا گیا کہ حضرت چراغ دہلی کو ریاضت و مجاہدہ میں اگلی سے محنت شاقہ کرنے کے لیے وقت نہ ملتا تھا، خیر المجالس کے مرتب مولانا حمید شاعر کو ایک روز مخاطب کر کے فرمایا، اب مجھ کو خلوت میں عبادت کرنے کی فرصت نہیں ملتی، دن بھر اللہ کی مخلوق کے ساتھ رہتا ہوں، اکثر قیلولہ بھی میسر نہیں آتا، قیلولہ کرنا چاہتا ہوں تو لوگ آ کر جگا دیتے ہیں کہ فلاں آیا ہے، تم لوگوں کو فرصت ہے، عبادت میں مشغول رہو، مولانا حمید شاعر نے یہ سن کر عرض کیا کہ ہر چند جناب کا ظاہر خلق اللہ سے مشغول معلوم ہوتا ہے لیکن باطن شریف ہمیشہ حق سے مشغول رہتا ہے، حضرت چراغ دہلی نے فرمایا، رات کو البتہ کچھ ذکر یا وظیفہ ہو جاتا ہے لیکن دن میں کچھ نہیں ہوتا، پھر بھی عنایت ربانی سے ناامید نہیں ہوں، مولانا حمید شاعر کا بیان ہے کہ یہ بات فرما کر حضرت خواجہ نہایت شکستہ دلی سے رونے لگے اور پھر یہ شعر پڑھا:

ایں دلو تہی کہ در چہ انداختہ ام　　نو امید نیم کہ پر بر آید روزے[1]

حضرت چراغ دہلی کی ذات اقدس سے فیوض و برکات کا چشمہ برابر بہتا رہا، پھر بھی وہ فرماتے ہیں کہ میں کس لائق ہوں کہ شیخ بنوں، اب یہ کام بچوں کا کھیل ہو گیا ہے اور اسی کے ساتھ حضرت ثنائی کا یہ شعر پڑھتے:

---

[1] خیر المجالس مجلس دوازدہم، فارسی، ص ۶۰۔

Marfat.com

مسلماناں مسلماناں مسلمانی مسلمانی　　از یں آئین بے دنیا پشیمانی پشیمانی[1]

شاہی دربار سے تعلقات: معاصر تاریخوں میں تو نہیں لیکن بعض تذکروں میں ہے کہ سلطان محمد تغلق نے حضرت چراغ دہلی کو ایذا پہنچانے کی کوشش کی، سیر العارفین میں ہے[2]:

''ایک روز سلطان محمد تغلق نے ابتدائے زمانہ سلطنت میں حضرت شیخ نصیر الدین محمود کو اپنے گھر بلا کر اپنی داہنی طرف بٹھلایا اور التماس کیا کہ میں خراسان کی طرف جانے والا ہوں، مجھے منظور ہے کہ تم بھی میرے ہم راہ چلو، یہ سن کر شیخ نے فرمایا، انشاء اللہ تعالیٰ، تب بادشاہ نے کہا، یہ لفظ انشاء اللہ تعالیٰ کا واسطے تبعید کے واقع ہوا ہے، شیخ نے فرمایا، ہرگز یہ کلمہ کہنے سے کسی کام میں تبعید واقع نہیں ہوتی، بلکہ یہ لفظ واسطے تاکید کے ہے، اس درمیان میں سلطان نے طعام طلب فرمایا اور یہ قصد کیا کہ اگر شیخ نہ کھاویں گے تو ان کو ایذا پہنچاؤں گا، جب دسترخوان بچھایا گیا تو حضرت شیخ نے بکراہت تمام کھانا شروع کیا، اس کے بعد سلطان نے کہا، یا شیخ! مجھے کوئی نصیحت ایسی کیجیے جس پر میں عمل کروں، شیخ نے فرمایا، یہ درندوں کا سا غصہ جو تمہاری عادت اور طبیعت میں داخل ہے، اس کو چھوڑ دو، بعد اس کے سلطان نے ایک بدرہ زر سفید کا، دو قطعہ صوف سبز اور سیاہ شیخ کے پیش نظر کیے، مقصود یہ تھا کہ شیخ یہ ہدیہ خود اٹھائیں لیکن شیخ بالکل متوجہ نہ ہوئے، اسی اثنا میں خواجہ نظام الدین دبیر مقرب خاص سلطانی جو حضرت شیخ نظام الدین اولیا قدس سرہ کا مرید تھا، اس نے حضرت شیخ کے آگے سے وہ صوف اور زر نقد اٹھالیا اور کفش شیخ درست کر کے سامنے رکھ دیا، حضرت شیخ سلطان کی مسجد سے باہر آئے، مقرب سلطانی نے وہ صوف اور زر نقد خادم کے سپرد کیا اور پیشانی اپنی شیخ کی خاک پا پر مل کر رخصت حاصل کی، بادشاہ مقرب نظام الدین پر از حد غیظ و غضب میں ہوا، یہاں تک نوبت پہنچی کہ تلوار پر ہاتھ لے گیا اور لال ہو کر کہا، اے پستک[1]! تیری کیا مجال اور قدرت تھی جو تو نے بدرہ اور صوف شیخ کے سامنے اٹھا کر ان کی کفشیں میرے سامنے لا کر درست کر کے رکھ دیں، خواجہ نظام الدین مذکور میانہ قد تھا اور حضرت شیخ نظام الدین اولیا قدس سرہ کا منظور نظر تھا اور شعر گوئی

---

[1] اخبار الاخیار، ص ۷۶　[2] یہ عبارت سیر العارفین کے ترجمہ کی نقل ہے، جلد ۳، فارسی، ص ۹۶-۹۵۔

Marfat.com

میں حضرت خواجہ امیر خسرو علیہ الرحمۃ کا شاگرد تھا، فی الفور بادشاہ کو جواب دیا کہ اگر میں اس صوف اور زرِ نقد کو نہ اٹھاتا تو وہ آپ کے ڈولچہ ہی میں پڑا رہتا اور شیخ ہرگز اپنا ہاتھ اس پر نہ بڑھاتے اور کفشوں کو درست کر کے رکھنا یہ میرا عین فخر تھا، واللہ اگر اس وقت سلطان عالم مجھ کو قتل بھی فرمادیں گے تو میں نہایت خوش نود اور راضی ہوں گا، اس واسطے کہ آپ کی تنگ صحبت سے مجھ کو قیامت تک کے واسطے خلاصی ہو جائے گی، یہ سب کچھ کہہ گیا اور شیخ کی برکت سے بادشاہ اس کا کچھ نہ کر سکا۔"

حضرت خواجہ نصیر الدین کی طبیعت بڑی نرم اور میٹھی تھی، اس لیے سلطان کو ان کا جواب جو اوپر نقل کیا گیا ہے، ان کی طبیعت اور فطرت کے خلاف معلوم ہوتا ہے، یہ روایت اس لیے بھی مشکوک معلوم ہوتی ہے کہ یہ تمام باتیں حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے ایک دوسرے خلیفہ حضرت مولانا فخر الدین رزاوی کے حالات میں بھی بیان کی جاتی ہیں، اخبار الاخیار میں ہے:

"جب محمد تغلق نے دہلی کے لوگوں کو دیوگیر بھیجا تو ان ہی دنوں یہ چاہا کہ ملک ترکستان اور خراسان کی تسخیر کر کے وہاں سے چنگیز خانیوں کو نکال دے، شہر کے صدر و اکابر کو حکم دیا کہ جمع ہوں اور ایک بڑا خیمہ نصب کر کے اس کے نیچے اپنے بیٹھنے کے لیے ایک منبر رکھا تا کہ اس منبر پر لوگوں کو جہاد کی ترغیب دے، اسی دن مولانا فخر الدین زرادی، شیخ شمس الدین یحییٰ اور شیخ نصیر الدین محمود کو بھی بلایا، خواجہ قطب الدین دبیر جو شیخ نظام الدین اولیاؒ کے مریدوں میں اور مولانا فخر الدین زرادی کے شاگرد تھے، مولانا کو سب سے آگے سلطان کے دربار میں لے گئے، مولانا بار ہا فرماتے تھے، میں اپنے سر کو اس مرد کے سامنے پڑا ہوا دیکھتا ہوں، میں اس کی موافقت نہیں کرنا چاہتا، جب سلطان سے مولانا کی ملاقات ہوئی تو خواجہ قطب الدین نے مولانا کی جوتیاں اٹھا کر بغل میں لے لیں اور کھڑے ہو گئے، سلطان نے یہ دیکھ کر کچھ نہ کہا اور مولانا فخر الدین زرادی سے باتوں میں مشغول ہوا، اس نے کہا، میں یہ چاہتا ہوں کہ چنگیز خانیوں کو نکال دوں آپ اس کام میں میرا ساتھ دیں، مولانا

ل فارسی، اے دیرک کوتاہ۔

Marfat.com

نے فرمایا، انشاء اللہ تعالیٰ، سلطان نے کہا، یہ کلمہ تو کلمہ شک ہے، مولانا نے کہا، آنے والی بات کے لیے یہی کہا جاتا ہے، سلطان نے پیچ و تاب کھایا اور کہا، آپ مجھ کو نصیحت کیجیے تاکہ میں اس پر عمل کروں، مولانا نے فرمایا، اپنے غیض و غضب کو روکو، سلطان نے کہا، کون سا غیض و غضب، مولانا نے کہا، وحشیانہ، سلطان کو بڑا غصہ آیا لیکن اس نے حکم دیا کہ کھانا لاؤ، جب کھانا لایا گیا تو مولانا نے کراہت کے ساتھ تھوڑا سا کھانا کھایا، جب کھانا ختم ہو چکا تو ان بزرگوں کو، جو وہاں موجود تھے، ایک ایک جامہ صوف اور ایک ایک بدرہ سیم پیش کیا گیا، شیخ نصیر الدین محمود اور مولانا شمس الدین یحییٰ اور دوسرے بزرگ، جیسا کہ مشہور ہے، ان چیزوں کو ہاتھوں میں لے کر باہر نکلے، لیکن مولانا فخر الدین کے جامہ و بدرہ سیم کو خواجہ قطب الدین دبیر نے خود لے لیا، وہ جانتے تھے کہ مولانا نہیں لیں گے اور ان کی ہتک ہوگی، جب یہ تمام بزرگ واپس گئے تو سلطان محمد نے خواجہ قطب الدین دبیر سے کہا کہ اے فریبی بدبخت! تو نے یہ کیا حرکت کی کہ فخر الدین زرادی کو میری تلوار سے خلاصی دلا دی، خواجہ قطب الدین نے کہا، وہ میرے استاد ہیں اور میرے مرشد کے خلیفہ ہیں، مجھ پر لازم تھا کہ میں ان کا ادب کرتا، سلطان نے کہا، ایسے کفر آمیز عقیدوں کو چھوڑ دو، ورنہ تجھ کو مار ڈالوں گا، خواجہ قطب الدین نے کہا، زہے نصیب کہ میں اپنے مخدوم کی خاطر مارا جاؤں۔'' (ص ۸۶-۸۵)

اسی اخبار الاخیار میں محمد تغلق اور حضرت خواجہ نصیر الدین کے ناخوش گوار تعلقات کا جو ذکر ہے، وہ سیر العارفین کے بیانات سے مختلف ہے، ملاحظہ ہو:

''بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان محمد تغلق حضرت شیخ نصیر الدین محمود کو ان کے کمالات کے باوجود ایذائیں دیتا اور اپنے ساتھ سفر میں لے جاتا، کہتے ہیں کہ سلطان نے ان کو اپنا جامہ دار مقرر کیا تھا، وہ ان تمام باتوں کو اپنے پیر کی وصیت کے مطابق برداشت کرتے اور دم نہ مارتے تھے، ایک دفعہ سلطان محمد تغلق نے حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ کے لیے سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا بھیجا، مقصد صرف تکلیف پہنچانا تھا کہ اگر وہ کھانا نہ کھائیں گے تو ان سے پوچھا جائے گا کہ کیوں نہیں کھایا اور اگر کھا لیا تو سوال کیا جائے کہ سونے چاندی کے برتنوں میں کھا کر خلاف شرع کام

Marfat.com

کیوں کیا، جب کھانا شیخ کے سامنے پیش کیا گیا تو کچھ نہ بولے لیکن سونے کے پیالے سے کچھ یخنی نکال کر اپنی ہتھیلی پر رکھی اور پھر اس کو چکھا، دشمن ناکام واپس ہوئے۔" (ص ۵۷)

تاریخ فرشتہ میں بعض ایسی عجیب وغریب باتیں ہیں جو اور تذکروں میں نہیں ملتیں، چنانچہ وہ لکھتا ہے:

"بادشاہ محمد تغلق شاہ اپنے قتل وخون کی وجہ سے خونی کہلاتا تھا، اس کو درویشوں سے بھی سوءظن تھا، چنانچہ اس نے حکم دیا کہ تمام درویش خدمت گاروں کی طرح اس کی خدمت کریں، ایک اس کو پان کھلائے، ایک اس کو دستار باندھے، اسی طرح بہت سے مشائخ کو مختلف کاموں کے لیے مقرر کیا، شیخ نصیر الدین اودھیؒ المشہور بہ چراغ دہلیؒ کو کپڑا پہنانے پر مامور کیا لیکن انہوں نے اس خدمت کو انجام دینے سے انکار کیا، سلطان کو غصہ آیا اور ان کو قید کر دیا، شیخ کو اپنے پیر شیخ نظام الدین اولیا کی بات یاد آئی اور وہ مجبوراً سلطان کی خدمت کرنے پر راضی ہوگئے، قید سے ان کو نجات ملی، اسی مدت میں سلطان کو طرح طرح کے جھگڑے پیش آئے اور اس کی موت جلد ہوگئی، جس سے خدا کے بندوں کو نجات ہوئی۔" (تاریخ فرشتہ، جلد دوم، ص ۳۹۹)

حضرت چراغ دہلیؒ کے پیر بھائی خواجہ سید مبارک امیر خورد اپنی تصنیف سیر الاولیا میں حضرت چراغ دہلیؒ اور سلطان کے تعلقات کا ذکر ان مختصر طریقہ پر کرتے ہیں:

"سلطان محمد تغلق نے جس نے مملکت ہندوستان کے طول وعرض کو اپنے قبضہ میں لیا تھا، شیخ نصیر الدین محمود رحمہ اللہ کو جن کو تمام عالم بالاتفاق شیخ عصر تسلیم کرتا تھا اور جن کے بہت سے لوگ مرید تھے، ایذائیں پہنچائیں لیکن شیخ نصیر الدین محمودؒ نے اپنے پیروں کے اتباع میں تمام باتوں کو برداشت کیا اور بدلہ لینے کی کوشش نہیں کی، بادشاہ اپنی عمر کے آخری زمانہ میں ٹھٹھ کی مہم پر گیا، جو شہر دہلی سے ہزار کروہ پر واقع تھا، وہاں پہنچ کر شیخ نصیر الدین محمودؒ کو علما اور بزرگان دین کے ساتھ طلب کیا اور بجا طور پر ان کا احترام نہیں کیا، ان لوگوں نے تحمل سے کام لیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کو تخت سلطنت سے اتار کر تختہ تابوت پر شہر لائے، شیخ نصیر الدین محمودؒ سے سوال کیا گیا کہ آپ کو

Marfat.com

اس بادشاہ نے ایذا کیوں پہنچائی تو انہوں نے فرمایا کہ یہ معاملہ میرے اور حق جل اعلیٰ کے درمیان تھا، اس کو اسی طرح میں نے برداشت کیا۔'' (ص ۲۴۶-۲۴۵)

تعجب ہے کہ سلطان محمد تغلق نے حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ کو ایذائیں دیں کیوں کہ اس کو خود سلسلہ چشتیہ میں حضرت شیخ علاء الدینؒ نبیرہ حضرت شیخ فرید الدینؒ سے ارادت تھی، اس کے علاوہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کا بھی معتقد تھا، ایک روایت کے مطابق ان کے جنازہ کو کاندھا بھی دیا، ان کے روضہ مبارک کی عمارت اسی نے بنوائی (سیر الاولیا، ص ۱۵۴)، ایسی حالت میں ان کے جانشین کو ایذا دینا موجب حیرت ہے، اس کو اولیاء اللہ سے عقیدت بھی تھی، چنانچہ حضرت شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے لیے زبردستی خانقاہ بنوائی اور ان کو جاگیر دی، اسی طرح حضرت شیخ رکن الدینؒ کی وفات کے بعد ان کے مزار کے پاس ایک خانقاہ تعمیر کی اور اس کے لیے کچھ گاؤں وقف کیے[1]۔

اوپر کے اقتباسات سے بھی ظاہر ہوگا کہ دربار میں بزرگانِ دین آتے تو ان کو خلعت اور نذرانے بھی دیتا، حضرت برہان الدین غریبؒ سے اس کی خوش عقیدگی کا ذکر گزر چکا ہے، اسی طرح اس نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے ایک دوسرے خلیفہ شیخ قطب الدین منورؒ سے بھی اپنی عقیدت کا اظہار کیا، ان کے پاس چند گاؤں کا فرمان قاضی کمال الدین صدر جہاں کے معرفت بھیجا لیکن انہوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کردیا اور فرمایا، میرے خوجگان ایسی چیزوں کو قبول نہیں کرتے تھے، ان گاؤں کے جو طالب ہوں ان ہی کو دو، سلطان محمد تغلق ایک موقع پر ہانسی گیا، یہاں حضرت قطب الدین کی خانقاہ تھی لیکن سلطان ان سے نہ مل سکا تو ان کو دہلی آنے کی دعوت دی، چنانچہ وہ بادل ناخواستہ دہلی تشریف لے گئے اور جب دربار میں پہنچے تو اخبار الاخیار کے مصنف کا بیان ہے:

''چوں سلطان شیخ را دید طاقت نیاورد بہ تعظیم تمام پیش آمد و مصافحہ کرد۔''

---

[1] الدر المنظوم، ملفوظات حضرت جہانیاں جہاں گشت، اردو ترجمہ، ص ۵۲۵۔

Marfat.com

سلطان پر شیخ کا ایسا رعب طاری ہوا کہ وہ ان کا بے حد معتقد ہو گیا اور عرض کی کہ میں جب آپ کے شہر میں حاضر ہوا تو آپ نے کچھ تربیت نہیں فرمائی اور نہ ملاقات کا شرف بخشا، شیخ نے فرمایا، پہلے ہانسی کو دیکھو، پھر درویش بچہ ہانسی کو، یہ درویش اپنے کو اس لائق نہیں سمجھتا ہے کہ بادشاہوں سے ملاقات کرے، ایک گوشہ میں بیٹھا بادشاہوں اور تمام مسلمانوں کے لیے دعائیں کرتا رہتا ہے، اس کو معذور رکھنا چاہیے، سلطان اس بات سے متاثر ہوا اور شہزادہ فیروز سے، جو اس وقت موجود تھا، کہا:

''آں چناں کہ مقصود شیخ است ہم چناں کنید''

شیخ نے فرمایا، مقصود فقر اور باپ دادا کا گوشہ ہے، جب شیخ سلطان کے یہاں سے واپس تشریف لے گئے تو اس نے شہزادہ فیروز اور مولانا ضیاء الدین برنی کو ایک لاکھ ٹنکہ دے کر ان کے پاس بھیجا، شیخ نے اتنی بڑی رقم دیکھ کر فرمایا، یہ درویش ایک لاکھ ٹنکے لے کر کیا کرے گا، شہزادہ فیروز اور مولانا ضیاء الدین برنی سلطان کے پاس واپس گئے، سلطان نے پچاس ہزار ٹنکے دے کر پھر دونوں کو بھیجا، شیخ نے ان کو بھی قبول نہیں کیا، بالآخر دو ہزار ٹنکے بھیجے گئے لیکن ان کو بھی قبول نہیں کیا اور فرمایا، درویش کے لیے دو سیر کھچڑی اور ایک سیر روغن کافی ہے لیکن جب شہزادہ فیروز اور مولانا ضیاء الدین برنی نے بہت اصرار کیا تو دو ہزار کی رقم لے لی، کچھ تو مرشد کے مزار کے لیے محفوظ رکھی اور بقیہ فقرا میں تقسیم کر دی۔

مذکورہ بالا واقعات کا ذکر کرتے ہوئے تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ سلطان نے یہ تمام باتیں حضرت شیخ قطب الدین منورؒ کو ایذا دینے کے لیے کیں[1]، جو بظاہر قرین قیاس نہیں ہے، عام طور پر تذکرہ نگار جب بوریا نشینوں اور تخت نشینوں کے تعلقات کا ذکر کرتے ہیں تو کچھ نہ کچھ ایسی باتیں ضرور قلم بند کر دیتے ہیں، جن سے ان کے خیال میں درویشی کی شانِ عظمت و جلالت بڑھ جاتی ہے، اس لیے کیا عجب ہے کہ حضرت خواجہ نصیر الدین محمودؒ اور سلطان محمد تغلق

---

[1] اخبار الاخیار، ص ۸۰-۸۱۔

Marfat.com

کے تعلقات کے دکھانے میں بھی یہی صورت اختیار کی ہو، اس قسم کے واقعات مغلیہ دور کی تصانیف میں زیادہ پائے جاتے ہیں جن کے مصنّفین کو تیموریوں سے پہلے کے سلاطین کو کسی نہ کسی حیثیت سے مجروح کرنے میں لطف حاصل ہوتا تھا۔

شمس سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ سلطان محمد تغلق نے حضرت نصیر الدین کو ایذا دینے کے لیے ٹھٹھ نہیں بلایا تھا بلکہ وہاں اپنے ساتھ لے گیا تھا:

''چوں سلطان محمد و بنال طغی در ٹھٹھ رفت خدمت شیخ نصیر الدین را برابر خود مبرد[1]۔''

آگے چل کر مقدمہ دوازدہم میں ہے:

''خدمت شیخ نصیر الدین محمود علیہ الرحمہ والغفر ان را سلطان محمود در ٹھٹھ برابر خود بردہ بود واندراں ایام کہ سلطان محمد در زمین ٹھٹھ بحضرت الہ پیوست وحضرت فیروز شاہ بعون اللہ بر بادشاہی نشست خدمت شیخ نصیر الدین محمود برابر سلطان فیروز گشت[2]۔''

حضرت چراغ دہلیؒ اور سلطان فیروز شاہ: مولانا ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی (ص ۵۳۵) سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ ان علما و مشائخ و اکابر کے ساتھ شریک تھے، جنہوں نے ٹھٹھ میں بالاتفاق فیروز شاہ کو سلطان محمد کا جانشین بنایا لیکن شمس سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی کے بیانات نسبتاً زیادہ واضح ہیں، فیروز شاہ کی تخت نشینی کے سلسلہ میں ہے:

''جب سلطان محمد تغلق طغی کی بغاوت کو فرو کرنے کے لیے ٹھٹھ گیا تو وہ حضرت شیخ نصیر الدین کو اپنے ساتھ لے گیا، سلطان محمد نے ٹھٹھ میں وفات پائی اور سلطان فیروز شاہ بادشاہ ہوا، حضرت شیخ نصیر الدین نے سلطان فیروز شاہ کو پیغام دیا کہ آپ وعدہ کریں کہ خلق کے ساتھ عدل و انصاف کریں گے ورنہ ان بے کس بندوں کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دوسرا فرماں روا طلب کیا

---

[1] تاریخ فیروز شاہی، ص ۴۹ [2] ایضاً ص ۸۲۔

Marfat.com

جائے، سلطان فیروز نے جواب کہلا بھیجا کہ میں خداوند تعالیٰ کے بندوں سے حلم و بردباری کے ساتھ پیش آوں گا اور ان پر انصاف و محبت سے حکومت کروں گا، حضرت شیخ نے یہ جواب سنا تو کہلا بھیجا کہ آپ خلق کے ساتھ خلق و مروت سے پیش آئیں گے تو ہم بھی اللہ تبارک وتعالیٰ سے آپ کے لیے چالیس سال کی حکومت کے لیے دعا کریں گے اور آخر کار وہی ہوا جو حضرت شیخ نے فرمایا تھا، سلطان فیروز نے چالیس سال تک حکومت کی، ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ نے سلطان فیروز شاہ کو اکتالیس خرمے بھیجے جو بشارت پر بشارت خیال کی گئی۔" (ص ۲۹)

حضرت چراغ دہلی اور خان جہاں: سلطان فیروز شاہ کا لائق وزیر خان جہاں حضرت چراغ دہلی کا مرید تھا، یہ نسباً تلنگی ہندو تھا، سلطان محمد تغلق کے پاس حاضر ہو کر ایمان لایا اور اپنی غیر معمولی استعداد اور صلاحیت کی بنا پر ترقی کر کے محمد تغلق ہی کے زمانہ میں وزارت کے عہدہ پر مامور ہوا، فیروز شاہ کے عہد میں بھی وزارت کی باگ اسی کے ہاتھ میں رہی، جب وہ حضرت چراغ دہلیؒ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوا تو مرشد سے اپنے لیے عبادت و ریاضت کی تفصیل پوچھی، حضرت چراغ دہلیؒ نے فرمایا، تم وزیر مملکت ہو، تمہاری عبادت یہی ہے کہ حاجت مندوں کی حاجت برآری میں انتہائی کوشش کرو، خان جہاں نے اوراد و وظائف کے لیے اصرار کیا تو فرمایا، اگر تم ہمیشہ باوضو رہو تو تمہارے لیے یہی بہتر ہے، خان جہاں مرشد کی ہدایت کے مطابق ہمیشہ باوضو رہنے لگا، شمس سراج عفیف مصنف تاریخ فیروز شاہی کا بیان ہے کہ اس امر میں خان جہاں اتنی احتیاط کرتا تھا کہ اگر دربار میں مسند وزارت پر اس کو وضو کی حاجت ہو جاتی تو فوراً اٹھ کر وضو کر لیتا اور رات کو جب اپنے بستر حریر پر سونے کے لیے جاتا تو پلنگ کے پاس آفتابہ اور ایک تشت رکھوا لیتا اور جب آنکھ کھلتی فوراً پلنگ سے اتر کر وضو کر لیتا، وفات کے بعد حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ کے قریب دفن ہوا، تمام خلقت خدا نے اس کے لیے ماتم کیا اور جیسا کہ شمس سراج عفیف کا بیان ہے کہ ہر شخص تعزیت میں مسجدوں اور مقبروں میں جا بیٹھا، یہ کہنا غالباً صحیح ہوگا کہ خان جہاں کی

Marfat.com

خداترسی اور عدل پروری کی جلا حضرت چراغ دہلیؒ ہی کی صحبت میں ہوئی، اس کے اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے شمس سراج عفیف رقم طراز ہیں:

''خان جہاں وزیر صاحب تدبیر اور خداترس تھا، ہر وقت رعایا کی بہتری اور فلاح کی کوشش میں لگا رہتا، کسی شخص پر ذرہ برابر بھی ظلم روا نہ رکھتا، اگر کوئی ظلم کرتا اور مال لے کر آتا تو خان جہاں مال کے اس اضافہ کو پسند نہ کرتا، ہر وقت رعیت کی راحت رسانی میں سرگرم رہتا، کام کرنے والے گروہ کی حمایت کرتا اور دل و جان سے اس کے قصور کی پردہ پوشی کرتا اور اگر کسی عامل سے کوئی جرم سرزد ہو جاتا تو نہایت عمدہ طریقہ پر اس کا حال بادشاہ سے عرض کر کے اس کو شاہی باز پرس سے بری کرا دیتا، خان جہاں کی وفات پر تمام خلقت خدا نے ماتم کیا، حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام آثار اس کی مغفرت کی دلیل ہیں[1]۔''

حضرت چراغ دہلیؒ اور حضرت قطب الدین منورؒ کی ملاقات: جب حضرت چراغ دہلیؒ سلطان فیروز کے ساتھ ٹھٹھ سے واپس ہو رہے تھے تو انہوں نے حضرت قطب الدین منور کی ملاقات کے لیے ہانسی کا رخ کیا، حضرت قطب الدین منور کو جب معلوم ہوا کہ حضرت چراغ ان کی خانقاہ کے قریب پہنچ گئے ہیں تو برہنہ پا دوڑے اور دونوں ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے، حضرت منورؒ نے حضرت چراغ دہلیؒ کے قدموں کی جانب ہاتھ بڑھایا اور حضرت چراغ دہلیؒ نے شیخ منورؒ کے قدم لینے کا ارادہ کیا، اس تواضع کے بعد دونوں بڑی محبت و یگانگت کے ساتھ ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے خانقاہ تشریف لائے اور اپنے پیر و مرشد کو یاد کر کے بہت روئے، اس کے بعد محفل سماع منعقد ہوئی، جس میں دونوں بزرگوں پر سکر کا عالم طاری ہوا، سماع کے بعد عصر کی نماز کا وقت آیا تو حضرت شیخ منور نے حضرت چراغ دہلیؒ کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ آپ امامت کریں، حضرت چراغ نے حضرت منور کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا، امامت آپ کے لیے زیبا ہے، یہ بھی فرمایا کہ اگرچہ پیر و مرشد نے ہم دونوں بھائیوں کو

---

[1] تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف، ص ۴۲۳-۴۲۲۔

Marfat.com

ایک ہی روز خرقہ خلافت عطا کیا تھا لیکن آپ کو چاشت کے وقت خلافت ملی اور مجھ کو ظہر کی نماز کے وقت اس سے مشرف فرمایا، اس لیے امامت کے لیے بھی آپ ہی کا حق مقدم ہے، مرشد کے ذکر پر حضرت شیخ منور امامت کے لیے آگے بڑھے، شمس سراج عفیف کا بیان ہے کہ جب دونوں عارفان حق نماز ادا کر رہے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ فرش زمین پر قران السعدین ہے[1]۔

دونوں بزرگان دین میں شروع سے آخیر تک غیر معمولی محبت رہی، حضرت شیخ منورؒ کے یہاں جب حضرت چراغ دہلیؒ کا کوئی مرید آتا تو فرماتے، آؤ، میرے قریب بیٹھو، تم میرے برادر زادہ ہو، پھر اس پر بے حد کرم فرماتے، اسی طرح اگر کوئی شخص ہانسی سے حضرت چراغ دہلی کی قدم بوسی کے لیے آتا تو آپ اس کو اپنی آغوش شفقت میں لیتے اور اپنی خانقاہ میں اعزاز و اکرام کے ساتھ مہمان رکھتے[2]۔

ذوقِ سماع: خواجگان چشت کی طرح حضرت چراغ بھی سماع کا ذوق رکھتے تھے، ایک مرتبہ خانقاہ کی ایک مجلس میں حسب ذیل شعر پر وجد آیا:

جفا بر عاشقاں گفتی نخواہم کرد ہم کردی قلم بر بے دلاں گفتی نخواہم راند ہم راندی

مولانا مغیث شاعر نے ایک رسالہ میں اس محفل کا پورا حال بیان کر کے یہ اعتراض کیا کہ اس شعر میں کوئی بات نہیں ہے، اگر جور و جفا کی نسبت خداوند تعالیٰ کی جانب کی جائے تو یہ کفر ہے، اسی قسم کے اور اعتراضات بھی کیے، مولانا مغیث نے یہ رسالہ مولانا معین الدین عمرانی کو دیا، انہوں نے حضرت چراغ دہلی کی خدمت میں پیش کیا، حضرت نے اس کو پڑھا لیکن کچھ ارشاد نہیں فرمایا اور رسالہ واپس کر دیا، کچھ دنوں کے بعد ایک اور مجلس میں حضرت چراغ کو ان شعروں پر بڑی بے قراری ہوئی:

ما طبل معانہ دوش بے باک زدیم عالی علمش بر سر افلاک زدیم
از بہر یکے منع بچہ می خوارہ صد بار کلاہ توبہ بر خاک زدیم

۱؎ تاریخ فیروز شاہی، ص ۸۷-۸۱ ۲؎ ایضاً ص ۸۴۔

Marfat.com

اوراسی بے قراری کے عالم میں چھت پر تشریف لے گئے اور مولانا مغیث کو بلایا، جب وہ سامنے آئے تو فرمایا:

"ہاں مولانا بنویسی ایں جا چہ جہل بود[1]"

جب کبھی سماع کی وجہ سے سکر کا عالم طاری ہوتا تو بھی نماز قضا نہ ہونے پاتی، ایک بار ظہر کے وقت وجد آیا، جو تہجد کی نماز تک قائم رہا لیکن اس اثنا میں جب نماز کا وقت آتا تو ہر بار وضو کر کے نماز ادا فرماتے[2]۔

سماع کے ساتھ مزامیر پسند نہیں فرماتے تھے، ایک روز حضرت محبوب الٰہیؒ کے مریدوں نے مجلس سماع منعقد کی، قوالوں نے دف کے ساتھ گانا شروع کیا تو حضرت چراغ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے، لوگوں نے بیٹھنے کی درخواست کی تو فرمایا، یہ خلاف سنت ہے، حضرت محبوب الٰہی کو یہ واقعہ سنایا گیا تو آپ نے فرمایا، وہ سچ کہتے ہیں اور حق وہی ہے جو وہ کہتے ہیں[3]۔

ایک بار کسی نے مجلس سماع میں حضرت چراغ دہلی سے مزامیر، دف، رباب اور رقص کے متعلق استفسار کیا تو فرمایا، مزامیر بالاجماع مباح نہیں ہیں، اگر کوئی طریقت سے گرے تو کم از کم شریعت میں رہے اور اگر شریعت کا بھی نہ ہوگا تو پھر کہاں کا رہے گا اور نجات کی کیا صورت ہوگی، اول تو سماع ہی میں علما کا اختلاف ہے، اگرچہ کچھ شرائط کے ساتھ اس کو مباح کیا گیا ہے لیکن مزامیر تو بالاتفاق حرام ہیں[4]۔

سماع کے متعلق فرمایا:

"در روے دردمنداں است۔"

اور سماع میں ذوق درد دل سے ہوتا ہے، نہ کہ مزامیر سے[5]۔

---

[1] جوامع الکلم، ملفوظات حضرت گیسو دراز و اخبار الاخیار، ص ۷۶ [2] مفتاح العاشقین، ص ۴۵ [3] اخبار الاخیار، ص ۷۶ [4] خیر المجالس، مجلس ہشتم فارسی، ص ۴۲ و اخبار الاخیار، ص ۷۶ [5] پوری بحث کے لیے دیکھو مفتاح العاشقین مجلس ہشتم۔

Marfat.com

قاتلانہ حملہ: ایک روز حضرت چراغ دہلی نماز ظہر کے بعد جماعت خانہ سے آکر اپنے حجرہ خاص میں مراقبہ میں مشغول تھے کہ ایک قلندر سمی تراب وہاں پہنچا اور چھری سے پے در پے حملے کیے، خون حجرے کے باہر بہنے لگا لیکن ان کے استغراق میں فرق نہیں آیا، خون دیکھ کر مریدین حجرے میں گئے اور قلندر کو سزا دینی چاہی لیکن حضرت چراغ نے روکا اور اپنے مریدین خاص عبدالمقتدر، شیخ صدرالدین طیب اور شیخ زین الدین علی کو پاس بلا کر قسم دی کہ کوئی شخص قلندر کو ایذا نہ پہنچائے، پھر قلندر سے معذرت کی کہ اگر چھریاں مارتے وقت تمہارے ہاتھوں کو تکلیف پہنچی ہو تو معاف کرنا اور بیس ٹنکہ زر دے کر اس کو رخصت کیا،[1] ان ہی اوصاف کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ چشتیہ سلسلہ میں صبر، رضا و تسلیم کا خاتمہ ان پر ہو گیا۔

وصال: اس قاتلانہ حملہ کے بعد تین سال تک اور خلق اللہ کے رشد و ہدایت میں مشغول رہے، ۱۸ رمضان المبارک شب جمعہ ۷۵۷ھ میں رحلت فرمائی۔

وفات سے پہلے مولانا زین الدین علی نے عرض کیا کہ آپ کے اکثر مرید اہل کمال ہیں، کسی کو سجادہ نشین مقرر فرما دیں تاکہ سلسلہ جاری رہے، فرمایا، ان درویشوں کے نام لکھ لاؤ، جن کو تم اس لائق سمجھتے ہو، مولانا زین الدین نے تین قسم کے درویشوں کا انتخاب کیا، اعلیٰ، اوسط اور ادنیٰ، حضرت خواجہ نے ان کے نام دیکھ کر فرمایا، یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے دین کا غم کھائیں گے لیکن دوسروں کا بار نہ اٹھا سکیں گے، اس کے بعد وصیت فرمائی کہ دفن کرتے وقت حضرت شیخ نظام الدین قدس سرہ کا خرقہ مبارک میرے سینہ پر، ان کا عصا میرے پہلو میں، ان کی تسبیح میری شہادت کی انگلی میں، ان کا کاسہ خشت کے بجائے میرے سر کے نیچے اور ان کی چوبیں نعلین میرے بغل میں رکھ دی جائیں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز نے غسل دیا اور جس پلنگ پر غسل دیا گیا اس کی ڈوریاں پلنگ سے جدا کر کے اپنی گردن میں ڈالیں کہ میرے لیے یہی خرقہ ہے اور یہی کافی ہے[2] مزار اقدس دہلی میں ہے۔

---

[1] سیر العارفین، ص ۹۶ [2] ایضاً ص ۹۷۔

Marfat.com

لطافت طبع: طبیعت میں بہت پاکیزگی اور مزاج میں بڑی لطافت تھی، حضرت سید گیسودراز اپنے ملفوظات جوامع الکلم (ص ۱۱۲) میں فرماتے ہیں کہ جس جگہ آپ بیٹھتے، وہ بہت ہی پاک صاف اور روشن معلوم ہوتی، وہاں ایک تنکہ بھی دکھائی نہیں دیتا، کسی وقت یہ نہیں معلوم ہوتا کہ جسم مبارک پر جو کپڑا ہے وہ کل زیب تن فرمایا ہے یا آج پہنا ہے، دامن اور آستینوں کی شکن سے کچھ اندازہ ہوتا کہ وہ دو دن کا پہنا ہوا ہے، دائیں بائیں پھولوں کا انبار لگا رہتا تھا۔

تجرد: مرشد کی سنت کی پیروی میں تمام عمر ازدواجی تعلق سے آزاد رہے۔

بزرگی: خیر المجالس کے مرتب مولانا حمید قلندر رقم طراز ہیں کہ حضرت خواجہ نصیر الدین محمود علم میں ابوحنیفہ وقت اور زہد و ورع میں حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ کی جگہ پر تھے[1]، مفتاح العاشقین کے مرتب مولانا محب اللہ حضرت خواجہ کو عمدۃ الابرار، قدوۃ الاخیار، ملک السالکین، برہان العاشقین، ختم المشائخ کے القاب سے یاد کیا ہے[2]:

لطائف اشرفی میں ہے: (ج ۱، ص ۳۶۲)

> "حضرت قدوۃ الکبریٰ می فرمودند کہ ہر چند کہ خلفا حضرت سلطان المشائخ ہمہ بر مسند شیخوخیت وارشاد بر جادہ شریعت وانقیاد بودند، اما حضرت شیخ نصیر الدین محمود را حق تعالیٰ ولایتے کرامت کردہ بود کہ بداں رتبہ ہیچ کس از خلفا نتوانند رسید وآں مقدار آثار ولایت وکرامت وانوار ہدایت وعظامت کہ از حضرت شیخ نصیر الدین ظہور پیوست از ہیچ کس ظاہر نہ شد، بلکہ در ہمہ ہندوستان ہیچ صاحب ولایتے مقاومت ایشاں نتوانست۔"

سیر العارفین میں ہے:

> "وہ مبارز نبرد جہاد اکبر، وہ شاہد شہود اطہر اظہر وصنوبر ریاض ریاضت ونیلوفر فیوض افادت، وہ مثال تنزیہ، تشبیہ، وہ عامل تنقیح وتوضیح وہ برگزیدہ معبود تھے، وہ مشائخ کبار میں ممتاز و

---

[1] خیر المجالس، مجلس دوم، فارسی، ص ۱۲ [2] مفتاح العاشقین تمہید۔

Marfat.com

مستثنیٰ اور مجردان روزگار میں اولی الابصار تھے۔[۱]"

مولانا عبدالحق نے اخبار الاخیار میں حضرت خواجہ کو مستغرق بہ بحرِ شہود کے لقب سے یاد کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ اپنے شیخ کا بہت اتباع کرتے تھے، ان کا طریقہ فقر، صبر، رضا اور تسلیم تھا۔[۲]

سفینۃ الاولیا (ص ۱۷۱) میں ہے کہ خواجہ سے اتنی کرامتیں صادر ہوئیں کہ سلطان المشائخ کے کسی مرید سے اتنی ظاہر نہ ہوئی ہوں گی، خزینۃ الاصفیا میں ہے:

"صاحب الاسرار زبدۃ الابرار و عابد عظیم و زاہد کریم بود۔"

ملفوظات: حضرت چراغ کے ملفوظات کے دو مجموعے مشہور ہوئے، (۱) خیر المجالس، مرتبہ مولانا حمید قلندر شاعر، (۲) مفتاح العاشقین، مرتبہ مولانا محب اللہ، ان دونوں میں خیر المجالس زیادہ مقبول ہوئی، اس میں ۷۵۵ھ سے ۷۵۶ھ تک کی سو مجلسوں کے ملفوظات ہیں، تمام صوفیانہ رموز و نکات لذیذ حکایتوں کے پیرایہ میں واضح کیے گئے ہیں، اس لیے پوری کتاب شروع سے آخر تک دل چسپ ہے، گذشتہ صفحات میں اس کی تعلیمات کا ذکر جستہ جستہ آچکا ہے، جگہ کی قلت کی وجہ سے ہم ان کے اور مسائل کو تفصیل کے ساتھ قلم بند کرنے سے معذور ہیں، پھر بھی کچھ مباحث ہدیہ ناظرین ہیں۔

جذب و سلوک: فرمایا سلوک میں ارادت ضروری شرط ہے تاکہ مرشد طریقہ ذکر و فکر کی تعلیم دے سکے اور جہاں ایک سالک کو وقفہ عارض ہو، وہاں مرشد دست گیری کرے، ایک سالک متدارک بجذبہ اور ایک مجذوب متدارک بہ سلوک ہوتا ہے، سالک متدارک بجذبہ وہ ہے جو علم و عمل اور ارادت کی قوت سے پہلے سلوک پھر بعد میں جذبہ حاصل کرتا ہے، وہ اپنے اعمال میں خون جگر پیتا ہے، رنج و تعب اٹھاتا ہے، اس کو نفس شیطان معصیت میں آلودہ کرنا چاہتے ہیں لیکن وہ تائب ہو کر عابد و زاہد رہتا ہے، مجذوب متدارک بہ سلوک وہ

---

۱ سیر العارفین، ص ۹۲ ۲ اخبار الاخیار، ص ۸۷۔

Marfat.com

ہے جو پہلے جذبہ اور آخر میں سلوک حاصل کرتا ہے، وہ جو کچھ کرتا ہے، جذبہ کی قوت سے کرتا ہے، شیطان اور نفس دونوں کو اس کے یہاں دخل نہیں، حضرت چراغ کی رائے ہے کہ سالک متدارک بجذبہ اور متدارک بہ سلوک دونوں کی متابعت کی جاسکتی ہے لیکن مجذوب مطلق اور سالک نامتدارک بجذبہ اتباع کے لائق نہیں ہوتے، حضرت چراغ دہلیؒ کے نزدیک سالک متدارک بہ جذبہ مجذوب متدارک بہ سلوک سے افضل تر ہے، سالک کی ایک قسم واقف بھی ہوتی ہے جو علم اور مجاہدہ کے زور سے سلوک حاصل کر لیتا ہے لیکن کسی لغزش کی وجہ سے آگے نہیں بڑھنے پاتا، ایسی حالت میں مرشد مدد کرتا ہے ورنہ اس کو شیطان طمانچے مارتا رہتا ہے[1]۔

حال وقال: فرمایا ایک مبتدی تلاوت کلام پاک، نماز اور فکر میں وقت صرف کرتا ہے اور جب وہ اپنے اوقات کو عبادت وریاضت سے معمور کر لیتا ہے تو وہ صاحب وقت کہلاتا ہے، اس کے بعد ایک حال قائم ہوتا ہے جس میں انوار نازل ہوتے ہیں، اس کا اثر دل پر پہنچتا ہے اور دل سے اعضا میں سرایت کرتا ہے لیکن اس حال میں دوام نہیں ہوتا، اگر اس کو دوام حاصل ہو جاتا ہے تو یہ مقام ہے اور جب مقام کو دوام حاصل ہوتا ہے تو مبتدی منتہی کے درجہ پر پہنچ جاتا ہے، وہ صاحب انفاس کہلاتا ہے[2]، اس کی ہر سانس پاکیزہ ہوتی ہے اور وہ غیر حق کے تمام خیالات دل سے محو کر دیتا ہے۔

صحت نفس: حضرت چراغ نے نفس کی تربیت پر بڑا زور دیا، فرمایا، محافظت نفس کے لیے مخالفت نفس ضروری ہے، چنانچہ ایک موقع پر اپنی ساری تعلیم کا لب لباب اس شعر میں پیش کیا:

صحت نفس وقوتِ یک روزہ   بہتر از تاج و تخت فیروزہ[3]

مفتاح العاشقین مرتبہ مولانا محب اللہ اٹھائیس صفحے کا ایک مختصر رسالہ ہے، جو مطبع مجتبائی دہلی میں چھپ گیا ہے، اس کے مطبوعہ نسخہ کے آخیر میں ہے:

---

[1] خیر المجالس دہم فارسی، ص ۴۸ [2] خیر المجالس مجلس دہم، فارسی، ص ۴۸ [3] ایضاً مجلس سی ونہم، فارسی، ص ۱۳۲۔

''تمام شد ملفوظ حضرت سلطان المشائخ شیخ نصیر الحق والشرع والدین قدس اللہ سرہ

Marfat.com

العزیز تاریخ سیزدہم ماہ صفر ۸۸۰ھ نبوی روز پنجشنبہ وقت نماز ظہر۔"

۸۸۰ھ کتابت وطباعت کی غلطی معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ حضرت چراغ دہلی کا وصال ۷۵۷ھ میں ہوا۔

مفتاح العاشقین میں صرف دس مجلسوں کے ملفوظات ہیں، ان میں سے بھی کچھ باتیں پیش کی جاتی ہیں۔

غسل کی قسمیں: فرمایا، ایک مرید کے لیے تین قسموں کا غسل ضروری ہے، (۱) غسل شریعت یعنی جسم سے ناپاکی دور کرنا، (۲) غسل طریقت یعنی تجرد اختیار کرنا، (۳) غسل حقیقت یعنی باطن کا توبہ کرنا۔ (ص ۴)

چار عالم: فرمایا، ایک مرید کو راہ سلوک میں حسب ذیل چار عالم سے واقف ہونا ضروری ہے، اگر وہ واقف نہیں ہے تو دروغ گو ہے:

(۱) ناسوت، (۲) ملکوت، (۳) جبروت، (۴) لاہوت۔

عالم ناسوت حیوانات اور نفس کی دنیا ہے، اس میں حواس خمسہ سے افعال صادر ہوتے ہیں، سالک اپنی ریاضت اور مجاہدہ سے اس عالم سے گزر کر عالم ملکوت میں پہنچتا ہے، جہاں اس کے افعال صرف تسبیح تہلیل، قیام، رکوع اور سجود تک محدود ہوتے ہیں، اس عالم کو طے کر کے وہ عالم جبروت میں آتا ہے جہاں صرف شوق، ذوق، محبت، اشتیاق، طلب وجد ،سکر، صحو، مجد اور محو کے سوا کچھ اور نہیں ہوتا، اس کے بعد وہ عالم لاہوت میں داخل ہوتا ہے جو بالکل لامکان ہے، یہاں نہ گفتگو ہے اور نہ جستجو، عالم ناسوت کی صفت، عالم ملکوت کی صفت، عالم جبروت روح کی صفت اور عالم لاہوت نظر رحمان کی صفت ہے۔

تجلیہ روح: ایک دوسری جگہ فرمایا کہ سالک جب تک تزکیہ، تصفیہ اور تجلیہ حاصل نہیں کرتا اس میں درویشی کا جوہر پیدا نہیں ہوتا، ان ہی کے ذریعہ سے شریعت، طریقت اور حقیقت کے مراتب حاصل ہوتے ہیں، حصول شریعت سے تزکیہ نفس ہوتا ہے اور اس کے لیے کم کھانا

Marfat.com

اور رات کو نوافل پڑھنا ضروری ہے، حصول طریقت سے تصفیہ دل ہوتا ہے، اس کے لیے نماز پڑھنا، روزہ رکھنا اور ذکر جلی کرنا لازمی ہے، حصول حقیقت سے تجلیہ روح ہوتا ہے۔

اس کے لیے روزے رکھنا اور ذکر خفی کرنا ضروری ہے، تجلیہ روح سے مراد دل کے سات گوہر کا روشن ہونا ہے، وہ سات گوہر یہ ہیں:

(۱) گوہر ذکر، (۲) گوہر عشق، (۳) گوہر محبت، (۴) گوہر سر، (۵) گوہر روح، (۶) گوہر معرفت، (۷) گوہر فکر۔

گوہر ذکر کی روشنی سے سالک موجودات کی کل چیزوں میں منفرد ہو جاتا ہے جس کے بعد گوہر عشق روشن ہو جاتا ہے، اس میں شوق واشتیاق، درد، اندوہ، حیرانی اور بے خودی رہتی ہے، اس کے بعد گوہر محبت میں روشنی پیدا ہوتی ہے جس سے سالک کے دل میں خدا کے سوا کسی اور کی محبت نہیں رہتی ہے اور وہ ہر حال میں راضی بہ رضا ہوتا ہے، اسی اثنا میں وہ واردات اور مواہب الٰہی سے آگاہ وسرفراز کیا جاتا ہے جس سے گوہر سر روشن ہوتا ہے، اس کے بعد روح کا گوہر چمکتا ہے جب کہ سالک کا کوئی لمحہ خدا کی طاعت سے خالی نہیں رہتا، پھر گوہر معرفت اور آخر میں گوہر فقر روشن ہوتے ہیں، گوہر معرفت کے روشن ہونے پر سالک جو کچھ سنتا ہے، خدا سے سنتا ہے، جو کچھ کہتا ہے، خدا سے کہتا ہے، جب کبھی چلتا ہے تو خدا کے لیے چلتا ہے اور جب فقر کا گوہر روشن ہوتا ہے تو سالک دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے مستغنی ہو جاتا ہے۔

اور جب سالک ان مراتب کو پہنچتا ہے تو انوار تجلی سے متصف ہوکر اٹھارہ ہزار دنیاؤں کو اپنی دو انگلیوں کے درمیان پاتا ہے اور وہاں خدا کی قدرت سے چوں وچگون کا تماشا دیکھتا ہے اور قدرت خداوندی میں جو چیزیں ہیں وہ اس کی روزی ہوتی ہیں مگر سالک کو احتیاط رکھنا چاہیے کہ اس سعادت سے محروم (بے نصیب) نہ ہو جائے۔

محبت کی قسمیں: ایک مجلس میں خالصۃً محبت پر ارشادات ہیں، فرمایا کہ محبت کی دو قسمیں

Marfat.com

ہیں، محبت ذات، محبت صفات، محبت ذات وہبی اور محبت صفات کسبی ہے، ابتدا میں سالک کو خلق، دنیا، نفس اور شیطان جادہ محبت سے گم راہ کرتے ہیں، مگر خلق سے پرہیز کے لیے عزلت نشینی، دنیا کو نظر انداز کرنے کے لیے قناعت پسندی اور نفس شیطان سے بچنے کے لیے عبادت گزاری ضروری ہے۔

خاص محبت یہ ہے کہ دوست کے لیے دنیا کی ہر چیز ایثار کر دے اور محبت میں صادق وہی ہے کہ اگر اس کو کاٹ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے یا آگ میں جلا دیا جائے تو بھی وہ ثابت قدم رہے۔

خلفا: حضرت چراغ دہلی کے جلیل القدر خلفا میں حضرت سید محمد بن جعفر المکی الحسینی بھی تھے، ان کے متعلق اخبار الاخیار میں ہے:

> "حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی نور اللہ مرقدہ کے جلیل القدر خلفا میں سے ہیں، توحید و تفرید میں مقام عالی رکھتے تھے، ان کا شمار منفرد اولیا میں کیا گیا ہے، انہوں نے اپنے ظاہر و باطن کے جو احوال لکھے ہیں، ان کو پڑھ کر عقل حیران رہتی ہے، اگر بغیر کسی تاویل کے صرف ان کا ظاہر مراد ہے تو اپنے زمانہ کے بڑے کامل تھے، ان کی تصنیف بحر المعانی ہے، جس میں حقائق توحید، علوم قوم اور اسرار معرفت بیان کیے گئے ہیں، طرز بیان متانہ ہے، اسی کتاب میں دو اور کتابوں دقائق المعانی اور حقائق المعانی کے لکھنے کا وعدہ کیا گیا ہے، خدا ہی جانتا ہے کہ دونوں کتابیں لکھی گئیں یا نہیں، ان کے علاوہ اور بھی تصانیف ہیں، ایک رسالہ روح کے بیان میں لکھا ہے، اس کا نام پنج نکات ہے، بحر الانساب نام کی بھی ایک تصنیف ہے، جس میں اہل بیت و رسالت کا نسب نامہ ہے، جس میں اپنے نسب کو بھی ملایا ہے، وہ صاحب دعوی کثیر ہیں اور ان کے بیانات سے ان کے دعوی کی تصدیق ہوتی ہے، بڑی عمر پائی، محمد تغلق کے زمانہ سے سلطان بہلول لودی کے زمانہ تک زندہ تھے، اس حساب سے ان کا سن سو سال سے زیادہ ہوتا ہے، آبا و اجداد مکہ معظمہ کے اشراف میں سے تھے، وہاں سے دہلی آئے، پھر سرہند میں اقامت گزیں ہوئے اور یہیں مدفن ہے۔" (ص ۱۴۸)

Marfat.com

حضرت سید محمدؒ کے مزید حالات اوران کے تصنیف بحر المعانی کے کچھ اقتباسات مذکورہ بالا تذکرہ میں ملیں گے۔ (دیکھو اخبار الاخیار، ص ۱۳۳-۱۲۸)

حضرت چراغ دہلیؒ کے بعض اور خلفا کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

حضرت میر سید محمد گیسودراز (گلبرگہ شریف) خواجہ کمال الدین (احمد آباد) گجرات بھیجے گئے، یہاں اطراف وجوانب کے لوگوں کو اسلامی تعلیمات کے ذریعہ اپنا معتقد بنایا، مزار دہلی میں ہے، شیخ دانیال (سترکھ) شیخ صدرالدین علم طب میں ان کی ایک تصنیف فصیح ومتین مشہور ہے، دہلی میں مدفون ہیں، خواجہ معین الدین خورد (مرگہا) شیخ سراج الدین (پاک پٹن) شیخ یوسف حسینی (علم دین میں ان کی ایک کتاب فیض انتساب تحفۃ النصائح مشہور ہے) حضرت شیخ عبدالمقتدر (مناقب از صدیقین میں اپنے مرشد کے فضائل تحریر کیے ہیں) مزار جون پور میں ہے، حضرت شیخ سعد اللہ کیسہ دار، حضرت مولانا خواجگی (کالپی) شیخ احمد تھانیسری (کالپی) شیخ محمد متوکل کنتوری (بہرائچ) شیخ اقوام الدین (لکھنؤ)

Marfat.com

حضرت شرف الدین احمد منیریؒ

ولادت ونسب: حضرت مخدوم الملک شرف الدین احمد بن یحییٰ قدس سرہ العزیز کی ولادت باسعادت ۲۹ رشعبان المعظم ۶۶۱ھ میں بہ مقام منیر شریف (ضلع پٹنہ) ہوئی، پیدائش کی تاریخ شرف آگیں ہے، سلسلہ نسب یہ ہے، شرف الدین احمد بن شیخ یحییٰ بن اسرائیل بن مولانا محمد تاج فقیہ بن ابی ابکر بن ابی الفتح بن ابی القاسم ابی الصائم بن ابی دہر ابن ابی لیث بن ابی سہمہ بن ابی الدین بن ابی شعید (یا ابو مسعود) بن ابی زریں ربیر المکنی بابی الصعب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد المناف ووالدہ ماجدہ کا نسب نامہ چودھویں پشت میں حضرت امام جعفر صادق سے ملتا ہے۔

خاندان: حضرت شرف الدین احمد کا خاندان بیت المقدس سے آکر منیر ضلع پٹنہ میں آباد ہوا، یہ خاندان اپنے زہد وتقویٰ میں شروع ہی سے ممتاز تھا، منیر کے آس پاس کے علاقوں میں اسی خاندان کی بدولت اسلام کی اشاعت ہوئی، حضرت شرف الدین احمد کی والدہ ان کو بغیر وضو کے دودھ نہ پلاتی تھیں[1]۔

تعلیم: بچپن میں گھر ہی پر تعلیم پائی، اس زمانہ میں مصادر، مفتاح اللغات اور دوسری کتابیں

---

[1] مناقب الاصفیا، (مرتبہ شاہ شعیب فردوسی) اور مونس القلوب ملفوظات حضرت مخدوم احمد لنگر دریا میں حضرت مخدوم الملک شرف الدین احمد منیری کے حالات سے متعلق مفید معلومات حاصل ہوئی ہیں، پھر سیرت اشرف میں ان کے مفصل حالات ہیں، ان تینوں کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔

Marfat.com

درس میں رہیں، مفتاح اللغات کو حفظ کیا تھا[1] سن شعور کو پہنچے تو والد بزرگ وار نے ان کو مولانا شرف الدین ابوتوامہ کی معیت میں مزید تعلیم کے لیے سنار گاؤں بھیجا، مولانا ابوتوامہ اپنے عہد کے بڑے ممتاز عالم تھے، بعض اسباب کی بنا پر دہلی چھوڑ کر بنگالہ کی طرف رخ کیا، اثنائے سفر میں منیر میں بھی قیام کیا اور یہیں حضرت شیخ یحیٰی ان کے علمی تبحر سے متاثر ہوئے۔

مولانا شرف الدین ابوتوامہ کے اوصاف کا ذکر خود حضرت مخدوم الملک خوان پرنعمت میں فرماتے ہیں:

''مولانا شرف الدین توامہ ہندوستان کے علما میں اس قدر مشہور تھے کہ ان کے علم میں کسی کو شبہ نہ تھا، آپ ریشمی سربند اور ازار بند استعمال کرتے تھے، آپ نے ایسی چیزیں لکھیں کہ دوسرے علما کو بھی اس کی تقلید کرنی چاہیے، اگر سبق پڑھانے میں مشکل پیش آتی تو غور کرتے وقت سربند کاندھے پر لٹکاتے اور اس کو ہاتھ میں لے کر مشغول رہتے، یہاں تک کہ مشکل حل ہو جاتی. اس کے بعد سربند کو چھوڑ کر مشکل کو بیان فرماتے۔'' (ص ۱۵، مطبوعہ مطبع احمدی)

حضرت شرف الدین نے اپنے شفیق استاد سے کلام پاک، تفسیر، حدیث اور فقہ کے علاوہ علوم عقلی، مثلاً منطق، فلسفہ اور ریاضی کی بھی تعلیم پائی، اس تعلیم کے زمانہ میں ریاضت و مجاہدہ میں بھی مشغول رہے، مناقب الاسرار مطبوعہ مطبع نورالآفاق کلکتہ میں ہے:

''در تحصیل علوم دین باقصیٰ الغایہ کوشید، شب و روز در علم مشغول بود و دراں مشغولی ریاضت و مجاہدہ داشت روزہائے طی داشتے۔'' (ص ۱۳۱)

ریاضت و مجاہدہ کے ساتھ علم تصوف کی بھی کتابیں پڑھیں، اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''احکام مذہب ایں طائفہ (صوفیہ) در کتب و تصانیف ایشاں صالحہ باز مطالعہ کردہ شدہ است[2]۔''

---

[1] معدن المعانی، ص ۴۳ مطبوعہ شرف الاخبار، بہار، اسی سلسلہ میں یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ کاش ان کتابوں کے بجائے کلام پاک حفظ کرتا۔ [2] مکتوبات دوصدی مکتوب، ص ۸۱۔

Marfat.com

تعلیم ہی کے زمانہ میں استاد کی دختر نیک اختر سے عقد مناکحت کی رسم ادا ہوئی جن سے حضرت شاہ ذکی الدین پیدا ہوئے اور ان ہی سے نسل چلی۔

تلاش مرشد: سنارگاؤں کے قیام کی مدت میں حضرت مخدوم الملک گھر کے خطوط نہیں کھولا کرتے تھے، تعلیم ختم کرنے کے بعد ایک دن ان کو کھولا تو ان میں والد بزرگ وار کے انتقال کی خبر پڑھی اور والد کی یاد میں بے چین ہو کر وطن کی طرف مراجعت کی، گھر میں کچھ ہی دنوں قیام فرمایا تھا کہ طلب الٰہی کی آگ اتنی شعلہ زن ہوئی کہ گھر بار چھوڑ کر مرشد کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے، چھوٹے بھائی کی محبت میں بڑے بھائی شیخ جلیل الدین بھی ہم راہ ہو گئے، اس وقت دہلی اور نواح دہلی بزرگان دین کے مرکز ہو رہے تھے، دہلی پہنچ کر حضرت مخدوم الملک وہاں کے تمام زاہدوں، عابدوں اور سجادہ نشینوں سے ملے، حضرت نظام الدین اولیاؒ کی خدمت میں بھی پہنچے، لطائف اشرفی میں ہے:

''جب حضرت شیخ شرف الدین علوم شرعیہ کی تحصیل اور ریاضت اصلیہ وفرعیہ کی تکمیل کر چکے تو حضرت سلطان المشائخ کے شرف ملازمت کے لیے دہلی تشریف لے گئے اور ارادت و ارشاد کے لیے استدعا کی، (حضرت سلطان المشائخ نے) عالم غیبی اور قضاء لاریبی سے استفسار فرمایا اور استغراق میں سر جھکایا پھر فرمایا، برادرم شرف الدین! تمہاری ارادت اور تعلیم و سلوک برادرم نجیب الدین[1] کے متعلق ہے، تم ان ہی کے پاس جاؤ، وہ تمہارے منتظر ہیں۔''

ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب حضرت مخدوم الملک سلطان الاولیا کی خدمت میں گئے، وہاں کے علمی مذاکرے میں حصہ لیا تو ان سے متاثر ہو کر سلطان الاولیا نے فرمایا:

''سمر غیست نصیب دام مانیست۔''

اور بیعت نہیں لی بلکہ پان کا ایک بیڑہ دے کر اعزاز و اکرام سے رخصت کر دیا۔ (مناقب الاصفیا، ص ۳۶)

---

[1] لطائف اشرفی، مطبوعہ نصرت المطابع دہلی، ص ۷۷ ۳ میں نجیب الدین کے بجائے نجم الدین صغریٰ مرقوم ہے، یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

Marfat.com

جب سلطان المشائخ کی ہدایت کے مطابق حضرت مخدوم الملکؒ حضرت شیخ نجیب الدینؒ کے حضور میں پہنچے تو ان پر بڑی دہشت طاری تھی اور جسم پسینہ پسینہ ہو رہا تھا لیکن حضرت شیخ نجیب الدین نے ان کو دیکھتے ہی فرمایا، درویش! برسوں سے تمہارے انتظار میں بیٹھا ہوں، تاکہ تمہاری امانت تمہارے سپرد کردوں، (اخبار الاخیار، ص ۱۰۹) اور فوراً بیعت لی، کچھ نصیحتیں لکھ کر دیں اور رخصت کیا، رخصت کرتے وقت فرمایا، تم کو راستہ میں کوئی خبر ملے تو واپس نہ آنا، حضرت مخدوم الملک نے مرشد سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لیے کچھ دنوں پاس رہنے کی خواہش ظاہر کی لیکن اس کی اجازت نہیں ملی، مرشد کی ساری تعلیمات ان نصائح میں پائی جاتی ہیں جو انہوں نے ارادت کے وقت لکھ کر دی تھیں۔

وصایائے مرشد: وہ وصیتیں یہ ہیں:

''اے عزیز! یہ بات بڑے غور و فکر کے بعد ظاہر ہوتی ہے کہ ترک خودی میں مشغولیت کے علاوہ دنیا کی کسی چیز میں مشغول رہنا غلطی ہے، انسانی حرکات و سکنات، اقوال و افعال ہی سے خودی پیدا ہوتی ہے، کھانا، سونا، بولنا، میل جول پیدا کرنا، سننا، دیکھنا وغیرہ انسانی طبیعت کا اقتضا ہے لیکن یہ تمام باتیں بقدر ضرورت ہونی چاہیں، اگر ضرورت سے زیادہ ہوں تو حق سے دوری ہو جاتی ہے، اس لیے دن رات اسی فکر میں رہنا چاہیے کہ خودی میں سے کیا چیز باقی رہ گئی ہے، یہاں تک کہ اللہ کے فضل سے خودی سے بالکل چھٹکارا ہو جائے، اگر بال برابر بھی خودی باقی رہ گئی ہے تو حجاب باقی ہے، جب تک اس سے فراغت حاصل نہ ہو جائے دوسرے کام میں مشغول ہونا صحیح نہیں، کیوں کہ خودی سے چھٹکارا پانے سے پہلے کسی کام میں مشغول ہونا شیطانیت ہے، اس لیے کسی حال میں دوسرے کام کی طرف مشغول نہیں ہونا چاہیے، مجاہدہ و ریاضت نفس اس طرح ہونی چاہیے کہ خودی بالکل جاتی رہے اور انتہائی درجہ کا تقویٰ حاصل ہو اور بشریت کی پوری صفائی ہو جائے، کسی وقت بے وضو رہنا مناسب نہیں، اگرچہ آدھی رات، جاڑے کا موسم اور ٹھنڈا پانی ہی کیوں نہ ہو، وضو کے بعد دو رکعت نماز کسی حال میں فوت نہ ہونی چاہیے، کھانا کھانے اور پانی پینے سے صرف تین چیزوں کی بقا

Marfat.com

ہوتی ہے، حیات، عقل اور قوت، کھانا اس وقت تک ترک کرتے رہنا چاہیے جب تک حیات اور عقل میں خلل پیدا ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو، خشک روٹی، خشک چاول یا خشک کھچڑی جو کچھ مل جائے ضرورت کے مطابق کھا لیا جائے، نان خورش (جیسے سالن وغیرہ) کی فکر نہ کرے، اسی طرح پانی پینا بھی ترک کر دے، یہاں تک کہ جب اس کو معلوم ہو کہ زندگی یا عقل میں خلل پڑے گا اس وقت تھوڑا سا پانی جو صرف اس قدر ہو، جس سے حلق تر ہو سکے، پی لے تا کہ پیاس بجھ جائے لیکن قوت کے کم ہونے کی وجہ سے ہرگز نہ کھائے نہ پیے اور قوت کے زائل ہونے کی طرف ہرگز توجہ نہ کرے اور یہ بات تجربہ سے معلوم ہو سکے گی کہ کھانے کی وجہ سے کتنے دنوں میں زندگی اور عقل میں خلل پڑنے کا خوف پیدا ہوگا اور جب یہ تجربہ سے معلوم ہو تو اس کا لحاظ رکھے، رات اور دن میں کسی وقت نہ سوئے اور نماز، قرآن کی تلاوت اور کتاب کے مطالعہ سے نیند کو دور کرے، اس کام کا تمام تر دار و مدار اس پر ہے کہ رات اور دن میں کسی وقت نہ لیٹے بلکہ بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر رات دن گزارے، کسی شخص سے بات چیت نہ کرے، البتہ سائل کا جواب دے سکتا ہے، لیکن سائل اگر عالم ہو تو اس کا جواب نہ دے بلکہ کبھی علمی جواب میں مشغول نہ ہو، کیوں کہ اس میں بہت سی آفتیں ہیں لیکن اگر جواب علمی نہ ہو تو اس کے متعلق مختصر گفتگو کرے اور صرف ضروری بات کہے اور وہ بھی اس وقت جب بجز بولنے کے کوئی چارہ نہ ہو، تو جو کچھ ہو سکے، گفتگو کرے لیکن خود کوئی بات نہ کہے، کسی کے ساتھ بالکل ملاقات اور میل جول نہ کرے اور ایک خالی گوشہ میں بیٹھا رہے اور جو چیز موجود ہو اس کو باقی رہنے دے، اپنے کام کے لیے اپنے گوشہ سے باہر نہ نکلے اور کسی کو اپنے پہلو میں آنے کی اجازت نہ دے، ہمیشہ نظر نیچی زمین کی طرف رکھے، بے ضرورت دائیں بائیں نہ دیکھے، کسی بات کو نہ سنے اور نہ اس کی کوشش کرے کہ دوسرا کیا کہتا ہے، دل کو عمداً اور قصداً کسی چیز میں نہ لگائے، کوئی بات کان میں پڑے اور سمجھ میں نہ آئے تو اس کی فکر نہ کرے، ضرورت کے وقت سوکھی روٹی کھا لے اور پانی پی لے، کوئی چیز اس لیے نہ کھائے کہ وہ موجود ہے کیوں کہ اس طرح محض خودی کا پابند ہونا ہے، دوپہر کے وقت روزانہ قضائے حاجت کے لیے جائے، اگر قلت طعام کی وجہ سے اس کی حاجت نہ ہو تو بہتر ہے لیکن اس سے زیادہ نہ جائے

Marfat.com

اور وقت ضائع نہ کرے، اگرچہ اس کی ضرورت محسوس ہو اور وضو مشکوک ہو یہاں تک کہ اس کی عادت ہو جائے اور تمام وقت ایک کمبل کے سوا اور کچھ نہ اوڑھے لیکن جاڑے کے دن لباسچہ کمینہ (شاید آستین والا لبادہ مراد ہو) خرقہ کے اوپر پہنے اور اس پر دن رات میں کسی چیز کا اضافہ نہ کرے، کسی سے آنے جانے، بولنے اور کام کرنے پر ناخوش نہ ہو اور نہ کوئی اعتراض کرے، یہ معلوم نہ ہونے دے کہ اس کو ظاہراً و باطناً کسی چیز سے انکار ہے، خواہ سر پر آگ ہی کیوں نہ برسے لیکن چون و چرا نہ کرے اور نہ اپنے میں کیست و کیفیت ظاہر ہونے دے، یہاں تک کہ اس کو مقام وحدت اور حال و ذوق حاصل ہو جائے، سماع کے وقت جہاں تک ممکن ہو آبدیدہ نہ ہو اور جسم کو حرکت نہ دے، یہاں تک کہ مغلوب ہو جائے اور اپنی حفاظت آپ نہ کر سکے لیکن سماع میں احوال کے ظاہر ہونے سے بڑی آفتیں ہیں، ان کا چھپانا بہت اہم باتوں میں سے ہے، قلب اور دل پر جتنی بھی آگ برسے اس کی خبر نہ ہو اور یہی وہ مقام عظیم ہے جو بڑی مشقت، بڑے مجاہدے اور بے اختیار ریاضت کے بعد حاصل ہوتا ہے، تم اپنی طرف سے کوشش کرو، خدا عطا کرے گا، برسوں کے بعد مشقت اٹھانے والے کو راستہ ملتا ہے اور اگر یہ سعادت حاصل نہیں ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا اجر دیتا ہے:

کار نازک تنان رعنا نیست　　　　سنگ زیرین آسیا بودن[1]

شجرۂ شیوخ: حضرت نجیب الدین فردوسی سے حضرت مخدوم الملک سے بیعت ہونے کے بعد شجرۂ بیعت یہ قرار پاتا ہے:

شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری، خواجہ نجیب الدین فردوسی، خواجہ رکن الدین فردوسی، خواجہ بدر الدین سمرقندی، خواجہ سیف الدین باخرزی، خواجہ نجم الدین کبریٰ، خواجہ ضیاء الدین ابو نجیب، خواجہ وجیہ الدین ابو حفص، خواجہ محمد بن عبداللہ المعروف بہ عمویہ، خواجہ احمد سیاہ دینوری، خواجہ ممشاد علوی دینوری، خواجہ ابو القاسم جنید بغدادی، خواجہ سری سقطی، خواجہ معروف کرخی، سیدنا امام علی رضاؒ، سیدنا امام موسیٰ کاظمؒ، سیدنا امام جعفر صادقؒ، سیدنا امام محمد باقرؒ،

---

[1] وصیت نامہ حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسی مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ ۱۳۲۱ھ۔

Marfat.com

سیدنا امام زین العابدینؓ، سیدنا امام حسینؓ، سیدنا علی کرم اللہ وجہہ۔ (یہ شجرہ بیعت شاہ حکیم قسیم الدین فردوسی نے بہار شریف سے معدن المعانی جلد اول، باب بست و دوم کے حوالہ سے لکھ بھیجا ہے۔)

خواجہ نجم الدین کبریٰ سے خواجہ ضیاء الدین ابو نجیب نے خلافت دیتے وقت فرمایا کہ تم مشائخ فردوس ہو (شما مشائخ فردوس اید) اسی وقت سے اس سلسلہ کا نام فردوسیہ ہو گیا۔

صحرا نوردی: بیعت کے بعد کی کیفیت حضرت مخدوم الملک خود تحریر فرماتے ہیں:

''من چوں بخواجہ نجیب الدین فردوسی پیوستم حزنے در دل من نہادہ شد کہ ہر روز آں حزن زیادہ می شد۔''

بیعت کے بعد دہلی سے رخصت ہوئے تھے کہ راستہ ہی میں مرشد کے وصال کی خبر ملی لیکن مرشد کی ہدایت تھی کہ وہ کسی حال میں نہ لوٹیں، اس لیے واپس نہ ہوئے، جب بہیا (ضلع آرہ) کے جنگل میں پہنچے تو مور کی چنگھاڑ سے دل میں ہوک اٹھی، جذب کی کیفیت طاری ہو گئی اور گریبان چاک کر کے جنگل ہی میں غائب ہو گئے، بڑے بھائی شیخ جلیل الدین ساتھ تھے، ہر طرف ان کو تلاش کیا لیکن ان کا کہیں پتہ نہ چلا۔

مناقب الاصفیا کے مؤلف رقم طراز ہیں کہ حضرت مخدوم بہیا کے جنگل میں بارہ سال رہے، اس کے بعد راج گیر (ضلع پٹنہ) کے جنگلوں میں بھی ایک بڑی مدت گزاری، عام روایت ہے کہ تیس سال تک جنگلوں میں عبادت کی، ایک بار ایک درخت کی شاخ پکڑے ہوئے عالم حیرت میں کھڑے ہوئے دکھائی دیے، چیونٹیاں حلق میں آتی اور جاتی تھیں لیکن ان کو اس کی مطلق خبر نہ ہوتی تھی۔ (مناقب الاصفیا، ص ۱۳۳)

نفس کشی: اس ریاضت کے زمانہ میں کھانے پینے سے پرہیز کرتے، جب کبھی اشتہا کا غلبہ ہوتا تو درخت کی پتیاں کھا کر بھوک کی شدت رفع کر لیتے، ایک بار علی الصباح نہانے کی ضرورت پیش آ گئی، غسل فرمانے کے لیے پانی کے قریب گئے، جاڑے کا موسم تھا، غیر معمولی

Marfat.com

سردی تھی، پانی بہت ٹھنڈا تھا، دل میں خیال آیا کہ تیمم کر کے نماز ادا کرلیں لیکن پھر خیال ہوا کی شرعی رخصت کی آڑ میں پناہ کیوں لی جائے، چنانچہ پانی میں اتر گئے لیکن سردی کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے، آفتاب طلوع ہوا تو اس کی تمازت سے ہوش آیا لیکن اس وقت فجر کی نماز قضا ہو چکی تھی، بڑا رنج ہوا اور فرمایا، میں نے جو ریاضتیں کی ہیں اگر پہاڑ کرتا تو پانی ہو جاتا لیکن شرف الدین کچھ نہ ہوا[1] کثرت ریاضت سے بدن میں خون باقی نہ رہا تھا، ایک بار حجام کے استرے سے سر مبارک مجروح ہو گیا تو خون کے بجائے پانی بہنے لگا[2]۔

راج گیر کی صحرا نوردی کے زمانہ میں دامن کوہ کے پاس ایک شخص کھانا کھا رہا تھا، اس کے ملازمین مورچھل ہلا رہے تھے، حضرت مخدوم الملک کی نظر پڑی تو اس کے کھانے کو مباح سمجھ کر اس سے اجازت لی اور اس کے ساتھ کھانے کے لیے بیٹھ گئے، اس کے ملازموں نے اس کو حضرت مخدوم الملک کے ساتھ کھانے پر ملامت کی، حضرت مخدوم الملک فرماتے ہیں کہ مجھ کو اس ملامت میں مزہ ملا، میں پہاڑ پر چڑھ گیا اور تین دن اور رات مجھ پر وجد طاری رہا۔ (مونس القلوب، قلمی نسخہ، ص ۴۸)

اسی زمانہ میں ایک گئو سالہ کے پاس سے گزر ہوا، ایک گائے بھلی معلوم ہوئی، اس کو دیکھنے لگے، کسی سبب سے وہ گر کر مرگئی، چرواہے نے بڑھ کر غصہ میں حضرت مخدوم الملک کو ایک لاٹھی ماردی، فرماتے ہیں اس لاٹھی کی مار میں مجھے عجیب ذوق اور مزہ ملا[3]۔

اسی زمانہ میں بعض ہندوؤں اور جوگیوں سے روحانی معرکے بھی ہوئے جنہوں نے مغلوب ہو کر حضرت مخدوم الملک کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا[4]۔

---

[1] مناقب الاصفیا، ص ۱۳۶ [2] مونس القلوب بحوالہ سیرۃ الشرف [3] اجوبہ کاکویہ بحوالہ سیرۃ الشرف، ص ۷۷ [4] حضرت مخدوم الملک کے خاندان والوں سے اس عاجز راقم کو گھر اعزیزانہ لگاؤ رکھنے کا شرف حاصل ہے، اس لیے اس خانوادہ کے بزرگوں سے حضرت مخدوم الملک کی زندگی کے بہت سے واقعات سننے میں آئے جن کو ہم جگہ کی قلت کی وجہ سے لکھنے سے معذور ہیں۔

Marfat.com

بہار شریف کی اقامت: جب انوارِ الٰہی سے دل روشن ہوگیا تو آبادی کی طرف رخ فرمایا، بعض طالبانِ حق جنگل ہی میں آکر مستفید ہونے لگے تھے، جب لوگوں کا اشتیاق زیادہ بڑھ گیا تو جمعہ کی نماز کے لیے بہار شریف کی جامع مسجد میں تشریف لانے لگے، رفتہ رفتہ لوگوں کے اصرار سے اسی قصبہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی، جہاں تقریباً ساٹھ سال تک اپنے سرچشمۂ فیض سے عوام وخواص کو سیراب کرتے رہے۔

سلطان محمد تغلق نے جب حضرت مخدوم الملک کی درویشی اور بزرگی کی شہرت سنی تو مجد الملک مقطع بہار کے نام ایک فرمان جاری کیا کہ حضرت مخدوم الملک کے لیے ایک خانقاہ تعمیر کرادی جائے اور اس کے اخراجات کے لیے پرگنہ راج گیران کے حوالہ کیا جائے، اگر وہ قبول نہ کریں تو زبردستی دیا جائے، مجد الملک نے اس کی تعمیل کی اور حضرت مخدوم الملک کو خانقاہ کی تعمیر اور راج گیر کی جاگیر جبر واکراہ کے ساتھ قبول کرنی پڑی، خانقاہ کی تعمیر کے بعد سلطان کا بھیجا ہوا مصلّیٰ بلغاری بچھایا گیا اور اس پر حضرت مخدوم الملک کو جلوہ افروز کیا گیا تو ارشاد فرمایا "میں تو اسلام ہی کے لائق نہیں، چہ جائے کہ مصلّیٰ کے لائق ہوں" اس وقت مجلس کے ایک درویش نے کہا "مخدوم! آپ کو خانقاہ اور مصلے کی وجہ سے کون جانتا ہے، ہم لوگ تو یہاں صرف آپ کی قوت باطنی کی وجہ سے آئے ہیں، یہاں آپ کی برکت سے اسلام ظاہر ہوگا اور قوت پکڑے گا" چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس علاقے میں آپ ہی کے فیوض وبرکات سے اسلام کی شمع ضوفگن رہی لیکن جاگیر کو حضرت مخدوم الملک اپنے لیے بار سمجھتے رہے، آخر اس کی گرانی برداشت نہ فرماسکے اور جب سلطان محمد تغلق نے وفات پائی اور فیروز شاہ تخت نشین ہوا تو بہ نفس نفیس دہلی تشریف لے گئے، درباریوں کو خیال ہوا کہ شاید حضرت مخدوم الملک جاگیر میں اضافہ چاہتے ہیں، فیروز شاہ کو جب اس کی خبر دی گئی تو اس نے کہا کہ اگر مخدوم الملک تمام اقطاع بہار مانگیں گے تو میں دوں گا لیکن جب فیروز شاہ کے سامنے حضرت مخدوم الملک تشریف لے گئے تو اس کو مخاطب کرکے فرمایا، ایک غرض لے کر

Marfat.com

آیا ہوں، اگر قبول فرمانے کا وعدہ ہو تو عرض کروں، سلطان نے بہ سروچشم منظور کیا، حضرت مخدوم الملک نے جاگیر کی سند آستین سے نکال کر سلطان کے ہاتھ میں دی اور فرمایا، خدا کے لیے اس کو واپس لے لیجیے، یہ میرے کام کی نہیں، سلطان اور اس کے تمام امرا ششدر رہ گئے، سلطان نے پھر بھی کچھ خدمت کر کے سعادت حاصل کرنی چاہی اور اصرار کے ساتھ اخراجات کے لیے ایک بڑی رقم پیش کی، اس کو قبول تو فرمالیا لیکن شاہی دربار سے نکلتے ہی فقرا و مساکین میں تقسیم کر دیا اور درویشانہ استغنا کے ساتھ خالی ہاتھوں وطن کی طرف مراجعت کی[1]۔

رشد و ہدایت: اور خانقاہ کے گوشہ میں بیٹھ کر تقریر و تحریر کے ذریعہ سے رشد و ہدایت کا سلسلہ برابر جاری رکھا، جس کا کچھ مجموعہ ملفوظات اور مکتوبات کی شکل میں محفوظ ہے اور آج تک معدن فیوض اور مخزن برکات ہے، خانقاہ میں سالکانِ راہ طریقت کی مجلسیں برابر منعقد ہوتی تھیں، بعض اوقات علما، فقہا، محدثین اور متکلمین بھی جمع ہوتے اور مختلف مسائل پر بحث و گفتگو اور رد و قدح بھی ہوتی، حضرت مخدوم ہر مسئلہ کی وضاحت اس طرح فرماتے کہ سامعین اور حاضرین کو پوری تشفی ہو جاتی، معدن المعانی کے دیباچہ میں ہے:

''ہر مجلس میں مریدوں، نیک بندوں اور سچی طلب رکھنے والوں کا مجمع ہوتا، ان میں سے ہر ایک اپنے حال اور کام کے مطابق ایک سوال کرتا جس کا تعلق طریقت، شریعت، حقیقت اور معرفت سے ہوتا، حضرت مخدوم ہر سوال کا شافی جواب دیتے، ان کا بیان دل پذیر اور ان کے اشارے کنائے بے نظیر ہوتے، ہر بیان میں سیکڑوں معانی، ہر اشارہ میں ہزاروں لطیفۂ لاریبی اور ہر معنی میں بے انتہا مفہوم اور ہر لطیفہ میں لاتعداد ادراکات اور ہر مفہوم میں بے شمار حالات اور ہر ادراک میں بہت سے مقامات اور ہر حال میں ناقابل بیان ذوق اور ہر مقام میں اتنی خبریں ہوتیں جن کی گنجائش دنیا میں نہیں۔''

---

[1] مونس القلوب، بحوالہ سیرۃ الشرف، ص ۳۶-۳۷۔

Marfat.com

مولانا مظفر بلخی شروع میں جب حضرت مخدوم الملک کی مجلس میں شریک ہوئے تو مختلف مسائل پر نہایت تند اور تیز لہجہ میں مناظرہ کرتے، مگر حضرت مخدوم الملک ٹھنڈے طریقہ پر ان کی ہر بات کا جواب دیتے، یہاں تک کہ وہ حضرت مخدوم الملک کے ایسے گرویدہ اور شیفتہ ہوئے کہ زندگی بھر ادنیٰ غلام بنے رہے، حضرت مخدوم الملک کو بھی ان سے بڑی محبت ہوگئی تھی اور ان کو دو سو خطوط لکھے تھے، جن میں ایسے اسرار تھے کہ ان کے سوا کسی اور کو بتانا پسند نہیں فرمایا، جیسا کہ آگے آئے گا۔

مولانا زین بدر عربی کی ابتدائی زندگی رندی و بادہ خواری میں گزری لیکن حضرت مخدوم الملک کی صحبت کیمیا اثر سے ان میں ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ وہ حضرت مخدوم الملک کے مقربین خاص میں ہوگئے اور ان کے بہت سے ملفوظات مرتب کیے، جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت مخدوم الملک کے تقریباً ایک لاکھ مرید تھے، جو مجلسوں میں شریک نہ ہوسکتے تھے، ان کو مکتوبات کے ذریعہ سے تعلیم دی جاتی تھی، ان تعلیمات کا خلاصہ آئندہ صفحات میں پیش کیا جائے گا، حضرت مخدوم الملک نے خواص و عوام دونوں کو سدھارنے کی کوشش فرمائی۔

سلطان وقت کو تلقین: سلطان فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں حضرت مخدوم الملک سے خواجہ عابد ظفر آبادی نے فریاد کی کہ ان کا مال ظلم و تعدی سے تلف کردیا گیا ہے، حضرت مخدوم الملک نے سلطان فیروز شاہ کی توجہ اس طرف مبذول کرائی اور بہت ہی بلیغ پیرایہ اور عالمانہ انداز میں عدل و انصاف کی تلقین کی، سلطان کو اس سلسلہ میں جو مکتوب تحریر فرمایا وہ حسب ذیل ہے، شاید مرتب مکتوبات نے القاب حذف کردیے ہیں، پورا متن یہ ہے:

''حضرت بلال مؤذن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت رسالت مآب ﷺ کے ساتھ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر میں مکہ میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص آیا، پیغمبر ﷺ نے مجھ سے

Marfat.com

فرمایا کہ باہر جا کر دیکھو، جب میں باہر آیا تو ایک نصرانی کو کھڑا دیکھا، اس نے پوچھا، محمد ﷺ یہاں ہیں؟ میں نے کہا، ہاں، وہ گھر کے اندر آیا اور کہا، یا محمد! تم کہتے ہو کہ میں خدا کا رسول ہوں اور خدا کا بھیجا ہوا ہوں، مجھ کو اور لوگوں کو دین اسلام کی تعلیم دیتے ہو، اگر تم رسول برحق ہو تو اس کو دیکھو کہ قوی ضعیف پر ظلم نہ کرے، پیغمبر علیہ السلام نے پوچھا، تم پر کس نے ظلم کیا ہے، اس نے کہا، ابوجہل نے میرا مال لے لیا ہے، یہ وقت آپ ﷺ کے قیلولہ کا تھا اور بڑی گرمی پڑ رہی تھی لیکن آپ ﷺ اسی وقت روانہ ہوئے، تا کہ مظلوم کی مدد فرمائیں، میں نے (یعنی حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے) عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! قیلولہ کا وقت ہے، گرمی پڑ رہی ہے، ابوجہل بھی قیلولہ کر رہا ہوگا، وہ برہم ہوگا لیکن آپ ﷺ نہ رکے اور اسی طرح خشمگیں ابوجہل کے دروازہ پر پہنچ کر اس کو کھٹکھٹایا، ابوجہل کو غصہ آیا، اس نے اپنے بتوں لات وعزیٰ کی قسم کھا کر کہا کہ جس نے دروازہ کھٹکھٹایا ہے، اس کو جا کر مار ڈالوں گا، باہر آیا تو دیکھا کہ حضرت رسالت مآب ﷺ کھڑے ہیں، بولا، کیسے آئے، کسی آدمی کو کیوں نہ بھیج دیا، پیغمبر علیہ السلام نے غصہ میں فرمایا، اس نصرانی کا مال تم نے کیوں لے لیا ہے، اس کا مال واپس کر دو، ابوجہل نے کہا، اگر اسی کے لیے آئے تو کسی آدمی کو کیوں نہ بھیج دیا، مال واپس کر دیتا، پیغمبر ﷺ نے فرمایا، باتیں نہ بناؤ، اس کا مال واپس کرو، ابوجہل اس کا تمام مال باہر لایا اور اس کے حوالہ کیا، نصرانی سے پیغمبر ﷺ نے فرمایا، اب تو تمہارا مال تمہارے پاس پہنچ گیا، اس نے کہا، لیکن ایک ادنیٰ تھیلا رہ گیا ہے، پیغمبر ﷺ نے (ابوجہل سے) فرمایا، تھیلا بھی دو، ابوجہل نے کہا، اے محمد ﷺ! تم واپس جاؤ، میں اس کو پہنچا دوں گا، حضرت رسالت مآب نے فرمایا، میں اس وقت تک واپس نہ جاؤں گا، جب تک تم تھیلا بھی واپس نہ کر دو گے، ابوجہل گھر کے اندر گیا، اس کو وہ تھیلا نہ ملا لیکن اس سے بہتر تھیلا لایا اور بولا، وہ تو مجھ کو نہیں ملا، مگر اس سے بہتر لایا ہوں اور اسی کو اس کے بدلہ میں دیتا ہوں، پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا، اے نصرانی! یہ تھیلا بہتر ہے یا وہ بہتر تھا، اس نے کہا، اے محمد ﷺ! یہ بہتر ہے، پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا، اگر تم یہ کہتے کہ وہ بہتر تھا تو میں اس وقت تک واپس نہ آتا جب تک میں قیمت لے کر تمہارے حوالہ نہ کرتا، ایک دوسری

Marfat.com

روایت ہے کہ پیغمبر ﷺ نے فرمایا جو کوئی مظلوم کی مدد کرتا ہے، خدائے تعالیٰ قیامت کے روز پل صراط کو عبور کرنے میں اس کی مدد کرے گا اور بہشت میں جگہ دے گا اور جو کوئی کسی مظلوم کو دیکھتا ہے اور وہ مظلوم اس سے فریاد کرتا ہے لیکن وہ فریاد نہیں سنتا، تو قبر کے اندر اس کو آگ کے سو کوڑے مارے جائیں گے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا، جو کوئی مظلوم کی مدد کرتا ہے، اس کے لیے تہتر مغفرت لکھی جاتی ہے، ان میں سے ایک تو اس کو دنیا میں مل جاتی ہے، اس سے اس کا کام سدھرتا ہے، اور بقیہ بہتروں کے لیے عقبیٰ میں ملتی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک کارواں شہر سے باہر ٹھہرا، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے فرمایا، کارواں شہر سے باہر ٹھہرا ہے، چلو ہم اس کی پاس بانی کریں، ایسا نہ ہو کہ کاروان والے سو جائیں اور کوئی ان کا سامان اٹھالے جائے، چنانچہ وہ رات بھر پاسبانی کرتے رہے، حق تعالیٰ نے پیغمبر ﷺ کے دوستوں کو یہ اوصاف عطا فرمائے تھے، رحماء بینھم، وہ تمام مسلمانوں پر مہربان تھے اور ان کے لیے غم کھاتے رہے۔

الحمدللہ کہ آپ (یعنی سلطان فیروز شاہ) کی ذات معظم و مکرم مظلوموں اور درماندوں کی جائے پناہ ہے اور آپ کی بارگاہ کا عدل و انصاف دنیا میں ظاہر ہو چکا ہے اور انصاف کو یہ سعادت حاصل ہوئی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا، ایک ساعت کا عدل ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے، عاقبت بخیر ہو۔[1]"

حضرت مخدوم الملک کے خاندان کی روایت ہے کہ ایک بار سلطان فیروز شاہ تغلق حضرت مخدوم الملک کی ملاقات کے لیے ان کی خانقاہ میں بہار شریف بھی آیا، آپ نے اس کا استقبال کیا، آگے چلنے کو فرمایا تو فیروز شاہ تغلق نے کہا:

در پیش روم طریق حاجب　　　در پس بروم چنین ست واجب

---

[1] سہ صدی مکتوبات، ص ۴۹۳-۴۹۲۔

Marfat.com

تو مخدوم الملک نے فرمایا:

اگر پیش روی چراغ راہی در پس روی جہاں پناہی

امرا کو تلقین: مندرجہ بالا مکتوب کے بعد ہی ایک دوسرا مکتوب سلطان محمد تغلق کے داماد داوَد ملک کے نام بڑی تواضع اور خاکساری کے ساتھ لکھا ہے، جس میں ان اوصاف کی عملی تعلیم بھی ہے، اور وہ یہ ہے:

''لا الٰہ الا ہو، شرف منیری جو کہ علما کے آستانے کا کتا ہے، نہایت خجلت، شرمندگی اور معذرت کے ساتھ آستانہ صدر کی خدمت میں سلام وتحیت کے بعد عرض کرتا ہے کہ اس سیاہ رو کتے کہ ہستی کیا ہے، جو صدر نے اس کی خدمات کا ذکر اس تواضع کے ساتھ کیا ہے، البتہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے مشک سے کہا گیا کہ تجھ میں ایک برائی ہے، پوچھا وہ کیا، کہا گیا تو سب کو خوشبو دیتا ہے، جواب دیا کہ میں یہ نہیں دیکھتا کہ کون خوشبو پاتا ہے، میں دیکھتا ہوں کہ میں کیا ہوں، یہی حال میرا ہے، میری کیا حیثیت کہ صدر میرے معتقد ہوں اور مجھ کو ملک المشائخ قطب الاولیا لکھیں، افسوس ہے کہ اس بد بخت کا کام خاکساری، نگونساری، بت پرستی اور زنارداری میں اہل شقاوت ولعنت سے زیادہ نہیں بڑھا، پھر بھی اس بد بخت اور منافق کے متعلق لوگوں کا خیال اچھا ہے، کہتے ہیں کہ ایک بزرگ نے ایک شخص کے جنازہ کی نماز پڑھائی، نماز کے بعد کسی کی زبان سے سنا کہ وہ شخص شہر میں نیک نام تھا، بزرگ نے کہا کہ اگر مجھ کو پہلے سے معلوم ہوتا تو میں اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھاتا، لوگوں نے پوچھا، کیوں، تو انہوں نے کہا کہ جب تک کوئی شخص منافق نہیں ہوتا لوگوں میں نیک نام نہیں ہوتا، اگر آپ کی تواضع میری شہرت کی وجہ سے ہے تو دنیا میں اس بد بخت سے زیادہ مشہور شیطان ہے، اے صدر بزرگ وار! اسلام ایسا دین نہیں ہے جو ہر گندے اور ناپاک شخص کو اپنا جمال دکھائے، **لایمسه الا المطهرون** (یعنی اس کو چھو نہیں سکتے مگر پاکیزہ لوگ) یہ آیت دنیا کی حال ہے، **وما یومن اکثرهم باللّٰه الا و هم مشرکون** (ان میں سے اکثر لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے، مگر بحالت شرک) اس آیت نے ایک جہاں کو توحید سے ہٹا دیا ہے، دین کا کام اتنا آسان

Marfat.com

نہیں جتنا لوگوں کو معلوم ہوتا ہے، جو لوگ کہ دیں پناہ ہیں اور اس کی ہر چیز کی حقیقت سے واقف ہو گئے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ خدایا ہم کو عدم بنا دے، جس کا کوئی وجود نہیں ہے، بعض لوگ زنار باندھ کر آتش خانہ میں آتے ہیں اور علم و عقل کو ایک طرف رکھ کر کہتے ہیں:

او علم نمی شنید لب بر بستم او عقل نمی خرید دیوانہ شدم

اور جس شخص نے یہ کہا ہے کہ:

با خدا دیوانہ باش و با شریعت ہوشیار

تو اس کا مطلب یہی ہے کہ اگر آج کوئی اپنی رسم و عادت کو اسلام کہتا ہے تو یہ بالکل الگ چیز ہے، اس کا جواب یہ ہے:

فردات کند خمار کامشب مستی

اور جب موت کے دروازہ پر **فکشفنا عنك غطاءك** (پس آج کے دن ہم نے تمہاری آنکھوں کا پردہ اٹھا لیا) کا کشف ہوتا ہے، تو پھر پتہ چلتا ہے کہ کوئی دستار رکھتا تھا یا زنار، اخلاق یا نفاق، خانقاہ میں تھا یا بت خانہ میں، اسی لیے کہا گیا ہے،

سوف تریٰ اذا تجلی الغبار اتحتك فرس ام حمار

یعنی جب غبار دور ہوگا تو تم دیکھو گے کہ تم گھوڑے پر سوار ہو یا گدھے پر۔" (سہ صدی مکتوبات، ص ۱۹۲-۱۹۳)

حضرت مخدوم الملک نے ایک ملک زادہ کو نفس کے فریب کی جس طرح تعلیم دی اس کی تفصیل معدن المعانی (ص ۲۱۰-۲۱۲) میں اس طرح درج ہے:

"مبارک قصوری نے زمین بوس ہو کر کہنا شروع کیا کہ جب میں اپنے پیر کا مرید ہوا تو مجھ سے فرمایا کہ اب تمہاری کیا خواہش ہے، تم ملک زادے ہو، تمہاری طبیعت چاکری کی طرف مائل ہے، یا خداوند تعالیٰ سے مشغولیت کی طرف، میں نے عرض کی، اب تو میں آپ کی خدمت میں ہوں، جیسا فرمائیں ویسا کروں، فرمایا کہ اس راہ میں سب سے بہتر چیز یہ ہے کہ ہر چیز کو ترک کر دیا

Marfat.com

جائے، میں نے بھی اس کو قبول کرلیا اور میری طبیعت میں بھی یہی بات ہے، حضرت مخدوم نے اس کو مخاطب کر کے فرمایا، اس میں شک نہیں کہ تمام چیزوں کو ترک کر دینا بہتر ہے، اگر اس میں استقامت ہو، لیکن کچھ دنوں تمام چیزوں کے ترک کرنے اور ان سے باز رہنے کے بعد پھر ان کی طرف التفات ہو جائے تو پشیمانی ہوتی ہے اور اس قسم کے ترک سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا، ترک اسی وقت بہتر ہے کہ پھر ترک کی ہوئی چیزوں کی جانب التفات نہ ہو، ایسی حالت میں کام میں استقامت اور سچائی ہوتی ہے، تم ملک زادے ہو، اپنے دوستوں کی مجلسوں میں بیٹھنے کے عادی ہو، ان کی صحبت میں جا کر تم میں پھر تبدیلی پیدا ہوئی تو ایسے ترک سے کیا فائدہ؟ ایسے بہت سے لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم نے تمام چیزوں کو ترک کر دیا، ہم زاہد اور عابد ہیں لیکن جب وقت آتا ہے تو جھوٹے ثابت ہوتے ہیں، نفس کے ایسے بہت سے دھوکے ہیں، دعویٰ بغیر امتحان کے قابل اعتماد نہیں، مبارک نے عرض کی، حضرت مخدوم! میرے دل میں اب کوئی آرزو باقی نہیں رہی ہے، حضرت نے فرمایا، یہ نفس کا فریب ہے، یہ اسی طرح دھوکا دیتا ہے، جس سے ایک شخص کو یقین ہو جاتا ہے کہ اس نے تمام چیزوں کو ترک کر کے آخرت کی طرف رخ کرلیا ہے لیکن جو نفس کے فریب سے واقف ہیں، وہ جانتے ہیں کہ یہ سچ ہے یا جھوٹ، نفس کی صفت کذب ہے اور دل کی صفت صدق، نفس جو کچھ کہتا ہے جھوٹ ہوتا ہے، دل جو کچھ کہتا ہے سچ ہوتا ہے، اب یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ جو کام کیا جاتا ہے اگر اس کا فرمان دینے والا دل ہوتا ہے اور اعضا اسی کو عمل میں لاتے ہیں جو دل کہتا ہے اور چوں کہ دل کی صفت صدق ہے، تو عمل میں کذب کیوں پیدا ہوتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ دل اور عمل میں جو ہم آہنگی نہیں ہوتی، اس کی وجہ نفس ہے، نفس دل پر قابو پالیتا ہے اور اس کی جگہ بیٹھ کر چوری کرتا ہے، پھر وہ جو کچھ کرتا کہتا ہے، دل کی طرف منسوب ہو جاتا ہے، اسی لیے دل اور عمل میں ہم آہنگی نہیں ہوتی، اس کی مثال یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت پر ایک دیو بیٹھ گیا اور وہ جو حکم دیتا تھا، لوگ اس کو بجا لاتے تھے، کسی کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ دیو ہے یا حضرت سلیمان علیہ السلام، حالاں کہ دیو حضرت سلیمان علیہ السلام کی جگہ فریب سے بیٹھا تھا، نفس کی صفت کا یہی حال ہے:

Marfat.com

ترا بر مملکت زاں نیست فرماں | کہ دیوت ہست برجائے سلیماں
اگر آری بدست انگشتری باز | بفرماں آیدت دیو و پری باز

اہل معرفت نفس کی تلبیس سے واقف رہتے ہیں، دوسروں کو اس سے واقفیت نہیں ہوتی، اگر نفس کو کسی چیز کی خواہش ہوئی اور اس کو نہ پایا تو کہتے ہیں کہ قبض ہے، اور اگر پالیا اور خوشی ہوئی تو کہتے ہیں بسط حاصل ہوا، حالاں کہ قبض و بسط دل کے احوال ہیں جو نفس ہی کا نتیجہ ہے، مراد کے حاصل نہ ہونے سے رنج ہوتا ہے اور مراد کے پالینے سے نشاط طاری ہوتا ہے، اہل ترک و تجرید تمام چیزوں کو چھوڑ دیتے ہیں، ان کے سامنے جو کچھ بھی ہوتا ہے، اس کو خراب کر دیتے ہیں، اگر ان کا دل پھر ان چیزوں کی طرف مائل ہوتا ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ ان کا دل خراب ہوگیا، شیخ معز الدین نے پوچھا کہ کیا نفس کی تلبیس ہر مقام پر ہوتی ہے؟ تو حضرت مخدوم نے فرمایا، جب تک نفس مغلوب نہ ہو جائے، ہر مقام پر اس کا فریب جاری رہتا ہے، ارباب بصیرت نفس کی تلبیس سے کسی مقام پر غافل نہیں رہتے، خواہ نفس ان کا کتنا ہی مطیع اور فرماں بردار ہوگیا ہو۔" (معدن المعانی، ص ۲۱۲-۲۱۰، مطبوعہ مطبع شرف الاخبار، بہار)

امرا میں قاضی شمس الدین حاکم چوسہ نے حضرت مخدوم الملک سے سب سے زیادہ استفادہ کیا، آپ کے مکتوب کا جو مجموعہ شائع ہوا ہے، اس میں زیادہ تر قاضی شمس الدین ہی کے نام مکاتیب ہیں، ان میں عرفان و تصوف کا شاید ہی ایسا کوئی مسئلہ ہوگا، جس کی وضاحت نہ کی گئی ہو، باطنی تعلیمات کے ساتھ ساتھ ظاہری اخلاق کو بھی سنوارنے کی تلقین ہے، مثلاً پاکیزہ اخلاق کی تعلیم کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

"برادرم شمس الدین! خداوند تعالیٰ کی اطاعت میں مستقل مزاج رہو، کاتب حروف کے سلام و دعا کے بعد اے برادر! یہ ضروری ہے کہ تم اپنے اخلاق کی بری باتوں کو اچھی باتوں میں تبدیل کرنے میں روزانہ ہر ممکن کوشش کرو اور اس کو ایک اہم کام سمجھو، اس کام کو تم نے چھوڑ دیا، یا اس سے غافل ہوگئے تو پھر بلائیں پیش آئیں گی نعوذ باللہ منھا، اس دنیا کے جانوروں اور چوپایوں میں جو

Marfat.com

صفات ہیں، ان میں سے ہر ایک صفت انسان میں بھی پائی جاتی ہے اور اس قسم کی جو صفت انسان میں غالب رہتی ہے، وہی قیامت کے روز صورت بن کر ظاہر ہوتی ہے۔" (مکتوبات سہ صدی، ص ۲۰۳)

ایک مکتوب میں قاضی شمس الدین ہی کو تحریر فرماتے ہیں:

"یہ ضروری ہے کہ کپڑا، جسم اور لقمہ پاک اور حلال ہو، حواس خمسہ بھی معصیت سے پاک ہوں، دل بھی اوصاف ضیمہ یعنی بخل اور حسد وغیرہ سے پاک ہو، پہلے کی پاکی سے مرید راہ دین میں دو قدم آگے بڑھ جاتا ہے اور تیسرے کی (یعنی دل کی) پاکی حاصل ہوتی ہے تو مرید تین قدم آگے بڑھ جاتا ہے اور مرید پر توبہ کی حقیقت واضح ہوتی ہے اور وہ حقیقتاً تائب ہوتا ہے۔ (ایضاً ص ۸۷-۳۸۶)

ایک مکتوب میں طمع اور نفاق سے بچنے کی تلقین روحانی طریقہ سے فرماتے ہیں:

"برادرم شمس الدین! معلوم ہو کہ نفاق سے ایک کام کرنا اور صدیقوں کے رتبہ کی طمع رکھنا دین داروں کی پہچان نہیں، تمہارا کوئی کام طمع سے خالی نہیں ہوتا، خالص نیت کا راز اظہار عبودیت میں ہے، نہ کہ طمع میں، طمع اور چیز ہے، اظہار عبودیت اور چیز، یہ بات کچھ غور کرنے کے بعد معلوم ہوئی ہے لیکن ہم تم ایسے ہیں کہ کچھ رشوت ہی لے کر خدا کی بندگی کرتے ہیں مع

زہے عشق ار ز رشوت دوست خواہی داشت جاناں را (ایضاً ص ۲۰۵)

سعادت وشقاوت کے متعلق رقم طراز ہیں:

"برادرم شمس الدین! معلوم ہو کہ خداوند تعالیٰ کے دو خزانے ہیں، سعادت اور شقاوت، ایک کی کنجی طاعت ہے اور دوسرے کی کنجی معصیت ہے، جو کہ ازل سے **السعید من سعد فی بطن امہ** کے مصداق ہیں، (یعنی سعید وہ ہیں جو ماں کے پیٹ ہی میں سعید ہوئے) ان کے ہاتھ میں سعادت کی کنجی یعنی طاعت دی گئی اور جو ازل سے **الشقی من شقی فی بطن امہ** کے مصداق ہیں (یعنی شقی وہ ہیں جو ماں کے پیٹ ہی میں شقی ہوئے) ان کے ہاتھ میں شقاوت یعنی معصیت کی کنجی دی گئی اور آج ہر شخص اپنے ہاتھوں میں دیکھ سکتا ہے کہ کون سی کنجی اس کے پاس ہے اور یہ بات سنت الٰہی کے مطابق ہے، سعید وشقی کو علمائے آخرت دیکھتے ہیں، نہ کہ علمائے دنیا لیکن بندہ کی

Marfat.com

تمام عزت اور دولت اسی میں ہے کہ وہ طاعت وعبادت میں مشغول رہے۔'' (ایضاً،ص ۲۱۵)

معاملات کی تعلیم دیتے ہیں:

''برادرم شمس الدین! ہر وہ معاملہ جس کا جواز قرآن میں نہیں، بے جا ہے، ہر خواہش جو شریعت میں نہیں باطل ہے، ہر دلیل جو دین کی تائید میں لائی جائے لیکن دینی نہیں ہے محض باطل ہے اور ہر استعانت جو دین کی خاطر کی جائے لیکن دینی نہیں ہے مردود ہے۔'' (ص ۲۵۵)

ایک مکتوب میں فرماتے ہیں، امرا، ملوک، اصحاب منصب، ارباب قدر ومنزلت کے لیے اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچنے کا سب سے نزدیک راستہ یہ ہے کہ وہ عاجزوں کی دست گیری اور حاجت مندوں کی حاجت روائی کریں، چنانچہ ایک بزرگ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں پہنچنے کی راہیں تو بہت ہیں لیکن سب سے نزدیک راہ دلوں کو راحت پہنچانا ہے، ان بزرگ سے یہ کہا گیا کہ جس شہر کے وہ رہنے والے ہیں، اس کا بادشاہ شب بیدار ہے، نفل نمازیں بہت پڑھتا ہے، نفل روزے بھی رکھتا ہے، فرمایا، بے چارے نے اپنے کام کو تو کھو دیا ہے لیکن دوسروں کے کام میں لگا ہوا ہے، لوگوں نے ان بزرگ سے پوچھا کہ آخر اس بادشاہ کا اپنا کام کیا ہے، تو فرمایا، اس کا کام تو یہ ہے کہ طرح طرح کے کھانے پکوائے اور بھوکوں کو بھر پیٹ کھلوائے، طرح طرح کے کپڑے سلوائے اور ننگوں کو پہنوائے، اجڑے ہوئے دلوں کو آباد کرے، حاجت مندوں کی دست گیری کرے، نفل نماز اور نفل روزے تو درویشوں کا کام ہے۔ (مکتوبات سہ صدی، ص ۴۸۹)

اسی طرح اور بھی تعلیمات ہیں جن میں سے کچھ آئندہ صفحات میں پیش کی جائیں گی اور دوسرے امرا جنہوں نے حضرت مخدوم الملک سے تعلیم پائی، ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں، قاضی صدر الدین، ملک مفرح، ملک معز الدین، شمس الملک شمس الدین خوارزمی وغیرہ، ان امرا کے نام جو خطوط لکھے ہیں، ان میں کہیں درویشانہ انکسار ہے، کہیں عالمانہ وقار و سنجیدگی، کہیں بزرگانہ محبت و شفقت ہے اور کہیں مرشدانہ زجر وتوبیخ، یہ مکتوبات آج بھی

Marfat.com

فیوض و برکات کے سرچشمے ہیں۔

درویشانہ زندگی: ارباب حکومت اور اصحاب دولت سے تعلقات کے باوجود حضرت مخدوم الملکؒ کی زندگی میں درویشانہ شان ہمیشہ قائم رہی، مرشد کی ہدایت کے مطابق خشک روٹی، خشک چاول یا خشک کھچڑی تناول فرماتے، دن کے وقت گھر میں چولہا نہ جلتا،، اپنی والدہ ماجدہ کو روزمرہ کے خرچ کے لیے ایک مقررہ رقم دیتے لیکن ان سے یہ شرط تھی کہ دن کے وقت گھر میں دھواں نہ ہو، ایک بار گھر میں کوئی عزیز مہمان آیا، والدہ ماجدہ نے مہمان کی خاطر مرغ اور روٹی پکانی شروع کی، جس کی خبر حضرت مخدوم الملک کو نہیں ہوئی، گھر میں دھواں اٹھنے لگا تو خادم خاص کو بلا کر دریافت کیا، جب معلوم ہوا کہ مرغ اور روٹی پک رہی ہے تو والدہ ماجدہ کے پاس پہنچے اور عرض کیا کہ میں نے اپنا منھ کالا کر کے آپ سے شرط کی تھی لیکن آپ اس کی پابند نہ ہو سکیں، ماں نے بیٹے کی خاطر ساری چیزیں مہمان کو دے دیں کہ کہیں اور جا کر پکوا لو[1]، ایک مرتبہ ایک شخص فالودہ لے آیا، حضرت مخدوم الملک نے اس کو سونگھ کر چھوڑ دیا اور فرمایا کہ خیریت ہوئی، اگر کھا لیتا تو اس فالودہ نے تو میرا کام ہی تمام کر دیا تھا[2]، حضرت مخدوم الملک کا عمل اس اصول پر تھا کہ کھانا اس طرح کھایا جائے جس طرح دوا کھائی جاتی ہے۔

لباس میں بھی سادگی تھی، تہ بند، مرزئی، کرتا اور چادر کے علاوہ عمامہ بھی سر مبارک پر باندھتے تھے، لباس کا رنگ عموماً صندلی ہوتا، لباس کے کچھ تبرکات خانقاہ شریف میں موجود ہیں۔

خشیت الٰہی وحب اللہ: عذاب الٰہی کے خوف سے ہمیشہ روتے رہتے لیکن اس خوف کے ساتھ حب اللہ میں عجیب وارفتگی پیدا ہو گئی تھی، ایک بار ایک مرید مولانا نظام الدین نے اپنے وعظ میں یہ دو شعر پڑھے:

---

[1] مونس القلوب، قلمی نسخہ، ص ۴۶، نیز دیکھو سیرۃ الشرف، ص ۱۱۶-۱۱۵ [2] مناقب الاصفیا، ص ۱۳۶۔

Marfat.com

اے قوم بہ حج رفتہ کجائید کجائید معشوق ہمیں جاست بیائید بیائید
آنانکہ طلب گار خدائید خدائید حاجت بطلب نیست شمائید شمائید

حضرت مخدوم الملک بھی مجلس وعظ میں تشریف فرماتھے، شعر سن کران پر عجیب کیفیت طاری ہوگئی، سر مبارک کو ستون سے اتنا ٹکرایا کہ مجروح ہوگیا[1]۔

اتباعِ سنت: لیکن حب اللہ میں اتباع سنت کا بھی ہر حال میں خیال رہتا تھا، فرماتے تھے کہ ''باخدا دیوانہ باش و با شریعت ہوشیار[2]۔''

باشرع بہ ہوش باش و باخدا دیوانہ باعشق آشنا باش و باعقل بیگانہ

خدمت خلق اللہ: حق تعالیٰ کی خوش نودی کی خاطر حق العباد ادا کرنے میں برابر کوشاں رہے، خلق اللہ کی خدمت کو بڑی دولت تصور فرماتے تھے، ارشاد ہے کہ:

''مسلمانوں کا کام انجام دینا اوران کے کام میں لگے رہنا بڑی دولت ہے، یہ کام پیغمبروں کا ہے، انہوں نے مسلمانوں کے کام کیے اوران کی بلائیں اپنے سر لیتے رہے۔''

ملک خضر کو ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''اس تاریک دنیا میں قلم، زبان، مال اور جاہ سے جہاں تک ممکن ہو محتاجوں کو راحت پہنچاؤ، صوم وصلوٰۃ ونوافل اپنی جگہ پر اچھی ضرور ہیں لیکن دلوں کو راحت پہنچانے سے زیادہ سودمند نہیں۔''

حضرت مخدوم الملک کا عمل بھی اس پر رہا، بہار شریف میں صرف اسی لیے اقامت کی کہ خواص وعوام کے ظاہری و باطنی اخلاق کو سنواریں اوراس کے لیے درس و تدریس، پند و موعظت اور تقریر وتحریر وغیرہ تمام ذرائع اختیار فرمائے، اس سلسلہ میں جو تعلیمات دیں ان کی تفصیل آگے آئے گی۔

دل جوئی و پردہ پوشی: خلق اللہ کی دل جوئی اوران کے عیوب کی پردہ پوشی کا خیال ہر حال

---

[1] مونس القلوب، قلمی نسخہ، ص ۸۴ اوسیرۃ الشرف، ص ۱۲۴ [2] مکتوبات سہ صدی، ص ۴۶۰۔

Marfat.com

میں رکھتے، اگر نفل کا روزہ رکھے ہوتے اور کوئی مدعو کرتا تو فوراً افطار کر لیتے اور فرماتے کہ نفل روزہ کی تو قضا ہے لیکن شکستگی دل کی قضا نہیں۔

ایک روز ایک شخص امامت کے لیے آگے بڑھا، لوگوں نے حضرت مخدوم سے کہا، یہ شراب خوار ہے، فرمایا، ہر وقت نہ پیتا ہوگا، لوگوں نے کہا، ہر وقت پیتا ہے، فرمایا، رمضان المبارک میں نہیں پیتا ہوگا، اور اس کی اقتدا کر لی[1]۔

عجز وانکسار: عالم تھے لیکن اپنے کو "سگ گرگین آستانہ علما"[2] سمجھتے تھے، اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے لیکن اپنے آپ کو مدبر (ذلیل) اور مخذول[3] (بدبخت) وغیرہ لکھتے تھے، اپنے متعلق فرماتے کہ "ہیچ نہ شد" پہلے بھی ذکر آچکا ہے ایک بار علی الصباح سرد پانی میں غسل کرتے وقت بے ہوش ہو گئے، جب ہوش آیا تو فجر کی نماز کا وقت جا چکا تھا، انتہائی رنجیدہ ہو کر اپنے آپ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جتنا مجاہدہ میں نے کیا ہے اگر پہاڑ نے کیا ہوتا تو وہ پانی ہو جاتا لیکن افسوس شرف الدین کچھ نہ ہوا، تمام معاصر مشائخ کو اپنے سے بلندتر اور بہتر تصور فرماتے، ایک بار حضرت سید جلال بخاری کی خدمت میں ایک کفش بھیجی جس سے یہ مطلب تھا کہ میں آپ کا کفش پا ہوں لیکن حضرت سید جلال بخاری نے اس کے بدلہ میں اپنی دستار بھیجی جس سے یہ مراد تھی کہ آپ میرے سرتاج ہیں[4]، مناقب الاصفیا میں ہے کہ حضرت سید جلال الدین بخاری دہلی کی طرف منھ کر کے سینہ ملتے اور فرماتے:

"بوئے عشق از طرف بہار می آید" (ص ۱۴۱)

احترام اولیاء اللہ: تمام اولیاء اللہ کا بڑا احترام کرتے، ایک بار ان کی مجلس میں حلاج کا ذکر آیا تو فرمایا کہ اس زمانہ میں اتنے ہم مشرب تھے لیکن کوئی ان کو باز نہ رکھ سکا، اگر میں ہوتا تو ان کو قتل نہ ہونے دیتا اور مقام فردیت سے زوجیت میں لے آتا، مناقب الاصفیا کے مؤلف نے

---

[1] مناقب الاصفیا، ص ۱۴۱ [2] مکتوبات سہ صدی، ص ۴۹۳ [3] ایضاً [4] مونس القلوب، قلمی نسخہ دیرۃ الشرف، ص ۱۵۱۔

Marfat.com

اس اصطلاح کی تشریح اس طرح کی ہے:

''از تزویج مراد وے ترقی کنانیدن است از مقام فردیہ بمقام زوجیت کہ مصطلح صوفیان ست ومنتہائے مقام منتہیان۔'' (ص ۱۳۷)

ایک باران کی مجلس میں قاضی زاہد نے پوچھا کہ آپ مردان خدا کی جو صفت بیان فرماتے ہیں اس کے مطابق ہندوستان میں کوئی مرد خدا ہے کہ نہیں، جواب میں فرمایا، وہ مرد خدا پانی پت کا دیوانہ ہے، (مراد حضرت بوعلی قلندر پانی پتیؒ تھے) قاضی زاہد نے کہا کہ ہندوستان میں اتنے بزرگانِ دین ہیں پھر ان میں حضرت بوعلی قلندرؒ پانی پتی ہی کو کیوں مخصوص فرمایا، حضرت مخدوم الملک نے جواب میں فرمایا ''زاہد! تم نے مردانِ خدا کے بارے میں سوال کیا تھا، نہ کہ بزرگانِ دین کے متعلق۔'' (مناقب الاصفیا، ص ۱۳۷)

شیخ عز کاکوی اور احمد بہاری دونوں سے حضرت مخدوم الملک کو بڑا لگاؤ تھا، دونوں توحید وجودی کے قائل تھے اور عالم جذب میں رہتے تھے اور وہ کچھ ایسی باتیں کرتے جو علما کو پسند نہ ہوتیں لیکن حضرت مخدوم الملک ان دونوں کو توحید کے اسرار و رموز کا واقف کار اور ترک و تجرید کا حامل سمجھتے تھے اور ان کی باتوں کو عالم دیوانگی پر محمول کرتے تھے، وہ دونوں دہلی پہنچے تو ان کی ''سخنانِ فراخ'' اہل دہلی کو پسند نہ آئیں، سلطان فیروز شاہ کو توجہ دلائی گئی تو اس نے علما کا ایک محضر طلب کیا اور ان دونوں کے معاملات پیش کیے، علما نے ان کے قتل کا فتویٰ دیا اور جب ان کے قتل کی خبر حضرت مخدوم الملکؒ کو ملی تو فرمایا، جس شہر میں ایسے بزرگوں کا خون بہایا جائے، تعجب ہے اگر وہ آباد رہے، حضرت مخدوم الملک کی یہ بات فیروز شاہ تک پہنچی تو اس نے علما اور اکابر کو پھر جمع کیا اور ان سے کہا کہ آپ لوگوں کے فتویٰ سے دونوں کا قتل ہوا، پھر شیخ شرف الدین منیری ایسا کیوں کہتے ہیں، علما نے کہا کہ ان کو دہلی بلا کر پوچھا جائے کہ انہوں نے ایسا کیوں کہا، سلطان فیروز شاہ نے ان کی طلبی کا ایک فرمان بھیجا لیکن اسی اثنا میں حضرت سید جلال الدین بخاری کا ایک خادم کچھ تبرکات لے کر سلطان کے پاس آیا، آئندہ

Marfat.com

باب میں ذکر آئے گا کہ سلطان ان کا بڑا معتقد تھا، سلطان نے خادم سے کہا کہ حضرت مخدوم (یعنی حضرت سید جلال الدین بخاریؒ) نے بہت دنوں کے بعد یاد فرمایا ہے، خادم نے جواب دیا کہ ان کو آج کل شیخ شرف الدین منیری کے مکتوبات مل گئے ہیں، وہ خلوت میں ان کے مطالعہ میں ایسے مشغول ہیں کہ کسی سے نہیں ملتے اور یہی سبب ہے کہ اتنے دن ہو گئے، یہ سن کر حضرت مخدوم الملک کی عظمت سے متاثر ہو کر فرمان بھیجنے پر پشیمان ہوا اور اس فرمان کو منسوخ کرنے کے لیے دوسرا قاصد بھیجا۔ (مناقب الاصفیا، ص ۱۳۸)

تربیت مرید: شیخ مظفر بلخیؒ حضرت مخدوم الملک کے بڑے محبوب خلیفہ تھے، مناقب الاصفیا کے مرتب نے ان کو سلطان جہان تجرید، قہرمان ایوان تفرید، خورشید آسمان درباخت و برخاست لکھا ہے، ان کو اپنی نوجوانی کے زمانہ میں اپنے علم کا بڑا پندار تھا، ان کے والد بزرگوار سید شمس الدین بلخ کے شاہی خاندان سے تھے، تغلق سلاطین کے دور میں ہندوستان آئے، دہلی سے بہار شریف آئے اور شیخ احمد چرم پوشؒ کے حلقۂ بیعت میں داخل ہوئے، ان کے تین لڑکے شیخ مظفر الدین، شیخ معز الدین اور شیخ قمر الدین تھے، ان میں موخر الذکر دونوں شیخ احمد چرم پوشؒ کے مرید ہو گئے، شیخ مظفر الدین حضرت مخدوم الملکؒ سے بیعت ہوئے، وہ جب پہلی دفعہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اپنے علم میں سرشار ہو کر حضرت مخدوم الملکؒ کے سامنے کچھ علمی مشکلات پیش کیں، حضرت مخدوم الملکؒ ان کا جواب دیتے تو وہ کہتے، لااسلم (میں تسلیم نہیں کرتا) حضرت مخدوم الملک اپنی ناگواری کا اظہار کرنے کے بجائے ان سے اور بھی اخلاق سے پیش آتے رہے اور شافی جوابات دے کر ان کو مطمئن کیا، پھر تو ان کو بڑی شرمندگی ہوئی، حضرت مخدوم الملک کے اخلاق کے سامنے جھک کر ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے، جب وہ مرید ہو گئے تو حضرت مخدوم الملک نے ان کو از سر نو تعلیم حاصل کرنے کو کہا اور فرمایا کہ اب تک تم نے جو علم حاصل کیا تھا وہ جاہ و منزلت کی خاطر تھا جو راہ طریقت میں کام نہ آئے گا، اب اس راہ کے لیے پھر سے علم حاصل کرو، تحقیق میں لگ جاؤ،

Marfat.com

یہاں تک کہ کمال کا پھل پاکر راہ سلوک میں ترقی حاصل کرو، مرید نے مرشد کی نصیحت پر عمل کیا، اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے، پیدل چلنے سے پاؤں میں آبلے پڑ گئے، آگے بڑھنے کی طاقت نہ رہی تو ایک درخت کا سہارا لے کر اس کے نیچے بیٹھ گئے، تھوڑی دیر میں ایک ملک زادہ، جو حضرت مخدوم الملک کے مریدوں میں تھا، وہاں آ گیا، وہ گھوڑے پر سوار تھا، شیخ مظفر کو دیکھ کر ان کے پاس آیا، شیخ مظفر نے اس سے اپنا حال کہا تو اس نے ازراہ عنایت ایک گھوڑا عطا کیا، جس پر سوار ہو کر وہ دہلی پہنچے، دو سال تک وہاں تعلیم پاتے رہے، فیروز شاہ تغلق نے ان کو درس و تدریس کے مشغلہ میں بھی لگا دیا، ایک روز درس دے رہے تھے کہ مطربوں کو کچھ گاتے ہوئے سنا تو ان پر عجیب کیفیت طاری ہوگئی، بالا خانہ سے کود پڑے، مگر خدائے تعالیٰ نے ان کو بچا لیا، اسی حالت میں اپنے گھر کو لٹوا دیا اور دہلی سے چل کھڑے ہوئے، مرشد کے پاس پہنچے تو علم کا سارا غرور ختم ہو چکا تھا، پھر بھی حضرت مخدوم الملک کو محسوس ہوا کہ ابھی تک ان کے اس علم میں، جو عزت کی خاطر حاصل کیا گیا تھا، کچھ شائبہ باقی رہ گیا ہے اور جب تک وہ اپنے کو جاہلوں میں شمار نہ کریں گے، آفت جاہ سے محفوظ نہ ہو سکیں گے، اسی لیے حکم دیا کہ وہ خانقاہ کے فقیروں کی خدمت کیا کریں، مرشد کا حکم بجالانے میں ان کو خوشی ہوئی، خانقاہ کے فقرا جو کچھ ان کو کرنے کو کہتے، انجام دیتے، عزت اور ذلت کی طرف التفات نہ کرتے، ان کے کپڑے پھٹ جاتے تو ان میں پیوند لگا لیتے یا گرہیں ڈال دیتے، ایک روز حضرت مخدوم الملک نے دیکھا کہ ان کے کپڑے تار تار ہو گئے ہیں اور ان کی صورت سے عاجزی ظاہر ہو رہی ہے پھر بھی خوش تھے اور زبان حال سے یہ کہہ رہے تھے:

خوشم بدولت وخواری وملک تنہائی   کہ التفات کسے رابروزگارم نیست

یہ دیکھ کر حضرت مخدوم الملک نے فرمایا، اب ان کو لطیف اور بیش قیمت کپڑے دیے جائیں، ان کے رہنے کی جگہ بھی لطیف اور ہوادار ہو اور سونے کے کپڑے بھی لطیف اور نرم ہوں، کھانے بھی لطیف ملتے رہیں اور ایسا ہی کیا گیا لیکن شیخ مظفر خداوند تعالیٰ کی

Marfat.com

محبت اور طلب میں ایسے سرشار ہو چکے تھے کہ یہ ساری چیزیں ان کی نظروں میں کانٹوں کی طرح کھٹکنے لگیں، ان پر فقر کا راز روشن ہو چکا تھا، ان چیزوں کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتے اور زبان حال سے یہ کہتے دکھائی دیتے:

جان آدم چوں بسر فقر سوخت　　　ہشت جنت را بیک گندم فروخت

ایک دن وہ دہلیز پر ہاتھ اونچا کیے ہوئے کھڑے تھے، حضرت مخدوم الملک کی نظر ان پر پڑی تو دیکھا کہ ان کے بدن میں گوشت نہیں رہا ہے، کھال ہڈی سے چپک گئی ہے، پہلو نکل پڑا ہے، یہ دیکھ کر انہوں نے اپنے ایک مرید قاضی زاہد کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اب یہ سیدھی راہ پر آ گئے ہیں، لا اسلم کہتے ہوئے آئے تھے اور اب طرح طرح کے انعام پا گئے ہیں، شیخ مظفر بلخی نے راہِ سلوک کی مختلف منزلیں طے کر لیں تو حضرت مخدوم الملک ان کو تن شرف الدین اور جان شرف الدین کہا کرتے تھے اور جب وہ حضرت مخدوم الملک سے ملنے کو آتے تو ان کا استقبال دروازہ تک جا کر کرتے اور ان کے مریدین کہتے کہ ماہ آتا ہے، شاہ آتا ہے۔

شیخ مظفر بلخی بڑے صاحب کرامت بزرگ ہوئے لیکن حضرت مخدوم الملک ان کو کرامت کے صادر کرنے سے برابر روکتے رہے اور جب ان سے کوئی کرامت صادر ہوتی تو فرماتے:

"آں مقدار کہ تو بکرامت خود مشغول گشتی از مکرم خود اعراض نمودی۔"

یعنی جتنا تم اپنی کرامت میں مشغول ہوتے ہو اتنی ہی تم نے کرامت دینے والے سے روگردانی کی۔ (مناقب الاصفیا، ص ۱۴۷-۱۵۱)

ذوقِ سماع: حضرت مخدوم الملک کے مرشد کی نصیحت تھی کہ سماع کے وقت باطنی احوال ظاہر نہ ہوں، اس لیے جب کبھی مجلس سماع ہوتی اور اس میں حضرت مخدوم الملک کو وجد آتا تو خلوت میں چلے جاتے اور دروازہ بند کر لیتے، وہاں کسی کو آنے کی اجازت نہ ہوتی۔

Marfat.com

سماع کی حلت وحرمت پر معدن المعانی باب ہفتم (ص ۴۶۱-۴۷۱) اور مکتوبات سہ صدی (مکتوب نو د وسوم، ص ۲۶۴-۲۷۱) میں مستقل بحثیں ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر سماع سے اللہ تعالیٰ کی محبت کی تحریک ہو اور احوال شریف یعنی مکاشفات اور ملاطفات ظہور پذیر ہوں تو یہ حلال ہے اور اگر اس سے طبیعت فسق وفجور کی طرف مائل ہو تو یہ حرام ہے، سماع حلال بھی حرام بھی اور مکروہ بھی ہے اور مباح بھی اور سماع کے سننے سے دل حق کی طرف مائل ہوا تو یہ حلال ہے اور اگر مجاز کی طرف مائل ہو تو یہ حرام ہے اور اگر کچھ حق اور کچھ غیر حق کی طرف متوجہ ہو تو یہ مکروہ ہے اور حق ومجاز دونوں کی طرف مائل ہو لیکن حق کی طرف زیادہ رجحان رکھے تو یہ مباح ہے۔ (معدن المعانی، ص ۴۶۲-۴۶۴)

سماع اہل حق کے لیے مستحب، اہل زہد کے لیے مباح اور اہل نفس کے لیے مکروہ ہے۔ (مکتوبات سہ صدی، ص ۲۶۷)

سماع اگر طلب منفعت کے لیے ہے تو یہ مذموم ہے اور اگر طلب حقیقت کے لیے ہے تو یہ محمود ہے۔ (معدن المعانی، ص ۴۶۷)

مجلس سماع کے لیے تین شرطیں ضروری ہیں، مکان، اخوان اور زمان، مکان یعنی جہاں مجلس سماع ہوتی ہو، وہ مشائخ کی جگہ ہو اور پاکیزہ، کشادہ اور روشن ہو، اخوان یعنی مجلس سماع میں جو شریک ہوں وہ درویش یا درویش کے دوست ہوں، اہل تمیز، صحبت یافتہ اور مرتاض ہوں، زمان یعنی سماع کے وقت دل تمام چیزوں سے خالی ہو۔

مجلس سماع کے آداب کی پابندی بھی ضروری ہے، مثلاً شرکا دو زانو بیٹھیں، سر کو آگے جھکائے رکھیں، دائیں بائیں نہ دیکھیں، ہاتھ اور سر کو جنبش نہ دیں، پیاس معلوم ہو تو پانی نہ پئیں، آپس میں گفتگو نہ کریں، قوال کی خوش گوئی کی داد نہ دیں، اشعار کو بہترین طریقہ پر پڑھنے کی فرمائش نہ کریں، دل کو حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف مائل رکھیں، الخ الخ۔

(مکتوبات سہ صدی، ص ۲۷۰-۲۷۱)

Marfat.com

وصال: ۷۸۲ھ میں ۶ رشوال شب پنجشنبہ کو بوقت نماز عشا عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی، اس روز صبح کی نماز ہی کے وقت سے سفر آخرت کی تیاری شروع کر دی تھی، مریدوں کو پاس بلاتے، کسی کو گلے لگاتے، کسی سے مصافحہ فرماتے، کسی کی داڑھی کا بوسہ دیتے، کسی کو آغوش میں لیتے، کسی کو دعائیں دیتے، کسی کو خاص خاص وصیتیں کرتے، بار بار کلام پاک کی آیتیں اور کلمہ پڑھتے اور کہتے کہ کل تم سے پوچھیں کہ کیا لائے ہو تو کہنا **لاتقنطوا من رحمة الله ان الله یغفر الذنوب جمیعا**، یہ شعر بھی پڑھا:

خدایا رحمت دریائے عام است　　　　و ز آنجا قطرہ مارا تمام است[1]

مغرب کے وقت وضو کر کے نماز ادا کی، نماز کے بعد کلمہ طیبہ پڑھتے رہے، پھر مناجات کی دعائیں پڑھیں، آخر میں امت محمدیؐ کے لیے دعا کر رہے تھے کہ لا الہ الا اللہ کہتے ہوئے جان جان آفریں کے سپرد کر دی[2]، تاریخ وصال ''پرشرف'' (۷۸۲ھ) ہے، وصیت کی تھی کہ جنازہ کی نماز ایسا شخص پڑھائے جو صحیح النسب سید ہو، تارک مملکت ہو اور حافظ قرأت سبعہ ہو، جنازہ رکھا ہوا تھا کہ عین اس وقت حضرت اشرف جہاں گیر سمنانی کا ورود مسعود ہوا، یہ تینوں شرطیں ان میں موجود تھیں، اس لیے جنازہ کی نماز پڑھانے کی سعادت ان ہی کے حصہ میں آئی، مزار پرانوار بہار شریف میں مرجع خلائق ہے۔

علوے مرتبت: صوفیہ کرام میں مخدوم الملک، مخدوم عالم، سلطان العاشقین، سید المتکلمین، برہان المحققین الصالحین، تاج الاولیا، سراج الاولیا اور یکتائے روزگار کے القاب سے مشہور ہیں[3]۔

روحانی سرمائے: حضرت مخدوم الملک کے خاندان والے ان کی تصانیف کی تعداد سترہ سو بتاتے ہیں، لیکن ہم کو صرف حسب ذیل کتابوں کا پتہ چل سکا ہے:

---

[1] وسیلہ الشرف، ص ۵۹ [2] تفصیل کے لیے دیکھو راحت القلوب وفات نامہ حضرت مخدوم الملک قدس سرہ مطبع مفید عام، آگرہ [3] گنج المعانی، ص ۲، اخبار الاخیار، ص ۱۰۹۔

Marfat.com

(الف) مکتوبات-(۱) مکتوبات صدی، (۲) مکتوبات دوصدی، (۳) مکتوبات بست وہشت، (۴) فوائد رکنی۔

(ب) ملفوظات-(۱) معدن المعانی، (۲) خوان پُرنعمت، (۳) مخ المعانی، (۴) فوائد غیبی، (۵) گنج لایفنی، (۶) مونس المریدین، (۷) راحت القلوب، (۸) ملفوظ الصغر، (۹) بحر المعانی (کنز المعانی ؟)، (۱۰) مغز المعانی۔

(ج) تصانیف-(۱) ارشاد الطالبین، (۲) ارشاد السالکین، (۳) رسالہ مکیہ وذکر فردوسیہ، (۴) شرح آداب المریدین، (۵) فوائد المریدین، (۶) اجوبہ، (۷) لطائف اشرفی، (۸) عقائد شرفی، (۹) اوراد کلاں، (۱۰) اوراد اوسط، (۱۱) اوراد خورد، (۱۲) اشارات، (۱۳) رسالہ درہدایت حال، (۱۴) مرأۃ المحققین، (۱۵) رسالہ وصول اللہ۔

(۱) مکتوبات صدی-یہ حضرت مخدوم الملک کے مرید قاضی شمس الدین حاکم چوسہ کے نام ہیں، قاضی شمس الدین اپنے فرائض منصبی کی مشغولیت کے باعث حضرت مخدوم الملک کی خدمت میں حاضر ہونے سے معذور تھے، اس لیے ان کی تعلیم مکتوبات کے ذریعہ سے ہوتی تھی[۱] حضرت مخدوم الملک ان کو بہت عزیز رکھتے تھے، وصال کے وقت ان کو اپنے پاس بلا کر فرمایا "قاضی شمس الدین کو کیا کہوں، قاضی شمس الدین میرے فرزند ہیں، متعدد بار میں نے کبھی ان کو "فرزندم" اور کبھی "برادر" لکھا ہے، ان ہی کی وجہ سے میرا علم درویشی ظاہر ہوا، ان ہی کے لیے مجھ کو کہنا اور لکھنا پڑا، ورنہ کون لکھتا[۲]" مکتوبات صدی میں تصوف کے تمام اہم مسائل پر مختصر مگر محققانہ مباحث ہیں، یہ مکتوبات ۷۴۷ھ میں لکھے گئے، ان کو حضرت مخدوم الملک کے کاتب مولانا زین بدر عربی نے جمع کر کے اپنے پاس رکھ لیا تھا، مکتوبات صدی کے نسخے چھپ گئے ہیں، ایک نسخہ مطبع نول کشور میں چھپا ہے، جو بے حد غلط ہے، ایک اور نسخہ مطبع علوی محمد علی بخش خان نقش بندی میں چھپا ہے۔

---

[۱] دیباچہ مکتوبات سہ صدی، ص۲، مطبع اسلامی لاہور [۲] راحت القلوب وفات نامہ، ص ۲۷-۲۶۔

Marfat.com

(۲) مکتوبات دو صدی - اس میں عام طور سے ۱۵۱ مکتوبات پائے جاتے ہیں[۱]، اس کو مولانا زین بدر عربی نے مذکورۂ بالا مکتوبات کے بائیس سال کے بعد ۷۶۹ھ میں ترتیب دیا تھا مگر خدا بخش لائبریری کے مخطوطہ میں کاتب کا نام محمد بن محمد بن عیسیٰ البلخی المدبوعہ اشرف بن رکن ہے[۲]، یہ مکتوبات بھی چھپ گئے ہیں، ایک نسخہ سہ صدی مکتوبات کے نام سے کتب خانۂ اسلام پنجاب لاہور سے بھی شائع ہوا ہے، جس میں مکتوبات صدی کے سو مکتوبات اور مکتوبات دو صدی کے ۱۵۲ مکتوبات کے علاوہ مکتوبات بست و ہشت بھی شامل کر دیے گئے ہیں۔

یہ مکتوبات کسی ایک شخص کے نام نہیں ہیں، بلکہ اس زمانہ میں حضرت مخدوم الملک نے مختلف مریدوں کے نام جو خطوط لکھے ہیں، ان ہی کا مجموعہ ہے، اس لیے بعض مباحث میں توارد اور تکرار پیدا ہو گیا ہے۔

(۳) انڈیا آفس میں حضرت مخدوم کے مکتوبات کا ایک اور مجموعہ ہے، جس میں ۱۲۵ مکتوبات ہیں، اس میں بھی خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم کے نام خطوط ہیں، ان دونوں کو حضرت مخدوم الملک فرزند کہہ کر مخاطب فرماتے ہیں، جس سے انڈیا آفس کیٹلاگ کے مرتب کو دھوکا ہوا ہے کہ وہ دونوں حضرت مخدوم الملک کے صاحب زادے تھے۔

(۴) مکتوبات بست و ہشت - یہ مولانا امام مظفر قدس سرہ کے نام ہیں، بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت مخدوم الملک نے ان کے نام دو سو سے زیادہ خطوط لکھے تھے، مگر ان کو وہ (امام مظفر) عوام سے پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے، اس لیے انہوں نے وفات کے وقت وصیت کی تھی کہ یہ خطوط ان کے ساتھ قبر میں دفن کر دیے جائیں، مگر اتفاق سے یہ اٹھائیس خطوط کہیں پڑے رہ گئے، جو رفتہ رفتہ بالکل عام ہو گئے اور اب یہ کتاب کی صورت میں شائع

---

[۱] دیکھو انڈیا آفس کیٹلاگ، ص ۱۰۱۰، نمبر ۱۸۴۴ اور یز ایشیاٹک سوسائٹی کیٹلاگ، ص ۵۷۴ [۲] دیکھو کیٹلاگ، ج ۱۶، ص ۲۸۔

Marfat.com

کردیے گئے ہیں[1]۔

فوائد رکنی-۴۴ صفحے کا ایک رسالہ ہے، جس میں حضرت مخدوم الملک نے اپنے ایک مرید رکن الدین کو حج کعبہ کے وقت سفر و حضر میں مطالعہ کے لیے ہدایتیں دی تھیں، یہ خطوط کی صورت میں ہے، اس کے مختلف فوائد ہیں، عشق الٰہی کی بے چارگی، انسان کی برتری، راہِ طریقت میں محنت و ریاضت، مکار و غدار دنیا سے قطع تعلق، تواضع و انکسار، روحانی گرسنگی اور صوفیائے کرام کے رموز و اشارات پر مباحث ہیں، ایک جگہ فرماتے ہیں کہ مریدوں کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور پیروں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ پر چلنا چاہیے۔

ایک دوسری جگہ دنیا کو حضرت آدم علیہ السلام کا غلیظ کہا ہے۔

حضرت مخدوم الملکؒ کی تمام تصانیف میں مکتوبات بہت ہی مقبول ہوئے، حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ نے اس کا مطالعہ کیا تو فرمایا کہ سبحان اللہ! شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ نے ہم لوگوں کے صد سالہ کفر کو ہتھیلی پر رکھ کر دکھا دیا ہے، (مناقب الاصفیا، ص ۱۴۰) حضرت سید جلال الدین بخاری جہانیاں جہاں گشت سے ان کے آخر عمر میں کسی نے پوچھا کہ آپ کا کیا شغل رہتا ہے تو فرمایا کہ شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ کے مکتوبات کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں، یہ سن کر ان سے سوال کیا گیا کہ آپ نے ان مکتوبات کو کیسا پایا تو فرمایا کہ ان مکتوبات کے بعض مقام کو اب میں سمجھتا ہوں۔ (مناقب الاصفیا، ص ۱۴۰)

ابوالفضل آئین اکبری میں رقم طراز ہے:

''وفراواں تصنیف از دیادگار، ازاں میان مکتوبات اودر سرشکنی نفس آزمون دارد۔''

(ج ۳، ص ۱۷۲)

مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

''اورا تصانیف عالی است، از جملہ تصانیف او مکتوبات مشہور و لطیف ترین تصانیف

---

[1] دیکھو دیباچہ مکتوبات بست وہشت، ص ۳۰۲، مطبع اسلامی لاہور۔

Marfat.com

اوست، بسیاری از آداب طریقت واسرار حقیقت درآنجا اندراج یافتہ۔" (اخبار الاخیار، ص ۱۰۹)

مکتوبات کی تعلیمات پر مباحث آگے آئیں گے، اس سے پہلے حضرت مخدوم الملک کے ملفوظات میں سے کچھ کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے:

(۱) معدن المعانی - اس کو حضرت مخدوم الملک کے مرید خاص مولانا زین بدر عربی نے دو جلدوں میں مرتب کیا ہے، اس میں ۷۴۹ھ سے ۷۵۱ھ تک کے ملفوظات ہیں، جن میں نہ صرف خالص صوفیانہ رموز و نکات بلکہ حدیث اور علم کلام پر بھی مباحث ہیں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مخدوم الملک کی خانقاہ کی مجلسوں میں نہ صرف تصوف کے عقدہ ہائے لانیحل حل کیے جاتے تھے بلکہ وعظ و نصیحت، رشد و ہدایت اور امر و نواہی، اوصاف حمیدہ اور اخلاق حسنہ کی تعلیم بھی جاری تھی، ان ہی تعلیمات کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت مذہب اور تصوف دو الگ چیزیں نہ تھیں، بلکہ دونوں ایک ہی شمع کے دو پرتو تھے۔

اس مجموعہ میں ایک خاص بات یہ پائی جاتی ہے کہ حضرت مخدوم الملک جو کچھ فرماتے تھے، اس کے آخر میں اشعار پڑھ کر اس کو دل پذیر اور اثر انداز بنادیتے تھے، مثلاً ایک جگہ فرمایا، طالب دنیا دنیا کے اسباب کو فراہم کرنے میں لگا رہتا ہے، طالب عقبیٰ احکام شرع سامنے رکھتا ہے اور اس کی ظاہری پابندی کرتا رہتا ہے تاکہ اس کو عقبیٰ حاصل ہو لیکن طالب مولیٰ کا جب تک باطن درست نہیں ہوتا ہے، اپنے مقصد کو حاصل نہیں کرتا ہے، اس کے بعد فرمایا:

پاک شو تا ز اہل دیں گردی — آں چناں باش تا چنیں گردی
گرچہ پاک ست ہر چہ نیست تست — ہمہ در جب حق جنابت تست
ہر چہ جز حق بسوز و غارت کن — ہر چہ جز دیں از و طہارت کن

طالب مولیٰ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے باطن کو درست اور صاف کرے، اس کے لیے یہی چیز اصل ہے:

طالب او ز غسل در گیرد — از جب حق نماز پذیرد

Marfat.com

تا بجاروب لا نرد بے راہ　　ترسی در سرائے الا اللہ
نشوی در نہاد خود سالار　　بہ نماز و بروزۂ بسیار
زانکہ ہر چند گرد بر گردی　　تو کہ زیں ورطہ خواجہ تر گردی

ایک اور موقع پر فرمایا کہ اگر خلق کا کوئی ممدوح ہے لیکن وہ حق (یعنی خدا) کے ساتھ نہیں ہے تو اس کو کوئی فائدہ نہیں حاصل ہوگا لیکن اگر خلق کا وہ مذموم ہے اور حق کے ساتھ ہے تو اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا، اگر کسی کو ملک، فلک اور ساری دنیا مسلمان سمجھتی ہو لیکن اس کے اور حق کے درمیان معاملات صحیح نہیں ہیں تو اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا ہے اور اگر سارا عالم اس کو کافر اور مرتد سمجھے لیکن اس کے اور حق کے درمیان معاملات درست ہیں تو اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا، اس کے بعد یہ بیت پڑھی:

چو راضی شد از بندہ یزدان پاک　　کہ لہٰبا نگر وند راضی چہ پاک

خلق سے علاحدہ رہنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ گوشہ میں بیٹھا ہو، مگر دل خلق کی طرف مائل ہو اور جاہ و منزلت کا بھی خواہاں ہو تو یہ گوشہ گیری بے سود ہے، کوئی خلق کے درمیان رہے لیکن اس کا دل حق کے ساتھ ہو تو اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا:

اے ثنائی کم ثنائی گیر　　بر رہِ سنت آشیانی گیر

اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ گوشہ گیری کی دو قسمیں ہیں، اگر کوئی گوشہ گیر اس لیے ہوتا ہے کہ لوگ اس کے شر سے محفوظ رہیں تو یہ خواری نفس ہے اور وہ متواضع ہے لیکن کوئی گوشہ گیر اس لیے ہو جائے کہ وہ لوگوں کے شر سے محفوظ رہے تو یہ نفس کا تکبر ہے اور وہ متکبر ہے، اس کے بعد فرمایا:

نفس کافر را بکش مومن بباش　　چوں بکشتی نفس را امین مباش
دشمنت نفس خاکش دار　　کعبہ حق دل است پاکش دار

حضرت مخدوم الملک کا، اشعار پڑھ کر، کسی نکتہ کو واضح کرنے کی مثالیں ان کے

Marfat.com

ملفوظات میں بکثرت ملیں گی، جیسا کہ آگے بھی ذکر آئے گا، اس سے دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں، ایک تو یہ کہ ان کو بکثرت اشعار یاد تھے، جو موقع موقع برجستہ طور پر استعمال کرتے رہتے تھے، ان سے ان کی قوت حافظہ کا بھی اظہار ہوتا ہے، دوسرے یہ کہ ان کا ذوق شعری بھی غیر معمولی قسم کا تھا اور وہ برابر بلند اور پاکیزہ قسم کے شعرا کے دواوین مطالعہ میں رکھتے تھے، تب ہی تو ان کو اتنے اشعار یاد تھے، ممکن ہے کہ وہ شاعر بھی رہے ہوں، گو کہ کسی تذکرہ میں ان کی یہ حیثیت نظر سے نہیں گزری۔

(۲) خوانِ پُر نعمت۔ (مرتبہ مولانا زین بدر عربی) اس کو معدن المعانی کی تیسری جلد سمجھنا چاہیے، اس میں نماز معکوس، قوت ملکی، تفکر، عبادات، عذاب وراحت قبر، ولایت اولیا، شب معراج، وصول، خواب کی تعبیر وغیرہ کے علاوہ تصوف کے جزوی نکات اور فقہی وشرعی مسائل بھی ہیں، ۷۹۱ھ میں ختم ہوئی، اس میں ایک جگہ ہے کہ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ کسی مومن کا کام کر دینا اور اس کے لیے کوشش کرنا بڑی دولت ہے، اس کو کارِ پیغمبر سمجھنا چاہیے، اسی سلسلہ میں فرمایا کہ جب میں اپنے پرانے حجرہ میں تھا تو اس وقت ایک ملک یعنی حاکم تھا، جو لوگوں سے اچھے برتاؤ نہیں کرتا تھا، لوگ میرے پاس آتے اور اس ملک کے پاس مجھ سے سفارش لے جاتے، میں ہر ایک کو سفارش لکھ کر دیتا، ایسے لوگوں کا ہجوم ہوا تو میں ان سے بہت تنگ آ گیا، اسی زمانہ میں ایک چشتی شیخ زادہ جو وہاں تھے، میرے پاس آئے، میں نے ان سے کہا کہ سفارش کرنا میرے لیے مشکل ہو گیا ہے، میں لوگوں سے تنگ آ گیا ہوں، یہ سن کر شیخ زادہ نے کہا:

''تنگ می آید، ز۔ شما رتنگ می آید بلائے خلق راکشید۔''

اس کے بعد کچھ اور نصیحتیں کیں.......... آگے چل کر حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ مسلمانوں کا کام انجام دینا، ایک بڑا کام ہے، اسی سلسلہ میں یہ گفتگو کی کہ مشائخ بادشاہوں کے دروازے پر جائیں یا نہ جائیں تو حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ اگر باشاہ طلب کرے تو

Marfat.com

ضرور جائیں اور اگر طلب کرنے پر نہ جائیں تو یہ بدعت ہوگی، البتہ بغیر طلب کیے نہ جائیں لیکن ان کے جانے سے مسلمانوں کا کام انجام پا جائے تو پھر بلا طلب کے بھی جائیں۔ (خوان پُر نعمت، ص ۴۲-۴۰)

خوان پُر نعمت مطبع احمدی پٹنہ میں چھپ گئی تھی، ۱۲۱ صفحے پر مشتمل ہے، اس کے آخر میں حضرت مخدوم کی ایک مناجات بھی ہے۔

(۳) مخ المعانی - اس کو بھی مولانا زین بدر عربی نے مرتب کیا، اس میں بھی مختلف مسائل مثلاً ماہِ رجب کے روزے کی فضیلت، توبہ، لیلۃ الرغائب، تلاوتِ کلام پاک، ادعیہ، کھانے کے آداب، شہیدوں کا مرتبہ، شب معراج، علم کسبی وغیر کسبی، شب برأت، لیت ولعل، نمازِ تراویح، پیر، مردِ کامل، تعبیر خواب، توبۂ موسیٰ علیہ السلام، تصفیہ وتزکیہ باطن، صلابت، امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ، رجوع صدق، وقوف، فکر، رجوع، کدورت ہائے بشر وغیرہ وغیرہ پر ملفوظات ہیں، کل ۵۳ مجلسوں کا ذکر ہے، مطبع مفید عام آگرہ میں چھپی تھی، ۱۵۸ صفحے پر مشتمل ہے، پہلے ذکر آیا ہے کہ حضرت مخدوم الملکؒ اپنے ملفوظات کو اشعار سے مؤثر بناتے تھے، مخ المعانی میں بھی جن مجلسوں کا ذکر ہے، ان میں حضرت مخدوم الملک کی زبان مبارک پر جو اشعار اور رباعیاں آئیں، وہ اور بھی زیادہ دل کش اور مؤثر ہیں، ان سے بھی ان کے آتش کدۂ عشق کی چنگاریاں اور شعلے بلند ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں، ان میں کئی رباعیاں بخشی کی بھی ہیں، جن سے اندازہ ہوگا کہ اس زمانہ میں بخشی کی رباعیاں بزرگانِ دین میں کیسی مقبول ہوگئی تھیں۔

فرماتے ہیں کہ قبر میں بھی اندوہ ہوگا، جو قیامت کے روز سہارا ہوگا:

در گور برم از سر گیسوتو تارے　　　تا سایہ کند بر سر من روز قیامت

محبوب کے جمال کی طلب حبیب کے عشق کا کمال ہے:

عشق مارا کہ بود غایت پدید　　　حسن جاناں چوں ندارد غایتے

Marfat.com

جمال در نظر و شوق ہمچناں باقی　　گدا اگر ہمہ عالم بدو دہند گداست

عالم اپنے علم، عارف اپنی معرفت، عاقل اپنی عقل، مطیع اپنی اطاعت، زاہد اپنے زہد، عابد اپنی عبادت میں گم رہتا ہے، یہ مشکل کام ہے لیکن یہی اصل چیز ہے:

ہموو اند ز دریا مبطلاں را　　ہمہ خواند بخود صاحب دلاں را

ہمہ داند کہ ایں راز نہاں چیست　　چہ داند مردمِ گم گشتگاں چیست

دوستی کی راہ میں صدق ہی رہبر ہوتا ہے:

در طلب دوستی صدق ترا رہبراست　　خواہ بدستار گوش خواہ بزنار باش

دنیا کی آبادی مردانِ دین سے ہوتی ہے اور اگر وہ نہیں ہوتے ہیں تو دنیا ویران ہو جاتی ہے، پھر ابلیس برہنہ ہو کر زبان حال سے جو کچھ کہتا ہے، وہ نخشی کی اس رباعی سے ظاہر ہوگا:

نخشی بر زمین نماند کسے　　خونِ من از زمانہ آب شدہ

دیر شد ایں جہاں از اہل صلاح　　شکل دلہائے ما خراب شدہ

عوام کے لیے دنیا نفس اور دنیا کے لوگ حجاب ہیں، خواص اگر اپنی عبادت کے ثواب اور اپنی کرامت پر نظر رکھتے ہیں تو یہ ان کے لیے حجاب ہے، اسی لیے نخشی نے یہ کہا ہے:

نخشی ذکر کار خویش مکن　　یار منت نہندہ بار مداں

گر بخواہی کہ کار بیش رود　　کار می کن و لیک کار مداں

اگر دل آئینہ کی طرح صاف ہے تو پھر حجاب باقی نہیں رہتا لیکن زنگ خوردہ دل میں جمال دوست دکھائی نہیں دیتا:

سعدی حجاب نیست تو آئینہ صاف دار　　زنگار خوردہ کے بہ نماید جمال دوست

دعا کی اہمیت نخشی کی اس رباعی سے ظاہر فرماتے ہیں:

نخشی در دعا مکن اہمال　　از دعا التماس راندہ شود

Marfat.com

ہر درے را کہ آسماں بندد به کلید دعا کشادہ شود

عارف کے لیے دنیا آخرت کا حجاب ہے اور آخرت مولیٰ کا حجاب ہے، اسی لیے وہ پکار اٹھتے ہیں:

دنیاست بلا خانہ و عقبیٰ ہوس آباد ما فارغ ازیں ہر دو نہ انم نہ اینم

محبت میں خاک ہو جانے ہی میں بقا حاصل ہے:

چہ باک از محبت کہ خاکت کند کہ باقی شوی گر ہلاکت کند

عاشق الٰہی پر عشق، حال اور وجد کی ایک کیفیت طاری رہتی ہے اور وہ ایک امید میں مست رہ کر اپنی راہیں طے کرتا رہتا ہے:

از ما نہ علم پرس نہ زہد و نہ معرفت راہی ہمی رویم بامید وارثی

حضرت مخدوم الملکؒ نے فرمایا کہ بعض متصوفین کے نزدیک کفر تین قسم کا ہے، کفر محمدی، کفر ابلیس اور کفر حق، کفر حق کفر حقیقی ہے، اس کے بعد عین القضاۃؒ کے قول کی روشنی میں یہ وضاحت کی کہ سالک راہِ سلوک میں پہلے نورِ محمدی کی تجلی دیکھتا ہے اور اس وقت اس کو گمان ہوتا ہے کہ یہی الوہیت کی تجلی ہے تو یہ مقام کفر محمدی کا ہو جاتا ہے، سالک کو راہِ سلوک میں ایسا مقام بھی آتا ہے کہ وہ نورِ ابلیس کی تجلی دیکھتا ہے اور اس کے جمال وکمال کے کشف کو کشف الوہیت سمجھ کر وہ خداوند تعالیٰ سے کہنے لگتا ہے کہ تو ہی مقصود ہے تو ہی مطلوب ہے، تو یہ کفر ابلیس ہو جاتا ہے، یہ شعر اسی معنی میں کہا گیا ہے:

اگر کور برم بزلفت بوئے ایمانم گوئی سلسلۂ کفر ہمی فیضانم

کفر حقیقی ذوق ہی سے معلوم ہوتا ہے۔

حضرت مخدوم الملکؒ نے اپنی ایک مجلس میں خواجہ عطار کی تذکرۃ الاولیا سے یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ جب منصور کو دار کے پاس لایا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ مردوں کی معراج یہی ہے، پھر فرمایا کہ جب منصور کو قید خانہ میں ڈال دیا گیا تو رات کے وقت ان کی

Marfat.com

طلبی ہوئی، وہ قید خانہ میں نہ پائے گئے، دوسری رات کو پھر طلب کیا گیا تو پھر وہاں وہ موجود نہ تھے اور نہ اور دوسرے قیدی تھے، تیسری رات طلب کیے گئے تو وہ قیدیوں کے ساتھ موجود تھے، لوگوں نے ان سے پوچھا تو کہا کہ پہلی رات تو میں اپنے دوست کے ساتھ تھا، اسی لیے لوگوں نے مجھ کو نہ دیکھا، دوسری رات میرا دوست یہاں تھا، اسی لیے نہ میں نظر آیا اور نہ قیدی دیکھے گئے، آج کی رات میں یہاں ہوں، شرع کا جو حکم ہے وہ بجالایا جائے، اس وقت تین سو قیدی قید خانہ میں تھے، ان سے کہا، میں نے تم لوگوں کو آزاد کیا، تم جاؤ، لوگوں نے کہا، آپ خود اپنے آپ کو آزاد کیوں نہیں کرتے ہیں، فرمایا، میں تو خدا کی قید میں ہوں، شریعت کا لحاظ رکھتا ہوں، اس کے بعد دیوار کی طرف اشارہ کیا، اس میں رخنہ ہوا اور تمام قیدی باہر چلے گئے، جب صبح ہوئی تو ان سے پوچھا گیا قیدی کہاں گئے تو بولے، میں نے سب کو آزاد کر دیا، لوگوں نے پوچھا، آپ خود کیوں نہیں چلے گئے، تو کہا، میرے دوست کا مجھ پر عتاب ہے، اسی لیے میں یہاں رہ گیا ہوں تا کہ میں تم تک پہنچ سکوں، جب یہ خبر خلیفہ کو ہوئی تو انہوں نے کہا کہ بڑا فتنہ کھڑا ہوگا، اسی لیے ان کو ان کے انجام تک پہنچا دیا گیا۔

نخشی عشق مذہب ست عجب شد نش کس بیاں چہ خواہد کرد
آنکہ رہ بفرقِ دوست نہد بر سر دشمناں چہ خواہد کرد

نخشی کی اور رباعیاں نقل کی گئی ہیں، وہ یہ ہیں، جن سے عشق الٰہی اور معرفت کی خوبیاں ظاہر ہوتی ہیں:

نخشی را وجود گہہ بودست اند دلبراں ہلاکش کرد
عشق درمن نشان من نگذاشت بس وجودیکہ وجد خاکش کرد

نخشی معرفت عجب ملکیست حشم او ہر پیران عبا داند
زاہداں بادشاہ آخرت اند عارفاں بادشاہ ہا داند

اہل فنا کے نام و نشان کچھ بھی نہیں ہوتا، وہ ان چیزوں سے بے نیاز ہوتے

Marfat.com

ہیں، ان کا کون و مکاں کچھ اور ہی ہوتا ہے:

مردان رہش زنداں بجان دگراند — مرغانِ ہوایش ز آشیانے دگراند

منگر تو بدیں دیدہ پریشاں کایشاں — بیرون ز دو کون واز جہانے دگراند

اس کو خود بھی اپنی خبر نہیں ہوتی، جیسا کہ اوحدالدین کرمانی نے بھی بیان کیا ہے:

کاشکے دانستم کاندر جہاں کیستم — با چنیں سرگشتہ و حیراں ز بہر چیستم

یا چہ ام یا در چہ ام یا از چہ ام یا بر چہ ام — دوش ازیں غم تا سحر بر خویشتن نگریستم

حضرت مخدوم الملک نے فرمایا کہ شرع کی ایک حد ہے، جس سے کبھی آگے نہ گزرنا چاہیے، اگر کوئی گزرتا ہے تو اس کے لیے درہ ہے اور تلوار ہے، اگر کوئی خدا کے ساتھ دیوانگی دکھلاتا ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کا علم اس کی عقل کا ساتھ نہیں دے رہا ہے لیکن شرع کے معاملہ میں علم اور عقل کا سوال نہیں اٹھتا ہے، اس کی پابندی ضروری ہے، اسی لیے کہا گیا کہ:

با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

خدا کے ساتھ دیوانگی ہو سکتی ہے:

ہر حیلہ کہ در عقل من آمد کردیم — جفا کہ کنوں نوبت دیوانگی است

ایک اور موقع پر فرمایا کہ کفر دل کے ساتھ ایمان نہیں ہو سکتا ہے، اسی کے ساتھ شرک کے ساتھ توحید نہیں ہو سکتی ہے، کفر دل شرک خفی ہے، ایمان اور توحید کا کمال صحت اس میں ہے کہ یہ شرک خفی شرک جلی سے بالکل پاک ہوں، اگر کسی مسلمان کا ایمان اور اس کا عقیدہ توحید ان دونوں چیزوں سے پاک نہیں تو وہ مسلمان نہیں، اسی لیے اہل بصیرت غایت احتیاط میں کہہ اٹھتے ہیں:

نمی دانم کراماتم بدیں سیرت گرفتارم — نہ من ہندو نہ من مسلم نہ من مرتد نہ بدکارم

(۴) فوائد غیبی۔ اس میں اوائل ماہ شعبان ۷۵۷ھ سے ماہ صفر ۷۵۷ھ تک کی

Marfat.com

۳۲ مجلسوں کے ملفوظات ہیں، جو مباحث آئے ہیں ان کے کچھ عنوانات یہ ہیں، اسمائے باری، حکمت اشیا، اقسام حقوق عباد، شہود ومشہود، خصلت علم، ارکان حج وغیرہ۔

(۵) گنج لایغنی - اس کو بھی مولانا زین بدر عربی نے مرتب کیا، اس میں ربیع الاول ۷۶۰ھ سے ذی الحجہ ۷۶۰ھ تک کی مجلسوں کے ملفوظات ۳۶ ورق میں ہیں، اس کے کچھ موضوعات یہ ہیں، امام محمد اور امام یوسف کے مکالمے، امام اعظم کی تعریف، شب قدر کی علامتیں، سکرات موت، تکفین میت، فضیلت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، آگ کی لطافت، تجلی باری تعالیٰ وغیرہ۔

(۶) مونس المریدین - اس کو مولانا صلاح مخلص داؤد خانی نے مرتب کیا، اس میں شعبان ۷۷۴ھ سے محرم ۷۷۵ھ تک کی اکیس مجلسوں کے ملفوظات ہیں، جامع ملفوظات کا بیان ہے کہ یہ رموز الٰہی اور بے انتہا انوار کا خزانہ ہے، اس کے کچھ موضوعات یہ ہیں، جوازِ محبت مشائخ و علمائے حق، نعمت بہشت، تلقین صدق، تعریف سجادہ و صاحب سجادہ، تعریف زہد، مقطعات قرآن، فضیلت تلاوت قرآن، ضخامت توریت، مذمت ظلم، اقسام سفر، ذکر سعادت وشقاوت، نماز لیلۃ الرغائب، بخل و احسانِ بادشاہ، ذکر روح، دعائے خشک سالی، عذاب فصلی، عذاب قہری، حق العباد، خروج دجال، نفخ صور، تعریف شریعت و حقیقت، وقت و حال، تمکین و مقام، ایمان مقلد، ایمان معارف، تکبر و خود بینی، ایفائے عہد، مہمان نوازی، مذمت نفس وغیرہ۔

اردو میں اس مجموعہ کا ترجمہ شاہ قسیم الدین احمد (بیت الشرف، خانقاہ بہار شریف) نے کیا، ترجمہ بہت ہی صاف، سلیس اور رواں ہے، اصل کے مطابق بھی ہے، اس لیے جو صاحب فارسی اچھی طرح نہ جانتے ہوں، ان کو اس ترجمہ سے حضرت مخدوم الملک کی تعلیمات کو سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی، بلکہ اس کے مطالعہ سے لطف اٹھائیں گے۔

اس میں ایک موقع پر (مجلس چہارم) فرمایا کہ صاحب سجادہ وہ ہے جو شریعت،

Marfat.com

طریقت اور حقیقت ان تینوں راہوں کو طے کر چکا ہو اور جس نے ان تینوں راہوں کو طے نہیں کیا ہے، وہ صاحب سجادہ نہیں بلکہ اپنی راہ کا شیطان ہے، اگر وہ مصلیٰ پر بیٹھ کر سجادگی کا دعویٰ کرتا ہے تو حاشا وکلا وہ مصلیٰ نہیں بلکہ اس کی راہ کا بت اور زنار ہے:

ماہ رویاں تیرہ ہوشانند ‏ ‏ ‏ ‏ جاہ جویاں دیں فروشانند
ہمہ در علم سامری دارند ‏ ‏ ‏ ‏ از برون موسیٰ از درون مارند
سر بباغ و دل زمیں دارند ‏ ‏ ‏ ‏ کہ دل وعقل شرع و دیں دارند
از رہ شرع و شرط برگشتہ ‏ ‏ ‏ ‏ تشنۂ خونِ یکدگر گشتہ

ایک دوسرے موقع (مجلس پنجم) پر فرمایا کہ ایک قاضی تو وہ ہے جو عالم ہے اور اپنے علم کے ذریعہ شرع شریف کو نافذ کرتا ہے اور اس کے نفاذ میں لالچ یا کسی سے کوئی امید نہیں رکھتا، ایسے قاضی کی جگہ بہشت میں ہوگی، دوسرا قاضی وہ ہے جو عالم تو ہوتا ہے مگر احکام شرعیہ کو رشوت لے کر نافذ کرتا ہے:

ہر آں قاضی کہ رشوت خوار باشد ‏ ‏ ‏ ‏ مقامِ وے ہمیشہ نار باشد

تیسرا قاضی وہ ہے جو جاہل ہے اور امور شرعیہ کو اپنی جہالت کے ساتھ نافذ کرتا ہے:

جہل چوں آتش بود از نہاد ‏ ‏ ‏ ‏ عالمے از وے بسوز وائے جواد

ان ہی دو طرح کے قاضیوں کے متعلق حکم ہے کہ قاضیان فی النار:

چراغ عقل و دانش پیش خود را ‏ ‏ ‏ ‏ وگر نہ در چہ افتی سرنگوں سار

یہ ملفوظات صرف قاضیوں ہی کے لیے نہ تھے، بلکہ تمام حکام وقت پر ان کا اطلاق ہوتا ہے۔

ایک مجلس (مجلس دہم) میں فرمایا کہ کچھ دن قبل سنار گاؤں میں ایک بادشاہ تھا، جس کا نام شمس الدین تھا، ایک دن اس نے اپنے وزیر ارسلان خاں سے کہا کہ میرے دو بیٹے

Marfat.com

ہیں، ایک حاتم خاں جو بہار میں ہے اور دوسرا بہادر شاہ جو کامرو میں ہے، سچ سچ بتاؤ، ان دونوں میں بادشاہت کے لائق کون ہے، وزیر نے جواب دیا، دونوں میں کوئی بھی نہیں، بادشاہ نے پوچھا، سبب؟ وزیر نے جواب دیا کہ حاتم خاں میں حلم ورحم وکرم ہے، بہادر شاہ میں قہر وجبر وغیرت ہے، نہ اس میں قہر ہے، نہ اس میں حلم ہے نہ اس میں جبر ہے، نہ اس میں کرم ہے، نہ وہ غفور ہے نہ یہ رحیم ہے، لہٰذا دونوں ناقص ہیں اور یہ بات صحیح ثابت ہوئی، دونوں کو جب ان کے علاقہ کی حکومت ملی تو ایک نے اپنے حلم ورحم اور دوسرے نے اپنے قہر وجبر سے سلطنت گنوادی، اسی مجلس میں کسی نے پوچھا کہ اس شعر کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا:

خوبرویاں ہرزماں اسلام غارت می کنند　　　کافرم گرہیچ خوبے رامسلماں دیدہ ام

حضرت مخدوم الملکؒ نے فرمایا کہ یہ دیوانوں کی باتیں ہیں، ہوشیاروں کے پڑھنے کے لیے نہیں ہیں، اصل یہ ہے کہ دیوانہ ایک خاص حالت اور خاص وقت میں اپنی دیوانگی میں کچھ کہہ جاتا ہے، وہ عاقلوں کے نزدیک ضرور خطا سمجھی جاتی ہے لیکن خدا کے نزدیک مقبول ہو جاتی ہے، یہ فرما کر ایک قصہ سنایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بڑی خشک سالی ہوئی، لوگوں نے بارش کی دعا کی لیکن بارش نہ ہوئی، وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور سے پانی چاہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مناجات پڑھی لیکن ندا آئی کہ تمہارے یہاں برخ نامی ایک دیوانہ ہے، اگر وہ دعا کرے گا تو پانی برسے گا، حضرت موسیٰ علیہ السلام برخ کے پاس آئے اور اس سے دعا کرنے کو کہا، برخ نے کہا کہ آپ میرے پیغمبر ہیں، آپ کی موجودگی میں دعا نہیں کر سکتا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا بھی فرمان ہے کہ تم دعا کرو، برخ اٹھا اور آسمان کی طرف رخ کر کے کہا کہ یہ بخالت تو نے کہاں سیکھی، ابھی یہ بات کہنے بھی نہ پایا تھا کہ خوب بارش ہوئی، دوسرے دن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پاس گئے تو اس نے کہا، آپ نے دیکھا، کل ہم نے اس سے کیا کچھ کہا، اس کے بعد حضرت مخدوم الملکؒ نے یہ پڑھا:

Marfat.com

لاجرم دیوانہ را اگرچہ خطا است ہر چہ می گوید بگستاخی روا است
خیر و شر چوں ز آنجا می رود گفت دیوانہ زیبا می رود

اس کے معنی یہ ہیں کہ دیوانوں کی دیوانگی خطا ضرور ہے لیکن ان ہی کے لیے زیبا ہے، ہر ایک کے لیے موزوں نہیں۔

ایک مجلس میں تمکین اور مقام جیسی اصطلاحات کی تصریح کرتے ہوئے فرمایا کہ طالب جب مطلوب تک پہنچ جاتا ہے اور اس کے ساتھ آرام سے رہتا ہے تو اس کو تمکین کہتے ہیں، اس کی مثال یہ ہے کہ عالم میں دریا اور ندیاں ہر سمت بہتی اور جوش و جنبش میں رہتی ہیں لیکن جب یہ سب سمندر میں پہنچ کر مل جاتی ہیں تو اس پانی میں جوش و خروش نہیں رہتا، بلکہ اس کو قرار آ جاتا ہے:

اگرچہ سیل را صد جوش باشد چو در دریا رود خاموش باشد
رود بیک سیل بر آرد نفیر بحر بصد رود شد آرام گیر

مقام وہ ہے کہ جب کسی سے کوئی قصور سرزد ہوا تو توبہ وزاری کرے اور کہے کہ اے پروردگار! میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا، مجھ کو بخش دے کیوں کہ تیرے سوا کوئی اور گناہ کو نہیں بخش سکتا۔

مومن کو چاہیے کہ ہر دم توبہ واستغفار کرتا رہے:

اے پیر گنہ گار در توبہ کشادہ است انواع نعم بہر تو آمادہ نہادہ است
بشتاب سوئے توبہ کہ از مادر گیتی در کردن تاخیر بسے واقعہ زادہ است

ایک مجلس میں فرمایا کہ ہم بے چاروں پر سات آٹھ سو سال گزر رہے ہیں، ہم لوگ اپنے کو مسلمان کہتے ہیں اور مسلمانی کا دعویٰ کرتے ہیں مگر جس نے یہ کہا ہے ٹھیک کہا ہے:

سودہ گشت از سجدۂ راہ بتاں پیشانیم چند خود را تہمت دیں مسلمانی تہمتم

یعنی بتوں کی راہ میں سجدہ کرتے کرتے پیشانی گھس گئی ہے، اس پر بھی مسلمان

Marfat.com

ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، یہ دین مسلمانی پر محض تہمت ہے۔

(۷) راحت القلوب- اس کو بھی مولانا زین بدر عربی نے مرتب کیا، اس میں ۷۸۲ھ کے بعد اور حضرت مخدوم الملک کی وفات سے کچھ پہلے کی دس مجلسوں کے ملفوظات ہیں، ۲۰ صفحے کا یہ رسالہ ہے، جو مفید عام پریس آگرہ میں طبع بھی ہوگیا ہے، اس میں رضائے حق، مبداء، معاد، متکلمین، مشائین، اشرقیین صوفی، متشرع خواجہ اویس قرنی، سجدہ آدم صفی اللہ، آداب تلاوت قرآن پاک، نماز جمعہ کی سنت اور فرض رکعتوں، روزۂ عاشورہ، سادات کے اوصاف وغیرہ پر مباحث ہیں، کلام پاک کی بعض آیتوں کی تفسیر بھی ہے۔

حضرت مخدوم الملکؒ کے اور دوسرے ملفوظات جو ان سے منسوب ہیں، ان کے نام یہ ہیں، ملفوظ الصغر ، بحر المعانی (کنز المعانی) مغز المعانی (مرتبہ شیخ شہاب الدین عماد، مراۃ المحققین)

تصانیف میں سے کچھ کا ذکر ذیل میں درج ہے:

(۱) ارشاد الطالبین: یہ سولہ صفحے کا ایک مختصر رسالہ ہے، اس میں حضرت مخدوم الملکؒ نے طالب حق کو مختلف قسم کی ہدایتیں دی ہیں، انڈیا آفس کی فہرست میں اس کا نام برہان العارفین ہے۔ (ص ۱۰۲۰)

(۲) ارشاد السالکین: یہ توحید پر چار صفحے کا رسالہ ہے، جس میں حضرت مخدوم الملکؒ نے بتایا ہے کہ کائنات کی ساری چیزیں ایک ہی نور کی مختلف صورتیں ہیں، نور عالم لاہوت سے جبروت میں آیا تو روح ہوا اور جبروت سے ملکوت میں منتقل ہوا تو قالب کہلایا اور ملکوت سے ناسوت میں پہنچا تو جسم کے نام سے موسوم ہوا، اسی طرح نور عالم کثیف میں آیا تو نار ہوا، نار کثیف ہو کر باد ہوئی اور باد کثیف ہو کر آب ہوئی اور آب کثیف ہو کر خاک ہوا، پس انسان اور عناصر اربعہ ایک ہی چیز کی مختلف صورتیں ہیں۔

(۳) رسالہ مکیہ و ذکر فردوسیہ: یہ سات صفحے کا ایک رسالہ ہے، جس میں اذکار

Marfat.com

کے اقسام اور طریقے بتائے گئے ہیں۔

(۴) شرح آداب المریدین: یہ حضرت شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب عبد القاہر سہروردی کی مشہور عربی تصنیف آداب المریدین کی شرح ہے، یہ ۷۶۶ھ میں مرتب ہوئی، ضخیم کتاب ہے، اس کو تصوف کا ایک قاموس سمجھنا چاہیے، اس کا بھی اردو ترجمہ شاہ قسیم الدین (خانقاہ بہار شریف) نے کیا ہے۔

(۵) فوائد المریدین: یہ ایک مختصر رسالہ ہے، جس میں مریدوں کے لیے کلمۂ طیبہ کی فضیلت، نمازِ باجماعت کی برکت، بعض آیتوں کے فیوض، گورستان، منکر نکیر، بہشت، دوزخ، قیامت، ایمان، حقوق الوالدین، حقوق ہمسایہ، حقوق زوجین کے لیے کچھ ہدایتیں ہیں، شاہ قسیم الدین نے اس کا بھی اردو میں ترجمہ کیا ہے اور اپنے دیباچہ میں بہت صحیح لکھا ہے کہ یہ رسالہ عوام وخواص کے لیے ایک شمع ہدایت ہے اور اس کے مطالعہ سے ضلالت اور گم راہی کے سیلاب کو روکا جاسکتا ہے اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنے والا اسلامی تہذیب اور اخلاق کا ایک روشن...... بن سکتا ہے۔

(۶) اجوبہ: یہ سوالات و جوابات کا ایک مجموعہ ہے، جو زاہد بن محمد بن نظام اور دوسرے مقربین حضرت مخدوم الملکؒ سے وقتاً فوقتاً سوالات کیا کرتے تھے اور وہ جو جوابات مرحمت فرماتے، ان کو اس رسالہ میں جمع کرلیا گیا ہے، تصوف کے بہت سے مسائل اس رسالہ میں پائے جاتے ہیں۔

(۷) لطائف المعانی: یہ معدن المعانی کا خلاصہ ہے۔

(۸) عقائد شرفی (۹) اوراد کلاں (۱۰) اوراد اوسط (۱۱) اوراد خورد کے مضامین ان کے نام سے ظاہر ہیں، (۱۲) اشارات میں ۳۷ سوالات کے مذہبی اور صوفیانہ جوابات ہیں، (۱۳) رسالہ در ہدایت حال، تین ورق کا ایک رسالہ ہے جس میں راہِ طریقت میں داخل ہونے کے شرائط درج ہیں، (۱۴) مرآۃ المحققین میں بھی صوفیانہ رموز ونکات ہیں،

Marfat.com

(۱۵) رسالہ وصول اللہ، موضوع نام سے ظاہر ہوگا۔[1]

تعلیمات: جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے کہ حضرت مخدوم الملک کی تمام تصانیف میں مکتوبات سب سے زیادہ اہم ہیں اور ان میں تصوف کے تمام رموز و نکات پر مدلل اور محققانہ مباحث ہیں۔

توحید: سہ صدی مکتوبات کا جو مجموعہ لاہور سے شائع ہوا ہے، اس کے پہلے مکتوب میں توحید پر بحث ہے، حضرت مخدوم الملکؒ فرماتے ہیں کہ توحید کے چار درجے ہیں، ۱-زبان سے لا الہ الا اللہ کہنا، مگر دل سے انکار کرنا، یہ منافقت ہے، ۲-دل سے لا الہ الا اللہ کہنا اور اعتقاد بھی رکھنا جیسا کہ عام مسلمان رکھتے ہیں، ان مسلمانوں میں بعض اللہ کی وحدانیت پر سیکڑوں دلیلیں بھی پیش کرتے ہیں، ان کو متکلمین اور علمائے ظواہر کہا جاتا ہے، ۳-مجاہدہ اور ریاضت سے مشاہدہ کرنا کہ فاعل حقیقی وہی ایک ذات ہے، یہ توحید عارفانہ ہے، جس کو ''مقام ہمہ از اوست'' کہتے ہیں، ۴-مجاہدہ اور ریاضت کی کثرت سے سالک ایسا مستغرق ہو جاتا ہے کہ عالم جو آئینہ حیرت ہے، اس کو نظر نہیں آتا، ساری ہستیاں اس کی نظر میں گم ہو جاتی ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ اور نہیں دیکھتا، اس پر فنائیت طاری رہتی ہے، اس کو فنا فی التوحید یعنی ہمہ اوست کہتے ہیں، فنا فی التوحید کے بعد بھی ایک مرتبہ ہے، جس کا نام ''الفناء عن الفناء'' ہے، اس میں سالک کو کمال استغراق میں اپنی فنائیت کی بھی خبر نہیں ہوتی اور خدا کے جلال و جمال میں کوئی فرق اور تمیز نہیں کرسکتا، کیوں کہ یہ تمیز باقی رہ جاتی ہے، تو یہ تفرقہ کی دلیل ہے، عین الجمع اور جمع الجمع کا مقام اسی وقت حاصل ہوتا ہے، جب سالک اپنے کو اور کل کائنات کو خدا کے دریائے نور میں غرق کر دیتا ہے اور اس کو خبر نہیں ہوتی ہے کہ کون اور کیا غرق ہوا:

تو درد گم شو کہ توحید ایں بود　　گم شدن گم کن کہ تفریق ایں بود

[1] ان میں سے بعض تصانیف کے متعلق ڈاکٹر مطیع الاسلام ریڈر شعبہ فارسی کراچی یونیورسٹی نے معلومات فراہم کیے۔

اس مقام تفرید میں پہنچ کر سالک کو وحدۃ الوجود کی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے اور وہ ایسا محو ہو جاتا ہے کہ اس کو اسم و رسم، وجود و عدم، عبارت و اشارت، عرش و فرش اور اثر و خبر

Marfat.com

سے کوئی واقفیت نہیں ہوتی، اس مقام کے سوا کہیں اور جلوہ گر نہیں ہوتا، یہاں کے سوا اس کا نشان کہیں اور ظاہر نہیں ہوتا۔

اس جگہ حضرت مخدوم الملکؒ نے بطور انتباہ لکھا ہے کہ توحید وجودی علم کے درجہ میں ہو یا شہود کے ابتدائی درجہ سے انتہائی درجہ میں ہو، ہر درجہ میں بندہ بندہ ہے، خدا خدا ہے، اس لیے انا الحق سبحانی ما اعظم شانی (میں خدا ہوں، میں پاک ہوں اور میری شان کس قدر بڑی ہے) وغیرہ کہنا کلمات کفر ہیں۔

فنافی التوحید کے سلسلہ میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سالک اپنی فنائیت، محویت اور استغراق میں آخر کیا دیکھتا ہے، کیا محسوس کرتا ہے، کیا لطف اٹھاتا ہے۔

وہ دل میں نور دیکھتا ہے اور ان چیزوں کا ادراک کرتا ہے جو اس کو پہلے معلوم تھیں، وہ خدا کی تجلی کا مشاہدہ کرتا ہے اور خدا سے وصل کا لطف اٹھاتا ہے، یہ نور، ادراک، تجلی اور وصل کیا ہے؟

نور: سالک کے دل سے صفات بشریت کی سیاہیاں اور تاریکیاں دور ہو کر اس میں جو صفائی پیدا ہوتی ہے، اسی کا نام نور ہے، صفائی میں جتنا زیادہ کمال ہوگا اتنا ہی دل کا نور زیادہ درخشاں اور تاباں ہوگا، اس درخشانی اور تابانی میں دل کے اندر ایک خاص قسم کی لذت، کیفیت اور ذوق محسوس ہوتا ہے[1]، جس کو تحریر میں لانا مشکل ہے، اسی لذت، کیفیت اور ذوق کو خداوند تعالیٰ کی ذات وصفات کا نور کہتے ہیں۔

ادراک: سالک کا دل اس نور خداوندی سے منور ہو جاتا ہے تو اس کو کشف یعنی ادراک حاصل ہوتا ہے، پہلے معقولات کے اسرار و رموز سے واقف ہوتا ہے جس کو کشف نظری کہتے ہیں، کشف نظری سے گذر کر سالک کو کشف دلی حاصل ہوتا ہے، جس کو کشف شہودی بھی کہتے ہیں، اس میں مختلف قسم کے انوار کشف ہوتے ہیں، اس کشف کے بعد سالک کو کشف الہامی ہوتا ہے،

[1] مکتوبات سہ صدی، ص ۳۸۔

Marfat.com

جب کہ وہ تخلیق عالم کے اسرار اور اس کی ہر چیز کے وجود کی حکمت سے واقف ہو جاتا ہے۔

کشف الہامی کے بعد کشف روحانی پیدا ہوتا ہے، جب کہ اس کی نظروں سے زمان و مکان کا حجاب اٹھ جاتا ہے، ازل اور ابد کا دائرہ اس کے سامنے ہوتا ہے، وہ بہشت، دوزخ اور ملائکہ کو دیکھ سکتا ہے، ملائکہ کی باتوں کو سن بھی سکتا ہے، ماضی، حال اور مستقبل کے واقعات سے واقفیت حاصل کر سکتا ہے، چنانچہ اسی مقام میں اس سے کرامت بھی صادر ہو سکتی ہے، مثلاً وہ پانی یا آگ پر چل سکتا ہے، ہوا میں اڑ سکتا ہے، ایک لمحہ میں دوری اور مسافت کو طے کر سکتا ہے، مگر کرامت کوئی قابل اعتماد چیز نہیں، اس کا اظہار جائز نہیں، بلکہ اس کو پوشیدہ رکھنا فرض ہے، کیوں کہ اظہار سے فتنہ پیدا ہوتا ہے[1]۔

کشف روحی سے کشف خفی پیدا ہوتا ہے، کشف خفی صفات خداوندی کا واسطہ ہوتا ہے، یعنی صفات خداوندی کا عکس روح پر پڑتا ہے، اس لیے اس کو کشف صفاتی بھی کہتے ہیں، چنانچہ مکاشفات خفی میں سالک کو سمعی صفت کا کشف ہوگا تو وہ اس پر خدا کا کلام ظاہر ہوگا، اگر بشری صفت کا کشف ہوا تو اس کو مشاہدۂ حق حاصل ہوگا اور صفت جمال مکشوف ہوئی تو اس کو ذوقِ مشاہدہ نصیب ہوگا، اگر جلال کی صفت ظاہر ہوئی تو حقیقی فنا ظاہر ہوگی اور اگر صفت قیومی کا کشف ہوا تو حقیقی بقا نصیب ہوگی، الخ الخ[2]۔

تجلی: جب سالک کا دل آئینہ کی طرح صاف ہو جاتا ہے تو نور تجلی کی شان میں ظاہر ہوتا ہے، تجلی کی دو قسمیں ہیں، (۱) تجلی روحانی (۲) تجلی ربانی، تجلی روحانی میں صفات بشری زائل تو ہو جاتے ہیں لیکن بالکل فنا نہیں ہوتے، اس میں شک وشبہہ باقی رہتا ہے، جس سے بعض اوقات غرور، پندار، عجب وخودی بڑھ جاتی ہے، مگر تجلی ربانی میں ہستی نیستی سے بدل جاتی ہے اور خداوند تعالیٰ جس صفت کے ساتھ چاہتا ہے، اپنی تجلی سے سالک کو سرفراز کرتا ہے، مثلاً سالک حیات کی صفت میں تجلی سے متصف ہوتا ہے تو وہ حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت

---

[1] خوان پر نعمت، ص ۲۷ [2] کشف کی تفصیلات کے لیے دیکھو مکتوبات سہ صدی، ص ۳۹-۴۰۔

Marfat.com

الیاس علیہ السلام کی طرح حیات جاودانی پاتا ہے اور اگر کلام کی صفت میں تجلی ہوتی ہے تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح خدا سے متکلم ہوتا ہے اور اگر اخلاق کی صفت میں تجلی پاتا ہے تو اس میں وہ بات پیدا ہوگی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں تھی[1]۔

وصل: حق تعالیٰ سے وصل کے معنی ملنا اور پیوستہ ہونا ہے، مگر یہ ملنا ایسا نہیں ہے جیسا کہ جسم کا جسم سے یا عرض کا عرض سے یا جوہر کا جوہر سے یا علم کا معلوم سے یا عقل کا معقول سے یا شے کا شے سے ہے، بلکہ اس سے مراد دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے انقطاع اور دوری ہوتی ہے، جس قدر غیر حق سے فراغت ہوگی، اسی قدر حق تعالیٰ کا تقرب ہوگا اور حق تعالیٰ سے جس قدر دوری ہوگی اتنا ہی اس سے انفصال اور بُعد ہوگا[2]۔

حضرت مخدوم نے ان تمام ذرائع پر بھی بحث کی ہے جن سے اللہ تعالیٰ کا نور، تجلی اور وصل حاصل ہوتا ہے، ہم ان ذرائع کو سہولت کے لیے حسب ذیل طریقہ سے پیش کرتے ہیں:

(۱) توبہ، (۲) صدق ایمان، (۳) معرفت، (۴) تقویٰ، (۵) مجاہدہ و ریاضت نفس، (۶) ترک دنیا۔

توبہ: توبہ کے تین مراتب ہیں، (۱) عوام کی توبہ اس لیے ہوتی ہے کہ وہ اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں، خدا کی نافرمانی کرتے ہیں، اس لیے گناہوں کے عذاب سے بچنے کے خواہاں ہوتے ہیں، (۲) خاص لوگوں کی توبہ اس لیے ہوتی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ جس قدر ان کو نعمتیں عطا ہوئی ہیں، اس اعتبار سے ان سے خدمت کا حق ادا نہ ہو سکا، (۳) خاص الخاص لوگوں کی توبہ اس لیے ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنے کو عاجز و نیست کیوں نہ خیال کیا، قوی اور موجود تو صرف خداوند تعالیٰ ہی ہے۔

انسان کی ہلاکت گناہ سے زیادہ توبہ اور استغفار کے ترک سے ہوتی ہے[3]۔

---

[1] کشف کی تفصیلات کے لیے دیکھو مکتوبات سہ صدی، ص ۴۳-۴۱ [2] ایضاً ص ۴۳-۳۶۶ وغیرہ

[3] مزید تفصیل کے لیے دیکھو سہ صدی مکتوبات، ص ۳۵۸ و مکتوب دوم، ص ۷۔

Marfat.com

ایمان: ایمان کی سچائی خدا کو بڑا سمجھنے میں ہے اور خدا کی بڑائی کے احساس سے خدا سے شرم پیدا ہوتی ہے، اس شرم سے باطن اور ظاہر کی تعظیم پیدا ہوتی ہے، اسی کے بعد سالک کا شاہد خدا ہو جاتا ہے، اور وہ اس کو مختلف صورتوں میں مشاہدہ کرتا ہے تو اس کے دل سے ساری طمع جاتی رہتی ہے اور خدا کی قدرت کا مشاہدہ کرتا ہے تو پھر اس کے سوا کسی اور سے اس کو انس پیدا نہیں ہوتا، وہ خدا کے فضل کا مشاہدہ کرتا ہے تو وہ اپنے افعال واحوال سے بھی بے نیاز ہو جاتا ہے، وہ خدا کے کرم کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس کو خدا سے ایسا انبساط حاصل ہوتا ہے کہ کون ومکاں اسی کے حاجت مند ہوتے ہیں، خدا کے قہر کا مشاہدہ کرتا ہے تو پھر اس کو اپنے کسی فعل پر اعتماد نہیں رہتا اور اگر خدا کے جلال کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس پر خدا کا خوف ایسا طاری رہتا ہے کہ اس کو کبھی آرام نہیں ملتا۔ (مکتوبات سہ صدی، ص ۱۱۲)

معرفت: ان ہی مشاہدات کے بعد سالک کو معرفت حاصل ہوتی ہے، جس کے بعد وہ جملہ کائنات کو مقہور اور عاجز تصور کرتا ہے اور خدا ہی کی ذات وصفات کو تمام چیزوں پر محیط سمجھتا ہے، یہ درجہ نہ عقل اور نہ علم سے بلکہ خدا کی ہدایت سے حاصل ہوتا ہے۔ (مکتوبات سہ صدی، ص ۱۲۳)

یہ ہدایت طلب حق سے پیدا ہوتی ہے، طلب حق میں معرفت نفس ضروری ہے، کبر، بخل، حسد اور خشم کو معتوب اور مقہور کر کے تمام خواہشوں اور لذتوں سے پاک ہو جانا معرفت نفس ہے۔

تقویٰ: یہ پاکی تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے، تقویٰ سے مراد ان تمام چیزوں سے پرہیز ہے جن سے دین کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو، یہ نقصان دو طرح سے ہو سکتا ہے، حرام چیزوں اور معصیت کی طرف مائل ہونے یا حلال چیزوں کی طرف زیادتی کے ساتھ رغبت رکھنے سے۔ (مکتوبات سہ صدی، ص ۲۳۴)

مجاہدۂ نفس وریاضت: اس میلان اور رغبت کی زیادتی کو کچلنے کے لیے حضرت مخدوم الملکؒ نے مجاہدۂ نفس پر زور دیا ہے، مجاهدة هو الغزاء عن النفس الشيطان۔ (ارشاد الطالبین، ص ۱۴)

Marfat.com

مجاہدۂ نفس میں اولین درجہ گرسنگی کا ہے، شکم تمام گناہوں کا منبع اور معدن ہے، (مکتوبات، ص ۲۴۶ و مخ المعانی، ص ۱۴۲) شکم کی سیری ہی سے انسانی شہوت پیدا ہوتی ہے، اسی لیے گرسنگی آگ ہے اور انسانی شہوت ایندھن، انسانی شہوت گرسنگی ہی سے جل کر خاک سیاہ ہو جاتی ہے، (مخ المعانی، ص ۱۴۲) چنانچہ جس شب کو درویش فاقہ کرتا ہے، وہ گویا اس کی شب معراج ہے، گرسنگی سے اس کا ذہن تیز اور فہم صاف ہو جاتی ہے، (مکتوبات، ص ۲۳۶) اور اسی سے اس کو اپنی ذات سے بے زاری پیدا ہوتی ہے، جو خدائے عزوجل سے آشنائی کا اولین درجہ ہے۔ (مکتوبات سہ صدی، ص ۲۴۸-۲۵۰)

ترکِ دنیا: اور جب اپنی ذات سے بے زاری پیدا ہو جاتی ہے تو سالک کے پاس جو چیز ہوتی ہے، اس کو اپنے سے علاحدہ کر دیتا ہے، اور جو چیز اس کے پاس نہیں ہوتی، اس کی طلب نہیں کرتا، اسی کا نام ترکِ دنیا ہے۔ (مکتوبات سہ صدی، ص ۲۱۳)

ترکِ دنیا کا انحصار زہد پر ہے، زُہد کی دو قسمیں ہیں، ایک تو وہ جس پر بندہ کا مقدور ہے، دوسرے وہ جس پر بندہ کا مقدور نہیں، اول الذکر زہد تین چیزوں پر مشتمل ہے، (۱) اس چیز کی طلب نہ کرنا جو نہ ہو، (۲) اس چیز کو دور کرنا جو ہو، (۳) باطن میں دنیا کی تمام چیزوں کی خواہش کو ترک کر دینا، مؤخر الذکر زہد سے دنیا کی طرف سے دل سرد ہو جاتا ہے، جو اول الذکر زہد پر پابند ہونے سے خود بخود حاصل ہو جاتا ہے۔ (مکتوبات سہ صدی، ص ۲۱۳)

ترکِ دنیا کے سلسلہ میں حضرت مخدوم الملکؒ نے جا بجا اور بھی بحث کی ہے، ان کے نزدیک دنیا کی چیزوں کی تین قسمیں ہیں، ایک تو وہ جو صورت اور معنی میں دنیا کی چیزیں معلوم ہوتی ہیں، یہ معصیت کا سرمایہ ہیں جو ہرگز خدا کے لیے نہیں ہو سکتی ہیں، دوسری وہ جو صورت اور معنی میں خدا کے لیے ہوں لیکن ان سے دنیا کا کام لیا جاتا ہو، مثلاً ذکر و فکر، مخالفت شہوت، فکر کر کے کوئی دنیاوی جاہ و مرتبہ حاصل کرنا چاہتا ہو یا ذکر کر کے دنیا کے لوگوں کی نظروں میں پارسا بننا چاہتا ہو یا مخالفت شہوت سے اپنے کو زاہد دکھانا چاہتا ہو تو یہ

Marfat.com

بے حد مذموم ہے، تیسری وہ جو ظاہر میں دنیا کی چیزیں ہوں لیکن باطن میں خدا کے لیے ہوں، مثلاً کوئی اس لیے کھاتا، پیتا اور سوتا ہو کہ خدا کی عبادت کے لیے اس کی جسمانی قوت برقرار رہے یا کوئی مال اس لیے طلب کرتا ہو کہ وہ خلق سے بے نیاز ہو تو قیامت کے روز اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا نظر آئے گا۔ (ایضاً، ص ۲۰۹)

ترک دنیا کے سلسلہ میں ترک خلق اللہ کی بھی بحث آتی ہے، حضرت مخدوم الملک کا خیال ہے کہ طالب حق حتی الوسع دنیا کے لوگوں کی صحبت سے گریز کرے، وہ دنیا کے لوگوں میں صرف جمعہ کی نماز یا نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے آئے، اگر اس سے بھی اس کو حق تعالیٰ کی راہ میں خلل پیدا ہو تو وہ کسی پہاڑ یا جنگل میں چلا جائے، جہاں یہ چیزیں اس کے لیے فرض باقی نہ رہتی ہوں، مگر طالبان حق میں اگر کوئی ایسا شخص ہو جس کے رشد و ہدایت، پند و نصیحت اور علمی رموز و نکات کے لیے دنیا کے لوگ محتاج ہو رہے ہوں تو اس کے لیے اس کی عزلت نشینی کارِ ثواب نہیں، (مکتوبات سہ صدی، ص ۴۰۵-۳۷) ایسی حالت میں وہ لوگوں کے درمیان میں رہ کر ان سے الگ رہے یعنی ان کی مدح و ذم سے بیگانہ رہے اور اپنی مضرت و منفعت کو ان کے معیار کے مطابق نہ سمجھے۔ (معدن المعانی، ص ۲۲۲)

سالک کی مشغولیت: ترک دنیا اور ترک خلق اللہ کے بعد ایک سالک کی مشغولیت کا سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی مصروفیتیں کیا ہوں، حضرت مخدوم الملکؒ کے نزدیک ایک سالک کے اشغال کی ترتیب یہ ہونی چاہیے، وہ نماز پڑھے، اگر نماز سے ملول ہو جائے تو تلاوت کلام پاک کرے اور اگر اس سے بھی ملول ہو جائے تو ذکر کرے اور اگر اس سے بھی ملول ہو جائے تو فکر کرے۔ (ایضاً، ص ۱۵۶)

ذکر: ذکر سے مراد خداوند تعالیٰ کی یاد ہے، اس کی چار قسمیں ہیں، (۱) زبان پر ہو لیکن دل میں نہ ہو، (۲) زبان اور دل دونوں میں ہو مگر دل کسی وقت اس سے غافل ہو جاتا ہو لیکن زبان پر جاری ہو، (۳) زبان اور دل میں برابر ہو، (۴) دل میں ہو اور زبان خاموش

Marfat.com

ہو۔ (معدن المعانی، ص ۱۴۷)

اصل ذاکر وہ ہے کہ اس کی زبان ذکر میں مشغول ہو، دل خدا کی طلب میں ہو، روح خدا کی تجلیات کو دیکھتی ہو اور اس کا سارا اندرونی راز مذکور کے ساتھ مدغم ہو جاتا ہو تا کہ وہ کل ''منظورات'' کو سن سکے اور اس کا ہر بال اور رواں زبان ہو جائے، اس کے بعد ذاکر فنا فی اللہ ہوتا ہے اور اس کو اپنی ذات کا مطلق احساس نہیں ہوتا، وہ اپنے کو محض خداوند تعالیٰ کا مرزوق، منظور، مامور اور مخلوق سمجھتا ہے اور اپنے حزن و مسرت، مرض و صحت اور تنگی و فراخی کو احکم الحاکمین کی محض مشیت تصور کرتا ہے اور نہ صرف صابر و شاکر اور قانع بلکہ مسرور رہتا ہے اور اس کے احوال، اقوال اور افعال میں کوئی ایسی بات نہیں ہوتی جو خدا کی مرضی کے خلاف ہو، اس طرح وہ غیر اللہ سے منقطع ہو کر مقام الا اللہ کو پہنچ جاتا ہے اور خدا کے جلال و جمال کو اپنے دل کے اندر محسوس کرتا ہے اور اس کی ذات کو اپنی ذات میں دیکھتا ہے، اسی کے بعد اس پر ارادت غیبی مکشوف ہوتی ہے۔ (ارشاد الطالبین، ص ۵ و راحت القلوب، ص ۳)

فکر: فکر سے مراد خداوند تعالیٰ کی آفرینش، زمین، آسمان، ازل اور ابد کے متعلق غور وخوض ہے، فکر میں مرید کو خدا کے متعلق سوچنا خطرہ سے خالی نہیں ہوتا کیوں کہ تفکر کا مرجع محصور اور محدود ہوتا ہے اور خداوند تعالیٰ کی ذات محصور و محدود نہیں، اس لیے اس کے متعلق سوچنا گویا تعلیل و تشبیہ میں اپنے کو ڈالنا ہے، اس لیے سالک کو صرف خداوند تعالیٰ کی قدرت، حکمت اور اس کے ساتھ مکوناتِ غیب کے متعلق فکر کرنا چاہیے، اس فکر میں سالک اپنے تعلقات اور تمام پسندیدہ چیزوں کو چھوڑ دیتا ہے اور وہ اپنے ارادوں اور خواہشوں سے باز آتا ہے، اسی کو ''کون'' سے باہر آنا بھی کہتے ہیں، حضرت مخدوم الملکؒ کے نزدیک اس قسم کی ایک ساعت کی فکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ (مکتوبات، ص ۱۷۰، معدن المعانی، ص ۲۴۷)

مخ المعانی میں حضرت مخدوم الملکؒ نے فکر کی تین قسمیں بتائی ہیں، (۱) ازل میں کیا ہوا، (۲) ابد میں کیا ہوگا، (۳) اوامر کی کیا پابندی ہوئی اور نواہی کا کیا ارتکاب ہوا۔ (ص ۱۴۹)

Marfat.com

سالک کا ظاہری اخلاق: حضرت مخدوم الملک کی مذکورۂ بالا تعلیمات کا تعلق تو باطن سے ہے لیکن انہوں نے سالک کو ظواہر کی بھی تعلیم دی ہے، جو حسب ذیل ہے:

سالک کا جسم، لباس اور لقمہ طاہر اور حلال ہو تا کہ اس کا دل بھی اوصاف ذمیمہ سے پاک ہو (مکتوبات سہ صدی، ص ۸۰)، معدن المعانی میں سالک کی طہارت کی چار قسمیں قرار دی ہیں:

(۱) طہارت جسم، یعنی بدن اور کپڑے پاک ہوں، (۲) طہارت حواس، زبان سے جھوٹ بات نہ نکلے، نظر محرمات پر نہ پڑے، کان ایسی آواز نہ سنے جس کو نہ سننا چاہیے، (۳) طہارت دماغ از تخیلات، خدا کے سوا کسی اور کا تخیل نہ ہو، (۴) طہارت دل، دل مذمومات اور محمودات سے پاک ہو، مذمومات کی پاکی بخل، ریا، حسد، رشک وغیرہ سے آزادی حاصل کرنا ہے اور محمودات کی پاکی سے مراد ہے کہ سالک کو اپنی عبادت وزہد وغیرہ کا خیال نہ ہونے پائے، (معدن المعانی، ص ۹۴) چنانچہ سالک کو اپنی نیت میں پاک ہونا چاہیے، جب اس کی نیت دنیا کے شوائب سے پاک ہو جاتی ہے تو وہ زاہد کہلاتا ہے اور جب آخرت کے شوائب سے پاک ہو جاتی ہے تو وہ عارف کہلاتا ہے۔ (مکتوبات سہ صدی، ص ۸۴)

سالک کو ہر حال میں سعید ہونا چاہیے، کیوں کہ سعادت طاعت کی کلید اور شقاوت معصیت ہے، اخلاق حمیدہ میں وہ رسول اللہ ﷺ کا پیرو ہو، مثلاً بدخو نہ ہو، بلکہ ہمیشہ تازہ رو اور کم سخن ہو، سلام کرنے میں سبقت کرتا ہو، سخی ہو، غیبت، جھوٹ، فحش کلمہ زبان پر نہ لاتا ہو، دناءت، حقارت اور طمع سے اپنے کو آلودہ نہ کرتا ہو، اپنے ہر فعل، قول اور حال میں خدا کی جانب نگاہ رکھتا ہو، مسلمانوں کے عیب پر پردہ ڈالتا ہو، کسی سائل کے سوال کو رد نہ کرتا ہو، اگر اس کے پاس کچھ ہو تو وہ دے دیتا ہو اور کچھ نہ ہو تو دینے کا وعدہ کرتا ہو، کسی حال میں اس کو غصہ نہ آتا ہو، (ایضاً ص ۶۶، ۶۲) وہ کم بولتا ہو تا کہ دل میں مشغول رہے، وہ کم کھاتا ہو تا کہ فکر جاری رکھے، (ایضاً ص ۱۶۵) وہ متواضع ہو کیوں کہ خدا کے بندوں سے تکبر گویا خدا سے منازعت ہے، (معدن المعانی، ص ۳۶۲) حالت انبساط وقرب میں نازیبا

Marfat.com

کلمات وشطحیات منہ سے نہ نکالتا ہو، کیوں کہ خدا کی شان میں یہ سراسر گستاخی ہے، (معدن المعانی، ص ۲۸۸) نہ کسی حال میں پوشیدہ اسرار کو ظاہر کرتا ہو۔ (معدن المعانی، ص ۱۹۰)

سالک کو پیر کی تعظیم و تکریم ضروری ہے، خدا تک پہنچنے کی علت مشیت حق ہے، پیر اس کا سبب ہے، گو بغیر علت کے صرف سبب کے ذریعہ سے منزل مقصود تک کوئی سالک نہیں پہنچ سکتا لیکن پھر بھی سالک کے لیے پیر کا احترام ضروری ہے، اس کو اپنے پیر کی متابعت قولاً، فعلاً، قلباً اور قالباً کرنا چاہیے۔ (معدن المعانی، ص ۱۵۶)

مگر حضرت مخدوم الملکؒ نے تصوف میں دو چیزیں لازمی قرار دی ہیں، ایک علم دوسری شریعت کا اتباع۔

علم: کسی سالک کو بغیر علم کے اس راہ میں قدم نہیں رکھنا چاہیے، کیوں کہ علم کے بغیر وہ کافریا مجنون ہو جاتا ہے، بعض اولیا جاہل گزرے ہیں، مگر ان کو رحمت خاص سے فیض ملا تھا، جس کی مثالیں بہت کم ہیں۔ (خوان پُر نعمت، ص ۵-۶)

شریعت کی پابندی: اسی طرح شریعت کے بغیر راہِ سلوک میں قدم رکھنا، جہالت اور ہلاکت ہے، شریعت سے طریقت اور طریقت سے حقیقت معلوم ہوتی ہے، چنانچہ ایک سالک کو شریعت سے واقفیت نہیں تو وہ طریقت اور حقیقت سے آگاہی نہیں حاصل کر سکتا۔

اس سلسلہ میں شریعت، طریقت اور حقیقت کو واضح طور سے بتایا ہے، شریعت توحید، طہارت، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد اور اوامر و نواہی کا نام ہے اور اوامر و نواہی کی تحقیق و تفحص اور ان کی روشنی میں ضمیر کی صفائی، اخلاق کی تطہیر اور نفس کے تزکیہ کو طریقت کہتے ہیں، شریعت کا تعلق ظاہر سے اور طریقت کا تعلق باطن سے ہے، مثلاً نماز قبلہ رخ ہو کر پڑھنا شریعت ہے لیکن نماز میں خدا سے دل لگانا طریقت ہے، نماز کی جگہ کو نجاست سے پاک کرنا شریعت ہے لیکن دل کو بشری کدورت سے پاک رکھنا طریقت ہے، مباحات کا اختیار کرنا شریعت ہے لیکن ان کی تخفیف کر دینا طریقت ہے، راہِ شریعت میں مباحات کے اختیار کرنے سے راحت اور

Marfat.com

آسائش میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ رہتا ہے، طریقت اسی راحت کی تخفیف اور آسائش کی ممانعت کا نام ہے لیکن شریعت کے بغیر راہِ طریقت پر چلنا کوٹھے پر بغیر زینہ کے دیوار پھاند کر چڑھنا ہے۔

شریعت سے طریقت اور طریقت سے حقیقت حاصل ہوتی ہے، علم حقیقت تین چیزوں پر مشتمل ہے، (۱) خداوند تعالیٰ کی ذات اور وحدانیت کا علم، (۲) خداوند تعالیٰ کی صفات اور اس کے احکام کا علم، (۳) اس کے فعل اور حکمت کا علم۔

یہ چیزیں معلوم ہو جاتی ہیں تو ایک سالک عارف کہلاتا ہے، مگر حقیقت بغیر شریعت کے زندقہ اور شریعت بغیر حقیقت کے نفاق ہے، بعض گروہ کا خیال ہے کہ حقیقت کا جب کشف ہو جاتا ہے تو پھر شریعت کی ضرورت باقی نہیں رہتی لیکن حضرت مخدوم الملکؒ نے ایسے اعتقاد اور مذہب پر لعنت بھیجی ہے اور کتاب وسنت اور اجماع امت کی تقلید کو ہر حال میں ضروری قرار دیا ہے۔ (مکتوبات سہ صدی، ص ۶۴، ۷۳-۷۲، ۵۰۹ الخ الخ، معدن المعانی، ص ۴۷، جلد اول)

خلفا: خلفا کی تعداد تین سو تیرہ بتائی جاتی ہے، جن میں سے بہت نمایاں یہ ہیں:

حضرت مولانا مظفر بلخی، حضرت مولانا حسین نوشہ توحید، حضرت مخدوم شعیب، حضرت بہرام بہاری، حضرت مولانا ابراہیم، حضرت مولانا آموں، حضرت مولانا نصیر الدین سمنانی اودھی، حضرت مولانا شمس الدین مشہدی، حضرت مخدوم راستی پھلواروی، حضرت مولانا قاضی شمس الدین، حضرت مولانا قاضی صدر الدین، حضرت قاضی اشرف الدین، حضرت سید علیم الدین گیسو دراز، دانش مند نیشاپوری، حضرت شیخ شمس الدین محمود بدایونی، حضرت سید العارفین سید علی ہمدانی۔

Marfat.com

حضرت سید جلال الدین بخاریؒ

مخدوم جہانیاں جہاں گشت

اسمِ گرامی و لقب: اسم گرامی سید جلال الدین تھا لیکن عام طور پر ''مخدوم جہانیاں جہاں گشت'' کے لقب سے مشہور ہیں، اس لقب کی وجہ سیر العارفین کے مصنف نے یہ بتائی ہے کہ عید کے روز آپ نے حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ، حضرت شیخ صدر الدینؒ اور حضرت شیخ رکن الدینؒ کے مزاروں پر جا کر مراقبہ کیا اور مراقبہ میں عیدی طلب کی تو ان بزرگوں کی جانب سے عیدی میں ''مخدوم جہانیاں'' کا لقب ملا اور جب وہ وہاں سے واپس ہوئے تو راستہ میں جو کوئی دیکھتا بے اختیار کہتا کہ ''مخدوم جہانیاں'' آتے ہیں[1]۔

چوں کہ سیاحت بہت کی اس لیے ''جہاں گشت'' بھی کہلائے، ان کی سیاحت کے متعلق اخبار الاخیار میں ہے:

''سیاحت بسیار کردہ واز بسیار از اولیاء نعمت و برکت یافتہ۔'' (ص ۱۳۲)

مراۃ الاسرار میں ہے:

''واکثر سفر ربع مسکون نمودہ و جمیع مشائخ چہاردہ سلسلہ وچہل یک کردہ را دریافت۔''

خاندان: حضرت سید جلال الدینؒ کے دادا کا اسم گرامی بھی سید جلال الدین تھا، تذکرہ نگار ان کا نام عموماً سید جلال الدین سرخ بخاری لکھتے ہیں[2]، وہ بخارا سے بھکر آئے[3] اور بھکر سے

---

[1] سیر العارفین، ص ۱۵۷-۱۵۶ [2] اخبار الاخیار، ص ۵۹ و خزینۃ الاصفیا، ج ۲، ص ۵۷ [3] (بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۰۹ پر)

Marfat.com

ملتان آکر حضرت بہاء الدین زکریا سے بیعت کی اور تعلیم و تربیت کے بعد خرقہ خلافت بھی پایا[1]، ان کی بزرگی کے بارے میں سفینۃ الاولیا میں ہے:

''از بزرگان صحیح است، جلیل القدر و جامع علوم ظاہر و باطن بود اند۔'' (ص ۲۱)

بھکر کے قیام کے زمانہ میں وہاں کے ایک ممتاز امیر سید بدرالدین کی لڑکی سے عقد کیا، اس عقد کی بشارت حضرت رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دی تھی، اس کے کچھ دنوں بعد ملتان سے اچہ منتقل ہوگئے اور اسی شہر میں مستقل سکونت اختیار کی[2] اور یہی ان کی ابدی خواب گاہ بھی ہے۔

حضرت سید جلال الدین سرخ بخاری کے تین فرزند تھے، ان ہی میں سید احمد کبیر تھے، جو حضرت سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کے والد بزرگ وار تھے۔

تذکروں میں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کا نسب نامہ یہ ہے[3]، مخدوم سید جہانیاں جلال الحق والدین ابوعبدالحسین بن احمد کبیر الدین بن سید جلال الملۃ والدین سرخ بخاری بن ابی المؤید علی بن جعفر بن محمد[4] بن محمود بن احمد عبداللہ بن علی اصغر[5] بن عبداللہ جعفر[6] ابن امام علی نقی۔

حضرت سید احمد کبیر، حضرت شیخ ابوالفتح رکن الدین سہروردیؒ کے مرید تھے[7]، حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے اپنے ملفوظات میں اپنے والد بزرگ وار کی بزرگی کا ذکر بار بار فرمایا ہے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۰۸) سیر العارفین، ص ۱۵۵ میں ہے کہ حضرت سید جلال الدینؒ بخارا سے قبۃ الاسلام شہر ملتان آئے۔ [1] سیر العارفین، ص ۱۵۵ و فرشتہ، ج ۲، ص ۴۱۳ [2] اخبار الاخیار، ص ۵۹ [3] یہ نسب نامہ حضرت مخدوم جہانیاں کے ملفوظات کے اردو ترجمہ اور المنظوم فی الترجمہ ملفوظات المخدوم کے دیباچہ میں تذکرۃ السادات کے حوالہ سے درج ہے۔ [4] فرشتہ، ج ۲، ص ۴۱۲ میں ہے، جعفر بن محمد بن احمد بن محمود [5] الدر المنظوم کے دیباچہ میں علی الاشغر ہے جو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ [6] الدر المنظوم کے دیباچہ میں ابوعبداللہ جعفر الکذاب ہے لیکن فرشتہ میں صرف علی اصغر بن جعفر بن امام علی الہادی ہے۔ [7] الدر المنظوم مطبوعہ دہلی، ص ۵۰۶۔

Marfat.com

ایک موقع پر فرمایا:

''والد مخدوم کسی وقت خوف سے بستر پر نہیں سوتے تھے، سردی اور گرمی میں کوئی چیز اوپر کھینچ لیتے تھے اور اسی پر کفایت کرتے، ہر روز قرآن شریف دو بار ختم کرتے، ایک دن میں ایک رات میں، نہایت بزرگ آدمی تھے[1]''

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

''جس وقت مخدوم کے والد نماز ادا کرتے یا قرآن شریف کی آیت پڑھتے تو اس طرح روتے کہ ان کے سینۂ مبارک سے نعرے نکلتے تھے[2]''

ایک اور موقع پر ہے:

''جس وقت والد دامت برکاتہ نماز فرض اور نفل میں کھڑے ہوتے تو نعرہ مارتے اور زار زار روتے تھے[3]''

حضرت مخدوم جہانیاں کے سگے بھائی شیخ راجو قتال بھی ایک برگزیدہ بزرگ تھے اور وہ حضرت مخدوم کے مرید اور خلیفہ تھے[4]۔

ولادت و طفلی: حضرت مخدوم جہانیاں کی ولادت باسعادت اچہ میں ۷۰۷ھ میں ہوئی، سات سال کے ہوئے تو والد بزرگوار کے ساتھ اچہ کے ایک بزرگ حضرت شیخ جمال خنداں رو کی ایک مجلس میں شریک ہوئے، مجلس میں حضرت شیخ جمال خنداں رو کے سامنے کھجوروں کا ایک طباق رکھا ہوا تھا، انہوں نے یہ کھجوریں حاضرین میں تقسیم کیں، حضرت سید جلال الدین کو یہ ملیں تو گٹھلیوں کے ساتھ کھا گئے، شیخ جمال نے یہ دیکھ کر دریافت کیا، میاں صاحب زادے! تم نے گٹھلیوں سمیت کھجوریں کیوں کھالیں، جواب دیا، آپ کے دست مبارک سے جو کھجوریں ملیں ان کی گٹھلیاں پھینک دینا مناسب نہیں سمجھا، یہ سن کر حضرت شیخ

---

[1] الدرالمنظوم، مطبوعہ دہلی، ص ۲۳۸ [2] ایضاً، ص ۵۴۶ [3] الدر منظوم، مطبوعہ دہلی، ص ۵۵۰ [4] تفصیل کے لیے دیکھو اخبار الاخیار، ص ۱۴۶۔

Marfat.com

جمال خنداں رو نے فرمایا، تم فقرا اور اپنے خاندان دونوں کا نام روشن کروگے[1]۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم اچہ ہی میں پائی، لطائف اشرفی (ج ۱، ص ۳۹۰) میں ہے کہ شروع میں تربیت اپنے چچا سید محمد بخاری سے حاصل کی، پھر اچہ کے قاضی علامہ بہاء الدین سے ہدایہ اور بزدوی پڑھیں، ان کی وفات کے بعد مزید تعلیم کے لیے ملتان آئے، خاندان پہلے سے سہروردیہ سلسلہ سے منسلک تھا، اس لیے اپنے والد ماجد کے مرشد یعنی حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے پوتے حضرت شیخ رکن الدینؒ کی خانقاہ میں آکر مقیم ہوئے، حضرت شیخ رکن الدین شفقت سے پیش آئے اور ان کی تعلیم اپنے پوتے موسیٰ اور ایک دوسرے مولانا مجد الدین کے سپرد کی اور ان بزرگوں سے ہدایہ اور بزدوی ختم کیں، جب یہ کتابیں ختم کر چکے تو حضرت شیخ رکن الدین نے ان کو اپنی کشتی پر سوار کر کے اچہ واپس بھیج دیا[2]۔

اثنائے تعلیم میں کلام پاک کی ساتوں قرائتیں سیکھیں[3]، تحصیل علم کا سلسلہ عرصہ دراز تک جاری رہا، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے قیام کے زمانہ میں شیخ مکہ عبداللہ یافعی اور شیخ مدینہ عبداللہ مطری سے بھی مختلف کتابیں پڑھیں[4]، دونوں شیوخ سے صحاح ستہ اور حضرت شہاب الدین سہروردی کی تصنیف عوارف المعارف کے درس لیے، شیخ مدینہ عبداللہ مطری کے ساتھ دو سال رہے اور برابر تہجد کے وقت احادیث نبوی ﷺ اور عوارف ان سے پڑھتے رہے[5]، وہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ شیخ عبداللہ مطری تہجد کے وقت میرے حجرے میں آتے، ایک ہاتھ میں چراغ اور ایک ہاتھ میں کھانا ہوتا، میں نے ان سے ایک روز عرض کیا، اے شیخ! کیوں نہ میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کروں، آپ میرے مخدوم اور استاد ہیں لیکن انہوں نے فرمایا، تم میرے پاس نہ آؤ، میں خود تمہارے پاس آیا کروں گا، تم رسول اللہ ﷺ

---

[1] لطائف اشرفی، ص ۳۹۲، سیر العارفین، ص ۱۷۵ [2] الدر المنظوم، ص ۵۵۰ [3] ایضاً، ص ۲۷۰، الدر منظوم (ص ۵۶۸) میں ہے کہ ایک محدث و فقیہ ان کے والد بزرگوار کی خانقاہ میں ٹھہرے تو ان سے مصابیح اور دوسری کتابیں پڑھیں۔ [4] الدر المنظوم، ص ۶۱-۶۰۶ [5] ایضاً ص ۶۸۷۔

Marfat.com

کی اولاد میں سے ہو، حضرت مخدوم جہانیاں اپنے ملفوظات میں شیخ مدینہ کی شفقت اور محبت کا ذکر بار بار فرماتے ہیں، رمضان شریف میں مسجد نبوی ﷺ میں اعتکاف کرتے تو شیخ مدینہ افطار کے وقت ان کے لیے دو قرص لاتے اور جب وہ مسجد نبوی ﷺ کے احترام کی خاطر کم کھانے کی کوشش کرتے تو شیخ کہتے، اے فرزند رسول اللہ ﷺ! تم ماں رکھتے ہو، بیوی اور رشتہ دار والے ہو، ان کے پاس تم کو واپس جانا ہے، کم کھاؤ گے تو کم زور ہو جاؤ گے، ان کے پاس واپس کیوں کر جاسکو گے، زیادہ کھانے سے تمہارا دین کم زور نہ ہو جائے گا بلکہ قوی ہوگا۔

شیخ مدینہ کی محبت و شفقت کی بنا پر مسجد نبوی ﷺ میں ایک بار امامت کرنے کی بھی سعادت حاصل کی[1]۔

حضرت سید جلال الدین بخاری نے شیخ عبداللہ مطری سے عوارف کا درس اس خاص نسخہ سے لیا جو شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے مطالعہ میں رہ چکا تھا، شیخ عبداللہ مطری نے وفات کے وقت اس نسخہ کو شیخ مکہ عبداللہ یافعی کے پاس بھیجا کہ اس کو حضرت جلال الدین کے پاس پہنچا دیا جائے، چنانچہ شیخ مکہ نے ایک حاجی کے ذریعہ اس کو حضرت سید جلال الدین کے پاس بھیج دیا، جس کو وہ بہت عزیز رکھتے تھے[2]، عوارف کو شیخ شرف الدین محمود شاہ تستری سے ان کے وطن قصبہ شومارہ (عراق) میں جا کر پڑھا، یہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ تھے، جب حضرت سید جلال الدین ان کی خدمت میں پہنچے تو اس وقت ان کی عمر ایک سو تیس برس کی تھی[3]۔

حضرت مخدوم جہانیاں کے ملفوظات کے مرتب سید علاء الدین علی بن سعد حسینی کا بیان ہے کہ حضرت مخدوم ایک سو اٹھاسی علوم میں مہارت کاملہ رکھتے تھے، ان علوم کی طویل فہرست بھی ملفوظات کے شروع میں دی ہے[4]، دوسرے تذکرہ نویس بھی لکھتے ہیں کہ:

"جامع است میان علم و ولایت۔" (اخبار الاخیار، ص ۱۴۳)

---

۱ الدر المنظوم، ص ۶۰۴-۶۰۳ ۲ ایضاً، ص ۴۷۹-۴۷۸ ۳ ایضاً، ص ۶۸۷ ۴ ایضاً، ص ۱۲-۱۳۔

Marfat.com

سید جلال الدین حسین بخاری قدس سرہ از محتشمان روزگار و عارفاں صاحب اسرار بودو در علوم ظاہری و باطنی ہم در فقر و استغنا نظیرے نداشت۔'' (مرأۃ الاسرار، قلمی نسخہ)

علوم و فنون سے برابر گہرا شغف رہا، چنانچہ رشد و ہدایت کے زمانہ میں اپنی مجلسوں میں کبھی کلام پاک[1]، کبھی تفسیر (مثلاً تفسیر مدارک[2]) کبھی احادیث نبوی ﷺ، (مثلاً صحاح ستہ، مشارق الانوار، مشکوٰۃ المصابیح[3]) فقہ میں کبھی ہدایہ، کبھی تصوف کی کتابیں عوارف المعارف[4] اور رسالہ بکہ[5] وغیرہ، کبھی قصیدہ لامیہ[6]، کبھی مختلف اوراد[7] اور کبھی شرح نود و نو اسما کے باضابطہ سبق دیا کرتے تھے۔

بیعت و خلافت: شروع میں اپنے والد ماجد ہی کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر تصوف کی تعلیم پائی، پھر حضرت بہاء الدین زکریاؒ کے نام ور پوتے حضرت شیخ ابو الفتح رکن الدین کے ہاتھ پر بیعت کی، ان کی ذات اقدس سے اس قدر محبت بڑھی کہ ایک بار حضرت رکن الدین اپنے چبوترہ کی دہلیز سے اتر کر کہیں تشریف لے جا رہے تھے، دہلیز کا زینہ نیچا تھا، حضرت سید جلال الدین بخاری وہاں آ کر چت لیٹ گئے کہ مرشد سینہ پر پاؤں رکھ کر آسانی سے اتر جائیں، مرشد نے یہ دیکھا تو اپنی شہادت کی انگلی منہ میں دبا کر اپنے شفیق مرید سے فرمایا، نبوت کا دروازہ تو ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا ہے لیکن اے سید! ولایت کی اقلیم پر تمہارا تصرف حد بشریت سے زیادہ ہوگا، یہ کہہ کر حضرت جلال الدین کو دست مبارک سے اٹھایا اور اپنے سینہ سے لگا لیا[8]۔

لطائف اشرفی (ج ۱، ص ۳۹۱) میں ہے:

''حضرت شیخ اشرف الدین مشہدی نوشتہ اند کہ حضرت مخدوم جہانیاں خلافت و اجازت از صد و چہل و چند اولیا را شیخ و مشائخ اہل ارشاد و خرقہ معنعن و سلسلہ با حضرت رسالت ﷺ یافتہ اند و علم شریعت و طریقت و حقیقت و تصوف از ایشاں گرفتہ اند''

---

[1] الدر المنظوم، ص ۴۴۷-۵۶۵ [2] ایضاً، ص ۷۹۶ [3] ایضاً، ص ۴۷-۲۶۱ [4] ایضاً، ص ۶۹۳-۶۷۸، ۵۹۵
[5] ایضاً، ص ۷۳۸-۷۱۲-۷۰۲ [6] ایضاً، ص ۵۵۶-۲۶۲ [7] ایضاً، ص ۶۰۰ [8] سیر العارفین، ص ۱۵۸۔

Marfat.com

مرأۃ الاسرار میں سید جلال الدین کے ذکر میں ہے کہ:

''اکثر سفر ربع مسکون نمودہ و جمیع مشائخ چہاردہ سلسلہ چہل و یک گروہ را دریافت وہم در کتاب مذکور شیخ راجو قتال نقل می کند کہ اوازسی صد و چند مشائخ صاحب ارشاد و نعمت یافتہ و خرقہ اجازت از دست ایشاں پوشیدہ بود۔''[1]

مذکورۂ بالا تذکرہ میں یہ بھی ہے کہ:

''مخدوم جہانیاں اول بخدمت شیخ رکن الدین ابوالفتح بن شیخ صدر الدین بن شیخ بہاء الدین زکریا قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم تربیت یافت واز دست وے خرقہ پیران سہروردیہ پوشید۔''

اخبار الاخیار میں بھی ہے کہ حضرت شیخ رکن الدینؒ نے حضرت مخدوم جہانیاں کو اپنا خرقہ پہنایا[2] لیکن خود حضرت مخدوم جہانیاں اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ نے خواب میں ان کو خرقہ پہنایا اور ''قطب عالم'' کے لقب سے یاد فرمایا[3]، جن بزرگوں اور مشائخ نے ان کو خلافت کے خرقے پہنائے ان کی تعداد بیس بتائی ہے، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱) والد بزرگ وار سید احمد کبیر، (۲) والد ماجد نے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کا بھی خرقہ پہنایا (۳) حضرت شیخ رکن الدین (خواب میں) (۴) حضرت شیخ نظام الدین اولیا (خواب میں) (۵) حضرت شیخ قوام الدین خلیفہ حضرت شیخ رکن الدین (خط کے ذریعہ) (۶) حضرت شیخ قطب الدین منور (خط کے ذریعہ) (۷) حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی (۸) شیخ مکہ عبد اللہ یافعی (۹) شیخ مدینہ عبد اللہ مطری (۱۰) حضرت شیخ قطب عدن فقیہ بضال (۱۱) شیخ مرشد ابو اسحٰق گازرونی (۱۲) شیخ امام الدین برادر شیخ امین الدین (۱۳) حضرت شیخ جہدہ حمید حسینی (۱۴) حضرت شیخ معمر شرف الدین محمود شاہ تستری خلیفہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی (۱۵) سیدی احمد کبیر رفاعی کبیر (۱۶) حضرت شیخ نجم الدین اصفہانی

[1] مرأۃ الاسرار، قلمی نسخہ دار المصنفین، ص ۴۸۳ [2] اخبار الاخیار، ص ۱۴۴ [3] الدر المنظوم، ص ۲۵۷۔

Marfat.com

(۱۷) حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ (خواب میں) (۱۸) حضرت خضر علیہ السلام (۱۹) حضرت اوحدالدین حسینی (۲۰) حضرت شیخ نورالدین[1]۔

شریعت کی پابندی: لیکن تصوف و عرفان کے اعلا مدارج طے کرنے کے باوجود زندگی شروع سے آخیر تک پابند شریعت اور اتباع سنت میں گزری، راہِ سلوک کی خواہ کسی منزل میں رہے لیکن شریعت کا دامن کسی حال میں نہیں چھوڑا، خود فرماتے ہیں کہ حقیقت شریعت ہے اور جب تک کوئی شریعت کو مضبوط نہ پکڑے گا، ہرگز حقیقت کو نہ پہنچ سکے گا[2]، ایک اور موقع پر فرمایا کہ جو شخص شریعت سے عاری ہے، وہ طریقت و حقیقت کو نہیں جان سکتا ہے، شریعت بمنزلہ میوہ کے ہے اور طریقت و حقیقت اس میوہ کے مغز کے مشابہ ہیں[3]، یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شیخ طریقت اور حقیقت سے آشنا ہے لیکن شریعت سے واقف نہیں تو وہ شیخ نہیں جاہل ہے، کوئی صالح اور نیک آدمی اس وقت تک ولی نہیں ہوسکتا جب تک شریعت، طریقت اور حقیقت تینوں کا علم اس کو حاصل نہ ہوا ہو[4]۔

ایک جاہل شیخ کو کسی حال میں برداشت نہ کرتے، ایک مرتبہ ایک شخص شہر اچہ میں وارد ہوا، وہ اپنے کو ولی اللہ کہتا تھا، اس کے پاس عوام و خواص کا ہجوم رہنے لگا، حضرت شیخ جلال الدین بھی اس سے ملنے تشریف لے گئے، جب اس کے پہلو میں جاکر بیٹھے تو اس نے کہا، اے سید! ابھی ابھی حق تعالیٰ میرے پاس سے گیا ہے، حضرت سید جلال الدین یہ سن کر غضب ناک ہوئے اور فرمایا، اے بد بخت تو کافر ہوگیا، پھر سے کلمۂ شہادت پڑھ اور اسی وقت اٹھ کر شہر کے قاضی کے پاس آئے کہ اس بد بخت کو طلب کرو، اگر وہ توبہ کرے تو معاف کردو، ورنہ اس کو قتل کرنے کا حکم دو، مقطع شہر اس شخص کا معتقد ہوچلا تھا، اس لیے قاضی نے مقطع کے خوف سے سزا دینے میں پس و پیش کیا، حضرت سید جلال الدین نے مقطع کے پاس پیغام بھیجا کہ ایک جھوٹا شخص کفر پھیلا رہا ہے، اگر تم نے اس کو سزا نہ دلائی تو

[1] الدرالمنظوم، ص ۱۶-۱۷ [2] الدرالمنظوم، ص ۴۱۳ [3] ایضاً، ص ۴۱۴ [4] ایضاً، ص ۱۹۱، ۴۱۴۔

Marfat.com

پھر بادشاہ سے جا کر کہوں گا، بالآخر وہ شخص شہر بدر کیا گیا[۱]۔

تارکِ صلوٰۃ کو بھی ولی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ ہوتے، اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ مکہ معظمہ سے بھکر واپس آیا تو لوگ مجھ سے ملنے آئے، انہوں نے کہا کہ قصبہ الور کے پاس ایک پہاڑ کے غار میں ایک درویش رہتا ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے نماز معاف کر دی ہے، یہ سن کر میں اس کے پاس گیا، وہاں امرا اور دوسرے اکابر کا ہجوم تھا، اس ہجوم سے گزر کر میں کسی طرح اس کے پاس پہنچا، میں نے اس کو سلام نہیں کیا بلکہ جا کر بیٹھ گیا اور پوچھا کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے، حضور ﷺ کا قول ہے الفرق بین المومن والکافر الصلوٰۃ یعنی مومن اور کافر کے درمیان صرف نماز فرق کرتی ہے، درویش نے جواب دیا، سید! میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آتے ہیں، بہشت کا کھانا لاتے ہیں، خدائے تعالیٰ کا سلام پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمہارے لیے نماز معاف کر دی گئی اور تم مقرب حاضر ہو گئے، میں (یعنی سید جلال الدین) نے کہا کہ بیہودہ مت بکو، محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے تو نماز معاف ہی نہیں ہوئی، تجھ جیسے جاہل کے لیے کیسے معاف ہو سکتی ہے، وہ تو شیطان ہے جو تیرے پاس آ کر کہتا ہے کہ میں جبرئیل علیہ السلام ہوں، جبرئیل علیہ السلام وحی کے فرشتے ہیں، وہ پیغمبر کے سوا کسی اور کے پاس نہیں آتے اور وہ کھانا جو تمہارے پاس آتا ہے وہ غلیظ ہے، درویش نے کہا کہ وہ کھانا بہت ہی لذیذ ہوتا ہے، اس میں لذت محسوس کرتا ہوں، میں نے کہا اب جب وہ فرشتہ آئے تو لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھنا، میں دوسرے دن جب اس درویش کے پاس گیا تو وہ میرے پاؤں پر گر پڑا اور کہنے لگا کہ میں نے تمہاری بات پر عمل کیا اور جب وہ فرشتہ آیا تو میں نے لاحول پڑھا، وہ میرے سامنے سے غائب ہو گیا اور جو کھانا اس نے دیا وہ غلیظ ہو کر میرے ہاتھ سے گر پڑا اور میرے سارے کپڑے نجس ہو گئے، اس کے بعد حضرت سید جلال الدین فرماتے ہیں کہ میں نے اس بے نمازی

---

[۱] الدر المنظوم، ص ۵۰۴-۵۰۳ [۵] ایضاً، ص ۲۱۷، ۲۴۶-۲۴۷۔

Marfat.com

درویش سے توبہ کرائی اور اس کی جو نمازیں فوت ہوئی تھیں ان کی قضا پڑھوائی[1]۔

اپنے مریدوں کو نماز باجماعت کی بڑی تاکید فرماتے اور جماعت کے تارک کو ارشاد نبوی ﷺ کی بنا پر ملعون[2] اور بدعتی کہتے، اپنی ایک مجلس میں اس حدیث کی خاص طور پر تصریح کی کہ جو شخص محلہ کی مسجد سے اذان سنے اور نماز کے لیے نہ جائے تو اس کی قبر میں کیڑے نہ مریں گے اور اس کی قبر کی آگ نہ بجھے گی، وہ ہر وقت عذاب میں رہے گا[3]۔

سفر و سیاحت میں تنہا ہوتے تو خود ان کا بیان ہے کہ عین نماز کے وقت کہیں سے ابدال آجاتے اور اس طرح جماعت کا ثواب مل جاتا[4]۔

اتباع سنت: اپنی ایک مجلس میں فرمایا کہ ایک سالک کو چاہیے کہ سرورِ عالم ﷺ کی متابعت کرے، اسی کے ذریعہ سے اللہ تبارک تعالیٰ کی قربت حاصل ہوگی، اہل بدعت بدعت کو قربت جانتے ہیں اور وہ لوہا، تانبا پہنتے ہیں، داڑھی ترشواتے ہیں، جیسا کہ قلندر کیا کرتے ہیں لیکن اس طرح قربت حاصل نہیں ہوتی بلکہ بُعد و ضلالت پیدا ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، **قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ**، اے **فاتبعونی بالافعال والاقوال والاحوال**، یعنی اے محمد ﷺ! تم لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم خدا کی محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو تم میرے افعال، اقوال اور احوال کی پیروی کرو، پس اللہ تم کو دوست رکھے گا[5]۔

حضرت مخدوم جہانیاںؒ خود بھی ہر حال میں اتباع سنت کا خیال رکھتے، اسی لیے احادیث نبوی ﷺ سے غیر معمولی شغف تھا، ان کے ملفوظات کے ایک مجموعہ سراج الہدایہ میں ''احادیث پیغمبر ﷺ'' کے عنوان سے ایک مستقل باب ہے، جس میں مختلف حدیثوں کی تشریح و توضیح ہے، اپنی مجلسوں میں احادیث نبوی ﷺ کا ذکر بار بار فرماتے اور ان ہی کے مطابق اپنے مریدوں کی تعلیم و تلقین کرتے، احادیث کی کتابوں مثلاً صحاح ستہ، مشکوٰۃ المصابیح

---

[1] الدر المنظوم، ص ۲۱۷، ۴۴۶-۴۴۷ [2] ایضاً، ص ۱۲۱-۹۸ [3] ایضاً، ص ۲۸۱ [4] ایضاً، ص ۱۰ [5] ایضاً، ص ۲۲۸۔

Marfat.com

اور مشارق الانوار کا باضابطہ درس بھی دیتے، اپنی روزمرہ زندگی کے تمام معمولات کو بھی احادیث کے مطابق بنانے کی کوشش فرماتے، پنج گانہ نمازوں کے علاوہ، تہجد، اشراق، چاشت، اوابین، تراویح اور دوسری نفل نمازوں میں اتنی ہی رکعتیں پڑھتے جتنی کہ خود رسول اللہ ﷺ نے پڑھی تھیں[1]، زیادہ تر ان ہی اوراد و وظائف کی مداومت کرتے جن کا ذکر حدیثوں میں ہے[2]، اپنی عبادت میں ساری رات نہ جاگتے، بلکہ کچھ دیر سو رہتے، فرماتے کہ جو شخص عبادت میں تمام رات بیدار رہا، اس نے ترک سنت کیا کیوں کہ حضور ﷺ کا قول تو یہ ہے کہ انا اصلی وانام، یعنی میں نمازیں بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں[3]، کھانا تنہا تناول کرنا پسند نہ کرتے، بلکہ تقسیم کر کے کھاتے اور فرماتے حدیث صحاح میں ہے کہ وہ شخص ملعون ہے جو تنہا کھاتا ہے اور اپنے غلام کو مارتا ہے اور بخل کرتا ہے[4]، آگ کی پکی ہوئی چیزوں کو کھا کر منھ دھوتے اور کلی کرتے کہ یہ سنت ہے[5]، کھانا کھا کر دوگانہ شکر ادا کرتے، فرماتے حدیث صحاح میں ہے کہ جو شخص دوگانہ شکر طعام ادا نہیں کرتا اور سو رہتا ہے، اس کا دل سخت اور سیاہ ہو جاتا ہے[6]، پانی پیتے تو تین سانس میں پیتے اور فرماتے یہی حضرت مصطفیٰ ﷺ کا طریقہ تھا[7]، رمضان شریف میں سحری کے وقت خلال ضرور کرتے اور کہتے کہ یہ سنت مؤکدہ ہے، نے کے خیال سے پرہیز کرتے اور اس کو مکروہ بتاتے، اس لیے کہ یہ سنت نہیں ہے[8]، ریشمی اور باریک کپڑوں کو نامشروع سمجھتے، ایک بار سلطان فیروز شاہ نے ان کی خدمت میں چونتیس جوڑے کپڑے بھیجے، ان کو دیکھ کر فرمایا، اگر مشروع ہیں تو پہنوں گا ورنہ نہ پہنوں گا، پھر یہ حدیث پڑھی کہ ریشم اور سونا رسول اللہ ﷺ کی امت کے مردوں پر حرام اور عورتوں کے واسطے حلال کیا گیا[9]، اسی طرح باریک کپڑوں کے متعلق فرمایا، رسول اللہ ﷺ کا قول ہے

---

۱ مثال کے لیے دیکھو الدر المنظوم، ص ۳۴۸-۳۶۸-۳۵۹-۳۶۲-۴۸۰ ۲ ایضاً، ص ۵۶-۳۶۵-۳۷۵

۳ ایضاً، ص ۳۱۷ ۴ ایضاً، ص ۵۷ ۵ ایضاً، ص ۳۴۲ ۶ ایضاً، ص ۵۸ ۷ ایضاً، ص ۲۹۰

۸ ایضاً، ص ۳۲۹ ۹ ایضاً، ص ۳۴۰۔

Marfat.com

کہ جس کا کپڑا باریک ہوا اس کا دین باریک ہوا[1]، پیروی سنت میں گریبان کے بغیر کرتے پہنتے، گریبان دار کرتے پہننا بدعت سمجھتے[2]، ایک بار ایک مرید نے جوتیوں کا ایک جوڑا خدمت میں پیش کیا، اس کو قبول کر کے فرمایا، نعلین پہننا سنت ہے، میں نے مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کے نعلین مبارک کو دیکھا تھا اور ان کو اپنی آنکھوں پر رکھا تھا[3]، جب کوئی ہدیہ پیش کرتا تو کسی نہ کسی صورت میں اس کا بدلہ ضرور دیتے اور فرماتے کہ صحاح میں ہے کہ جو شخص تمہارے لیے کوئی ہدیہ لائے تم اس کو بدلہ دو، اگر بدلہ دینے کی قدرت نہیں رکھتے ہو تو اس کے واسطے دعائے خیر کرو یہاں تک کہ تم کو معلوم ہو جائے کہ یہ دعا ہدیہ کا بدلہ ہوگیا[4]، اتباع سنت میں ایندھن بھی باہر سے لانے کی کوشش فرماتے[5]، اسی طرح اور جزوی باتوں میں بھی اتباع سنت کا لحاظ رکھتے، چنانچہ مرأۃ الاسرار میں حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے ذکر میں ہے:

''در جمیع امور صوری و معنوی قدم بقدم حضرت رسالت پناہی ﷺ می رفت۔''

کرامات: حضرت سید اشرف جہاں گیر سمنانی لطائف اشرفی میں فرماتے ہیں کہ حضرت مخدوم جہانیاںؒ سے اتنی کرامتیں صادر ہوئیں کہ متاخرین صوفیہ میں سے کسی سے نہیں ہوئیں، اسی لیے وہ ''مظہر العجائب'' اور ''مصدر الغرائب'' کہے جاتے تھے[6]، لیکن خود حضرت مخدوم جہانیاںؒ ان کرامتوں کو اپنا کوئی شرف اور کمال نہیں سمجھتے تھے، فرماتے کہ ایک ولی کے لیے ممکن ہے کہ وہ ہوا میں اڑے، پانی پر چلے، اس کے لیے زمین اور آسمان کی طنابیں کھینچ جائیں لیکن وہ اس وقت تک ولی نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنی گفتار، رفتار اور کردار میں اپنے پیغمبر یعنی حضرت رسول اللہ ﷺ کا پیرو نہ ہو[7]۔

سیاحت: حضرت مخدوم جہانیاںؒ کی سیاحت کی تفصیل ترتیب کے ساتھ کسی تذکرہ میں نہیں

---

۱ الدر المنظوم، ص ۳۷۶ ۲ ایضاً، ص ۲۵۹ ۳ ایضاً، ص ۲۴۸ ۴ ایضاً، ص ۴۹۱ ۵ ایضاً، ص ۵۴۷
۶ لطائف اشرفی، ج ۱، ص ۳۹۰ ۷ الدر المنظوم، ص ۵۴۵۔

Marfat.com

ملتی، لطائف اشرفی میں حضرت سید اشرف جہاں گیر سمنانی صرف اتنا فرماتے ہیں کہ بہت سے اولیاء اللہ نے معارف وحقائق کی تلاش میں سیاحت کی ہے لیکن مخدوم جہانیاں کی طرح کسی نے سفر نہیں کیا، انہوں نے ربع مسکون کی سیاحت کی اور شاید ہی کوئی درویش ایسا ہو جس سے انہوں نے فوائد حاصل نہ کیے ہوں[1]، اخبار الاخیار میں اور بھی اختصار سے کام لیا گیا ہے اور اس میں صرف یہ مرقوم ہے کہ حضرت سید جلال الدین بخاریؒ نے سیاحت بہت کی اور بہت سے اولیاء اللہ سے نعمت و برکت حاصل کی، خزینۃ الاصفیا میں ان کی سیاحت کا حال پڑھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اچہ سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے، وہاں دو سال رہ کر گازرون آئے، گازرون سے مصر، شام، عراقین، بلخ، بخارا اور خراسان کی سیاحت کی اور چھ بار حج اکبر سے مشرف ہوئے[2]۔

حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے اپنے ملفوظات میں اپنی سیاحت کا جستہ جستہ حال بیان کیا ہے، اس سے اور کچھ زیادہ تفصیل معلوم ہوتی ہے[3]۔

فرماتے ہیں، سلطان محمد تغلق نے مجھ کو شیخ الاسلام مقرر کیا اور میرے تصرف میں خانقاہیں دیں، میرے مرشد شیخ رکن الدینؒ خواب میں نظر آئے اور فرمایا کہ تو حج کو چلا جا ورنہ غرق ہو جائے گا، صبح کو شیخ کے امام نے کہا، سید! جلد روانہ ہو جاؤ، شیخ نے اشارہ کیا ہے، میں مخدوم والد دامت برکاتہ سے اجازت لینے روانہ ہو گیا، میرے پاس خرچ نہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے فتوحات پہنچائیں، ایک شخص حج کو جا رہا تھا مگر اس کے گھر والوں نے اس کو لوٹا لیا، اس نے زادِ راہ مجھ کو دے دیا، ایک گھوڑا بھی نذر کیا لیکن میں نے گھوڑا مولانا نظام الدین کو دے دیا، وہ مدقوق تھے، میں پا پیادہ حج کو روانہ ہوا اور حج سے پہلے پہنچ گیا اور انواع و

---

1 لطائف اشرفی، ج ۱، ص ۳۹۰ 2 اخبار الاخیار، ص ۱۴۲ 3 خزینۃ الاصفیا، ج ۲، ص ۵۸ 4 خزینۃ الاصفیا، ج ۲، ص ۵۸ میں ہے:- ''در عہد سلطان محمد تغلق شیخ الاسلامی وسند خانقاہ محمدی در سیوستان با مضافات بوے مخصوص گشت۔''

Marfat.com

اقسام کی نعمتوں سے مشرف ہوا[1]۔

ایک موقع پر فرماتے ہیں، میں سات سال تک مکہ معظمہ میں مجاور رہا، وہاں ایک مفسر اور محدث اپنے وعظ میں سات برس تک مسلسل سورہ فاتحہ کی تفسیر بیان کرتے رہے، میں تو وہاں سے چلا آیا، معلوم نہیں کتنے دنوں تک اور انہوں نے اس تفسیر کو جاری رکھا[2]۔

مکہ کے قیام میں شیخ مکہ عبداللہ یافعی[3] سے علوم ظاہری و باطنی دونوں حاصل کیے اور ان سے خرقہ بھی پایا، ملفوظات میں ان کا ذکر بار بار آتا ہے، پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ مدینہ منورہ میں بھی دو سال تک رہے اور شیخ مدینہ عبداللہ مطری سے علمی و روحانی فیوض حاصل کر کے ان سے بھی خرقہ پایا، مدینہ منورہ کے قیام کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں تھا تو ایک رات مسجد نبوی ﷺ کے امام نہ آسکے تو شیخ عبداللہ مطری نے مجھ کو امامت کا حکم دیا اور فرمایا کہ اے سید! تم امامت کرو تا کہ یہ شرفا تمہاری اقتدا کر لیں، ورنہ یہ کسی اور کے پیچھے نماز نہ پڑھیں گے، میں نے تکبیر تحریمہ کہی تو ایک صف کھڑی ہوگئی اور جب میں نے سلام پھیرا تو دیکھا کہ تمام شرفا میری اقتدا میں ہیں، شیخ مدینہ نے مجھ سے فرمایا کہ اگر تم امامت نہ کرتے تو وہ نماز نہ پڑھتے یا دوسری جگہ جا کر ادا کرتے یا جب میں نماز پڑھ لیتا تو وہ پڑھتے، وہ جانتے ہیں کہ تم شریف ہو اور وہ کسی شریف ہی کے پیچھے نماز روا رکھتے ہیں، عجیب گروہ کے لوگ ہیں[4]۔

فرماتے ہیں کہ مکہ کے قیام کے ساتویں برس میں فقیہ بصال قطب عدن کی زیارت کے لیے عدن گیا، وہ بیمار تھے، چند دنوں کے بعد وفات پائی، وفات کی تیسری رات میں نے حضرت شیخ رکن الدینؒ کو خواب میں دیکھا، آپ نے مجھ کو خرقہ پہنایا اور فرمایا کہ کل فقیہ

---

[1] الدرالمنظوم، ص ۲۵۵-۲۴۵ [2] ایضاً، ص ۵۶۷-۵۰۸ [3] حضرت سعد یافعی کے صاحب زادے تھے، وطن یمن تھا لیکن تمام عمر حرمین شریفین میں رہے، مذہب شافعی رکھتے تھے، تاریخ یافعی و روضۃ الریاضین کے مصنف ہیں، اولیاء اللہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ [4] الدرالمنظوم، ص ۱۶۴۔

Marfat.com

بصال کی وفات کو تیسرا دن ہے، یہ خرقہ بصال کے چھوٹے بیٹے کو پہنا دینا[1]۔

فرماتے ہیں، شیخ مکہ عبداللہ یافعیؒ، شیخ عبداللہ مطریؒ اور دوسرے مشائخ نے مجھ سے کہا کہ عراق میں شوکارہ ایک شہر ہے، وہاں شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ کے مرید رہتے ہیں، ان سے جا کر ملو، میں ان سے ملا، ان کا اسم مبارک شیخ شرف الدین محمود شاہ تستری تھا، جب میں ان کی خدمت میں پہنچا تو وہ ایک سو تیس سال کے تھے لیکن ایسے تندرست تھے کہ جمعہ کے دن عصا ہاتھ میں لے کر نماز کو جاتے تھے، میں نے ان سے عوارف پڑھی، میں ان کے پاس ایک مدت تک رہا اور جب میں رخصت ہونے لگا تو انہوں نے خرقہ عطا کیا اور خرقہ پہنانے کی اجازت بھی دی[2]۔

اسی سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ میں شیخ رکن الدینؒ کے مرید شیخ امام الدینؒ سے بھی گازرون میں ملا، ایک مدت تک ان کے پاس رہا، وہیں شیخ امین الدین گازرونی کے بھائی شیخ امام الدینؒ سے بھی ملاقات ہوتی رہی، ان کو اپنے بھائی شیخ امین الدینؒ سے جو سجادہ، مقراض اور عصا وغیرہ ملا تھا، وہ تمام امانتیں مجھ کو دیں[3]۔

شیراز بھی تشریف لے گئے، فرماتے ہیں جس زمانہ میں مکہ معظمہ سے شیراز پہنچا تو وہاں لوگ مجھ سے سبق پڑھتے تھے، اولوالامر کا ذکر آیا تو اس سلسلہ کی کچھ باتیں بادشاہ شیراز کے کان میں پڑیں، وہ مجھ سے ملنے آیا اور ایک چاندی کے طشت میں سونے اور چاندی کے سکے لایا، اس نے مجھ سے کہا کہ بیت المال میں تمہارا بھی حق ہے، اس کو قبول کرو، میں نے معذرت کی لیکن اس کا اصرار ہوا تو میں نے ان سکوں کو قبول کر لیا، میں نے اولوالامر کے بارے میں گفتگو شروع کی تو گفتگو سن کر بادشاہ نے کہا، تم سے جو باتیں سنیں وہ کسی اور سے نہیں سنی تھیں، عجیب و غریب ہیں، میں نے اس سے کہا کہ میں نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ مکہ معظمہ کے مفسرین، فقہا اور مشائخ سے سنا ہے، میرے خدمت گزار سید شمس الدین خوش تھے کہ بادشاہ

---

1. الدر المنظوم ص ۶۰۷-۶۰۶ 2. ایضاً ص ۵۵۲-۶۸-۷ 3. ایضاً ص ۵۹۹-۶۹-۷۔

Marfat.com

کے دیے ہوئے سکوں کو جمع کریں گے لیکن سید شمس الدین کے والد سید حمید الدین آگئے اور انہوں نے مجھ سے کہا کہ ایک سید پر چار سو ٹنکے قرض ہیں، چار سو ٹنکے تو اس کو دیے اور باقی مجھ سے یہ کہہ کر خود لے گئے کہ تم کو بہت فتوح پہنچے گی، واقعی مجھ کو برابر فتوح پہنچتی رہی[1]۔

ایک جگہ فرماتے ہیں کہ جس زمانہ میں سفر میں تھا، یمن میں ایک پہاڑ پر پہنچا، تین روز میں اوپر گیا اور تین روز میں نیچے آیا، اس پہاڑ پر ایک غار تھا، اذان کی آواز سنی تو غار میں گیا، دیکھا کہ ایک بڑی جماعت نماز پڑھ رہی ہے، جب نماز ختم ہوئی تو میں نے ہر شخص سے مصافحہ کیا اور جب تمام لوگ چلے گئے تو ایک شخص وہاں رہ گیا، اس کے نزدیک گیا اور پوچھا، یہاں کوئی اور غار نہیں، پھر اتنے آدمی کہاں سے آتے ہیں؟ اس شخص نے کہا کہ میں تنہا اس غار میں رہتا ہوں اور جو لوگ آتے ہیں وہ ابدال ہیں، وہ میری وجہ سے آتے ہیں تاکہ میں نماز جماعت کے ساتھ ادا کروں، تنہا نہ پڑھوں، میں نے اس سے پوچھا کہ تم شہر میں کیوں نہیں رہتے تاکہ لوگ تم سے فائدہ اٹھائیں، اس نے جواب دیا کہ میرے پاس ایک موذی کتا ہے، اس کو میں نے قید کر لیا ہے تاکہ کسی کو کاٹ نہ کھائے، جب یہ نیک ہو جائے گا تو اس کو آبادی میں لے جاؤں گا، موذی کتے سے مراد اس کا نفس تھا، اس نے اپنے نفس کو برا کہا اور یہ نہیں کہا کہ لوگ برے ہیں، اس لیے میں خلوت میں آکر بیٹھ گیا ہوں[2]۔

ایک سفر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں، سفر میں ایک روز ایک درویش کے پاس پہنچا، میرے پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد وہ غائب ہو گیا اور پھر تھوڑی دیر میں وہاں نظر آیا، اس کی آنکھیں اشک بار تھیں، میں نے پوچھا، تم کہاں گئے تھے؟ اس نے جواب دیا، عالم ملکوت میں تھا، میں نے دریافت کیا، تمہاری آنکھیں پر آب کیوں ہیں؟ بولا، میں لوگوں کو دیکھ رہا تھا کہ دنیا میں غرق ہو رہے ہیں اور اپنی خبر نہیں رکھتے، میری آنکھیں اشک بار ہو گئیں کہ وہ اپنی چند روزہ زندگی میں ایک مردار پر جان دیتے ہیں[3]۔

---

[1] الدر المنظوم، ص ۶۵۱-۶۶۴ [2] ایضاً، ص ۲۲۴-۷۳۰ [3] الدر المنظوم، ص ۶۹۲-۶۹۱۔

Marfat.com

فرماتے ہیں، جب میں دمشق پہنچا تو ایک درویش سے ملا، انہوں نے مجھ کو پاس بلایا اور فرمایا، ایک روز میں اصفہان میں تھا، وہاں ایک بزرگ تھے جو بڑے صاحب کشف وکرامات تھے، آٹھ سو سجادہ نشینوں کی زیارت کی تھی اور ہر ایک سے مستفیض ہوئے تھے، خواجہ شمس العارفین کے نواسے سے بھی استفادہ کیا تھا، انہوں نے ان کو نصیحت کی تھی کہ بادشاہوں، امیروں اور دولت مندوں کی صحبت سے پرہیز کرنا تاکہ آخرت میں نجات ہو[1]۔

اسی کے بعد فرماتے ہیں، غزنی میں تھا تو ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی، وہ ایک کتاب پڑھ رہے تھے، میں نے اس میں لکھا دیکھا کہ جو درویش عالم، امیروں اور دولت مندوں کی صحبت میں رہتا ہے اس کو قیامت کے روز دوزخ میں جگہ ملے گی[2]۔

فرماتے ہیں، میں شتارستان (؟) میں تھا تو ایک چرواہا آیا اور مجھ سے کہا، اے سید جلال! مجھ کو بیعت کیجیے، اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں سب کچھ رکھتا ہوں لیکن کسی سے بیعت نہیں ہے، میں نے اس کی بیعت لی لیکن بیعت ہونے کے بعد وہ میرے سامنے سے غائب ہوگیا، اس نے ابدال کی جماعت میں شرکت کرلی لیکن جب میں مکہ معظمہ پہنچا تو دیکھا کہ وہ مسجد حرام میں معتکف ہے، اس کو دین کے کاموں میں ہوشیار پایا[3]۔

مراجعت ہند: تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ ایک روز شیخ مکہ امام عبداللہ یافعیؒ نے حضرت سید جلال الدینؒ سے خانہ کعبہ میں فرمایا کہ دہلی سے بڑے بڑے مشائخ اٹھ گئے ہیں، تاہم ان کی برکت کا اثر شیخ نصیر الدین محمودؒ میں موجود ہے، ان کی ذات بابرکت بہت غنیمت ہے، وہ چراغ دہلی ہیں اور مشائخ کی رسموں کو زندہ کرنے والے ہیں، حضرت سید جلال الدینؒ نے یہ سنا تو حضرت شیخ نصیر الدینؒ سے ملنے کے مشتاق ہوئے اور مکہ معظمہ سے روانہ ہوکر دہلی پہنچے، حضرت شیخ نصیر الدینؒ نے حضرت سید جلال الدین کو دیکھ کر فرمایا، شیخ عبداللہ یافعی کی بدولت تمہارے دیدار سے مشرف ہوا، حضرت سید جلال الدینؒ نے عرض کیا، شیخ عبداللہ یافعیؒ پر اللہ

[1] سراج الہدایہ، قلمی نسخہ، کتب خانہ ریاست رام پور [2] ایضاً [3] ایضاً۔

Marfat.com

کی رحمت ہو کہ ان کی بدولت آپ کی خدمت بابرکت میں پہنچا، حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ نے خوش ہو کر ان کو خرقہ خلافت مشائخ چشت عطا فرمایا اور اسی کے بعد وہ یعنی شیخ نصیر الدین محمود "چراغ دہلی" کے لقب سے مشہور ہوئے[1]۔

رشد و ہدایت: ہندوستان میں زیادہ تر وطن مالوف اچہ میں قیام رہا، کبھی کبھی دہلی اور دوسرے مقامات کو بھی جایا کرتے تھے لیکن جہاں بھی ہوتے، رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھتے، مجلسوں میں زیادہ تر کلام پاک، احادیث نبوی اور فقہ پر تقریریں کرتے اور سلوک و معرفت کی تعلیم خلاصۂ شریعت کے مطابق دیتے، ان کے ملفوظات کا مجموعہ "جامع العلوم" جس کا اردو ترجمہ "الدر المنظوم فی ترجمۂ ملفوظ المخدوم" ہے، ایک عالم اور سالک دونوں کے لیے مفید اور پُر از معلومات ہے اور آج بھی خاص ذوق و شوق کے ساتھ پڑھا جاتا ہے، ملفوظات کے ایک دوسرے مجموعہ سراج الہدایہ میں احادیث نبوی کی تشریح، فقہی مسائل کی تصریح، انبیا کے قصے، اوراد و وظائف کی تفصیلات کے علاوہ روزمرہ کی ضروریات کے متعلق بھی بہت سی مفید معلومات ہیں، مثلاً ایک باب میں چاول، گیہوں، خرما، انگور، امرود، خربوزہ، انار، اسپغول، ہلیلہ، کشمش، پیاز، گوشت، بیضۂ مرغ، سرکہ اور دودھ وغیرہ کے بھی فوائد بتائے ہیں، جن سے مرید متمتع ہوتے رہتے تھے۔

نہ صرف ہندوستان کے مختلف گوشوں بلکہ بیرونی مقامات سے بھی لوگ روحانی و باطنی تعلیمات حاصل کرنے کے لیے آتے، ایک بار خواجہ محمد ظفاری عرب سے آئے اور تہجد کے وقت حجرہ میں آکر عربی زبان میں عرض کیا، اے مخدوم! میں ایک رات ذکر خفی کر رہا تھا کہ ایک آدمی میرے داہنے طرف سے آیا اور اس نے مجھ سے کہا کہ تو دعا پڑھ کہ اے رب! تو معبود عالم ہے، میں جاہل ہوں، مجھ کو علم دے تاکہ علم کے ساتھ تیری عبادت کروں ورنہ ہلاک ہو جاؤں گا، خواجہ محمد ظفاری نے حضرت سید جلال الدینؒ سے پوچھا کہ اس واقعہ کی

[1] سیر العارفین، ج ۲، ص ۱۵۶ و خزینۃ الاصفیا، ج ۲، ص ۵۸-۵۹۔

Marfat.com

کیا تاویل ہے؟ جواب میں فرمایا کہ ''تم ابھی دینی علوم حاصل کرو''[1]

ایک بار عراق کے سادات آئے اور کچھ نذرانے ساتھ لائے، اس وقت عوارف کا درس ہو رہا تھا، سادات نے عرض کیا کہ ہم کو قدم بوسی کا اشتیاق تھا، یہ سن کر حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے اپنے خادم خاص سے شیرینی لانے کو کہا اور یہ حدیث شریف پڑھی کہ جو شخص کسی زندہ آدمی کی ملاقات کو آئے اور اس کے یہاں کوئی چیز نہ چکھے تو گویا اس نے کسی مردے کی زیارت کی، پھر سادات کو مخاطب کر کے فرمایا، تم کو ذوق معنوی و صوری دونوں حاصل ہو گئے، تم نے عوارف کا سبق سنا، اس سے ذوق معنوی حاصل ہوا، پھر مسکرا کر کہا، تم نے شیرینی کھائی، اس سے ذوق صوری کی تسکین ہوئی، شیرینی کھلاتے وقت فرمایا، جو شخص روزہ دار نہ ہو، وہ کھائے، روزہ دار نہ کھائیں، پھر فرمایا، حدیث صحاح میں ہے کہ جب روزہ داروں کے سامنے کھانا کھایا جاتا ہے تو فرشتے اُن کی مغفرت کے لیے دعائیں کرتے رہتے ہیں، کیوں کہ ایسی حالت میں روزہ دار اپنے دل پر جبر کرتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کو ثواب ملتا ہے[2]۔

ایک بار حدود بخارا سے شیخ زادہ معظم تیس ہم راہیوں کے ساتھ خدمت میں دہلی آئے، حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ بہت خوش ہو کر ان سے بغل گیر ہوئے اور پوچھا، کس غرض سے آئے ہو؟ عرض کیا کہ قدم بوسی اور تربیت حاصل کرنے کے لیے، فرمایا، مبارک ہو لیکن بہتر ہے کہ (دہلی کے) شیخ الاسلام (یعنی سلطان فیروز شاہ کے پیر شیخ علاء الدین) کے پاس ٹھہرو، وہ تمام مشائخ کے سردار ہیں، میں تم کو اپنے یہاں سے جانے کو نہیں کہتا لیکن جہاں تمہیں انشراح حاصل ہو وہیں قیام کرو، شیخ زادہ معظم نے کہا، میں تو آپ کے قدموں کے سایہ میں ٹھہروں گا، یہ سن کر حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے خادم سے کہا کہ ان کو کچھ کھلاؤ، میں تو روزہ سے ہوں[3]۔

---

[1] الدر المنظوم، ص ۵۸۶ [2] ایضاً، ص ۲-۶۴۱ [3] ایضاً، ص ۶۵۷۔

Marfat.com

ایک بار کچھ درویش عرب سے آئے، حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے ان سے پوچھا کہ کس خاندان سے ہو؟ عرض کیا، سیدی احمد کبیر کے خاندان سے، فرمایا، حضرت سیدی احمد کبیر سے میں نے خرقہ پہنا ہے اور انہوں نے مجھے خرقہ پہنانے کی اجازت دی ہے، وہ صوفی تھے اور سنت کے مطابق کپڑے پہنتے تھے، اس کے بعد درویشوں کو نصیحت کی کہ تم علم شریعت پڑھو، سنت کے پابند رہو اور بدعت سے بچو، پھر ان کو توبہ کی تلقین کی اور خرقہ پہنایا[1]۔

دربارِ شاہی سے تعلقات: پہلے ذکر آچکا ہے کہ سلطان محمد تغلق نے حضرت مخدوم جہانیاں کو شیخ الاسلام بنا کر ان کے تصرف میں چالیس خانقاہیں دی تھیں لیکن وہ ان کو چھوڑ کر حج کے لیے تشریف لے گئے، خود فرماتے ہیں کہ اگر میں ان خانقاہوں کو چھوڑ کر حج کو نہ چلا جاتا تو مغرور ہو جاتا اور کیچڑ میں پڑا رہتا[2]۔

حج و سیاحت کے بعد ہندوستان واپس آئے تو سلطان فیروز شاہ کو ان کی ذات اقدس سے بڑی عقیدت پیدا ہوگئی، چنانچہ شمس سراج عفیف اپنی تاریخ فیروز شاہی میں رقم طراز ہے:

''حضرت سید جلال الدین بخاریؒ ہر دوسرے یا تیسرے سال اچہ سے سلطان کی ملاقات کے لیے تشریف لاتے، دونوں کے درمیان بے حد محبت تھی، دونوں اس محبت میں اضافہ کرنے کی کوشش کرتے، جب حضرت سید جلال الدینؒ اچہ سے تشریف لاتے اور فیروز آباد کے قریب پہنچتے تو بادشاہ مند تک استقبال کے لیے جاتا اور جب دونوں میں ملاقات ہوتی تو بادشاہ حضرت سید کو بڑے اعزاز و اکرام سے شہر میں لاتا، وہ کبھی تو منارہ سے متصل کوشک معظم کے اندر شفاخانہ میں کبھی شہزادہ فتح خاں مرحوم کے خطیرے میں قیام فرماتے، جب سید السادات اپنی قیام گاہ سے مقررہ طریقہ کے مطابق سلطان فیروز کی ملاقات کے لیے تشریف لاتے اور جیسے ہی وہ محل حجاب میں پہنچ کر سلام کرتے، سلطان اپنے رتبہ کے باوجود تخت گاہ پر کھڑا ہو جاتا اور بے حد تواضع کے ساتھ

---

[1] الدر المنظوم، ص ۹-۶۵۸ [2] ایضاً، ص ۲۴۵۔

Marfat.com

پیش آتا، پھر دونوں جام خانہ کے اوپر جا کر بیٹھتے، جب حضرت سید واپس ہوتے، اس وقت بھی فیروز شاہ جام خانہ کے اوپر تعظیم کے لیے کھڑا ہو جاتا اور جب تک کہ حضرت سید محل حجاب تک نہ پہنچ جاتے، اسی طرح کھڑا رہتا، یہاں پر حضرت سید سلطان کو سلام کرتے اور سلطان سلام کا جواب دیتا، جب حضرت سید نظروں سے غائب ہو جاتے، اس وقت سلطان اپنے تخت پر بیٹھتا، سبحان اللہ! کیا حسن ادب تھا، جو سلطان حضرت سید کے لیے بجا لاتا تھا، سلطان بھی دوسرے تیسرے روز حضرت سید کی قیام گاہ پر ملاقات کے لیے جاتا اور دونوں میں بڑی محبت آمیز گفتگو ہوتی، اچہ اور دہلی کے باشندے اپنی اپنی حاجت اور غرض حضرت سید کی خدمت میں پیش کرتے، وہ اپنے خدام کو حکم دیتے کہ ان باتوں کو قلم بند کر لیں اور جب سلطان ملاقات کے لیے آتا تو وہ ضرورت مندوں کے کاغذات اس کی خدمت میں پیش کرتے، سلطان ان کاغذات کو پڑھ کر ہر حاجت مند کی حاجت روائی کرتا، کچھ دنوں قیام فرما کر حضرت سید اچہ واپس ہوتے تو بادشاہ ایک منزل تک ان کو پہنچانے کے لیے جاتا۔" (ص ۱۶-۵۱۴)

۷۶۴ھ میں سلطان فیروز شاہ جام اور بانبھ کے خلاف ٹھٹھ پر حملہ آور ہوا تو حضرت مخدوم جہانیاںؒ ہی کی مساعی جمیلہ سے سلطان اور اہل ٹھٹھ کے درمیان صلح ہوئی، شاہی فوج کے محاصرہ سے ٹھٹھ میں قحط پڑنے لگا تو وہاں کے لوگ حضرت مخدوم جہانیاں کی مداخلت کے خواہاں ہوئے، ان کی دعوت پر حضرت مخدوم اچہ سے ٹھٹھ فیروز شاہی لشکر میں تشریف لائے، عفیف کی تاریخ فیروز شاہی میں ہے:

"حضرت سیدؒ جب لشکر میں پہنچے تو تمام اہل لشکر نے دل و جان سے قدم بوسی کی کوشش کی، حضرت سیدؒ نے ان سے فرمایا، بابا! اطمینان رکھو، ان شاء اللہ چند روز میں فتح ہوگی، جب آگے بڑھے تو سلطان فیروز نے نہایت خلوص اور عقیدت سے استقبال کیا اور بہت ہی اعزاز و اکرام کے ساتھ لشکر میں لایا، دونوں نے مصافحہ کیا، حضرت سید جلال الدینؒ نے فرمایا، ایک پارسا اور صالحہ عورت ٹھٹھ میں موجود تھی، اس کی دعا کی برکت سے ٹھٹھ فتح نہیں ہوتا تھا، میں خدا کی بارگاہ میں دعا کرتا

Marfat.com

تھا لیکن وہ پاک دامن درمیان میں حائل ہو جاتی تھی، اب تین روز ہوئے کہ اس عورت نے جنت کی راہ لی اور امید ہے کہ ٹھٹھ جلد فتح ہو جائے گا، اہل ٹھٹھ کو معلوم ہوا کہ حضرت سید جلال الدینؒ شاہی لشکر میں تشریف فرما ہیں تو ان کی خدمت میں متواتر پیامات روانہ کیے اور اپنی مصیبتوں کا اظہار کیا، حضرت سیدؒ نے بھی سلطان سے کہہ کر اہل ٹھٹھ کو مطمئن کیا اور سلطان فیروز شاہ نے بھی اہل ٹھٹھ کو ان کے مطالبات سے دو چند عطا فرمایا۔'' (ص ۴۲-۲۴۱)

ایک بار ۷۸۱ھ میں حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے دہلی کو اپنی آمد سے شرف بخشا، اس وقت سلطان فیروز شاہ سومانہ کی مہم میں دارالسلطنت سے باہر تھا، اس لیے حضرت مخدوم جہانیاں کو سلطان کی ملاقات کے لیے دہلی میں دس مہینہ رکنا پڑا، اس اثنا میں دہلی کے باشندے اور دوسرے مقامات کے لوگ خدمت میں حاضر ہو کر ہر قسم کے مذہبی اور روحانی فیوض حاصل کرتے رہے، مجلسوں میں کبھی درس و تدریس ہوتی، کبھی شرعی اور فقہی مسائل کی تشریح ہوتی، کبھی اخلاق و معاشرت کو سنوارنے کی تعلیم دی جاتی اور کبھی صوفیانہ غوامض و دقائق بیان کیے جاتے، ان تمام ملفوظات کو حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے ایک مرید سید علاء الدین علی بن سعد حسینی نے جامع العلوم کے نام سے مرتب کیا تھا جس کا اردو ترجمہ الدر المنظوم کے صفحہ ۸۵۵ پر مشتمل ہے۔

سلطان کی عدم موجودگی میں وزرا اور شہزادے ہر قسم کی خاطر و تواضع میں لگے رہے، سلطان فیروز شاہ کا لائق وزیر خان جہاں قدم بوسی کے لیے آیا تو اثنائے گفتگو میں اس کو نصیحت کی کہ وہ عدل و انصاف میں شریعت کا دامن کسی حال میں نہ چھوڑے[1]، خان جہاں دوسری مرتبہ آیا تو بادشاہ کی طرف سے چونتیس جوڑے کپڑے لایا، حضرت مخدومؒ نے ان کو دیکھ کر فرمایا، اگر مشروع ہیں تو پہنوں گا ورنہ بچوں کی والدہ کے لیے رکھ چھوڑوں گا، خان جہاں نے قسم کھائی کہ مشروع ہیں، حضرت مخدوم جہانیاںؒ کو جب اطمینان ہو گیا تو کپڑے قبول کر لیے

---

[1] الدر المنظوم، ص ۱۳۔

Marfat.com

اور فرمایا، میں بادشاہ کا دیا ہوا کپڑا پہن لیتا ہوں کہ بادشاہ کا حکم بجالانا واجب ہے[1]۔

دہلی ہی کے قیام کے زمانہ میں حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے ایک بھائی سید صدرالدین سلطان فیروز شاہ سے جاکر شاہی لشکر میں ملے، وہاں سے حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے پاس آئے تو عرض کیا کہ سلطان نے ان کو ایک گاؤں، دو ہزار ٹنکے اور خلعت عطا کی[2]۔

ایک بار ایک شخص نے آکر عرض کیا کہ میں نے حج کی نیت کی ہے، آپ سلطان کو لکھ دیں کہ مجھ کو زادِ راہ عنایت کرے، یہ سن کر منشیوں سے فرمایا، سلطانؒ کو لکھ دو لیکن یہ بھی فرمایا کہ فقہ میں ہے کہ جو شخص بادشاہوں سے خرچ لے کر حج کو جاتا ہے اس کا حج قبول نہیں ہوتا[3]۔

اسی قیام کی مدت میں عیدالضحیٰ بھی آگئی، حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے عیدالضحیٰ کا دن جس طرح گزارا اس کی تفصیل ناظرین کے لیے دل چسپی سے خالی نہ ہوگی۔

عیدالضحیٰ کی صبح صادق ہوئی تو صبح کی نماز ادا کی، ننانوے اسمائے الٰہی کے ورد سے فارغ ہوئے تو طلوع آفتاب سے پہلے مصلّٰی سے اٹھے، غسل فرمایا اور جب آفتاب کسی قدر بلند ہوا تو پالکی میں سوار ہو کر عیدگاہ کی طرف روانہ ہوئے، معتقدین بھی ساتھ تھے، تکبیر کہتے جاتے اور ہم راہیوں سے بھی تکبیر کہلواتے، راستہ آہستہ آہستہ طے کرتے، عیدگاہ کے قریب پہنچے تو پالکی سے اتر پڑے، تازہ وضو کیا، ریش مبارک میں کنگھی کی، پھر مسجد میں داخل ہوئے، اس وقت تک کچھ زیادہ لوگ نہیں آئے تھے، محراب کے سامنے پہلی صف میں جاکر تشریف فرما ہوئے، معتقدین پیچھے بیٹھ گئے، فجر کی نماز کے بعد کے اوراد و وظائف پڑھتے رہے، خطیب نے آنے میں تاخیر کی تو فرمایا، بقرعید کی نماز جلد ہونی چاہیے تاکہ قربانی جلد ہو اور جانور بیچارے قید میں نہ بندھے رہیں، ذبح ہو کر وہ اپنی منزل مراد کو پہنچ جائیں، پھر خادم خاص کو بلا کر کہا کہ داروغہ مطبخ سے تاکید کر دو کہ سلام پھیرتے ہی جاکر قربانی کرے تاکہ ہم یاروں کے ساتھ قربانی کے گوشت سے افطار کریں، اس لیے کہ یہ مستحب ہے، اس اثنا میں سلطان فیروز

---

[1] الدرالمنظوم، ص ۳۴۱ [2] ایضاً، ص ۳۵۰ [3] ایضاً، ص ۳۵۵۔

Marfat.com

شاہ کا وزیر خان جہاں آیا، اس کو دیکھ کر پوچھا کہ تمہاری قبا مشروع ہے، جواب دیا، مشروع ہے، پھر پوچھا، موئے بند سوتی ہے یا ریشمی، جواب دیا، سوتی، پھر فرمایا، تم اپنے بال کے جوڑے کھول کر آگے ڈال دینا ورنہ نماز مکروہ ہو جائے گی، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے، تم اپنے بال کو کھول دو تا کہ وہ بھی تمہارے ساتھ سجدہ کریں، اسی سلسلہ میں فرمایا، بعض نادان ریشم کے کپڑے پہن کر نماز پڑھتے ہیں، ایسی نماز اس کے منہ پر ماری جاتی ہے، اسی درمیان میں سلطان فیروز شاہ کے قاضی القضاۃ صدر جہاں نے قدم بوسی حاصل کی اور نماز کے بعد اپنے یہاں مدعو کیا، نماز شروع ہوئی تو خطیب سے دوسری رکعت کی تکبیروں میں سہو ہو گیا، نماز کے بعد علما نے سہو کے بارہ میں حضرت مخدوم جہانیاںؒ سے رجوع کیا، فرمایا، عیدین کی تکبیریں واجب ہیں، مناسب تو یہ ہے کہ نماز پھر سے پڑھی جائے لیکن مجمع کثیر ہے، اعادہ میں لوگوں کو زحمت ہوگی، اس لیے اعادہ کی ضرورت نہیں، خطیب کے خطبہ کے بعد حضرت مخدومؒ نے چار رکعت نماز پڑھی اور اپنے ہم راہیوں سے بھی پڑھوائی، ابھی وہ نماز پڑھ ہی رہے تھے کہ دست بوسی کے لیے لوگوں کا ہجوم ہوا، ہر طرف ایک شور بپا ہو گیا، مشکل سے پالکی لائی گئی اور جب پالکی پر سوار ہو کر روانہ ہوئے تو لوگ پالکی کی طرف دوڑتے تھے، کوئی پالکی کو چومتا اور کوئی پالکی اٹھانے والوں کو چومتا، ہجوم زیادہ بڑھا تو خدام نے لوگوں کو منتشر کیا کہ ہجوم کی کثرت سے کوئی ہلاک نہ ہو جائے، صدر جہاں بھی پالکی کے ساتھ ساتھ تھے اور جب ان کے گھر پہنچے تو وہاں ائمہ، علما، قضاۃ، صدور اور دوسرے اکابر پہلے سے موجود تھے، جنہوں نے اٹھ کر تعظیم کی، اثنائے گفتگو میں حضرت مخدومؒ نے صدر جہاں کو مخاطب کر کے فرمایا، مکبر اکبار بمد کہتے ہیں، ان کو منع کرو، یہ لفظ کفر کا ہے، اکبار شیطان کے ناموں میں سے ایک نام ہے، پھر فرمایا، مستحب یہ ہے کہ مؤذن صاحب علم اور مفتی ہو تا کہ فتویٰ بھی دے سکے، گفتگو مختلف موضوع پر ہوتی رہی، اس کے بعد اشراق کی نماز پڑھی، اشراق پڑھ چکے تو صدر جہاں نے شربت کا ایک پیالہ پیش کیا، شربت دیکھ کر فرمایا، عید اضحیٰ میں قربانی کے گوشت سے افطار کرنا سنت ہے، صدر

Marfat.com

جہاں نے فوراً کباب کی ایک سیخ سینکوائی، اسی سے افطار کیا اور ہم راہیوں کو بھی افطار کرنے کو کہا، اس کے بعد صدر جہاں نے دستر خوان بچھوایا، کھانے کے بعد تمام لوگ رخصت ہوئے[۱]۔

سلطان فیروز شاہ جب مہم سے واپس آیا تو اس نے شہزادہ محمود خاں کو حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے پاس بھیجا کہ ان کو جا کر شاہی محل میں لے آئے تا کہ ان کی زیارت جلد ہو سکے لیکن حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے ساتھ بہت سے لوگ تھے، اس لیے انہوں نے شاہی محل میں جانا پسند نہیں فرمایا، شہزادہ محمود خاں جب رخصت ہونے لگا تو حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے اس کو کلاہ پہنائی اور کچھ شیرینی بطور تبرک دی، سلطان فیروز شاہ نے پھر اور دوسرے شہزادوں اور ارکانِ سلطنت کو بھیجا کہ وہ شاہی محل میں ضرور تشریف لائیں، چنانچہ اس اصرار کے بعد وہ شاہی محل میں منتقل ہو گئے، جہاں شہزادے اور عمائدین سلطنت برابر خدمت میں حاضر رہتے تھے[۲]۔

ایک روز شہزادہ مبارک خاں اپنے لڑکوں کے ساتھ قدم بوسی کے لیے آیا تو اس کی ٹوپی پر نظر پڑی، فرمایا، ایسی ٹوپی پہننا روا نہیں، لڑکے بھی اسی طرح کی ٹوپی پہنے ہوئے تھے، ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، یہ تو بچے ہیں، ان سے مواخذہ نہیں ہوگا لیکن ان کے ولی سے باز پرس ہوگی[۳]۔

ایک روز جامع مسجد میں نماز پڑھنے تشریف لے گئے تو مؤذن نے اذان میں اکبر کی جگہ ''اکبار'' کہا، فرمایا، یہ کفر ہے، سید الحجاب اور صدر جہاں کی توجہ اس طرف دلائی، سلطان کو خبر ہوئی تو مؤذن کو طلب کیا اور اس کی جان کے لالے پڑ گئے، مؤذن حضرت مخدوم جہانیاںؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شاہی عتاب کا ذکر کیا، حضرت مخدومؒ نے اس کی دل جوئی کی اور فرمایا، میں سلطان سے کہوں گا کہ تمہاری روٹی موقوف نہ کرے لیکن اکبار نہ کہنا اور نہ حی علی الصلوٰۃ کے بجائے حیا علی الصلوٰۃ کہنا کیوں کہ اس سے معنی بدل جاتے ہیں۔

کئی بار سلطان فیروز شاہ نے بھی حاضری دی، پہلی دفعہ آیا تو حضرت مخدوم جہانیاںؒ اشراق کی نماز پڑھ رہے تھے، جب تک نماز پڑھتے رہے، سلطان کھڑا رہا اور جب نماز سے

۱۔ الدر المنظوم، ص ۶۴-۷۵۲ ۲۔ الدر المنظوم، ص ۹۹-۹۰-۷۹ ۳۔ ایضاً، ص ۸۰۱۔

Marfat.com

فارغ ہوئے تو دونوں نے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا، سلطان نے پھولوں سے بھری ہوئی ایک ٹوکری پیش کی، حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے ان پھولوں کو حاضرین میں تقسیم کر دیا، پھر سلطان کے آنے کا شکریہ ادا کیا اور دعائیں دیں، اس کے بعد ساتھیوں سے دو رکعت نماز نفل باجماعت ادا کرنے کو کہا، مولانا سراج الدین نے امامت کی، سلطان بھی جماعت میں شریک ہوا، نماز ختم ہوئی تو حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے فرمایا، امام شافعیؒ کے نزدیک نفل نماز جماعت کے ساتھ ادا کی جا سکتی ہے، پھر فقہ کی کتاب کافی کا حوالہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا، عبادات میں غیر مسلک پر عمل کیا جا سکتا ہے، یعنی اگر کوئی حنفی ہے تو شافعی کی عبادات میں شریک ہو سکتا ہے لیکن معاملات میں غیر کے مسلک پر عمل کرنا بالکل جائز اور درست نہیں، اس کے بعد سلطان سے نماز کی نیت، خانہ کعبہ کی زیارت، حضرت شیخ بہاء الدین کی بزرگی، خرقہ مشائخ، دشمن نفس وغیرہ پر گفتگو رہی، اسی اثنا میں حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے پوتوں اور دوسرے لوگوں کے لیے سلطان سے کہہ کر وظائف مقرر کرائے، جب سلطان رخصت ہونے لگا تو اس نے حضرت مخدوم جہانیاںؒ سے اپنے پوتوں کے لیے دعائیں کرنے کو کہا، انہوں نے ان کے لیے وہی دعائیں کیں جو حضرت رسول اللہ ﷺ بچوں کو دیا کرتے تھے، سلطان کو رخصت کرنے کے لیے حضرت مخدوم جہانیاںؒ نردبان سے نیچے آنا چاہتے تھے لیکن سلطان نے دست مبارک پکڑ کر نیچے آنے سے روکا، حضرت مخدومؒ نے کہا، تم جب مجھ سے ملنے آئے ہو تو کچھ تو تمہاری تعظیم کروں، سلطان نے کہا، واجب التعظیم تو آپ ہی ہیں میں تعظیم کا مستحق نہیں، سلطان جا چکا تو اس کے ساتھ آنے والے ارکانِ سلطنت بھی اسی طرح تعظیم و تکریم کا اظہار کرتے ہوئے رخصت ہوئے۔

سلطان دوسری دفعہ آیا تو اس ملاقات میں کسی موقع پر حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے بعض اشعار پڑھے، جو سلطان کو پسند آئے، ان کو خود بھی لکھا اور سید الحجاب سے بھی لکھوایا، وہ اشعار یہ ہیں:

Marfat.com

ہمت بس بلند روز می کن — کہ من از تو ہمی ترا خواہم
ہر آنکو غافل از وے یکزمان ست — دراں دم کافرست امانہان ست
مبادا غائبے پیوستہ باشد — در اسلام بروے بستہ باشد
حضوری بخش اے پروردگارم — کہ من غائب شدن طاقت ندارم[1]

فیروز آباد یعنی دہلی سے رخصت ہوتے وقت دو روز پہلے لوگوں کے ہجوم سے بچنے کی خاطر سلطان خانہ کی مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کی، نماز کے بعد سلطان سے ملے، بعض فقہی مسائل پر گفتگو ہوئی، پھر لوگوں نے کچھ عرض داشتیں سلطان کی خدمت میں پیش کیں، جن کو اس نے قبول کیا، اسی اثنا میں سلطان خانہ میں آخری ملاقات کے لیے لوگوں کا ہجوم بڑھا تو حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے ایک دریچہ سے روئے مبارک نکال کر لوگوں سے فرمایا، السلام علیکم، میں نے تمہارے بھائی (یعنی سلطان) اور تمہارے دین کو خدا کو سونپا، تم بھی مجھ کو خدا کو سونپو، پھر لوگوں کے لیے دعائیں کیں، اتوار کے روز اشراق کے بعد فیروز آباد سے نکل کر کوشک شکار عرف جہاں نما آئے، اس وقت سلطان کی طرف سے کھانا آیا، حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے ایام بیض کا روزہ رکھا تھا لیکن اور لوگوں نے کھانا کھایا، اس موقع پر فرمایا، مقطع اور دوسرے ملوک کو رشوت دینا یا ان کی مالی مدد کرنا بالکل جائز نہیں، بادشاہ کے لیے بھی یہ باتیں حرام ہیں، ہدیہ لینا روا بلکہ سنت ہے، بشرطیکہ یہ ہدیہ رشوت نہ ہو، کسی احسان یا معاوضہ کی خاطر نہ دیا گیا ہو، صرف خدا کی خوشنودی کے لیے پیش کیا گیا ہو، البتہ ہدیہ میں کفار کا کھانا قبول کرنا ممنوع ہے۔

کچھ لوگ ساتھ تھے، تہجد کے وقت ان کو رخصت کیا لیکن پھر بھی کچھ رہ گئے، چاشت کی نماز کے وقت چھوٹے شہزادے رخصت کرنے کے لیے آئے، ان کے جسم پر ریشم کا لباس دیکھ کر فرمایا، ریشم کا لباس پہننا حرام ہے، اس لباس کے پہننے کا وبال چھوٹے شہزادوں کے ولی پر ہوگا، پھر ۱۷ محرم ۷۸۲ھ کی صبح کی نماز کے بعد اچہ کی طرف روانہ

[1] الدر المنظوم، ص ۸۳۶۔

Marfat.com

ہو گئے، بعض معتقدین نے قدم چومنا چاہا لیکن چومنے نہ دیا[1]۔

فیروز شاہ پر بزرگانِ دین کے اثرات: حضرت مخدوم جہانیاںؒ کی صحبت سے سلطان فیروز شاہ میں جو جلا ہوئی اس کے اثرات اس کی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں ظاہر ہوتے رہے، وہ حضرت فریدالدین گنج شکرؒ کے نواسے شیخ الاسلام شیخ علاء الدین کا مرید تھا لیکن اپنے تمام معاصر مشائخ و صوفیہ سے بھی بڑی عقیدت و محبت کے ساتھ ملتا رہا، انہوں نے جو نصیحتیں کیں، ان پر عمل کرنے کی بھی کوشش کی، شمس سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی میں ہے:

''سلطان نے اپنے تمام عہد حکومت میں اولیائے کرام کی متابعت کی، آخر زمانہ میں مخلوق بھی ہو گیا تھا، اس نے ہر وقت مشائخ کی پیروی کی اور ان کی محبت کا دم بھرتا رہا۔'' (ص ۳۷۱)

سلطان حضرت شرف الدین احمد منیریؒ، حضرت چراغ دہلیؒ اور حضرت قطب الدین سوزؒ کے پند و نصائح سے بھی مستفیض ہوتا رہا[2] اور ان تمام بزرگانِ دین ہی کے فیوض و برکات کی وجہ سے اس میں شریعت اور سنت کی پابندی کا جذبہ پیدا ہوا اور اس نے اپنے دورِ حکومت میں شریعت کے احیا اور بدعات کے قلع قمع کرنے میں پوری کوشش کی، اسی سلسلہ میں ایک رسالہ فتوحات فیروز شاہی قلم بند کیا، اس کا آغاز اس طرح کرتا ہے:

''حمد بے حد اور شکر بے شمار اس خالق غفور و شکور کا ہے جس نے مجھ بے چارے مسکین فیروز بن رجب محمد شاہ بن تغلق شاہ کے غلام کو سنت رسول ﷺ کو زندہ کرنے، بدعتوں کو مٹانے، بری باتوں کو دور کرنے، حرام چیزوں کو روکنے اور فرائض و واجبات کی پابندی کی توفیق بخشی۔''

فیروز شاہ نے شریعت کی پابندی کی خاطر جو اقدام کیے اس کی پوری تفصیل فتوحات فیروز شاہی میں ملے گی، ایک جگہ رقم طراز ہے:

''گذشتہ زمانے میں بیت المال میں نامشروع اور حرام مال جمع کیا جاتا تھا، مثلاً

---

[1] الدر المنظوم، ص ۵۵-۱۵۸ [2] تفصیل کے لیے دیکھو سہ صدی مکتوبات، ص ۹۳-۹۲ و تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف، ص ۲۹-۷۸-۸۱-۱۳۰-۱۳۱۔

Marfat.com

ترکاریوں کی منڈی، دلالوں کے بازار، قصاب، طرب ونشاط، پھولوں کی فروخت، پان، غلہ، مچھلی، ندافی، صابون سازی، ریسمان فروشی، روغن گری، خشک چنے، تہہ بازاری، قمار بازی، داو بیگی، چرائی وغیرہ پر چنگی لی جاتی تھی، ہم نے دفاتر و دیوان کو ہدایت کردی کہ ان تمام چنگیوں کی وصولی ختم کردیں اور کوئی وصول کرے تو اس کو سزا دیں اور بیت المال میں جو مال آئے وہ شرع مصطفی ﷺ اور کتب دینیہ کے مطابق ہو اور وہ یہ ہیں، خراج آراضی، عشور، زکوٰۃ، جزیہ، لاوارثوں کا مال، غنیمت اور معدنیات کا خمس اور جو مال کلام پاک کے حکم کے مطابق نہ ہو وہ بیت المال میں جمع نہ کیا جائے[1]۔"

معاشرتی اصلاح کے سلسلہ میں اس کی مساعی جمیلہ ملاحظہ ہوں:

"شہر کے مسلمانوں میں ایک ایسا رواج ہو گیا تھا جس کو اسلام جائز نہیں رکھتا ہے، متبرک دنوں میں عورتیں پالکی، چھکڑے، ڈولے، گھوڑے اور اونٹ پر سوار ہو کر اور پا پیادہ جوق جوق شہر سے باہر آتی تھیں اور مزاروں پر جاتی تھیں، بدمعاش اور اوباش لوگ اپنی نفسانی خواہشوں کی خاطر ان عورتوں کو چھیڑ کر فتنہ و فساد پیدا کرتے، عورتوں کا باہر جانا شرعاً ممنوع ہے، ہم نے حکم دیا کہ کوئی عورت مزار کی زیارت کو نہ جائے، اگر کوئی جائے تو اس کی سزا کی جائے، حق تعالیٰ کی عنایت سے اب مخدرات اور مستورات باہر نہیں آتی ہیں اور نہ زیارت کو جاتی ہیں، اب یہ بدعت دور ہو گئی[2]۔"

کھانے پینے، لباس و پوشاک اور روزمرہ کی دوسری چیزوں میں بھی شریعت کی پابندی کا لحاظ رکھا، چنانچہ لکھتا ہے:

"گذشتہ زمانہ میں یہ دستور تھا کہ چاندی اور سونے کے برتنوں کو دسترخوان پر استعمال کرتے تھے اور تلواروں کے قبضہ اور ترکش کو سونے سے مرصع کرتے تھے، اس کی ممانعت کرکے میں نے اپنے ہتھیاروں کو شکاری جانوروں کی ہڈی سے مرصع کیا اور وہ برتن استعمال کیے جو شریعت میں جائز ہیں۔

گذشتہ زمانہ میں یہ دستور تھا کہ کپڑوں پر تصویریں بناتے تھے اور ان کو شاہی خلعت کے طور پر لوگوں کو پہناتے تھے، اسی طرح لگام، زین، سواری کے پٹے، عود کی انگیٹھیوں، طشت، پیالہ،

---

[1] فتوحات فیروز شاہی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ص ۶ [2] ایضاً ص ۱۰، ۱۱۔

Marfat.com

صراحی، لوٹا، خیمہ، پردوں، تخت، کرسی اور تمام ساز و سامان پر تصویریں بناتے تھے، خدا کے حکم و ہدایات کی بنا پر میں نے حکم دیا کہ ان چیزوں سے ان تصویروں کو مٹا دیں اور جو چیزیں شریعت میں جائز ہیں ان کو بنائیں اور گھروں اور محلوں اور دیواروں پر جو تصویریں بنائی گئی ہیں، ان کو بھی مٹا دیں۔

اس سے پہلے بڑے لوگوں کا لباس ریشمی اور زر دوزی کا ہوتا تھا جو شرعاً جائز نہیں، خدا کی توفیق سے تمام لباس رسول اللہ ﷺ کی شریعت کے موافق ہو گئے اور زر دوزی کے جھنڈے اور زربفت کی ٹوپیاں، جن کا عرض چار انگل سے زیادہ نہ ہو، جائز قرار دی گئیں اور جو لباس خلاف شریعت اور ناجائز تھے وہ مٹائے گئے[1]۔"

مندرجۂ بالا تمام حقائق کی تصدیق شمس سراج عفیف بھی کرتا ہے، اپنی تاریخ فیروز شاہی میں رقم طراز ہے:

"سلطان فیروز شاہ نے خدا کی عنایت و مہربانی سے ممالک محروسہ سے تمام غیر مشروع امور کو، جو خلاف احکام شرع ملک میں رائج تھے، دور کیا، فیروز شاہ نے ہر رسم و رواج کو جو خلاف شرع نظر آیا، قطعاً موقوف کر دیا۔

سلاطین کے خلوت خانہ میں مصور نقاشی کیا کرتے تھے، تا کہ خلوت کے وقت بادشاہ کی نظر ان تصاویر پر پڑے، فیروز شاہ نے خوف خدا کی وجہ سے حکم دیا کہ خلوت خانہ میں اس قسم کی نقاشی نہ کی جائے بلکہ بجائے تصاویر کے باغات و مناظر قدرت کے نقش و نگار بنائے جائیں۔

سلاطین قدیم کے محلات میں لوہے، تانبے، چاندی اور سونے کے بت اور دوسری مورتیں رکھی جاتی تھیں، بادشاہ نے ان کو خلاف شرع خیال فرما کر ان کو دور کیا۔

اسی طرح پہلے سلاطین سونے اور چاندی کے ظروف میں خورد و نوش کرتے تھے لیکن فیروز شاہ نے ان کو بھی خلاف شرع خیال کر کے اپنے یہاں سے علاحدہ کر دیا اور پتھر اور مٹی کے برتن استعمال کرنا شروع کیے، اسی طرح مراتب کے علم و نشانات پر تصویریں بنائی جاتی تھیں، بادشاہ

---

[1] فتوحات فیروز شاہی، ص ۱۳ و ۱۴۔

Marfat.com

نے اس رسم کو بھی قطعاً موقوف کردیا، وجہ یہ ہے کہ علما اور مشائخ ہر وقت بادشاہ کے قریب رہتے تھے، اسی لیے فیروز شاہ کو ہمیشہ مکروہ و حرام اشیا و افعال کا علم رہتا تھا، بلکہ یہ مقدس گروہ ممالک محروسہ کے ہر محصول کے متعلق جواز و عدم جواز کی رائے سے بادشاہ کو مطلع کرتا تھا اور فیروز شاہ ہر نامشروع محصول سے دست کش ہو جاتا اور اس طرح بے حد نقصان برداشت کرتا[۱]"

فیاضی: بادشاہ یا معتقدین کی طرف سے حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے پاس ہدیے آتے تو ان کو قبول کرلیتے، ایک موقع پر فرمایا، کہیں سے فتوح آجاتی ہیں تو میں قبول کرلیتا ہوں کیوں کہ شیخ مکہ عبداللہ یافعیؒ، شیخ مدینہ عبداللہ مطریؒ اور دوسرے مشائخ نے فرمایا کہ فتوح قبول کرکے دوسروں تک پہنچا دو اور کچھ اپنی ضرورت کے لیے بھی رکھو[۲]، اسی پر برابر عمل رہا۔

مکہ معظمہ سے شیراز تشریف لے گئے تو ایران کے بادشاہ نے سونے اور چاندی کے سکے طشت میں پیش کیے لیکن یہ تمام سکے ان ہم راہیوں کو دے دیے، جو مقروض تھے[۳]، شیراز ہی میں ایک شاگرد نے، جو حضرت مخدوم جہانیاںؒ سے مصابیح پڑھتا تھا، کئی ہزار دینار پیش کیے لیکن یہ تمام دینار ان ہم راہیوں کے حوالہ کردیے جن کو اپنی لڑکیوں کی شادیاں انجام دینی تھیں[۴]۔

رشد و ہدایت کے زمانہ میں دن بھر جتنی چیزیں آتیں، رات تک تقسیم کردی جاتیں یہاں تک کہ خانقاہ میں پانی بھی نہیں رہتا، فرماتے یہی ترک و تجرد باطن میں محبت پیدا کرتی ہے، پھر محبوب کے سوا کسی اور چیز کی طلب نہیں ہوتی[۵]۔

جب کوئی چیز پاس نہیں ہوتی تو قرض لے کر مدد فرماتے، ایک بار ایک وظیفہ خوار

---

۱ تاریخ فیروز شاہی، ص ۳۷۳، ۳۷۴، نیز دیکھو اردو ترجمہ (جامعہ عثمانیہ) ص ۲۵۴، بعض تذکروں مثلاً خزینۃ الاصفیا (ج ۲، ص ۴۰) اور مراۃ الاسرار (ص ۴۸۸، قلمی نسخہ دار المصنفین) میں ہے کہ سلطان ابراہیم شرقی والی جون پور حضرت مخدوم جہانیاںؒ کا مرید تھا لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیوں کہ سلطان ابراہیم ۸۰۲ھ میں تخت پر بیٹھا اور حضرت جہانیاں کی وفات ۷۸۵ھ میں ہوئی۔ ۲ الدر المنظوم، ص ۲۳۸ ۳ ایضاً، ص ۶۶۴ ۴ ایضاً، ص ۴۵۲ ۵ ایضاً، ص ۶۸۰۔

Marfat.com

سید شمس الدین مسعود عراقی نامی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آج ان کو وظیفہ نہیں ملا ہے، خادم خاص کو بلا کر پوچھا تو اس نے کہا کہ ابھی تک کہیں سے فتوح نہیں آئی ہے، فرمایا بقال سے قرض لے کر وظیفہ دے دو، سید شمس الدین مسعود عراقی نے کہا کہ کافر سے قرض لینا مکروہ ہے، فرمایا، حاجت کے وقت مسلمان اور کافر سے قرض لینا درست ہے[1]۔

ایک بار ایک سید آئے، انہوں نے اپنے لیے کفن کا کپڑا مانگا، اس وقت کوئی کپڑا نہ تھا اور نہ دام تھے، جاڑے کا بستر موجود تھا، خادموں سے فرمایا، جاڑے کا موسم ختم ہو چکا ہے، بستر سے روئی نکال لو اور کپڑا کفن کے لیے دے دو، روئی بیچ کر دام رکھ لو تا کہ درویشوں کے وظیفے کے لیے کام آئے، یہ کہہ کر نماز پڑھنے لگے، خادم خاص نے ایسا ہی کیا اور کہنے لگا قطب عالم کیسی شفقت رکھتے ہیں، پھر یہ آیت پڑھی وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے یہ آیت سنی تو نماز توڑ دی اور فرمایا، یہ آیت رسول اللہ ﷺ کے حق میں ہے، کسی اور کے لیے نہیں ہو سکتی ہے[2]۔

ایک بار ایک عرب آیا، اس نے کہا کہ میں لکھنوتی کی طرف جانا چاہتا ہوں، مجھ کو زادِ راہ اور کپڑے دیجیے، اسی وقت ایک مرید ایک طشت میں بھر کر مصری تحفہ لایا، حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے عرب سے کہا کہ تم یہ لے لو، اس نے لے لیا، پھر کپڑے کا طلب گار ہوا، جسم مبارک پر جو کپڑا تھا وہ کسی نے عاریتاً پہنا دیا تھا کہ وہ تبرک ہو جائے، اس لیے عرب سے فرمایا یہ کپڑے میری ملک ہوتے تو میں تم کو دے دیتا لیکن وہ عرب کسی طرح راضی نہیں ہوتا تھا، خادموں نے اس پر غصہ کا اظہار کیا، عرب نے کہا، اے مخدوم! آپ کے خادم مجھ کو مارنا چاہتے ہیں، فرمایا، اگر وہ تمہیں ماریں تو مجھے مار ڈالنا، میں نے اپنا خون تجھے معاف کیا اور اپنی گردن مبارک جھکا دی، عرب یہ خلق دیکھ کر بے حد متاثر ہوا اور قدموں پر گر پڑا، حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے اس کو اپنی بغل میں لے لیا اور اپنی ٹوپی پہنا کر رخصت کیا[3]۔

---

[1] الدرالمنظوم، ص ۱۷۸ [2] ایضاً، ص ۶۸۷ [3] ایضاً، ص ۱۸۷۔

Marfat.com

جب کوئی ہدیہ پیش کرتا تو اس کا بدلہ کسی نہ کسی صورت میں ضرور ادا کرتے، ایک بار ایک معتقد نے سونے اور چاندی کے ٹنکے پیش کیے، جب وہ رخصت ہونے لگا تو اس کو اپنی بارانی دے دی اور فرمایا، حدیث صحاح میں ہے کہ جو شخص تمہارے لیے کوئی ہدیہ لائے تو تم اس کا بدلہ ضرور دو، اگر اس کی قدرت نہیں رکھتے ہو تو تم اس کے لیے دعائیں کرتے رہو، یہاں تک کہ تم کو یقین ہو جائے کہ ہدیہ کا بدلہ ہو گیا[1]۔

مہمان نوازی: جب کوئی ملنے آتا تو اس کو کچھ نہ کچھ ضرور کھلاتے، فرماتے جو شخص کسی زندہ آدمی کی ملاقات کو آئے اور اس کے یہاں کوئی چیز نہ چکھے تو گویا اس نے کسی مردے کی زیارت کی[2]، کہیں سے کوئی مہمان آتا تو جب تک مقیم رہتا اس کے کھانے پینے کا سامان اور نقد وظیفہ کا انتظام کر کے ایک حجرہ علاحدہ کر دیا جاتا[3]۔

عفوو درگزر: خانقاہ اور قیام گاہ سے چیزیں اکثر چوری ہو جاتیں لیکن صبر و تحمل سے کام لیتے، ایک بار دہلی کے قیام کے زمانہ میں کسی نے چادر چرالی، ایک معتقد نے کہا کہ چور کے لیے آپ بددعا کریں، بار بار چیز چرالے جاتے ہیں، فرمایا، ہرگز بددعا نہ کروں گا، بلکہ چور اگر آجائے تو میں چادر اس کو بخش دوں گا، میری بہت سی چیزیں مثلاً مٹکا اور مسجہ وغیرہ چور اٹھا کرلے گئے لیکن میں نے کبھی بددعا نہیں کی[4]۔

غیر شرعی تعظیم سے پرہیز: معتقدین غایت تعظیم و تکریم میں پاؤں چومنے کی کوشش کرتے لیکن چومنے نہیں دیتے[5]، بعض مریدین تعظیم میں سجدہ کرنے کی کوشش کرتے لیکن ان کو سجدہ کرنے نہیں دیتے، فرماتے، غیر حق کو سجدہ کرنا درست نہیں ہے، ہمارے مذہب میں سجدہ تحیت جائز نہیں، امام شافعیؒ کے یہاں پیر، استاد، والدین اور خسر کے لیے سجدہ روا ہے لیکن ہمارا ہی مسلک صحیح ہے[6]۔

---

[1] الدر المنظوم، ص ۴۹۱ [2] ایضاً، ص ۵۸۶ [3] ایضاً، ص ۳۵ [4] ایضاً، ص ۱۷۴ [5] ایضاً، ص ۸۵۵
[6] ایضاً، ص ۷۲۶۔

Marfat.com

خاک ساری: ایک مرید نے مدح لکھی اور قطب عالم، شیخ الشیوخ اور سید السادات کے القاب لکھے، سن کر فرمایا، مجھ کو گدائے عالم کہو۔[1]

معاصر صوفیہ کا احترام: ایک بار حضرت مخدوم الملک شرف الدین احمد منیریؒ نے حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے پاس کفش بھیجی، جس کا مطلب یہ تھا کہ میں آپ کا کفش پا ہوں، حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے اس کے بدلہ میں اپنی دستار بھیجی، جس سے مراد یہ تھی کہ آپ میرے سرتاج ہیں[2]۔ سمنان سے آکر حضرت جہاں گیر سمنانیؒ نے ان کی قدم بوسی کی تو بہت ہی شفقت سے ملے اور فرمایا:

"بعد از مدتے بوئے طلب صادق بہ دماغ رسیدہ بعد از روزگارے نسیم از گلزارے سیادت وزیدہ۔"

اس کے بعد حضرت جہاں گیر کو بنگالہ حضرت شیخ علاء الدین لاہوری کی خدمت میں بھیجا[3]، اچہ میں حضرت شیخ جمال الدین بھی ایک بلند پایہ بزرگ تھے، ان کے فضائل و مناقب کا ذکر ملفوظات میں اکثر آیا ہے، حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے والد بزرگ وار کو حضرت شیخ جمال الدین سے کچھ خلش تھی لیکن حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے اپنے عنفوان شباب میں درمیان میں پڑ کر یہ خلش دور کرادی تھی، حضرت شیخ جمال الدین کی اولاد سے برابر شفقت و محبت سے پیش آتے رہے اور ان کے لیے فیروز شاہ سے وظائف بھی مقرر کرائے[4]۔

سماع: سماع سے پرہیز کرتے اور فرماتے کہ سماع میں اختلاف ہے لیکن اس شخص کے لیے مباح ہے جو اس کی اہلیت رکھتا ہے[5]۔

---

[1] الدر المنظوم، ص ۴۵۳ [2] مونس القلوب بحوالہ سیرۃ الشرف، ص ۱۵۱ [3] لطائف اشرفی، ج ۲، ص ۹۴، خزینۃ الاصفیا (ج ۲، ص ۶۰) اور مرأۃ الاسرار میں ہے کہ حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے حضرت شیخ علاء الدین لاہوریؒ کی جنازہ کی نماز پڑھائی لیکن یہ صحیح نہیں کیوں کہ حضرت مخدوم جہانیاںؒ کی وفات ۷۸۵ھ میں ہوئی اور حضرت شیخ علاء الدینؒ کا وصال ۸۰۰ھ میں ہوا۔ [4] الدر المنظوم، ص ۵۵۱ [5] ایضاً ص ۷۹۸۔

Marfat.com

اشاعت اسلام: غیر مسلم خصوصاً ہندو خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوتے[1]، ایک ہندو عورت مسلمان ہو کر ولیہ ہو گئی، تمام رات بیدار رہ کر عبادت کرتی اور اکثر مکہ معظمہ جا کر خانہ کعبہ کے طواف میں روحانی لذت حاصل کرتی[2]، حضرت مخدوم جہانیاںؒ اچہ سے تشریف لاتے تو راستے میں بہت سے غیر مسلم ان کے دست مبارک پر اسلام لاتے[3]۔

ازدواجی زندگی: حرم محترم بھی بڑی عابدہ وزاہدہ تھیں، ایک موقع پر فرمایا ''لڑکوں کی ماں تہجد کے وقت مجھ سے پہلے اٹھتیں اور جب وہ تہجد کی نماز پڑھ لیتیں تو دعاگو کو بیدار کرتیں، بی بی ایسی ہی چاہیے[4]''

ایک اور موقع پر ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا، ایک بار وہ عبادت میں مشغول تھیں کہ بیہوشوں کی طرح سجدہ میں گر پڑیں، جب ہوش میں آئیں تو سجدہ سے اٹھیں، میں نے ان سے کہا کہ جا کر وضو کر لو کیوں کہ بے ہوشی سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، کہنے لگیں، مجھ کو بے ہوشی نہ تھی، میں نے دل کی آنکھوں سے حق تعالیٰ کو دیکھا، پھر تعظیم میں کیوں نے سجدہ کرتی، بادشاہ مجازی کے لیے تو ہزاروں تعظیم کی جاتی ہے، بادشاہ حقیقی کی تعظیم سجدے سے کیوں نہ کرتی[5]۔

ان کے ملفوظات مین ان کے لڑکوں کے یہ نام ملتے ہیں، سید شمس، سید ماہ، سید صدر الدین، سید ناصر الدین، ان کی قبریں سکر اور بھکر میں ہیں[6] لیکن خزینۃ الاصفیا، ص ۴۲۶ میں ہے کہ ان کے تین صاحب زادے (۱) سید ناصر الدین محمود، (۲) سید عبد اللہ اور (۳) سید محمد اکبر، ایک صاحب زادی ملکہ جہاں تھیں، سید ناصر الدین کے متعلق خزینۃ الاصفیا میں ہے:

''جامع بود میان علوم شریعت و طریقت و حقیقت و شرافت و سیادت و نجابت و خوارق و کرامات در ولایت رتبہ عالی و مراتب بلند داشت، صاحب اولاد کثیر بود...... در طریقت نسبت ارادت بہ پدر بزرگ وار خود داشت و از وے خلافت و اجازت حاصل فرمود'' (ج ۲، ص ۶۹)

---

[1] الدر المنظوم، ص ۱۹۷ [2] ایضاً، ص ۸۰۸ [3] ایضاً، ص ۷ [4] ایضاً، ص ۱۳۱ [5] ایضاً، ص ۵۰

[6] ایضاً، دیباچہ، ص ۶۔

Marfat.com

مراۃ الاسرار میں ہے:

''حضرت سید جلال کی بہت سی اولادیں تھیں اور ان کے اکثر فرزند ولایت کے مرتبہ پر پہنچے، ان میں سے ایک شاہ جلال بھی تھے جو اپنے بھائیوں کے جھگڑے کی وجہ سے اچہ سے قنوج آگئے تھے اور اسی شہر میں سکونت اختیار کر لی، اپنے کشف و کرامات کی وجہ سے بڑی شہرت پائی، ان کے صاحب زادے بھی صوری اور معنوی کمالات کی وجہ سے مشہور ہوئے، قنوج اور نواحِ قنوج کے لوگ ان ہی کے سلسلہ ارادت سے منسلک رہے اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے، حضرت کے بعض فرزند دہلی کے نواح شکار پور میں محوِ خواب ہیں، ان میں شاہ عمر، شاہ محمود اور شاہ کبیر بڑے صاحب کشف و کرامات تھے اور بہت مشہور ہوئے، حضرت کے ایک فرزند شاہ قطب عالم گجرات میں مدفون ہیں۔''

حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے پوتے حضرت شیخ کبیر الدینؒ بڑے صاحب دل تھے، ان کا شمار برگزیدہ اولیاء اللہ میں کیا جاتا ہے[1]۔

وصال: لطائف اشرفی میں ہے کہ رحلت کے وقت اٹھہتر سال ایک مہینہ اور چھبیس روز کے تھے، سال وفات ۷۸۵ھ ہے، چہارشنبہ کا دن تھا، اسی روز عید اضحیٰ بھی تھی، عید اضحیٰ کی نماز پڑھ کر طبیعت زیادہ خراب ہوئی اور غروب آفتاب کے وقت مالک حقیقی سے جا ملے[2]، مزار اقدس اچہ شریف میں ہے، جو ریاست بھاول پور میں ملتان سے ستر میل کے فاصلہ پر جنوب مغرب میں واقع ہے، اس پر یہ شعر لکھا ہوا ہے:

تاریک گشت جملہ جہاں بے جمال شاہ　　　تاریخ بود ہفت صد ہشتاد و پنج سال

ملفوظات: حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے مختلف ملفوظات کے مجموعوں کے نام یہ ہیں:

(۱) خزانہ جلالی، (۲) سراج الہدایہ، (۳) جامع العلوم۔

خزانہ جلالی کا ذکر تذکروں اور کتب خانوں کی فہرستوں میں[3] ہے لیکن یہ مجموعہ میری

---

[1] خزینۃ الاصفیا، ج ۲، ص ۶۵ [2] لطائف اشرفی، جلد اول، ص ۳۹۲، اخبار الاخیار، ص ۱۴۲ [3] اخبار الاخیار، ص ۱۴۳، فہرست مخطوطات فارسی، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی، ص ۵۷۶۔

Marfat.com

نظر سے نہیں گزرا، سراج الہدایہ کا ایک قلمی نسخہ ریاست رام پور کے کتب خانہ میں ہے، اس کے مرتب کا نام احمد برنی ہے جو حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے مرید تھے، اس میں ۷۷۲ھ کے دس مہینوں کے ملفوظات ہیں جو حسب ذیل مختلف ابواب میں منقسم ہیں:

باب اول در بیان احادیث پیغمبر ﷺ، باب دویم در بیان روایت پیر و مرید گرفتن و مسائل دینی، باب سوم در بیان فوائد و احکام شرع جملہ بصحت کتب و قصہ قوم لوط، باب چہارم حکایات، باب پنجم در بیان قصص الانبیاء و بیان دعا و نماز برائے برآمدن حاجت، باب ششم در بیان احادیث مصابیح و فضائل میوہا و خضریات برحکم پیغمبر ﷺ وحدیث طبقات و بیان خرابی دیارہا، باب ہفتم و باب ہشتم در بیان اشعار عربی و نظم و فضائل سورہ فاتحہ، باب نہم مسائل متفرقہ۔

تمام ملفوظات میں سب سے زیادہ مفید، دل چسپ اور مفصل جامع العلوم ہے جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں بار بار آچکا ہے، اس میں دہلی کے قیام ۸ ربیع الآخر ۷۸۱ھ سے ۱۷ محرم ۷۸۲ھ تک کے ملفوظات ہیں، اس کا اردو ترجمہ الدر المنظوم فی ترجمۃ ملفوظ المخدوم کے نام سے مولوی ذوالفقار احمد نقوی نے نواب سید نور الحسن صاحب کی فرمائش پر کیا جو مطبع انصاری دہلی میں چھپا اور ۸۵۵ صفحوں پر مشتمل ہے، اس میں تصوف کے تمام حقائق و معارف ہیں، ان کے علاوہ بہ کثرت ایسے شرعی، فقہی، اخلاقی اور معاشرتی مسائل بھی ہیں جن کے مطابق ایک مسلمان آج بھی اپنی روزمرہ زندگی کو روحانی، مذہبی اور اخلاقی طور پر سنوار سکتا ہے۔

پروفیسر محمد ایوب قادری (اردو کالج، کراچی) نے اپنی کتاب مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ میں حضرت مخدومؒ کے کچھ اور ملفوظات اور مکتوبات کا پتہ لگایا ہے اور ان کو لکھ کر ان کی تفصیل لکھی ہے جو ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

خزانہ جلالی کے ملفوظات کو حضرت مخدومؒ کے مرید احمد المدعو بہ بہاء بن حسن ابن

Marfat.com

محمود بن سلیمان تلنی نے مرتب کیا، اس میں سترہ ابواب ہیں جن کے عنوانات یہ ہیں:

(۱) علم وعلما (۲) توبہ (۳) اذکار (۴) صلوٰۃ (۵) موت والزیارت (۶) زکوٰۃ و سخاوت (۷) صوم واعتکاف (۸) حج (۹) سفر وتجارت (۱۰) الاکل والاصناف (۱۱) نکاح وطلاق (۱۲) حلیہ رسول اللہ ﷺ (۱۳) اولادِ رسول اللہ ﷺ وازواجِ مطہرات، (۱۴) فضائل صحابہ ؓ واہل بیت (۱۵) تعظیم الولات (۱۶) مناقب الاولیا والمشائخ (۱۷) خرقہ مشائخ وصوفیہ، اس کے نسخے کتب خانہ اوچ کیلانی (ملکیت مخدوم شمس الدین ثامن) مکتوبہ ۱۲۴۴ھ نوبہار شاہ بخاری سجادہ نشین اوچ کی ملکیت مکتوبہ ۱۲۶۵ھ سنٹرل لائبریری حیدرآباد دکن اور کتب خانہ مبانہ شریف ضلع سرگودھا مکتوبہ ۱۰۳۲ھ میں ہیں۔

حضرت مخدومؒ کے ایک اور مجموعہ ملفوظات کو فضل اللہ بن ضیا العباسی نے ۷۸۱ھ میں مرتب کیا، اس میں زیادہ تر نماز کے فضائل و برکات پر ملفوظات ہیں، کھانے، پینے، پہننے، ضیافت اور دعوت کے آداب پر بھی کچھ ہدایتیں ہیں، اس کا ایک نسخہ سنٹرل لائبریری حیدرآباد میں اور ایک نوبہار شاہ سجادہ نشین اوچ کی ملکیت میں ہے۔

ایک اور مجموعہ ملفوظات مظہر جلالی ہے، جس میں توحید، فرض، عزیمت ورخصت، مسح موزہ، تیمم، نواقض وضو، مستحبات وفرائض وغیرہ پر مباحث ہیں، یہ نسخہ بھی نوبہار شاہ سجادہ نشین اوچ کی ملکیت میں ہے، ایک اور مجموعہ مناقب مخدوم جہانیاںؒ کے نام سے ہے، جو ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے کتب خانہ میں ہے۔

حضرت مخدومؒ نے شیخ قطب الدین دمشقی کے رسالہ مکیہ کا ترجمہ فارسی میں کیا، اس کے نسخے کیمبرج اور پرنسٹن کے کتب خانوں میں ہیں۔

حضرت مخدومؒ نے ایک رسالہ اربعین صوفیہ کے نام سے بھی مرتب کیا، جو ان کے یہاں باقاعدہ درس میں رہتا تھا، مکتوبات کا ایک مجموعہ مقرر نامہ کے نام سے ان سے منسوب ہے، یہ مکتوبات تاج الدین بن معین سیاہ پوش کو لکھے گئے ہیں، جن میں تصوف وسلوک کی

Marfat.com

تعلیمات ہیں، یہ ۷۰۶ھ میں مرتب کیا، اس میں ۴۲ مکتوبات ہیں۔

تعلیمات: گذشتہ صفحات میں حضرت مخدوم جہانیاںؒ کی زندگی کی جو تفصیل بیان کی گئی ہے، ان سے ان کی تعلیمات کا اندازہ ہوگا، ملفوظات میں ایسے اوراد و وظائف بکثرت ہیں جن کی مداومت سے روحانی مدارج طے کیے جاسکتے ہیں، ان کے علاوہ بعض خاص خاص باتوں کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

فقر: فقر کے لیے حسب ذیل پچاس چیزیں ضروری بتائی ہیں:

(۱) توبہ (۲) علم (۳) حلم (۴) عقل (۵) معرفت (۶) عافیت (۷) رحمت (۸) قناعت (۹) صدق (۱۰) یقین (۱۱) عبادت (۱۲) ذکر (۱۳) زہد (۱۴) تقویٰ (۱۵) توکل (۱۶) تفکر (۱۷) رجا (۱۸) صبر (۱۹) شکر (۲۰) سخاوت (۲۱) خلوت وعزلت (۲۲) رضا (۲۳) اخلاص (۲۴) بے چارگی (۲۵) اخلاق (۲۶) تواضع (۲۷) خوف (۲۸) اعتقاد (۲۹) افلاس (۳۰) تحمل (۳۱) شوق (۳۲) تجرد (۳۳) لطف (۳۴)......[۱] (۳۵) خشوع (۳۶)......[۲] (۳۷)......[۳] (۳۸) ریاضت (۳۹) شرف (۴۰)......[۴] (۴۱) سرمستی (۴۲) ہمت (۴۳) محبت (۴۴)......[۵] (۴۵) وصل (۴۶) قرب (۴۷) ادب (۴۸) اشتیاق (۴۹) تسلیم (۵۰) دیدار۔

اگر مندرجہ بالا تمام چیزیں حاصل نہ ہوسکیں تو حسب ذیل چیزوں کے لیے کوشش کرنی چاہیے:

(۱) توبہ (۲) توکل (۳) حمد (۴) صبر (۵) شرم (۶) زہد (۷) قناعت (۸) تسلیم (۹) صدق (۱۰) رضا (۱۱) دیدار (۱۲) تفکر (۱۳) ہیبت (۱۴) شکر (۱۵) عصمت۔

اگر یہ بھی حاصل نہ ہوں تو پھر مندرجہ ذیل چیزیں اختیار کی جائیں:

(۱) توبہ (۲) عبادت (۳) زہد (۴) صبر (۵) عرفان (۶) شکر (۷) توکل

---

[۱] [۲] [۳] [۴] [۵] سراج الہدایہ کے قلمی نسخہ میں الفاظ پڑھے نہیں جاتے۔

Marfat.com

(۸) طلب دوست، ان میں سے ہر ایک صفت ایک ایک پیغمبر کے ساتھ منسوب ہے[1]۔

اگر یہ چیزیں بھی حاصل نہ ہوں تو ایک سالک کے لیے سجادہ پر بیٹھ کر مشائخ کے گروہ میں شامل ہونا کسی طرح جائز نہیں۔

فقر کے ابتدائی دور میں مذکورۂ بالا چیزوں کے حاصل کرنے میں مشکلات درپیش آئیں تو دل سے حسب ذیل چیزوں کو دور کرنا چاہیے۔

(۱) غصہ (۲) حسد (۳) بخل (۴) عجب (۵) نفاق (۶) شہرت پسندی (۷) حرام چیزوں کے کھانے، پینے، لینے، سننے اور دیکھنے کا خیال (۸) کاہلی (۹) انتقام، ان کو دور کر کے تواضع اختیار کرنا چاہیے[2]۔

شرائط ذکر: ذکر کے لیے چار شرطیں ضروری ہیں، (۱) تصدق، یعنی جو کچھ ذاکر کی زبان پر ہو اس کا یقین اس کے دل سے بھی ہو، اگر یہ تصدیق نہیں تو ذاکر منافق ہے، (۲) تعظیم، یعنی زبان پر جو کچھ ہو اس کی عظمت بھی دل میں ہو، اگر یہ تعظیم نہیں تو ذاکر بدعتی ہے، (۳) حلاوت، یعنی ذاکر ذکر سے پوری لذت اٹھائے ورنہ وہ ریاکار ہے، (۴) اگر ذکر کے وقت اس کی حرمت کا خیال نہ ہو تو ذاکر فاسق ہے۔

عقبات سالک: عقبات کے معنی گھاٹیاں ہیں، راہِ سلوک میں مختلف قسم کی گھاٹیاں آتی ہیں، پہلی گھاٹی دنیا ہے، جب سالک راہِ سلوک میں گام زن ہوتا ہے تو دنیا کہتی ہے تو کہاں جاتا ہے، لوٹ آ، میرے پاس کتنے لذائذ ہیں، یہ میوے، یہ کپڑے، یہ عورتیں ہیں، ان کو چھوڑ کر کہاں جاتا ہے لیکن سالک ان سے منہ موڑ کر ان کو محض فانی چیزیں سمجھتا ہے تو وہ منزل مقصود کی طرف بڑھتا ہے، ایک سالک کو ہمیشہ حق تعالیٰ سے التجا کرتے رہنا چاہیے کہ اس کو گھاٹیوں سے پار کر دے[3]۔

مقاماتِ سالک: سالک کے دو مقامات ہیں، ابتدا اور انتہا، مقام ابتدا توبہ ہے، توبہ دو طرح

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھو اس حقیر تالیف کا صفحہ ۶۰ [2] سراج الہدایہ قلمی نسخہ [3] الدر المنظوم، ص ۱۰۱-۱۶۰۔

Marfat.com

کی ہے، ایک تو یہ کہ شریعت وطریقت کی معصیتوں سے توبہ کرے، یعنی حرام، مکروہ چیزوں، بے ادبی اور اخلاق ذمیمہ سے پرہیز کرے اور دوسرے ماسوائے اللہ سے توبہ کرے، مقام انتہا تمکین مع اللہ ہے اور یہ قدیم یعنی باری تعالیٰ کو حاصل کرنے اور محدث یعنی دنیا کو چھوڑ دینے سے حاصل ہوتا ہے، وہ شخص کبھی عاقل نہیں جو نعمتوں سے لطف اٹھائے اور نعمتوں کے دینے والے یعنی باری تعالیٰ سے غافل ہو جائے[1]۔

حالاتِ سالک: ان مقامات کو طے کر کے ایک سالک میں تین حالتیں پیدا ہوتی ہیں، سلوک، وقوف، رجوع، سلوک سے مراد وہ حالت ہے جس سے منزل مقصود کے مقامات طے ہوتے ہیں، ان مقامات کو طے کرنے میں توقف بھی ہوتا ہے، جس کو وقوف کہتے ہیں، سالک جب کسی مکروہ یا حرام چیز کی طرف مائل ہو جاتا ہے یا اس میں کسل پیدا ہو جاتا ہے یا وہ دنیا سے اختلاط شروع کر دیتا ہے تو پھر مقامات طے نہیں ہوتے، وقوف کا علاج رجوع ہے، یعنی سالک کو صابر و شاکر رہ کر پھر ایک بار تائب ہونا چاہیے اور وقوف کو دور کرنے کے لیے مفید مشاغل مثلاً درس و تدریس، امامت مساجد، کسب مکاسب اور تعلیم صبیان اختیار کر لینا چاہیے لیکن ان مشاغل میں اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو بجالانے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ ہو[2]۔

منازلِ سلوک: ایک سالک کی چار منزلیں ہیں، ناسوت، ملکوت، جبروت، لاہوت، منزل ناسوت نفس کی جگہ ہے، جب ایک سالک کے نفس سے اوصافِ ذمیمہ زائل ہو جاتے ہیں تو وہ عالم ملکوت میں پہنچتا ہے، یہ دل کی جگہ ہے جس میں فرشتوں کی صفتیں پائی جاتی ہیں، اس منزل سے گزر کر سالک عالم جبروت میں پہنچتا ہے، جو روح کی جگہ ہے، اس میں روح کی وہ تمام صفتیں پائی جاتی ہیں جو حق تعالیٰ کی ذات سے قریب کرتی ہیں، اس منزل کے بعد لاہوت ہے، جہاں "خود" سے رہائی حاصل ہو جاتی ہے۔

---

[1] الدر المنظوم، ص ۱۱۸ [2] ایضاً، ص ۲۵۸۔

Marfat.com

یہ تمام منزلیں نفس، دل اور روح کے ذریعہ سے طے ہوتی ہیں، نفس شیطان کی جگہ ہے، دل فرشتوں کا مقام ہے اور روح "محل نظر رحمٰن" ہے جو نفس کی پیروی کرتا ہے وہ دوزخ کی آگ میں جلتا رہے گا، جو دل کی متابعت کرے گا اس کو جنت نعیم حاصل ہوگی اور جو روح کی فرماں برداری کرتا ہے، اس کو خداوند کریم کے پاس جگہ ملے گی[1]۔

معرفت: جس کو معرفت حاصل ہوتی ہے وہ خداوند تعالیٰ کی حکمت کے لطائف اور اس کی محبت کے حقائق سے واقف ہو جاتا ہے، معرفت کا نور ہر قسم کے انوار پر غالب آتا ہے، نہ اس پر گناہوں کی تاریکیاں چھا سکتی ہیں، نہ اس کو شہوتوں کی خواہشیں کثیف بنا سکتی ہیں، نہ اس کو افکار و غفلت کا غبار چھپا سکتا ہے[2]۔

خلفا: حضرت سید اشرف جہاں گیر سمنانی نے اپنے آپ کو حضرت مخدوم جہانیاںؒ کا بھی خلیفہ بتایا ہے، ان کا ذکر آگے آئے گا، بعض اور دوسرے خلفا کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

سید صدر الدین راجو قتال حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے سگے بھائی تھے، ان کی تعلیم و تربیت میں صاحب کرامت ہوئے، وفات ۸۲۷ھ میں ہوئی، مزار دہلی میں ہے۔

شیخ اخی راج گری، خزینۃ الاصفیا میں ہے:

"مرید و خلیفہ حضرت مخدوم جہانیاںؒ بود، آنحضرت دے را بخطاب اخی یا دمی فرمود، وطن اصلی وے موضع زہرا از اعمال پرگنہ دریا باد سرکار اودھ است، بعد عطائے خرقہ خلافت صاحب ولایت دیار قنوج شد، چوں در آنجا رسید، از دحام خلق بسیار شد، از آنجا موضع راج گیر کہ بر آب دریائے گنگ است متوطن شد۔" (ج ۲،ص ۶۴-۶۳)

حضرت سید علم الدین، سادات ترمذ میں تھے، قنوج وطن تھا، حضرت مخدوم جہانیاںؒ سے مرید ہو کر ان کے حکم کے بموجب جون پور آئے اور سلطان ابراہیم شرقی کی ملازمت میں منسلک ہو کر امرا میں داخل ہوئے، پٹہ پلاؤں (؟) جاگیر میں ملا، خزینۃ الاصفیا میں ہے:

---

[1] الدر المنظوم، ص ۸۷-۲۸۵ [2] ایضاً، ص ۲۳۲ [3] لطائف اشرفی، ج ۱، ص ۳۹۲۔

Marfat.com

"از کامل ترین خلفا و مریدین حضرت مخدوم جہانیاں است۔" (ج ۲، ص ۶۴)

شیخ سراج الدین حافظ قرآن تھے، حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے ان کے پیچھے برسوں نماز پڑھی[1]، وفات ۸۳۰ھ میں ہوئی، مزار کالپی میں ہے۔

سید اشرف الدین مشہدی، شیخ بابو تاج الدین بکھری، سید محمود شیرازی، سید سکندر ابن مسعود، سید علاء الدین بن سعید حسینی (مرتب جامع العلوم) سید شرف الدین سامی اور مولانا عطاء اللہ بھی اکابر خلفا میں تھے[2]۔

[1] خزینۃ الاصفیا، ج ۲، ص ۶۸ [2] لطائف اشرفی، ۱، ص ۳۹۲۔

Marfat.com

حضرت سید اشرف جہاں گیر سمنانیؒ

لقب: سید محمد اشرف اسمِ گرامی اور جہاں گیر لقب تھا۔

وطن و خاندان: آلِ سمنان میں تھے، ولادت باسعادت سمنان میں ہوئی، والد بزرگ وار محمد ابراہیم سمنان کے سلطان تھے[1]، والدہ ماجدہ خدیجہ بیگم خواجہ احمد یسوی کی لڑکی تھیں، ان کے زہد و عبادت کا یہ حال تھا کہ ان سے تہجد کی نماز کبھی قضا نہ ہوئی، پوری رات عبادت میں گزارتیں اور صائم الدہر رہیں[2]۔

تعلیم: تین بہنوں کے بعد حضرت ابراہیم مجذوبؒ کی دعاؤں کی برکت سے حضرت سید اشرف پیدا ہوئے، سات سال کے ہوئے تو سات قرأتوں کے ساتھ کلام پاک حفظ کیا، چودہ سال کی عمر میں معقولات و منقولات کی تعلیم ختم کی، جس سے تمام عراق میں مشہور ہو گئے[3]۔

اورنگ نشینی: والد بزرگ وار کی وفات کے بعد سمنان کی عنانِ حکومت سنبھالی، ان کے زمانۂ حکومت کے عدل و انصاف کے بہت سے قصے مشہور ہیں، لطائف اشرفی کے مؤلف نے اس عدل و انصاف کا ذکر اشعار میں کیا ہے:

چوں اورنگ سمنان بدو تازہ گشت　　جہاں از عدالت پر آوازہ گشت

بدورانِ عدلش ہمہ روزگار　　گلستاں شدہ عدل اور دبار

زہے عدل و انصاف آں دادگر　　کہ بر پیش گرگے نہ بند و کمر

---

۱ لطائف اشرفی، ج ۲، ص ۸　۲ ایضاً، ج ۲، ص ۹۰　۳ ایضاً، ص ۹۱۔

Marfat.com

بشاہین زند بال بازی کلنگ کبوتر سوئے باز آورد چنگ
اگر فیل بر فرق موری گزر کند مور بر فیل آرد نظر
کہ ایں دور سلطان اشرف بود چساں ظلم تو بر سر من رود[1]

ترکِ سلطنت: حکومت کے زمانہ میں بھی حضرت سید محمد اشرف فرائض وسنن اور واجبات ونوافل کے پابند تھے، راہ سلوک کی طرف طبیعت صغرسنی سے مائل تھی، اس لیے خواب میں بزرگانِ دین ہی کو دیکھتے اور ان سے فیوض حاصل کرتے، بالآخر ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضرت خضر علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ سلطنت الٰہی چاہتے ہو تو یہ دنیاوی سلطنت چھوڑ کر ہندوستان جاؤ، اس خواب کے بعد والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا ارادہ ظاہر کیا، والدہ نے فرمایا، تمہاری پیدائش سے پہلے مجھ کو (میرے والد بزرگوار نے) بشارت دی تھی کہ میرے گھر میں ایک فرزند پیدا ہوگا جس کے نورِ ولایت سے تمام عالم منور ہوگا، اللہ کا شکر ہے کہ وہ وقت آپہنچا، سفر مبارک ہو۔

والدہ ماجدہ سے اجازتِ سفر کے بعد سلطنت اپنے بھائی سلطان محمد کے سپرد کر کے ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے[2]۔

سفر: تین منزل تک بارہ ہزار سپاہی اور تورچی رخصت کرنے آئے، ان کو وداع کر کے حضرت سید محمد اشرفؒ ماوراء النہر ہوتے ہوئے بخارا پہنچے، بخارا سے سمرقند آئے، سمرقند تک کچھ گھوڑے سواری میں ساتھ تھے لیکن ان گھوڑوں سے راحت کے بجائے رسوائی محسوس کی، اس لیے فقرا کو دے دیے، سمرقند سے اچہ وارد ہوئے، جہاں حضرت سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کی خدمت میں پہنچے، حضرت جہانیاں جہاں گشتؒ نے ان کو دیکھتے ہی فرمایا:

"بعد از مدتے بوئے طالب صادق بدماغ رسیدہ وبعد از روزگارے نسیم از گلزار سیادت

---

[1] لطائف اشرفی، ج۲، ص۹۱ [2] لطائف اشرفی، ج۲، ص۹۲و۹۳۔

Marfat.com

وزیدہ، فرزند بسیار مردانہ برآمدہ، مبارک باد، زود قدم در راہ نہ کہ برادرم علاء الدین منتظر مقدم شریف ہستند، زینہار در راہ جائے نمانی۔" (لطائف اشرفی، جلد دوم، ص ۹۴)

بیعت: اس زمانہ میں اہل بنگالہ چشتیہ سلسلہ کے بزرگ حضرت شیخ علاء الدین علاء الحق ابن السعد لاہوری بنگالی کی مذہبی و روحانی تعلیمات سے فیض یاب ہو رہے تھے، یہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے مشہور خلیفہ حضرت شیخ سراج الدین اخی عثمانؒ کے خلیفہ تھے، حضرت شیخ علاء الدینؒ کے خاندان کے لوگ وزارت اور دوسرے بڑے بڑے شاہی عہدوں پر مامور تھے لیکن خود انہوں نے درویشی اختیار کی تھی، جید عالم بھی تھے، اس لیے مذہبی اور روحانی تعلیمات کے لیے ان کے پاس لوگ بکثرت آتے، ان کی سخاوت بھی مشہور تھی، ان کی خانقاہ کے اخراجات پر سلاطین کو بھی رشک ہوتا تھا، روضہ شریف پنڈوہ شریف (ضلع مالدہ) میں ہے لیکن قیام سنار گاؤں اور بنگال کے دوسرے مقامات پر بھی رہا[1]، لطائف اشرفی میں ہے کہ حضرت سید اشرفؒ کے آنے سے پہلے حضرت علاء الدینؒ نے اپنے مریدوں کو بشارت دی تھی کہ:

"آں کسے کہ از دو سال انتظار اوی کشیدہ ایم و طریق مواصلت اوی دیدہ ایم امروز فردا می رسد۔" (ج ۲، ص ۹۵)

اور جب حضرت سید اشرفؒ پنڈوہ[2] کے قریب پہنچے تو حضرت علاء الدینؒ قیلولہ فرما رہے تھے لیکن یکا یک بولے:

"بوئے یار می آید۔"

اور اس محافہ پر شہر سے باہر نکلے جو حضرت سراج الدین اخیؒ سے ان کو ملا تھا، شہر سے ان کو باہر جاتے دیکھ کر مریدوں اور معتقدوں کا ہجوم بھی ان کے ساتھ ہو گیا، بعض پا پیادہ اور بعض

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھو اخبار الاولیا، ص ۱۳۵ و اخبار الاخیار [2] لطائف اشرفی میں "بندور" مرقوم ہے جو غالباً کتابت کی غلطی ہے۔

Marfat.com

گھوڑوں پر سوار تھے، حضرت سید اشرفؒ کے استقبال کے لیے یہ جلوس شہر سے ایک کوس باہر گیا، جب حضرت سید اشرفؒ کی نظر حضرت شیخ علاء الدینؒ پر پڑی تو دور سے دوڑے اور ان کے قدموں پر جا گرے، حضرت شیخ علاء الدینؒ نے والہانہ انداز سے ان کو اٹھا کر گلے سے لگایا اور فرمایا:

چہ خوش باشد کہ بعد از انتظارے بامیدے رسد امید وارے

حضرت علاء الدینؒ کے محافۂ خاص پر حضرت سید محمد اشرفؒ خانقاہ تشریف لائے، جہاں ان کی بڑی تعظیم و تکریم کی گئی اور جب مرشد نے بیعت سے مشرف کیا تو حضرت سید محمد اشرفؒ نے فی البدیہہ یہ شعر کہے:

نہادہ تاجِ دولت بر سرِ من علاء الحق والدین گنج نابات
زہے پیرے کہ ترک از سلطنت داد بر آوردہ مرا از چاہ آفات

مرشد کی خدمت میں بارہ سال رہے، خرقۂ خلافت کے علاوہ ان ہی سے جہاں گیر کا لقب پایا، خود فرماتے ہیں:

مرا از حضرت پیر جہاں بخش خطاب آمد کہ اے اشرف جہاں گیر
کنوں گیرم جہانِ معنوی را کہ فرماں آمد کہ از شاہم جہاں گیر[1]

ایک موقع پر حضرت اشرف جہاں گیر کمر باندھ رہے تھے کہ مرشد نے پوچھا، کیا کر رہے ہو، حضرت جہاں گیرؒ نے جواب دیا:

''میان برائے خدمت می بندم۔''

یعنی خدمت خلق کے لیے کمر کس رہا ہوں، مرشد نے فرمایا:

''اگر می بندی محکم بہ بند کہ ہیچ درمیان نہ داری۔''

یعنی اگر کمر کس رہے ہو تو مضبوط کسو تا کہ پھر درمیان میں کوئی چیز باقی نہ رہے،

---

[1] لطائف اشرفی، ج ۲، ص ۹۹۔

Marfat.com

حضرت اشرف جہاں گیرؒ نے عرض کیا:

''آرزوئے نفس از میان بیروں کشیدہ ام تا زندہ ام۔''

یعنی اپنی میان سے نفس کی آرزو کو دور کردیا ہے، جب تک زندہ ہوں نفس کی آرزو کو دور رکھوں گا، مرشد نے یہ سن کر فرمایا، مبارک باد[1]۔

نواحِ جون پور کا سفر: جب ہر قسم کے روحانی فیوض سے متمتع ہو چکے تو مرشد نے اپنے جلیل المرتبت خلیفہ کو نواحِ جون پور کی طرف جانے کا حکم دیا، حضرت جہاں گیرؒ دل پر جبر کر کے مرشد سے رخصت ہوئے، سفر میں اونٹوں اور گھوڑوں کی کافی تعداد ساتھ رہی، راستہ میں لوگوں نے ان کی درویشی میں یہ امارت دیکھ کر اعتراض کیا تو فرمایا:

''میخ طویلہ در گل زدہ ام نہ در دل[2]۔''

قیامِ محمد آباد گہنہ: منیر ہوتے ہوئے قصبہ محمد آباد گہنہ (اعظم گڑھ) پہنچے، یہاں کے تمام علما و فضلا ملنے آئے تو رسولؐ کے چار یار پر گفتگو ہونے لگی، حضرت اشرف جہاں گیرؒ نے خلفائے راشدینؓ کی مدح میں ایک رسالہ لکھا تھا، اس میں حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ کی مدح اور خلفا سے نسبتاً زیادہ کی تھی، محمد آباد گہنہ کے علما نے اس پر بحث کرنی شروع کی اور حضرت اشرف جہاں گیرؒ پر رفض کا الزام عائد کیا، دوسرے دن جمعہ تھا، جمعہ کی نماز کے بعد علما کا محضر ہوا، انہوں نے حضرت اشرف جہاں گیرؒ کے خلاف فتویٰ دیا لیکن قصبہ کے مفتی اور سر حلقہ علما مولانا سید خاں نے تمام علما سے اختلاف کیا اور حضرت اشرف جہاں گیر کی حمایت میں کہا کہ وہ سید ہیں، اگر انہوں نے اپنے جدامجد کی شان میں کچھ اچھے کلمات استعمال کیے تو اس میں کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے، یہ سن کر علما شرمندہ ہوئے، حضرت اشرف جہاں گیرؒ نے سید خاں کو دعائیں دیں، رفتہ رفتہ اور دوسرے علما بھی حضرت اشرف جہاں گیر کی بزرگی کے قائل ہوتے گئے[3]۔

---

۱ لطائف اشرفی، ج ۲، ص ۳۸۰ ۲ ایضاً، ص ۱۰۱ ۳ لطائف اشرفی۔

Marfat.com

قیامِ ظفر آباد: غالباً محمد آباد گہنہ سے ظفر آباد پہنچے، ظفر آباد میں پہلے تو لوگوں کا سلوک اچھا نہ رہا لیکن بالآخر ان کی بعض کرامتیں دیکھ کر لوگ ان کی طرف ملتفت ہوئے، یہیں حضرت سید کبیر سرور پوری مرید ہوئے، جو بڑے صاحب علم اور صاحب ثروت تھے اور آگے چل کر حضرت اشرف جہاں گیرؒ کے محبوب خلیفہ ہوئے۔ (لطائف اشرفی، ج ۲، ص ۱۰۲)

عاجز راقم لطائف اشرفی اور دوسرے تذکروں کو دیکھ کر اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ حضرت اشرف جہاں گیر ظفر آباد سے جون پور آئے، وہاں سے کرینی اور بھڈوڈ ہوتے ہوئے کچھوچھہ شریف پہنچے، جس کا نام روح آباد رکھا گیا تھا، وہاں کچھ دنوں قیام کرنے کے بعد مقامات مقدسہ کی سیاحت کے لیے ہندوستان سے باہر تشریف لے گئے، مگر اس سیاحت کو ترتیب کے ساتھ بیان کرنا مشکل ہے، سیرۃ الاشرف کچھوچھہ شریف کی درگاہ سے شائع ہوئی ہے، اس میں لطائف اشرفی کا خلاصہ بھی ہے، اس کے مرتب امیر احمد علوی صاحب نے حضرت اشرف جہاں گیر کی سیاحت کا حال تفصیل سے لکھا ہے، ان کا خیال ہے کہ وہ ظفر آباد کے بعد ہی عراق کے سفر پر چلے گئے، بصرہ، نجف اشرف، بغداد، جیلان کے بعد حرمین شریفین کی زیارت کی، پھر یمن ہوتے ہوئے اپنے مرشد کی خدمت میں پنڈوہ شریف پہنچے، وہاں سے جون پور اور بھڈوڈ ہو کر کچھوچھہ شریف آئے، جس کا نام روح آباد رکھا گیا، خانقاہ کثرت آباد کہلائی اور حجرہ وحدت آباد کے لقب سے موسوم ہوا، یہاں سے وہ اجودھیا، سدھور، جائس، لکھنؤ، کنتور، ردولی وغیرہ جایا کرتے تھے، پھر دکن کی طرف گلبرگہ بھی گئے، وہاں سے تیسری بار اپنے مرشد کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے، اس سفر میں جب بہار شریف پہنچے تو حضرت مخدوم الملک شرف الدین یحییٰ منیریؒ کا جنازہ رکھا ہوا تھا، حضرت مخدوم نے وصیت فرمائی کہ ان کے جنازہ کی نماز وہی شخص پڑھائے جو صحیح النسب ہو، تارک مملکت ہو اور سات قرائتوں کا قاری ہو، یہ تمام شرطیں حضرت اشرف جہاں گیرؒ میں موجود تھیں، اس لیے ان ہی نے حضرت مخدومؒ کے جنازہ کی نماز پڑھانے کی سعادت حاصل کی، کچھ دنوں حضرت مخدومؒ کے مزار اقدس پر مراقبہ

Marfat.com

کر کے روحانی فیوض و برکات بھی حاصل کیے[1] اس کے بعد پنڈوہ شریف کی طرف آگے بڑھے، پنڈوہ سے واپسی میں بنارس میں بھی قیام کیا۔

روح آباد آ کر پھر ممالک اسلامیہ کے سفر پر روانہ ہو گئے، دمشق ہوتے ہوئے فلسطین کے علاقہ میں پہنچے، پھر قسطنطنیہ گئے، وہاں سے واپسی کے بعد دوسری مرتبہ گلبرگہ وارد ہوئے، شام، فارس اور ماوراء النہر کا بھی سفر کیا اور واپسی میں اوچ بھی تشریف لے گئے، اپنے پیر و مرشد کی وفات ۸۰۰ھ میں اور مخدوم زادہ محمد نور کی سجادہ نشینی کے وقت وہ پنڈوہ شریف میں موجود تھے، وہاں سے جون پور ہوتے ہوئے روح آباد پہنچے تو پھر وفات تک باہر نہیں گئے۔

لطائف اشرفی جلد دوم (لطیفہ سی و پنجم) میں حضرت اشرف جہاں گیر کی زبانی جن خاص خاص مقامات، جزیرے اور پہاڑی علاقوں کی تفصیل درج ہے، ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں، جزیرہ صہف، ایلاق، سیلان، جبل الفتح، بیت المقدس، جبل لبنان، جبل النہاوند، جبل الطور، جبل القدم، گازرون، جبل القاف، ھسلان، جبل الابواب، ولایت جھنگھر، ولایت ختاق، جبل القرون، جبل الیہ وغیرہ۔

خزینۃ الاصفیا میں حضرت اشرف جہاں گیر کی سیاحت بلاد اسلامیہ کی تفصیل اس طرح درج ہے:

حضرت اشرف جہاں گیر شیخ بدیع الدین مدار کے ساتھ بیت اللہ کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے، شیخ بدیع الدین مدار تو ہندوستان واپس آ گئے لیکن حضرت اشرف جہاں گیرؒ مدینہ منورہ کی زیارت کو چلے گئے، وہاں سے نجف اشرف اور کربلائے معلیٰ آئے، پھر روم پہنچے، جہاں مولوی جلال الدین رومیؒ کے سجادہ نشین اور لڑکے سلطان ولد اور دوسرے مشائخ سے ملاقات کی، روم سے شام آئے، دمشق میں شیخ قمر الدین عراقی کی زیارت کی،

---

[1] لطائف اشرفی، ج ۲، ص ۹۴۔

Marfat.com

وہاں سے پھر مکہ معظمہ آکر حج کی سعادت حاصل کی، حج کے بعد بغداد پہنچ کر حضرت غوث الاعظمؒ، امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے مزاروں کی زیارت کی، پھر کاشان میں رونق افروز ہوئے، جہاں شیخ عبدالرزاق کاشانی سے ملاقات کی، کاشان سے اپنے اصل وطن سمنان کو رونق بخشی، اس وقت ان کی ہمشیرہ زندہ تھیں، ان سے مل کر ان کی دل جوئی کی اور وہاں سے مشہد مقدس آئے، جہاں امام حضرت علی رضا کے آستانے میں معتکف رہے، ان ہی دنوں امیر تیمور گورگانی بھی حضرت امام علی رضا کے مزار کی زیارت کو آیا تھا، وہ حضرت اشرف جہاں گیرؒ سے بہت ہی عقیدت مندانہ طریقہ پر ملا، مشہد مقدس سے ہرات وارد ہوئے، ہرات سے چل کر ماوراء النہر پہنچے، جہاں حضرت بہاء الدین نقشبندی کی صحبت میں رہ کر خرقۂ خلافت پایا، وہاں سے ترکستان تشریف لائے اور اپنے نانا فتح احمد بسوی کی اولاد سے ملے، ترکستان سے بخارا نزول اجلال فرمایا، پھر قندھار، غزنی اور کابل میں قیام کرتے ہوئے ملتان پہنچے، ملتان سے اجودھن پہنچ کر حضرت گنج شکرؒ کے مرقد مبارک کی زیارت کی، اجودھن سے دہلی اور دہلی سے اجمیر آکر حضرت خواجہ معین الدینؒ کے آستانے سے برکت حاصل کی، اجمیر سے دکن کی طرف بڑھ گئے، گلبرگہ میں حضرت خواجہ سید محمد گیسودرازؒ سے ملے، گلبرگہ سے سراندیپ چلے گئے، وہاں سے گجرات آئے، پھر گجرات سے اپنی خانقاہ کچھوچھہ شریف واپس ہوئے۔ (خزینۃ الاصفیا، ج۱، ص۳۷۶-۳۷۵)

اکتسابات: تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ حضرت اشرف جہاں گیرؒ نے ایک سو ستاوے اولیا سے فیوض حاصل کیے، بیت المقدس میں انبیاء علیہم السلام کے مزارات کی زیارت کی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مزار مقدس سے خاص فیوض حاصل کیے، کربلائے معلیٰ میں نجف اشرف اور کاظمین کی برکات سے مستفیض ہوئے، بغداد میں حضرت غوث الثقلین شیخ معروف کرخیؒ اور دوسرے بزرگوں کے مزارات پر حاضری دی، قونیہ میں مولوی جلال الدین رومی کی خانقاہ میں اقامت کی اور پھر جہاں پہنچے وہاں کے بزرگوں کے مزاروں پر مراقبہ

Marfat.com

کیا، جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے۔

قاضی شہاب الدین دولت آبادی: علما، صلحا اور سلاطین سب ان کے فیوض سے سیراب ہوتے رہے، وہ جون پور آئے تو ایک مسجد میں نزول اجلال فرمایا، ان کی تشریف آوری پر ملا قاضی شہاب الدین دولت آبادیؒ ملنے آئے، یہ اپنے زمانے کے بڑے جید عالم تھے، ان کو اپنے زمانہ میں جو شہرت اور مقبولیت حاصل تھی، ان کے معاصر علما میں کسی اور کو نہ ہوئی، اصل وطن تو غزنین تھا لیکن دولت آباد دکن میں نشو ونما پائی، دہلی آکر اس عہد کے ممتاز علما مثلاً قاضی عبد المقتدر اور مولانا خواجگی دہلوی سے مختلف قسم کے علوم وفنون کی تعلیم حاصل کی، قاضی عبد المقتدر کو ان کی ذات پر فخر تھا، ان کے بارہ میں ایک بار فرمایا کہ میرے یہاں ایک طالب العلم آیا ہے جس کا پوست بھی علم ہے، مغز بھی علم ہے اور استخواں بھی علم ہے، امیر تیمور کے ہنگامہ کے زمانہ میں مولانا شہاب الدین نے دہلی کو خیر باد کہا، سلطان ابراہیم شرقی کی دعوت پر جون پور پہنچے، سلطان نے ان کی بڑی تعظیم وتوقیر کی اور قاضی القضاۃ کے عہدہ پر مامور کیا، انہوں نے بہت سی کتابیں لکھیں مثلاً (۱) شرح کافیہ جو شرح ہندی کے نام سے ان کی زندگی ہی میں بہت مقبول اور مشہور ہوئی، کہا جاتا ہے کہ ملا عبد الرحمٰن جامی نے جب کافیہ کی شرح لکھی اور قاضی شہاب الدین دولت آبادی نے اس کو دیکھا تو فرمایا کہ ملا جامی نے میری شرح ہندی کا خلاصہ لکھا ہے، (۲) ارشاد در نحو جو ایک نئے طرز پر نحو کی ایک کتاب ہے، (۳) بدیع البیان، علم بلاغت پر ایک رسالہ ہے، (۴) بحر المواج، یہ فارسی زبان میں کلام پاک کی ایک تفسیر ہے، (۵) اصولِ ابراہیم شاہی، اس میں عربی زبان میں اصول شرح پر بحث ہے، یہ ابراہیم شاہ کے نام سے موسوم ہوئی، (۶) رسالہ در تقسیم علوم، (۷) رسالہ در صنائع (بزبان فارسی) شعر گوئی میں مہارت تامہ رکھتے تھے[1]۔

قاضی شہاب الدینؒ جب حضرت اشرف جہاں گیرؒ سے ملے تو ایسے گرویدہ ہوئے

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھو اخبار الاخیار، ص ۱۶۶، خزینۃ الاصفیا، ج ۱، ص ۳۹۰ و مشاہیر جون پور، ص ۳۶-۳۳۔

Marfat.com

کہ کبھی تو روزانہ اور کبھی دوسرے تیسرے دن خدمت میں حاضر ہوتے، حضرت اشرف جہاں گیرؒ نے بھی ان کے علم و فضل کی بڑی قدر دانی کی اور ان کی تصنیف ارشاد در نحو کے متعلق فرمایا:

''اینکہ می گویند کہ سحر از ہندوستان راست آمدہ غالباً ایں راست سحر بودہ۔''[1]

قاضی شہاب الدین نے حضرت اشرف جہاں گیرؒ کی صحبت میں باطنی اور روحانی کمالات بھی حاصل کیے، چنانچہ حضرت اشرف جہاں گیرؒ نے ان کو خرقۂ خلافت اور ملک العلما کا خطاب عطا کیا، لطائف اشرفی میں ہے:

''حضرت قاضی خدمتے شایستہ وملازمتے بایستہ شد ولباس خرقہ کردند و بخطاب ملک العلما مخاطب کردند و مہین خلفا و لایت مآب و بہترین ندما اصحاب اند، جامع بودہ میان علوم ظاہری و باطنی، صاحب معاملات یقینی و جامع واردات دینی شدہ بود، تشرع بسیار داشت، ریاضت شدیدہ و مشاہدات جدیدہ کشید کہ اشرف خلافت و اجازت یافتہ۔''[2]

قاضی شہاب الدین ہی کی وساطت سے سلطان ابراہیم شاہ اپنے خوانین و امرا کے ساتھ کئی بار حضرت اشرف جہاں گیر کی قدم بوسی کے لیے آیا، ان ملاقاتوں کی تفصیل لطائف اشرفی میں اس طرح درج ہے:

''حضرت قاضی نے عرض کیا کہ آج سلطان شرف ملاقات سے مشرف ہونا چاہتے ہیں لیکن اس خادم کی خواہش ہوئی کہ آج یہ فقیر خدمت میں حاضر ہوئے تو کل پھر سلطان کے ساتھ قدم بوسی کا شرف حاصل کرے گا، (حضرت قدوۃ الکبریٰ یعنی حضرت جہاں گیر نے) فرمایا، اس فقیر کے نزدیک تم سلطان سے بہت بہتر ہو، اگر سلطان آتے ہیں آنے دو، وہ حاکم ہیں، جب قاضی کو رخصت کیا تو فرمایا کہ ہندوستان میں اتنی فضیلت (جتنی کہ قاضی میں ہے) کم دیکھی گئی ہے، دوسرے دن حضرت قدوۃ الکبریٰ اپنے وظائف میں مشغول تھے کہ معلوم ہوا کہ سلطان خوانین اور

---

[1] لطائف اشرفی، ج ۲، ص ۱۰۶ [2] ایضاً، ج ۱، ص ۴۱۰۔

Marfat.com

دوسرے لوگوں کے ساتھ آرہا ہے، جب مسجد کے دروازے پر یہ جماعت پہنچی تو حضرت قاضی نے سلطان سے عرض کی کہ اتنے اژدہام کے ساتھ حضرت سید کی ملاقات کے لیے جانا مناسب نہیں، ان کو تکلیف ہوگی، آخر سلطان نیچے اتر آیا اور اپنی جماعت سے بیس اہل فضیلت و اہل فراست کو منتخب کر کے پائے بوسی کے لیے حاضر ہوا، اس نے حضرت کے دل کو ہاتھ میں لینے کے لیے حد سے زیادہ ادب واحترام کیا، اس نے قلعہ جنادہ کی فتح کے لیے ایک بہت بڑا لشکر بھیجا تھا، اس کے لیے وہ متردد تھا، اس لیے حسب حال حضرت قدوۃ الکبریٰ کے سامنے یہ اشعار پڑھے:

ولی کاں انوراست از جام جمشید ردا روشن تر از خورشید باشد
چہ حاجت عرض کردن بر ضمیرش کسے کو را یقیں امید باشد

حضرت قدوۃ الکبریٰ نے فرمایا:

اگر یہ یقیں شد قدمت استوار گرد زور یانم از آتش برآر

اور جب سلطان رخصت ہونے لگا تو حضرت نے ایک مسند عطا کی جس سے وہ بہت خوش ہوا، اور جب قیام گاہ پر پہنچا تو بولا:

''چہ سید یست عالی جناب و مقاصد مآب الحمد للہ کہ در ہندوستان چنیں مردم در آمدہ اند۔''

تین روز کے بعد سلطان تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ حضرت قدوۃ الکبریٰ کی خدمت میں پھر آیا، روٹی کا ٹکڑا اور شربت ساتھ لایا، لوگوں نے قلعہ کی فتح پر مبارک باد دی لیکن حضرت نے فرمایا، سلطان کو مبارک باد دو کہ بند دروازے کو کھولا ہے، اس مرتبہ سلطان کی عقیدت ہزار گنی زیادہ ہوگئی اور عرض کیا کہ بندہ تو جناب کے ہاتھ پر بیعت ہو چکا، بندہ زادے بھی حلقہ بیعت میں داخل ہوں گے اور اسی روز تین شہزادے شرف بیعت سے مشرف ہوئے، سلطان نے بہت سے نذرانے دینے کی کوشش کی لیکن حضرت نے قبول نہیں فرمایا، پھر حضرت سے وہیں مستقل اقامت کے لیے بہت ہی اصرار کے ساتھ استدعا کی لیکن حضرت نے فرمایا، تمہاری سلطنت کے

Marfat.com

حدود سے باہر نہ جاؤں گا، اس جواب سے سلطان بہت ہی پر امید ہوا، حضرت قدوۃ الکبریٰ وہاں دو مہینے سے زیادہ مقیم رہے، چھوٹے بڑے لوگ شرف بیعت سے مشرف ہوتے رہے[1]"

اشاعت اسلام: بھدونڈ(؟) آئے جہاں ملک الامرا محمود نے پر جوش خیر مقدم کیا، اسی مقام پر ایک ہندو جوگی سے حضرت اشرف جہاں گیر کا مقابلہ ہوا، جوگی کو ہوا میں اڑنے کا دعویٰ تھا لیکن وہ حضرت اشرف جہاں گیر کی روحانیت سے ایسا مرعوب اور مغلوب ہوا کہ اپنے تمام باطل دعووں سے باز آیا اور اپنی ساری مذہبی کتابوں کو جلا کر پانچ ہزار چیلوں کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہو گیا، اسلام لانے کے بعد جوگی نے بابا کمال پنڈت کے نام سے شہرت پائی، بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ جوگی سے مقابلہ کچھوچھہ میں ہوا اور اسی کی مڑئی میں خانقاہ بنوائی گئی لیکن لطائف اشرفی میں کچھوچھہ کا نام نہیں آتا۔

قیام روح آباد: اس تذکرہ کے مؤلف کا بیان ہے کہ جوگی کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بعد ملک الامرا محمود نے اپنی اولاد اور دوسرے لوگوں کے ساتھ حضرت جہاں گیرؒ سے بیعت کی، اسی کی وساطت سے روح آباد قائم ہوا، جو آج کل کچھوچھہ شریف کہلاتا ہے، یہاں ایک خانقاہ بنائی گئی جس کا نام کثرت آباد رکھا گیا اور ایک چھوٹا سا حجرہ بھی تعمیر کرایا گیا، جو وحدت آباد کے نام سے موسوم ہوا اور اسی کے مشرقی حصہ میں ایک جگہ بیٹھ کر حضرت اشرف جہاں گیرؒ اصحاب خاص کے سامنے سلوک و عرفان کے رموز و نکات بیان کیا کرتے تھے، اسی لیے اس جگہ کا نام دار الامان رکھا گیا اور اس کے شمال میں ایک پر رونق جگہ روح افزا کے نام

---

[1] لطائف اشرفی، ج ۲، ص ۱۰۶-۱۰۵، لطائف اشرفی کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جہاں گیر اور سلطان ابراہیم شاہ کی ملاقات جون پور میں حضرت کی آمد کے ابتدائی زمانہ ہی میں ہوئی لیکن جب یہ خیال ہوتا ہے کہ حضرت جہاں گیرؒ کے وصال کا سال ۸۰۸ھ اور ابراہیم شاہ کی تخت نشینی کا سال ۸۰۴ھ ہے تو پھر گمان ہوتا ہے کہ یہ ملاقات حضرت جہاں گیرؒ کے آخری زمانہ میں ہوئی ہوگی، واللہ اعلم بالصواب۔ [2] لطائف اشرفی، ج ۲، ص ۱۰۶۔

Marfat.com

سے مشہور ہوئی، جہاں آکر بزرگانِ دین روحانی فیوض حاصل کرتے تھے[1]۔

فیوض: حضرت اشرف جہاں گیر کا معمول تھا کہ وہ مختلف مقامات پر جا کر رشد و ہدایت فرماتے، چنانچہ کچھوچھہ کے آس پاس اور کبھی دور کے قصبوں اور قریوں میں نزولِ اجلال فرما کر خواص و عوام کی اصلاح و تربیت کرتے، جب اودھ یعنی ایودھیا تشریف لے گئے تو وہاں کے ملوک و امرا مرید ہو کر متمتع ہوئے، خود اودھ کے حاکم نواب سیف خاں کو حضرت اشرف جہاں گیرؒ سے بڑی عقیدت ہوگئی، چنانچہ تربیت پا کر صوری و معنوی اوصاف سے متصف ہوئے اور حضرت اشرف جہاں گیرؒ نے ان کو خرقۂ خلافت عطا کیا[2]، اودھ ہی میں حضرت شمس الدین نے، جن کا شمار ''علمائے نام دار'' اور ''فصحائے روزگار'' میں ہوتا تھا، حضرت اشرف جہاں گیر کی صحبت کیمیا اثر سے راہِ سلوک کے تمام مدارج بہت جلد طے کر لیے اور وہ حضرت اشرف جہاں گیرؒ کے بڑے محبوب خلیفہ ہوئے، حضرت اشرف جہاں گیر کو ان پر بڑا ناز تھا، فرماتے تھے ''اشرف شمس و شمس اشرف از ہم جدا نہ اند[3]''

رودولی پہنچے تو شیخ صفی الدی صفی اور شیخ سماء الدین صحبت خاص سے فیض یاب ہوئے، شیخ صفی الدین علوم ظاہری میں بلند مرتبہ رکھتے تھے، خود اشرف جہاں گیرؒ نے ان کے متعلق فرمایا:

''در بلاد ہند کسے را کہ بلعون درخشندہ، غرایب وشیون عجایب پیراستہ دیدم وی بودہ۔''

(ج ۱، ص ۴۰۲)

حضرت اشرف جہاں گیرؒ کے ہاتھ پر جب شیخ صفی الدین نے بیعت کی تو حضرت جہاں گیرؒ نے ان کے لیے دعا کی کہ ان کو نور الانوار حاصل ہو اور ان کی اولاد میں تحصیل علم کا سلسلہ برابر جاری رہے، پھر صرف ان ہی کی خاطر رودولی میں چالیس روز قیام فرمایا اور اس عرصہ میں ان کو سلوک کی تمام تعلیمات دیں اور خلافت بھی عطا کی، ان کا شمار حضرت اشرف

۱؎ لطائف اشرفی، ص ۱۰۸ ۲؎ ایضاً، ج ۱، ص ۴۱۱ ۳؎ ایضاً، ص ۴۰۲۔

Marfat.com

جہاں گیرؒ کے اجل خلفا میں ہوتا ہے۔

شیخ سماء الدین بھی حضرت جہاں گیرؒ کے ممتاز خلفا میں تھے، ان کے بارے میں حضرت اشرف جہاں گیر فرماتے ہیں:

''در ملطے انوار سبعہ از یاران ما دو کس را واقع افتادہ بود یکے شیخ ابوالمکارم را کہ اہتمام تمام در حق او مبذول شد تا ازاں ورطے مہلکہ بدر آمدہ، دوم شیخ سماء الدین را از محنت بسیار و کلفت بے شمار ازاں ورطہ بدر آوردہ شد۔'' (ج ا، ص ۴۰۵)

رودولی کے پاس ایک گاؤں میں ایک ممتاز بزرگ مولانا کریم الدین رہتے تھے، مولانا جب حضرت اشرف جہاں گیرؒ سے ملے تو فرمایا، سبحان اللہ! سید اشرف جہاں گیرؒ ایک ایسے شہباز ہیں جس کے کونین دو بازو ہیں، وہ دریا ہیں، جس کا کوئی ساحل نہیں[1]۔

حضرت اشرف جہاں گیر کا ورود مسعود اسمو (آسومئو) میں ہوا تو وہاں ایک ہزار آدمی ان سے مرید ہو کر فیض یاب ہوئے[2]۔

قصبہ جائس کو اپنی آمد سے شرف بخشا تو وہاں کے دو تین ہزار آدمی حلقہ بیعت میں داخل ہوئے[3]، جائس کے ایک بزرگ مولانا غلام الدین متبحر عالم اور فقیہ تھے، انہوں نے حضرت اشرف جہاں گیرؒ سے تعلیم پا کر خلافت بھی پائی[4]، یہاں ایک دوسرے بزرگ شیخ کمال بھی حضرت اشرف جہاں گیرؒ کے خلیفہ تھے، جو جائس کے لوگوں کو روحانی تعلیم و تربیت دیتے تھے، ایک بار ان کے یہاں دعوت تھی، دعوت کا انتظام قصبہ کے کچھ لوگوں کے سپرد تھا لیکن عین وقت پر شیخ کمال کو معلوم ہوا کہ دعوت کا انتظام نہ ہو سکا، غصہ میں بددعا دی کہ یہ جل کر خاک ہو جائیں، اتفاق سے اسی روز قصبہ میں آگ لگ گئی اور تقریباً چار ہزار آدمی جل کر ہلاک ہو گئے، حضرت شیخ کمال کو بڑی ندامت ہوئی، مرشد کے پاس روح آباد یعنی کچھوچھہ پہنچے لیکن مرشد نے ان سے یہ کہہ کر ملنے سے انکار کر دیا کہ وہ میرے فرزندوں کو نذرِ آتش اور خانماں برباد

---

[1] لطائف اشرفی، ج ۲، ص ۳۸۲ [2] ایضاً [3] ایضاً، ص ۳۸۴ [4] ایضاً، ج ا، ص ۴۰۷۔

Marfat.com

کرکے مجھ سے ملنے کیا آئے ہیں، ایک مدت تک معتوب رہے، مگر مرشد کے آستانہ سے علاحدہ نہیں ہوئے، بعض لوگوں کی سفارش پر ایک طشت میں ہزار چنگاریوں کی راکھ سر پر رکھ کر مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تقصیر کی معافی چاہی، مرشد نے یہ کہہ کر معاف کردیا کہ تمہارا ایمان تو سلامت رہے گا لیکن تم اور تمہاری اولاد پریشان رہے گی[1]۔

جب قصبہ انہونہ پہنچے تو وہاں کے تمام سادات نے بیعت ہونے کی سعادت حاصل کی، حضرت اشرف جہاں گیرؒ نے ان کے لیے دعا کی کہ وہ ہمیشہ آرام سے رہیں[2]۔

جب قصبہ سدھورہ میں نزولِ اجلال فرمایا تو وہاں شیخ خیر الدین اور قاضی محمد سدھوری نے پرجوش استقبال کیا۔

شیخ خیر الدین اپنے وقت کے جید علما میں شمار کیے جاتے تھے لیکن اصول وفقہ کے بعض مسائل پر علمائے وقت سے سوالات کیے تو کسی سے تشفی بخش جواب نہیں پایا، حضرت اشرف جہاں گیرؒ سے ملاقات کے بعد ان مسائل کی تشریح چاہی تو حضرت نے ان کی تشریح اس طرح کی کہ شیخ خیر الدین کو پوری تسکین ہوگئی اور اسی وقت حضرت جہاں گیرؒ کے ہاتھ پر بیعت کی، ان کے ساتھ بارہ اشخاص اور بھی حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، ان ہی میں قاضی سدھوری بھی تھے، جن کے بارے میں لطائف اشرفی میں ہے:

''قاضی محمد سدھوری بفنون علوم غربیہ وشیون معلوم عجیبہ پیراستہ بودند خصوص در علوم اصول مشارالیہ بودہ اند۔'' (ج ۱، ص ۴۰۹)

شیخ خیر الدین اور قاضی محمد سدھوری دونوں حضرت اشرف جہاں گیرؒ کے اجل خلفا میں ہوئے، ان ہی کی وساطت سے سدھور کے چھوٹے بڑوں کی اولادیں بھی حضرت جہاں گیر کی تعلیمات سے مستفیض ہوتی رہیں، سدھور کے ایک اور بزرگ قاضی ابو محمد عرف معین مہین بھی روحانی تعلیم وتربیت پاکر ممتاز خلفا میں ہوئے۔ (ج ۱، ص ۴۰۷)

---

[1] لطائف اشرفی، ص ۴۰۸ [2] ایضاً، ج ۲، ص ۳۸۵۔

Marfat.com

بنارس تشریف لے گئے تو وہاں کے بت خانوں کے پجاریوں سے مناظرے کیے، دونوں طرف سے کرامت اور استدراج کے مظاہرے ہوئے اور آخر میں وہاں کے ایک ہزار ہندو حضرت اشرف جہاں گیر کی کرامت سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ (ج ۱، ص ۴۱۲)

اربابِ ثروت کی اصلاح: حضرت اشرف جہاں گیرؒ نے نواحِ جون پور کے قیام کے زمانہ میں شرقی سلطنت کے معاصر حکم راں اور امرائے کبار سے گہرے تعلقات رکھے، ذکر آچکا ہے کہ سلطان ابراہیم شاہ، اودھ کے حاکم نواب سیف خاں اور وہاں کے امرا کس طرح حلقۂ ارادت میں داخل ہو کر مستفید ہوتے رہے، حضرت اشرف جہاں گیرؒ سلاطین، وزرا اور امرا سے ارتباط رکھنے کے مخالف نہیں لیکن فرمایا ہے کہ کوئی درویش سلاطین و امرا سے حظ نفسانی اور لذت شہوانی کی غرض سے ملتا ہے تو وہ درویش نہیں، درویش کو ہر حال میں متوکل باللہ ہونا چاہیے، چنانچہ نواب سیف خاں نے اودھ کا ایک قریہ نذر کرنا چاہا، جس کی آمدنی ایک لاکھ تنکہ تھی، تو اس کو قبول کرنا اپنی درویشی کی شانِ قناعت کے خلاف سمجھا اور فرمایا:

"کسے را کہ قریۂ روزگار و پرگنۂ اورار سپردہ باشد او بایں جزوی قریات مقید نہ شود[1]"

حکم راں طبقہ کے ظاہری اور باطنی اخلاق کے سنوارنے میں برابر کوشاں رہے، ایک ملفوظ میں فرمایا، جہاں داری اور شہریاری کو چار چیزوں سے نقصان پہنچتا ہے، (۱) سلاطین کا لذائذ دنیا میں مستغرق ہو جانا، (۲) اپنے مقربین کے ساتھ بدخلقی سے پیش آنا، (۳) سزا دینے میں زیادتی کرنا، (۴) رعیت پر ظلم کرنا[2]۔

بادشاہوں اور حکم رانوں کے اوقات کے نظم و نسق کی بھی تفصیل بتائی ہے کہ وہ اپنے روزمرہ کے مشاغل کو کس طرح ترتیب دیں اور اسی کے ساتھ بعض مفید ہدایتیں بھی دی ہیں، فرماتے ہیں:

"بادشاہ اپنے اوقات کو اس طرح ترتیب دیں کہ صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد اشراق

---

[1] لطائف اشرفی، ج ۲، ص ۳۸۲ [2] ایضاً، ص ۱۶۶۔

Marfat.com

تک وظیفہ پڑھیں، پھر علما و صلحا کے ساتھ صحبت رکھیں اور چاشت کے وقت تک ان سے عدل و انصاف کے متعلق قرآنی آیتوں کے مطالب پوچھیں، اسی جگہ وزیروں اور ندیموں کو بلائیں اور یہ لوگ فوجوں کے جو معروضات پیش کریں، ان کا مناسب جواب دیں، ہر شخص کے مدعا کو پورا کریں، اس کے بعد دربار عام ہو جس میں رعایا اور مسلمانوں کے قضایا اور دعاوی پیش ہوں اور شریعت کے مطابق انصاف کے ساتھ فیصلہ ہو، مشائخ اور ملوک کے معروضات کو حتی الوسع کسی کے توسط سے سنیں، سادات، قضاۃ اور مشائخ کی درخواستوں کو صدر پہنچائے، اس گروہ کے لیے ایک ایسے شخص کو صدر مقرر کریں جو متدین اور ہمدرد ہو، بلکہ اس کو صوفی مشرب بھی ہونا چاہیے، وزیر تمام علوم وفنون سے آراستہ ہونے کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ دین دار ہو، وکالت کا منصب ایسے شخص کو دیں جو پسندیدہ اخلاق کا حامل ہو، نہایت عقل مند، سریع الفہم اور حاضر جواب ہو، اس قسم کے ہر شخص کو کوئی نہ کوئی مناسب جگہ دیں، حکومت کو چلانے میں تخلیط مناصب سے کام نہ لیں، ایک کے کام کے متعلق دوسرے سے نہ پوچھیں، قیلولہ کے وقت آرام کے لیے چلے جائیں، قیلولہ کے بعد نماز پڑھیں اور کبھی نماز نہ چھوڑیں، ظہر کی نماز کے بعد جس قدر ہو سکے قرآن مجید کی تلاوت کریں، خصوصاً سورۃ قد سمع اللہ کی مواظبت کریں کیوں کہ سلاطین اس سورۃ کی مواظبت کرتے آئے ہیں، سلطان محمود غازی انار اللہ برہانہ برابر اس سورہ کو پڑھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھ کو دولت اور شوکت اسی سورہ کی بدولت نصیب ہوئی، حضرت ابراہیم شاہ[1] بھی ایسا ہی فرماتے تھے، خود میں نے جو سلطنت چھوڑی تو پہلی چیز جو میں نے اپنے برادر عزیز محمد شاہ سے کہی وہ یہ تھی کہ اس سورہ کی برابر تلاوت کریں اور رجال الغیب کے مقابلہ سے اجتناب کریں اور کوئی کام شریعت کے خلاف انجام نہ دیں اور عدل و انصاف کے اصول میں ایک نقطہ سے بھی انحراف نہ کریں تا کہ سلطنت میں خلل واقع نہ ہو۔[2]''

ایک اور موقع پر فرمایا:

''تمام ارکانِ دولت اور اعوانِ مملکت ایک نہ ایک عضو اور ایک نہ ایک حاسہ یا قوت کے

---

[1] اس سے مراد ابراہیم شاہ شرقی ہیں۔ [2] لطائف اشرفی، ج ۲، ص ۱۶۸-۱۶۷۔

Marfat.com

مرتبہ میں ہیں، مثلاً مستوفی، مشرب، ناظر، عارض، تغرائی، منشی، دبیر، حاجب، خازن، استاذ الدار اور دوسرے عہدے دار حواسِ خمسہ وقوائے بشری مثلاً آنکھ، کان، ناک، زبان، لمس، فکر، خیال، وہم، حافظہ، ذاکرہ اور حس مشترک کے مانند ہیں، امرائے سلطنت اپنی قوت، شوکت، ہمت، رجولیت وغیرہ کے ساتھ اعضائے رئیسہ ہیں اور ادنا درجے کے امرا مثل ہاتھ، بازو، ران، پنڈلی اور پاؤں کے ہیں، حاشیہ نشین قوم اور عام رعایا وغیرہ اپنے مدارج کے مطابق رگ اور پٹھے وغیرہ ہیں، جس طرح ایک انسان اپنے ہر عضو کا محتاج ہے اور ایک کے بغیر اس کے جسمانی نظام کو نقصان پہنچ جاتا ہے، اسی طرح ایک بادشاہ کو چاہیے کہ ارکانِ دولت واصحاب مناصب کو ان کی اہلیت واستعداد کے مطابق ان کی دیانت اور نیک سیرت کو معلوم اور اچھی طرح پرکھ کر ان کو مختلف حصوں میں مقرر کرے اور اختیار دے تاکہ وہ اپنے کاموں کو پورے شرائط کے ساتھ ملک کے مصالح اور دربار کی بہبودی کے مطابق انجام دیں اور بادشاہ ان کے کاموں سے باخبر رہے۔" (لطائف اشرفی، ج ۲، ص ۱۱۴)

حضرت اشرف جہاں گیر کی مذکورہ بالا تعلیمات کا اثر ان کے مرید سلطان ابراہیم شاہ شرقی پر نہایت گہرا پڑا، اوپر کے ایک اقتباس سے ظاہر ہوا ہوگا کہ یہ سلطان سورہ قد سمع اللہ کی مواظبت کیا کرتا تھا، چنانچہ اس سورہ کی برکت سے اس کی سلطنت "گل گلزار" اور "لالہ زار" بن گئی تھی[1]، مورخین اور تذکرہ نویس اس سلطان کو "دین پناہ"، "علمائے شریعت محمدی ﷺ کا قدردان"، "درویش دوست" اور "رعیت پرور" لکھتے ہیں، تاریخ فرشتہ میں ہے:

"ابراہیم شرقی کے زمانہ میں جون پور کا ہر چھوٹا بڑا بادشاہ کے وجود کو باعث برکت سمجھتا اور بے حد عیش وآرام کے ساتھ زندگی بسر کرتا تھا، شاہ وگدا سب خوش وخرم تھے، ملک میں حزن واندوہ کا نام ونشان نہ تھا......

ابراہیم شرقی قاضی شہاب الدین کی بے حد تعظیم وتوقیر کرتا تھا، چنانچہ متبرک ایام میں قاضی صاحب شاہی مجلس میں چاندی کی کرسی پر بیٹھتے تھے، کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ قاضی صاحب بیمار

---

[1] لطائف اشرفی، ج ۲، ص ۱۶۸۔

Marfat.com

ہوئے، ابراہیم ان کی عیادت کو گیا، مزاج پرسی اور ضروری باتوں کے دریافت کرنے کے بعد پانی سے بھرا ہوا ایک پیالہ منگوایا، مولانا کے سر پر سے پیالہ کو تصدق کر کے پانی خود پی لیا اور دعا کی کہ اے خدا! جو بلا مولانا کے لیے مقرر ہے، وہ مجھ پر نازل فرما اور ان کو شفا دے، اس روایت سے بادشاہ دیں پناہ کا مذہبی خلوص اور علمائے شریعت محمدی ﷺ کے ساتھ اس کی عقیدت مندی کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے[۱]۔''

مرأۃ الاسرار میں ہے:

''سلطان ابراہیم بادشاہ نیک و درویش دوست و رعیت پرور بود، خلائق بعہداو درمہد امن و آسائش قرار گرفت۔''

اپنی مملکت میں شریعت کی ترویج کی خاطر اس نے فتاویٰ ابراہیم شاہی مرتب کرایا جس کو مولانا قاضی شہاب الدین نے مدون کیا تھا[۲]۔

سفر آخرت: وصال کی تاریخ صحیح نہیں بتائی جا سکتی ہے، پہلے ذکر آیا ہے کہ وہ حضرت خواجہ گیسو دراز سے بھی گلبرگہ میں ملے، حضرت خواجہ گیسو دراز کی وفات ۸۲۵ھ میں ہوئی، اس لحاظ سے وہ ۸۲۵ھ کے بعد تک بقید حیات رہے، ان کی طویل سیاحت سے اندازہ ہوتا ہے کہ سو سال سے زیادہ عمر پائی ہوگی، تب ہی اتنے مختلف مقامات کا سفر کر سکے تھے، مارچ ۱۹۶۶ء کے معارف میں ان کی تاریخ پیدائش اور وفات پر ایک مضمون نکلا ہے، مضمون نگار کا خیال ہے کہ ان کی تاریخ پیدائش ۷۰۹ھ رہی ہوگی، وفات سے کچھ روز پہلے سکر کا عالم طاری رہا، نماز کے وقت عالم صحو میں آتے، مرض الموت میں بھی رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رہا،، اسی زمانہ میں ذکر کرتے ہوئے مؤلف لطائف اشرفی رقم طراز ہے:

''ہمہ اہالی دیار و اعالی نامدار نواحی کبار می آمدند، و ہر یک را بشارت و سعادت می دادند، دریں سہ روز چنداں خلایق بشرف توبہ و انابت و خلافت مشرف گشتند کہ شرح آں خدائے داند،

---

۱ تاریخ فرشتہ، ج ۲، ص ۳۰۰ و نیز اردو ترجمہ جامعہ عثمانیہ، ص ۷-۸۶ ۶۸۶ ۲ تاریخ فرشتہ، ج ا، ص ۳۰۶ و نیز اردو ترجمہ جامعہ عثمانیہ، ص ۷-۸۶ ۶۸۶۔

Marfat.com

اشرف الملک والی ولایت بدوازدہ ہزار کس آمدہ بشرف ارادت مشرف گشتند۔'' (ج ۲، ص ۴۰۸)

وفات کے روز حضرت نور العین، شیخ نجم الدین اصفہانی، شیخ محمد دریتیم، خواجہ ابوالمکارم، شیخ احمد ابوالوفا خوارزمی، شیخ عبداللہ ہروی، شیخ ابوالواصل و شیخ معروف الدیموی، شیخ عبدالرحمٰن خجندی، شیخ ابوسعید خرزی، ملک محمود، شیخ شمس الدین اودھی اور دوسرے اکابر کو اپنے پاس بلا کر بٹھایا اور ان کے مراتب و مدارج کے مطابق ان کو نصیحتیں کیں اور تبرکات دیے، حضرت سید عبدالرزاق المقلب بہ حضرت نور العین کو حضرت جہاں گیرؒ نے اپنا دینی فرزند بنایا تھا، اس لیے وصال کے وقت ان کو اپنا جانشین اور سجادہ نشین مقرر فرمایا اور ان کو وہ خرقے عطا کیے جو ان کو (یعنی حضرت اشرف جہاں گیر کو) حضرت شیخ علاء الدین لاہوری، شیخ الاسلام شام اور حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ سے ملے تھے، بزرگانِ دین کی حیثیت سے وہ تبرکات بھی دیے جو ان کو ان کے مرشد کے ذریعہ سے دست یاب ہوئے تھے، پھر حضرت نور العین کے لڑکوں کو بلا کر ان کے لیے دعائیں کیں، اس طرح اپنے مختلف خلفا کو بھی نصیحتیں کر کے خاص خاص ہدایتیں دیں اور تبرکات دیے، پھر ظہر کی نماز ادا کی، نماز کے بعد قوالوں کو طلب کر کے محفل سماع کی خواہش کی، قوالوں نے سعدی کی غزل شروع کی، جب انہوں نے یہ شعر گایا:

گر بدست تو آمدہ است اجلم . قد رضینا بما جری القلم

تو ان پر وجد طاری ہوا اور جب قوالوں نے یہ شعر پڑھے:

خوب تر زیں دگر نباشد کار یار خنداں رود بجانب یار
سیر بیند جمال جاناں را جاں سپارد نگار خنداں را

تو مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے اور اسی حالت میں جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی[1]، وصال کے وقت عمر شریف ایک سو بیس برس کی تھی، روضۂ مبارک کی تعمیر زندگی ہی میں ہو گئی تھی، اسی میں محو خواب ابدی ہیں، روضہ کے بارہ میں مشہور ہے کہ جو کوئی آسیب زدہ یہاں

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھو لطائف اشرفی، ج ۲، ص ۴۱۲-۴۰۶۔

Marfat.com

آ کر کچھ دنوں قیام کرتا ہے، اس کا آسیب جاتا رہتا ہے، چنانچہ آج بھی وہاں مختلف گوشوں سے آ کر آسیب زدوں کی ایک بڑی تعداد مقیم رہتی ہے۔

روحانی مرتبہ: حضرت اشرف جہاں گیر صُوفیائے کرام میں امام السالکین، برہان العاشقین، قطب ربانی، غوث الانام اور محی الاسلام کے القاب سے یاد کیے جاتے ہیں، لطائف اشرفی کے مؤلف نے ان کے لیے قدوۃ الکبریٰ کا لقب استعمال کیا ہے، صاحب اخبار الاخیار رقم طراز ہیں:

''از کاملان است صاحب کرامت وتصرفات۔'' (ص ۱۵۶)

خزینۃ الاصفیا میں ہے:

''از عظمائے اولیا و کبریٰ اتقیای خطہ ہندوستان است۔'' (ص ۳۷۱)

مرآۃ الاسرار کے مؤلف لکھتے ہیں:

''آں سلطان مملکت الدنیا والدین آں سرحلقہ عارفانِ اربابِ علم و یقیں آں محب و محبوب خاص ربانی، غوث الوقت حضرت میر سید اشرف جہاں گیر سمنانی قدس سرہ از بے نظیرانِ روزگار بود وشانے بغایت رفیع وہمتے بلند وکرامتے وافر داشت۔'' (قلمی نسخہ دار المصنفین، ص ۵۲۹)

علمی مرتبت: علمی حیثیت سے بھی حضرت اشرف جہاں گیر کا مرتبہ بلند تھا، وہ معقولات و منقولات کے بھی جید عالم تھے اور جب کبھی علما وفضلا سے علمی بحث کرتے تو اس میں بڑی گہرائی ہوتی، لطائف اشرفی میں بعض علمی مسائل پر بھی مباحث ہیں، ان مباحث سے ان کے علمی تبحر کا اندازہ ہوتا ہے، وہ صوفیانہ رموز ونکات بیان کرنے میں بھی عالمانہ انداز اختیار کرتے تھے[1] اور کسی حال میں بھی جادۂ شریعت سے تجاوز کرنا پسند نہیں فرماتے، تمام علوم وفنون میں علم شریعت کو زیادہ اہمیت دی ہے اور علم کے ساتھ اس کی متابعت کی بھی پوری تاکید کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص اس وقت تک ولی نہیں ہوسکتا جب تک وہ ظاہراً، باطناً،

[1] مثال کے لیے دیکھو لطائف اشرفی، ج ۱، ص ۲۶-۲۵ و ج ۲، ص ۳۰-۱۲۹۔

Marfat.com

قولاً، فعلاً، اعتقاداً اور حالاً شریعت کا پابند نہیں ہے:

''اولیا بہ فنا فی اللہ والبقا باللہ نمی رسند مگر بمتابعت شریعت آں پیشوائے قوافل اصفیاء مقتدائے طوائف اولیا یعنی محمد مصطفیٰ صلعم ظاہراً و باطناً، قولاً و فعلاً، اعتقاداً و حالاً ہر کسے در ظلمات نفس عادی و در درکات اسویہ باطلہ ہادی گشتہ و در اسفل السافلین طبیعت مقید شہوت و اسیر ضلالت و اخلاق ناپسندیدہ شدہ، اگر اہل علم است بمقتضائی علم و عمل نمی کند و بشرط علم در مجموع اوقات و احوال متابعت شریعت نمی نماید، بدرجات رفیعہ جنانی و اعلیٰ علیین معارف ربانی و مقعد صدق عرفانی عیانی نرسد و از مشرب عذاب آں معرفت رحمانی کہ چوں آبحیات در ظلمات طبیعت انسانی ست شربتے بخشد و جام شیریں شراب وجدانی بکام ایقانی نکشد۔'' (ج ۱، ص ۱۳۵)

نمازِ جمعہ کی پابندی: زندگی کا زیادہ تر حصہ سیاحت میں گزرا لیکن سفر میں بھی شریعت کی پابندی کا التزام رکھا، حتیٰ کہ نماز جمعہ تک ترک نہیں ہوئی، لطائف اشرفی میں ہے:

''حضرت قدوۃ الکبریٰ را قاعدۂ مقرر و قانون مستمرہ بود کہ نماز جمعہ در سفر و حضر متروک نہ شداست۔'' (ج ۱، ص ۲۲)

خلفا: حضرت اشرف جہاں گیرؒ کے خلفا میں زیادہ تر علما و فضلا تھے، ان میں سے ملک العلما شہاب الدین دولت آبادی، شیخ شمس الدین اودھی، شیخ صفی الدین رودولوی، شیخ سماء الدین رودولوی، مولانا علم الدین جائسی، شیخ خیر الدین سدھوری، قاضی محمد سدھوری کے علم و فضل کا ہم ذکر کر چکے ہیں اور دوسرے خلفا میں شیخ سلیمان نہایت ممتاز محدث اور فقیہ تھے[1]، شیخ معروف الدیموی کو ہر قسم کے علوم و فنون میں مہارت تھی، علم، زہد، تقویٰ، عبادت اور ریاضت کی وجہ سے اپنے وقت کے جنید و شبلی سمجھے جاتے تھے[2]، حضرت قاضی حجت معقولات و منقولات کے متبحر عالم تھے، کچھوچھہ کے پاس ہی ایک گاؤں میں رہ کر عوام الناس کی دینی اصلاح اور روحانی تربیت کیا کرتے تھے[3]۔

---

۱ لطائف اشرفی، ج ۱، ص ۴۰۲ ۲ ایضاً ۳ ایضاً، ص ۴۰۳

Marfat.com

شیخ الاسلام گجراتی کو اپنے علم کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل تھی، شروع میں ان کو ہیئت، نجوم، حکمت اور دوسرے فنون پر بڑا غرور تھا، حضرت اشرف جہاں گیر کا ورودِ مسعود جب احمد آباد میں ہوا تو شیخ الاسلام نے ان سے بڑی بے باکی سے علمی مباحثے کیے اور ادب کا لحاظ نہ رکھا لیکن پھر بڑی ندامت محسوس کی، تائب ہو کر حضرت جہاں گیرؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور روحانی مدارج طے کر کے حقائق و معارف کے سرچشمہ بنے، اس لیے خلیفہ بھی بنائے گئے، گجرات کے مریدوں کی تربیت ان ہی کے ذمہ تھی، انہوں نے ایک رسالہ بھی اشرف الفوائد و فوائد الاشرف کے نام سے لکھا[1]، گجرات کے ایک دوسرے جید اور ممتاز عالم شیخ مبارک بھی حضرت اشرف جہاں گیرؒ کے خلیفہ تھے[2]۔

تمام خلفا شریعت کے پابند ہوتے تھے، ان میں سے شیخ راجا کو زہد، تقویٰ اور شریعت کی پابندی میں بڑی شہرت حاصل ہوئی، وہ تارک الصلوٰۃ سے ملنا جلنا، بولنا چالنا اور اس کے ساتھ کھانا پینا کسی حال میں بھی پسند نہیں کرتے تھے[3]۔

خلفا میں حضرت سید عبدالوہاب کو اپنے مرشد سے بڑا والہانہ لگاؤ تھا، ایک بار حضرت اشرف جہاں گیرؒ نے ان کو کسی کام سے دہلی بھیجا، وہاں سے واپس آئے تو ان کے پاؤں میں آبلے پڑ گئے، حضرت اشرف جہاں گیرؒ نے ان کو اپنا جوتا عنایت کیا، حضرت سید عبدالوہاب نے غایت احترام میں جوتے کو اپنے سر پر رکھ لیا اور اس کو اپنا تاج بنا کر چالیس روز تک گھومتے رہے[4]۔

بعض امرا بھی خلیفہ ہوئے، نواب سیف خاں حاکم اودھ کی خلافت کا ذکر پہلے آ چکا ہے، حضرت اشرف جہاں گیرؒ جب حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندیؒ سے نیاز حاصل کرنے کے لیے ماوراء النہر تشریف لے گئے تو وہاں امیر علی بیگ کے گھر پر امیر تیمور صاحب قراں کے ایک امیر شیخ ابوالمکارم سے ملاقات ہوئی، پہلی ہی ملاقات میں شیخ ابوالمکارم کا دل

---

۱ لطائف اشرفی، ص ۴۱۰ ۲ ایضاً، ص ۴۱۱ ۳ ایضاً، ص ۴۰۹ ۴ ایضاً، ج ۱، ص ۴۰۸۔

Marfat.com

سلطنت کے کاروبار سے منحرف ہوگیا اور امارت و شوکت چھوڑ کر راہِ سلوک میں گام زن ہوئے، بارہ سال تک ریاضت شاقہ کی اور جب مکاشفات واردات کی منزلیں طے کرلیں تو مرشد نے ان کو خلافت دی، اپنے مکارم اخلاق کی وجہ سے ابوالمکارم کہلائے، مرشد کے حکم کے بموجب سمرقند میں سکونت اختیار کی، جہاں ان کے مریدوں کا حلقہ بہت وسیع تھا، لطائف اشرفی میں ہے کہ "ان کے ملفوظات اور دوسری تصانیف حقائق و معارف کے رموز و نکات سے پُر ہیں[1]۔"

امیر تیمور کے ایک دوسرے امیر شیخ جمشید بیگ کو بھی حضرت اشرف جہاں گیرؒ نے خلافت دی، حضرت اشرف جہاں گیرؒ اپنی سیاحت کے زمانہ میں جب یاغستان پہنچے تو ہزاروں ازبک، برمک، قچاق، لاچین اور قوچین قبیلوں کے خواص و عوام ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور ان کی خدمت میں گھوڑے اور دوسرے جانور پیش کیے، اس طرح ان کے اردگرد ایک لشکر کا سامان جمع ہوگیا، اس زمانہ میں امیر تیمور سمرقند میں تھا، بعض لوگوں نے یہ خبر پہنچائی کہ حضرت اشرف جہاں گیرؒ ایک لشکر جمع کر کے تیمور کے خلاف فوج کشی کا ارادہ رکھتے ہیں لیکن تیمور حضرت اشرف جہاں گیر کو پہلے سے جانتا تھا، اس لیے اس خبر سے پریشان ہونے کے بجائے اپنے ایک درباری امیر جمشید بیگ کو نذرانے دے کر حضرت اشرف جہاں گیر کی خدمت میں بھیجا، نذرانے میں بہت سے مال و اسباب تھے لیکن جب یہ سامان حضرت اشرف جہاں گیر کے پاس پہنچا تو انہوں نے تمام چیزوں کو فقرا و مساکین میں تقسیم کرادیا، جمشید بیگ حضرت اشرف جہاں گیرؒ سے مل کر اس قدر متاثر ہوئے کہ تیمور کے دربار سے علاحدہ ہو کر درویشی اختیار کرلی اور مرید ہو کر حضرت کے ساتھ ہندوستان آئے اور جب پوری تعلیم و تربیت کے بعد ان کو خلافت ملی تو کچھوچھہ سے پھر اپنے وطن واپس کردیے گئے جہاں انہوں نے رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا[2]۔

---

[1] لطائف اشرفی، ج ۱، ص ۴۰ [2] لطائف اشرفی، ج ۱، ص ۴۱۰-۴۰۹۔

Marfat.com

ایک خلجی امیر شیخ حسین بھی دنیاوی جاہ حشم کو چھوڑ کر راہِ سلوک میں گام زن ہوئے اور حضرت اشرف جہاں گیرؒ سے خلافت پائی، دونیری (؟) میں رہ کر اطراف و جوانب کے لوگوں کے اخلاق و کردار سنوارتے تھے، بنگالہ کا معاصر حکم راں ان کا بہت معتقد تھا[1]۔

خلفا میں حضرت سید عبدالرزاق کہ حضرت اشرف جہاں گیرؒ کے دینی فرزند کہلاتے تھے، اس لیے ان کا لقب نور العین تھا، بارہ سال کی عمر میں بیعت کی، ۶۸ سال تک مرشد کی خدمت کی، چنانچہ مرشد کے وصال کے بعد سجادہ نشین ہوئے، ایک سو بیس سال کی عمر پائی۔

سب سے زیادہ چہیتے خلیفہ شیخ کبیر سرور پوری تھے، جن پر حضرت اشرف جہاں گیرؒ اس قدر نظر التفات رکھتے تھے کہ خود حضرت سید عبدالرزاق نور العین کو ان پر رشک ہوتا تھا، ان کے فرزند شیخ محمد کو بھی خلافت ملی، حضرت اشرف جہاں گیرؒ ان کو اپنے حجرۂ خاص میں روحانی تعلیم دیا کرتے تھے، ان کا لقب درِیتیم تھا[2]۔

بعض اور دوسرے خلفا کے اسمائے گرامی یہ ہیں، سید عثمان، شیخ رکن الدین و شیخ قیام الدین، (دونوں لاچین ترک تھے، عراق سے ہندوستان آئے تھے) شیخ اصیل الدین، شیخ جمیل الدین، مولانا ابوالمظفر لکھنوی، شیخ فخر الدین، قاضی شیخ رکن الدین، شیخ آدم عثمان، شیخ تاج الدین، شیخ محمود کنتوری، شیخ عبد اللہ بناری، شیخ کمال جائسی، ابو محمد عرف معین متھن سدھوری[3]۔

تعلیمات: حضرت اشرف جہاں گیر کی تعلیمات ان تین کتابوں میں پائی جاتی ہیں:

(۱) بشارت المریدین، (۲) مکتوبات اشرفی، (۳) لطائف اشرفی فی بیان طوائف صوفی۔

---

[1] لطائف اشرفی، ج ۱، ص ۴۱۱ [2] لطائف اشرفی، ج ۱، ص ۴۰۱ میں وجہ تسمیہ یہ بتائی گئی ہے کہ ''گوہر اسرار و جواہر انوار از بحر قابلیت وی بساحل ظہور سر برآوردہ تسمیہ وی بہ در یتیم کردہ اند'' [3] ان خلفا کے حالات کے لیے دیکھو لطائف اشرفی، ج ۱، ص ۴۱۲-۴۰۱۔

Marfat.com

لطائف اشرفی کے مؤلف کا بیان ہے کہ حضرت اشرف جہاں گیرؒ اپنے وصال سے پہلے ایک شبانہ روز قبر میں جا کر رہے اور وہیں اپنی کیفیات کو قلم بند کیا، جس کا نام بشارت المریدین رکھا۔ (ج ۲،ص ۴۱۰)

مکتوبات کے بارہ میں اخبار الاخیار میں ہے:

''اور المکتوبات است مشتمل بر تحقیقات غریبہ۔'' (ص ۱۵۶)

اخبار الاخیار میں ان کا ایک طویل مکتوب منقول ہے جو انہوں نے قاضی شہاب الدین دولت آبادی کو تحریر فرمایا تھا، اس میں فرعون کے ایمان کے متعلق بحث ہے۔

حضرت اشرف جہاں گیر کی تعلیمات واضح اور مبسوط طریقہ پر لطائف اشرفی میں ملتی ہیں، جن کو حضرت نظام الدین یمنی الملقب بہ نظام حاجی غریب الیمنیؒ نے مرتب کیا ہے، وہ حضرت اشرف جہاں گیرؒ کے مرید تھے اور ان کی صحبت میں تیس سال رہے۔

لطائف اشرفی ۱۲۹۵ھ میں نصرت المطابع دہلی میں چھپی ہے اور نو سو صفحے پر مشتمل ہے، یہ حضرت اشرف جہاں گیر کی سوانح عمری بھی ہے اور ان کی تعلیمات کا آئینہ بھی، اس میں کہیں تصوف کی اصطلاحات کی پوری تشریح و توضیح ہے تو کہیں ذکر و فکر کی تمام تفصیلات ہیں، کہیں صوفیانہ غوامض پر مباحث ہیں تو کہیں صوفیۂ کرام کے مختلف خانوادوں کی مختصر تاریخ، کہیں رسول اللہ ﷺ کہیں آل رسول ﷺ، کہیں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور کہیں ائمہ کبار کے حالات ہیں تو کہیں صوفی شعرا پر دل چسپ تبصرہ ہے، غرضے کہ اس کو تصوف کا ایک قاموس کہا جا سکتا ہے۔

حضرت اشرف جہاں گیرؒ چشتیہ سلسلہ سے منسلک تھے، اس لیے ان کی تعلیمات وہی ہیں جو اکابر بزرگانِ چشت کی تھیں اور جن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں، پھر بھی انہوں نے بہت سے ایسے مسائل کی وضاحت اور تشریح کی ہے، جن کو ہم اپنی حقیر تالیف کے گذشتہ اوراق میں پیش نہیں کر سکے ہیں، اس لیے ان کو ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

Marfat.com

علم کی اہمیت: حضرت اشرف جہاں گیرؒ نے حضرت خواجہ مودود چشتی کے اس قول کی تائید کی ہے کہ علم کے بغیر ایک زاہد شیطان کا مسخرہ ہے،اس لیے راہِ سلوک میں توحید، معرفت، ایمان، شریعت، طریقت وغیرہ سے پوری واقفیت رکھنا ایک سالک کے لیے ضروری قرار دیا ہے، فرمایا کہ اگر کسی کو معلوم ہو کہ اس کی زندگی کے صرف سات دن باقی رہ گئے ہیں تو اس کو صرف علم فقہ حاصل کرنا چاہیے، علم دین کا ایک مسئلہ جاننا ہزار رکعت نفل سے بہتر ہے۔ (ج ۱،ص ۱۰و۱۳)

توحید: حضرت اشرف جہاں گیرؒ نے مسئلہ توحید پر بڑی عمیق اور عالمانہ بحث کی ہے، جس شرح وبسط کے ساتھ یہ مباحث لطائف اشرفی میں ہیں، ان کو ہو بہو یہاں پیش کرنا آسان نہیں، ہم صرف ان کا خلاصہ درج کرتے ہیں۔

ان مباحث میں توحید کی کئی قسمیں بتائی گئی ہیں:

(۱) توحید ایمانی، یعنی قرآن مجید اور احادیث نبوی ﷺ کی صداقت پر اعتماد کر کے یہ عقیدہ رکھنا کہ خدا ایک ہے۔

(۲) توحید علمی، ادراکِ باطن سے درجۂ یقین تک پہنچنا کہ خداوند تعالیٰ کے سوا کوئی ''موحد حقیقی'' اور ''موثر مطلق'' نہیں، یہ توحید مراقبہ سے حاصل ہوتی ہے۔

(۳) توحید رسمی، اپنی ذہانت یا مطالعۂ اشیا یا سنی سنائی باتوں کی بنا پر خدا کو ایک سمجھنا، حضرت اشرف جہاں گیرؒ کے نزدیک توحید کا یہ تصور کوئی اثر نہیں رکھتا، یہ توحید اعتبار کے درجہ سے ساقط ہے۔

(۴) توحید حالی، اس توحید میں موحد واحد کے وجود کے جمال میں ایسا مستغرق ہو جاتا ہے کہ اس کو واحد کی ذات وصفات کے سوا کوئی چیز نظر نہیں آتی، وہ واحد کی صفات کو اپنی تمام صفتوں سے ماورا ہو کر دیکھتا ہے اور بحر توحید میں اپنے کو صرف ایک قطرہ پاتا ہے، توحید حالی کا یہ احساس مشاہدہ کے نور سے ہوتا ہے، اس میں بشریت کے اکثر لوازم فنا ہو

Marfat.com

جاتے ہیں اور جو باقی رہ جاتے ہیں، ان سے اقوال وافعال سرزد ہوتے ہیں۔

لیکن حضرت جہاں گیرؒ کے نزدیک اصلی اور حقیقی توحید توحید الٰہی ہے اور وہ یہ ہے کہ کوئی موحد ہو یا نہ ہو، مگر خدا ازل الازال سے بذاتِ خود وحدانیت اور فردانیت سے متصف ہے، یعنی وہ تھا، اس کے ساتھ کوئی چیز نہیں تھی اور وہ ہے، اس کے ساتھ کوئی چیز نہیں ہے اور ابد الآباد تک اسی طرح رہے گا، اس حقیقت کے لیے یہ ضروری نہیں کہ کوئی موحد اس کو واحد بتائے۔

وحدت وجود: لطائف اشرفی کی جلد دوم میں ایک مستقل باب (لطیفہ بست وہفتم) وحدتِ وجود پر ہے، حضرت اشرف جہاں گیر جب دوسری بار دنیا کی سیاحت کے لیے نکلے تو بخارا کے اکابر سے ملاقات کے دوران میں ان کو معلوم ہوا کہ ان میں سے اکثر وبیشتر علما وفضلا وحدتِ وجود کے منکر ہیں، انھوں نے ان سے بحث کر کے دلائل وبراہین سے ان کو وحدتِ وجود کا قائل کیا، اس بحث کو لطائف اشرفی کے مؤلف نے نقل کیا ہے، یہ دقائق وغوامض سے پُر ہیں، پھر بھی اختصار کے ساتھ اس کو ہدیۂ ناظرین کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

فلسفیانہ طریقہ پر وحدت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) وحدتِ مطلقہ من حیث الذات والصفات (۲) وحدتِ مقیدہ من حیث الصفات لا من حیث الذات۔

ذات اور صفات کی حیثیت سے وحدت مطلقہ یہ ہے کہ صرف ایک ذات اپنی صفات کے ساتھ موجود ہو اور دوسری تمام ذاتیں اپنی ذات وصفات کے ساتھ معدوم ہوں، مثلاً وحدتِ باری یہ ہے کہ جب خدا موجود تھا، تو اس کے علاوہ کوئی چیز موجود نہ تھی۔

صفات کی حیثیت سے وحدت کے مقید ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایک ذات تنہا ایسی صفات سے متصف ہو کہ کوئی دوسرا ان صفات میں اس کا شریک نہ ہو جیسے وحدتِ باری قدم اور تخلیق کی صفت کے ساتھ متصف ہے۔

Marfat.com

وحدتِ مطلقہ میں غیر کا وجود بالکل معدوم ہوتا ہے اور وحدتِ مقیدہ میں مثل کا وجود معدوم ہو جاتا ہے۔

شریعت میں صفات کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اطلاق اور اثبات چند طریقوں سے کیا جاتا ہے۔

ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ اس حیثیت سے واحد ہے کہ اس کے علاوہ کوئی پرستش کے لائق نہیں، مشرکین اس توحید کے منکر ہیں۔

دوسرا یہ کہ وہ اس حیثیت سے واحد ہے کہ وہی ساری اشیا کا خالق اور کائنات کا موجد ہے، ثنویہ، فلاکیہ، طالعیہ اس توحید ک منکر ہیں۔

تیسرا یہ کہ وہ اس حیثیت سے واحد ہے کہ کوئی اس کا شبیہ نہیں، مشبہہ اس توحید کے منکر ہیں۔

چوتھا یہ کہ وہ اس حیثیت سے واحد ہے کہ کوئی اور ذات قدیم نہیں، اس کے علاوہ ہر چیز حادث ہے، دہریئے اس کے منکر ہیں۔

پانچواں یہ کہ وہ اس حیثیت سے واحد ہے کہ اس کی ذات ترکیب سے پاک ہے، کیوں کہ ترکیب اجسام کے عوارض سے ہے اور باری تعالیٰ جسم نہیں، مجسمہ اس توحید کے منکر ہیں۔

شریعت میں ذات وصفات دونوں حیثیتوں سے باری تعالیٰ کی توحید کا اطلاق دو معنوں میں ہوتا ہے۔

مجازی، یعنی باری تعالیٰ اس معنی میں واحد ہے کہ اس کے وجود کے مقابلہ میں دوسری چیزوں کا وجود گویا نہیں ہے۔

حقیقی، یعنی خدا کے سوا کوئی اور چیز موجود نہیں، جو کچھ ہے، وہی ہے، ہمہ اوست، عوام اور بعض علما اس توحید کے منکر ہیں لیکن حضرت اشرف جہاں گیرؒ کے نزدیک حقیقی توحید

Marfat.com

یہی ہے اور انہوں نے اس کو آیات قرآنی، احادیث نبوی ﷺ اور دوسرے دلائل سے ثابت بھی کیا ہے[1] اسی سلسلہ میں وجود کی بھی بحث آگئی ہے، حضرت اشرف جہاں گیرؒ نے وجود کی تین منزلیں قرار دی ہیں:

(۱) وجود بشرط شے یا وجود مقید، یعنی ایک چیز کا پایا جانا، اس شرط کے ساتھ کہ ایک چیز اور بھی ہو، اس میں ہمہ اوست کی گنجائش نہیں اور کوئی اس کا قائل نہیں۔

(۲) وجود لا بشرط شے، یعنی وجود تو ہے لیکن اس کے ساتھ دوسری شے کا وجود ضروری نہیں۔

(۳) وجود بشرط لا شے، یعنی وجود مطلق، یہ وجود اس شرط کے ساتھ ہے کہ اس کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں، وجود کی اس منزل میں ہمہ اوست مانا جاتا ہے، حضرت اشرف جہاں گیرؒ کے خیال کے مطابق اس پر سب کو اتفاق ہے، وجود شرط لا شے کے ماننے پر اعتراض ہوتا ہے اور معترضین کو اسی سے غلط فہمیاں اور بدگمانیاں پیدا ہوتی ہیں[2]۔

ولایت: توحید کا واقف اور اللہ کا واصل ولی کہلاتا ہے، ولی کے لیے ضروری ہے کہ وہ عالم ہو جاہل نہ ہو، (لطائف اشرفی، ج۱، ص۴۰) اس کے افعال وحرکات پسندیدہ ہوں اور شریعت وطریقت کے مطابق ہوں، وہ سیرت نبوی ﷺ اور اوصاف مصطفوی ﷺ سے متبع ہو، (ج۱، ص۶۴) اس میں لطافت زبان، حسن اخلاق، شگفتگی، فیاضی اور بے غرضی ہو، (ج۱، ص۶۴) وہ اوصاف ذمیمہ کی پستی سے نکل کر اوصاف حمیدہ کی بلندی پر پہنچ گیا ہو اور خدا کے علاوہ ہر چیز سے بے نیاز ہو چکا ہو، یہی اس کی معراج ہے۔ (ج۱، ص۶۹)

حضرت اشرف جہاں گیر کا خیال ہے کہ اولیا اللہ کی خواہ کوئی قسم بھی ہو، خواہ وہ غوث ہوں یا امامان یا اوتاد یا ابدال یا اخیار یا ابرار یا نقبا یا نجبا یا مکتومان یا مفردات[3]، وہ فنا فی اللہ

---

[1] لطائف اشرفی، ج۲، ص۱۳۱-۱۳۰ [2] ایضاً ص۱۴۶ [3] ایضاً، ج۱، ص۱۱۸-۹۶ میں ان اولیا اللہ کی علاحدہ علاحدہ خصوصیات ہیں۔

Marfat.com

والبقاباللہ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے ہیں جب تک کہ وہ ظاہراً، باطناً، قولاً، فعلاً اور حالاً محمد مصطفیٰ ﷺ کے متبع نہ ہوں، (ج۱،ص۱۳۵) ایک موقع پر فرمایا: (ج۱،ص۲۶)

"ہر کہ ازیں طائفہ خلاف روش نبوی ﷺ وغیر متابعت مصطفوی ﷺ پیش گرفتہ بمقصود نرسیدہ است۔"

خلاف پیمبر کسے را گزید — کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید
محال ست سعدی کہ راہِ صفا — نواں رفت جز در پے مصطفیٰ ؐ

ولایت کے شرائط: ایک ولی اللہ کے من جملہ فرائض میں ایک یہ ہے کہ وہ لوگوں کو خدا کی راہ پر لے چلے لیکن وہ یہ فرض اسی وقت انجام دے سکتا ہے جب کہ (۱) اس کے شیخ نے اس کو شیخوخت کی اجازت دی ہو، (ج۱،ص۱۴۸) (۲) وہ دل میں خدا کا حضور اور آگاہی حاصل کر چکا ہو، (۳) وہ اپنے مرید کے تمام ہفوات کا مواخذہ کرتا ہو، (لطائف اشرفی، ج۱،ص۱۴۹) (۴) وہ اپنے مرید سے اس کے افعال کا محاسبہ کر سکتا ہو، (ج۱،ص۱۵۱) (۵) اپنے مرید کے سامنے تقدس کی پوری شان میں ظاہر ہوتا ہو، (ج۱،ص۱۵۳-۱۵۲) (۶) مریدوں کو دوسرے شیخ کی صحبت میں بیٹھنے کی اجازت نہ دیتا ہو، (ج۱،ص۱۵۴) (۷) مریدوں کو ان کی قوتِ زکیہ کا یقین دلاتا ہو، (ج۱،ص۱۵۶) (۸) اگر کسی شیخ کو اپنے سے برتر پاتا ہو تو اس کی صحبت اختیار کر لیتا ہو، (ج۱،ص۱۵۷) (۹) وہ عالم ہو، (ج۱،ص۱۶۱) (۱۰) مریدوں کے ساتھ چوبیس گھنٹوں میں ایک دفعہ بیٹھتا ہو۔ (ج۱،ص۱۶۲)

ارادت کے شرائط: مریدوں کے لیے حسب ذیل شرائط ضروری ہیں:

(۱) وہ اپنے شیخ سے کوئی بات پوشیدہ نہ رکھیں (ج۱،ص۱۶۲) (۲) وہ اپنے شیخ پر کسی قسم کا کوئی اعتراض نہ کریں (ج۱،ص۱۶۳) (۳) طلب میں صادق ہوں (ج۱،ص۱۶۶) (۴) شیخ کو جو کچھ کرتے دیکھیں اس کی اقتدا بلا اجازت نہ کریں (ج۱،ص۱۶۹) (۵) شیخ کے کلام اور احکام کی تاویل نہ کریں (ج۱،ص۱۷۰) (۶) شیخ کے حکم کے خلاف کوئی بات نہ کریں (ج۱،ص۱۷۰)

Marfat.com

(۷) اپنے آپ کو ہر شخص سے کم تر سمجھیں (ج ۱،ص ۱۷۲) (۸) شیخ کے احکام میں خیانت نہ کریں (ج ۱،ص ۱۷۳) (۹) دونوں جہاں میں کسی چیز کی خواہش نہ کریں (ج ۱،ص ۱۷۸) (۱۰) شیخ جس کو اپنے سے افضل سمجھے اس کی وہ بھی اطاعت کریں۔ (ج ۱،ص ۱۷۵)

یہ تو شرائط ہوئے، شیخ و مرید کے آداب بھی الگ الگ بتائے ہیں، شیخ کے آداب حسب ذیل ہیں:

شیخ کے آداب: (۱) مرید کی استعداد اس کی نظر میں ہو یعنی اس کی انفرادی صلاحیت اور قابلیت کو پیش نظر رکھ کر راہِ سلوک میں اس کی تربیت کرتا ہو۔ (ج ۱،ص ۱۸۱)

(۲) وہ مرید کے مال و متاع سے استفادہ کرنے کی لالچ سے بالکل پاک ہو۔ (ج ۱،ص ۱۸۵)

(۳) وہ صاحب ایثار ہو۔ (ج ۱،ص ۱۸۶)

(۴) اس کے فعل اور قول میں متابعت ہو۔ (ج ۱،ص ۱۸۸)

(۵) وہ کم زوروں کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہو۔ (ج ۱،ص ۱۸۹)

(۶) اس کی گفتگو نفسانیت کے شائبہ سے پاک ہو۔ (ج ۱،ص ۱۹۰)

(۷) وہ کنایہ میں گفتگو کرتا ہو اور تصریح سے اجتناب کرتا ہو۔ (ج ۱،ص ۱۹۱)

(۸) اس کے احوال کا غلبہ اس کے اعمال صالحہ کا مانع نہ ہو۔ (ج ۱،ص ۱۹۴)

(۹) وہ اپنے مرید سے تعظیم کی توقع نہ رکھتا ہو۔ (ج ۱،ص ۱۹۶)

(۱۰) وہ مرید سے نہ زیادہ قریب ہو اور نہ زیادہ دور۔ (ج ۱،ص ۱۹۸)

مرید کے آداب: مرید کے آداب حسب ذیل ہیں:

(۱) وہ شیخ کی صحبت کو اپنے لیے فتح الباب سمجھتا ہو۔ (ج ۱،ص ۲۰۰)

(۲) وہ شیخ سے تسلیم و رضا کا تعلق رکھتا ہو۔ (ج ۱،ص ۲۰۱)

(۳) دنیا و آخرت کا کوئی کام شیخ کی اجازت کے بغیر نہ کرتا ہو۔ (ج ۱،ص ۲۰۲)

Marfat.com

(۴) شیخ کی جگہ پر نہ بیٹھتا ہو۔ (ج ۱،ص ۲۰۳)

(۵) اپنے خواب اور بیداری کے واقعات میں شیخ سے رجوع کرتا ہو۔ (ج ۱،ص ۲۰۴)

(۶) شیخ کی صحبت میں بلند آواز سے گفتگو نہ کرتا ہو۔ (ج ۱،ص ۲۰۵)

(۷) شیخ سے کسی موقع پر بھی کوئی بات دلیرانہ طریقہ پر نہ پوچھتا ہو اور نہ کہتا ہو۔ (ج ۱،ص ۲۰۶)

(۸) شیخ جس چیز کو مخفی رکھتا ہو، اس کو افشا نہ کرتا ہو۔ (ج ۱،ص ۲۰۶)

(۹) شیخ سے اپنے اسرار بیان کر دیتا ہو۔ (ج ۱،ص ۲۰۹)

(۱۰) شیخ کی کوئی بات نقل کرتا ہو تو اپنی فہم کا خیال رکھتا ہو۔ (ج ۱،ص ۲۱۰)

شیخ کے اوصاف: شیخ میں حسب ذیل اوصاف ہونے چاہئیں:

(۱) اس میں خاص قسم کی عبدیت ہو، (۲) اس کو خدا سے براہِ راست حقائق حاصل ہوں، (۳) اس پر خاص قسم کی رحمت مقام عبدیت (یعنی قربت) سے ہو، (۴) علوم کی تعلیم خدا سے حاصل کی ہو، (۵) علم لدنی کی دولت سے مالا مال ہو۔ (ج ۱،ص ۲۵۵)

مرید کی تعلیم: مرید کی تعلیم دل کی صفائی سے شروع ہوتی ہے، اس کے دل کی تاریکی جتنی کم ہو جاتی ہے، اتنے ہی زیادہ اس کی روح میں نور پیدا ہوتا ہے اور وہ اپنی چشم بینا سے دیکھتا ہے تو شروع میں یہ نور سرخ معلوم ہوتا ہے، پھر دل کی صفائی کی زیادتی سے سفید ہو جاتا ہے، آخر میں مزید صفائی سے سبز ہو جاتا ہے اور جب دل بالکل صاف ہو جاتا ہے تو یہ نور آفتاب کی مانند چمک اٹھتا ہے اور اس پر مشکل سے نظر جمتی ہے اور جب اس نور کا عکس نورِ روح پر پڑتا ہے تو دل اور روح کے سارے حجابات نظر سے دور ہو جاتے ہیں، پھر ایسے نور کا شہود ہوتا ہے جس میں نہ رنگ ہے نہ کیفیت نہ حد ہے، نہ مثل نہ تمکین ہے نہ تمکن اور اس کے لیے نہ طلوع ہے نہ غروب، نہ تحت ہے نہ فوق، نہ مکان ہے نہ زمان، نہ قرب ہے نہ بُعد اور نہ عرش ہے نہ فرش۔

یہ منزل ذکر اور فکر سے طے ہوتی ہے، ذکر و فکر کی پہلی شرط توبہ ہے۔

Marfat.com

توبہ: توبہ سے مراد افعال ناپسندیدہ یعنی غل وغش، حسد، نفاق، کذب، بخل، حرص، طمع، غضب، تلبیس، ریا، بہتان اور غیبت وغیرہ سے قطعی اعراض ہے، (ج۲،ص ۱۸۰) پھر توبہ کے ساتھ شریعت کی ساری پابندیوں، یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور جہاد کو لازمی قرار دیا ہے، البتہ ان چیزوں میں ایک عامی مسلمان اور ایک سالک کی پابندی میں جو فرق ہے، اس کو بہت واضح طور پر بتایا ہے۔

نماز: نماز کے لیے ایک سالک وضو کرتا ہے تو اس لیے کہ (۱) اس کی جسمانی طہارت ہو (۲) اس کی دماغی طہارت یعنی اس کا ذہن اوہام ووساوس سے پاک ہو، (۳) اس کے حواسِ باطن پاک ہوں (۴) اس کی روح پاک ہو۔ (ج۲،ص ۱۵۵)

نماز میں خضوع وخشوع ضروری ہے، ورنہ اس کی مثال قالب بےجان کی ہوگی، نماز میں حسب ذیل چیزوں سے لذت ملتی ہے:

(۱) حضور قلب، (۲) فہم معانی، (۳) تعظیم ماہیت، (۴) خوف ورجا، (۵) حیا۔

لذت بھری نماز میں سالک نور کا مشاہدہ کرتا ہے، جو اس کے تمام جسم میں سرایت کر جاتا ہے، اس سے اس پر سکر کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ (ج۲،ص ۱۵۶)

روزہ: سالک روزہ رکھتا ہے تو گویا وہ حواس ظاہر وباطن کو مغلوب کر کے ہوا ونفس کو اپنے سے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس طرح اپنے باطن کو منور کر کے کشف حاصل کرتا ہے۔ (ج۲، ص ۱۵۸)

زکوٰۃ: شریعت کی زکوٰۃ کے علاوہ طریقت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ سالک کا دل ذمائم سے پاک ہو، اولیا ومشائخ علم سلوک کو سمجھائیں، مرید کو دل کی صفائی، روح کی تجلی، عشق، محبت، معرفت، قربت اور حقائق ومعارف کی تعلیم دیں۔

حج: ایک سالک کا حج یہ ہے کہ وہ احرام باندھتا ہے تو دنیا کے علائق وعوائق سے تجرید حاصل کرتا ہے، عرفات میں آتا ہے تو اسرار ومعارف سے واقف ہوتا ہے، جب مزدلفہ پہنچتا ہے تو

Marfat.com

اس کی مرادیں پوری ہونی شروع ہوتی ہیں اور جب طواف کرتا ہے تو دل خدا کی طرف گردش کرنے لگتا ہے، جب صفا و مروہ میں سعی کے لیے جاتا ہے تو گویا بشری کدورت سے نکل کر ملکوتی صفات کی طرف منتقل ہوتا ہے، جب منیٰ آتا ہے تو اس کے خیالات تمام خطروں اور وسوسوں سے پاک ہوتے ہیں، جب قربانی کرتا ہے تو اپنے نفس کے دیو کو ہمیشہ کے لیے ذبح کر دیتا ہے، الخ الخ۔ (ج ۲، ص ۱۶۳)

جہاد: حضرت اشرف جہاں گیرؒ نے جہاد کے متعلق یہ تعلیم دی ہے کہ جب کفار مسلمانوں کے مقابلہ میں خروج کریں تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے، لطائف اشرفی میں ہے: (ج ۲، ص ۱۶۵)

"حضرت قدوۃ الکبریٰ می فرمودند جہاد کردن در راہ خدائے تعالیٰ فرض است، بر جمیع عباد وقتیکہ خروج کفار شود اما درون خروج کفار فرض کفایہ باشد۔"

اور اگر کوئی معذور ہو تو وہ حج کرے اور وہ حج بھی نہ کر سکے تو جمعہ کی نماز میں شرکت کرے، کیوں کہ جمعہ کی نماز مسکینوں کا حج ہے، رسول اللہ ﷺ کی یہی تعلیم ہے۔

اسلام کے ان ارکان کی پابندی کے ساتھ توکل، تسلیم و رضا، جود و ایثار وغیرہ کی بھی تعلیم دی ہے۔

توکل: اگر سالک ان چیزوں کو قبول کرتا ہے جو شریعت کی رو سے حرام ہیں تو وہ عاصی اور فاسق ہے، توکل کی علامت یہ ہے کہ کسی چیز کے لیے کسی سے سوال نہ کیا جائے اور جب غیب سے فتوح آئے تو قبول کر لے اور جب قبول کرے تو اس کو اپنے پاس نہ رکھے۔

ایک سالک کا توکل یہ ہے کہ وہ سمجھے کہ خداوند تعالیٰ ہی روزی دیتا ہے اور واپس لے لیتا ہے لیکن وہ بہر حال روزی پہنچاتا ہے، اس لیے اس کو یقین رکھنا چاہیے کہ روزی اس کے پاس پہنچے گی لیکن اس کا دل روزی کے عدم و وجود کو برابر سمجھے۔ (ج ۲، ص ۲۴۲)

تسلیم و رضا: خدا کی طرف سے کوئی نعمت ملتی ہو تو وہ خوش رہے لیکن کوئی بلا نازل ہو تو اس

Marfat.com

سے غم گین نہ ہو، یہی تسلیم ورضا ہے لیکن ہر حال میں روزی کے لیے کسب کرنا لازم ہے، اس سلسلہ میں حضرت اشرف جہاں گیرؒ کے ملفوظات ملاحظہ ہوں:

''حضرت قدوۃ الکبریٰ نے فرمایا، اکثر مشائخ ہمیشہ کوئی پیشہ کرتے تھے اور دل و جان سے اس کی طرف بڑھتے تھے، اگلے مشائخ وعلما بھی پیشے میں مشغول رہتے تھے اور ان کو موجب عزت سمجھتے تھے، ہندوستان میں پیشہ کرنا بدترین خصلت سمجھا جاتا ہے، اسی وجہ سے محتاجی اور فقیری میں مبتلا ہوگئے ہیں، یہ نہیں جانتے کہ اکثر انبیا کسی نہ کسی پیشے کی طرف منسوب ہیں، اسی لیے پیشہ کی توہین کرنا ایک قسم کا کفر ہے، لوگوں نے کہا ہے کہ جو لوگ توکل کے آخری درجہ تک نہیں پہنچے ہیں اگر وہ پیشے میں مشغول رہیں تو ان کے لیے جائز بلکہ لازم ہے۔'' (ج ۲، ص ۲۴۳)

جود وایثار: کسب روزی کے ساتھ ضروری ہے کہ سالک میں سخاوت، جود اور ایثار ہو، وہ اپنے مال میں سے تھوڑا سا کسی کو دے دیتا ہو اور تھوڑا سا رکھ لیتا ہو تو وہ سخی ہے لیکن اگر کچھ بھی نہ رکھتا ہو تو وہ جواد ہے اور سب کچھ دے کر اپنے اوپر تکلیف اٹھاتا ہو تو وہ صاحب ایثار ہے۔ (ج ۲، ص ۲۴۷)

حضرت اشرف جہاں گیرؒ نے ایک سالک کو معاشرتی حیثیت سے بھی اعلیٰ قسم کے اوصاف سے متصف ہونے کی تلقین کی ہے، مثلاً کھانے پینے کے آداب یہ بتائے ہیں۔

کھانے پینے کے آداب: (۱) زندہ رہنے کے لیے کھانا فرض ہے، خداوند تعالیٰ کی عبادت اور کسب معاش کے لیے کھانا سنت ہے، سیر ہو کر کھانا مباح ہے لیکن سیری سے زیادہ کھانا حرام ہے۔ (ج ۲، ص ۱۸۶)

ایک سالک کے لیے کھانے میں چار چیزیں فرض ہیں، (۱) جو چیزیں کھاتا ہو وہ حلال ہو، (۲) کھاتے وقت یہ خیال رکھتا ہو کہ وہ چیز خداوند تعالیٰ کی طرف سے ہے، (۳) راضی برضا ہو کر کھاتا ہو، (۴) کھانا عبادت وطاعت کے لیے کھاتا ہو۔

اسی طرح اس کے لیے چار چیزیں سنت ہیں، (۱) کھانا شروع کرنے سے پہلے

Marfat.com

بسم اللہ کہے، (۲) کھانا ختم کرنے کے بعد الحمد للہ کہے، (۳) کھانے سے پہلے اور اس کے بعد ہاتھ دھوئے، (۴) کھانے کے وقت دایاں پاؤں اٹھا دے اور بایاں پاؤں گرا دے۔

کھاتے وقت کھانا اس کے سامنے ہو، لقمہ چھوٹا ہو، اس کو خوب چباتا ہو، دوسروں کے لقمے نہ دیکھتا ہو، کوئی ٹکڑا اگر گر جاتا ہو تو اس کو اٹھا کر کھا لیتا ہو، انگلیاں چاٹ کر صاف رکھتا ہو، کھانا سونگھ کر نہ کھاتا ہو۔ (ج ۲، ص ۱۸۷)

مہمان داری: سالک پر مہمان داری کے فرائض یہ ہیں:

وہ مہمان کو اپنے لیے باعث برکت سمجھے، وہ آئے تو ماحضر یا شربت حاضر کرے، کھانے کے وقت جو موجود ہو مہمان کے سامنے رکھ دے، اس کی خاطر داری میں اپنے اوپر تکلیف نہ اٹھائے۔

''قصد تکلیف نہ کند کہ موجب دشمنی می شود۔''

اگر قدرت ہو تو حسب طاقت تکلیف اٹھائے اور اعزہ و اقربا کو بھی بلائے لیکن ان کو بلانے میں امیر و غریب کا امتیاز نہ کرے، مہمان سے یہ نہ پوچھے کہ کھانا لایا جائے بلکہ خود کھانا لے آئے، کھانے کا آغاز مہمان ہی کرے، کھانے میں مہمان کو جلدی کرنے کی فہمائش نہ کرے، مہمان کے سامنے بچوں پر غصہ کا اظہار نہ کرے، مہمان کو وضو اور استنجا کرنے کی جگہ دکھلا دے۔ (ج ۲، ص ۱۹۶-۱۹۴)

مہمان کو لازم ہے کہ وہ میزبان کے گھر پہنچ کر نفل روزہ نہ رکھے، دائیں بائیں نہ دیکھے، ہر چیز کو دیکھتا نہ رہے، اس سے دناءت کا اظہار ہوتا ہے اور میزبان یہ سمجھتا ہے کہ وہ ان چیزوں کا طلب گار ہے۔ (ج ۲، ص ۱۹۵)

Marfat.com

حضرت سید محمد گیسو درازؒ

اسمِ گرامی والقاب: اسمِ گرامی سید محمد، کنیت ابوالفتح، القاب صدرالدین ولی الاکبرالصادق ہیں، عام طور پر خواجہ بندہ نواز اور خواجہ گیسو دراز کہلاتے ہیں، خواجہ گیسو دراز کے لقب کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ایک بار اپنے مرشد حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کی پالکی اور مریدوں کے ساتھ اٹھائی، ان کے بال بڑے بڑے تھے، پالکی کے پایہ میں الجھ گئے، پالکی کو کندھے پر لے کر دور نکل گئے، بال کے الجھ جانے سے تکلیف ہوتی رہی لیکن مرشد کے عشق ومحبت میں خاموش رہے اور غایت تعظیم میں بال کو پالکی کے پایہ سے نہ نکال سکے، جب حضرت شیخ نصیر الدین کو اس کی خبر ہوئی تو اپنے مرید کی اس محبت اور عقیدت سے بہت خوش ہوئے اور اسی وقت یہ شعر پڑھا:

ہر کہ مرید سید گیسو دراز شد   واللہ خلاف نیست کہ او عشق باز شد

اسی کے بعد سے گیسو دراز مشہور ہوئے[1]۔

نسب نامہ: خاندانی شجرہ یہ ہے: ولی الاکبر الصادق ابوالفتح محمد بن یوسف بن علی بن محمد بن یوسف بن حسن بن محمد بن علی بن حمزہ بن داؤد بن زید بن ابوالحسن الجنیدی بن حسین بن ابی عبداللہ بن محمد بن عمر بن یحییٰ بن حسین بن زید المظلوم بن علی اصغر زین العابدین رضی اللہ عنہ بن امام حسین رضی اللہ عنہ ابن سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب[2]۔

---

[1] اخبار الاخیار، ص ۱۴۳ و خزینۃ الاصفیا، ج ا، ص ۳۸۱ [2] سیر محمدی مصنفہ مولانا شاہ محمد علی سامانی مرید حضرت سید گیسو دراز مطبوعہ یونانی دواخانہ پریس، سبزی منڈی، الہ آباد۔

Marfat.com

خاندان: حضرت گیسودراز کے مورثِ اعلیٰ ہرات سے دہلی آئے تھے، یہیں ۷۲۱ھ میں ان کی ولادت باسعادت ہوئی[1]۔ ان کے والد بزرگ وار سید یوسف حسینی عرف سید راجا کو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ سے ارادت تھی، اپنے ملفوظات جوامع الکلم میں خود فرماتے ہیں:

''پدرِ من زیارانِ خدمت شیخ نظام الدین بود۔'' (ص ۳۸)

ان کے نانا بھی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے مرید تھے[2]۔

قیامِ دیوگیر: جب حضرت گیسودراز کی عمر چار سال کی تھی تو ان کے والد بزرگ وار سلطان محمد تغلق کے عہد میں دہلی سے دیوگیر منتقل ہوگئے، اس زمانہ میں دولت آباد کے صوبہ دار حضرت گیسودراز کے ماموں ملک الامرا سید ابراہیم مستوفی تھے، یہاں ایک بزرگ شیخ بابو رہا کرتے تھے، جن کی صحبت میں حضرت گیسودرازؒ کے والد ماجد برابر شریک رہتے، والد بزرگوار کے ساتھ حضرت گیسودراز بھی ان کی خدمت میں تشریف لے جاتے، یہ بڑی شفقت سے پیش آتے، چنانچہ انہوں نے بچپن ہی میں ان کے لیے اچھے کلمات استعمال کیے[3]۔

طفلی: آٹھ ہی سال کی عمر میں حضرت گیسودرازؒ سے دینی شغف کا اظہار ہونے لگا، وضو اور نماز میں خاص اہتمام کرتے، چھوٹے بچے ان کی خدمت میں جمع رہتے اور بہت ہی تعظیم و تکریم کے ساتھ ان کے سامنے اٹھتے بیٹھتے اور وضو کے لیے پانی کا گھڑا بھر کر ان کے لیے رکھتے، حضرت گیسودرازؒ اس کم عمری میں بھی مشائخ کی طرح ان کو تبرک عنایت کرتے[4]۔

جب دس سال کے ہوئے تو ان کے والد ماجد کا انتقال ۷۳۱ھ میں دولت آباد میں ہوگیا اور یہیں سپرد خاک ہوئے، آج بھی ان کے مزار پر زائرین کا ہجوم رہتا ہے۔

ابتدائی تعلیم: ابتدائی تعلیم اپنے نانا سے پائی اور پھر دوسرے استاد سے مصباح اور قدوری پڑھیں[5]، نانا اور والد ماجد کی صحبت میں حضرت نظام الدین اولیاؒ اور حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کا نام برابر سنتے تھے، چنانچہ ایامِ طفلی ہی میں خواجگانِ چشت سے عقیدت پیدا ہوگئی اور

---

[1] سیر محمدی، ص ۶ [2] سیر محمدی، ص ۹ [3] ایضاً، ص ۹ [4] ایضاً [5] تحفۂ احمدی، ص ۱۰-۹۔

Marfat.com

حضرت چراغ دہلی کے دیدار اور ملاقات کے مشتاق ہوئے۔

مراجعت دہلی: جب حضرت گیسودراز کے والد ماجد کا انتقال ہوا تو کچھ دنوں کے بعد ان کی والدہ کو اپنے بھائی ملک الامرا سید ابراہیم مستوفی سے رنجش پیدا ہوگئی اور انہوں نے دل برداشتہ ہو کر دولت آباد کی سکونت چھوڑ دی اور بچوں کے ساتھ ۷۳۶ھ میں دہلی چلی آئیں، اس وقت حضرت گیسودراز کی عمر پندرہ سال کی تھی۔

بیعت: دہلی پہنچنے کے بعد حضرت گیسودراز جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لیے سلطان قطب الدین کی جامع مسجد میں گئے، وہاں حضرت چراغ دہلی کو دور سے دیکھا تو ان کے چہرۂ مبارک کے جمال وانوار سے مسحور ہو گئے اور ۱۶/رجب ۷۳۶ھ کو اپنے بڑے بھائی سید چندن کے ساتھ حضرت چراغ دہلی کے دست مبارک پر بیعت کی۔

تربیت: بیعت کے بعد حضرت گیسودراز کی خواہش ہوئی کہ مرشد کی جلد جلد قدم بوسی کریں لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے یہ آرزو پوری نہیں ہوتی، پھر بھی مرشد ان سے بڑی شفقت سے پیش آتے، ایک مرتبہ مرشد نے ان سے فرمایا، تم جب بھی میرے پاس آتے ہو تو بے وقت آتے ہو، میں اس وقت ملول رہا کرتا ہوں، میرا جی چاہتا ہے کہ میں تم سے کچھ بات چیت کیا کروں، حضرت گیسودرازؒ اس شفقت کو اپنے لیے بڑی دولت تصور کرتے رہے[۱]۔

مرشد کی ہدایت کے مطابق عبادت و ریاضت میں تدریجی ترقی کی، اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

''ایک بار اشراق کے بعد پابوسی کے لیے حاضر ہوا، (حضرت خواجہ نے فرمایا) صبح کی نماز کے لیے جو وضو کرتے ہو، کیا وہ آفتاب کے طلوع ہونے کے بعد تک باقی رہتا ہے، میں نے عرض کی، جی ہاں، آپ کے صدقہ میں باقی رہتا ہے، فرمایا، اچھا ہو جو اسی وضو سے دوگانہ اشراق بھی

---

۱ جوامع الکلم، ملفوظات حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز مرتبہ سید حسین المعروف سید محمد اکبر حسینی، مطبوعہ انتظامی پریس عثمان گنج، ص ۳۸۔

Marfat.com

پڑھ لیا کرو، میں نے کھڑے ہو کر عرض کی کہ آپ کے صدقہ میں پڑھوں گا، پھر فرمایا، اسی کے ساتھ شکر النہار اور استخارہ بھی پڑھ لیا کرو، جب چند روز اس کی پابندی کر چکا تو ایک روز فرمایا، دوگانہ اشراق پڑھتے ہو، میں نے عرض کیا، بلا ناغہ پڑھتا ہوں، ارشاد فرمایا، اگر اسی میں چاشت کی بھی چار رکعت ملا دیا کرو تو نماز چاشت بھی ہو جایا کرے گی، میں نہیں کہتا کہ اور کسی وقت پڑھو، بلکہ بعد اشراق اسی وقت چاشت پڑھ لیا کرو تو چاشت بھی ہو جایا کرے گی۔

میں ہمیشہ رجب میں روزے رکھا کرتا تھا، ایک بار پوچھا، کیا تم رجب میں روزے رکھا کرتے ہو، میں نے عرض کیا، جی ہاں، پھر پوچھا، شعبان میں بھی، میں نے کہا، شعبان میں نو روزے رکھتا ہوں، فرمایا، اگر اکیس دن اور رکھ لیا کرو تو پورے تین مہینہ کے روزے ہو جایا کریں گے، میں نے گزارش کی، آپ کے صدقہ میں رکھوں گا، میں نے اپنی والدہ سے کہا، وہ اس وقت تک حضرت شیخ سے بیعت نہیں ہوئی تھیں، مجھ پر برہم ہوئیں، کچھ سخت سست بھی کہا، میں نے ان سے عرض کیا، آپ جو چاہیں کہیں لیکن شیخ نے جو کچھ فرمایا ہے، اس پر عمل کرنے سے باز نہیں آؤں گا۔

میں رمضان کے بعد شش عید کے چھ روزے بھی رکھا کرتا تھا، ان ہی ایام میں ایک دن قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا، ارشاد فرمایا، ہمارے خواجگان صوم داؤدی نہیں رکھا کرتے تھے بلکہ صوم دوام رکھتے تھے، تم بھی صوم دوام رکھا کرو۔'' (جوامع الکلم، ص ۳۹-۳۸)

باطن کو آراستہ کرنے کے علاوہ علوم ظاہری کی تعلیم کا بھی سلسلہ جاری رکھا کچھ کتابیں مولانا سید شرف الدین کیتھلی، کچھ مولانا تاج الدین بہادر اور کچھ مولانا قاضی عبدالمقتدر سے پڑھیں۔

ریاضت: ذکر وفکر میں زیادہ لذت ملنے لگی تو گھر چھوڑ کر حظیرۂ شیر خاں جہاں پناہ کے ایک حجرہ میں آ کر مراقبہ کرنے لگے اور یہاں دس برس تک ریاضت کی، یہیں سے مولانا قاضی عبدالمقتدر سے تعلیم حاصل کرنے جاتے اور وہاں سے مرشد کی پابوسی کے لیے پہنچتے، علوم باطن کے حاصل کرنے میں علوم ظاہری کی تحصیل سے دل برگشتہ رہنے لگا، اس لیے مرشد سے عرض

Marfat.com

کیا کہ اگر حکم ہو تو علم ظاہر کی تعلیم اب چھوڑ دوں اور علم باطن کی تعلیم حاصل کرنے میں مشغول رہوں لیکن مرشد نے فرمایا، ہدایہ، بزدوی، رسالہ شمسیہ، کشاف اور مصباح خوب غور سے پڑھ لو، تم سے ایک کام لینا ہے[1]، مرشد کے حکم کے مطابق تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا اور انیس سال کی عمر میں تمام علوم کی تحصیل سے فارغ ہوئے اور جب ان علوم سے فراغت ہوگئی تو ریاضت شاقہ کی طرف توجہ کی، پنج گانہ، دوگانہ، پانژدہ گانہ ادا فرماتے اور طی کے روزے رکھتے۔

حضرت چراغ دہلی اپنے مرید کی ریاضت سے بہت متاثر ہوئے، ایک موقع پر فرمایا کہ ستر برس کے بعد ایک لڑکے نے پھر مجھ میں شوریدگی پیدا کردی ہے اور پہلے زمانہ کے واقعات مجھے یاد دلا دیے ہیں[2]، چنانچہ ان کی شفقت روز بہ روز بڑھتی گئی، ایک بار خود خطیرۂ شیر خاں تشریف لے گئے اور اپنے محبوب مرید کو کچھ روپے بھی نذرانے میں پیش کیے، جس کے بعد سے حضرت گیسو دراز کی بڑی شہرت ہوئی اور باکمال صوفیہ کہا کرتے تھے کہ اس شخص کو جوانی میں "مقام پیران واصل ومقتدیان کامل" کا درجہ حاصل ہے[3]۔

ریاضت کا ذوق اتنا بڑھ گیا تھا کہ انسانی آبادی چھوڑ کر جنگلوں میں جا کر مجاہدہ کرنے لگے[4]۔

خدمت مرشد: عزلت وخمول کی ریاضت کے بعد مرشد کی خدمت میں آکر ایک عرصہ تک رہے، اس زمانہ میں ان کے معمولات یہ تھے، علی الصباح اٹھ کر مرشد کو وضو کراتے، پھر خود وضو کرکے نماز صبح باجماعت ادا کرتے اور جب تک مرشد اوراد و وظائف میں مشغول رہتے، طالبان حق کو سلوک کی تعلیم دیتے اور جب مرشد کی مجلس منعقد ہوتی تو اس میں شریک ہوتے اور جب برخاست ہوتی اور مرشد حجرہ میں عبادت میں مشغول ہوتے تو خود بھی ایک گوشہ میں بیٹھ کر یاد حق میں مصروف رہتے، پھر چاشت کی نماز پڑھ کر تھوڑی دیر قیلولہ کرتے، اس کے بعد

---

[1] سیر محمدی، ص ۱۶ "تم سے ایک کام لینا ہے" سے مراد تصنیف وتالیف کا کام ہے۔ [2] سیر محمدی، ص ۱۶

[3] ایضاً [4] سیر محمدی، ص ۱۷۔

Marfat.com

کلام پاک کی تلاوت فرماتے، ظہر کا وقت آتا تو پہلے خود وضو کرتے، پھر مرشد کو وضو کراتے، ظہر کی نماز کے بعد مرشد حجرہ میں تشریف لے جاتے تو خود بھی اپنے حجرہ میں آکر اوراد و وظائف میں مشغول رہتے، یہاں تک کہ سہ پہر کا وقت ہو جاتا، مرشد کی مجلس پھر منعقد ہوتی، اس مجلس میں وضو کر کے شرکت کرتے اور مرشد کے ساتھ عصر کی نماز پڑھ کر مغرب تک تسبیح و تہلیل میں مشغول رہتے، مغرب کی نماز اور اوابین ادا کر کے عشا تک طالبان سلوک کو تعلیم دیتے، پھر بقدر سد رمق کھانا تناول فرما کر سو جاتے اور نصف شب کو بیدار ہو کر پہلے خود وضو کرتے، پھر مرشد کو وضو کراتے اور جب مرشد حجرہ میں داخل ہو کر حق کی یاد میں مشغول ہو جاتے تو خود بھی نماز تہجد ادا کر کے حجرہ کے باہر دروازہ سے پشت لگا کر ذکر و شغل میں مصروف ہو جاتے، اس وقت بھی پانی کا آفتابہ وغیرہ ساتھ رکھتے کہ جب مرشد صبح کی نماز کے لیے حجرہ سے باہر آئیں تو اس وقت وضو کے لیے سامان تیار ملے[1]۔

شفقت مرشد: پہلے ذکر آچکا ہے کہ ایک بار مرشد کی پالکی اور مریدوں کے ساتھ اٹھائی تو ان کے گیسو پالکی کے پایہ میں الجھ گئے لیکن تکلیف کے باوجود مرشد کے عشق و محبت میں خاموش رہے اور غایت تعظیم میں بال پالکی کے پایہ سے نکالنا پسند نہ کیا، جب مرشد کو اس کی خبر ہوئی تو مرید کی اس محبت و عقیدت سے بہت خوش ہوئے اور ایک شعر پڑھا جس میں ان کو گیسو درازؒ کے خطاب سے مخاطب فرمایا تھا۔

مرشد کو بھی اپنے مرید سے ہمیشہ بڑی محبت رہی، چنانچہ جب وہ اپنی وفات سے ایک سال پہلے باسور بادی کے مرض میں مبتلا ہوئے تو غایت تکلیف میں حضرت گیسو درازؒ ہی سے اپنی صحت کے لیے دعا کرائی اور ان ہی کی دعاؤں کی برکت سے شفا پائی[2]۔

حضرت گیسو درازؒ اپنی عمر کے ۳۷ ویں سال خلہ کے مرض میں مبتلا ہوئے اور خون تھوکنے لگے اور اسی کے ساتھ ہچکیاں بھی آتی تھیں، مرشد نے ان کے لیے دوا، طبیب اور

---

[1] جوامع الکلم، نیر دلکھو سیر محمدی، ص ۶۵-۶۴ [2] سیر محمدی، ص ۱۸۔

Marfat.com

تیمار دار بھیجے اور روزآنہ ایک آدمی ان کی خیریت دریافت کرنے کے لیے روانہ فرماتے اور جب ان کو شفا ہوئی تو ان سے مل کر بے حد خوش ہوئے اور اپنا کمّل عطا فرمایا، اس ملاقات کے بارہ میں سیر محمدی کے مؤلف رقم طراز ہیں:

''اپنا کمّل اپنے سامنے سے اٹھا کر حضرت مخدوم رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا اور حضرت مخدوم کے ہاتھ مضبوط پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی کسی کے لیے محنت و مشقت کرتا ہے تو کسی چیز کے واسطے کرتا ہے، اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ سید محمد! اس کام کو میری طرف سے قبول کرو، یعنی لوگوں سے بیعت لیا کرو، حضرت مخدوم نے سر نیچا کرلیا اور خاموش رہے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے قبول کرلیا؟ حضرت مخدوم نے عرض کیا، میں نے قبول کیا، پھر ارشاد فرمایا، قبول کرلیا، حضرت مخدوم نے عرض کیا، قبول کیا، اس کے بعد آپ نے دو وصیتیں ارشاد فرمائیں، ایک تو یہ کہ اپنے ظاہری اوراد ترک نہ کرنا، دوسرے یہ کہ میرے متعلقین کے ساتھ رعایت و مراعات کرنا۔'' (ص ۲۳)

سجادہ نشینی: حضرت چراغ دہلی کا وصال ہوا تو ان کی میت کو حضرت سید گیسو درازؒ ہی نے غسل دیا اور جس پلنگ پر غسل دیا تھا، اس کی ڈوریاں پلنگ سے جدا کر کے اپنی گردن میں ڈال لیں کہ یہ میرا خرقہ ہے[1]، حضرت چراغ دہلی کی سوانح حیات کے سلسلہ میں ذکر آچکا ہے کہ انہوں نے کسی کو اپنا جانشین مقرر کرنا پسند نہیں فرمایا لیکن سیر محمدی کے مؤلف کا بیان ہے کہ انہوں نے رحلت کے وقت حضرت سید گیسو دراز کو اپنی جانشینی کے لیے منتخب کیا، (تفصیل کے لیے دیکھو سیر محمدی، ص ۲۵-۲۴) چنانچہ ان کی وفات کے بعد ان کے جانشین ہو کر سجادۂ ولایت پر جلوہ افروز ہوئے، سیر محمدی میں ہے:

''بعد زیارت سیوم بندگی شیخ رضی اللہ عنہ (یعنی حضرت چراغ دہلی) سجادہ ولایت پر جلوہ افروز ہوئے اور اپنا ہاتھ بیعت کے لیے بڑھادیا، طالبان حق کو تلقین وارشاد فرمانے لگے، جیسے کہ حضرت بندگی شیخ نصیر الدین محمود رضی اللہ عنہ تلقین وارشاد فرمایا کرتے تھے......

---

[1] سیر محمدی، ص ۹۷۔

Marfat.com

زمانۂ شیخوخت میں بہت سے علما، صلحا، سلاطین، خواتین اور قسم قسم کی مخلوق آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتی تھی۔" (۲۶-۲۵)

علما اور حضرت گیسودرازؒ: دہلی کے علما میں جب مولانا حسین حضرت گیسودرازؒ کے حلقۂ بیعت میں داخل ہوئے، تو مولانا حسین کی بہن کے ایک داماد نے حضرت گیسودرازؒ سے اپنی بدعقیدگی کا اظہار کیا اور مولانا حسین سے کہا کہ آپ سید محمد کے کیا مرید ہوئے، انہوں نے جواب دیا، تم نے سید محمد کو دیکھا ہی نہیں، اگر دیکھتے تو معلوم ہوتا کہ وہ کیا چیز ہیں، دوسرے دن مولانا حسین بہن کے داماد کے ساتھ حضرت گیسودراز کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہ ایک تخت پر تشریف فرما تھے، سر پر عمامہ تھا اور ہاتھ میں سرخ چمڑے کا پنکھا لیے ہوئے تھے، مولانا حسین کے داماد کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر یہ صاحب نعمت ہوں گے تو پنکھا اور عمامہ مجھ کو عنایت فرمائیں گے، حضرت گیسودراز کو کشف ہو گیا کہ مولانا حسین کے داماد کے دل میں کیا خیال پیدا ہو رہا ہے، اسی وقت ان کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا، مولانا سنو! بغداد میں ایک بازی گر تھا، وہ مجمع میں ایک گدھے کو لا کر کھڑا کر دیتا اور اس کی دونوں آنکھیں کپڑے سے باندھ دیتا اور مجمع سے مخاطب ہو کر کہتا کہ تم میں سے کسی کی کوئی چیز کوئی چرا لے تو میں اس کو پکڑ لوں گا، اس تماشہ میں ایک شخص کسی کی کوئی چیز چرا لیتا اور وہ بازی گر گدھے کی آنکھ کھول کر اس سے کہتا کہ فلاں کی چیز کوئی چرا لے گیا ہے، تو اس کو پکڑ لا، گدھا سب کو سونگھتا پھرتا اور جب چور کے پاس پہنچتا تو چور کے کپڑے دانتوں سے پکڑ لیتا اور اس کو کھینچ کر بازی گر کے پاس لے آتا، اس قصہ کو بیان کر کے حضرت سید گیسودرازؒ نے فرمایا، بڑی مشکل ہے، اگر کوئی اظہارِ کرامت کرے تو اس گدھے کے مانند ہے اور اگر اظہارِ کرامت نہ کرے تو لوگ اسے بے نعمت کہیں، یہ کہہ کر مولانا حسین کے داماد کو پنکھا اور عمامہ دیا فرمایا، لیجیے اور لے جایئے، مولانا حسین کے داماد متحیر ہوئے اور اسی وقت بیعت میں داخل ہو کر ذکر حق میں مشغول رہنے لگے۔[1]

---

[1] سیر محمدی، ص ۶۱-۶۰۔

Marfat.com

دہلی کے مولانا نصیر الدین قاسم اپنے علم وتقویٰ میں بہت مشہور تھے، ان کے استاد مولانا معین الدین کو ان پر فخر تھا، حضرت گیسو درازؒ کے بچے ان سے درسی کتابیں پڑھتے تھے، کبھی وہ مولانا نصیر الدین قاسم ہی کے گھر پر چلے جاتے اور کبھی مولانا خود خانقاہ ہی میں آکران کو پڑھاتے، مولانا کو اپنی ابتدائی زندگی میں کسی سے اعتقاد نہ تھا لیکن آخر میں حضرت گیسو درازؒ سے بیعت کرلی، مولانا معین الدین عمرانی کو بیعت کی خبر ہوئی تو مولانا نصیر الدین قاسم کو بلا کر کہا، تم تو خود عالم تھے پھر سید محمدؒ کے مرید کیوں ہوگئے، مولانا نصیر الدین نے عرض کیا، پہلے عالم تھا، اب حضرت مخدوم کے سامنے مسلمان ہوا ہوں[1]۔

ملک زادے بھی مذہبی اور روحانی استفادہ کے لیے برابر خدمت میں حاضر ہوتے رہتے، ایک بار ایک ملک زادہ آیا تو حضرت گیسو درازؒ کے ہاتھوں میں ان ہی کا لکھا ہوا ایک رسالہ تھا، ملک زادہ نے اس کو مانگ کر دیکھا تو اس میں ایک جگہ لکھا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے ساتھ معیت ذاتی ہے، ملک زادہ کو یہ بات کھٹکی، وہ دہلی کے مولانا قاضی عبدالمقتدر کے پاس گیا اور ان سے عرض کیا کہ حضرت گیسو درازؒ نے لکھا ہے کہ مخلوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت ذاتی ہے، حالاں کہ کتابوں میں یہ ہے کہ مخلوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت علمی ہے، مولانا قاضی عبدالمقتدر ملک زادہ کو کوئی تشفی بخش جواب نہ دے سکے تو اس نے یہ بات سلطان فیروز شاہ تغلق کے کان تک پہنچائی، سلطان فیروز شاہ نے ملک عماد الملک کو بلایا اور اس سے دریافت کرنے کو کہا کہ سید محمد جادۂ شریعت سے ہٹ تو نہیں گئے، عماد الملک نے عرض کیا کہ میں حضرت مخدوم کو جانتا ہوں، میرے دو بچے میاں جیون اور میاں شاہین ان سے مرید بھی ہیں، پھر بھی حکم ہو تو تحقیق کروں، سلطان نے کہا کہ علما کو جمع کرو اور مذکورۂ بالا مسئلہ کی تحقیق کراؤ، جمعہ کے روز عماد الملک پرانی دہلی کی اس مسجد میں علما کے ساتھ گیا، جہاں حضرت گیسو درازؒ جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے تشریف لاتے لیکن عماد الملک علما کے ساتھ مسجد میں اس

---

[1] سیر محمدی، ص ۶۲-۶۱۔

Marfat.com

وقت پہنچا جب حضرت گیسودرازؒ نماز پڑھ کر واپس جا چکے تھے، عماد الملک نے دہلی کے مشہور عالم مولانا سید علاء الدین کو حضرت گیسودراز کی خانقاہ میں بھیجا کہ مسئلہ مذکورہ کے متعلق رد و قدح کرلیں، چنانچہ مولانا علاء الدین خانقاہ آئے اور حضرت گیسودرازؒ سے بحث شروع کی کہ بعض اشخاص کہتے ہیں کہ آپ نے معیت سے معیت ذاتی مراد لی ہے، حضرت گیسودرازؒ نے فرمایا، ہاں، یہی مراد ہے، علما نے معیت صفتی کہا ہے، صفت ذات سے علاحدہ نہیں ہے اور نہ جدا ہوسکتی ہے تو اللہ کی جو معیت از روئے صفت ہوئی وہ از روئے ذات بھی ہوئی، اس کے علاوہ یہ معیت صفتی اعتباری ہے، حقیقی نہیں، پس اعتبار ذات میں ہو یا صفات میں اس میں کیا حرج ہے، مولانا علاء الدین کو اس جواب سے تشفی ہوگئی اور ان کے ساتھی بھی اس دلیل کو رد نہ کرسکے[1]

فیروز تغلق اور حضرت گیسودراز کی مجلس سماع: سیر محمدی کے مؤلف کا بیان ہے کہ بعض لوگوں نے سلطان فیروز شاہ تغلق کو یہ خبر پہنچائی کہ حضرت گیسودراز کی مجلس سماع میں مریدین اپنا سر زمین پر رکھا کرتے ہیں اور بڑا شور مچاتے ہیں، سلطان نے یہ سن کر حضرت گیسودراز کو یہ کہلا بھیجا کہ اپنی مجلس سماع خلوت میں کیا کریں، اس کے بعد سے حضرت گیسودرازؒ اپنے حجرہ میں یہ مجلس منعقد کرانے لگے، بیچ میں ایک پردہ ڈال دیتے، پردہ کے دوسری طرف مریدین صف باندھ کر بیٹھتے اور جب حضرت گیسودراز پر وجد طاری ہوتا تو خادم حجرے کا دروازہ بند کردیتا[2]

سفر دکن: دہلی میں تقریباً چوالیس سال کے قیام کے بعد تیمور کے حملے کے زمانے یعنی ۸۰۱ھ میں گلبرگہ منتقل ہوگئے، دہلی سے گلبرگہ آتے ہوئے راستہ میں بہادر پور، گوالیار، بھاندیر، ایرچہ، چندیری، کھنبایت، بڑودہ، سلطان پور، دولت آباد اور الند میں قیام فرمایا، دوران سفر میں ہر جگہ لوگ جوق در جوق استقبال کے لیے آتے، بھاندیر، کھنبایت اور دولت آباد کے ضابطوں یعنی حاکموں نے بھی پیشوائی کی، جہاں ٹھہرتے وہاں خواص و عوام

---

[1] سیر محمدی، ص ۶۴-۶۲ [2] سیر محمدی، ص ۶۶-۶۱۔

Marfat.com

دونوں حلقۂ بیعت میں داخل ہوتے اور حسب مراتب ان کو تلقین فرماتے، چندیری پہنچتے تو وہاں کے مفتی کے صاحب زادے قاضی خواجگی نے بھی، جو بڑے ذی علم بزرگ تھے، بیعت کی، بیعت کے بعد ذکر کی تلقین کی خواہش ظاہر کی تو حضرت گیسودرازؒ نے فرمایا، ذکر کی تلقین میں میری ایک خاص روش ہے اور وہ یہ کہ طالب ذکر اپنے سر پر جنگل سے لکڑیاں لائے تو اس وقت میں ذکر کی تلقین کرتا ہوں، تم خود شیخ ہو شیخ زادہ ہو، یہاں کے صدر ہو، جنگل سے لکڑی نہ لاسکو گے، جس شغل میں ہو اسی میں مشغول رہو[1]۔

حضرت سید گیسودراز اور فیروز شاہ بہمنی: جب گلبرگہ کے قریب پہنچے تو سلطان فیروز شاہ نے اپنے خاندان، امرا اور دربار کے علما و سادات اور شاہی لشکر کے ساتھ استقبال کے لیے آیا اور ادب و احترام کے ساتھ گلبرگہ لایا، تاریخ فرشتہ (ج۱، ص۳۱۶) میں ہے:

"فیروز آباد میں سلطان (فیروز شاہ بہمنی) کو یہ خبر پہنچی کہ دہلی سے ایک سید عالی مقام عرش احترام میر سید محمد گیسودرازؒ دکن تشریف لائے ہیں اور حسن آباد گلبرگہ کے قریب پہنچ چکے ہیں:

چراغ ز شمع نبی تافتہ — کہ خورشید و مہ نور از و یافتہ

سلطان فیروز شاہ ہمیشہ ایسے بزرگوں کا خواہاں رہتا تھا، اس خبر سے خوش ہوا اور فیروز آباد سے حسن آباد گلبرگہ آیا، اپنے امرا، ارکان دولت اور لڑکوں کو استقبال کے لیے بھیجا اور بہت اعزاز و اکرام کے ساتھ آپ شہر میں تشریف لائے، فیروز شاہ حکیمانہ مذاق رکھتا تھا، اس لیے جب سید محمد گیسودراز کو علم ظاہری خصوصاً معقولات سے خالی پایا تو آپ کی طرف توجہ نہیں کی۔"

فرشتہ کا یہ بیان بالکل صحیح نہیں کہ حضرت گیسودرازؒ علوم ظاہری سے خالی تھے، کیوں کہ ہم گذشتہ اوراق میں لکھ چکے ہیں کہ انہوں نے علم ظاہری میں بھی کمال حاصل کیا تھا، برہان مآثر میں، جو سلاطین بہمنی کے متعلق مستند اور اہم معلومات فراہم کرتی ہے، ایسے صاف اور واضح بیانات ہیں جن سے فرشتہ کے بیان کی مطلق تصدیق نہیں ہوتی، ملاحظہ ہو:

---

[1] سیر محمدی، ص۶۹۔

Marfat.com

''اسی سال حضرت سید محمد گیسودراز مریدوں اور باکمال درویشوں کی ایک جماعت کے ساتھ دہلی سے دکن تشریف لائے اور گلبرگہ کو بھی اپنے قدم مبارک سے سرفراز کیا، سلطان (فیروز شاہ) کو بھی اس کی خبر پہنچی، اس کو سادات عظام اور مشائخ عالی مقام کی صحبت سے بڑی رغبت تھی اور اہم معاملات میں اس گروہ کی رائے سے استفادہ کیا کرتا تھا، اسی اخلاص کی بنا پر وہ حضرت گیسودراز کی تشریف آوری سے بہت خوش ہوا اور فضلا کی ایک جماعت کو ان کی خدمت میں بھیجا تاکہ ان کے حالات معلوم کرکے ان کی حقیقت سے اس کو مطلع کریں، وہ جماعت سلطان کی ہدایت کے مطابق ان کی خدمت میں گئی اور ان کو تمام علوم ظاہری و باطنی، کشف و کرامات اور مقامات میں مرتبہ کمال پر پایا اور جو کچھ کہ دیکھا، سلطان کی خدمت میں آکر عرض کیا، اس کی وجہ سے سلطان کی عقیدت میں اور بھی اضافہ ہوا اور اس کو ان کی صحبت کی بہت زیادہ خواہش پیدا ہوئی اور تعظیم و تکریم میں کوئی بات اٹھا نہیں رکھی، چند آباد گاؤں ان کے آستانہ کے خدام کے لیے عنایت کیے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ پہلی ہی ملاقات میں سلطان کو حضرت سید محمد گیسودرازؒ سے ایسے تعلقات پیدا ہوگئے کہ روز بہ روز بڑھتے گئے یہاں تک کہ سلطان گردش زمانہ سے تخت سے معزول ہوگیا اور ان کی عدم توجہ سے جو کچھ اس کو دیکھنا پڑا، اس کا ذکر آگے آئے گا۔[1]'' (ملخصاً)

برہان مآثر کے مؤلف کا بیان ہے کہ حضرت سید گیسودراز کو فیروز شاہ بہمنی سے ''کلفت'' ہوئی اور ان کی نظر توجہ اس کی طرف سے ہٹ گئی، چنانچہ جب وہ حصار پانگل کی تسخیر کے لیے گیا تو اس کو شکست ہوئی، عام لوگوں کا خیال تھا کہ سلطان کو یہ شکست محض اس لیے ہوئی کہ حضرت سید گیسودراز کی توجہ اس کی طرف نہیں رہی تھی، خود سلطان فیروز شاہ بہمنی کا بھی یہی خیال تھا، برہان مآثر میں ہے:

''مردم ایں شکست را از کلفت سلطان الاولیا و المحققین زبدہ آل طٰہٰ و یٰسین شہباز بلند پرواز سید محمد گیسودراز دانستند و بسبب ایں شکست ضعف قوائے سلطان مضاعف گشتہ، بارہا بزبان

[1] برہان مآثر مؤلفہ سید علی طباطبا، شائع کردہ مجلس مخطوطات فارسیہ، حیدرآباد دکن، ص ۴۴-۴۳۔

Marfat.com

الہام بیان می گزرانیدن کہ موجب شکست لشکر تغیر خاطر آں فخر الاولا و سید البشر بود۔[1]"

سیر محمدی میں حضرت سید گیسو درازؒ اور فیروز شاہ بہمنی کے تعلقات کے سلسلہ میں صرف اتنا ذکر ہے کہ جب حضرت گیسو دراز گلبرگہ کی طرف روانہ ہوئے تو سلطان فیروز شاہ نے لشکر کے ساتھ شہر سے باہر آ کر استقبال کیا، گلبرگہ پہنچ کر حضرت سید گیسو درازؒ نے اس کی درازیٔ عمر کی دعا کی، حضرت سید گیسو درازؒ کے وصال اور اس کی موت میں صرف چند دن کا فرق تھا۔[2]

احمد شاہ بہمنی اور حضرت سید گیسو دراز: سلطان فیروز شاہ بہمنی کا جانشین سلطان احمد شاہ حضرت سید گیسو دراز کا برابر معتقد رہا، اپنی تخت نشینی سے پہلے بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا، ان کے لیے ایک خانقاہ بھی بنوائی تھی اور خانقاہ کے درویشوں پر طرح طرح کی نوازشیں کیا کرتا تھا، کہا جاتا ہے کہ حضرت سید گیسو دراز کی دعاؤں کی بدولت وہ تخت و تاج کا مالک ہوا تھا، اس لیے تخت پر بیٹھنے کے بعد حضرت سید گیسو دراز کا ادنیٰ غلام بن گیا، تاریخ فرشتہ میں ہے:

"سلطان احمد شاہ بہمنی سادات، علما اور مشائخ کی تعظیم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتا تھا، اس کے حق میں حضرت سید گیسو دراز کی جو کرامت ظاہر ہوئی اس کی بنا پر وہ ان کی بہت عزت کرتا تھا، عوام اپنے بادشاہ ہی کے دین کی تقلید کرتے ہیں، دکن کے لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور تمام لوگ ان کے آستانے کا طواف کیا کرتے تھے اور سلطان نے اپنے اسلاف کی روش کے خلاف شیخ محمد سراج کے خاندان سے ترک ارادت کیا اور حضرت سید محمد گیسو دراز کا مرید ہوا اور حسن آباد گلبرگہ کی سرکار میں ان کے لیے چند گاؤں اور قصبے وقف کیے اور ان کی قیام گاہ کے لیے ایک عالی شان عمارت شہر کے متصل بنوائی، اس وقت بھی جب کہ حسن آباد گلبرگہ کی حکومت خاندان بہمنیہ سے عادل شاہی خاندان میں منتقل ہوگئی ہے، احمد شاہ کے وقف کردہ قصبات حضرت سید گیسو دراز کی اولاد کے تصرف میں ہیں۔" (ج ۱، ص ۲۰-۳۱۹)

---

[1] برہان مآثر، ص ۴۷ [2] سیر محمدی، ص ۳۵-۳۴۔

Marfat.com

گو حضرت سید گیسودراز کا وصال سلطان احمد شاہ بہمنی کی تخت نشینی کے پہلے ہی سال میں ہو گیا لیکن تخت نشین ہونے سے پہلے تقریباً اکیس بائیس برس تک وہ ان کی صحبت میں رہ چکا تھا۔

حضرت سید گیسودراز کو شریعت کی پابندی کا بڑا خیال تھا، سیر محمدی کے مؤلف کا بیان ہے کہ اگر کبھی بہ مقتضائے بشریت آپ کے دل میں کسی نامشروع کام کے کرنے کا خطرہ پیدا ہوتا تو غیبی طاقت مانع ہو جاتی[1]، احمد شاہ بہمنی کو بھی حضرت سید گیسودراز کی صحبت میں شریعت کی پابندی کا خیال پیدا ہو گیا تھا، چنانچہ اپنی بادشاہت کے زمانہ میں شریعت کی ترویج پر بڑا زور دیا، برہان مآثر میں ہے:

"ہمگی ہمت والا نہمت بر ترویج شرع سید المرسلین واعلا اعلام اسلام گماشتہ در لوازم احکام شرعیہ واوامر ونواہی دین مبین مصطفویہ مبالغہ واحتیاط بے نہایت فرمودی و بمراسم امر معروف و نہی منکر بنوعی قیام واقدام نمودی کہ در تمام ممالک دکن احدی ارتکاب منہیات بل تخیل آں نتوانستی نمود[2]"

مقبولیت: دکن کے خواص وعوام دونوں حضرت سید گیسودرازؒ کے فیوض و برکات کے سرچشمہ سے سیراب ہوتے رہے اور ان کی اس دیار میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی، تاریخ فرشتہ میں ہے:

"دکن کے باشندے حضرت سید گیسودراز کے بہت زیادہ معتقد تھے، اس حد تک کہ ایک شخص نے ایک دکنی سے پوچھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل ہیں یا سید محمد گیسودراز، اس نے جواب دیا، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ پیغمبر خدا ہیں لیکن مخدوم سید محمد گیسودراز چیزے دیگر ہیں، اس حضرت سید کی ذات سے اہل دکن کے حسن عقیدت اور اخلاص کا قیاس کیا جاتا ہے۔" (ج ۱ ص ۳۲)

اگرچہ نقل کفر کفر نہ باشد لیکن یہ اقتباس اس لیے دیا گیا ہے کہ اس سے حضرت سید گیسودراز کی غیر معمولی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

---

1. سیر محمدی، ص ۳۸-۳۷ 2. برہان مآثر، ص ۴۷۔

Marfat.com

مولانا عبدالحق اخبار الاخیار میں حضرت سید گیسو دراز کے ذکر کے سلسلہ میں رقم طراز ہیں:

''...... بدیار دکن رفت وقبولی عظیم یافت اہل ایں دیار ہمہ منقاد ومطیع او گشتند۔'' (۱۳۲)

خزینۃ الاصفیا میں ہے:

''...... در دیار دکن تشریف برد، وقبولی عظیم یافت واہل آں دیار از خورد وکبار ہمہ مطیع و منقاد وے گشتند، وہزار در ہزار طلبائے صداقت شعار بتوجہ موجہ آں سید نام دار بقرب حق رسیدند، وسلسلہ عالیہ وے در مقام دکن رائج وشائع شد۔'' (ج ۱، ص ۳۸۱)

مرأۃ الاسرار کے مؤلف لکھتے ہیں:

''...... بدیار دکن تشریف بردو در شہر گلبرگہ سکونت اختیار نمود وآنجا قبولیتے عظیم یافت، جمیع اہل آں دیار از خاص وعام مطیع و منقاد او گشتند، چنانکہ تا امروز سلاطین آنجا دختران خود بفرزندان میر سید محمد می دہند۔''

طریقۂ بیعت: حضرت گیسو دراز کے پاس جب کوئی مرید ہونے کے لیے آتا تو اس کے ہاتھ پر اپنا دست مبارک رکھ دیتے اور فرماتے، تم نے اس ضعیف، اس ضعیف کے خواجہ اور اس ضعیف کے خواجہ کے خواجہ اور اسی سلسلہ کے دوسرے مشائخ کے ساتھ عہد کیا کہ اپنی نگاہ اور اپنی زبان کی حفاظت کرو گے اور جادۂ شریعت پر قائم رہو گے، کیا تم نے یہ قبول کیا، مرید عرض کرتا، جی ہاں، میں نے قبول کیا، اس کے بعد ارشاد فرماتے، الحمد للہ، پھر دست مبارک میں قینچی لیتے اور تکبیر کہتے ہوئے داہنی طرف سے کان کے قریب تھوڑے سے بال کاٹ لیتے، اسی طرح بائیں طرف کے چند بال کاٹتے، پھر تکبیر کہتے ہوئے اس کو ایک ٹوپی پہناتے، اس کے بعد مرید کو دو رکعت نماز پڑھنے کے لیے کہتے اور جب نماز پڑھنے کے لیے جاتا تو فرماتے، گر اس شخص نے صدق دل سے توبہ کی ہوگی تو اس کا نام توبہ کرنے والوں کی فہرست میں لکھا جائے گا اور قیامت کے روز توبہ کرنے والوں کے ساتھ اس کو جزا

Marfat.com

ملے گی اور جب مرید دو رکعت نماز پڑھ کر آتا تو اس کو پانچوں وقت کی نماز با جماعت ادا کرنے کی تاکید فرماتے، جمعہ کو غسل اور جمعہ کی نماز کی پابندی کی بھی سختی سے تلقین کرتے، پھر مختلف اوقات کے لیے نمازیں اور اوراد و وظائف بتاتے، ہر مہینہ ایام بیض کے روزے رکھنے کی بھی ہدایت کرتے، ان ہدایتوں کے دینے کے بعد فرماتے کہ جس طرح ایک سپاہی کے لیے کمان، تیغ و سپر وغیرہ ضروری ہے، اسی طرح ایک صوفی کے لیے ان باتوں پر عمل کرنا ضروری ہے، ورنہ پھر اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا[1]۔

اگر کسی عورت کو مرید کرتے تو ایک بڑے پیالہ میں پانی لایا جاتا، اپنی شہادت کی انگلی پیالہ میں ڈالتے، عورت بھی انگشت شہادت پانی میں ڈالتی، اس کے بعد بیعت کرتے، وہ عورت پیالے کے پانی کو پی جاتی، پھر رومال یا دامن اس کے سر پر رکھ دیتے، اگر عورت پردہ والی ہوتی تو اس کے سامنے ایک چادر ڈال دی جاتی، پانی کا پیالہ درمیان میں رکھتے یا اس کے کسی محرم کو وکیل بناتے، وہ بیعت کرا دیتا۔

لڑکے اور مریض کو مرید نہیں کرتے۔

استفتاح اور عرفہ کے دن تمام مرید حاضر ہوتے، ان سے تجدید بیعت کرتے اور پہلی بیعت سے زیادہ عبادت و ریاضت کرنے کے لیے حکم دیتے اور زندگی بسر کرنے کے طریقے بتاتے[2]۔

معمولات: گلبرگہ شریف کے قیام کے زمانہ میں حضرت سید گیسو درازؒ کے معمولات حسب ذیل تھے:

پانچوں وقت کی نماز جماعت کے ساتھ ادا فرماتے، کسی وقت تنہا یا ایک آدمی کے ساتھ نماز ادا نہیں فرمائی، آخر عمر میں جب کھڑے ہونے کی قوت باقی نہیں رہ گئی تھی تو فرض، سنت اور نفل بیٹھے بیٹھے ادا فرماتے، ہر روز ان اوراد کو پڑھتے جو حضرت خواجہ نصیر الدین

---

[1] جوامع الکلم، ص ۳۷-۳۶ [2] سیر محمدی، ص ۴۷-۲۷۔

Marfat.com

چراغ دہلی پڑھا کرتے تھے، مریدوں کو بھی ان کی مداومت کرنے کو ارشاد فرماتے، فجر کی نماز کے بعد ۳۳ آیتیں اور چہل اسم پڑھا کرتے، آخر عمر میں ان کو اپنے ایک صاحب زادے سے بآواز بلند پڑھوا کر سنتے، اشراق کی نماز کے بعد اپنے صاحب زادوں کے ساتھ کھانا تناول فرماتے، جوانی میں ہمیشہ روزے رکھتے تھے لیکن آخر عمر میں صرف ایام بیض کے روزوں پر اکتفا کرلیا تھا، چاشت کی نماز کے بعد درس دیا کرتے، درس زیادہ تر تفسیر، حدیث اور سلوک کا ہوتا، کبھی کبھی علم کلام اور علم فقہ بھی پڑھاتے، درس میں علما اور شاہی حکام کے لڑکے بھی شریک ہوتے، دوپہر کو قیلولہ کرتے اور فرماتے جو صوفی قیلولہ نہیں کرتا ہے وہ رات کو اٹھنے کی نیت نہیں رکھتا ہے، ساری رات چاہتا ہے کہ پڑا سویا رہے، اگر کوئی کتاب یا رسالہ تصنیف فرماتے تو زوال کے بعد کسی سے لکھواتے، ظہر کی نماز کے بعد تلاوت کلام پاک کرتے، تلاوت کے ساتھ مراقبہ بھی کرتے جاتے، آخر عمر میں جب خود تلاوت نہیں کرسکتے تھے تو مولانا بہاء الدین امام سے پڑھوا کر سنتے، تلاوت کے بعد پھر درس ہوتا، عصر کی نماز کے بعد بلا ناغہ دعائے استفتاح پڑھتے، نماز مغرب کے بعد اوابین کی نماز ادا فرماتے، مغرب اور عشا کے درمیان سالکوں کو خاص خاص تعلیم دیتے، پھر عشا کی نماز پڑھ کر مریدوں اور صوفیوں کے ساتھ کھانے میں شریک ہوتے، داہنے طرف رشتہ دار اور بائیں طرف دوسرے لوگ بیٹھتے اور شرکائے دسترخوان کے سامنے سالن اور روٹیاں ہوتے لیکن خود آش کے ایک پیالہ پر اکتفا فرماتے، اس میں سے تھوڑا سا نوش فرما کر جس پر کچھ نظر عنایت ہوتی اس کو مرحمت کردیتے، کھانے کے بعد مریدوں سے تھوڑی دیر گفتگو کرتے، اس کے بعد آرام کرتے، پھر تہجد کے لیے اٹھتے، تہجد کے بعد ذکر و مراقبہ کرتے اور فرماتے کہ ذکر و مراقبہ سے بہت سی چیزیں معلوم ہوتی ہیں، بعض لوگ برسوں روزہ، نماز اور تلاوت میں گزار دیتے ہیں لیکن پھر بھی ان کو کوئی راہ نہیں ملتی اور یہ اس لیے کہ وہ ذکر و مراقبہ نہیں کرتے، تہجد ہی کے وقت اپنے مرشد کے خاص خاص اوراد و وظائف کی بھی مداومت کرتے تھے۔

Marfat.com

جمعہ کے دن غسل فرماتے اور بلا ناغہ جمعہ کی نماز کے لیے جامع مسجد تشریف لے جاتے، مسجد میں پہنچ کر تین سلام کے ساتھ چھ رکعتیں نماز ادا کرتے اور پھر بیٹھ کر مراقبہ فرماتے۔

ہمیشہ نہالچہ پر بیٹھا کرتے تھے، کسی کے لیے تعظیماً کھڑے نہ ہوتے لیکن بادشاہ یعنی سلطان فیروز بہمنی آتا تو کھڑے ہو جاتے اور اس کو مخاطب کر کے فرماتے، تم اولی الامر ہو، اس لیے تمہارے واسطے کھڑا ہو جاتا ہوں، جب بادشاہ آنا چاہتا تو ایک دن پہلے کہلا دیا کرتا، جواب جاتا کہ فلاں دن آؤ، اس کے آنے سے پہلے زیادہ کھانا پکانے کا حکم دیتے اور جب دسترخوان بچھا دیا جاتا تو دسترخوان پر اور لوگ بھی شریک ہوتے، بادشاہ کھانا کھاتا اور کچھ تبرک بھی ساتھ لے جاتا، اس موقع پر دسترخوان پر ہر شخص کے سامنے چار روٹیاں رکھی جاتی تھیں، ایک گہری رکابی میں سالن ہوتا، دو دو آدمی ساتھ کھاتے، ہر شخص کے سامنے آش کا بھی ایک ایک پیالہ ہوتا، کھانے کے درمیان پانی نہیں دیا جاتا، جب لوگ کھا کر فارغ ہو جاتے تو ہر شخص اپنا بچا ہوا حصہ اور آش کا پیالہ اٹھا کر ساتھ لے جاتا[1]۔

سماع: خواجگانِ چشت کی طرح سماع سے غیر معمولی شغف رکھتے تھے، فرماتے:

''فتح کار من بیش تر در تلاوت وسماع بود۔''

راہِ سلوک کے ابتدائی زمانہ میں ایک بار اپنے خاص خاص یارانِ طریقت کے ساتھ ایک ایسی مجلس کرائی جس میں ہر قسم کے مزامیر تھے، تین دن تک یہ مجلس جاری رہی، گو مکان کا دروازہ بند رہتا تھا لیکن اس کے اردگرد لوگ جمع رہتے تھے، مجلس کے بعد اپنے مرشد حضرت چراغ دہلی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا، سید محمد! اس طرح سماع نہ سنا کرو، حضرت گیسودراز کا بیان ہے کہ:

''من از آں وقت باز مزامیر نہ شنیدم۔''

مجلس سماع میں عود بہت جلایا جاتا تھا، اگر رات ہوتی تو بہ کثرت روشنی کی جاتی،

---

[1] سیر محمدی، ص ۷۷-۶۴۔

Marfat.com

دوران سماع میں وجد کی حالت میں کوئی گر پڑتا تو مجلس روک دی جاتی، اکثر فارسی کی غزلیں گائی جاتیں، فرماتے، ہندی کی چیزیں نرم، لوچ دار اور دل کو رقیق کرنے والی ضرور ہوتی ہیں اور اس کا راگ بھی نرم ہوتا ہے اور عاجزی وانکساری کی طرف مائل کرتا ہے، عام طور سے صوفیہ ہندی راگ ہی کو پسند کرتے ہیں لیکن سرود کے ہنر اور موسیقار کے جذبات کا اظہار فارسی ہی میں بہتر طریقہ پر ہوتا ہے، اس میں کچھ اور ہی ذوق اور لذت ملتی ہے[1]۔

سماع کے وقت مریدوں کو غیر معمولی کیفیت کے اظہار سے منع فرماتے لیکن خود بعض اوقات بے حد مضطرب اور بے چین ہو جاتے اور غایت اضطراب میں رقص کرنے لگتے[2]۔

ازدواجی زندگی: چالیس سال کی عمر میں سید احمد بن مولانا جمال الدین مغربی کی صاحب زادی بی بی رضا خاتون حبالۂ عقد میں آئیں، ان کے بطن سے دو صاحب زادے حضرت سید حسین عرف سید محمد اکبر حسینی اور حضرت سید یوسف عرف سید محمد اصغر حسینی اور تین صاحب زادیاں تھیں، دونوں صاحب زادے جید عالم تھے، معقولات ومنقولات کی تعلیم دہلی کے اساتذہ قاضی عبد المقتدر، مولانا خواجگی نحوی، مولانا محمد بغرا اور مولانا نصیر الدین قاسم سے پائی، سید حضرت گیسو درازؒ اپنے بڑے صاحب زادے کے ظاہری وروحانی کمالات سے متاثر تھے، چنانچہ فرماتے، اگر محمد اکبر میرا لڑکا ہوتا تو میں اس کے لیے لوٹے میں پانی بھر کر لاتا۔

حضرت سید محمد اکبر نے بہت سی کتابیں عربی اور فارسی زبان میں لکھیں، مثلاً (۱) معارف، علم نحو پر عربی زبان میں ایک رسالہ ہے، (۲) شرح ملتقط، اس میں اپنے والد بزرگ وار کی تفسیر کلام پاک کی شرح لکھی ہے، (۳) عقیدہ (بزبان فارسی)، (۴) اباحت سماع، (۵) رسالہ اباحت پوشیدن کفش در مسجد (فارسی)، (۶) مقامات صوفیان (عربی) (۷) تصریف مالکی، (۸) شرح سوانح، (۹) رسالہ مسئلۂ فارسی زبان، (۱۰) رسالہ علم صرف، اپنے والد بزرگ وار کے ملفوظات کے دو مجموعے بھی مرتب کیے، جن میں جوامع الکلم زیادہ

---

[1] سیر محمدی، ص ۷۱-۷۰ [2] جوامع الکلم، ص ۱۰۹۔

Marfat.com

مشہور و مقبول ہوا، ۸۱۱ھ میں والد بزرگ وار سے خلافت پائی لیکن سات مہینہ کے بعد ہی رحلت فرما گئے، حضرت سید گیسو دراز ؒ نے محبوب فرزند کی میت کو اپنے ہاتھوں سے غسل دیا، ان کا مزار ایک علاحدہ گنبد میں گلبرگہ شریف میں ہے۔

حضرت سید گیسو دراز ؒ نے اپنے دوسرے صاحب زادے سید یوسف کو بھی خلافت دی تھی اور وہ اپنے والد کے جانشین ہو کر سجادۂ ارشاد پر متمکن ہوئے اور بعد وفات اپنے والد بزرگ وار کے مزار شریف کے پائین میں دفن ہوئے[1]۔

وصال: گلبرگہ شریف میں بائیس سال تک رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا، جب عمر شریف ایک سو چار سال کی ہوئی تو فیوض و برکات کا یہ سرچشمہ بند ہو گیا، وصال ۱۶/ ذیقعدہ ۸۲۵ھ میں اشراق و چاشت کے درمیان ہوا، وفات کے موقع پر ان کے خلیفہ حضرت شیخ ابوالفتح نے فرمایا:

''ایں مصیبت دین است''

''مخدوم دین و دنیا'' سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔

ذکر آچکا ہے کہ سلطان فیروز بہمنی کے جانشین سلطان احمد شاہ بہمنی کو حضرت سید گیسو دراز ؒ سے بڑی عقیدت تھی، اس نے گلبرگہ شریف میں ان کے مزارِ مبارک پر نہایت عالی شان گنبد تعمیر کرایا اور اس کو طلائی نقش و نگار سے آراستہ کیا، دیواروں پر طلائی حروف میں کلام پاک کی آیتیں بھی لکھوائیں۔

رتبۂ بلند: صوفیۂ کرام میں قطب الاقطاب عالم، قامع بیخ کفر و بدعت، مقصود خلقت عالم[2]، معدن عشق، ہمدم وصال، کلید مخازن حضرت ذوالجلال، مست الست، نغمات بے ساز، محبوب حق[3] وغیرہ کے القاب سے یاد کیے جاتے ہیں۔

---

[1] حضرت سید گیسو دراز کی اولاد کی مزید تفصیلات کے لیے دیکھو، سیر محمدی، ص ۱۳۰-۱۱۹ [2] سیر محمدی، دیباچہ [3] مراۃ الاسرار، قلمی نسخہ، دارالمصنفین، ذکر حضرت گیسو دراز ؒ۔

Marfat.com

حضرت سید گیسو درازؒ کے عظیم المرتبت بزرگ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت اشرف جہاں گیر سمنانی جیسے جلیل القدر بزرگ بھی ان کی خدمت میں روحانی استفادہ کے لیے تشریف لائے، وہ ان کی ملاقات کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

''چوں بشرف ملازمت حضرت میر سید محمد گیسو دراز مشرف شدم آں مقدار حقائق و معارف کہ از خدمت وے بحصول پیوست اند، ہیچ مشائخ دیگر نبود، سبحان اللہ چہ جذبۂ قوی داشتہ اند۔''

حضرت سید اشرف جہاں گیرؒ اپنے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''در سیر نخستیں کہ بجانب دیار دکن واقع شد ملازمت حضرت میر سید محمد گیسو دراز کردیم بغایت عالی شان یافتم، وتصنیفات بسیار از آں حضرت سر برزدہ ودر آخر مصنفات حضرت میر است کہ در وحدت وجود مطلق ایمائے نسبت صاحب نصوص کردہ اند ایں فقیر تغیر مزاج کردہ با نواع دلائل عقلی ونقلی نشانِ خاطر آں حضرت نمودہ، اما فرجہ نیاف کہ در تصنیف اصلاح کردہ آید۔''[1]

برہان مآثر کے مؤلف نے حضرت سید گیسو دراز کو ''قدوۃ ارباب حال'' ''سر دفتر اصحاب کمال'' ''قطب سپہر سیادت ومعرفت'' ''مرکز دائرۂ حقیقت وطریقت'' ''شاہبازِ بلند پرواز'' لکھا ہے۔ (ص ۴۴)

مولانا عبدالحق اخبار الاخیار میں حضرت سید گیسو درازؒ کے ذکر میں لکھتے ہیں:

''جامع است میان سیادت وعلم وولایت شانے رفیع ودرجہ منیع وکلام عالی دارد اورا درمیان مشائخ چشت مشربے خاص ودر بیان اسرار حقیقت طریقے مخصوص است۔'' (۱۲۳)

خزینۃ الاصفیا کے مؤلف رقم طراز ہیں:

''از عظمای اولیای حق بیں وکبرائے مشائخ متقدمین وخلیفہ راستین شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ است۔'' (ج ا، ص ۳۸۱)

---

[1] بحوالہ مرآۃ الاسرار ذکر حضرت سید گیسو درازؒ۔

Marfat.com

مرأۃ الاسرار میں ہے:

''مقبول عالم و عالمیان گشت و عالمے از حسن معاملت وے فیض من گردید وصیت کمالاتش از شرق تا غرب فرار رسید۔''

تصنیف: پہلے ذکر آچکا ہے کہ جب حضرت سید گیسو دراز علم باطن کی طرف مائل ہوئے تو علوم ظاہری کو چھوڑ دینے کا ارادہ کیا لیکن ان کے مرشد حضرت چراغ دہلی نے ان کو اس ارادہ سے باز رکھا، مرشد کی جوہر شناس نگاہوں نے یہ اندازہ کرلیا تھا کہ حضرت سید گیسو درازؒ اپنی تصنیف و تالیف کے ذریعہ سے بھی منبع فیوض و برکات بن سکتے ہیں، چنانچہ حضرت سید گیسو درازؒ نے عربی اور فارسی میں چھوٹی بڑی کتابیں بہ کثرت لکھیں، سیر محمدی کے مؤلف نے حسب ذیل تصانیف کے نام لکھے ہیں:

۱-ملتقط: یہ صوفیانہ رنگ میں کلام پاک کی تفسیر ہے۔

۲-تفسیر کلام پاک: یہ تفسیر کشاف کے طرز پر لکھنی شروع کی تھی لیکن صرف پانچ پاروں تک ہی تحریر فرما سکے۔

۳-حواشی کشاف: تفسیر کشاف پر حواشی ہیں۔

۴-شرح مشارق: حدیث کی مشہور کتاب مشارق الانوار کی شرح ہے۔

۵-ترجمۂ مشارق: یہ مشارق الانوار کا فارسی ترجمہ ہے۔

۶-معارف: یہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی مشہور کتاب عوارف المعارف کی شرح ہے، عربی میں لکھی گئی۔

۷-ترجمۂ عوارف: یہ عوارف کی فارسی شرح ہے لیکن ترجمۂ عوارف کے نام سے مشہور ہے۔

۸-شرح تعرف: یہ شیخ ابوبکر محمد بن ابراہیم بخاری کی کتاب تعرف کی شرح ہے۔

۹-شرح آداب المریدین (عربی): یہ حضرت شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب

Marfat.com

عبدالقاہر سہروردی کی مشہور و معروف تصنیف آداب المریدین کی عربی شرح ہے۔

۱۰-شرح آداب المریدین (فارسی): آداب المریدین کی ایک فارسی شرح بھی لکھی تھی، جس کو مولوی سید حافظ عطا حسین نے ایڈٹ کر کے حیدر آباد سے شائع کیا ہے۔

۱۱-شرح فصوص الحکم: یہ شیخ محی الدین بن عربی کی مشہور تصنیف کی شرح ہے۔

۱۲-شرح تمہیدات عین القضاۃ ہمدانی: یہ حضرت ابو المعانی عبد اللہ المعروف بہ عین القضاۃ کی مشہور صوفیانہ تصنیف تمہیدات کی شرح ہے۔

۱۳-ترجمہ رسالہ قشیریہ: یہ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری کے رسالہ کا فارسی ترجمہ ہے۔

۱۴-حظائر القدس: اس کو عشق نامہ بھی کہتے ہیں، اس کا ایک نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانہ میں بھی ہے۔ (دیکھو فہرست مخطوطات فارسی، مرتبہ ڈبلو ایو نیو، ص ۵۸۶)

۱۵-رسالہ استقامۃ الشریعت بطریقۃ الحقیقت: اس میں شریعت، طریقت اور حقیقت کی بحث ہے، اس کا ذکر انڈیا آفس کے فارسی مخطوطات کی فہرست میں بھی ہے۔ (دیکھو ص ۱۰۲۷)

۱۶-ترجمہ رسالہ شیخ محی الدین ابن عربی۔

۱۷-رسالہ سیر النبی ﷺ۔

۱۸-شرح فقہ اکبر: عربی و فارسی دونوں میں ہے۔

۱۹-حواشی قوت القلوب: یہ حضرت طالب محمد بن ابی الحسن بن علی کی مشہور کتاب قوت القلوب پر حواشی ہیں۔

۲۰-اسماء الاسرار: اس کتاب کو جناب مولوی سید عطا حسین صاحب نے حیدر آباد سے شائع کیا ہے، اس کے متعلق خود حضرت سید گیسو دراز تحریر فرماتے ہیں:

''میری کتاب اسماء الاسرار میں باطل کو آگے سے آنے کا موقع ہے نہ پیچھے سے، کوئی

Marfat.com

اس سے اختلاف نہیں کرسکتا، کیوں کہ اس میں توحید کی تجرید اور تفرید کے افراد کے سوا کچھ نہیں۔''

مولانا عبدالحق اپنی کتاب اخبارالاخیار میں رقم طراز ہیں:

''یکے از تصنیفات مشہور میر سید گیسودراز کتاب اسماء است کہ حقائق و معارف بزبان برمزد ایماو الفاظ و اشارات بیان کردہ۔'' (۱۲۷)

اس کے بارہ میں مولوی سید عطا حسین لکھتے ہیں کہ اس کتاب کے متعلق بعض بزرگوں کا خیال بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے کہ فن تصوف وسلوک و معارف میں ہندوستان میں اس سے بہتر اور اعلاتر کوئی کتاب تصنیف نہیں ہوئی، مبتدی، متوسط اور منتہی سب کے لیے مفید ہے، اس میں ذکر ہے، شغل ہے، مراقبہ ہے، مراتب سلوک کا بیان ہے، عشق ہے، توحید ہے، حقائق ہیں، معارف ہیں، غرض سب ہی کچھ ہے۔ (دیباچہ اسماء الاسرار، ص ۲)

۲۱- حدائق الانس: اس میں معرفت کے کچھ اسرار بیان کیے گئے ہیں۔

حسب ذیل کتابوں کے موضوع ان کے نام سے ظاہر ہیں:

(۲۲) ضرب الامثال، (۲۳) شرح قصیدۂ مانی، (۲۴) شرح عقیدہ حافظیہ، (۲۵) عقیدۂ چند ورق، (۲۶) رسالہ در بیان آداب سلوک، (۲۷) رسالہ در بیان اشارات محبان، (۲۸) رسالہ در بیان ذکر، (۲۹) رسالہ بیان رایت ربی فی احسن صورۃ، (۳۰) رسالہ در بیان معرفت، (۳۱) رسالہ در بیان بودوہست و باشد۔

سیر محمدی کے مؤلف نے ان خلافت ناموں کو بھی تصانیف میں شمار کیا ہے جو حضرت سید گیسودرازؒ نے اپنے خلفا کو لکھ کر دیے تھے، ان تحریری خلافت ناموں کی تعداد چار ہے[۱]۔

بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے فارسی مخطوطات میں حضرت گیسودرازؒ کے کچھ رسائل کے یہ بھی نام ہیں، رسالہ در تصوف، شرح بیت امیر خسرو دہلوی، رسالہ اذکار خانوادۂ چشتیہ،

---

۱ سیر محمدی، باب پنجم۔

Marfat.com

وجود العاشقین[1]۔

بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے مخطوطات میں حضرت سید گیسو دراز کی ایک تصنیف خاتمہ کا بھی ذکر ہے، یہ بظاہر تو شروع آداب المریدین کا تکملہ یا ضمیمہ ہے لیکن اب خود ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتی ہے، اس میں حضرت سید گیسو درازؒ نے اپنے زمانہ کے حالات کے مطابق ایک سالک کے عبادات و معاملات کا لائحہ عمل پیش کیا ہے، جو آج بھی ذوق و شوق کے ساتھ پڑھی جا سکتی ہے، اس کو بھی حافظ سید عطا حسین صاحب نے بڑی محنت سے ایڈٹ کر کے ایک پر مغز مقدمہ کے ساتھ حیدر آباد سے شائع کیا ہے۔

مکتوبات: حضرت سید گیسو درازؒ کے مکتوبات کا ایک مجموعہ بھی بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں ہے، جس میں ان کے ۶۱ مکتوبات ہیں، ان کے خلیفہ شیخ ابو الفتح علاء الدین نے اس کو مرتب کیا ہے۔

ملفوظات: تذکروں میں حضرت سید گیسو درازؒ کے ملفوظات کے چار مجموعوں کا ذکر آتا ہے، سیر محمدی میں ہے کہ حضرت سید گیسو درازؒ کے بڑے صاحب زادے حضرت سید محمد اکبر نے دو مجموعے مرتب کیے تھے، ایک دہلی میں اور ایک سفر گجرات میں، اخبار الاخیار میں ہے:

> ''خدمت میر را ملفوظات است مسمّی بجوامع الکلم کہ بعضے از مریدان او کہ نیز محمد نام دارد جمع کردہ۔'' (ص ۱۳۲)

بنگال ایشیاٹک سوسائٹی (ص ۵۸۷) انڈیا آفس (ص ۱۰۲۵) اور برٹش میوزیم (ص ۳۴۷) کے فارسی مخطوطات کی فہرستوں میں جوامع الکلم کے مرتب کا نام محمد اکبر حسینی بتایا گیا ہے، جو فہرست نگاروں کی رائے کے مطابق حضرت گیسو درازؒ کے مرید تھے لیکن جوامع الکلم کا جو مطبوعہ ایڈیشن حیدر آباد سے شائع ہوا ہے، اس میں حافظ محمد حامد صدیقی صاحب نے

---

[1] فہرست مخطوطات فارسی بنگال ایشیاٹک سوسائٹی، ص ۸۵-۵۸۴، وجود العاشقین کا ذکر انڈیا آفس کے فارسی مخطوطات کی فہرست میں بھی ہے، دیکھو ص ۱۰۲۶۔

Marfat.com

مرتب کا نام حضرت گیسو درازؒ کے بڑے صاحب زادے سید حسین المعروف بہ سید محمد اکبر حسینی لکھا ہے، جوامع الکلم کے اس مطبوعہ ایڈیشن کے مقدمہ میں ایک جگہ یہ لکھا ہے:

"مؤلف آں جواہر ثمین ودر خوش آب بندہ بندگان حضرت علیا محمد محمد اکبر حسینی۔" (ص ۵)

بہرحال جوامع الکلم نے بڑی مقبولیت حاصل کی، اس کے متعلق خود حضرت سید گیسو درازؒ نے فرمایا:

"کار ایں ملفوظ بجائے است، از جہت تحقیق وتدقیق گویا کہ گفتار خود را خود می نویسم و ملفوظ خود را خود جمع کنم۔" (جوامع الکلم، ص ٦)

اس میں ۱۸/رجب ۸۰۲ھ سے ۲۳/ربیع الثانی ۸۰۳ھ تک کے ملفوظات ہیں۔

حافظ مولوی سید عطا حسین نے خاتمہ کے دیباچہ (ص ۱۸) میں لکھا ہے کہ حضرت سید گیسو درازؒ کے مرید قاضی علم الدین بہروچی نے بھی گلبرگہ میں ۸۱۱ھ کے بعد ملفوظات کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا۔

دیوان: کبھی کبھی بے ساختہ غزلیں اور رباعیاں بھی کہہ دیتے تھے، ان کی غزلوں اور رباعیوں کو ان کے پوتے سید یداللہ عرف سید قبول اللہ نے ایک دیوان کی شکل میں مرتب کیا تھا[1]۔

تعلیمات: حضرت سید گیسو دراز کی تصنیف اسماء الاسرار اور ان کے ملفوظات جوامع الکلم میں تصوف کے بعض دقائق وغوامض پر مبسوط اور مفصل عالمانہ بحثیں ہیں لیکن ان مباحث کا اجمالی ذکر خواجگانِ چشت اور دوسرے صوفیائے کرام کی تعلیمات کے سلسلہ میں ہو چکا ہے، اس لیے ان کے اعادہ کے بجائے حضرت سید گیسو دراز کی تصنیف خاتمہ سے ان ضوابط وقوانین کو پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں جن کو حضرت سید گیسو درازؒ کے نزدیک سالکوں کی زندگی کا لائحہ

---

[1] حضرت سید گیسو درازؒ نے اپنی تعلیمات کو عام لوگوں کو سمجھانے کے لیے بعض رسالے دکھنی اردو میں بھی تصنیف کیے، ان میں سے ایک رسالہ معراج العاشقین کو بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو نے ۱۳۴۳ھ میں اورنگ آباد سے شائع کیا تھا۔

Marfat.com

عمل ہونا چاہیے، خاتمہ ۱۹۵ صفحوں پر مشتمل ہے اور اس کی ہر سطر لائق مطالعہ ہے لیکن ان اوراق میں ان سب کو نقل کرنے کی گنجائش نہیں ہے، اس لیے صرف اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

وضو: سالکوں کو ہمیشہ باوضو رہنا چاہیے، ہر فرض نماز کے لیے تازہ وضو کرنا بہتر ہے، وضو کے بعد تحیۃ الوضو ادا کریں، بے وضو نہ سوئیں، اگر رات کے وقت بیدار ہو جائیں تو وضو کر لیں اور دوگانہ ادا کریں، وضو کرنے میں کسی سے بات چیت نہ کریں اور اس کا خیال رکھیں کہ ان کا ہر عضو دوسرے سے علاحدہ بھی ہے اور ملا بھی ہے[1]۔

نمازِ فجر: صبح ہونے سے پہلے اگر رات کی تاریکی باقی رہے تو رات کی باقی ماندہ نفلوں کو پورا کر لیں، فجر کی نماز اول وقت ادا کریں، فجر، عشا اور مغرب کی نمازوں میں قرأت لمبی نہ ہو، نماز میں حضورِ قلب مقدم ہے[2]، فجر کی سنت پڑھنے کے وقت سے اشراق کی نماز پڑھنے تک حتی الوسع کسی سے نہ بولیں[3]۔

اشراق: اشراق سے ہلکی سی نیند لے کر آرام کریں تا کہ بیداریٔ شب کی تکان دور ہو جائے اور دوسرے وقت اوراد و وظائف میں گرانی پیدا نہ ہو اور مضمحل نہ رہیں، کچھ آرام کے بعد اشراق کی نماز ادا کریں۔

چاشت: اشراق کے بعد اور چاشت سے پہلے اوراد و وظائف میں مشغول رہیں، تلاوت کلام پاک بھی کریں، تلاوت کے بعد سلوک کی کتابیں پڑھیں، پھر چاشت کی نمازیں اس طرح ادا کریں کہ چار رکعتیں تو اشراق سے متصل پڑھی جائیں، چار چاشت پر وقت گزر جانے کے بعد اور چار چاشت کے زوال پر ادا کر جائیں[4]۔

قیلولہ: زوال کے وقت قیلولہ کریں تا کہ شب بیداری میں سہولت ہو[5]۔

نماز فی زوال: زوال کے وقت دو رکعتیں ادا کر کے اوراد میں مشغول ہوں، اس کے بعد تلاوت یا مراقبہ کریں، مراقبہ بہتر ہے[6]۔

---

[1] خاتمہ، صفحہ ۲، ۳، ۴ [2] ایضاً، ص ۳ [3] ایضاً، ص ۴ [4] ایضاً، ص ۱۳ [5] ایضاً، ص ۶ [6] ایضاً۔

Marfat.com

ظہر، عصر، مغرب: ان میں سے ہر نماز اول وقت ادا کریں، طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب کے بعد مخصوص وظائف پڑھیں[1] عصر کی نماز سے اوابین کے ادا کرنے تک کسی سے نہ بولنا بہتر ہے[2]۔

عشا: مغرب کی نماز کے بعد اور نمازوں کے پڑھنے سے اگر طبیعت میں کچھ گرانی محسوس ہو تو تھوڑی دیر آرام کر لیں، پھر عشا کی نماز پڑھیں، بعض صوفیہ کے نزدیک عشا کی نماز کے لیے آدھی رات مستحب وقت ہے، آرام کے بعد عشا کی نماز پڑھنے میں نشاط پیدا ہوتا ہے اور بقیہ تمام رات نفل پڑھنے، ذکر اور فکر کرنے میں ذوق حاصل ہوتا ہے[3]۔

معمولاتِ شب: رات کو تین حصوں میں تقسیم کریں، پہلے حصہ میں اوراد و وظائف میں مشغول رہیں، دوسرے حصہ میں سوئیں، تیسرے حصہ میں ذکر اور مراقبہ کریں[4]۔

بعض صوفیہ مغرب کے وقت صرف پانی سے روزہ کھول لیتے ہیں، پھر عشا تک نوافل میں مشغول رہتے ہیں، عشا کے بعد کچھ کھاتے ہیں، پھر سو رہتے ہیں[5]۔

سالکوں کی نیند بھی ایک خاص قسم کی ہوتی ہے، وہ سوئیں تو اپنے وجود سے باخبر رہیں اور سوتے وقت یہ سوچیں کہ نیند اللہ تعالیٰ سے متعلق ہے، اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہے اور اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ ہی کی جانب سے ہے، جو نیند اللہ کو بھلا دے وہ قابل مذمت ہے، بعض صوفیہ کو نیند میں ایسی باتیں معلوم ہوتی ہیں جن سے وہ بیداری میں مطلع نہیں ہوتے[6]۔

کم سونے کے لیے کھانے اور پینے میں تقلیل ضروری ہے[7]۔

رات کے آخری حصہ میں اٹھ کر تہجد پڑھیں، تہجد کے بعد اوراد و وظائف اور تلاوت کلام پاک، ذکر اور مراقبہ میں مشغول رہیں لیکن ان سب میں مراقبہ عزیز ترین مشغلہ ہے[8]۔

اگر کوئی سالک شہرت کی خاطر عبادت و ریاضت کرتا ہے تو وہ کافر ہے اور اگر کسی

---

[1] خاتمہ، ص ۶ [2] ایضاً، ص ۱۱۳ [3] ایضاً، ص ۱۸ [4] ایضاً، ص ۵ [5] خاتمہ، ص ۸ [6] ایضاً، ص ۱۰-۱۴
[7] ایضاً، ص ۱۴ [8] ایضاً، ص ۹-۸۔

Marfat.com

شہرت کے ڈر سے عبادت وریاضت کو ترک کرتا ہے تو وہ ریا کار اور منافق ہے[1]

اگر ایک سالک کمالات کے اعلا درجہ پر پہنچ جائے تو بھی وہ اپنے اوراد و وظائف کے معمولات کو ترک نہ کرے[2]

روزے: روزہ ارکانِ تصوف میں ہے، اس لیے صوفی کے لیے روزہ رکھنا ضروری ہے، روزے سے نفس مغلوب رہتا ہے اور اس میں غرور اور عجب پیدا نہیں ہوتا، صوم دوام بہترین قسم کا روزہ ہے، حضرت داوٗد علیہ السلام ایک روز کے وقفہ سے روزے رکھا کرتے تھے کیوں کہ صوم دوام ایک عادت بن جاتی ہے، جس سے پھر کوئی تکلیف نہیں ہوتی ہے، بعض ہفتہ میں تین روز یعنی دوشنبہ، پنج شنبہ اور جمعہ اور بعض صرف دو روز یعنی پنج شنبہ اور جمعہ، بعض مہینہ کے شروع اور آخیر میں، بعض مہینہ کی بیسویں تاریخ اور بعض سال میں تین مہینہ، بعد شوال کے پہلے چھ روز اور بعض ایام بیض یعنی مہینہ کی تیرہویں، چودہویں اور پندرہویں تاریخ میں روزے رکھتے ہیں[3]

طی کے روزے: جب ایک طالب حقیقی پر عشق الٰہی کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ طی کے روزے رکھتا ہے، اس میں وہ افطار کے وقت پانی تو پی لیتا ہے لیکن کبھی متواتر تین دن، کبھی دس دن، کبھی ایک مہینہ، کبھی چھ مہینہ اور کبھی ایک سال تک کچھ نہیں کھاتا[4]

اعتکاف: اعتکاف رمضان کے آخیر عشرہ میں ہوتا ہے لیکن صوفیہ کبھی چالیس دن، کبھی اسّی دن اور کبھی ایک سو بیس دن اعتکاف میں بیٹھتے ہیں، چالیس دن کا اعتکاف شعبان کی آخری دسویں تاریخ اور پورے رمضان پر مشتمل ہوتا ہے، اس کو اربعین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں، اسّی دن کا اعتکاف رجب سے شروع کیا جاتا ہے، اس کو اربعین عیسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں، اسی طرح ایک سو بیس دن کا اعتکاف اور بھی پہلے سے شروع ہوتا ہے، اعتکاف میں ذکر اور مراقبہ برابر کرتے رہنا چاہیے۔

---

[1] خاتمہ، ص ۹-۸ [2] ایضاً، ص ۱۹ [3] ایضاً، ص ۱۵ [4] ایضاً، ص ۹۔

Marfat.com

آدابِ طعام: سالکوں کے لیے تقلیل طعام ضروری ہے اور جب وہ کھائیں تو ہر لقمہ کے ساتھ بسم اللہ کہیں، بلکہ سورۂ فاتحہ پڑھیں[1]، جو چیز کھائیں وہ بالکل حلال ہو، اپنی روزی کو حلال ثابت کرنے کے لیے کوئی تاویل نہ کریں[2]، اگر کسی جگہ دعوت ہو اور اس میں وہ شرکت کریں لیکن کھانے کا ارادہ نہ رکھتے ہوں یا تھوڑا ہی کھانا چاہتے ہوں تو اس کو اپنے بیٹھنے کے انداز سے ظاہر نہ ہونے دیں، اس سے تکبر کا اظہار ہوتا ہے، کھانے کے وقت بائیں پاؤں پر بیٹھیں اور دائیں پاؤں کو اٹھائے رکھیں، یہ مسنون طریقہ ہے، کھانا شروع ہو تو پہلے خود لقمہ نہ اٹھائیں، بڑے لقمے سے پرہیز کریں، لقمے کو تین انگلیوں سے اٹھائیں اور جب تک دوسرے لوگ بھی کھانے سے فارغ نہ ہو جائیں اپنے ہاتھ اور منھ کو حرکت دیتے رہیں، ہاتھ کی انگلیوں اور منھ کو کھانے کی چیزوں سے آلودہ نہ کریں، پہلے روٹی اور گوشت کھائیں، اس کے ساتھ ترشی ملا لیں، پھر میٹھی چیزیں کھائیں، آش ہو تو شروع یا آخر میں پئیں، روٹی کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے دسترخوان پر نہ چھوڑیں، یا تو پوری کھائیں یا آدھی، زیادہ سیر ہو کر کھانے کے بجائے کچھ بھوک باقی رہے تو کھانا چھوڑ دیں، دعوت کے کھانے کی نہ زیادہ تعریف کریں اور نہ برائی بیان کریں، کھانے کے بعد مسلسل پانی نہ پئیں، لوگوں کے سامنے کھانے کے درمیان یا کھانے کے بعد ڈکار نہ لیں مجلس میں خلال نہ کریں۔ (خاتمہ، ص ۵۱-۴۸)

میزبانوں کو اپنے مہمانوں کے سامنے زود ہضم کھانے پیش کرنا چاہئیں لیکن مہمانوں کے سامنے جیسا بھی کھانا آئے، اس کو دیکھ کر خوش ہوں، اگر میزبان صاحب احتیاج ہو تو مہمان اس کی خدمت میں کچھ زر نقد پیش کریں۔ (خاتمہ، ص ۵۲)

آدابِ سماع: مجلس سماع کے لیے ایک علاحدہ مکان ہو، اربابِ دنیا اور امرا کے لڑکے اور بچے اور عورتیں اس میں شریک نہ ہوں، اس میں سالکوں اور مریدوں کو غسل کر کے طاہر اور باوضو ہو کر اور سفید کپڑے پہن کر شریک ہونا چاہیے اور وقار کے ساتھ بیٹھیں اور مراقبہ

---

[1] خاتمہ، ص ۹ [2] ایضاً، ص ۵۲۔

Marfat.com

میں رہیں، گانے والوں پر نظر نہ رکھیں اور نہ ان کی موسیقی پر دھیان دیں، اشعار کی ترکیب کو بھی خیال میں نہ لائیں، نہ ہر لحہ واہ واہ کریں اور نہ آہ آہ، گریہ طاری ہو تو ضبط کریں، زبان سے کچھ کہنا چاہیں تو اس سے پرہیز کریں، اضطراب میں پیاس معلوم ہو تو پانی نہ پئیں، حتی الوسع اپنے اعضا میں جنبش پیدا نہ ہونے دیں۔

مزامیر کے متعلق فرمایا کہ فقہا کے نزدیک یہ حرام ہیں، اس لیے ان سے سختی کے ساتھ احتراز کرنا چاہیے۔ (ص ۴۳)

سماع کو پیشہ نہیں بنانا چاہیے، سماع کے بعد دل کو سماع کے مقصد کی طرف متوجہ کرنا ضروری ہے، اسی کے بعد بہت سے راز معلوم ہوتے ہیں[1]۔ (خاتمہ، ص ۴۸-۲۰)

احترامِ شیخ: ایک مرید جب اپنے پیر کی مجلس میں حاضر ہو تو اس کو اس طرح دیکھے جیسے کوئی اپنے محبوب کو دیکھتا ہو، پیر کے سامنے کسی قسم کی بے ادبی نہ کرے، پشت اس کی طرف نہ ہونے دیں، اس کے روبرو کھڑا ہو تو نظریں اپنے پاؤں پر رکھے، بیٹھا ہو تو دائیں بائیں نہ دیکھے، زور سے نہ بولے اور نہ کسی کو زور سے پکارے، پان نہ کھائے، ہاں اگر پیر کی طرف سے عطا ہو تو کھالے، اگر کھانا کھانے کا اتفاق ہو تو لقمہ چھوٹا اٹھائے اور کھاتے وقت ایک دانہ بھی نیچے نہ گرنے دے، اپنی انگلیوں کو کھانے سے آلودہ نہ کرے۔

ایک مرید دنیاوی کاموں میں اپنے پیر کو اپنی ہی طرح یا اپنے سے بھی کم تر سمجھے لیکن امورِ الٰہی میں اس کو پیغمبروں اور احمد خاتم رسل ﷺ کا قائم مقام سمجھنا چاہیے۔

پیر کی مجلس کو مجلس حق تصور کرنا چاہیے، ایک مرید اپنے پیر کی باتوں کو شریعت کی میزان پر تولے، اگر اس کے مطابق ہوں تو ان پر عمل کرنا ضروری ہے اور اگر کوئی بات بظاہر شرع کے خلاف ہو تو اس پر غور و تامل کرے اور اگر اس میں کوئی خاص عذر یا راز معلوم ہو تو اس پر عمل کرے کیوں کہ پیر بعض ایسے حقائق سے واقف ہوتا ہے جن سے ایک مرید بالکل

[1] حضرت سید گیسودرازؒ نے صوفیہ کرام کے خاص قسم کے رقص کی بھی کچھ تفصیل بتائی ہے۔

Marfat.com

ناواقف ہوتا ہے۔

ایک مرید پیر کے سامنے مراقبہ یا ذکر میں مشغول نہ ہو لیکن کسی حال میں بھی پیر سے غافل نہ رہے، پیر سے غافل رہنا بڑی محرومی ہے، ایک مرید جہاں بھی ہو اس کا دل پیر کے تصور سے خالی نہ ہو، پیر کا نام ہر وقت زبان پر ہو اور رفتار، گفتار، وضع قطع میں اس کا اتباع ضروری ہے، اس کا ایک حکم بجالانے سے مرید ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے، جہاں وہ سو سال کی عبادت سے نہیں پہنچ سکتا ہے، پیر جس کام کا حکم دے، مرید سمجھے کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کی اجازت سے صادر کیا گیا ہے۔

اگر کوئی شخص اپنی گفتگو میں اشارتاً و کنایتاً بھی کسی کے پیر کی اہانت کرتا ہو تو اس سے مرید اس طرح دور رہے جس طرح کہ ایک زاہد شیطان سے دور رہتا ہے۔

اگر پیر کی طرف سے کوئی لباس یا کپڑا ملے تو اس کو بڑے احترام سے رکھے، پیر کے بیٹھنے کی جگہ کا بھی پورا احترام کرے۔

پیر کی زندگی میں کوئی مرید کسی دوسرے پیر کی تلاش نہ کرے، اگر پیر مرید کو نامشروع کاموں کی دعوت دیتا ہو تو مرید ایسے پیر کو چھوڑ دے لیکن اس طرح کہ پیر کو معلوم نہ ہو کہ اس نے بداعتقادی کی وجہ سے علاحدگی اختیار کی ہے[1]۔

احترامِ شریعت: ایک مرید حقیقت و طریقت کو شریعت کا ضد نہ سمجھے، بلکہ ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کا خلاصہ تصور کرے، جس طرح اخروٹ کا مغز اخروٹ کے چھلکے سے بظاہر مختلف معلوم ہوتا ہے، پھر بھی مغز کا جز چھلکے میں اس طرح ملا ہوتا ہے کہ اس سے بھی تیل نکالا جاتا ہے، اسی طرح حقیقت، طریقت اور شریعت تینوں ایک ہی ہیں[2]۔

تزکیۂ اخلاق: جب تک ایک شخص تمام دنیاوی چیزوں سے فارغ نہ ہو جائے، راہِ سلوک

---

[1] خاتمہ، ص ۸۶-۵۶، اسی طرح پیر اور مرید کے تعلقات کے سلسلہ میں اور بھی ہدایات ہیں جن کو ہم اختصار کی خاطر لکھنے سے قاصر ہو رہے ہیں۔ [2] خاتمہ، ص ۸۴۔

Marfat.com

میں گامزن نہ ہو، (ص ۹۶) اور جب وہ کسی کا مرید ہو کر خلوت میں بیٹھے تو اپنے اور دوسروں کے تمام حقوق ادا کرے، اس کے پاس عورتیں اور بیویاں اور کنیزیں زیادہ نہ ہوں، اس میں مطلق ریا اور غصہ نہ ہو، دنیا داروں کی مجلسوں اور محفلوں سے دور رہے، وراثت میں جو مال اور دولت ملنے والی ہو، اس سے بھی باز آئے، اگر کوئی اس کا مال بھی لے لے تو اس کے لیے شور وغوغا نہ کرے، (ص ۱۱۰) وہ کسی دوسرے کے خیر وشر سے واسطہ نہ رکھے، (ص ۱۰۳) اس کے دل میں جتنی ہوس ہو اس کو دور کر دے، اگر دور نہ ہو تو مجاہدہ وریاضت کرتا رہے، (ص ۱۰۴) اس کو ہمیشہ اپنی موت کا منتظر رہنا چاہیے، (ص ۱۱۱) ایسی تفریح سے جو جائز بھی ہو، پرہیز کرے، (ص ۱۱۵) آج کا کام کل پر نہ اٹھا رکھے، (ص ۱۱۶) کسی حال میں اپنے نام کی شہرت نہ دے، (ص ۱۲۱) بازار صرف شدید ضرورت کے وقت جائے، (ص ۱۲۴) فقہا نے طہارت ولطافت کی جو باتیں بتائی ہیں، ان پر عمل کرے، ان سے زیادہ پر عمل کرنا بے کار ہے، (ص ۱۲۴) گرسنگی، تشنگی اور شب بیداری کو دوست رکھے، (ص ۱۲۶) غلاموں اور کنیزوں سے سختی سے پیش نہ آئے، (ص ۱۲۶) لوگوں کی آمد ورفت اپنے یہاں زیادہ نہ ہونے دے، (ص ۱۲۷) امیروں کی صحبت سے گریز کرے، (ص ۱۲۹) اگر کوئی دو وقت مسلسل اس کا کھانا لا کر دے تو تیسرے وقت اس کی صحبت سے احتراز کرے، کیوں کہ فاقہ نفس کی شکستگی کے لیے ضروری ہے (ص ۱۲۵) مصیبت کے وقت مضطر اور مضطرب نہ ہو، کسی حال میں نہ روئے روئے بھی تو اس لیے کہ کہیں منزل مقصود تک پہنچنے سے پہلے اس کو موت نہ آ جائے، (ص ۱۳۶) اپنی درازیٔ عمر کے لیے خداوند تعالیٰ سے دعا کرے تا کہ راہِ سلوک میں اس کو ترقی درجات حاصل ہو، (ص ۱۳۶) سخت ضرورت کے وقت مثلاً مہمان کے آنے یا حقوق ادا کرنے یا صلہ رحمی کے لیے یا غایت گرسنگی کی حالت میں قرض لے سکتا ہے لیکن قرض ادا کرنے کی کوشش میں لگا رہے، (ص ۱۴۳) پند ونصائح کا فرض انجام نہ دے کیوں کہ یہ کام کاملوں کا ہے، سلوک پر کوئی کتاب لکھنے کی بھی کوشش نہ کرے، کیوں کہ یہ کام عارفوں کا ہے، (ص ۱۴۹-۱۴۸) زیادہ تر خاموش رہے۔ (ص ۱۵۱)

Marfat.com

شرکت جہاد: ضرورت کے وقت ایک سالک جہاد میں بھی شرکت کرسکتا ہے لیکن اس نیت سے شریک نہ ہو کہ اس کو درجۂ شہادت ملے گا اور زندہ رہ گیا تو ثواب ملے گا، یہ نیت مستحسن ضرور ہے لیکن ایک سالک کی نیت اس سے ماورا ہونی چاہیے، وہ جہاد میں صرف خداوند تعالیٰ کی خاطر شریک ہو، وہ جہاد میں اپنی تلوار کو سیف اللہ، اپنے کو سہم اللہ اور اپنے سنان کو سنان اللہ سمجھے۔ (ص ۸۷-۱۸۱)

شاہی ملازموں کا اخلاق: اگر کوئی سالک بادشاہ کا ملازم ہے اور اس کو کوئی نامشروع کام کرنے کو کہا جائے تو ایسی ملازمت اس کے لیے حرام ہے، سالک اگر ملازمت میں رہے تو رعایا کے ساتھ معاملات میں اس طرح پیش آئے جیسے وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ پیش آتا ہو، رات کو ذکر وفکر میں مشغول رہے لیکن دن کو مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا کوئی کام نہ چھوڑے، اپنی ملازمت کو اس لیے برقرار رکھے کہ اس کے ذریعہ مسلمانوں خصوصاً کمزوروں اور عاجزوں کو نجات دلا سکے گا، مال و دولت کی ہوس نہ کرے، نامشروع کپڑے مثلاً ریشمی قبا، ریشمی موبند اور کلاہِ زر نہ پہنے، اگر بادشاہ نامشروع کپڑے عطا کرے تو اس کے سامنے پہن لے پھر باہر آکر اتار دے، اگر تیسرے روز بادشاہ کے سامنے ایسے کپڑے پہن کر جانے کی رسم ہو تو پہن لے لیکن فقہا کے نزدیک یہ بھی مرجوح ہے۔ (ص ۱۸۷-۱۸۵)

بادشاہ کا اخلاق: اگر کوئی بادشاہ راہِ سلوک میں گام زن ہو تو وہ سلطان ابراہیم ادہمؒ، معاویہ ثانی اور عبداللہ (ابن زبیر رضی اللہ عنہ) بن سکتا ہے لیکن اگر وہ بادشاہی کے لیے موزوں ہو تو پھر اسی فرض کو انجام دے، سلوک کی طرف مائل نہ ہو اور حکومت میں ایسے متدین اور صالح لوگوں کو عہدہ دار مقرر کرے جو شرعی احکام کو نافذ کرا سکیں اور اس کو باخبر رکھیں کہ احکام شرعی پر عمل ہو رہا ہے، اگر اس کی حکومت میں کوئی مسلمان زکوٰۃ نہ دیتا ہو تو سختی سے وصول کرے اور اگر زکوٰۃ دینے میں حیلہ کرتا ہو تو چند تازیانے بھی لگائے، وہ اس پر نظر رکھے کہ اس کی سلطنت میں کوئی شراب یا دوسری نشہ آور چیزیں نہ پی سکے، اگر کوئی پیتا ہو تو اس کو اسّی

Marfat.com

کوڑے لگائے، فقیروں، کم زوروں، یتیموں اور عاجزوں، لنگڑوں، گونگوں اور بیواؤں کی پوری خبر گیری کرے، ان کو برباد ہونے سے بچالینے سے زیادہ کوئی مشکل کام نہیں۔

بادشاہ اگر راہِ سلوک میں گام زن ہے تو اپنے نفس اور جسم کو اعلائے کلمۃ الدین کے لیے وقف کر دے اور دل کو خداوند تعالیٰ کے جلال و عظمت اور قہر کے تصور میں مشغول رکھے، وہ اپنے کو جتنا ہی زیادہ ذلیل سمجھے گا اتنا ہی زیادہ خداوند تعالیٰ سے قریب تر رہے گا۔[1]

خلفا: حضرت گیسو درازؒ کے بعض خلفا کے اسمائے گرامی یہ ہیں: مولانا علاء الدین گوالیری، (ابتدا میں سلطان محمد تغلق کو پڑھایا کرتے تھے، گوالیر میں فتویٰ نویسی کے عہدہ پر مامور تھے، آخر میں کالپی چلے آئے تھے اور یہیں رحلت فرمائی) شیخ صدر الدین خوندمیر (ان کے والد بزرگ وار اور دادا ایرچہ کے شیخ الاسلام تھے) قاضی اسحٰق محمد (چھتر ہ کے مفتی تھے) قاضی محمد سلیمان، قاضی علیم الدین بن شرف (مزار پاک پٹن میں ہے) حضرت سید محمد اکبر (حضرت سید گیسو درازؒ کے بڑے صاحب زادے) حضرت ابو المعالی بن سید احمد (حضرت سید گیسو درازؒ کے سالے اور خادم تھے، مزار گلبرگہ شریف میں ہے) خواجہ احمد دبیر (سلطان فیروز بہمنی کے دبیر تھے) مولانا ابوالفتح بن مولانا علاء الدین گوالیری (خزینۃ الاصفیا، ج ۲، ص ۳۹۷ میں ہے کہ صاحب تصنیف تھے، ان کی کتابوں کے نام یہ ہیں: عوارف المعارف، تکملہ در نحو و مشاہدہ در تصوف، مزار کالپی میں ہے) حضرت سید یوسف (حضرت سید گیسو درازؒ کے صاحب زادے تھے) حضرت سید ید اللہ (حضرت سید گیسو درازؒ کے پوتے تھے) قاضی راجا (گلبرگہ کے صدر جہاں تھے) شیخ زادہ شہاب الدین، مولانا بہاء الدین دہلوی، (حضرت سید گیسو دراز کی نمازوں کی امامت کرتے تھے) ملک زادہ عز الدین اور ملک شہاب الدین۔[2]

---

[1] خاتمہ، ص ۱۹۰-۱۸۷ [2] ان خلفا کے حالات کی تفصیل کے لیے دیکھو سیر محمدی باب ساتواں۔

Marfat.com

حضرت شیخ احمد عبدالحق صاحب نوشہ ردولویؒ

نام ونسب: احمد نام، عبدالحق لقب، والد کا نام عمر تھا، ان کا سلسلۂ نسب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے، ان کے دادا شیخ داؤد سلطان علاء الدین خلجی (۶۹۶ھ-۷۱۶ھ) کے عہد میں بلخ سے ہندوستان آئے، ابتدا میں کچھ دنوں دلّی میں ان کا قیام رہا۔

ردولی میں سکونت: اس زمانہ میں اسلامی ملکوں سے جو نامور خاندان اور ممتاز شخصیتیں ہندوستان آتی تھیں، ان کے ذریعۂ معاش کے لیے سلاطین کی طرف سے جاگیریں ملتی تھیں اور یہ جاگیریں دیہاتوں میں ہوتی تھیں، اس لیے وہ قصبات اور دیہات میں سکونت اختیار کرتے تھے، چنانچہ آج تک باہر کے آئے ہوئے بیش تر خاندان قصبات ہی میں آباد ہیں، جنہوں نے شہروں میں سکونت اختیار کرلی ہے وہ بھی درحقیقت قصبات ہی کے ہیں، سلطان علاء الدین نے شیخ داؤد کو ردولی میں جاگیر دی تھی، اس لیے انہوں نے وہیں سکونت اختیار کی[1]۔

شیخ داؤد: شیخ داؤد حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی[2] کے مرید اور خلیفہ تھے، ان ہی سے سلوک ومعرفت کی تعلیم حاصل کی تھی لیکن اس کو ہمیشہ مخفی رکھا، ان کی وفات ردولی میں ہوئی، ان کے ایک صاحب زادے عمر تھے، یہ بھی ''بڑے صاحب کمال اور زیورِ صلاح وتقویٰ

---

[1] مرأة الاسرار شیخ عبدالرحمٰن چشتی، نسخہ قلمی دار المصنفین [2] آپ کا وطن اجودھیا یا اس کے نواح میں تھا، اس لیے آپ کو اودھی بھی کہتے ہیں۔

Marfat.com

سے آراستہ تھے،'' ان کی وفات بھی ردولی میں ہوئی، ان کے دو صاحب زادے تھے، شیخ تقی الدین اور شیخ احمد، تقی الدین نے ردولی میں سکونت ترک کر کے دہلی میں قیام اختیار فرمایا تھا اور شیخ احمد ردولی میں رہے[1]۔

بچپن اور تعلیم: حضرت شیخ احمد عبدالحق کے دادا اور والد دونوں شیخ وقت تھے، اس وراثت کا اثر ان میں بچپن ہی سے نمایاں تھا، چنانچہ جب ان کی عمر سات برس کی تھی ان کی والدۂ محترمہ تہجد کے لیے اٹھتیں تو شیخ احمد بھی چپکے سے اٹھ کر کہ ماں کو خبر نہ ہونے پائے، گھر کے کسی گوشہ میں نماز میں مشغول ہو جاتے، والدہ نماز ختم کرنے کے بعد جب شیخ احمد کو خواب گاہ میں نہ پاتیں اور تلاش کرتیں تو وہ کسی حجرہ میں نماز میں مشغول ملتے، والدہ ہر چند منع کرتیں اور فرماتیں کہ تمہارے باپ اور دادا بھی شیخ تھے لیکن تمہارے جیسے نہیں، تم پر تو ابھی فرض نمازیں بھی فرض نہیں ہیں، نفل کے لیے اپنی جان کیوں کھپاتے ہو لیکن وہ باز نہ آتے، ایک دن والدہ کی سرزنش سے تنگ آ کر فرمایا، یہ ماں نہیں بلکہ راہ زن ہے، اپنا کام تو کرتی ہے اور مجھ کو خدا کے کام سے روکتی ہے[2]، کچھ دنوں کے بعد والدۂ محترمہ نے شیخ احمد کو تعلیم کے لیے ان کے بڑے بھائی شیخ تقی الدین کے پاس دہلی بھیج دیا لیکن بچپن ہی سے ان پر جذب کی کیفیت طاری تھی اور ان کو دوسرے ہی علم کی طلب تھی، اس لیے تحصیل علم کی طرف طبیعت راغب نہ ہوتی تھی، شیخ تقی الدین جب ان کو پڑھانے کی کوشش کرتے تو کہتے کہ مجھ کو باری تعالیٰ کا علم پڑھاؤ، آخر میں تنگ آ کر شیخ تقی الدین دہلی کے بعض اساتذہ کے پاس لے گئے اور فرمایا، یہ لڑکا مجھ کو بہت پریشان کرتا ہے، پڑھانے سے نہیں پڑھتا، آپ لوگ پڑھانے کی کوشش کیجیے، شاید آپ ہی لوگوں سے پڑھے، ان اساتذہ نے میزان الصرف پڑھانا شروع کی، جب ضرب یضرب کی گردان تک پہنچے اور ضرب کے معنی بتائے کہ اس نے مارا یا ایک مرد نے مارا تو

---

[1] مرآۃ الاسرار قلمی وضمیمہ انوار العیون فی اسرار المکنون حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی، ص ۹۰ [2] ترجمہ اردو انوار العیون فی اسرار المکنون، ص ۸، مطبوعہ معارف پریس، اعظم گڑھ۔

Marfat.com

شیخ احمد بولے، خدا کی راہ میں مارا جانا تو بڑا اعزاز ہے، انتقام کے لیے نہیں ہے، مجھ کو اس علم کی ضرورت نہیں، مجھ کو ایسا علم سکھایئے جس سے خدا کی معرفت حاصل ہو، اس کے سوا دوسرا علم پڑھنا میں پسند نہیں کرتا، یہ رنگ دیکھ کر انہوں نے شیخ تقی الدین سے کہا، بابا! اس بچہ کے خیال میں نہ پڑو، یہ تو حضرت اللہ سے تلمذ حاصل کر چکا ہے۔

ایک دوسری روایت یہ ہے کہ دہلی آنے کے بعد شیخ احمد اپنی بھابھی شیخ تقی الدین کی بیوی سے برابر شکایت کرتے کہ بھائی صاحب مجھ کو پڑھاتے نہیں، آپ ان سے کہہ دیجیے، شیخ تقی الدین کی بیوی شوہر سے کہتیں، میاں احمد کو پڑھاتے کیوں نہیں، وہ تمہارا چھوٹا بھائی ہے، تم نہ پڑھاؤ گے تو کون پڑھائے گا، شیخ تقی الدین کو شیخ احمد کا تجربہ ہو چکا تھا، اس لیے جواب دیتے کہ میں کس کو پڑھاؤں، وہ اپنے مولیٰ کی طلب میں مدہوش ہیں، ان کو کسی چیز کی خبر ہی نہیں ہوتی، میں تم کو اس کا مشاہدہ کرائے دیتا ہوں اور شیخ احمد کو بلا کر اپنی چاندی کی مہر رکھنے کے لیے دی، انہوں نے اس کو صحن میں گاڑ دیا، تھوڑی دیر کے بعد شیخ تقی الدین نے مہر مانگی، شیخ احمد نے بھاوج سے کہا، بھائی صاحب مجھ کو خوامخواہ پریشان کرتے ہیں، انہوں نے مجھے مہر کب دی تھی، شیخ تقی الدین نے فرمایا، میں نے مہر دی تھی، تم نے اس کو صحن میں گاڑ دیا ہے، شیخ احمد نے کہا، مجھ کو کچھ خبر نہیں، اگر میں نے گاڑا ہے تو آپ نکال لیجیے، شیخ تقی الدین نے مہر کھود کر نکال دی اور یہ واقعہ مشاہدہ کرانے کے بعد بیوی سے کہا، یہ بھلا مجھ سے پڑھ سکتے ہیں، یہ ایسے علم میں مستغرق ہیں کہ ان کو ہمارے علم کی پرواہ نہیں[1]۔

مگر اس سے یہ قیاس کرنا صحیح نہیں ہے کہ شیخ احمد رسمی علوم سے بیگانہ تھے، آگے چل کر معلوم ہوگا کہ وہ مروجہ علوم سے واقف تھے اور کلام مجید کی آیات اور عربی کے مقولے برمحل استعمال کرتے تھے، ہندی اور فارسی کے اشعار پڑھتے تھے، بعض اشعار میں احمد تخلص ہے، اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ فارسی میں شعر بھی کہتے تھے، اس کی مثالیں آگے آئیں گی

[1] یہ دونوں روایتیں انوار العیون میں ہیں، ص ۹-۱۱۔

Marfat.com

لیکن ان کا اصلی ذوق علم باطن کا تھا اور اس کا ان پر اس قدر غلبہ تھا کہ اس کے مقابلہ میں رسمی علوم کا نقش بالکل مدھم پڑ گیا تھا۔

شادی سے انکار: سن شعور کو پہنچے تو شیخ تقی الدین کو ان کی شادی کی فکر ہوئی اور ایک جگہ شادی کا پیام دیا، شیخ تقی احمد کو خبر ہوئی تو لڑکی والوں سے جا کر کہا کہ میں نامرد ہوں، میرے ساتھ شادی نہ کرنا، اس لیے نسبت[1] نہ ہو سکی لیکن بعد میں یہ نسبت نبویؐ پوری کی اور متعدد اولادیں بھی ہوئیں، جس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

پیر کی تلاش اور مخدوم جلال الدین کبیر الاولیا کے آستانہ پر حاضری: شیخ احمد پر بچپن ہی سے سوزِ باطن اور معرفت حق کا غلبہ تھا اور اس کی تلاش میں سارے ملک کی خاک چھانتے پھرتے تھے، مگر گوہر مقصود ہاتھ نہ آتا تھا، اس تلاش و جستجو نے حضرت مخدوم جلال الدین کبیر الاولیا کے آستانہ پر پانی پت پہنچا دیا، وہ کشف باطنی سے شیخ احمد کے انتظار ہی میں تھے، دیکھتے ہی زبانِ حال سے فرمایا، آمد آں یارے کہ ما می خواستیم اور بڑی پذیرائی فرمائی، اسی وقت اپنی کلاہ اتار کر شیخ احمد کے سر پر رکھ دی اور فرمایا، یہ حکم خدا سے ہوا ہے اور انتہائی لطف و کرم کا اظہار فرمایا، خاص اہتمام سے کھانا تیار کرایا اور دسترخوان پر سیخ کے کباب کے ساتھ امتحاناً بعض ممنوعہ چیزیں بھی رکھوا دیں، شیخ احمد نے ان کو دیکھتے ہی کھانے سے انکار کر دیا اور فرمایا، یہ کیسا شیخ ہے، جس کا جائز اور ناجائز میں امتیاز نہیں اور اسی وقت کلاہ واپس کر کے پانی پت سے چل کھڑے ہوئے، چلتے چلتے ایک جنگل میں پہنچے، جس سے نکلنے کا راستہ نہ ملتا تھا، اس کو دیکھنے کے لیے ایک درخت پر چڑھ گئے، دور سے دو آدمی آتے ہوئے دکھائی دیے، وہ درخت سے نیچے اتر کر ان کی سمت چلے، وہ خود ان کی طرف آرہے تھے، قریب پہنچ کر ان سے راستہ پوچھا، انہوں نے جواب دیا، راستہ تو تم نے شیخ جلال الدین کے آستانہ پر گم کر دیا، شیخ احمد نے تین مرتبہ راستہ پوچھا، تینوں مرتبہ یہی جواب ملا، اس وقت ان کو یقین ہو گیا کہ دونوں آدمی من

---

[1] انوار العیون، ص ۱۱۔

Marfat.com

جانب اللہ رہ نمائی کے لیے آئے ہیں اور ان کا مقصود مخدوم جلال الدین کبیر الاولیاؒ کے آستانہ ہی پر حاصل ہوگا، اس لیے وہ پانی پت لوٹ گئے۔

حضرت مخدوم پہلے سے انتظار میں تھے، شیخ احمد ان کو دیکھتے ہی ان کے قدموں پر گر پڑے، انہوں نے سینہ سے لگالیا اور اس مرتبہ پہلے سے بھی زیادہ تعظیم و تکریم اور لطف و کرم کا اظہار فرمایا، ظاہر اور باطن دونوں نعمتوں سے نوازا اور عبد الحق کے لقب سے ملقب کیا اور خادم کو حکم دیا کہ کھانے کی مختلف قسمیں تیار کی جائیں اور جو ممنوعہ چیزیں غذا کے طور پر استعمال کی جاتی ہیں وہ بھی دستر خوان پر رکھی جائیں، دستر خوان پر شیخ احمد کو اپنے سامنے بٹھایا، پہلے کندوری لائی گئی، پھر ایک ایک کر کے سب کھانے چنے گئے، ان میں بعض ممنوعہ چیزیں بھی تھیں[1] حضرت مخدوم نے فرمایا، عبد الحق، جس برتن کو حضرت احدیت سے جدا جانتے ہو، اس کو ہاتھ نہ لگاؤ، یہ سن کر ان پر وحدتِ حق کی کیفیت طاری ہوگئی اور بے خود ہو کر عالم تحیر میں پہنچ گئے اور زار زار رونے لگے، اسی حالت میں کچھ دنوں تک پیر کی خانقاہ میں جوئے خون بہاتے رہے اور خدا کے سوا ہر چیز سے بیزار ہوگئے، ایک دن مرشد نے ان کے پاس تنہائی میں آکر انتہائی لطف و شفقت سے فرمایا، عبد الحق، ہوش میں آؤ، کوئی چیز پسند کرو، کسی خواہش کا اظہار کرو لیکن ان کے دل میں عشق الٰہی کی آگ ایسی سوزاں تھی کہ اس نے ماسوا کو جلا کر خاک کر دیا تھا، ان کو دنیا کی کوئی چیز پسند نہ آتی تھی، عرض کیا کہ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا کہ میں کیا کھاتا ہوں، کہاں سے کھاتا ہوں، کہاں جاؤں، کدھر کا رخ کروں، کس چیز سے پرہیز کروں پاک و ناپاک میں کیسے امتیاز کروں، مرشد نے زیادہ اصرار کیا تو عرض کیا، اگر خودرو سانویں کی روٹیاں مل جائیں تو غلام کھائے، مرشد نے سانواں منگوایا اور اس کے چاولوں کی پاک و صاف روٹیاں پکوا کر کھلائیں اور فرمایا، تمہارا خدا پاک ہے اور پاک کو پاک ہی پہچانتا

---

[1] ممنوعہ چیزوں میں غالباً گائے کی اوجھڑی تھی، جس کا کھانا فقہا نے مکروہ لکھا ہے، مخدوم صاحب کے عرس کے موقع پر آپ کا خاص فاتحہ گائے کی اوجھڑی پر ہوتا ہے، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ ممنوعہ چیز گائے کی اوجھڑی رہی ہوگی۔

Marfat.com

اور پاک کو پاک ہی پہچانتا ہے اور پاک کو ناپاک چیزوں سے پاک رکھتا ہے، تم قلب کی پاکیزگی کے ساتھ حضرت پاک کی طرف متوجہ اور اس پر متوکل رہو، اس وقت تم پر یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ دونوں جہاں میں ذات پاک حق کے سوا کچھ نہیں ہے، ان کلمات سے ان کی تسکین ہو گئی[1]۔

صاحب سیرۃ الاولیا کے بیان میں بعض اور تفصیلات بھی ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ مخدوم جلال الدین کبیر الاولیاؒ نے امتحاناً دستر خوان پر ممنوعہ چیزیں رکھنے کے ساتھ یہ بھی حکم دیا کہ خانقاہ کے دروازہ پر باز جرے اور زریں زین ولگام سے آراستہ گھوڑے بھی کھڑے کر دیے جائیں، شیخ احمد عبدالحق جب پہنچے تو خانقاہ کے دروازے پر یہ رئیسانہ ٹھاٹھ دیکھے، اندر گئے تو دستر خوان پر ممنوعہ چیزیں نظر آئیں، اس کو دیکھ کر آپ کی طبیعت مکدر ہو گئی اور آپ الٹے پاؤں واپس گئے[2]۔

بیعت سلوک کی تربیت اور خلافت: اشارہ غیب سے دوبارہ پانی پت واپسی کے بعد مخدوم جلال الدین کبیر الاولیاؒ نے اپنی چہار ترکی کلاہ اپنے سر سے اتار کر اپنے مرشد حضرت شیخ شمس الدین ترک کے مزار اقدس سے مس کر کے شیخ عبدالحق کے سر پر رکھ دی اور کھانے پر وہی باتیں ارشاد فرمائیں جن کا ذکر انوار العیون میں ہے، اس سے شیخ احمد عبدالحق کے تمام وساوس دور ہو گئے، ان کو پوری تسکین ہو گئی، ان کا قلب انوارِ باطن سے متجلی ہو گیا اور اپنے کو بے چون و چرا مرشد کے حوالہ کر دیا اور ان کی خانقاہ میں ریاضات و مجاہدات میں مشغول ہو گئے اور ان کی تربیت میں مراحل سلوک کی تکمیل کے بعد مخدوم جلال الدین کبیر الاولیاؒ نے خلعت خلافت سے بھی سرفراز فرمایا اور عبدالحق کے خطاب سے نوازا، ان کے لیے بڑی دعائیں کیں اور فرمایا کہ میں نے خدائے عز و جل سے دعا کی ہے کہ میرا سلسلہ تم سے جاری ہو، تم سارے عالم کو نورِ معرفت سے منور کرو، اس کا اثر قیامت تک باقی رہے اور اس کا غلغلہ کبھی کم نہ ہو[3]۔

---

[1] پوری تفصیل انوار العیون سے ماخوذ ہے، ص ۱۲ تا ۱۵ [2] سیر الاقطاب، ص ۱۱۶ [3] ایضاً۔

Marfat.com

صاحب سیر الاقطاب کا بیان ہے کہ خلافت سے بیزاری کے بعد شیخ احمد اپنے وطن لوٹ گئے[1]، یہاں ایک بزرگ شیخ صلاح کا مزار تھا، جواب بھی ہے، اس لیے صوفیہ کے اصول کے مطابق حضرت مخدوم نے ان کی روح سے ردولی میں قیام کی اجازت مانگی اور درخواست کی کہ اگر ایک مصلیٰ اور ایک سبوچہ مل جائے تو یہاں قیام کریں، جواب ملا کہ کھنڈو کے تالاب (موجودہ تالاب منڈھا) سے مصلیٰ اور سبوچہ لے لو، شیخ احمد نے تالاب میں ہاتھ ڈالا تو ایک سبوچہ اور ایک جھلنگا ملا، یہ دونوں چیزیں لے کر اپنے آبائی مکان میں فروکش ہوئے[2]۔

سنام میں قیام: لیکن مرأۃ الاسرار کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت عطا کرنے کے بعد حضرت جلال الدین کبیر الاولیاؒ نے حضرت مخدوم کو اپنے پیرانِ عظام کے طریقہ کے مطابق مزید مجاہدات کے لیے سنام جانے کا حکم دیا، جس طرح حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے حضرت فرید الدین گنج شکر کو ہانسی جانے کا حکم دیا تھا، اس لیے حضرت مخدوم پانی پت سے سنام تشریف لے گئے اور ہمہ تن ریاضات ومجاہدات میں مشغول ہو گئے[3]، سنام جانے کا ذکر انوار العیون میں بھی ہے لیکن اس کی تصریح نہیں ہے کہ مرشد کے حکم سے تشریف لے گئے تھے اور زمانہ کی تعیین بھی نہیں ہے۔

سنام میں ایک ولیہ بی بی فاطمہ کے گھر میں قیام فرمایا، ان کے کئی لڑکے تھے، یہ بی بی حضرت مخدوم سے اپنے لڑکوں کی طرح محبت کرتی تھیں، وہ بھی ان سے بہت مانوس تھے، فرماتے تھے کہ فقیر قیام لیل میں کبھی ان بی بی پر سبقت نہ کرسکا، جب فقیر اس کے لیے اٹھتا اور اس کا خیال رکھتا کہ میرے اٹھنے سے بی بی صاحبہ کو زحمت نہ ہو تو ان کو یادِ خدا میں مشغول پاتا، وہ غایت لطف ومحبت سے ہندی زبان میں فرماتیں ''بیٹا احمد! گرم پانی موجود ہے، ٹھنڈے پانی سے وضو کرنے کی ضرورت نہیں[4]''

---

[1] سیر الاقطاب، ص ۱۲۶ [2] انوار العیون، ص ۳۱ [3] مرأۃ الاسرار قلمی [4] انوار العیون، ص ۱۵۔

Marfat.com

ایک خواب اور اس کی تعبیر: سنام کے قیام کے زمانہ میں حضرت مخدوم اور بی بی فاطمہ نے خواب دیکھا کہ لوگ ایک بڑے تالاب سے بے شمار مچھلیاں مار رہے ہیں، اس کی تعبیر انہوں نے یہ دی کہ سنام اور دہلی میں تباہی آئے گی، اس خواب کے چند ہی دنوں کے بعد ۸۰۱ھ میں تیمور کا حملہ ہوا اور قتل و غارت گری کا بازار گرم ہو گیا، حضرت مخدوم نے لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ کا نعرہ لگایا اور سنام سے پانی پت روانہ ہو گئے، یہاں پہنچ کر دیکھا کہ حضرت مخدوم جلال الدین کبیر الاولیأ کے خدام رخت سفر باندھ رہے تھے اور کسی پہاڑی علاقہ کی طرف جانے کی تیاری تھی، پیرو مرشد نے چاولوں کا ایک طباق محبوب مرید کو دیا اور فرمایا، بابا احمد! خدا کا قہر نازل ہوا ہے، کسی طرف نکل جاؤ، تم کو خدا کے سپرد کیا، چنانچہ آپ پانی پت سے بدایوں روانہ ہو گئے[1]۔

لیکن مرأۃ الاسرار کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ بھکر تشریف لے گئے[2]، یہاں ایک مسجد میں قیام فرمایا، جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے تھے اور جو نذر و نیاز میں مل جاتا اس سے کھانا پکا کر واردین و صادرین کو کھلاتے اور رات دن عبادت میں مشغول رہتے[3]۔

سوزِ عشق میں سیاحت: حضرت مخدوم پر سوزِ عشق اور ذوق و طلب کا اتنا غلبہ تھا کہ کہیں ان کی پیاس نہ بجھتی تھی، حضرت شیخ عبدالقدوس لکھتے ہیں کہ اگرچہ حضرت شیخ العالم اپنے پیر دست گیر شیخ المشائخ جلال الحق والدین کی بدولت وحدت کے دریا نوش کر چکے تھے لیکن باطن کی تشنگی نہ بجھتی تھی، ہر دم ھل من مزید کی صدا لگاتے تھے، ہر چند وہ مقام کبریٰ پر فائز ہو کر سب کو عبور کر چکے تھے لیکن جس چیز کی طلب تھی اس کے حدود و مراحل میں امتیاز نہ ہوتا تھا، اس لیے شور انگیز دم بھرتے اور فرماتے، احمد ذات حقیقی کی طلب میں پچاس سال عالم گردی کرتے رہے، مگر اب تک مقصود حاصل نہ ہوا اور دنیا میں کوئی ایسا نہ ملا جو مقصود حقیقی

---

[1] انوار العیون، ص ۱۶-۱۷ [2] مرأۃ الاسرار قلمی نسخہ، مقام کا نام صحیح نہیں پڑھا جاتا، بظاہر بھکر معلوم ہوتا ہے، انوار العیون کے بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ [3] انوار العیون، ص ۲۰۔

Marfat.com

کا پتہ دیتا، اے احمد! عمر کے پچاس سال ضائع ہوگئے، نہ اپنی ذات کو آرام ملا نہ مقصود ہی حاصل ہوا[1]:

از نکتہ مقصود نشد فہم حدیثے لا دین و لا دنیا بے کار بماندیم

اسی ذوق وطلب میں پورے ہندوستان کی سیاحت کی اور مختلف مقامات کے علما و مشائخ سے ملے، ان کی سیاحت کا دائرہ سندھ و پنجاب سے لے کر بنگال تک وسیع تھا، بنگال میں پنڈوہ تشریف لے گئے اور یہاں کے مشہور بزرگ حضرت شیخ نورالدینؒ ملے، چلتے وقت اس خیال سے کہ بزرگوں کے پاس خالی ہاتھ نہ جانا چاہیے تحفہ میں سرسبز گھاس لیتے گئے تھے، اس کو حضرت نورالدین کی خدمت میں پیش کر کے فرمایا، بابا! صفا ہے، شیخ نورالدینؒ نے جواب دیا، بابا! عزت ہے، تھوڑی دیر دونوں بزرگ ایک دوسرے کو خاموشی سے دیکھتے رہے مگر کوئی گفتگو نہیں ہوئی، اس روحانی ملاقات کے بعد حضرت مخدوم واپس ہوگئے[2]۔

پنڈوہ کے قیام کے دوران میں یہاں کے بعض مشہور علما سے بھی ملے، اس کا ذکر انوارالعیون میں ہے، پنڈوہ سے واپسی میں بہار آئے، یہاں دو مجذوبوں سے ملاقات ہوئی، انہوں نے حضرت مخدوم کو گلے لگایا اور اپنی زبان میں ایسے اشارات کیے جس سے شیخ کو بڑی تسکین ہوئی اور ان کو حصولِ مقصد کی امید بندھی، بہار سے اجودھیا تشریف لائے، یہاں ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ زندہ لوگوں سے تو حقیقی معبود کی خبر نہیں ملی، شاید مردوں سے اس کا پتہ چلے، چنانچہ کچھ دنوں تک بزرگوں کے مزارات، عام قبرستانوں، آبادیوں اور ویرانوں میں مضطرب و بے قرار پھرتے رہے، اسی دوران میں خیال آیا کہ کچھ دن قبر میں گزارنا چاہیے، چنانچہ ایک قبر کھود کر اس میں چھ مہینہ کا چلہ کیا، یہاں جو احوال و کوائف دل پر گزرے ان سے ان کی شورش فرو اور ان کے قلب کو پوری سکینت حاصل ہوگئی[3]۔

---

[1] انوارالعیون، ص ۲۱ [2] ایضاً، ص ۲۰ [3] انوارالعیون میں ان واقعات کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے، ہم نے اس کا خلاصہ نقل کیا ہے، ص ۲۱-۲۲، اجودھیا میں ان کی چلہ گاہ مدتوں محفوظ رہی، اب غالباً اس کا کوئی نشان باقی نہیں ہے۔

Marfat.com

ارشاد و ہدایات اور طریقۂ تربیت: ان مراحل سے گزرنے کے بعد مسند ارشاد و ہدایات پر متمکن ہوئے، راہِ سلوک میں اصل چیز فنا اور اپنے کو مٹانا ہے، اس لیے حضرت مخدوم سب سے پہلے طالبین کے نفس کی اصلاح فرماتے تھے اور ان سے خانقاہ میں پانی بھرنے، لکڑیاں چیرنے، جاروب کشی کرنے اور اس قسم کی دوسری خدمت لیتے تھے[1]، جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ مدتوں تک یہ خدمت انجام دیتے رہے۔

ان کے خادم خاص میاں مخلص نے جب پہلی مرتبہ بیعت کی درخواست کی تو آپ نے ایک گڑھا کھودا، اس میں پانی بھرا اور ایک کنکری ڈال کر میاں مخلص سے فرمایا، اس کو نکالو، انہوں نے ہاتھ ڈال کر کنکری نکال دی، پھر انہوں نے تھوڑی سی مٹی پانی میں ڈال کر فرمایا، اس کو نکالو، وہ پانی میں مل چکی تھی، اس لیے کچھ نہ ملا، اس تمثیلی مشاہدہ کے بعد فرمایا، اگر معبود کی درگاہ میں مقصود تک پہنچنا چاہتے ہو تو اسی مٹی کی طرح اپنا نام و نشان گم کر کے اپنی ہستی کو ذات الٰہی میں فنا کردو، اس وقت میری خانقاہ میں رہنے کی اجازت ہے، ورنہ یہاں سے چلے جاؤ، للحرب رجال وللقصعہ رجال نبرد آزما مرد ہوتے ہیں اور پیالہ چاٹنے والے اور لیکن مخلص اپنے مقصد میں مخلص تھے، انہوں نے ان کے فرمان پر پورا عمل کیا اور ان کے محبوب مریدوں اور ولیوں میں ان کا شمار ہوا[2]۔

ایک مرتبہ ایک امیر تاتار خاں کے ملازم میاں سالار نے، جو خود بھی ایک معزز آدمی تھے، حضرت مخدوم سے بیعت کی درخواست کی، اس وقت ان کے مرید خانقاہ کے لیے گارا بنا رہے تھے اور میاں سالار بڑے پر تکلف لباس میں تھے، پاؤں میں زرتار موزہ تھا، حضرت مخدوم نے فرمایا، تم بھی گارا بناؤ، میاں سالار بے تکلف اسی لباس میں گارے میں گھس گئے، اس امتحان کے بعد ان کو مرید کیا[3]۔

---

۱ انوار العیون، ص ۶۷ و مرأۃ الاسرار نسخہ قلمی، حالات مخدوم احمد عبدالحق ۲ انوار العیون، ص ۵۶-۵۷

۳ ایضاً ص ۷۱۔

Marfat.com

جو شخص امتحان میں پورا نہ اترتا اس کو مرید نہ فرماتے، ایک مرتبہ ایک امیر فضیل غوری آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور زرتار موزہ پیش کر کے مرید ہونے کی درخواست کی، آپ کو اس کی طلب میں شبہ تھا، اس لیے فرمایا، تیری گردن موٹی ہے اور فقیر کی رسی تنگ ہے، اس میں نہ آئے گی، اس نے دوبارہ عرض کیا، فرمایا، اچھا گھڑا لے کر حوض سے پانی بھر لاؤ، اس نے گھڑا اٹھا لیا لیکن باہر جا کر دوسرے شخص سے پانی بھروایا اور خود سر پر لے کر آیا، انہوں نے فرمایا، میں نے کہا نہ تھا کہ تیری گردن موٹی ہے اور فقیر کی رسی تنگ ہے، اس میں نہ آئے گی اور مرید نہیں فرمایا[1]۔

ان کی خانقاہ میں یہ روایت ان کے بعد بھی قائم رہی، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ اگرچہ حضرت مخدوم کے پوتے شیخ محمد کے مرید تھے لیکن روحانی تربیت تمام تر حضرت مخدوم کی روحانیت سے پائی تھی، جس کا ذکر آئندہ آئے گا، وہ جس زمانہ میں ان کی خانقاہ میں مجاہدات میں مشغول تھے، خانقاہ میں جھاڑو دیتے، لکڑی چیرتے، پانی بھرتے، گل کاری کرتے تھے[2]۔

جس مرید میں مشیخت کی بو پیدا ہو جاتی، اس کی بیعت فسخ کر کے اپنے مریدوں سے خارج کر دیتے، ایک مرید شیخ بودھی اودھی کو خلافت عطا کی، خلافت ملنے کے بعد انہوں نے اپنی دکان الگ لگا لی اور ایک خانقاہ قائم کر کے مرید کرنا شروع کر دیا اور اس کی شیرینی لا کر حضرت مخدوم کی خدمت میں پیش کی، وہ بہت برہم ہوئے اور ان سے خلافت چھین لی، اس کے بعد شیخ بودھی دیوانہ وار نعرہ لگاتے پھرتے تھے کہ ''شیخ احمد ماریو ماریو'' لیکن انہوں نے دوبارہ خلافت نہیں دی[3]۔

محویت و استغراق: حضرت مخدوم جمالِ حق کے مشاہدہ میں اس قدر مستغرق تھے کہ ہر وقت محویت و استغراق کا عالم طاری رہتا تھا، صاحب مرأۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ سلسلۂ چشتیہ میں

---

[1] انوار العیون، ص ۶۸ [2] لطائف قدوسی، ص ۱۰ [3] انوار العیون، ص ۶۶۔

Marfat.com

خواجہ ابو محمد چشتی اور خواجہ بختیار کاکی کے بعد دائرۂ وجود مطلق اور نقطہ ذات حقیقۃ الحق کے مشاہدے کا جو دوامی استغراق و تحیر مخدوم عبدالحق کو حاصل تھا، اس سے زیادہ کسی ولی کو میسر نہ ہوا[1]۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی لکھتے ہیں کہ حضرت پیر دست گیر شیخ احمد عبدالحق دائم الحال تھے، ہر وقت احوال کے دریا میں غرق رہتے تھے، اگر کوئی قرابت دار، دوست اور ہم سایہ تک آپ سے ملنے کے لیے آتا تو اس کو نہ پہچانتے، پوچھتے تم کون ہو؟ وہ عرض کرتا، میں فلاں ہوں، فرماتے فلاں کون؟ وہ عرض کرتا، فلاں ابن فلاں، اس طرح جب کئی پشتوں کی وضاحت ہو جاتی، اس وقت آپ پہچانتے اور فرماتے، ہاں فلاں شخص تو ہمارا ہے[2]۔

نماز باجماعت کا اہتمام: لیکن اس محویت واستغراق کے باوجود نماز باجماعت کا بڑا اہتمام تھا، پانچوں وقت کی نماز ردولی کی جامع مسجد میں پڑھتے تھے، ایک خادم آگے آگے حق حق کی صدا لگاتا جاتا تھا اور وہ اس کی آواز پر راستہ طے کرتے تھے، چالیس پچاس سال تک جامع مسجد میں نماز پڑھی لیکن راستے کا اندازہ نہ ہو سکا، مسجد میں اپنے ہاتھ سے جھاڑو دیتے تھے[2]، پوری رات شب بے داری میں بسر ہوتی تھی، کامل بتیس سال تک تکیہ پر سر نہ رکھا[3]۔

اخلاص فی العبادۃ: ان کے نزدیک حقیقی عبادت وہی ہے جس میں کوئی دنیوی غرض شامل نہ ہو، ایک مرتبہ کسی سفر کے دوران میں ایک مسجد میں قیام ہوا، یہ جمعہ کی شب تھی، بستی کے لوگ مسجد آتے اور سات اذانیں دیتے، ایک شخص نے حضرت مخدوم سے کہا کہ میاں مسافر! تم بھی اذانیں دو، آج شب جمعہ ہے، انہوں نے فرمایا، شب جمعہ میں سات اذانیں دینے کا مقصد کیا ہے، اس نے کہا، اللہ تعالیٰ جمعہ کی مبارک رات کو سات اذانوں کی برکت سے اس ہفتہ کی تمام بلاؤں سے محفوظ رکھتا ہے، حضرت مخدوم نے فرمایا، میرا دل اس غرض کے لیے تکرار اذان کی

---

[1] مرآۃ الاسرار قلمی حالات مخدوم [2] انوار العیون، ص ۶ [2] ایضاً، ص ۱۷ [3] ضمیمہ انوار العیون بحوالہ جامع السلاسل۔

Marfat.com

اجازت نہیں دیتا، جو بندہ اپنی بھلائی کے لیے خدا کی عبادت کرتا ہے اور اس کی بلاؤں سے دوری کا خواست گار ہوتا ہے، وہ درحقیقت اپنی بھلائی کا بندہ ہے، خدا کا خالص بندہ اس کا بندہ ہوتا ہے، منافق نہیں ہوتا، اخلاص کے معنی یہ ہیں کہ بندہ کا مقصود و مطلوب حضرت صمدیت کے سوا کچھ اور نہ ہو، واعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین[1]۔

حفظ شریعت میں اہتمام: اس تحیر و استغراق کے باوجود جو حضرت مخدوم پر طاری رہتا تھا، حفظ و احترام شریعت کا بڑا اہتمام تھا، وہ ایک مرتبہ پنجاب میں تھے کہ غلبہ حال میں ان کی زبان سے بعض شطحیات نکل گئے، جب ہوش آیا تو لوگوں نے عرض کیا کہ ایسے ایسے کلمات آپ کی زبان سے نکلے ہیں، انہوں نے سن کر فرمایا ''اعوذ باللہ منہا، میں گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہوگیا'' اور اس کے کفارہ میں سخت سردی کے موسم میں دریائے سندھ میں گلے گلے پانی میں اتر کر کئی مہینہ رات سے صبح تک ''دین محمد قائم دائم دین محمد قائم دائم'' کا ورد کرتے رہے، سردی کی شدت سے بدن کی کھال پھٹ کر خون جاری ہوگیا تھا، اس لیے صبح کو تازہ غسل کر کے فجر کی نماز پڑھتے[2]۔

ان کا ایک مرید ایک دن عالم مستی میں ان کی خانقاہ میں ''حق پیر من پاک حق پیر من پاک'' کا نعرہ لگانے لگا، ہر چند لوگوں نے منع کیا، مگر وہ خاموش نہیں ہوا اور یہی نعرہ لگاتا رہا، اس کی آواز سن کر حضرت مخدوم کوٹھے سے اتر آئے اور فرمایا، پیر کس طرح پاک ہو سکتا ہے، جب کہ وہ بندہ ہے، بندہ سرتاپا پلید ہوتا ہے، وہ کس طرح پاک ہو سکتا ہے، پاکی صرف حق تعالیٰ کے لیے ہے اور کسی کو راست نہیں آتی[3]۔

اتباع سنت: مریدوں کو اتباع سنت کی ہدایت فرماتے تھے، اپنے ایک محبوب مرید شیخ بختیار کو مراحل سلوک طے کرانے کے بعد فرمایا، تم نے رسول اللہ اکرم ﷺ کے اتباع کے

---

[1] ضمیمہ انوار العیون، بحوالہ جامع السلاسل، ص ۱۸، یہ بات اپنے معیار سے فرمائی ہوگی۔ [2] مراۃ الاسرار قلمی، حالات مخدوم صاحب، مراۃ الاسرار نے ان شطحیات کی تاویل بھی کی ہے۔ [3] انوار العیون، ص ۳۶۔

Marfat.com

طفیل میں خدا کو پالیا، کما قال اللہ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ، دونوں جہاں کو زیرِ قدم چھوڑ کر بلند ترین مقام پر فائز ہو گئے من لہ المولی فلہ الکل شیخ عبدالقدوس لکھتے ہیں کہ شیخ بختیار کی کوئی بات اور کوئی گفتگو کتاب اللہ اور احادیث رسول ﷺ کے سوا نہیں ہوتی تھی[1]۔

ذوقِ سماع: لیکن سماع سے بڑا ذوق تھا، جب وہ سماع کی حالت میں ہوتے تو دونوں آنکھیں ہوا کے سمت میں ہوتیں، کبھی روتے، کبھی ہنستے، چہرہ سرخ تمتمایا ہوا ہوتا، ایک دن ایک درویش نے آپ سے پوچھا کہ سماع کی حالت میں کبھی آپ اس طرح روتے ہیں کہ ساری مجلس رو دیتی ہے اور کبھی ہنستے ہیں اور ان کا چہرہ سرخ ہو جاتا ہے، فرمایا، جب اہل سماع اس کو جمالی صفت میں مشاہدہ کرتے ہیں اور اس کا بے اندازہ لطف و کرم دیکھتے ہیں تو مسکراتے ہیں اور جب اس کا جلالی چہرہ دیکھتے ہیں تو پریشان ہوتے ہیں، اس کا رنگ زرد ہو جاتا ہے[2]۔

سماع کے بعد گھر میں جو کچھ ہوتا تھا قوالوں کو دے دیتے تھے، ایک مرتبہ سماع کے بعد لونڈی سے فرمایا، جاؤ، گھر سے کچھ لاکر قوالوں کو دے دو، لونڈی اندر گئی تو حضرت کی اہل خانہ بہت برہم ہوئیں اور کہا جا کر کہہ دو کہ گھر میں کچھ نہیں ہے، انہوں نے یہ جواب سنا تو قوالوں سے فرمایا، اسی لونڈی کو لے جاؤ، بعض مریدوں نے قوالوں کو تین ٹنکہ دے کر لونڈی واپس لے لی، حضرت شیخ جب زنان خانے میں تشریف لے گئے اور لونڈی پر نظر پڑی تو فرمایا، جب تک یہ لونڈی گھر میں ہے، میں نہ رہوں گا اور کچھ دنوں کے لیے اجودھیا چلے گئے[3]۔

ایک دن جمن قوال کے گانے سے ان پر وجد و ذوق طاری ہو گیا، وہ جمن سے بہت خوش ہوئے، فرمایا، جو مانگنا ہو مانگ، اس نے آپ کا خرقہ مانگا، فرمایا، تو اس کو برداشت نہ کر سکے گا، کوئی دوسری چیز مانگ، مگر اس نے پھر خرقہ مانگا، اس کے اصرار پر انہوں نے اس کو

---

[1] انوار العیون میں ان کی مریدی کا واقعہ بڑی تفصیل سے لکھا ہے، ہم نے اس کا صرف ایک ٹکڑا نقل کیا ہے۔

[2] ضمیمہ انوار العیون، بحوالہ مونس العارفین، ص ۹۳ [3] انوار العیون، ص ۴۹۔

Marfat.com

خرقہ عطا کر دیا، اس نے تین دن تک اس کو پہنا، چوتھے دن فریاد کرتا ہوا حاضر ہوا اور عرض کیا، پیر دست گیر، مجھ میں اس کے پہننے کی طاقت نہیں ہے، تین روز تک میں آگ کے دریا میں پڑا رہا اور ساحل نجات نظر نہ آتا تھا، یہ کہہ کر خرقہ واپس کر دیا، انہوں نے فرمایا، تم نے یہی بڑا کام کیا کہ تین دن تک اس فقیر کا خرقہ برداشت کرلیا[1]۔

زہد عن الدنیا: وہ تجرید و تفرید اور زہد کے اس درجہ پر تھے، جہاں دنیا اور دولت دنیا کا گزر نہ تھا، حضرت شیخ عبدالقدوس لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ العالم کے دربار فیض میں اہل دنیا اور دولت دنیا کا گزر نہ تھا، جب کوئی شخص اس قسم کا تذکرہ کرتا تو ان کے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا، اس لیے کسی کو اس کی ہمت نہ ہوتی تھی، اسی لیے آج تک جب کہ ان کے وصال پر پچاس برس گزر چکے ہیں، ان کی اولاد میں اتنی وسعت نہ پیدا ہو سکی کہ اطمینان سے زندگی بسر ہو سکے اور فکر معاش کی طرف سے بے فکری ہو[2]۔

چنانچہ حضرت مخدوم نے کبھی امرا و سلاطین سے تعلق نہیں رکھا، انہوں نے جاگیریں پیش کیں، مگر انہوں نے انکار فرمایا، البتہ ان کی اصلاح کے لیے ملنے میں مضائقہ نہ سمجھتے تھے، ایک مرتبہ سلطان ابراہیم کی اصلاح کی غرض سے اس سے ملنا چاہا مگر قاضی رضی نے سلطان سے ان کی ملاقات مصالح حکومت کے خلاف سمجھی اور پہلے امتحاناً ان کی خانقاہ کے مصارف کے لیے سلطان سے سواد ردولی میں چار مواضعات اور ایک ہزار بیگھہ آراضی کا فرمان لکھا کر اور دوسرے ہدایا و تحائف کے ساتھ حضرت مخدوم کی خدمت میں لا کر پیش کیا، انہوں نے اس کو پڑھ کر فرمایا، قاضی، کلمہ پڑھو، تم کافر ہو گئے، قاضی صاحب نے تعجب سے پوچھا، حضرت مخدوم، میری زبان سے کون کلمۂ کفر نکلا ہے، فرمایا، یہ کفر نہیں ہے کہ تم اور ابراہیم دوسرے خدا پیدا ہوئے ہو جو رزاقی کا دعویٰ کرتے ہو، وہ خدا جو ابراہیم کے خدم و حشم، اس کے گھوڑے، ہاتھیوں اور خود تم کو اور تمہارے خدم و حشم کو رزق دیتا ہے، وہ خدا جس کی درگاہ کا میں

---

[1] انوار العیون، ص ۴۷ [2] ایضاً ص ۱۳۱۔

Marfat.com

ایک گدائے بےنوا ہوں، کیا وہ میرے فرزندوں کو رزق نہ دے گا، تم اور ابراہیم کیوں درمیان میں پڑتے ہو، قاضی صاحب نے ہر چند اصرار کیا، مگر جاگیر قبول نہ کی اور فرمایا، میری اولاد فقر کی قدر نہ پہچانے گی، الفقر کنز من کنوز الجنة اور یہ شعر:

کنواں ہو تو پاٹوں سمندر کہ پاٹن جائے باراہوئے تو برجوں جھیل کہ برجن جائے

پڑھ کر لوٹ آئے۔[1]

اسی قسم کا ایک واقعہ اور ہے، ایک مرتبہ پرگنہ ردولی کا حاکم محمد خاں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، ان کے داماد میاں جھانشہ (شیخ فرید) نے حضرت مخدوم سے فرمائش کی کہ وہ محمد خاں سے کہہ کر کاشت کاری کے لیے تھوڑی سی زمین دلا دیں، حضرت مخدوم معلوم نہیں کس حالت میں تھے، محمد خاں سے فرمایا کہ یہ مردک (میاں جھانشہ) کہتا ہے کہ میں محمد خاں سے کہہ دوں کہ تھوڑی سی زمین کاشت کاری کے لیے دے دے، چنانچہ جب محمد خاں واپس جانے لگا تو میاں جھانشہ کو ساتھ لیتا گیا اور اسی وقت موضع کلوا[2] میں سات سو بیگھہ زمین کا فرمان لکھ کر ماتحت حکام کے حوالہ کیا اور تاکید کی کہ آج ہی زمین کی پیمائش اور حد بندی کر کے اس کو میاں جھانشہ کے حوالہ کر دیا جائے، میاں جھانشہ یہ فرمان لے کر خوش خوش حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کو ان کے سامنے پیش کیا، انہوں نے پڑھوا کر سنا اور پڑھ کر بہت برافروختہ ہوئے اور اس کو لے کر پرزے پرزے کر ڈالا اور اپنے خادم خاص بہرام کو حکم دیا کہ اس کو باہر لے جا کر اس طرح پھینکو کہ اس کا ایک پرزہ بھی میری خانقاہ میں نہ رہنے پائے اور محمد خاں کے پاس میاں بہرام کے ذریعہ کہلا بھیجا کہ تم کون ہو اور تم کو یہ زمین کہاں سے ملی کہ درویشوں کو تکلیف پہنچاتے ہو، محمد خاں یہ سن کر گھبرا گیا اور بہرام کے قدم پکڑ کر کہا، اسی طرح میری جانب سے حضرت مخدوم کے قدم پکڑ کر عرض کرنا کہ میں حضرت کا باطنی عندیہ کیوں کر سمجھتا، بظاہر حضرت کا جو فرمان تھا، اس کی تعمیل میری جان کے برابر تھی، بہرام نے واپس آکر

[1] انوار العیون، ص ۲۵-۲۶ [2] یہ موضع اب تک اسی نام سے ردولی کے قریب موجود ہے۔

Marfat.com

اسی طرح سے حضرت مخدوم کی خدمت میں محمد خاں کی جانب سے کر دیا[1]۔

امرا کی تادیب و اصلاح: امرا کی اصلاح کے لیے ان کو ہدایت اور تنبیہ فرماتے تھے، ایک مرتبہ مشرقی سلطنت کا امیر کبیر مجلس عالی فیروز خاں کسی جنگی ضرورت سے ایسولی آیا ہوا تھا، حضرت مخدوم کو خبر ہوئی تو اپنے مرید بہرام کے ہاتھ اس کے پاس ایک خط بھیجا، انہوں نے لے جا کر شیخ فخر الدین کے حوالہ کر دیا، انہوں نے فیروز شاہ کی خدمت میں پیش کر دیا، اس نے اس کو کھولا تو اس میں یہ اشعار تھے:

هرآں کہ غافل از وے یک زبان است — دراں دم کافرست اما نہاں است
مبادا غایتے پیوستہ باشد — درِ اسلام بروے بستہ باشد
حضورم بخش اے پروردگارم — کہ من غائب شدن طاقت ندارم

اشعار پڑھ کر فیروز خاں بے قرار ہو گیا اور شیخ فرید الدین سے کہا کہ گھوڑا اور پالکی لے کر فوراً حضرت مخدوم کے پاس جاؤ اور میری طرف سے عرض کرو کہ بادشاہ کا حکم ہے کہ میں حصار سے باہر نہ نکلوں، اس لیے حاضری سے معذور ہوں، ورنہ خود حاضر ہوتا اور ایک عمدہ گھوڑا اور دس تنگہ نذرانہ بھیجا[2]۔

ایک مرتبہ پرگنہ ردولی کا حاکم تاتار خاں بزرگ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، انہوں نے آنکھ اٹھا کر اس پر نگاہ ڈالی اور فرمایا، ''دنیا میں ایسی چال چلو کہ کچھ دن باقی رہو'' اس پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ بے ہوش ہو گیا، اس کے بعد سے وہ حضرت مخدوم کا اتنا معتقد ہو گیا کہ اکثر آپ کی خدمت میں پاپیادہ حاضر ہوتا تھا[3]۔

بعض سبق آموز واقعات: آپ ان مشائخ کو بھی سبق دیتے تھے جن کے یہاں ظاہری شان و شوکت ہوتی تھی اور حاجب و دربان رہتے تھے۔

حضرت شیخ زین الدین اودھی کے دروازے پر دربان رہتا تھا، اس کا قاعدہ تھا کہ

1۔ انوار العیون، ۳۱ 2۔ ایضاً، ص ۶۹ 3۔ ایضاً، ص ۵۲۔

Marfat.com

جو آنے والا ہدیہ و تحفہ لاتا اس کو اندر جانے دیتا، ورنہ واپس کر دیتا، ایک مرتبہ حضرت مخدوم ان سے ملنے گئے، وہ خالی ہاتھ گئے تھے، اس لیے دربان نے واپس کر دیا، واپس آ کر انہوں نے عمدہ لباس پہنا اور ایک طشت میں کنکر پتھر بھرے اور اس پر خوان پوش ڈال کر اور ایک آدمی کے سر پر رکھوا کر دوبارہ پہنچے، طشت دیکھ کر دربان نے اندر جانے کی اجازت دے دی، شیخ زین الدین نے خوان پوش اٹھا کر دیکھا تو کنکر پتھر تھے، پوچھا، مخدوم، یہ کیا ہے، فرمایا، تمہارے پاس آنے کا ذریعہ، جس کے پاس یہ نہ ہو وہ تم سے نہیں مل سکتا[1]۔

اسی قسم کا ایک سبق آموز واقعہ یہ ہے کہ اجودھیا کے قیام کے زمانہ میں انہوں نے ایک کتیا پالی تھی، اس نے بچے دیے، اس تقریب میں انہوں نے دعوت کی اور شہر کے تمام معززین کو مدعو کیا، اجودھیا کے حاکم فیروز خاں کو بھی بلایا اور بہت سے عوام و خواص اس میں شریک ہوئے لیکن مشائخ کو مدعو نہیں کیا، کچھ دنوں کے بعد حضرت شیخ جمال الدین گوجری اودھی ان سے ملنے کے لیے آئے اور شکایت کی کہ حضرت مخدوم نے سارے شہر کو مدعو کیا اور مجھے نہیں پوچھا، فرمایا، یہ کتے کی تقریب تھی، اس لیے سگانِ دنیا کو بلایا تھا، تم تو آدمی ہو، تم کو اس دعوت میں کیسے بلاتا[2]۔

تنعم کی زندگی عذابِ دوزخ کا ذریعہ ہے: تنعم کی زندگی اور نفس پروری کو عذابِ دوزخ سے تعبیر فرماتے تھے، ان کے ایک مرید شیخ فرید کپڑوں کی تجارت کرتے تھے، ایک مرتبہ بہت سا کپڑا بیچنے کے لیے خریدا، گٹھری لے کر حضرت مخدوم کے سامنے سے گزر رہے تھے کہ ان کی نظر پڑ گئی، شیخ فرید کو بلایا اور گٹھری کھول کر مہین کپڑے کا ایک تھان نکالا اور اس کو بدن پر رکھ کر فرمایا، کتنا اچھا کپڑا ہے، سارا بدن دکھائی دیتا ہے، پھر دوسرا نرم اور ملائم کپڑے کا تھان نکالا اور اس کو بدن پر رکھ کر فرمایا، کتنا نرم اور خوب صورت کپڑا ہے، جو لوگ اس طرح کی تنعم کی زندگی بسر کرتے اور نفس پروری کرتے ہیں وہ کس طرح عذابِ دوزخ سے بچ سکتے ہیں[3]۔

---

۱ نوار العیون، ص ۲۴ ۲ ایضاً ص ۲۳ ۳ مرأۃ الاسرار قلمی۔

Marfat.com

خود ان کے لباس میں ایک گدڑی رہتی تھی، اس میں بھی پیوند لگے ہوتے تھے[1]۔

بعض ملفوظات: ان پر ذاتِ حق کا اتنا غلبہ تھا کہ ہر کام میں حق حق حق کی آواز بلند کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ خدا کی ذاتِ پاک بے نام ونشان ہے، اگر اس کی ذات پر اس کے ناموں میں سے کسی نام کا کامل اطلاق ہوسکتا ہے تو وہ ''حق'' کا اسمِ پاک ہے، کیوں کہ حق کے معنی یہ ہیں کہ اس کی ذاتِ پاک تمام کمالات کی مستحق ہے اور یہ کمالات اسی ذات کے ساتھ قائم ہیں اور خدا کی ذاتِ پاک تمام کمالات کے ساتھ متصف اور بذاتِ خود قائم ہے، اس لیے خدا کی ذات پر حق کا اطلاق بدرجۂ کمال ہوگا[2]۔

اسی لیے حق کا لفظ ان کے مریدوں، ان کے فرزندوں اور ان کے عقیدت مندوں کی زبان پر اس طرح جاری وساری رہتا ہے کہ جو سانس بھی اندر لے جاتے اور باہر نکالتے ہیں وہ حق کے ذکر کے ساتھ ہوتی ہے اور جو قدم زمین پر رکھتے ہیں، حق کے ذکر کے ساتھ رکھتے ہیں[3]۔

فرماتے تھے کہ منصور بچہ تھا، قوتِ برداشت نہ تھی، اس لیے اسرار ظاہر کر دیے، بعض بندگانِ خدا ایسے بھی ہیں جو دریا کے دریا چڑھا جاتے ہیں اور ڈکار تک نہیں لیتے، نظامی بچہ تھا کہ اس نے یہ شعر کہا:

صحبت نیکاں ز جہاں دور گشت ‌‌ ‌ خانِ عسل خانۂ زنبور گشت[4]

جب عالمِ شوق میں جوش زن ہوتے تو اکثر یہ اشعار پڑھتے[5]:

آرے برائے یار دو عالم تواں شکست ‌ ‌ نخنے شکستہ از ہمہ عالم برائے یار

ہرگز از عشقت بیابد شمۂ اندر مشام ‌ ‌ احمدا تا در نبازی جان ومال وجاہ وتن

سلسلۂ چشتیہ صابریہ میں آپ کا درجہ: سلسلۂ چشتیہ صابریہ میں حضرت مخدوم کو واسطۃ العقد کی حیثیت حاصل تھی، وہ اس سلسلہ کے مجدد تھے اور اس کو سب سے زیادہ فروغ ان ہی

---

[1] انوار العیون، ص ۶۸ [2] مرآۃ الاسرار قلمی [3] انوار العیون، ص ۷۷ [4] ایضاً [5] ایضاً ص ۷۲۔

Marfat.com

کی ذات سے حاصل ہوا، حضرت جلال الدین کبیر الاولیاؒ نے ان کو خلافت سے سرفراز فرماتے وقت فرمایا تھا کہ ''بابا عبدالحق، حیات و ممات میں مجھ کو تمہارے کمالات کی انتہا نظر نہیں آتی''[1] اور یہ بھی دعا فرمائی تھی کہ میرا سلسلہ تمہاری ذات سے جاری ہو، تم سارے عالم کو نورِ معرفت سے منور کرو اور اس کا اثر قیامت تک باقی رہے، اس کا غلغلہ کبھی کم نہ ہو، یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد صاحب سیر الاقطاب لکھتے ہیں کہ:

''ان کی یہ دعا قبول ہوئی اور اس فقیر نے اپنی آنکھوں سے ان کے فرزندوں اور مریدوں میں ایسے ایسے باعظمت بزرگ دیکھے ہیں جن کے اشارہ پر تیر رفتہ پلٹ سکتا ہے اور جن کے حکم سے پہاڑ اپنی جگہ سے ہل سکتا ہے، ان سے پہلے جو بزرگ گزر چکے ہیں مثلاً ان کے صاحبزادے شیخ عارف، پوتے شیخ محمد اور مریدوں میں شیخ عبدالقدوس گنگوہی وغیرہ سے ساری دنیا واقف ہے[2]''

اس دعائے مستجاب کا یہ اثر ہوا کہ حضرت جلال الدین کبیر الاولیا کے چالیس خلفا ہیں، آپ کا سلسلہ صرف شیخ عبدالحق سے مستحکم اور جاری ہوا[3]۔

صاحب خزینۃ الاصفیا لکھتے ہیں کہ شیخ جلال الدین کبیر الاولیا نے مخدوم عبدالحق کو خرقۂ خلافت عطا کرتے وقت خدا سے دعا کی کہ میرا سلسلہ تمہاری ذات سے جاری ہو، چنانچہ ان کی توجہ سے ان کے ہزاروں خلفائے نام دار اور مریدانِ صدق شعار ولایت کے درجہ پر پہنچے اور عرب و عجم میں کوئی ملک ایسا نہیں ہے جہاں آپ کے خلفا نہ ہوں[4]۔

ان کے فرزند ارجمند شیخ محمد عارف، پوتے شیخ محمد بن عارف، شیخ عبد القدوس گنگوہی ابن اسماعیل حنفی، شیخ جلال الدین محمود تھانیسری، شیخ عبدالغفور اعظم پوری، شیخ جان جون پوری، اپنے دور کے اولیا سے گوئے سبقت لے گئے اور ان میں ہر ایک سے علاحدہ سلسلہ جاری ہوا، اس طرح حضرت شیخ احمد عبدالحق نے سلسلۂ عالیہ چشتیہ صابریہ کو رونق تازہ

---

[1] مرآۃ الاسرار قلمی [2] سیر الاقطاب، ص ۲۱۸ [3] ایضاً، ص ۲۱۳-۲۱۴ [4] اس سے مراد آپ کے سلسلہ کے خلفا ہیں، آخری دور میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نے عرب میں اس سلسلہ کو پھیلایا۔

Marfat.com

اور زینت بے اندازہ بخشی[1]۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

''شیخ احمد عبدالحق قدس سرہ مرید شیخ جلال پانی پتی است درویش صاحب تصرف ومظہر خوارق عادات وکرامات وصاحب ذوق وشوق وسکر وحالت وفقر وتجرید بود، جذبۂ قوی داشت و نظرے موثر وتصرفے غالب مولد او ردولی است، ومرقد او نیز در آنجاست۔'' (اخبار الاخیار، ص۱۷۲)

مشائخ زادوں کی اصلاح وتربیت: حضرت مخدوم احمد عبدالحق کا مرتبہ اس سے بھی ظاہر ہے کہ ان کے مرشد حضرت جلال الدین کبیر الاولیاؒ اپنی وفات کے وقت اپنی اولاد کی روحانی تربیت شیخ عبدالحق کے سپرد کر گئے تھے اور اپنے صاحب زادوں سے فرمایا تھا کہ ضرورت کے وقت احمد عبدالحق تمہاری دست گیری کے لیے کافی ہیں[2] اور اپنے خاص خرقہ اپنے بڑے صاحب زادے خواجہ شبلی کے حوالہ کر کے وصیت کی تھی کہ اس کو باحتیاط تمام احمد عبدالحق کے حوالہ کر دینا، چنانچہ مرشد کی وفات کے بعد جب وہ مخدوم زادوں کی تربیت کے لیے پانی پت تشریف لے گئے تو خواجہ شبلی نے یہ امانت حضرت مخدوم کے حوالہ کی، انہوں نے اس کو لے کر پہنا پھر اپنی طرف سے خواجہ شبلی کو مرحمت فرما دیا[3]، حضرت مخدوم نے کچھ دنوں تک پانی پت میں قیام کر کے مخدوم زادوں کی تربیت فرمائی اور ان کو تکمیل تک پہنچایا، اس وقت سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ مخدوم جلال الدین کبیر الاولیا کی اولاد مخدوم عبدالحق کے سلسلہ میں مرید ہوتی ہے اور انہی سے سلوک کی تربیت حاصل کرتی ہے[4]۔

حضرت مخدوم کے ہم عصر بعض اور بزرگوں نے بھی اپنی اولاد کی روحانی تربیت حضرت مخدوم کے سپرد کی تھی، حکیم شیخ صدر الدین، حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے اجل خلفا میں تھے، ان کے خلیفہ شیخ بدر الدین تھے، حضرت مخدوم کے دادا شیخ داوٗد بھی

---

[1] خزینۃ الاصفیا، ص۳۸۶ [2] مراۃ الاسرار قلمی [3] ضمیمہ انوار العیون، بحوالہ تذکرہ شاہ محب اللہ الہ آبادی، ص۹۵ [4] مراۃ الاسرار، حالات مخدوم جلال الدین کبیر الاولیا۔

Marfat.com

حضرت نصیر الدین محمود کے مرید اور خلیفہ تھے، اس رشتہ سے حضرت مخدوم اور شیخ بدر الدین کے بزرگوں میں بڑے تعلقات تھے اور کچھ عزیز داری بھی تھی، شیخ بدر الدین کی وفات کے وقت ان کے صاحب زادے شیخ نصیر الدین صغیر السن تھے، اس لیے شیخ بدر الدین نے ان کو اپنا جانشین تو بنادیا لیکن یہ وصیت کردی کہ میری وفات کے بعد میرے دوست شیخ احمد آئیں گے، تم کو باطنی دولت ان سے ملے گی، چنانچہ شیخ بدر الدین کی وفات کے بعد حضرت مخدوم کو خیال ہوا کہ چل کر ان کے لڑکے کی خبر لینی چاہیے اور ان کی تربیت کے لیے راسیری پہنچے، آپ کی آمد کی خبر سن کر ایک مخلوق ٹوٹ پڑی، یہاں کے حاکم قطب خاں نے، جو شیخ بدر الدین کے عقیدت مندوں میں تھا اور آپ کے گھر والوں کی بڑی خدمت کرتا تھا، حضرت مخدوم سے بیعت کی درخواست کی اور ایک گھوڑا انذر پیش کیا، اس خبر سے شیخ بدر الدین کے گھر والوں میں بڑی سراسیمگی پھیل گئی، حضرت مخدوم کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ یہ سب مردار ہیں، گھوڑا فروخت کرکے اس کی قیمت پانچ سوتنکہ غریب نادار عورتوں میں تقسیم کرادیا اور قطب خاں سے فرمایا کہ نصیر الدین کے مرید ہوجاؤ، کچھ اندیشہ نہ کرو، نصیر الدین کی کلاہ عین اس فقیر کی کلاہ ہے اور اسی وقت قطب خاں کو شیخ نصیر الدین کا مرید کرادیا اور اس کی نذر بھی ان ہی کو دلوائی اور ان کی تکمیل و تربیت کے بعد اجازت عطا کرکے واپس تشریف لائے[1]۔

وفات: ۱۵ رجمادی الثانی ۸۳۷ھ میں ایک سو آٹھ سال کی عمر میں وفات پائی اور اپنی خانقاہ سے متصل دفن ہوئے، ان کا مزار آج تک مرجع خلائق ہے، "دست گیر بے کساں" تاریخ وفات ہے۔

اولادِ امجاد: حضرت مخدوم کے کئی اولادیں ہوئیں لیکن سب بچپن ہی میں فوت ہوگئیں، اس سے حضرت کی اہل خانہ بہت غم گین رہتی تھیں، وہ ان سے فرماتے رنج نہ کرو، ایک لڑکا ہے،

---

[1] انوار العیون میں اس کی بڑی لمبی تفصیل ہے، ہم نے اس کا خلاصہ نقل کیا ہے، ص ۶۱ تا ۶۴، شیخ بدر الدین اور نصیر الدین کا ذکر تذکرہ علمائے فرنگی محل کے دیباچہ میں بھی ہے۔

Marfat.com

انشاءاللہ تم کو دوں گا، اس کو اپنے ساتھ سفر میں لے جا کر پختہ کار بناؤں گا اور اس شرط کے ساتھ تمہارے حوالہ کروں گا کہ ناز و نعمت کے ساتھ اس کی پرورش کرنا، کچھ دنوں کے بعد ایک لڑکا پیدا ہوا، اس کا نام انہوں نے شیخ عارف رکھا[1]، اولادِ ذکور میں یہی زندہ رہے اور ان ہی سے ان کی نسل چلی۔

ان سے حضرت مخدوم بہت محبت فرماتے تھے اور بڑے اہتمام سے ان کی تربیت فرمائی تھی، شروع میں ان کو معلم کے سپرد کرتے وقت ہدایت فرمائی تھی کہ میں نے صرف ادب کی تربیت کے لیے تمہارے سپرد کیا ہے، ان کو اپنے علوم کی تعلیم نہ دینا، میں اپنے علوم ان کو پڑھاؤں گا[2]۔

حضرت عارف الولد سر لابیہ کے مصداق تھے، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی لکھتے ہیں کہ شیخ عارف حقیقۃً عارف ربانی، محقق سبحانی، کامل اکمل وقت اور ولی من اولیاء اللہ تھے، ان کی شفقت و محبت خلق اللہ کے ساتھ عام تھی، ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ شیخ عارف سب سے زیادہ اس سے محبت کرتے ہیں، خود ان کو بھی بڑی محبوبیت حاصل تھی، کوئی شخص ایسا نہ تھا جو شیخ عارف سے محبت نہ کرتا ہو اور وہ اس پر شفقت نہ فرماتے ہوں، یہ عنایت ان کے کمال کا نتیجہ تھی[3]۔

صاحب خزینۃ الاصفیا لکھتے ہیں کہ شیخ عارف بڑے عظیم الشان شیخ تھے اور شریعت، طریقت اور معرفت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے[4]، یہی فرزند ارجمند حضرت مخدوم احمد عبدالحق کے جانشین ہوئے مگر انہوں نے کل چالیس سال کی عمر پائی اور ۸۵۹ھ میں انتقال فرمایا، اس لیے ان کے حالات تذکروں میں کم ملتے ہیں، ان کا مزار اپنے والد بزرگوار کے پہلو میں ہے، ان کے جانشین ان کے صاحب زادے شیخ محمد ہوئے، یہ بھی شیخ وقت اور تجرید و تفرید میں یگانۂ روزگار تھے[5]، ان کا مرتبہ اس سے ظاہر ہے کہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے مرشد

---

[1] انوار العیون، ص ۴۰ [2] مرأۃ الاسرار قلمی [3] انوار العیون، ص ۴۰ [4] خزینۃ الاصفیا، ج اول، ص ۳۹۷ [5] ایضاً۔

Marfat.com

تھے، شیخ عبدالقدوس گنگوہی شیخ محمد کے بڑے محبوب خلیفہ تھے اوران کوان پر اتنا اعتماد تھا کہ انہوں نے اپنے صاحب زادے شیخ بدھ اولیا کی روحانی تعلیم وتربیت حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے سپرد کی تھی اور وہ ان کے پاس شاہ آباد میں رہتے تھے اور اپنے والد بزرگ وار کے مرض الموت میں وہیں تھے، ان کی وفات کے قریب حضرت شیخ احمد عبدالحق کی روحانیت کے حکم سے ان کو لے کر ردولی آئے، اس وقت شیخ محمد کا وقت آخر ہو چکا تھا، بار بار غفلت طاری ہو جاتی تھی، مگر جب ہوش میں آتے تو فرماتے ''سبحان اللہ، فہم کردم، فہم کردم'' حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے پوچھا، کیسی فہم، ارشاد فرمایا ''توحید مطلق'' نزع کے وقت حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے عرض کیا ''یہ مردوں کی ہوشیاری کا وقت ہے'' حضرت شیخ محمد نے جواب دیا ''میری طرف سے بے فکر رہو، اس وقت میرے دل میں خدا کے سوا کسی کا گزر نہیں ہے'' شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے عرض کیا ''آپ ہماری دولت لے کر سفر کر رہے ہیں، آپ کے بعد میرا کیا حال ہوگا'' فرمایا ''تم کو کیا اندیشہ، تم خدا کے ولیوں میں ہو اور شیخ بدھ اولیا کو اپنا جانشین بنا کر جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی[1]۔

ان کا مزار بھی ان کے جد امجد کے حظیرے کے باہر اس سے متصل مغربی سمت میں ہے، حضرت شیخ محمد کے بعد سے دو سلسلے چلے، ایک خاندانی اور نسبی، سجادہ نشینی کا جس کا سلسلہ جواب تک قائم ہے، دوسرا حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی سے اور ان ہی سے اس سلسلہ کو فروغ ہوا۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہی: اس لیے حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے ذکر کے بغیر حضرت مخدوم احمد عبدالحق کا تذکرہ ناقص رہے گا، وہ حضرت مخدوم کے کمالِ ولایت کی سب سے روشن دلیل ہیں، وہ بیعت تو شیخ محمد سے تھے لیکن سلوک ومعرفت کی تربیت تمام تر حضرت مخدوم احمد عبدالحق کی روحانیت سے حاصل کی تھی، اس کی تفصیل انہوں نے انوار العیون میں

---

[1] لطائف قدوسی ومراۃ الاسرار قلمی۔

Marfat.com

خود اپنے قلم سے لکھی اور ان کے صاحب زادے شیخ رکن الدین نے کچھ حالات لطائف قدوسی میں تحریر کیے ہیں، انوار العیون میں شیخ عبد القدوس گنگوہی فرماتے ہیں کہ:

''اس فقیر کو ارادت و اجازت پہلے عالم معاملہ میں حضرت شیخ العالم سے درست ہوگئی، اس کے بعد حضرت کے پوتے شیخ الوقت حضرت شیخ محمد مدظلہ واعلی قدرہ کے ہاتھوں پر بیعت کی اور اجازت کے شرف سے مشرف ہوا، حضرت شیخ العالم نے کئی مرتبہ عالم معاملہ میں اس فقیر پر لطف و کرم فرمایا اور ہاتھ پکڑ کر بڑے لطف و کرم سے ارشاد فرمایا کہ میں نے تجھ کو خدا تک پہنچا دیا، فالحمدلله علی ذالك ،اس فقیر کو حضرت شیخ العالم کے ساتھ اس قدر معاملات پیش آئے کہ حد شمار سے باہر ہیں، کوئی وقت ایسا نہیں ہوتا تھا کہ اس سے غفلت ہوتی ہو اور یہ واقعات حضرت کی وفات کے چالیس سال بعد پیش آئے، اس سے پہلے کیا کچھ نہ رہا ہوگا...... حضرت شیخ العالم کی ولایت بدرجۂ کمال ہے اور قیامت تک ایسے ہی رہے گی، اگر تم کو اس میں شک ہو تو صدق و اخلاص اختیار کرو، ولیس الخبر کالمعاینه[1]''

انوار العیون کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

''فقیر حقیر خادم فقراء اللہ و مفتقر رجاء اللہ عبد القدوس بن اسماعیل حنفی حنفی غزنوی خاکروب خانقاہ قطب الاقطاب، تاج الاولیا، ہادی الاصفیا، سلطان العارفین، برہان الواصلین، حضرت شیخ العالم شیخ احمد عبد الحق ردولوی صاحب توشہ قدس اللہ سرہ العزیز کہتا ہے کہ جب میں نے مدتوں آنحضرت کی متبرک خانقاہ اور پاک روضہ میں، جو اپنے تقدس کے اعتبار سے جنت کے باغوں میں سے ایک باغ اور مسرت و انبساط کے گلشنوں میں سے ایک گلشن ہے، شدید مجاہدوں اور لمبی لمبی ریاضتوں سے اپنے کو گھلا کر زار و نزار کر دیا، بھوک پیاس کی شدت برداشت کی تا آنکہ دراج معیت و محویت کے مقام پر پہنچ گیا اور بلبل جان بوستان قلب میں بے خود ہو کر چہچہانے لگی اور دوست کی ہم راز و دم ساز بن گئی یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحىٰ لَهَا کی حالت طاری ہوگئی۔[2]

---

[1] انوار العیون، ص ۸۱ [2] ایضاً، ص ۴۔

Marfat.com

شیخ رکن الدین لطائف قدوسی میں لکھتے ہیں کہ شیخ عبدالقدوس اگرچہ شیخ احمد عبد الحق سے ان کی حیات ظاہری میں مشرف نہ ہوئے لیکن ان کی حیات باطنی سے اس قدر بہرہ یاب ہوئے کہ حضرت شیخ العالم عالم باطن میں ہر وقت اور ہر حال میں ان کی تربیت اور رہ نمائی فرماتے تھے اور شیخ عبدالقدوس کو شغل باطن میں تمام تر شیخ احمد عبدالحق سے جمال وکمال سے واسطہ رہا، ان کا بیان ہے کہ میں ویرانوں، مقبروں اور حجروں میں جہاں میرے سوا کوئی نہ ہوتا تھا، تنہا مشغول بہ حق رہتا تھا، جب نماز اور تہجد کا وقت آتا قطب العالم شیخ احمد عبدالحق کی ولایت آکر بیدار کردیتی، حق حق حق کی آواز کانوں میں آنے لگتی، اس سے غفلت دور ہوجاتی اور میں ہوشیار ہوجاتا، اور یہ معاملہ ہمیشہ پیش آتا[1]"

انوارالعیون میں اس قسم کے بہت سے واقعات نقل کیے ہیں، حضرت شیخ کا یہ روحانی فیض ہر زمانہ میں جاری رہا، مصنف مرآۃ الاسرار شیخ عبدالرحمٰن چشتی، حضرت مخدوم کی چھٹی پشت میں حضرت شیخ حمید کے مرید اور خلیفہ تھے، وہ لکھتے ہیں کہ اس فقیر کاتب الحروف نے جب کہ آنحضرت کی وفات پر دو سو سال سے زیادہ گزر چکے ہیں، آپ کے فیض روحانیت سے تربیت حاصل کی اور جب کوئی صوری اور معنوی تفرقہ پیش آتا تو حضرت قبلہ گاہی کو بیداری کی حالت میں اپنی طرف متوجہ پاتا، آپ کی ولایت اور کمالات کے تصرفات تقریر وتحریر سے باہر ہیں[2]۔

حضرت شیخ عبدالقدوس کو حضرت مخدوم سے روحانی تعلق کے علاوہ رشتہ کا بھی تعلق تھا، حضرت شیخ عارف کی صاحب زادی حضرت مخدوم کی پوتی آپ کے ساتھ منسوب تھیں۔

خلفا وممتاز مریدین: حضرت مخدوم کے خلفا میں ان کے صاحب زادے اور جانشین شیخ عارف احمد اور میاں قدو کے علاوہ کسی کی خلافت کی صراحت نہیں ملتی، میاں قدو کو خلافت

---

[1] لطائف قدوسی، ص ۱۰ [2] مرآۃ الاسرار قلمی۔

Marfat.com

عطا کرنے کے بعد برنادہ میں مامور کیا تھا، انہوں نے عرض کیا، پیردست گیر نے مجھ پر جو کرم فرمایا ہے میں اس کے لائق نہیں ہوں، وہ کسی کو مرید نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ مجھ کو اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیے، پیری مریدی کارِ دیگر ہے، جس کو خود اپنی نجات کا یقین نہ ہو وہ دوسروں کو کس طرح مرید کرسکتا ہے، اس زمانہ میں برنادہ بالکل ویرانہ تھا، اس لیے میاں قدو نے برنادہ کے بجائے راشیری میں قیام کیا تھا[1]۔

حضرت مخدوم کے مریدین میں جن کی خلافت کی تصریح نہیں ملتی، بعض بڑے درجہ کے بزرگ تھے، ان میں شیخ بختیار اور میاں مخلص ممتاز حیثیت رکھتے تھے، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی لکھتے ہیں کہ انہوں نے کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا تھا اور نہ رسمی تعلیم حاصل کی تھی لیکن پیردست گیر حضرت شیخ العالم قدس سرہ کے فیضانِ علم سے ایسا بہرہ ور ہوگئے تھے کہ علمائے وقت ان سے اپنی مشکلات حل کراتے تھے اور وہ جو کچھ کہتے تھے، کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے سوا نہ ہوتا تھا اور بڑے بڑے علما ان کے کمالات کے معترف تھے[2]۔

یہ فنافی الشیخ تھے، ان کے انقیاد واطاعت کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ مرشد نے حکم دیا کہ خانقاہ میں ایک کنواں کھودو، بختیار اسی وقت پھاؤڑا لے کر کنواں کھودنے لگے، جب پانی نکل آیا تو حضرت مخدوم نے اس پر تکبیر کہہ کر تقسیم فرمایا اور بختیار کو حکم دیا کہ اس کنویں کو باہر کی مٹی سے پاٹ دو اور کنویں کی مٹی سے ایک چبوترہ بنادو، بختیار نے اس حکم کی بھی بے چون وچرا تعمیل کی، باہر کی مٹی سے کنواں پاٹ دیا اور کنویں کی مٹی سے چبوترہ تیار کردیا اور یہ بھی نہ پوچھا کہ حضرت نے کنواں کیوں کھدوایا تھا اور پھر کیوں پٹوادیا[3]۔

دوسرے خاص مرید حضرت شیخ مخلص تھے، یہ فیروز شاہ کے ملازم تھے، عرصۂ دراز تک حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور دونوں وقت کھانا لاتے رہے، آپ کھانا لے

---

[1] انوار العیون، ص ۶۶ [2] انوار العیون، ص ۴۷ [3] انوار العیون، ص ۴۶۔

Marfat.com

کر صرف فرما دیتے اور کبھی یہ نہ پوچھا کہ کون ہو، کس مقصد سے آتے ہو، چھ مہینے اسی طرح گزر گئے، ایک دن مخلص نے اپنے دل میں خیال کیا کہ چھ مہینہ اس درویش کی خدمت کرتے گزر گئے، اس نے یہ بھی نہ پوچھا کہ کون ہو اور تمہارا مقصد کیا ہے، اگر اتنے دن پتھر کی بھی خدمت کرتا تو بھی مقصد حاصل ہو جاتا، یہ خیال کرتے ہوئے گھر واپس ہوئے، حضرت مخدوم بھی پیچھے پیچھے پہنچ گئے اور دروازہ پر دستک دی، اندر سے لونڈی نکلی، حضرت نے فرمایا کہ مخلص سے کہو کہ احمد دروازے پر کھڑا ہے، اس نے مخلص کو اطلاع دی، وہ جلدی سے نکل کر قدم بوس ہوئے، حضرت مخدوم نے فرمایا، تم مجھ سے گلہ مند ہو گئے، مخلص نے کوئی جواب نہ دیا اور کھانا لا کر پیش کیا، حضرت مخدوم تناول فرما کر خانقاہ لوٹ گئے، مخلص بھی ساتھ ساتھ پہنچ گئے، حضرت مخدوم نے پوچھا، کوئی اولاد ہے، عرض کیا، ہاں، ایک لڑکا ایک لڑکی ہے، فرمایا، جاؤ پہلے اس کی شادی کرو، اس سے پہلے میرے پاس نہ آنا مخلص لوٹ گئے اور چند دنوں کے بعد دونوں کی شادی سے فراغت کر کے حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت انہوں نے مرید فرمایا، ان کی مریدی کا واقعہ اوپر گزر چکا ہے اور چند دنوں میں حضرت کی توجہ سے مرتبہ ولایت پر پہنچ گئے[1]، انہوں نے اپنا خرقہ بھی ان کو مرحمت فرمایا تھا، مخلص کی وفات حضرت مخدوم کی حیات ہی میں ہو گئی تھی، وفات کے بعد ان کے صاحب زادے بہرام نے خرقہ لا کر حضرت مخدوم کی خدمت میں پیش فرمایا، فرمایا، یہ خرقہ ان ہی کے لائق تھا، اس لیے اس کو ان ہی کے ساتھ دفن کر دو، چنانچہ ان کے ساتھ دفن کر دیا گیا[2]۔

ایک مرید با اختصاص سدکبیر دیوانہ تھے، یہ ہر وقت مست و مدہوش رہتے تھے،، اس لیے دیوانہ ان کا لقب ہو گیا تھا، یہ اتنے مقرب تھے کہ وفات کے بعد مرشد کے مزار کے قریب دفن کیے گئے[3]۔

---

[1] انوار العیون، ص ۵۶-۵۷ [2] ایضاً، ص ۶۰ [3] ایضاً، ص ۴۷۔

Marfat.com

ضمیمہ

ملفوظاتِ خواجگانِ چشتؒ

ہماری علمی و مذہبی وراثت کے جو قیمتی سرمائے ہیں، ان میں ہندوستان کے شروع کے اکابر خواجگانِ چشت کے ملفوظات کے مجموعے بھی شمار ہوتے رہے ہیں اور یہ بھی سمجھا جاتا رہا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے اپنے مرشد خواجہ عثمان ہارونی، (یا ہروانی) کے ملفوظات انیس الارواح کے نام سے قلم بند کیے، اس کے مطبوعہ نسخہ میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی زبانی یہ روایت ہے کہ حضرت خواجہ یعنی حضرت عثمان ہارونی بغداد میں معتکف ہوئے تو انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ '' وہ کچھ دنوں کے لیے باہر نہ نکلیں گے، میں چاشت کے وقت آجایا کروں، وہ کچھ ایسی باتیں کہیں گے جو مریدوں اور فرزندوں کے لیے یادگار کے طور پر رہ جائیں گی، یہ حکم سن کر میں روزانہ حضرت خواجہ کے یہاں مقامِ عزلت میں پہنچ جاتا اور جو کچھ ان کی زبانِ دربار سے سنتا، قلم بند کر لیتا۔'' (مطبع مجتبائی، ص ۴)

اسی طرح عام خیال یہی رہا ہے کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے اپنے مرشد حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے ملفوظات دلیل العارفین کے نام سے مرتب کیے، پھر حضرت فرید الدین گنج شکرؒ نے بھی اپنے مرشد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے ملفوظات فوائد السالکین کے نام سے جمع کیے، خواجہ نظام الدین نے بھی اپنے مرشد خواجہ

Marfat.com

فریدالدین گنج شکر کے ملفوظات راحت القلوب کے نام سے اکٹھا کیے اور حضرت بدر اسحٰق نے بھی ان کے ملفوظات اسرار الاولیا کے نام سے مرتب کیے۔

لیکن یہ تمام ملفوظات کے مجموعے حضرت خواجہ نصیرالدین چراغ دہلی کے اس بیان سے مشکوک اور فرضی سمجھے گئے ہیں جو خیر المجالس کی مجلس یازدہم میں درج ہے، خواجہ نصیرالدین چراغ دہلی کے سامنے کسی نے خواجہ عثمان ہارونی کے ملفوظات کا ذکر کیا تو خواجہ نصیرالدین چراغ نے فرمایا کہ یہ ملفوظات ان کے نہیں ہیں، پھر فرمایا کہ ان ملفوظات کے نسخے میری نظر سے بھی گزرے ہیں، ان میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جو ان کے اقوال کے مناسب نہیں، اس کے بعد یہ بھی کہا کہ شیخ نظام الدین اولیا یہ بھی فرماتے تھے کہ میں نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی کیوں کہ شیخ الاسلام فریدالدین، شیخ الاسلام قطب الدین اور خواجگانِ چشت، جو داخل شجرہ ہیں، کسی نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی۔ (خیر المجالس، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ ایڈیشن، ص ۵۲)

راقم ہی نے ان ملفوظات کی طرف اردو میں غالباً پہلی دفعہ جولائی ۱۹۴۵ء کے معارف (ص ۸۷) کے ذریعہ سے توجہ دلائی، پھر ۱۹۴۹ء میں اپنی اس حقیر تالیف بزمِ صوفیہ کی تمہید میں ذکر کیا کہ خواجگانِ چشت کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان بزرگوں نے ملفوظات کے مجموعوں کو مرتب نہیں کیا بلکہ بعد میں ان کے اسمائے گرامی ان کی طرف منسوب کر دیے گئے، پھر اکتوبر ۱۹۵۰ء، اکتوبر ۱۹۵۱ء اور دسمبر ۱۹۵۴ء کے معارف میں ان ملفوظات پر کچھ بحث بھی کی لیکن ایک عرصہ تک کشمکش میں رہنے اور مزید غور و فکر کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ خیر المجالس کی روایت پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہے، سیر العارفین کے مؤلف نے اپنے زمانہ میں جو خیر المجالس دیکھی تھی، اس میں سے مذکورہ بالا روایت کو دوسرے طریقہ سے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ملفوظ خیر المجالس کے کاتب حمید قلندر سے مروی اور منقول ہے کہ ایک شخص نے حضرت نصیرالدین محمود اودھیؒ سے عرض کیا کہ میں نے خواجہ قطب الحق والدین قدس سرہ کے ملفوظ میں ایسا کچھ لکھا ہوا دیکھا ہے، آپ نے جواب میں

Marfat.com

فرمایا کہ بالکل غلط ہے، میں نے بہ چشم خود ان ملفوظات کو دیکھا ہے، حاشاللہ یہ کلام ان کا نہیں ہے، اکثر غلط کلمات الحاقی ہیں، جو مجاوروں نے بڑھا دیے ہیں، کسی طرح قطب صاحب قدس سرہ کے حال اور اعمال کے موافق نہیں۔ (اردو ترجمہ، جلد دوم، ص ۴۲)

سیر العارفین کے فارسی نسخہ کے متن میں تھوڑا سا اختلاف ہے:

''نقل است از حمید قلندر کاتب ملفوظ خیر المجالس ایشاں کہ یکے بحضرت شیخ نصیر الملۃ والدین محمود قدس سرہ عرض نمود کہ در ملفوظ حضرت خواجہ معین الدین قدس سرہ وحضرت خواجہ قطب الدین چنیں نوشتہ دیدہ ام، ایشاں بفرمودند کہ ایں نسخہا بر من رسیدہ اند، حاشا کہ از ایشاں باشد در آں جا بسیار کلمات مجاوران ومعتقدان باوقوف نوشتہ اند کہ ہرگز موافق احوال واعمال ایشاں نیست۔''
(ص ۹۵)

سیر العارفین کے فارسی متن اور اس کے اردو ترجمے میں فرق ضرور ہے، پھر بھی دونوں بیانات کا مطلب یکساں ہے، یہ خیر المجالس کے مطبوعہ نسخہ سے کچھ مختلف ہے، مگر ان سے یہ ظاہر ہے کہ خواجہ معین الدین اور قطب صاحب کے ملفوظات مرتب ہوئے، جن میں کچھ یا اکثر یا بہت سے ملفوظات الحاقی ہیں۔

خیر المجالس کی مجلس یازدہم ہی میں اس کے مرتب حمید قلندر نے یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے عرض کیا کہ فوائد الفواد میں ہے کہ ایک شخص نے شیخ الاسلام شیخ نظام الدین قدس اللہ سرہ العزیز سے عرض کیا کہ:

''بر من شخصے کتابے دیدہ ام از تصنیف شیخ۔''

تو حضرت شیخ نے فرمایا:

''او تفاوت گفتہ است، من ہیچ کتابے تصنیف نہ کردہ ام وخواجگانِ ما نیز نہ کردہ اند۔''

یہ سن کر حضرت نصیر الدین چراغ نے فرمایا کہ واقعی حضرت یعنی شیخ نظام الدین اولیاؒ نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی، اس کے بعد حمید قلندر نے کہا کہ جو رسالے اس وقت

Marfat.com

ملتے ہیں، مثلاً شیخ قطب الدین و شیخ عثمان ہارونی کے، کیا وہ شیخ کے زمانہ میں نہ تھے، حضرت نصیر الدین چراغ نے فرمایا کہ نہ تھے، اگر ہوتے تو شیخ ان کا ذکر کرتے اور دست یاب ہوتے۔ (ص ۵۴)

لیکن حمید قلندر نے فوائد الفواد کے جس ملفوظ کا ذکر کیا ہے، وہ اس کے موجودہ مطبوعہ نسخہ سے کچھ مختلف ہے، فوائد الفواد میں ہے:

''سخن در کتب مشائخ افتاد و فوائدے کہ ایشاں نویسند عزیزے حاضر بود، عرض داشت کرد کہ مرادراو دہ مردے کتاب بے نمود، گفت کہ ایں بشتہ خدمت مخدوم است خواجہ ذکر اللہ بالخیر گفت کہ نقاوت گفتہ است، من ہیچ کتاب نہ نوشتہ ام، بعد ازاں فرمود کہ شیخ علی ہجویری چو کشف محجوب ہنشست او کتاب خود باد کرد...... '' (ص ۴۵)

اس میں یہ نہیں ہے کہ:

''خواجگانِ ما نیز نہ کردہ اند۔''

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا مجموعہ ملفوظات کو تصنیف قرار نہیں دیتے تھے، اسی لیے انہوں نے اپنے مرشد کے جو ملفوظات مرتب کیے ان کے مجموعہ کو اپنی کتاب نہیں سمجھتے تھے، کیوں کہ اسی فوائد الفواد میں ہے کہ انہوں نے اپنے مرشد کے ملفوظات جمع کیے، جو ۷۰۷ھ تک ان کے پاس تھے، وہ ۲۸ رشوال ۷۰۷ھ کی ایک مجلس میں فرماتے ہیں کہ میں جو کچھ اپنے شیخ سے سنتا لکھ لیتا اور ان کو دکھاتا جب شیخ کوئی حکایت یا نکتہ بیان کرتے اور میں مجلس میں نہیں ہوتا تو جب میں واپس آتا تو اپنی باتوں کو میرے لیے دہراتے، تاکہ میں لکھ لوں، اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ اسی زمانہ میں ایک شخص نے مجھ کو سفید کاغذ جلد بندھوا کر دیا، اسی میں شیخ کی باتیں لکھ لیا کرتا تھا، وہ مجموعہ میرے پاس ہے، فوائد الفواد کی پوری عبارت یہ ہے:

''خواجہ فرمودہ ہر چہ از شیخ شنودہ شد نوشتم، چوں بمقام خود باز آمدم، بر جائے نسخہ کردم،

Marfat.com

بعدازاں ہر بار آنچہ سماع می افتاد، در قلم می آوردم تا ایں معنی بخدمت شیخ باز نمودیم، بعدازاں ہرگاہ کہ حکایتے واشارتے بیان کردے می فرمودے کہ حاضر ہستی تا این غایت کہ اگر من غائب بودے، چوں بخدمت بعض پیوستی، فائدہ کہ در غیبت فرمودہ بودے آنرا اعادت کردے، بعدازاں خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر فرمود کہ کرامتے معائنہ کردم، ہمدراں ایام مردے مرا کاغذ ہا سپید داد یکجا جلد کردہ، من آنرا بستدم، فوائد شیخ ہم درآنجا ثبت کردم، بالا نبشتم کہ **سبحان اللہ والحمدللہ ولا الہ الااللہ واللہ اکبر ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم**، بعدازاں کلماتے کہ از شیخ استماع داشتم بنشتم وتاایں غایت آں مجموع برمن ہست۔'' (ص ۳۱-۳۰)

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے دوسرے مجموعۂ ملفوظات افضل الفوائد مرتبۂ امیر خسرو میں ہے کہ ملفوظات کو جمع کرنے کا دیرینہ رواج ہے اور یہ بڑی سعادت سمجھی جاتی ہے، چنانچہ حضرت نظام الدین اولیا کی زبانی یہ بیان ہے کہ جب مرید اپنے پیر کی خدمت میں حاضر ہو تو جو کچھ اپنے پیر سے سنے، اس کو قلم بند کر لے، کیوں کہ اس کے ہر حرف کے بدلے بہشت میں اس کے لیے ایک قصر تیار ہوگا:

''فرمود کہ چوں مرید بخدمت پیر ملازمت نماید، انچہ از زبان پیر بشنود، آنرا بکار برد...... ہر چہ در پند ونصیحت وجز آں بود، آں را در قلم آرد، پس حق سبحانہ تعالیٰ بہ ہر حرفے کہ در کتاب درج کند در بہشت بنام او قصرے بنا کند۔'' (افضل الفوائد از مطبوعہ نسخہ، ص ۱۱۱)

اس کے بعد افضل الفوائد کا بھی بیان ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے بھی اپنے مرشد کے ملفوظات جمع کیے، جس میں ان کے مرشد کی بھی مدد شامل رہی اور تقریباً وہی باتیں بیان کی گئی ہیں جو فوائد الفواد میں ہیں، حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کی زبانی ہے کہ جب شیخ الاسلام فرید الحق والدین نے سنا کہ میں جو کچھ ان کی زبان سے سنتا ہوں، لکھ لیتا ہوں تو جب کبھی میں ایک لمحہ کے لیے بھی ان کی مجلس سے غائب ہو جاتا اور واپس آتا تو پھر اس کو بیان فرماتے اور مجلس میں غافل ہو جاتا تو فرماتے کہ تم حاضر ہو؟

Marfat.com

"فرمود کہ شیخ الاسلام فرید الحق والدین قدس سرہ العزیز شنیدہ بود کہ دعا گوی ہر چہ از زبان شیخ فوائد وجز آں می شنودمی نویسد، پس ہر وقتیکہ دعا گوی یک لحظہ از مجلس غائب بودے، آں زماں کہ برفتے فرمودے کہ کجا بودی، وہر فوائد کی پیش فرمودہ بودے باز آں راپیان کردے اور اگر اثر غفلت در دعا گوی بدیدی روئے سوئے دعا گوے کردی وگفتے حاضر ہستی۔" (افضل الفوائد، ص ۱۱۲)

اسی طرح فوائد الفواد اور افضل الفوائد دونوں کی روایتوں سے ظاہر ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے اپنے مرشد کے ملفوظات جمع کیے، افضل الفوائد میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کی زبانی یہ بھی روایت ہے کہ جس روز حضرت خواجہ معین الدینؒ نے حضرت شیخ عثمان ہارونیؒ سے بیعت کی تو وہ بھی جو فوائد شیخ کی زبان گوہر بیان سے سنتے، قلم بند کر لیتے:

"بعد ازاں سخن در بزرگی شیخ معین الدین سجزی قدس اللہ سرہ القاد، حکایت فرمود آں روز کہ شیخ معین الدین بخدمت خواجہ عثمان ہارونی نور اللہ مرقدہ پیوست و بیعت آوردآو نیز ہر فوائد کہ از زبان شیخ می شنید آں را بقلم می آوردند" (ص ۱۱۱)

پھر اس کے بعد حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے یہ بھی فرمایا کہ ان ملفوظات کو انہوں نے بھی دیکھا ہے:

"چنانچہ ایں حکایت در بزرگی خواجہ حسن بصری در فوائد ایشاں نبشتہ دیدہ ام۔" (ص ۱۱۱)

افضل الفوائد کے ایک قلمی نسخہ (مملوکہ دار المصنفین) کے تتمہ کی عبارت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ خواجہ مودود چشتی، خواجہ حاجی شریف، خواجہ عثمان ہروانی، خواجہ معین الدین سجزی، خواجہ بختیار کاکی، خواجہ فرید الدین گنج شکر اور خواجہ نظام الدین اولیا نے اپنے اپنے مرشدوں کے ملفوظات جمع کیے۔

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ کے ایک دوسرے مجموعہ ملفوظات مفتاح العاشقین میں بھی خواجگانِ چشت کے ملفوظات کے حوالے جا بجا ملتے ہیں، خواجہ نصیر الدین چراغ کی

Marfat.com

زبانی ہے کہ:

''در رسالہ شیخ الاسلام خواجہ معین الدین الحق والشرع والدین قدس اللہ العزیز نوشتہ دیدہ ام کہ چوں صبح صادق بدمد پس ہفت اندام بزبان حال پیش زبان فریاد کند۔''(مطبع مجتبائی، دہلی، ص ۶)

''بعد ازاں فرمود کہ اے درویش در اسرار الاولیا بنشستہ دیدہ ام.....(ص ۱۵)

''بعد ازاں ہم ازیں محل فرمود کہ اے درویش در انیس الارواح بنشستہ دیدہ ام......

(ص ۱۸)

''بعد ازاں فرمود کہ اے درویش در دلیل العارفین می نویسند......۔''(ص ۳۰)

سیر الاولیا ایک مستند تذکرہ قرار دیا جاتا ہے، اس میں بھی ان ملفوظات کے حوالے ملیں گے، اس کے مؤلف امیر خورد کا بیان ہے کہ:

''در ملفوظات شیخ الاسلام شیخ معین الدین سجزی بنشستہ دیدہ ام۔(ص ۴۶۶)

''در بیان بعضے ملفوظات شیخ الشیوخ العالم فرید الحق قدس اللہ سرہ العزیز سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز بخط مبارک خود در قلم آوردہ......۔''(ص ۷۴)

''بزرگے از ملفوظات شیخ الشیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز پانصد کلمہ جمع کردہ است، ازاں چند کلمہ ہا آوردہ شد۔''(ص ۷۶)

اوپر کی تحریروں سے ظاہر ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اور حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر کے ملفوظات مرتب ہوئے جن سے سیر الاولیا کے مؤلف نے بھی استفادہ کیا، پھر سیر الاولیا کے مطالعہ سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدینؒ نے کوئی رسالہ بھی مرتب کیا، کیوں کہ اس کے صفحہ ۳۲۷، ۳۳۲، ۳۴۱، ۳۴۴، ۳۵۲، ۳۷۱، ۳۹۳، ۵۴۱، ۵۶۱، ۵۸۰ وغیرہ پر ہے:

''بخط مبارک سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز بنشستہ دیدہ ام......۔''

Marfat.com

اس کے بعد جا بجا عربی میں اقتباسات ہیں، اس سے ظاہر ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے عربی میں کوئی رسالہ مرتب کیا، اس میں شاید ان کی یادداشت کے طور پر کچھ تحریریں ہوں، جن کو حضرت خواجہ اپنی تصنیف شمار کرنا پسند نہ کرتے ہوں۔

کچھ اہل علم ایسے ہیں جو انیس الارواح، دلیل العارفین، فوائد السالکین، اسرار الاولیا اور راحت القلوب کے ساتھ افضل الفوائد اور مفتاح العاشقین کو غیر مستند، نقلی، جعلی مجموعۂ ملفوظات سمجھتے ہیں لیکن وہ سیر الاولیا کو غیر مستند قرار نہیں دیتے، البتہ سیر الاولیا میں خواجگانِ چشت کے ملفوظات کے جو حوالے ہیں، ان پر تعجب کا اظہار کر کے خاموش ہو جاتے ہیں۔

ان میں سے جو لوگ ملفوظات کے مذکورہ بالا تمام مجموعوں کے ساتھ اسرار الاولیا کو بھی جعلی قرار دیتے ہیں، ان کی تائید حضرت خواجہ گیسو درازؒ کے ملفوظات جوامع الکلم کی روایت سے بھی ہوتی ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ مولانا بدر الدین اسحٰق نے حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کے ملفوظات کا کوئی مجموعہ مرتب نہیں کیا، خواجہ گیسو دراز کی زبان سے ہے:

''ملفوظی از اں شیخ فرید الدین در اجودھن دیدم کہ آں را نسبت مولانا بدر الدین اسحٰق می کنند، سر بسر ہمہ افترا است، می گویند جمع کردہ مولانا بدر الدین اسحٰق نیست۔ (ص ۱۴۴)

لیکن حضرت خواجہ گیسو درازؒ انیس الارواح، دلیل العارفین، فوائد السالکین اور راحۃ القلوب کے متعلق خاموش ہیں، ان کا یہ بھی بیان ہے کہ فوائد الفواد تو معتبر ہے لیکن حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے اور ملفوظات مستند نہیں ہیں:

''ملفوظ شیخ نظام الدین کہ امیر حسن شاعر جمع کردہ است آں معتبر است، و ملفوظہائے دیگر از اں شیخ بنشستہ اند، ہمہ باد ہوا ست۔''

اس طرح سیر الاولیا میں خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے جو ملفوظات ہیں، وہ بھی اس بیان کے مطابق معتبر نہیں لیکن اس سلسلہ کا سب سے تعجب خیز ٹکڑا وہ ہے جس میں حمید قلندر

Marfat.com

کے جمع کردہ ملفوظات (خیر المجالس) کے متعلق بھی سخت رائے پائی جاتی ہے، خواجہ گیسودراز اس کو بھی مستند تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں:

''ملفوظی کہ حمید قلندر جمع کردہ است مولانا کمال الدین خواہر زادہ شیخ موازنہ دو جزی پیش، شیخ برد، خدمت شیخ دید، گفت من چیزے دیگر گفتہ ام، مولانا حمید الدین چیزے دیگر بنشستہ است، برگرفت، بروں انداخت، مولانا کمال الدین گفت از خدمت شیخ نظام الدین ملفوظے یادگار مائدہ است، از خواجہ ہم باشد، فرمودند چہ کنیم فرصت ندارم کہ ایں را صحیح کنم۔'' (ص ۱۳۴)

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت نصیر الدین چراغ نے اس مجموعے کے کچھ حصے کو سن کر رد کر دیا، جس کے بعد ان کو اس کو دیکھنے کی فرصت ہی نہیں ملی، اب جہاں خیر المجالس کے حامی جوامع الکلم کی اس روایت کی کچھ نہ کچھ تاویل کر سکتے ہیں، وہاں ان کے ناقد کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا ہے کہ اگر خیر المجالس میں وہ باتیں نہیں لکھی گئیں جو شیخ نصیر الدین چراغ فرماتے رہے تو اس کی روایت کے مطابق خواجگانِ چشت کے ملفوظات کے جن مجموعوں کو فرضی قرار دیا جاتا ہے، وہ بڑی حدتک مجروح ہو جاتی ہے لیکن آگے چل کر اگر جوامع الکلم کی روایت بھی اسی طرح مجروح کر دی گئی تو پھر معلوم نہیں یہ سلسلہ کہاں پر آ کر ختم ہوگا۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ملفوظات کے ہر مجموعہ کے مرتب کی یہ خواہش غالب رہی کہ اس کا مجموعہ اتنا اہم سمجھا جائے کہ اس کے پیش رو کے مجموعوں کی اہمیت کم ہو جائے، اس لیے وہ اپنے مرشد کی زبانی کوئی نہ کوئی ایسی روایت بیان کر دیتے جس سے پہلے کے مجموعوں کی اہمیت خود بخود گھٹ کر رہ جاتی، اس طرح خیر المجالس کے مرتب کی روایت کے مطابق شروع کے خواجگانِ چشت کے ملفوظات کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے، تو جوامع الکلم کے مرتب کی روایت کے مطابق خود خیر المجالس کی اہمیت جاتی رہتی ہے۔

اوپر کی سطروں سے ظاہر ہوگا کہ خواجگانِ چشت کے ملفوظات کی حمایت میں روایتیں زیادہ ہیں اور مخالفت میں نسبتاً کم ہیں لیکن اگر ان گنجلک اور متضاد روایتوں سے قطع نظر

Marfat.com

کر کے اب صرف ان ملفوظات کا ناقدانہ مطالعہ کرنے کے بعد ہی یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ کہاں تک مستند اور معتبر ہیں، پروفیسر محمد حبیب (مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) نے بھی ان ملفوظات کو فرضی اور جعلی قرار دیا ہے، انہوں نے اکتوبر ۱۹۵۰ء کے مڈیول انڈیا کوارٹرلی علی گڑھ میں انگریزی میں ایک طویل مقالہ Chishti Mystic Record of The Sultanate Period کے عنوان سے لکھا، جس میں بظاہر بہت ہی مدلل طریقہ سے ان ملفوظات کو نقلی اور فرضی بتانے کی کوشش کی ہے، راقم الحروف طالب علمی کے زمانہ سے پروفیسر صاحب کے دقتِ نظر اور وسعتِ علم سے متاثر ہے لیکن اس کے باوجود جب اس مضمون کو بہت ہی ذوق وشوق سے پڑھا تو اس میں جو دلائل دیے گئے ہیں، ان سے تشفی نہ ہوسکی۔

جناب پروفیسر صاحب کے نزدیک انیس الارواح، دلیل العارفین، فوائدُ السالکین، اسرار الاولیا، راحت القلوب، افضل الفوائد اور مفتاح العاشقین وغیرہ سب ہی جعلی مجموعے ہیں، اس سلسلہ میں وہ شیخ فرید الدین عطار کی تذکرۃ الاولیا کو بھی جعلی قرار دیتے ہیں، وہ ملفوظات کے مجموعوں میں فوائد الفواد اور خیر المجالس کو مستند اور تذکروں میں سیر الاولیا، سیر العارفین اور اخبار الاخیار کو معتبر سمجھتے ہیں، ملفوظات خواجگانِ چشت پر ان کے جو اعتراضات ہیں، ان کا ہم ذیل میں تجزیہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں بدقسمتی سے ملفوظات کے تمام مجموعوں کی کتابت وطباعت بہت ہی خراب ہوئی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی محنت اور اہتمام کے بغیر بڑی عجلت میں وہ شائع کردیے گئے ہیں، اسی لیے ان میں سنین اور اسما کی بڑی غلطیاں رہ گئی ہیں، جن سے بڑی غلط فہمی پیدا ہوتی ہے، جیسا کہ آگے ذکر آئے گا لیکن ان غلطیوں پر مخالفانہ اور معاندانہ تنقید کے بجائے ہمدردانہ نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔

انیس الارواح میں ہے کہ جب حضرت خواجہ معین الدین چشتی اپنے مرشد سے مرید ہوئے تو ان سے مرشد نے فرمایا کہ اوپر نظر اٹھاؤ اور جب انہوں نے نظر اٹھائی تو پوچھا، کیا دیکھتے ہو، فرمایا، عرش عظیم، پھر زمین کی طرف دیکھنے کو کہا اور جب انہوں نے زمین کی

Marfat.com

طرف دیکھا تو پوچھا، کیا دیکھتے ہو، فرمایا، تحت الثریٰ تک نظر جاتی ہے، پھر فرمایا کہ سورۂ اخلاص ہزار بار پڑھو اور جب پڑھ چکے تو پوچھا، پھر دیکھو، کیا دیکھتے ہو تو فرمایا، حجاب عظمت، پھر کہا، آنکھیں بند کرلو اور جب بند کرلیں تو کھولنے کا حکم دیا اور دو انگلیاں دکھا کر پوچھا، کیا دیکھتے ہو تو جواب دیا، اٹھارہ ہزار عالم، پروفیسر صاحب اس قسم کی روایت کو صحیح تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں، ان کو عرش عظیم، تحت الثریٰ، حجابِ عظمت، اٹھارہ ہزار عالم وغیرہ کی صوفیانہ اصطلاحیں عجیب وغریب معلوم ہوئیں، اس لیے یہ ان کے نزدیک بے سروپا باتیں (Wild Talks) ہیں لیکن اس قسم کی اصطلاحیں برابر استعمال ہوتی رہی ہیں، خود فوائد الفواد میں ہے:

''حکایت جماعت متحیراں افتاد کہ بحق چناں مشغول باشد کہ از ہیچ آفریدہ جوشاں نباشد یکے از حاضراں حکایت کرد کہ من وقتے جائے رسیدم و ایں چنیں ہفت بہشت را دیدم، دو چشم در آسمان داشتہ وشب وروز متحیر ماندہ، مگر آنکہ وقت نماز در میان آمد از ایشاں نماز می گزاردند و باز ہم چناں متحیر می ماندند، خواجہ ذکر اللہ بالخیر فرمود کہ آرے انبیا معصوم اند و اولیا محفوظ ہم چنیں باشند کہ گفتی۔ (ص ۱۴۴)

''......امافقرا تا عرش نہ بینند نماز نہ کنند......قاضی را در خواب نمودند کہ شیخ جلال الدین تبریزی قدس اللہ سرہ العزیز مصلا بر عرش انداختہ نماز می گذارد۔'' (ص ۲۳۷)

حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات میں اس قسم کے رموز اور بھی واضح طریقہ پر پیش کیے گئے ہیں، وہ اپنے احوال وکیفیات کو بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''میں شدت شوق میں رونے لگا، ایک روز کے بعد بے خودی کی کیفیت محسوس ہوئی، میں نے اس بے خودی میں ایک وسیع دریا دیکھا، اس بے خودی میں دنیا کی شکلیں اور صورتیں دریا میں سایہ کے رنگ میں نظر آئیں، اس بے خودی نے رفتہ رفتہ غلبہ پیدا کیا اور یہ کبھی ایک پہر کبھی دو پہر اور کبھی تمام رات رہتی......اس کے بعد مجھ کو ایسا نور دکھائی دیا جو ہر چیز پر محیط تھا، میں نے اس کو خدا سمجھا، اس نور کا رنگ سیاہ تھا، میں نے جا کر عرض کیا، فرمایا، حق مشہود ہوا لیکن نور کے پردے

Marfat.com

ہیں...... اس نور میں انبساط ہے جس کی نفی کرنا چاہیے، اس کے بعد انبساط والے نور انقباض کی طرف رخ کیا، وہ تنگ ہونے لگا یہاں تک کہ ایک نقطہ ہوگیا، فرمایا، اس نقطہ کی بھی نفی کرنا چاہیے اور حیرت کی طرف آنا چاہیے، میں نے ایسا ہی کیا، وہ موہوم نقطہ زائل ہوگیا، پھر حیرت کی طرف آیا اور یہی شہود حق کا مقام ہے۔"

"اس کے بعد دوسری بار فنا حاصل ہوئی، جس کو فنائے حقیقی کہتے ہیں، دل میں اس قدر وسعت پیدا ہوگئی کہ آسمان سے زمین تک تمام عالم کی حیثیت رائی کے دانہ سے زیادہ نہ تھی، اس کے بعد اپنے کو، دنیا کے ہر فرد کو، بلکہ ہر ذرہ کو خدا ہی دیکھا...... اور اپنے اور ہر ذرہ کو اس قدر کشادہ اور وسیع دیکھا کہ تمام دنیا اس میں سما گئی تھی، بلکہ اپنے اور ہر ذرہ کو ایک نور پایا، جو ہر ذرہ پر چھایا ہوا تھا اور دنیا کی شکل اور صورت اس میں گم تھی، اس کے بعد اپنے بلکہ ہر ذرہ کو ساری دنیا کا جزء پایا، جب میں نے (مرشد سے) عرض کیا تو فرمایا کہ توحید میں حق الیقین کا مرتبہ بھی ہے اور مقام جمع الجمع سے بھی مراد ہے۔

"واضح رہے کہ پہلی بار جب یہ درویش سکر و صحو میں لایا گیا تو فنا سے نکل کر بقا سے مشرف کیا گیا اور جب اپنے وجود کے ذرات میں سے ہر ذرہ پر نظر کی تو سوائے حق تعالیٰ کے کچھ اور نہ پایا، اور ہر ذرہ کو اس کے شہود کا آئینہ دیکھا، اس مقام سے پھر حیرت میں لایا گیا، جب اپنے میں آیا تو حق سبحانہٗ تعالیٰ کو اپنے وجود کے ذرات میں سے ہر ذرہ کے ساتھ پایا، اور پہلا مقام اس دوسرے مقام سے فروتر نظر آیا، پھر حیرت میں لایا گیا اور جب اس دنیا میں آیا تو اس مرتبہ حق سبحانہ کو عالم متصل نہ منفصل نہ خارج اور نہ داخل پایا اور پہلی دفعہ جو میں نے پایا تھا وہ دنیا کے ساتھ ہے اس کو گھیرے ہوئے اور اس میں سرایت کیے ہوئے ہے، اس کو نفی دیکھا، اسی کیفیت میں مشہود ہوا، دنیا بھی اس وقت مشہود نظر آئی لیکن حق تعالیٰ سے کوئی نسبت نہیں، پھر میں حیرت میں لایا گیا اور جب میں صحو میں آیا تو معلوم ہوا کہ حق سبحانہ تعالیٰ کو دنیا سے نسبت ہے لیکن یہ نسبت معلوم نہیں اور وہ اسی نسبت نامعلوم سے مشہود ہوا، پھر حیرت میں لایا گیا، اس مرتبہ انقباضی کیفیت طاری ہوئی لیکن جب

Marfat.com

اپنے میں آیا تو خدا اس نامعلوم نسبت کے بغیر معلوم ہوا، اس طرح وہ دنیا سے کوئی نسبت نہیں رکھتا ہے، اس وقت دنیا بھی مشہود تھی، اس کے بعد ایسا علم حاصل ہوا کہ اس علم کے سبب خلق اور حق تعالیٰ کے درمیان کوئی نسبت باقی نہ رہی اور دونوں شہود کے حاصل ہو جانے کے بعد اس وقت ایسا معلوم ہوا کہ شہود اپنی صفت اور تنزیہہ کے باوجود خدا کی ذات نہیں بلکہ اس کی تکوین کے تعلق کی ایک مقامی صورت ہے، اس کے ماورا تعلقات کوئی ہے، خواہ وہ تعلق معلوم الکیفیت ہو یا مجہول الکیفت ہے۔''
(مکتوب جلد اول، نمبر ۲۹۰)

بیسویں صدی میں اس قسم کے جو تجربات و مشاہدات علامہ اقبال کو حاصل ہوئے وہ بھی ملاحظہ ہوں، وہ حضرت مجدد الف ثانی کے مزار اقدس پر حاضر ہوئے تو فرماتے ہیں:

''سجادہ نشین خلیفہ محمد صادق مرحوم نے میرے لیے مزار مبارک پر تخلیہ کرا دیا تھا، میں ایک گھنٹہ تک مراقب رہا اور حضرت مجدد کی روح میری طرف محبت آمیز رنگ میں متوجہ رہی، مجھے ماحول کا احساس نہیں رہا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت کے سامنے بیٹھا ہوا ہوں ...... رقت کا عالم برابر رہا، زمان و مکان کا احساس ختم ہو گیا تھا، روحانی فیض میری رگ و پے میں ساری تھا، دل میں اس قدر وسعت پاتا تھا کہ ساری کائنات اس میں سما گئی۔'' (نقل از مکتوب پروفیسر سلیم چشتی محررہ ۲۶/اپریل ۱۹۶۳ء، لاہور)

انیس الارواح میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے حج کرنے کا ذکر آیا ہے لیکن پروفیسر حبیب نے اس کی تردید یہ لکھ کر کی ہے کہ سیر الاولیا میں ہے کہ چشتی مشائخ میں سے کسی نے حج نہیں کیا:

"Amir Khusro tells us on good authority that none of the Chishti Shaikhs performed the Hajj pilgrimage." *(Siyar-ul-Auliya, P-407)*

سیر الاولیا کا جو نسخہ (مطبوعہ مطبع محبّ ہند، دہلی) میرے سامنے ہے، اس میں ہے کہ:

Marfat.com

''شیخ الشیوخ العالم فرید الحق والدین قدس سرہ چند بار آرزوئے حج کرد وروان شد، بعدے کہ در او چہ رسید در دل مبارک شیخ شیوخ العالم گذشت کہ شیخ من شیخ قطب الدین بختیار قدس سرہ حج نہ کردہ است، مرا چرا باید کرد کہ مخالفت پیر کنم از آنجا کہ باز گشت۔'' (ص ۴۰۷)

اس عبارت سے کہیں ظاہر نہیں ہے کہ چشتی مشائخ میں سے کسی نے حج نہیں کیا۔ بعض ملفوظات حیرت انگیز بتائے گئے ہیں، مثلاً بیوی کی فرماں برداری کے سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ:

''ہر آن زنے کہ شوہر او را بخانہ خواب خود خواند و او نیاید و دور شود ہمہ نیکیہا کہ کردہ باشد، چناں بیروں آید، چوں مار از پوست۔''

پروفیسر حبیب نے خانہ خواب کو جامۂ خواب پڑھا ہے، اسی لیے اس کا ترجمہ Night Cloth کیا ہے، ان ملفوظات میں یہ بھی ہے:

''مومن کو گالی دینا، اپنی ماں بہن سے زنا کرنا ہے، ایسے شخص کی دعا سو دنوں تک مستجاب نہیں ہوتی......

پیشہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کا دوست ہے لیکن جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ پیشہ ہی کے ذریعہ سے روزی ملتی ہے، تو وہ کافر ہے، کیوں کہ رزاق مطلق خدا ہے، وغیرہ وغیرہ۔''

معلوم نہیں کن اسباب کی بنا پر پروفیسر صاحب نے ان فرمودات کو حیرت انگیز (Startling) بتایا ہے، صوفیہ کرام ترغیب و ترہیب کی خاطر تو موضوع حدیثوں کو بھی استعمال کرنا جائز سمجھتے ہیں، پھر اندازِ بیان میں شدت اور سختی ان کے یہاں حیرت انگیز نہیں، مثلاً حضرت شرف الدین یحییٰ منیریؒ نے ارشاد السالکین میں لکھا ہے:

''تا کافر نشود مسلمان نہ شود تا سالک برادر خود را نہ برد مسلمان نہ شود و تا بمادر جفت نشود مسلمان نشود۔''

یہ فقرے بہت ہی حیرت انگیز معلوم ہوتے ہیں لیکن حضرت مجدد الف ثانی نے

Marfat.com

اس کی جو تصریح کی ہے، اس سے ان فقروں میں بڑی کیفیت پیدا ہوگئی ہے، وہ فرماتے ہیں کفر سے مراد کفر طریقت ہے، یعنی جب تک کوئی کفر طریقت اختیار کر کے کافر نہ بن جاتا ہے، اسلام کی حقیقت سے واقف نہیں ہوسکتا ہے، پھر جو یہ کہا گیا ہے کہ جب تک اپنے بھائی کو نہ مارے تب تک مسلمان نہیں ہوتا، بھائی سے مراد ہم زاد شیطان ہے، جو انسان کے ساتھ رہ کر ہر وقت اس کو شر و فساد کی طرف مائل کرتا ہے، اسی طرح بھائی کا سر کاٹنے سے مراد احکامِ شریعت کی تلوار سے شیطان کا سر کاٹنا ہے اور جب تک اپنی ماں سے جفت نہ ہو، مسلمان نہ ہو، اس سے مراد مقام حقیقت کا وصل حاصل کرنا ہے، جس کو صوفیہ کی اصطلاح میں ام بھی کہتے ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھو مکتوبات امام ربانی، جلد سوم، مکتوب ۳۳)

ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ انیس الارواح میں احمد معشوق کا ذکر ہے، جو حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کی روایت کے مطابق شیخ عثمانؒ کے بعد کے بزرگ ہیں لیکن فوائد الفواد (ص ۲۵۷) میں احمد معشوق کی جو کیفیت لکھی ہوئی ہے، اس میں کہیں ذکر نہیں ہے کہ احمد معشوق حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے بعد کے بزرگ ہیں بلکہ سیر الاولیا (ص ۳۶۳) میں ہے کہ:

''سلطان المشائخ فرمود کہ بزرگے گفتہ است کہ از خواجہ احمد غزالی شنیدم در قیامت ہمہ صدیقاں تمنا برند کہ کاشکے ما خاکے می بودیم کہ روزے خواجہ معشوق برآں پائے نہادہ بودے۔''

اس سے صاف ظاہر ہے کہ خواجہ معشوق حضرت امام غزالی سے پہلے کے بزرگ ہیں اور امام احمد غزالی کی وفات ۵۲۰ھ میں ہوئی، خواجہ عثمان ہارونی کی ولادت چھٹی صدی ہجری میں اس کے بعد ہی ہوئی، جب کہ امام احمد غزالی مذکورۂ بالا قول کہہ چکے تھے۔

ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ انیس الارواح میں مشارق الانوار کا ذکر ہے، جو حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے بعد کی تصنیف ہے:

''بر لفظ مبارک راند کہ امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ در

Marfat.com

مشارق الانوار مسطور است از خوردن شراب مویز گفت اے عمر! حلال نیست وآں محض حرام است۔"

(ص ۱۴)

ان سطروں میں جو حدیث لکھی گئی ہے وہ مشارق الانوار کے مطبوعہ نسخہ میں نہیں ہے، اس لیے خیال ہوتا ہے کہ کسی اور کتاب سے یہ حدیث لی گئی ہے، جس کے نام کے بجائے مشارق الانوار کی غلط کتابت ہوگئی ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے مجموعۂ ملفوظات دلیل العارفین پر پہلا اعتراض یہ ہے کہ اس کی مجلس اول کی تاریخ ۵۱۴ھ لکھی ہوئی ہے، جو مہمل اس لیے ہے کہ اس وقت تک حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی پیدائش بھی نہیں ہوئی تھی لیکن یہ کتابت کی اسی طرح کی غلطی ہے جس طرح کہ سیر الاولیا (ص ۴۸) میں ہے کہ حضرت خواجہ قطب الدینؒ ۵۲۲ھ میں حضرت خواجہ معین الدینؒ سے بیعت ہوئے، جب کہ حضرت خواجہ کی پیدائش ۵۳۰ھ میں بتائی جاتی ہے، یا فرشتہ جیسے دیدہ ور مورخ بھی تاریخ (جلد دوم، ص ۳۷۷) میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدینؒ ۵۶۱ھ میں اجمیر تشریف لائے جب کہ وہاں سید حسین مشہدی المشہور بہ خنگ سوار قطب الدین ایبک کی طرف سے داروغہ تھے، حالاں کہ قطب الدین ایبک دہلی کا سلطان ۶۰۲ھ میں ہوا، پروفیسر صاحب سیر العارفین کو مستند تذکرہ سمجھتے ہیں لیکن اس میں اسما اور سنین کی بہت سی غلطیاں ملیں گی، اس بنا پر اس کو جعلی نہیں قرار دیا جاسکتا ہے۔

دلیل العارفین میں ایک روایت کے سلسلہ میں یہ لکھا گیا ہے:

"گفت یا رسول اللہ ﷺ امروز قریب چہل سال است کہ نمازمی گذارم رسول اللہ ﷺ چشم پر آب کردو فرمود کہ ہیچ نماز نکردہ۔"

اس پر اعتراض یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کو چالیس سال کی مدت نہیں ملی، اس لیے آپ کے سامنے یہ کیسے کہا گیا کہ چالیس سال سے نماز پڑھ رہا ہوں یہ اعتراض صحیح ہے لیکن چہل سال یقیناً کتابت کی غلطی ہے، یہ چہار یا چندیں سال ہے، کاتب کو

Marfat.com

چندیں سال، چہار سال اور چہل سال کے لکھنے میں تسامح ہو گیا ہے۔

دلیل العارفین کی بارہویں مجلس میں روایت ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی وفات سے بیس روز پہلے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اجمیر چھوڑ کر دہلی آئے اور یہاں انہوں نے کل چالیس روز قیام کیا تھا کہ ان کی وفات کی خبر آئی، پروفیسر موصوف کا یہ کہنا ہے کہ یہ بیان صحیح نہیں ہے کیوں کہ اخبار الاخیار کی روایت کے مطابق حضرت خواجہ معین الدین کا وصال رجب ۶۳۳ھ میں ہوا اور ان سے پہلے حضرت قطب الدین بختیار کاکی کی وفات اسی سال ۱۴/ربیع الثانی میں ہو چکی تھی لیکن یہ اعتراض اسی وقت صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے جب کہ اخبار الاخیار میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی جو تاریخ وفات لکھی گئی ہے، اس کو قطعی اور آخری سمجھ لیا جائے، راقم کی تحقیق ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی وفات حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے پہلے ۶۲۷ھ میں ہوئی، گو زیادہ تر تذکرہ نویس ان کے وصال کی تاریخ ۶/رجب ۶۳۲ھ لکھتے ہیں، اگر ۶۲۷ھ یا ۶۳۲ھ ان کی تاریخ وفات تسلیم کر لی جائے تو پھر یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا وصال حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی وفات سے پہلے ہوا، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی وفات کی تاریخ ۱۴/ربیع الثانی ۶۳۳ھ بالاتفاق تسلیم کر لی گئی ہے، اس لحاظ سے دلیل العارفین کی مجلس یازدہم میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس میں کوئی پیچیدگی یا تضاد نہیں ہے۔

دلیل العارفین (ص ۲۳) میں جامع الحکایات کا حوالہ ہے، اعتراض ہے کہ محمد عوفی کی جامع الحکایات فی الروایات ساتویں صدی ہجری کی تصنیف ہے، اس لیے دلیل العارفین میں اس کا حوالہ دینا تعجب خیز ہے، جامع الحکایات کو محمد عوفی کی جامع الحکایات فی الروایات تسلیم کر لینا اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جب کہ دلیل العارفین میں جو روایت لکھی گئی ہے وہ عوفی کی جامع الحکایات میں بھی موجود ہو، میری نظر سے دلیل العارفین کی روایت عوفی کی جامع الحکایات میں نہیں گزری، اس سے قطع نظر دلیل العارفین میں عوفی کی جامع الحکایات کا

Marfat.com

حوالہ کوئی تعجب خیز نہیں کیوں کہ محمد عوفی کی وفات ۶۳۰ھ میں ہوئی، جس کے یہ معنی ہیں کہ یہ کتاب ۶۳۰ھ سے پہلے لکھی جا چکی تھی، اس لحاظ سے اگر حضرت خواجہ کی نظر سے گزری ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

دلیل العارفین میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی زبانی روایت ہے:

''مولانا رضی الدین گھوڑے پر سے گر گئے، ان کا پاؤں ٹوٹ گیا، گھر آئے تو سوچا کہ یہ بلا کہاں سے آئی، ان کو یاد آیا کہ فجر کی نماز کے بعد وہ سورہ یٰسین پڑھا کرتے تھے، اس وقت یہ وظیفہ فوت ہو گیا۔''

یہی روایت راحت القلوب (ص ۲۲) میں بھی حضرت فرید الدین گنج شکر کی زبانی بیان کی گئی ہے، اس میں نام مولانا رضی الدین کے بجائے قاضی رضی الدین مرقوم ہے لیکن فوائد الفواد کی اس روایت میں نام مولانا عزیز زاہد لکھا ہوا ہے:

''فرمود کہ مولانا عزیز زاہد رحمۃ اللہ علیہ یک روز از اسپ خطا کرد و بازوی او فرود آمد، از و پرسیدند چہ حالست، گفت کہ من ہر روز سورہ یٰسین می خواندم امروز نخواندہ ام۔'' (ص ۱۰۰)

سیر الاولیا میں یہی روایت لفظ بہ لفظ نقل کر دی گئی ہے، صرف مولانا عزیز زاہد کے بجائے اس میں مولانا عزیز الدین زاہد لکھا ہے۔

پروفیسر محمد حبیب کا اعتراض ہے کہ دلیل العارفین کی یہ روایت فوائد الفواد سے سرقہ ہے، صرف نام بدل دیا گیا ہے، یہ بھی اعتراض ہے کہ دلیل العارفین کے گم نام مرتب نے مولانا کمال الدین زاہد کو مولانا رضی الدین صغانی سے خلط ملط کر دیا ہے، پروفیسر صاحب نے مولانا رضی الدین کے نام کے ساتھ صغانی بڑھا دیا ہے حالاں کہ دلیل العارفین میں صغانی نہیں ہے اور پھر فوائد الفواد میں مولانا کمال الدین زاہد کا نام نہیں، اس میں مولانا عزیز زاہد ہے، جس کو سیر الاولیا نے مولانا عزیز الدین زاہد لکھا ہے، اس کو سرقہ کہنا صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے بزرگانِ دین فجر کی نماز کے بعد سورۂ یٰسین کی تلاوت کا بڑا التزام رکھتے

Marfat.com

تھے، اس کے فوت ہو جانے پر مولانا رضی الدین یا مولانا عزیز الدین زاہد کو جو حادثہ پیش آیا، اس کا ذکر پہلے تو حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، پھر حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ اور پھر حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے اس کی اہمیت ظاہر کرنے کے لیے کیا، ممکن ہے کہ فوائد الفواد میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اور حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر کی روایت یا بیان کو قلم بند کرتے وقت نام لکھنے میں وہی سہو ہو گیا جو خود پروفیسر صاحب کو ہو گیا ہے، انہوں نے عزیز زاہد کو کمال زاہد اور مولانا رضی الدین کو مولانا رضی الدین صغانی تسلیم کر لیا ہے۔

دلیل العارفین کی مجلس یازدہم میں ہے:

''فرمود کہ در ملتان بودم، از بزرگے شنیدم کہ توبہ اہل محبت بہ سہ نوع است۔''

اعتراض یہ ہے کہ اس میں ملتان کا ذکر کیسے آیا، جب کہ ان ملفوظات کی ترتیب حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے ہندوستان میں آنے سے پہلے بغداد میں ہوئی لیکن یہ سمجھنا کہ یہ تمام ملفوظات بغداد میں مرتب ہوئے، صحیح نہیں، کیوں کہ دلیل العارفین کی مجلس دوازدہم اجمیر کی جامع مسجد میں ہوئی، پھر جہاں ذکر ہے کہ ''در ملتان بودم''، اسی کے بعد یہ بھی ہے کہ:

''مسافری شوم جائے کہ دفن ما خواہد بود یعنی در اجمیر می روم، ہر کسے را وداع کردہ،
دعا گو بر در راہ بودیم، بعد ازاں در اجمیر رسیدیم۔'' (ص ۵۴)

اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ نے اجمیر سے پہلے ملتان میں قیام کیا، جہاں ان کی ملاقات کسی بزرگ سے ہوئی، اس کا ذکر مجلس یازدہم کے بجائے علاحدہ ہونا چاہیے تھا لیکن ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے، اس تصنیفی ترتیب کے نہ ہونے کی وجہ سے واقعہ کی اصلیت میں فرق نہیں آنے پاتا۔

دلیل العارفین (ص ۵۵) میں ہے:

Marfat.com

''آنگاہ فرمود کہ مرتبہ اہل محبت چنانست کہ اگر پرسند شب نماز گزاردمی گوید کہ مارا فراغت نیست وملک الموت می گردیم وہر جا کہ درماندہ است اورادست می گیریم۔''

اس ملفوظ میں موت کی جو خوف ناکی دکھائی گئی ہے اس کو تصوف کے اداشناس ہی سمجھ سکتے ہیں، پروفیسر صاحب کو اس پست درجہ کا تصوف Degrading type of Sayticism کہتے ہیں لیکن حسب ذیل تحریروں میں اسی قسم کی باتیں ملیں گی:

''ایک مرید ہے جو پانچوں وقت کی نماز پڑھتا ہے، تھوڑے اوراد بھی پڑھ لیتا ہے لیکن اپنے شیخ کی محبت اس کے دل میں بہت ہے اور پیر سے بڑا راسخ اعتقاد رکھتا ہے، دوسرا مرید وہ ہے کہ عبادت بہت کرتا ہے، بے حد تسبیح اور اوراد پڑھتا ہے، اس نے حج بھی کیا ہے لیکن شیخ کی محبت میں کمی کرتا ہے اور اس کے پیر سے اعتقاد رکھنے میں فتور ہے تو ان دونوں مریدوں میں سے کون بہتر ہے، فرمایا، جو اپنے پیر سے محبت کرتا ہے اور اس کا معتقد ہے۔'' (فوائد الفواد، ص ۱۲۰)

(شیخ نصیر الدین دہلوی) نے فرمایا کہ خواجہ ممشاد دینوری رحمۃ اللہ علیہ بستر علالت پر تھے، ان پر سخت وقت گزرا تو اس وقت مریدوں میں سے ایک نے ہاتھ اٹھایا اور دعا کی کہ خداوندا! خواجہ ممشاد کو بہشت عنایت کرنا، خواجہ ممشاد نے...... آنکھ کھولی اور فرمایا، یہ دعا تم میرے لیے کرتے ہو، چالیس سال سے بہشت مجھ کو دی جا رہی ہے لیکن میں اس کی طرف گوشۂ چشم سے بھی نہیں دیکھتا ہوں۔ (خیر المجالس، ص ۲۳۴)

فوائد السالکین پر جتنے اعتراضات ہیں، وہ اور بھی زیادہ کم زور قسم کے ہیں، ایک اعتراض یہ ہے کہ اگر حضرت فرید الدین گنج شکرؒ نے اس کو مرتب کیا تو فوائد الفواد میں اس کا ذکر ہوتا لیکن اس کا ذکر نہ ہونا اس کے فرضی ہونے کی قوی دلیل نہیں ہے، حضرت نظام الدین اولیاؒ نے اپنے دوسرے مجموعۂ ملفوظات افضل الفوائد میں اس کا ذکر کیا ہے تو وہ قابل اعتنا ہی نہیں سمجھا جاتا ہے، البتہ اس میں ۵۸۴ھ کی جو تاریخ لکھی گئی ہے، وہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے، جس کو فاضل معترض نے بھی تسلیم کیا ہے۔

Marfat.com

فوائد السالکین (مجلس دوم، ص ۱۳) میں ہے:

''ہمدریں محل فرمود کہ وقتے من و قاضی حمید الدین ناگوری طواف خانہ کعبہ می کردیم بزرگے بود، اورا نیز شیخ عثمان گفتندے واو از بندگان خواجہ ابوبکر شبلی بود......''

اس پر یہ اعتراض صحیح ہے کہ ابوبکر شبلیؒ اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے زمانے میں بڑا فرق ہے، اس لیے ان کے حج کے زمانے میں بندگان خواجہ ابوبکر شبلی کا ہونا ممکن نہیں، بندگان کتابت کی غلطی ہے، اس کے بجائے بنسیگان ہونا چاہیے، پھر خواجہ ابوبکر شبلی کے بنسیگان (پوتے پڑپوتے) میں سے کسی کا ہونا کوئی بعید از قیاس نہیں، اسی طرح حسب ذیل عبارت میں کتابت کی ایک ایسی غلطی رہ گئی ہے، جس پر اعتراض کرنا محض خردہ گیری ہے:

''ہمدریں محل فرمود کہ وقتے بخدمت شیخ معین الدین حسن سجزی نشستہ بودم در اجمیر پتھورا کافر زندہ بود، ہر باری گفت چہ نیکو بود کہ ایں درویش ازایں جا برود وبیش ہر کہ بودے گلہ می کردے، چنانچہ ایں خبر بسمع شیخ معین الدین چشتی رسید و درویشاں دیگر نشستہ، در حال منکر بود، سر در مراقبہ کرد، در مراقبہ فریاد کرد، پتھورا را زندہ بمسلمانان دادیم، ہمدریں چند روز لشکر سلطان شمس الدین محمد شاہ آنجا رسید، تمام شہر را نہیب کرد و پتھورا را زندہ گرفت و رواں شد......'' (ص ۱۵)

اوپر کی عبارت میں سلطان شمس الدین محمد شاہ کے بجائے سلطان معز الدین محمد بن سام ہونا چاہیے، اس کے بعد پوری عبارت میں کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا، سلطان شمس الدین محمد شاہ کا لکھ جانا کتابت وطباعت کی غلطی ہے، جس کی نشان دہی تاریخ کا ایک ادنیٰ درجہ کا طالب علم بھی کر سکتا ہے۔

فوائد السالکین میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی زبانی روایت ہے کہ ''میں قاضی حمید الدین ناگوری کے ساتھ شیخ علی سجزی کی خانقاہ میں تھا، وہاں سماع تھا، قوالوں نے ایک قصیدہ کا یہ شعر پڑھا:

کشتگانِ خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جانِ دیگر ست

Marfat.com

تو مجھ پر اور قاضی حمید الدینؒ پر اس شعر کا یہ اثر ہوا کہ تین رات دن مدہوش اور متحیر رہے، اس کے بعد ہم دونوں گھر آئے، قوالوں سے یہی شعر پڑھواتے تھے، تین متواتر رات اور دن اس شعر پر کھوئے رہے، ہم لوگ اپنی خبر نہ رکھتے تھے لیکن نماز وقت پر ادا کرتے تھے، پھر سماع میں مشغول ہو جاتے تھے، اس طرح سات رات اور دن حیرت میں رہے، قوال جب یہ شعر گاتے تو ایسی حالت اور حیرت پیدا ہو جاتی کہ اس کی شرح نہیں ہو سکتی ہے۔" (ص ۱۸)

اس روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ اس تحیر کی کیفیت میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا وصال ہو گیا، اس کی تصریح فوائد الفواد میں ہے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کی زبانی روایت ہے کہ شیخ علی سجزی کی خانقاہ میں سماع تھا، شیخ الاسلام قطب العالم حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی قدس اللہ سرہ العزیز وہاں موجود تھے، قوالوں نے ایک قصیدہ شروع کیا اور جب یہ شعر پڑھا:

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زماں از غیب جانِ دیگر ست

تو شیخ الاسلام قطب العالم حضرت خواجہ قطب الدین نور اللہ مرقدہ کو اس پر وجد آ گیا، وہاں سے گھر آئے تو مدہوش اور متحیر تھے، فرماتے کہ وہی شعر پڑھو، وہ پڑھا جاتا، وہ اسی طرح متحیر رہتے، جب نماز کا وقت آتا، نماز پڑھتے اور پھر وہی شعر پڑھواتے، جس کو سن کر ان پر حال اور حیرت طاری ہو جاتی، چار رات دن یہی حال رہا، پانچویں رات رحلت فرمائی، شیخ بدر الدین غزنویؒ فرماتے ہیں کہ میں اس رات وہاں موجود تھا۔ (ص ۱۴۴)

فوائد السالکین پر اعتراض ہے کہ اس کی اکثر روایتیں فوائد الفواد سے سرقہ ہیں، اگر مذکورۂ بالا روایت بھی سرقہ ہے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سلسلہ میں رحلت کا ذکر فوائد السالکین میں کیوں حذف کر دیا گیا ہے، سیر الاولیا، سیر العارفین، اخبار الاخیار اور دوسرے تذکروں میں فوائد الفواد ہی کی روایت نقل کی گئی ہے، فوائد السالکین اور فوائد الفواد دونوں میں یہ روایت خواجہ قطب الدین کی وفات کے سلسلہ میں نہیں بلکہ کیفیت کے تحیر کے سلسلہ میں لکھی گئی ہے،

Marfat.com

دونوں میں فرق یہ ہے کہ فوائد الفواد میں ہے کہ اسی حال میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی رحلت ہوگئی لیکن فوائد السالکین کی روایت کے مطابق اس موقع پر قطب صاحب کی رحلت نہیں ہوئی، فوائد الفواد کی روایت زیادہ مستند سمجھی گئی لیکن محض اس اختلاف سے فوائد السالکین جعلی قرار دیے جانے کے لائق نہیں ہے، خیر المجالس اور جوامع الکلم جیسی مستند کتابوں میں بھی ایک روایت کو مختلف طریقہ سے بیان کیا گیا ہے، پروفیسر خلیق احمد نظامی نے بھی خیر المجالس کے دیباچہ میں اس کا اعتراف کیا ہے کہ جوامع الکلم میں بہت سی ایسی روایتیں ہیں جو خیر المجالس میں بھی ہیں اور بعض روایتوں کی تفصیلات میں اہم اختلافات ہیں۔

فوائد السالکین میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی زبانی ہے کہ ہم لوگ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی مجلس میں حاضر تھے، بغداد میں کئی روز تک ان کے ساتھ افطار کیا، میں نے ان کی مشغولیت دیکھی، میں نے دنیا کی اتنی سیاحت کی لیکن شیخ شہاب الدین جیسا کوئی آدمی مشغول نہیں دیکھا (ص ۲۲)، پروفیسر صاحب نے حضرت خواجہ قطب الدین اور شیخ شہاب الدین سہروردی کی ملاقات کو مہمل (Absurd) قرار دیا ہے لیکن وجہ نہیں بتائی ہے، حضرت شہاب الدین سہروردی کی وفات ۶۳۲ھ میں ہوئی، قطب صاحب اور ان کا زمانہ ایک تھا، فوائد الفواد (ص ۲۱۲) میں سلطان شمس الدین ایلتتمش کے ذکر میں ہے کہ وہ بھی شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اور شیخ اوحد کرمانی سے ملا، پھر قطب صاحب کی ملاقات کو بعید از قیاس سمجھ کر مہمل کیسے قرار دیا جاسکتا ہے، یہ اور بات ہے کہ اس کو تسلیم ہی نہ کیا جائے کہ انہوں نے سیاحت کی لیکن ان کی سیاحت سے انکار کرنا خود اپنی جگہ تعجب خیز ہے، اگر وہ گوشہ نشینی کی طرف مائل ہوتے تو اوش چھوڑ کر اجمیر نہ آتے اور دہلی میں آکر قیام پذیر نہ ہوتے، پھر ان کے مرشد حضرت خواجہ معین الدین چشتی برابر متحرک رہے، اس لیے ان کی سیاحت کا دائرہ بہت وسیع رہا، مرشد کی روایت کے مطابق انہوں نے بھی مختلف مقامات کی سیاحت کی تو اس کو یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں، فوائد السالکین میں

Marfat.com

غزنین، سمرقند، بغداد کی سیاحت کے علاوہ خانۂ کعبہ کی زیارت کا بھی جا بجا ذکر ہے لیکن سیر الاولیا کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کبھی حج نہیں کیا، اس کے مؤلف نے حضرت شیخ نظام الدین اولیا کی زبانی یہ بیان کیا جیسا کہ پہلے بھی ذکر آچکا ہے:

''شیخ الشیوخ العالم فرید الحق والدین قدس سرہ چند بار آرزوئے حج کرد، ورواں شد بحدے کہ دراوچہ رسید، دریں مبارک شیخ الشیوخ العالم گذشت کہ شیخ من شیخ قطب الدین بالخیر بختیار قدس سرہ حج نہ کردہ است، مراچرا باید کرد کہ مخالفت پیر کنم از آنجا کہ بازگشت۔''

اگر یہ روایت شک وشبہ سے بالاتر اس لیے ہے کہ یہ سیر الاولیا جیسے مستند تذکرہ کی روایت ہے تو پھر اس کے اس بیان کو بھی تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہ ہونا چاہیے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین اور حضرت فرید الدین گنج شکر کے ملفوظات مرتب ہوئے جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے۔

فوائد السالکین کی حسب ذیل روایت علمائے ظاہر کی نظر میں کھٹکتی ہے، اس لیے راقم بھی اس کو الحاقی سمجھتا رہا:

''فرمایا کہ میں حضرت شیخ معین الدین کی خدمت میں حاضر تھا، دوسرے درویش بھی تھے، اولیاء اللہ کا ذکر ہو رہا تھا، اتنے میں ایک شخص باہر سے آیا اور بیعت کے لیے قدم بوسی کی، حضرت خواجہ نے فرمایا، بیٹھ جاؤ، وہ بیٹھ گیا، اس نے کہا، آپ کی خدمت میں مرید ہونے کے لیے آیا ہوں، انہوں نے فرمایا، میں جو کچھ تم سے کہوں کرو اور بجالاؤ تو پھر مرید کروں گا، اس نے کہا کہ جو حکم ہو، فرمایا کہ تم تو کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھتے ہو لیکن ایک بار اس طرح پڑھو، لا الہ الا اللہ چشتی رسول اللہ، وہ راسخ العقیدہ تھا، اس لیے اس نے اسی طرح کلمہ پڑھ دیا، حضرت خواجہ نے اس کو بیعت کرلیا، خلعت اور بہت کچھ نعمت عطا کی لیکن اس آدمی سے کہا، سنو! میں نے تم سے اس طرح کلمہ پڑھایا تاکہ تمہاری عقیدت کا امتحان لوں، ورنہ میں جانتا ہوں کہ میں کیا ہوں اور کون ہوں، محمد رسول اللہ ﷺ کا کمترین غلام ہوں اور کلمہ وہی ہے جو تم نے پڑھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، مرید کو

Marfat.com

صادق ہونا چاہیے،......۔" (۲۳-۲۴)

لیکن اسی قسم کی روایت فوائد الفواد (ص ۲۳۱) سیر الاولیا (ص ۳۴۸) اور مفتاح العاشقین (ص ۴) میں بھی نظر سے گزری ،صرف نام بدلا ہوا ہے،فوائد السالکین میں شیخ معین الدین کا اسم گرامی ہے اوران تینوں کتابوں میں شیخ شبلی کا نام ہے،ان روایتوں کو دیکھ کر فوائد السالکین کی روایت کو الحاقی سمجھنے سے رجوع کیا اور خیال ہوا کہ متابعت پیر کے سلسلہ میں صوفیہ کرام کے حلقہ میں اس قسم کی روایتوں کا بیان کرنا عام تھا لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی خیال پیدا ہوا کہ جب یہ روایت الحاقی نہیں ہوسکتی ہے تو پھر ان ملفوظات میں سب ہی روایتیں اپنی اپنی جگہ صحیح ہوسکتی ہیں،جن کے نکات ورموز کو یہ بزرگانِ دین ہی سمجھ سکتے تھے،فوائد السالکین کی حسب ذیل روایت بھی عجیب وغریب معلوم ہوتی ہے:

"حج کا ذکر آیا،قاضی حمید الدین ناگوری،مولانا علاء الدین کرمانی،سید نور الدین مبارک غزنوی،سید شرف الدین،شیخ محمود موزہ دوز،مولانا فقیہ خداداد اور دوسرے لوگ تھے، یہ سب ایسے تھے جن کے درمیان عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک کی کوئی خبر باعث حجاب نہ تھی،سب صاحب کشف وکرامات تھے،خانہ کعبہ کے مسافروں کا ذکر ہونے لگا،خواجہ قطب الاسلام نے فرمایا،جو اللہ کے خاص بندے ہیں جب وہ اپنے مقام پر ہوتے ہیں تو خانہ کعبہ کو حکم دیا جاتا ہے کہ ان کے گرد طواف کرے،یہ کہہ کر وہ اور دوسرے حاضرین کھڑے ہوگئے اور عالم تحیر میں ایسے مشغول ہوگئے کہ اپنے آپ کی خبر نہ رہی،یہ دعا گو بھی عالم شوق میں مستغرق ہوگیا،پھر حضرت خواجہ اور دوسرے لوگوں نے اسی طرح تکبیریں کہنی شروع کردیں،جس طرح طواف کعبہ کے وقت کہا کرتے ہیں اور ہر ایک کے جسم سے خون ٹپک رہا تھا اور جو قطرہ زمین پر گرتا تھا،اس سے تکبیر کا نقش بنتا چلا جاتا تھا اور جب ہم ہوشیار ہوئے تو ہم نے کعبہ کو اپنے آگے دیکھا،چنانچہ ہم نے اس کا وہی ادب وتعظیم کیا جو ہونا چاہیے،اس کے بعد ہم نے چار بار طواف کیا،غیب سے ندا آئی،اے عزیزو!ہم نے تمہارا حج،طواف اور نماز قبول کی اوران لوگوں کی بھی جو تمہارے نقش قدم پر چلیں اور

Marfat.com

تمہاری پیروی کریں۔''

''پھر فرمانے لگے کہ شیخ الاسلام معین الدین حسن سجزی قدس اللہ سرہ العزیز ہر سال اجمیر سے زیارت خانہ کعبہ کے لیے جایا کرتے تھے، رات وہاں گزارتے اور صبح ہونے نہ پاتی کہ واپس ہو جاتے اور جماعت خانہ میں نماز ادا کرتے، پھر فرمایا کہ میں نے شیخ معین الدین کی زبان سے شیخ عثمان ہارونی کی یہ حکایت سنی کہ جب خواجہ مودود چشتی کو خانہ کعبہ کی زیارت کا شوق غالب ہوتا تو فرشتوں کو حکم ہوتا کہ خانہ کعبہ کو چشت لے آئیں اور خواجہ کی نظروں کے سامنے کر دیں، خواجہ خانہ کعبہ کا طواف کرتے اور نماز پڑھتے تو فرشتے خانہ کعبہ کو لے جاتے، پھر فرمایا کہ خواجہ حذیفہ مرعشی قدس اللہ سرہ العزیز سترہ برس تک اپنے سجادہ سے نہیں اٹھے اور کہیں نہیں گئے لیکن جو مسافر اور حاجی خواجہ کی زیارت کو آتے کہتے کہ انہوں نے خواجہ کو خانہ کعبہ اور بیت المقدس میں دیکھا ہے۔'' (ص ۲۵-۲۶)

لیکن اس قسم کی روایتوں سے پورے مجموعے کو جعلی اور فرضی قرار دینا صحیح نہیں کیوں کہ سیر الاولیا میں ان سے زیادہ عجیب وغریب روایتیں ہیں، ملاحظہ ہوں:

''مولانا بدرالدین بڑے صادق القول تھے، ان کی روایت ہے کہ میں نے ایک روز سلطان المشائخ کی دہلیز کے پاس ایک اونٹ دیکھا، وہ دریچہ کے باہر دریچہ سے نیچے کھڑا تھا، سلطان المشائخ اس اونٹ پر سوار ہوئے، اونٹ ہوا میں اڑ گیا، میں بے خود ہوا اور کچھ دیر کے بعد جب اپنے آپ میں آیا نیند جاتی رہی، (خواب از سر رفت) یہاں تک کہ رات آخر ہوگئی، پھر میں نے دیکھا کہ وہ اونٹ آگیا ہے اور دریچہ کے نیچے کھڑا ہے، سلطان المشائخ نے دریچہ کھولا، اندر چلے گئے اور اونٹ واپس ہوگیا، اس کاتب الحروف نے ثقہ لوگوں سے سنا ہے کہ شیخ نجم الدین صفاہانی ساٹھ سال تک خانہ کعبہ کے مجاور تھے، انہوں نے اپنا گھر اس طرح سے بنایا تھا کہ وہاں سے بیٹھے خانہ کعبہ کو دیکھا کرتے تھے، بڑے کامل الحال شیخ تھے، ایک روز مکہ کے مجاوروں نے ان سے پوچھا کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ سلطان المشائخ مقتدائے عالم ہیں اور خدا کے بندوں کو ان کے مقصد تک پہنچا دیتے ہیں لیکن خانہ کعبہ کی زیارت نہیں کرتے ہیں اور حج کی دولت نہیں پاتے

Marfat.com

ہیں، شیخ نجم الدینؒ نے فرمایا کہ وہ اکثر فجر کی نماز خانہ کعبہ میں آکر پڑھتے ہیں اور ہم لوگوں کے ساتھ جماعت میں شریک ہوتے ہیں، خیال ہے کہ وہ اونٹ فرشتہ تھا جو غیب سے آتا اور سلطان المشائخ کو خانہ کعبہ لے جاتا۔'' (ص ۱۴۳-۱۴۴)

آگے چل کر سیر الاولیا کی ایک دوسری روایت یہ بھی ہے:

''ایک عزیز نے بیان کیا کہ میں اپنے قصبہ سے سلطان المشائخ کی زیارت کے لیے روانہ ہوا، میرا گزر قصبہ بوندی سے ہوا، میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہاں ایک بزرگ ہیں جو شیخ موہن کہلاتے ہیں، ان سے جا کر ملاقات کروں، ان کے پاس پہنچا، انہوں نے فرمایا کہ تم کہاں جاؤ گے، میں نے کہا، حضرت سلطان المشائخ کے پاس، انہوں نے کہا، سلطان المشائخ سے میرا اسلام پہنچانا اور کہنا کہ جمعہ کی ہر رات کو ان سے خانہ کعبہ میں ملاقات کرتا ہوں، جب میں سلطان المشائخ کے پاس پہنچا تو عرض کیا، قصبہ بوندی کے ایک درویش نے سلام کہا ہے اور پھر وہ پیام کہا تو شیخ منغض ہوئے اور فرمایا

''او درویشے عزیز است ولیکن زبان خود برخود ندارد۔'' (ص ۱۴۶)

فوائد الفواد کے مرتب کی زبانی یہ روایت ہے:

''میں نے اپنے...... ایک دوست سے ایک بات سنی ہے، جو دل میں لگ گئی ہے، وہ بات یہ ہے کہ اس نے کہا، حج کے لیے وہی جاتا ہے جس کا کوئی پیر نہ ہو، خواجہ ذکر اللہ بالخیر نے جب یہ بات سنی تو ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور یہ مصرع زبانِ مبارک پر آیا، ع

آں رہ بسوئے کعبہ برو دایں بسوئے دوست

اس کے بعد فرمایا کہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس سرہ العزیز کی وفات کے بعد مجھ پر حج کا شوق غالب ہوا، میں نے کہا، ذرا اجودھن جا کر شیخ کی زیارت کروں، جب شیخ الاسلام کی زیارت کو پہنچا تو میرا مقصد حاصل ہو گیا بلکہ اس سے بھی زیادہ ہی حاصل ہوا، دوسری بار پھر ہوس ہوئی، پھر شیخ کی زیارت کو گیا، پھر غرض حاصل ہو گئی۔'' (ص ۱۵۵)

Marfat.com

اسرار الاولیا مرتبہ بدر الاسحٰق کے مطبوعہ نسخہ میں بھی سنین و اسما کی لکھائی چھپائی کی اسی طرح کی غلطیاں ہیں، جو اور مجموعوں میں ہیں لیکن اس کے باوجود اس میں چشتیہ سلسلہ کی جو تعلیمات پیش کی گئی ہیں، وہ وہی ہیں جو فوائد الفواد اور خیر المجالس میں ہیں، اس میں کہیں کفر و شرک کی بو نہیں آتی، جس کی بنا پر یہ رسالہ بالکل ہی نظر انداز کر دیے جانے کے لائق سمجھا جائے۔

اس مجموعہ پر جزوی اعتراضات کے ساتھ ایک بڑا اعتراض یہ ہے کہ اس میں حضرت فرید الدین گنج شکر کی سیاحت کا ذکر ہے، جب کہ فوائد الفواد میں ان کی سیاحت کا کوئی ذکر نہیں لیکن فوائد الفواد میں سیاحت کا ذکر نہ آنا اس سے قطعی انکار کی دلیل نہیں، ممکن ہے کہ فوائد الفواد میں اس لیے ذکر نہ کیا گیا کہ راحت القلوب اور سیر الاولیا میں اس کا ذکر بار بار آچکا ہے، حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر کے سفر نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ اس زمانہ میں منگولوں کے حملوں کے سبب راستے محفوظ نہ تھے لیکن رہروانِ سلوک کے سفر کے لیے یہ سبب مانع نہیں ہو سکتا تھا، خود حضرت فرید الدین گنج شکر نے اپنے مرید شیخ عارف کو سیوستان بھیجا اور حج کے لیے روانہ کیا (سیر الاولیا ص ۱۸۴-۱۸۵)، اسی زمانہ میں حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ نے سفر کیا اور شہاب الدین سہروردیؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، حضرت جلال الدین تبریزیؒ تو اس زمانہ میں برابر متحرک رہے، ان کے پاؤں میں ہمیشہ چکر رہا، اس طرح حضرت فرید الدین گنج شکرؒ نے بھی حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ، حضرت خواجہ معین الدینؒ اور حضرت قطب الدین بختیار کاکی کی روایت کے مطابق روحانی تعلیمات کی غرض سے مختلف مقامات پر جا کر بزرگانِ دین سے کسب فیض کیا تو اس سے انکار کرنے کی بظاہر کوئی وجہ نہیں، پھر پروفیسر خلیق احمد نظامی کو اپنی فاضلانہ کتاب ''دی لائف اینڈ ٹائمس آف شیخ فرید الدین گنج شکر'' میں اس کو تسلیم کرنے میں تامل نہیں ہوا ہے کہ انھوں نے قندھار اور سیستان کا سفر کیا، گو وہ بھی حضرت فرید الدین گنج شکر کے اور دوسرے مقامات کی سیاحت کے قائل نہیں ہیں لیکن وہ اس

Marfat.com

پر آشوب زمانہ میں ہندوستان سے نکل کر قندھار اور سیستان جاسکتے تھے تو پھران کا غزنی، بخارا، بغداد اور بدخشاں پہنچنا ناممکن نہیں کہا جاسکتا ہے، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی رحلت ۶۳۲ھ میں ہوئی جب کہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کی عمر ا۵۷ھ کی سنہ پیدائش کے لحاظ سے ۶۲ برس کی تھی اور اپنے مرشد کی رحلت کے بعد اجودھن میں رشد و ہدایت کی مسند پر مستقل طور سے متمکن ہوئے، اس سے پہلے اپنی عمر کی اس طویل مدت میں اگر وہ مختلف مقامات کی سیاحت کے لیے باہر گئے تو کوئی تعجب کی بات نہیں، خصوصاً جب چشتیہ سلسلہ کے بزرگوں کے یہاں مختلف مقامات پر پہنچ کر بزرگانِ دین سے کسب فیض کرنے کی بڑی اہمیت تھی۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی اپنی کتاب ''دی لائف اینڈ ٹائمس آف شیخ فرید الدین گنج شکر'' میں لکھتے ہیں:

> ''عہد وسطیٰ میں راہِ سلوک کی تعلیم و تربیت میں سیاحت لازمی جز تھا، اس کے متعدد فوائد تھے، مولانا عزیز الدین محمود بن علی کاشانی نے اس پر تفصیل سے بحث کی ہے کہ ان سیاحتوں سے کیا کیا فوائد حاصل ہوتے تھے، اکابر خواجگانِ چشت میں شیخ عثمان ہروانی، شیخ معین الدین چشتی اور شیخ قطب الدین برسوں دور دور تک سفر کرتے رہے۔'' (ص ۲۷)

البتہ یہ غور کرنا ہے کہ اسرار الاولیا اور اس کے ساتھ راحت القلوب میں اس سیاحت کے دوران میں حضرت فرید الدین گنج شکرؒ نے جن جن بزرگوں کی زیارت کی وہ ممکن تھی کہ نہیں، وہ بغداد میں حضرت شہاب الدین سہروردی (المتوفی ۶۳۲ھ) بخارا میں شیخ سیف الدین باخرزی (المتوفی ۶۵۶ھ) سے ملے، بغداد میں ان کی ملاقات خواجہ اجل سجزی اور سیوستان میں شیخ اوحد الدین کرمانی سے بھی ہوئی، ان دونوں بزرگوں کا سنہ وفات تو نہیں معلوم لیکن وہ دونوں حضرت شہاب الدین سہروردی کے معاصر تھے، اس لحاظ سے حضرت فرید الدین گنج شکر کا ان تمام بزرگوں سے ملنا بعید از قیاس نہیں، البتہ راحت القلوب میں دو جگہوں پر عبارت کھٹکتی ہے، ایک تو حسب ذیل ہے:

Marfat.com

''وقتے جانب بدخشاں مسافر بودم درآں شہر بزرگان اولیا بودند، چنانچہ عبدالواحد نبیسہ شیخ ذوالنون مصری قدس اللہ سرہ العزیز بیرون شہر میان غازی مسکن داشت، چوں شنیدم نزدیک آں غار شدم۔'' (ص ۱۷)

نبیسہ کے معنی پوتے لیے جائیں تو ذوالنون مصری (التوفی ۲۴۶ھ) کے پوتے سے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کی ملاقات ممکن نہیں ہو سکتی لیکن نبیسہ سے پوتوں کی اولاد بھی مراد لی جائے تو پھر شیخ عبدالواحد کو حضرت ذوالنون مصری کے پوتے کی اولاد سمجھنا چاہیے، جن سے پھر حضرت فرید الدین گنج شکر کی ملاقات کے سلسلہ میں شبہ پیدا نہیں ہوتا، اسی طرح راحت القلوب میں ایک جگہ ہے:

''وقتے در خدمت شیخ یوسف چشتی قدس اللہ سرہ حاضر بودم۔'' (ص ۲۲)

معلوم نہیں شیخ یوسف چشتی سے کون مراد ہیں، اگر یہ خواجہ ابو یوسف ناصر الدین چشتی ہیں تو ان سے ملنا ممکن نہیں کیوں کہ یہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے دادا پیر کے پیر ہیں، اگر ہمدردانہ طور پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی اور بزرگ تھے جو خواجہ ابو یوسف ناصر الدین چشتی سے مختلف تھے، اگر اس کو میری بے جا تاویل سمجھی جائے اور مذکورۂ بالا فروگذاشت کو نا قابل معافی غلطی قرار دے کر راحۃ القلوب کو جعلی سمجھنے پر اصرار کیا جائے تو پھر ایک عیب جو ناقد حمید قلندر کی حسب ذیل روایت کو پڑھ کر خیر المجالس کے متعلق وہی رائے قائم کر سکتا ہے جو راحۃ القلوب کے بارے میں ہو سکتی ہے۔

اس کے بعد یہ حکایت بیان فرمائی کہ خواجہ عثمان ہروانی کا ایک مجذوب درویش کا ساتھ تھا، جن کا نام فرزند خیر[1] تھا، وہ درویش ایک شہر میں گئے، تو وہاں کی جامع مسجد میں

---

[1] علی گڑھ کے مطبوعہ نسخہ میں فرزند خیر نام لکھا ہوا ہے، اسی کے حاشیہ میں ایک دوسرے نسخہ کے حوالہ سے یہ لکھا گیا ہے کہ ''نام او یاد نماند''، خیر المجالس کے اردو ترجمہ سیر المجالس میں نام ''چرک'' تحریر ہے، اس سے اندازہ ہوگا کہ بعض اوقات نام لکھنے میں کتنا اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

قیام کیا اور محراب کے سامنے سو گئے، مسجد لکڑی کی بنی ہوئی تھی، اس کی دیوار اور چھت بھی لکڑی کی تھی، نماز کے وقت مؤذن آیا اور پائے مبارک کو کھینچا، وہ درویش اٹھ گئے، انہوں نے ایک آہ کی تو ان کے منھ سے آگ پیدا ہوئی، مسجد میں آگ لگ گئی، درویش باہر نکل آئے، آگ شہر تک پہنچ گئی، شہر جلنے لگا، شیخ عبداللہ انصاری شہر میں تھے، ان کو خبر کی گئی کہ ایک بزرگ جامع مسجد میں سوئے ہوئے تھے، مؤذن نے ان سے گستاخی کی، ان کا پاؤں کھینچا، انہوں نے آہ کی تو ان کے منھ سے آگ نکلی، اس وقت وہ آگ شہر میں آگئی ہے اور جلا رہی ہے، شیخ عبداللہ انصاری نے کہا، وہ بزرگ کس طرف گئے، لوگوں نے بتایا کہ فلاں طرف گئے، پیچھا کیا تو ان کے پاس جا پہنچے، فرمایا، اے درویش! یہ شہر مجھ کو بخش دو، کہا، نہیں بخشتا ہوں، پھر فرمایا، بخش دو، کہا، ایک ثلث دیا، فرمایا، کچھ اور زیادہ دے دو، کہا دو ثلث دیا، شیخ عبداللہ انصاری واپس آئے، ایک ثلث شہر جل چکا تھا، دو ثلث باقی رہ گیا تھا۔ (ص ۵۲)

اس روایت سے ظاہر ہے کہ خواجہ عثمان ہروانی مجذوب بزرگ اور شیخ عبداللہ انصاری کا زمانہ ایک تھا، حالاں کہ یہ صحیح نہیں، شیخ عبداللہ انصاری کی وفات پانچویں صدی میں ۴۸۱ھ میں ہوئی، حضرت خواجہ عثمان کی ولادت چھٹی صدی ہجری اور وفات ساتویں صدی ہجری میں ہوئی، دونوں کی معاصرت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، ممکن ہے یہ کہا جائے کہ یہ شیخ عبداللہ انصاری ہرات والے بزرگ نہ تھے، جن کی وفات ۴۸۱ھ میں ہوئی، بلکہ کوئی اور دوسرے بزرگ تھے، جن کے نام کی غلط کتابت ہوگئی ہے، یہ کہتے وقت راحۃ القلوب کے تسامح کو بھی سامنے رکھنا پڑے گا۔

اسرار الاولیا کی مجلس دوم (ص ۱۱) میں ہے:

''بعدازاں فرمود کہ اے درویش وقتے برادرم مولانا بہاء الدین زکریا دعاگوی یکجا نشستہ بودیم حکایت سلوک می رفت، زمانے برآمد، برادرم بہاء الدین برخاست وایستادہ شدہ بہ ہائے ہائے بگریست وگفت اناللہ وانا الیہ راجعون دعاگوئی پرسید کہ ایں چہ حالست گفت برخیز بہ بیں

Marfat.com

چوں برخاستم، چہ بینم از دروازہ بغداد و جنازہ شیخ سعد الدین حمویہ آوردہ اند و نماز جنازہ می گزارند، پیش جامع مسجد بغداد۔" (ص ۱۱)

اس روایت میں کوئی تضاد یا ضعف نہیں، کیوں کہ حضرت سعد الدین حمویہ (التوفی ۶۵۰ھ) کی وفات حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ اور حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کی زندگی ہی میں ہوئی، فوائد الفواد میں ہے:

"بعد از اں خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر فرمود کہ اول شیخ سعد الدین حمویہ نقل کرد، بعد از وسہ سال شیخ سیف الدین باخرزی بعد از و، بسہ سال شیخ بہاء الدین زکریا بعد از وسہ سال شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔" (ص ۱۳)

لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس کی فصل اول ۶۳۱ھ میں شروع ہوئی اور اس کے آخر میں بیان ہے کہ اس میں بارہ سال کے ملفوظات جمع کیے گئے ہیں، جس کے یہ معنی ہیں کہ اس میں ۶۴۳ھ تک کے واقعات ہیں، پھر حضرتؒ سعد الدین حمویہ (التوفی ۶۵۰ھ) کا ذکر کیسے آسکتا ہے، پہلے کہا گیا ہے کہ اس میں سنین اور اسما کی غلطیاں ہیں، اس لیے ممکن ہے کہ ۶۳۱ھ کے سنہ میں کتابت کی غلطی ہوگئی ہو، پھر آخر میں اجمالی طور پر یہ کہا گیا ہے کہ:

"از اسرار و انوار و الفاظ دربار شیخ الاسلام در مدت دوازدہ سال شنیدہ است دریں مجموعہ بشتہ آمد۔"

اس کو ۶۳۱ھ کے بعد ہی کے بارہ سال سمجھنا محض خردہ گیری ہے، اسرار الاولیا کی پہلی فصل میں تو تاریخ دی ہوئی ہے لیکن ۲۲ فصلوں میں سے کسی ایک میں بھی تاریخ نہیں درج ہے، اس لیے پہلی فصل کی تاریخ کو غلط سمجھ کر کتاب سے نکال دیا جائے تو پھر ترتیب زمانی میں کوئی التباس پیدا نہیں ہوتا، اس طرح اس میں جو واقعات درج ہیں، اس لحاظ سے یہ یقین کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوگا کہ حضرت سعد الدین حمویہ (التوفی ۶۵۰ھ) شیر خاں (التوفی ۶۶۲ھ) اور حضرت نجیب الدین متوکل کی وفات سے پہلے یہ ملفوظات مرتب

Marfat.com

ہوئے، پھر پروفیسر صاحب موصوف کا یہ اعتراض صحیح نہیں ہوگا کہ ان بزرگوں کی زندگی کا جو زمانہ ہے، اسی میں ان کی وفات کا ذکر کردیا گیا ہے۔

اسرار الاولیا (ص ۹۰) میں ہے:

''فرمود کہ اے درویش وقتے من و شیخ جلال تبریزی قدس اللہ سرہ العزیز در بدایوں رسیدیم روزے در دہلیز خانہ نشستہ بودیم۔''

اس پر پروفیسر صاحب کا اعتراض ہے کہ حضرت فرید الدین گنج شکر کبھی بدایوں تشریف نہیں لے گئے ہیں، لیکن جن مستند ماخذوں کی بنیاد پر یہ دعویٰ کیا گیا ہے، ان کے نام نہیں لکھے گئے ہیں، قطعی طور پر یہ کہنا صحیح نہیں کہ حضرت فرید الدین گنج شکر کبھی بدایوں تشریف نہیں لے گئے، کیوں کہ سیر الاولیا میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کی زبانی یہ روایت ہے کہ شیخ نجیب الدین متوکل کے ایک بھائی بدایوں میں تھے اور وہ ہر سال ان سے ملنے کے لیے جاتے تھے:

''سلطان المشائخ می فرمود کہ شیخ نجیب الدین متوکل را برادرے بود در بداؤں ہر سال بدیدن او آنجا رفتے تا وقتے کہ ہر دو برادر بدیدن شیخ علی بزرگ کہ صاحب نعمت بود در بداؤں رفتند۔'' (ص ۱۶۷)

شیخ نجیب الدین متوکلؒ حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کے بھائی تھے، اس لیے بہت ممکن ہے کہ وہ بھی اپنے بھائی سے ملنے بدایوں گئے ہوں، ایسی حالت میں حضرت جلال الدین تبریزی کے ساتھ بدایوں میں ہونا کوئی تعجب انگیز بات نہیں ہوسکتی، خصوصاً فوائد الفواد، خیر المجالس اور سیر الاولیا کی روایتوں سے ظاہر ہے کہ حضرت جلال الدین تبریزی کئی بار بدایوں پہنچے۔

اسی کے ساتھ اسرار الاولیا کی مذکورۂ بالا روایت کو ہمدردانہ طور سے پڑھنے کے بعد یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ ممکن ہے اس میں من اور جمع متکلم کا صیغہ غلط کتابت کی وجہ سے

Marfat.com

اضافہ ہوگیا ہو، کیوں کہ اسی روایت میں پھر یہ صیغہ نہیں آیا ہے، اس لیے اگر اسرار الاولیا کا کوئی قدیم ترین نسخہ دیکھا جائے تو ممکن ہے کہ اس میں مذکورۂ بالا الفاظ کے بجائے حسب ذیل الفاظ ہوں:

''فرمود کہ اے درویش وقتے شیخ جلال تبریزی قدس اللہ سرہ العزیز در بدایوں رسید ہر روزے در دہلیز خانہ نشستہ بود۔''

اس طرح یہ روایت فوائد الفواد (ص۱۳۲) کی روایت کے بالکل مطابق ہو جاتی ہے اور اس کے بعد یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت خواجہ نے اپنے مرشد ہی کی زبانی یہ روایت دہرائی جو فوائد الفواد میں قلم بند کر دی گئی، خیر المجالس کی مجلس پنجاہ و ششم میں یہ روایت کچھ بڑھا کر درج کی گئی ہے لیکن اس جزوی اختلاف سے نفس حکایت اور پوری کتاب پر کوئی حرف نہیں آتا، اسی روایت کے سلسلہ میں پروفیسر صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کی ملاقات حضرت فرید الدین گنج شکر سے بدایوں میں کبھی نہیں ہوئی، اس کے لکھنے کی ضرورت ہی نہ تھی، کیوں کہ خود پروفیسر صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت جلال الدین تبریزی کے جانے کے بعد حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کی ولادت ہوئی، ظاہر ہے کہ حضرت فرید الدین گنج شکر، حضرت جلال الدین تبریزی کے ساتھ اگر آئے بھی ہوں گے تو اس وقت حضرت نظام الدین اولیا سے ملنے کا سوال ہی نہیں ہو سکتا۔

اسرار الاولیا کی فصل یازدہم میں ہے:

''فرمود کہ اے درویش دعا گو را برادرے بود شیخ نجم الدین متوکل نام او بود از حد مشغول، چنانچہ دعا گوئی چندیں سیاحی کہ وہ است ہیچ کسے را ہم چنیں ندیدم و در ہیچ شہرے نیافتم، از آنکہ آں زماں کہ او را خوف حق مستولی شدی۔'' (ص۶۱)

جس طرح اس مجموعہ میں کتابت کی اور غلطیاں ہیں، اسی طرح مذکورۂ بالا اقتباس میں نجیب الدین متوکل کے بجائے نجم الدین متوکل کی کتابت ہوگئی ہے، اعتراض یہ ہے کہ

Marfat.com

ملفوظات کا یہ مجموعہ ۶۴۳ھ میں ختم ہوگیا تھا، اس کے بعد بہت دنوں تک شیخ نجیب الدین متوکل زندہ رہے، پھر ان ملفوظات میں ''برادرے بود'' کیسے لکھا گیا، حضرت فرید الدین گنج شکرؒ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ صحیح ہے، یعنی وہ اپنے بھائی کا ذکر ان کی وفات کے بعد کر رہے تھے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ ملفوظات ان کے بھائی کی رحلت کے بعد کے ہیں، اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ملفوظات کے قلم بند ہونے کی جو تاریخ مطبوعہ نسخہ میں درج ہے، وہ غلط ہے اور یہ یقیناً کتابت کی غلطی ہے جس کو خود پروفیسر صاحب یہ کہہ کر تسلیم کرتے ہیں کہ:

The date for first faslis Monday 11, Shaban 631 A.H. (1233-34)

which is impossible to accept.

اسرار الاولیا میں حضرت خواجہ معین الدینؒ کے ذکر میں ہے:

''دریں میان لشکر محمد شاہ در اجمیر در آمد، پتھورا را زندہ گرفتند۔'' (ص ۷۷)

اسرار الاولیا (ص ۳۲) پر بھی سلطان معز الدین محمد بن سام کا ذکر آیا ہے لیکن وہاں سلطان معز الدین محمد شاہ مرقوم ہے، سام کے بجائے شاہ کی کتابت ہوگئی ہے، مذکورۂ بالا عبارت میں بھی معز الدین محمد سام ہی ہونا چاہیے جو غلطی سے صرف محمد شاہ لکھا گیا ہے، کتابت و طباعت کی غلطیوں سے صاف ظاہر ہے کہ ان رسالوں کی کتابت و طباعت میں وہ اہتمام نہیں کیا گیا جو واقعی ہونا چاہیے، ان غلطیوں سے فائدہ اٹھا کر طرح طرح کے اعتراضات کرنا بالکل مناسب نہیں۔

اسرار الاولیا کی فصل پانزدہم، شانزدہم اور ہژدہم میں شیخ نظام الدین اولیا کے ساتھ شیخ بدر الدین غزنوی کا بھی ذکر آیا ہے، پروفیسر صاحب لکھتے ہیں کہ تعجب ہے کہ دونوں کو ایک ساتھ کیسے دکھایا گیا ہے کیوں کہ شیخ بدر الدین غزنوی سے شیخ نظام الدین اولیا کی کبھی ملاقات نہیں ہوئی اور شیخ نظام الدین کے ایک طالب علم کی حیثیت سے دہلی پہنچنے سے پہلے ان کی وفات ہوگئی تھی، معلوم نہیں پروفیسر صاحب موصوف نے یہ کیسے لکھ دیا ہے،

Marfat.com

کیوں کہ فوائد الفواد میں ہے کہ:

"بعد ازاں دریں معنی حکایت فرمود کہ شنودہ ام از شیخ بدرالدین غزنوی کہ او گفت کہ من چوں از غزنیں بہ لاہور آمدم۔" (ص ۷۲)

سیر الاولیا میں بھی دو جگہوں پر ہے:

"سلطان المشائخ...... می فرمود کہ از شیخ بدرالدین شنیدم کہ من درخانہ حمید الدین ناگوری در آمدم، دیدم جامہ بہ شستن دادہ است و ہوا و سرما است، میرزی درتہ داشت، من بچہ داشتم تو پیش آوردم درحال قبول کرد، و بپوشیدہ و گفت پدرتر ابر من منت ہاست۔" (ص ۱۶۶)

"سلطان المشائخ می فرمود من از شیخ بدرالدین غزنوی شنیدم می گفت کہ شیخ قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہ العزیز ایں دوست بسیار گفتے۔" (ص ۱۶۶)

سودائے تو اندر دل دیوانہ ماست ⁂ ہر چہ نہ حدیث نسبت افسانہ ماست
بیگانہ کہ از تو گفت او خویش من ست ⁂ خویشے کہ نہ از تو گفت بیگانہ ماست

ان روایتوں سے صاف ظاہر ہے کہ دونوں کی ملاقاتیں ہوئیں۔

اسرار الاولیا میں ہے:

"اس کے بعد فرمایا کہ اے درویش! کل قیامت کے دن جب عاشقوں کو مقام تجلی میں لایا جائے گا تو حکم ہوگا کہ آنکھیں کھولو اور عاشقوں میں سے ہر ایک کو سامنے لاؤ تا کہ ان میں ہر ایک کو تجلی نصیب ہو، وہ ستر ہزار سال تک بے ہوش رہیں گے لیکن جب ان کو ہوش آئے گا تو وہ فریاد کریں گے کہ پھر تجلی اور نصیب ہو، اسی طرح سات بار کے بعد وہ اپنے مقام پر واپس ہوں گے، جب شیخ الاسلام دام اللہ برکاتہ نے یہ بات ختم کی تو ایک چیخ لگائی اور بے ہوش ہو گئے۔" (ص ۳۲)

حضرت فرید الدین کے اس قسم کے تحیر اور کیفیت سکر کو پروفیسر صاحب نے جھوٹ اور مہمل قرار دیا ہے (As false as it is absurd) لیکن پروفیسر صاحب کے نزدیک فوائد الفواد، خیر المجالس، سیر الاولیا، غیر مستند کتابیں نہیں ہیں، بلکہ ان ہی کی روایتوں سے

Marfat.com

اپنے دعوے کو مستحکم بناتے ہیں، ان میں بھی تحیر کی روایتیں ملیں گی، مثلاً فوائد الفواد (ص ۱۴۰) کی اس روایت کا ذکر پہلے آچکا ہے کہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی ایک شعر کو سن کر چار رات اور چار دن عالم تحیر میں مدہوش رہے اور اسی تحیر میں ان کی رحلت ہوگئی۔

خیر المجالس میں ہے:

''قیامت کا ذکر تھا تو خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا، قیامت نزدیک آگئی ہے، ۷۵۵ ہوگیا ہے، اس ذکر سے بشرہ مبارک سفید ہوگیا اور حاضرین کھو گئے، اس حال میں فرمایا کہ یاروں کے لیے شیرینی لاؤ لیکن حاضرین پر قیامت کا خوف ایسا تھا کہ ان کی عمر تلخ ہو رہی تھی، شیرینی ان کے سامنے رکھی رہی، کسی کو کچھ خبر نہ تھی، خواجہ نے خادم سے فرمایا، شیرینی واپس لے جاؤ تھوڑی دیر میں پھر لاؤ، اس وقت ہم لوگوں کو پتہ نہیں ہے کہ ہم لوگ زمین پر ہیں یا آسمان پر ہیں، دن ہے کہ رات، اس حال میں ایک پہر گزر گیا، کوئی دم نہ مارتا تھا، یہاں تک کہ ایک صاحب واپس آئے اور بلند آواز سے سلام کیا، ان میں سے کچھ تو اپنے آپے میں آئے اور کچھ قیامت کے خوف سے اسی طرح مستغرق رہے۔'' (ص ۱۲)

سیر الاولیا (ص ۱۷۲) میں ہے:

''شیخ الشیوخ العالم کی حیات میں مولانا بدرالدین اسحق قدس سرہ العزیز نے یہ شعر پڑھا:

پیش سیاست غمش روح چہ نطق نمی زند — اے زہزارہ صعوہ کم پس تو نوا چہ می زنی

اس بیت سے عالم تحیر طاری ہوگیا، جب جب یہ شعر پڑھا جاتا بکا اور اہتزاز طاری ہوجاتا، مغرب کی نماز کا وقت ہوگیا تو شیخ الشیوخ العالم نے مولانا بدرالدین اسحق رحمۃ اللہ علیہ سے امامت کرنے کو فرمایا، مولانا نے نماز شروع کی تحریمہ باندھا لیکن قرأت کرنے کے بجائے یہی شعر ان کی زبان پر آیا، اس کے بعد وہ بے ہوش ہوگئے، جب اپنے ہوش میں آئے تو شیخ الشیوخ العالم نے فرمایا، پھر امامت شروع کرو اور حاضر رہو۔''

Marfat.com

راحت القلوب پر اسی قسم کے کم زور اعتراضات ہیں، مثلاً شروع ہی میں کہا گیا ہے کہ اس میں باتیں فوائد الفواد سے لی گئی ہیں:

It contains matters taken from Fawaid-ul-Fawad.

لیکن پھر فوراً ہی یہ بھی لکھا گیا ہے کہ اس کے مرتب کی رسائی براہِ راست فوائد الفواد تک نہیں ہوئی:

The author does not borrow directly from Fawaid-ul-Fawad which seems to have been out of his reach.

طرزِ استدلال یہ ہے کہ اگر کوئی روایت فوائد الفواد سے ملی جلی ہے تو اس کو سرقہ قرار دیا جاتا ہے لیکن کوئی روایت فوائد الفواد سے کچھ مختلف ہے تو اس کو جعلی قرار دے کر رد کرنے کی تلقین کی جاتی ہے۔

راحت القلوب کے جعلی ہونے کی ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ فوائد الفواد اور خیر المجالس کے بیان کے مطابق حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کو اجودھن کی تیسری بار کی حاضری میں خلافت ملی لیکن راحت القلوب میں پہلی ہی بار کی حاضری میں خلافت ملنے کا ذکر ہے، ایسا سمجھنا صحیح نہیں، راحت القلوب کے آغاز میں جو باتیں لکھی گئی ہیں، اس کو دراصل تمہید سمجھنا چاہیے، جس میں خلافت کا بھی ذکر آ گیا ہے لیکن یہ ذکر مجلس اول ہی کے سلسلہ میں کر دیا گیا ہے، اس لیے یہ التباس پیدا ہو گیا ہے، پھر مختلف مجلسوں میں ۶۵۵ھ کا ذکر ہے لیکن یہ سنہ بھی یقیناً کتابت و طباعت کی فروگذاشت ہے کیوں کہ ان تاریخوں میں جو واقعات لکھے گئے ہیں، ان میں تطبیق نہیں ہوتی، اگر محنت کی جائے تو یہ تاریخیں معلوم ہو سکتی ہیں، میری ذاتی رائے ہے کہ یہ تمام مجلسیں حضرت خواجہ کی آخری بار (یعنی ۶۶۳ھ) کی حاضری کے موقع کی ہیں، اگر ہر مجلس کے ساتھ یہ سنہ لکھ دیا جائے یا خیر المجالس کی طرح سنہ اور تاریخ کا ذکر ہی نہ کیا جائے تو پھر واقعات میں کوئی سقم پیدا نہیں ہوتا، پروفیسر صاحب کو سنہ کے غلط

Marfat.com

اندراجات کی وجہ سے ہر قسم کی غلطیاں نکالنے کا موقع مل گیا ہے لیکن نفس واقعہ میں کوئی غلطی نہیں، مثلاً اس میں شیر خاں (المتوفی ۶۶۳ھ) شیخ بہاء الدین زکریا (المتوفی ۶۶۱ھ) اور شیخ سیف الدین باخرزی (المتوفی ۶۵۸ھ) کی وفات کا ذکر ہے، اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ یہ ملفوظات ان بزرگوں کی وفات کے بعد مرتب ہوئے تو پھر ہمدردانہ تنقید میں صرف اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ اس میں سنہ کا جو اندراج ہے وہ غلط ہے لیکن مخالفانہ تنقید ہی میں یہ دعوی کیا جا سکتا ہے کہ چوں کہ اس سنہ میں بزرگوں کی وفات نہیں ہوئی، اس لیے پورا مجموعہ جعلی اور فرضی ہے۔

راحت القلوب میں اسرار الاولیا کی طرح حضرت فرید الدین گنج شکر کے مختلف مقامات کی سیاحت کا ذکر ہے، پروفیسر صاحب اس کو تسلیم نہیں کرتے لیکن تسلیم نہ کرنے کے اسباب پر ہم نے جو پہلے لکھا ہے، وہ ناظرین کی نظروں سے گزر چکا ہے۔

اسرار الاولیا ہی کی طرح راحت القلوب پر یہ اعتراض ہے کہ خواجہ حسن بصریؒ اور ذوالنون مصریؒ کے مریدوں (Disciples) اور حضرت بابا گنج شکر کی ملاقاتوں کا ذکر تعجب خیز ہے کیوں کہ دونوں کے زمانہ میں بڑا تفاوت ہے لیکن اس سلسلہ میں پروفیسر صاحب سے جو فروگذاشت ہوئی ہے، اس کی طرف توجہ مبذول کرانے کی ضرورت ہے، راحت القلوب (ص ۲۴) کی ایک عبارت ہے:

''پیر با عظمت صد و پنجاہ سال عمر او بود از نبیسگان خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ۔''

اس کا ترجمہ پروفیسر صاحب نے انگریزی میں یہ کیا ہے:

"A mystic who was one hundred and fifty years old and was a disciple of Khwaja Hasan Basari."

پیر با عظمت کو پروفیسر صاحب نے خواجہ حسن بصری کا مرید بتایا ہے، حالاں کہ وہ نبیسگان میں تھے، نبیسگان سے مراد پوتوں پڑپوتوں کی اولاد بھی ہے، پھر مرید بتا کر تفاوت

Marfat.com

زمانہ دکھانا صحیح نہیں ہے، اسی طرح راحت القلوب (ص ۱۰) میں ہے:

''من از نبیسگان خواجہ جنید بغدادی ہستم۔''

راحت القلوب (ص ۱۷) میں ہے:

''عبدالواحد نبیسہ شیخ ذوالنون مصری قدس اللہ سرہ العزیز۔''

ان دونوں عبارتوں میں نبیسگان اور نبیسہ کا ترجمہ مرید ہی کیا گیا ہے، جس سے راحت القلوب سے خواہ مخواہ سوئے ظن پیدا ہو جاتا ہے، راحت القلوب (ص ۴) کے حسب ذیل بیان پر جو اعتراض ہے، اس سے بھی سوئے ظن پیدا کرانے کی کوشش کی گئی ہے:

''شیخ بدرالدین غزنوی شیخ جمال الدین ہانسوی و مولانا شرف الدین نبیسہ قاضی حمید الدین ناگوری نیز حاضر بود۔''

پروفیسر صاحب اس پر اعتراض کرتے ہیں:

In majlis No. 11 (16 Shaban, 655 A.H.) both Shaikh Badruddin Ghaznawai and Qazi Hameeduddin Nagori are declared to have been present. As a matter of fact they had both died several years before Nizamuddin Auliya reached Ajodhan. They could not have been there with him.

شرف الدین نبیسہ قاضی حمید الدین ناگوری کو قاضی حمید الدین بتانا محض غلط فہمی پیدا کرتا ہے، پہلے بتایا جا چکا ہے کہ یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ شیخ بدرالدین غزنوی کی ملاقات حضرت خواجہ نظام الدین اولیا سے نہیں ہوئی۔

ایک اور مثال ملاحظہ ہو، راحت القلوب (ص ۵۶) میں ہے:

''شیخ الاسلام فرمود ابوطالب مکی در قوت القلوب می نویسد۔''

لیکن پروفیسر صاحب کا الزام یہ ہے کہ راحت القلوب میں قوت القلوب خواجہ

Marfat.com

عثمان ہارونی کی تصنیف بتائی گئی ہے لیکن اوپر کی سطر سے یہ بات ظاہر نہیں ہوتی ہے۔

ایک دوسری مثال ملاحظہ ہو، راحت القلوب (ص ۶۱) میں ہے:

''چندروز یہ دعا گو ہانسی جا کر شیخ محمد ہانسوی کے پاس رہا، جو شیخ قطب الدین بختیار اوشی قدس اللہ سرہ العزیز کے یاروں میں سے تھے اور جب واپس آ کر پابوسی کی تو حکم ہوا کہ بیٹھ جاؤ، میں بیٹھ گیا، ایک خط جو شیخ برہان الدین نے دیا تھا، پیش کیا، اس کا مطالعہ فرمایا، اس کے بعد فرمایا کہ تم نے دیر کی، بندہ نے قدم بوسی کی اور کہا کہ تن خاکی تو وہاں تھا لیکن دل یہاں تھا، مخدوم بندہ نواز نے فرمایا، ایسا ہی تھا جیسا کہ تم کہتے ہو، تم پر بارہا میرا اشتیاق غالب آیا اور تم کہتے ہو کہ اگر مجھ کو پر ہوتا تو اڑ جاتا اور خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور ان سے ملتا، اس کے بعد لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ شیخ کے مرید اور فرزند کو اسی طرح ہونا چاہیے، جس طرح کہ مولانا نظام الدین ہیں، فرمایا کہ انہوں نے مجھ کو ایک خط لکھا تھا، اس میں پابوسی کا بڑا اشتیاق تھا، اس میں ایک شعر بھی تھا، اس کو میں نے یاد کر لیا اور جب تم کو یاد کرتا ہوں تو یہ شعر پڑھتا ہوں، یہ بہت ہی بے نظیر ہے، اگر تم پڑھو تو میں سنوں، میں تسلیم بجا لایا اور یہ شعر پڑھا:

زانگاہ کہ بندہ تو دانند مرا　　بر مردمک دیدہ نشانند مرا
لطف عامت عنایتے فرمودہ است　　ورنہ چہ کسم از کجا دانند مرا

میں نے جب یہ شعر پڑھا تو شیخ الاسلام پر رقت طاری ہو گئی، اٹھے اور رقص فرمانے لگے، اتنا رقص فرمایا کہ اس کی حد نہ رہی، صبح سے دوپہر تک رقص فرماتے رہے، جب رقص ختم ہوا تو اپنا خرقہ خاص مرحمت فرمایا اور اسی روز عصا بھی عنایت فرمایا، مصلیٰ اور نعلین چوبی بھی دیے۔''

فوائد الفواد (ص ۱۸۰) میں ہے:

''ایک بار میں نے ایک عرض داشت شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں بھیجی تھی، جس میں یہ رباعی لکھ بھیجی تھی:

زاں روئے کہ بندہ تو دانند مرا　　بر مردمک دیدہ نشانند مرا

Marfat.com

لطف عامت عنایتے فرمودہ است ورنہ چہ کسم طلق چہ دانند مرا

اس کے بعد شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس رباعی کا ذکر کیا اور فرمایا کہ میں نے یاد کرلیا ہے۔

ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں، صرف تفصیل اور اجمال کا فرق ہے لیکن پروفیسر صاحب کا یہ اعتراض ہے کہ اگر ہم فوائد الفواد کا مطالعہ کریں تو یہ پتہ چلے گا کہ خط کے ساتھ رباعی شیخ نظام الدین نے دہلی سے بھیجی تھی، غالباً دوسری آمد کے بعد بھیجی، یہ اعتراض کہاں تک صحیح ہے، خود ناظرین غور کریں، راحت القلوب کی عبارت سے یہ ظاہر ہے کہ حضرت نظام الدین اولیا نے ایک خط میں یہ رباعی لکھ کر بھیجی تھی۔

پروفیسر صاحب کا یہ اعتراض ہے کہ راحت القلوب کے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت نظام الدین اولیا اجودھن کے قیام میں خانقاہ جایا کرتے تھے، حالاں کہ وہ خانقاہ ہی میں مرشد کے ساتھ مقیم تھے، ان سے درس لیتے تھے، دن میں کئی بار ان سے ملتے، شاید پروفیسر صاحب کو غلط فہمی اس لئے ہوئی ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے قلم سے ہر مجلس کے شروع میں یہ فقرے لکھے گئے ہیں:

دولت پائے بوس حاصل شد.......... دولت پائے بوس میسر شد.......... سعادت پائے بوس میسر شد.......... دولت قدم بوس حاصل شد.......... سعادت قدم بوس حاصل شد......

یہ تو لکھنے کا ایک مؤدبانہ طریقہ تھا، ان فقروں سے یہ ظاہر نہیں ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا اپنے مرشد سے الگ رہتے تھے، ساتھ رہنے کے باوجود احتراماً یہ فقرے لکھا کرتے تھے، پھر فوائد الفواد کے حسب ذیل فقرے پر تو وہی اعتراض وارد ہوتا ہے جو پروفیسر صاحب موصوف راحت القلوب پر کرتے ہیں:

''خواجہ فرمود ہر چہ شیخ شنیدہ شد نوشتم چو مقام خود باز آمدم بر جائے نسخہ کردم۔''

یعنی وہ خانقاہ کی مجلس میں جو کچھ سنتے لکھ لیتے، پھر اپنی قیام گاہ پر آکر اس کو ترتیب دیتے، اس سے ظاہر ہے کہ ان کی قیام گاہ حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر کی جائے رہائش سے

Marfat.com

مختلف تھی۔

راحت القلوب (ص ۲۹) میں ہے:

''یہ حکایت بیان فرمارہے تھے کہ ایک درویش شہاب الدین غزنوی آئے، وہ شیخ الاسلام کے مریدوں میں سے تھے، قدم بوسی کی، حکم ہوا کہ بیٹھ جاؤ، وہ بیٹھے، اس درویش کو والی لاہور نے کم و بیش سو دینار دے کر شیخ الاسلام کے پاس بھیجا تھا، شیخ الاسلام نے فرمایا، اے درویش! جو کچھ تمہارے پاس ہے، لاؤ، انہوں نے پچاس دینار شیخ الاسلام کی خدمت میں پیش کیے، شیخ الاسلام نے تبسم فرما کر فرمایا کہ شہاب! تم نے بھائیوں کی اچھی تقسیم کی لیکن درویشوں کے لیے اس قسم کی بات اچھی نہیں، وہ بہت شرمندہ ہوئے، فوراً سو دینار شیخ الاسلام کو پیش کر دیے، شیخ الاسلام نے فرمایا، اگر میں تم کو اس قسم کی بات نہ کہتا تو تم اس کام میں بھٹک جاتے، اس طرح تم درویشوں کے مقصد کو حاصل نہ کرتے، پھر سو دینار ان کو دے دیے اور فرمایا، پھر سے بیعت کرو، بیعت میں خلل پڑ گیا۔''

فوائد الفواد میں یہ روایت اس طرح درج ہے کہ حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کے خلفا کا ذکر تھا تو حضرت خواجہ نظام الدینؒ نے فرمایا:

''ان میں ایک ایسے درویش بھی تھے جن کو عارف کہا جاتا تھا، ان کو سیوستان کی طرف بھیجا اور بیعت کی اجازت بھی دی، واقعہ یہ ہوا کہ ایک ملک اوچ اور ملتان کی طرف تھا، یہ درویش اس ملک کے امام تھے، دونوں کچھ باہمی تعلقات بھی رکھتے تھے، ایک بار اس ملک نے سو تنکے اس عارف کو دیے اور شیخ الاسلام شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کے پاس بھیجا، انہوں نے پچاس تنکے تو اپنے پاس رکھ لیے اور پچاس شیخ کی خدمت میں پیش کیے، شیخ نے تبسم فرمایا اور کہا:

''قسمت برادروار کردی''

وہ عارف شرمندہ ہوئے اور اپنے پاس جو پچاس تنکے رکھے ہوئے تھے، ان کو شیخ کی خدمت میں پیش کیا اور بڑی عاجزی کی، معذرت کی، پھر ارادت کے لیے التماس کیا، شیخ نے اپنے ہاتھ پر بیعت

Marfat.com

کرلیا اور وہ مخلوق ہو گئے، اس کے بعد وہ اتنے راسخ العقیدہ ہوتے گئے کہ پوری استقامت سے ساری چیزیں حاصل کرلیں اور بالآخر شیخ نے ان کو بیعت کی بھی اجازت دے دی اور سیوستان کی طرف بھیجا۔'' (ص ۱۵-۱۶)

سیر الاولیا میں فوائد الفواد ہی سے یہ روایت لی گئی ہے لیکن فوائد الفواد کی مذکورہ روایت نقل کر کے اس کے مؤلف نے یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ مولانا عارف کو خلافت نامہ ملا تو انہوں نے شیخ الشیوخ حضرت فریدالدینؒ سے کہا کہ وہ اس کام کے لائق نہیں ہیں اور جو کام مشائخ کبار کرتے رہے ہیں، وہ ان سے نہ ہوگا لیکن شیخ نے ان پر شفقت فرمائی، اس کے بعد وہ شیخ الشیوخ العالم کی اجازت سے کعبہ گئے جہاں سے واپس نہ ہوئے، یہ اضافہ اس لیے الحاقی نہیں سمجھا جا سکتا کہ یہ فوائد الفواد میں نہیں ہے۔

اب راحت القلوب اور فوائد الفواد کی اس روایت میں جو اختلاف ہے، وہ نام کا اختلاف ہے، راحت القلوب میں نام شہاب الدین غزنوی اور فوائد الفواد میں عارف بتایا گیا ہے، راحت القلوب میں ہے کہ وہ پہلے ہی حضرت شیخ فریدالدینؒ کے مرید تھے لیکن فوائد الفواد میں ہے کہ وہ بعد میں مرید ہوئے، راحت القلوب میں ہے کہ والی لاہور نے بھیجا لیکن فوائد الفواد میں مبہم طریقہ پر بتایا گیا ہے کہ ملک اوچہ اور ملتان کی طرف تھا لیکن اس جزوی اختلاف سے کتاب کے جعلی اور فرضی ہونے کا ثبوت فراہم نہیں ہوتا، اس قسم کے اختلافات تذکروں میں بہت ملتے ہیں، ممکن ہے ملفوظات کے مرتب کو لکھنے میں سہو ہو گیا ہو لیکن یہ احتمال دونوں مجموعوں کے لیے ہو سکتا ہے اور اگر یہ صحیح ہے کہ راحت القلوب کی یہ روایت فوائد الفواد سے سرقہ ہے تو پھر اس سرقہ میں نام بدل دینا سمجھ میں نہیں آتا۔

راحت القلوب میں ہے:

''بعد از اں ہمدریں محل فرمود کہ وقتے قاضی حمید الدین ناگوری و شیخ قطب الدین بختیار اوشی و جمال الدین تبریزی و شیخ بدرالدین غزنوی قدس اللہ سرہم العزیز در مسجد جامع دہلی چند

Marfat.com

روز معتکف شدند۔'' (ص ۴۵)

پروفیسر صاحب اس روایت کو فرضی قرار دیتے ہیں اور وجہ یہ بتاتے ہیں کہ فوائد الفواد کے بیان کے مطابق حضرت جلال الدین تبریزی اور خواجہ قطب الدین بختیار کا کی سے صرف دو ملاقاتیں ہوئیں، ایک کیلوکھڑی کی سرحد پر اور دوسری ملک عزالدین بختیار کی مسجد میں۔ (فوائد الفواد، ص ۱۵۰)

فوائد الفواد سے جامع مسجد میں دونوں کا معتکف ہونا ثابت نہیں، اول تو مذکورہ عبارت کے جمال الدین تبریزی کو واقعی جمال الدین تبریزی سمجھا جائے تو اس میں اسما کی کتابت وطباعت کی غلطیوں کا ایک ثبوت اور فراہم ہو جاتا ہے، اس میں صرف مسجد کے نام کا فرق ہے، فوائد الفواد میں ہے:

''وقتے در مسجد ملک عزالدین بختیار کہ ہم پیش گر مایہ اوست ہر دو بزرگ یکجا شدند۔''

(ص ۱۵۱)

یک جا شدند کے اجمال میں ممکن ہے کہ دونوں اسی مسجد میں معتکف ہوئے ہوں، صرف نام کے اختلاف سے پوری عبارت فرضی نہیں قرار دی جاسکتی ہے۔

راحت القلوب (ص ۱۸) میں ہے:

''بعد ازاں فرمود کہ در یمن بلائے مغل نازل شد یمن را گرد گرفتند۔''

اعتراض یہ ہے کہ یمن پر مغلوں کا حملہ کبھی نہیں ہوا، معلوم نہیں یہ کتابت کی غلطی ہے یا واقعی مغل ہے، اگر مغل ہے تو میری رائے میں اس زمانہ میں ہندوستان میں مغلوں کے اتنے حملے ہوئے کہ ہر جگہ کے حملہ آوروں کو مغل ہی کہا جانے لگا، اگر یہ غلطی ہے تو محض ایک فروگذاشت ہے، جس کی بنا پر پوری کتاب رد نہیں کی جاسکتی۔

ایک قسم کی اور فروگذاشتوں کی طرف توجہ دلا کر پروفیسر صاحب رقم طراز ہیں کہ راحت القلوب میں اتنے اوراد ووظائف کا ذکر آیا ہے کہ اس کی تدوین کا مقصد انہی

Marfat.com

اورادووظائف کونمایاں کرنا تھالیکن اگران کونمایاں کیا گیا ہےتو یہ اس کے جعلی ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی، پروفیسر صاحب کے نزدیک سیر الاولیا بڑی مستند کتاب ہے، اس میں اورادووظائف کا ذکر راحت القلوب سے زیادہ ہے، رہروانِ سلوک کی اکثریت ایسی ہے کہ بزرگانِ دین کی کتابوں میں تاریخی، سیاسی اور معاشرتی معلومات سے زیادہ اوراد ووظائف ہی کی تلاش ہوتی ہے کیوں کہ ان ہی کے ذریعہ سے ان کی روحانی تسکین ہوتی ہے لیکن پروفیسر صاحب اس کو سستے قسم کا صوفیانہ لٹریچر قرار دیتے ہیں۔

خیر المجالس کی روایت کے مطابق مذکورہ بالا ملفوظات کو مشکوک سمجھ کر ان میں غلطیوں کی نشان دہی کرنا ایک حد تک صحیح سمجھا جاسکتا ہے لیکن افضل الفوائد کو فرضی اور جعلی قرار دینا تعجب انگیز ہے، اب تک امیر خسرو پر جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں ان کی تصانیف کا سیر حاصل ذکر ہے لیکن کسی نے ان کی افضل الفوائد کو جعلی اور فرضی قرار نہیں دیا ہے۔

افضل الفوائد پر بنیادی اعتراض یہ ہے کہ اس کا طرزِ انشا خزائن الفتوح، اعجاز خسروی اور دواوین کی تمہیدوں سے مختلف ہے لیکن ایک ایسا قادر الکلام شاعر اور نثر نگار جو تمام اساتذۂ فن کی تقلید کر سکتا ہے اور اعجازِ خسروی لکھنے کے ساتھ ہندی میں عورتوں کے لیے گیت، بچوں کے لیے مکرنیاں اور پہیلیاں لکھ سکتا ہے، اس کے لیے افضل الفوائد کی ایسی سلیس عبارت لکھنا کوئی مشکل کام نہیں اور خصوصاً جب کہ ایک کہی ہوئی چیز کو صرف نقل کر دینا ہے۔

امیر خسرو پر سب سے زیادہ مستند کتاب ڈاکٹر وحید مرزا کی ہے، ان کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ آیا کہ افضل الفوائد ایک جعلی تصنیف ہے، بلکہ وہ لکھتے ہیں:

"یہ کتاب میر حسن کی عظیم تصنیف فوائد الفواد کی بہ ظاہر تقلید میں لکھی گئی ہے، اس لیے یہ کتاب اعجاز خسروی یا خزائن الفتوح سے بالکل مختلف ہے اور اس کی زبان بہت ہی سادہ، سلیس اور لفظی صنائع کی زینت سے بالکل پاک ہے اور یہ اس زمانہ میں جو فارسی زبان بولی جاتی تھی، اس

Marfat.com

کا عمدہ نمونہ ہے۔'' (ص ۲۲۴)

پروفیسر صاحب موصوف افضل الفوائد کی حسب ذیل تحریروں کو سستے قسم کا صوفیانہ لٹریچر بتا کر جعلی قرار دیتے ہیں:

''آنگاہ ملائم ایں معنی فرمود کہ ہمانجا در اوراد خواجہ یعنی شیخ الاسلام خواجہ عثمان ہارونی دیدہ ام ہم باستاد ابو ہریرہ کہ او گفت ہر کہ روز یک شنبہ چہار رکعت نماز بگذارد و بخواند و در ہر رکعتے الحمد ایک بار و آمن الرسول یک بار فرمائید، ایزد تعالیٰ بنویسد در نامۂ اعمال او بعد ہر تر سائی و تر سایہ عبادت یکسالہ را و ثواب ہزار عزا و ثواب ہزار پیغمبراں و ثواب شہیداں رایدو بد ہند و میان او و درمیان دوزخ چنداں مسافرت بود، ہزار خندق درمیان بود، پہنائے ہر خندق پانصد سالہ راہ باشد و بکشاید، ایزد تعالیٰ بر دہشت بہشت را۔'' (قلمی نسخہ دار المصنفین، ص ۲۲)

پروفیسر صاحب کو اعتراض ہے کہ اس قسم کی تحریریں بعد کی کتابوں میں تو بہت ہیں لیکن حضرت نظام الدین اولیا اور شیخ نصیر الدین چراغ کے مستند ملفوظات اور ان سے پہلے کے صوفیہ کی کتابوں میں نہ ملیں گی لیکن فوائد الفواد میں سورہ یٰسین (ص ۶۰) اور صلوٰۃ البروج کی جو فضیلت بتائی گئی ہے، وہ شاید پروفیسر صاحب کی نظر سے نہیں گزری، جس طرح سورہ یٰسین پڑھ کر امام ناصری مر کر اور دفن ہو جانے کے بعد قبر سے زندہ نکل آئے، اس کی تفصیل افضل الفوائد کی روایتوں سے زیادہ حیرت انگیز ہے، سیر الاولیا کے باب ہفتم میں ادعیۂ ماثورہ اور اورادِ مقبولہ کی بڑی تفصیلات ہیں، ان میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے:

''می فرمود جعفر خالدی رحمۃ اللہ علیہ را نگینہ بود روزے در کشتی سوار شد، خواست کہ ملاح را چیزے بدہد چو جامہ باز کرد آں نگینہ در دجلہ افتاد و بر ود، دعائے بود، مجرب آں دعا رامی خواند وقتے کتابے را مطالعہ می کرد، درمیان اوراق آں نگینہ یافت، و دعا ایں است یا جامع الناس! الیوم لاریب فیہ اجمع علیٰ ضالتی۔'' (ص ۴۲۸)

افضل الفوائد کے آغاز میں حضرت امیر خسرو کے حلقہ بیعت میں داخل ہونے کی

Marfat.com

تفصیل ہے لیکن اس سے پہلے مجلس اول کی تاریخ ذی الحجہ ۷۱۳ھ مرقوم ہے، اس سے التباس ہوتا ہے کہ اسی تاریخ میں امیر خسرو بیعت ہوئے، حالاں کہ یہ تمہیدی تعارف ہے، اگر اس تعارف کے بعد مذکورۂ بالا تاریخ لکھی جاتی تو کوئی اعتراض نہ ہوتا لیکن یہی اعتراض راحت القلوب میں کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتب روایت کے مطابق مجلس اول کے ملفوظات قلم بند کرنے سے پہلے اپنے بیعت ہونے کا ذکر کردینا ضروری سمجھتے تھے، اس کے بعد اعتراض جاتا رہتا ہے کہ امیر خسرو نے اس مجموعہ میں ۷۱۳ھ میں بیعت ہونے کا ذکر کیا ہے حالاں کہ وہ اس سے بہت پہلے حلقۂ ارادت میں داخل ہو چکے تھے۔

افضل الفوائد کی حسب ذیل دو روایتیں ضرور قابل تنقید ہیں، اس کی مجلس ۲۵ میں ہے:

''ہم دریں محل فرمود کہ از زبان شیخ نجم الدین صغریٰ شنیدہ ام'' (ص ۵۴، قلمی نسخہ)

پھر مجلس ۲۶ میں ہے:

''فرمود چوں حق تعالیٰ خواست کہ حجاج را بہ بلا ہتلا کند آخریں کسے را کہ کشت برادر ابوالسعید بن ابوالخیر بود۔''

پروفیسر صاحب کا اعتراض ٹھیک ہے کہ شیخ نجم الدین صغریٰ کی وفات شمس الدین ایلتتمش کے عہد میں ہوگئی تھی لیکن اس سلسلہ کی پوری عبارت پیچیدہ قسم کی ہے:

''دریں محل فرمود کہ از زبان شیخ نجم الدین صغریٰ شنیدہ ام کہ در مثال علی فرمودہ کہ بشنہ دیدہ ام ذکر اولیا عبادت یعنی ذکر اولیا عبادت است و در ذکر ایشاں ثواب عبادت در نامہ او بنویسد۔'' (ص ۵۴)

کسی اور قلمی نسخہ کا موازنہ کیا جائے تو اس پیچیدہ عبارت کی وضاحت ہو سکتی ہے، پھر اعتراض یہ ہے کہ ابوسعید بن ابوالخیر اور حجاج کے زمانہ میں بڑا تفاوت ہے، حجاج کا

Marfat.com

برادر ابوسعید بن ابوالخیر کا قتل کرنا بعید از قیاس ہے لیکن یہ تاریخی حقیقت ہے کہ حجاج نے سعید بن جبیر کو قتل کرایا (تفصیل کے لیے دیکھو تابعین، ص ۱۳۵، شائع کردہ دارالمصنفین، اعظم گڑھ) اس طرح برادر ابوسعید بن ابوالخیر کا نام محض کتابت کی غلطی ہے، اسی طرح نجم الدین صغریٰ میں بھی کتابت کی غلطی ہوگئی ہوگی، اسی کے ساتھ یہ بھی غور کرنا چاہیے کہ ان ناموں میں جو غلطیاں ہیں وہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے بیان کرنے یا مرتب کے لکھنے یا کاتب کے کتابت کرنے کی غلطیاں ہیں، ان معمولی فروگذاشتوں سے پوری کتاب کو جعلی قرار دینا محض ظلم ہے، ایسی غلطیاں اچھے اچھے مؤرخوں سے بھی ہوا کرتی ہیں۔

پروفیسر صاحب کا اعتراض یہ ہے کہ افضل الفوائد میں شیخ معین الدین، شیخ فرید الدین، شیخ بہاء الدین زکریا کے اوراد، پھر انیس الارواح، حضرت شیخ فرید الدین کے بخارا کی سیاحت کا بھی ذکر ہے، جو جعلی ملفوظات سے لیے گئے ہیں لیکن جیسا کہ پہلے بھی کہا جاچکا ہے کہ افضل الفوائد کو جعلی مجموعہ نہ سمجھنے والے ان حوالوں کو مزید سند کے طور پر استعمال کرسکتے ہیں کہ راحت القلوب اور اسرار الاولیا میں جو کچھ کہا گیا ہے، وہ فرضی نہیں بلکہ اس کی تائید افضل الفواد سے بھی کی جاسکتی ہے۔

افضل الفوائد میں پیغمبروں کے جو قصے لکھے گئے ہیں ان کے لیے قصص الانبیا کا حوالہ دیا گیا ہے، اعتراض یہ ہے کہ قصص الانبیا بعد کی تصنیف ہے لیکن قصص الانبیا کے نام سے ہر زمانہ میں کتابیں لکھی گئی ہیں، بعد کی قصص الانبیا کی کتابوں سے خلط ملط کرنا صحیح نہیں، حضرت خواجہ سے پہلے وہب بن منبہ (المتوفی ۱۱۴ھ) علی بن حمزہ کسائی (المتوفی ۱۸۹ھ) سہل بن عبداللہ (المتوفی ۲۸۳ھ) ابن جوزی (المتوفی ۵۹۷ھ) نے اس نام سے کتابیں لکھیں۔

اعتراض ہے کہ فوائد الفواد میں حلاج منصور کی جو تصویر پیش کی گئی ہے وہ افضل الفوائد سے مختلف ہے لیکن میرے نزدیک کچھ زیادہ فرق نہیں، افضل الفوائد میں ہے:

Marfat.com

''ہم دریں محل فرمود کہ وقتے بزرگے بر سر قبر خواجہ منصور حلاج رسیدہ بایستاد و گفت، می دانید کہ ایں روضہ کیست ہمہ اصحاب گفتند ندانیم گفت ایں روضہ منصور دیوانہ است کہ ہم در یک جرعہ چناں از دست شد کہ طاقت خود کہ مہر نگاہ دارد و چوں کشف کرد، کشتہ شد، پس اے یاران ہم چنیں است کہ سر بادشاہاں کشف کند سزائے او ایں بود کہ منصور یافت۔'' (ص ۶۳، قلمی نسخہ)

البتہ مقام محبت کے سلسلہ میں منصور کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''زہے صادق کہ اول روز بکشد، دوم روز بسوزند، سوم روز در آب رواں اندازند، آنگاہ مناسب حال ایں رباعی بر زبان راند:

آں روز مباد کز تو بیزار شوم — با دیگرے دریں جہاں یار شوم
گر بر سر کوئے تو مرا دار کند — من رقص کناں بر سر آں دار شوم

افضل الفوائد کی اس روایت میں جو کیفیت ہے، وہ فوائد الفواد سے مختلف نہیں، فوائد الفواد (ص ۲۵۴) میں ہے:

''بندہ عرض داشت کرد کہ سیدی احمد ی چناں کسے بود فرمود بزرگ بود از عرب است و رسم عرب آں ست کہ چوں کسے را بزرگی یاد کنند سوی گویند فرمود کہ در عہد شیخ حسین منصور حلاج بود رحمۃ اللہ علیہما، وآنچہ حسین منصور بسوختند و خاکستر او در آب دجلہ رواں کردند، سید احمد قدرے از آں آب کہ در و خاکستر بود، بہ تبرک برداشت و نجوردو آں ہمہ برکتہا از آنجا بود۔''

اس عبارت میں منصور حلاج کے نام کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہما بھی ہے، پھر یہ کہ حضرت خواجہ ان کی خاکستر کو باعث برکت بھی سمجھتے تھے، جس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت خواجہ کے نزدیک وہ مبغوض اور مردود نہ تھے، جیسا کہ پروفیسر صاحب نے اپنے اعتراض میں ظاہر کیا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ مولانا محی الدین کاشانی سے حضرت خواجہ نظام الدین اولیا نے خلافت نامہ اس لیے واپس لے لیا کہ انہوں نے اودھ کے قاضی کا عہدہ قبول کرنے کا ارادہ

Marfat.com

ظاہر کیا لیکن اس سے قاضی کے منصب کی اہمیت کم نہیں ہوتی اور حضرت خواجہ صاحب کی زبانی افضل الفوائد میں جو حسب ذیل ملفوظ ہے اس میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا۔

''سخن در قاضیان افتادہ بود، بر لفظ مبارک راند کہ قاضی وقضا نیکو چیزے است، اگر کردن بداند وحق آں کند و بجا آرد کہ آں قائم مقام حضرت رسالت مآب ﷺ۔'' (ص ۳)

مفتاح العاشقین پر اعتراض ہے کہ اس کی روایتیں فوائد الفواد اور خیر المجالس سے مسروقہ ہیں، گو اسی کے ساتھ یہ متضاد بات بھی لکھی گئی ہے کہ اس کے مرتب نے ان دونوں کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا، گویا پڑھا بھی ہے اور نہیں بھی پڑھا ہے۔

ایک ہی بزرگ کی روایت ان کے ملفوظات کے دو مجموعوں میں ہونا بعید از قیاس نہیں، ممکن ہے کہ یہ دونوں موقعوں پر کہی گئی ہوں، جو دو مختلف مرتبوں نے علاحدہ علاحدہ قلم بند کر لی ہو، پھر کسی روایت کا کسی دوسری کتاب میں دہرایا جانا سرقہ کی دلیل نہیں، خیر المجالس میں بہت سی ایسی روایتیں ہیں جو فوائد الفواد سے لی گئی ہیں، مثلاً خیر المجالس میں شیخ ابوسعید ابوالخیر اور ان کی صاحب جمال لڑکی (ص ۸۴) یا شیخ جلال الدین تبریزی اور قاضی جمال الدین جعفری (ص ۲۱۱) یا شیخ نجم الدین کبریٰ سے حضرت شیخ سیف الدین باخرزی کی ارادت (ص ۱۸۱-۱۸۰) کی جو روایتیں بیان کی گئی ہیں وہ فوائد الفواد (۲۶۵،۲۱۲،۱۸) میں بھی ہیں، صرف اجمال یا تفصیل یا تھوڑے الفاظ کے ردو بدل کا فرق ہے، پروفیسر خلیق احمد نظامی نے خیر المجالس کے انگریزی دیباچہ (ص ۱۱) میں جوامع الکلم کی ایسی روایتوں کی ایک لمبی فہرست دی ہے، جو خیر المجالس میں ہیں، کیا یہ توارد و تکرار خیر المجالس اور جوامع الکلم کے جعلی اور فرضی ہونے کی دلیل بن سکتی ہے؟

مفتاح العاشقین کے جعلی ہونے کی یہ بھی دلیل پیش کی گئی ہے کہ اس میں شیخ معین الدین اجمیریؒ اور شیخ عثمان ہارونیؒ کے رسائل انیس الارواح اور دلیل العارفین جیسی جعلی کتابوں کے حوالے ہیں لیکن جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ یہ دلیل تشفی بخش نہیں کیوں کہ

Marfat.com

ان ملفوظات میں ان کے حوالے کی موجودگی کی بنا پر خیر المجالس میں حمید قلندر کی روایت کے مشکوک ہونے کی دلیل میں پیش کی جا سکتی ہے۔

اباحت سجدہ کے متعلق فوائد الفواد (ص ۱۵۹) میں یہ روایت ہے:

''ماضی کی امتوں میں سجدہ مستحب تھا، اسی لیے رعیت بادشاہ کو، شاگرد استاد کو اور امت پیغمبر کو سجدہ کرتی لیکن رسول اللہ ﷺ کے عہد میں سجدہ روک دیا گیا، اس لیے اس کا استحباب بھی ختم ہو گیا لیکن اس کی اباحت باقی رہی، اگر مستحب نہیں ہے تو مباح ہے، جو چیز مباح ہے اس پر نفی عائد نہیں ہوتی ہے، اس کی ممانعت کہاں سے آتی ؟''

مفتاح العاشقین میں یہ روایت ہے:

''اعتقاد سجدہ کے بیان کے سلسلہ میں فرمایا کہ حق سبحانہ تعالیٰ کے سوا سجدہ غیر کے لیے روا نہیں ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو غیر حق تعالیٰ کو سجدہ کرتا ہے، کافر ہے، نعوذ باللہ منہا لیکن پہلی امتوں میں سجدہ مستحب تھا، ماں، باپ، استاد، پیر اور سلاطین کو لوگ سجدہ کرتے تھے لیکن حضرت رسالت پناہ ﷺ کا زمانہ آیا تو سجدہ کا استحباب ختم ہو گیا، یہ مباح ہو گیا جیسا کہ ایام بیض کا روزہ پہلے فرض تھا لیکن رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں یہ فرض نہیں رہا، مستحب ہو گیا اور جب سجدہ کا استحباب جاتا رہا تو یہ مباح ہو گیا، اس سجدہ سے کوئی کافر نہیں ہوتا ہے۔'' (ص ۴)

ان روایتوں میں کوئی ایسا اختلاف نہیں جس کی بنا پر مفتاح العاشقین سے سوءِ ظن پیدا کیا جائے، یہ اور بات ہے کہ علمائے ظاہر فوائد الفواد اور مفتاح العاشقین دونوں کی روایتوں کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھیں گے۔

مفتاح العاشقین کے جعلی ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ اس میں خواجہ قطب الدین اور خواجہ معین الدین کی غزلوں کا ذکر ہے، گو مفتاح العاشقین میں حضرت بختیار کاکی کی جو غزل نقل کی گئی ہے وہ ان کے نول کشور کے مطبوعہ نسخہ میں نہیں ہے لیکن یہ تو تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں کہ حضرت خواجہ قطب الدین اور خواجہ معین الدین کے اسمائے

Marfat.com

گرامی سے جو دیوان منسوب ہیں، وہ جعلی ہیں لیکن اس کے ساتھ یہ بھی تسلیم کرنا ضروری نہیں کہ انہوں نے کوئی شعر یا غزل نہیں کہی، حضرت بدرالدین غزنوی اور خواجہ نظام الدین اولیا بھی کبھی کبھی شعر کہہ لیا کرتے تھے، (دیکھو فوائد الفواد، ص ۱۵۰-۱۵۶) حضرت خواجہ جمال الدین ہانسوی نے بھی کچھ غزلیں کہی تھیں، حضرت بابا فریدالدین گنج شکر کی طرف بھی کچھ فارسی، عربی اور پنجابی اشعار منسوب ہیں۔ (دیکھو دی لائف اینڈ ٹائم آف شیخ فریدالدین گنج شکر از پروفیسر خلیق احمد نظامی، ص ۸۶-۸۵-۸۴)

اس طرح اگر خواجہ قطب الدین اور خواجہ معین الدین چشتی نے بھی کچھ اشعار کہہ دیے تو کوئی تعجب کی بات نہیں، حضرت خواجہ معین الدین نے حضرت علی ہجویری کے مزار پر چلہ کرنے کے بعد جو شعر کہا وہ آج تک مشہور ہے، مفتاح العاشقین میں ان کی غزلوں کے جو حوالے آئے ہیں، ان سے مجموعہ کے فرضی سمجھنے کے بجائے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ کے عہد میں بھی ایسی غزلوں کی عام شہرت ہوگئی تھی جو بزرگانِ چشت کے نام سے منسوب ہوگئی تھیں، آج بھی سماع کی محفلوں میں حضرت خواجہ عثمان ہارونی یا ہروانی کی ایک غزل گائی جاتی ہے اور لوگوں کو یقین ہوتا ہے کہ یہ غزل ان ہی کی ہے، کوئی یہ کہہ کر اس کو گانے سے روک نہیں دیتا کہ یہ غزل ان کی نہیں ہے۔

جہاں تک میری معلومات ہیں شاید کسی نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مطبوعہ نسخہ (نول کشور پریس) پر اب تک ناقدانہ نظر نہیں ڈالی ہے لیکن پروفیسر محمود شیرانی اور پروفیسر محمد ابراہیم ڈار نے یہ بتایا ہے کہ دیوان خواجہ معین الدین مطبوعہ نول کشور پریس کی اکثر غزلیں مولانا معین الدین بن مولانا شرف الدین حاجی محمد الفراہی کی تصانیف معارج النبوت اور تفسیر فاتحہ میں پائی جاتی ہیں لیکن نول کشور پریس میں دیوان (۱۲۸۸ھ مطابق ۱۸۷۱ء) میں چھپا، اس سے پہلے خواجہ صاحب کی شاعری کے نمونے تذکرہ حسینی (۱۱۶۳ھ) مخزن الغرائب (۱۲۱۸ھ) اور مجمع الفصحا میں پائے جاتے ہیں، جو اس کا ثبوت ہے کہ

Marfat.com

حضرت خواجہ کے بارے میں عام شہرت تھی کہ وہ شاعر بھی تھے اور اسی شہرت کی بنا پر ان کے نام سے ایک دیوان بھی منسوب ہو گیا۔

یہ اگر فرض کر لیا جائے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر نے اپنے اپنے پیروں کے ملفوظات مرتب نہیں کیے بلکہ جو ان کے نام سے منسوب ہیں، وہ فرضی ہیں، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان بزرگوں کے یہاں اپنے مرشدوں کے ملفوظات کو ترتیب دینے کی سنت اور روایت نہ تھی تو آخر حضرت خواجہ نظام الدین اولیا نے فوائد الفواد اور حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی نے خیر المجالس مرتب کرانے کی بدعت کیوں جاری کی، گو یہ بدعت حسنہ ہی سہی، وہ تو اپنے خواجگان کے مسلک کے اتنے پابند تھے کہ سیر الاولیا کی روایت کے مطابق حضرت فریدالدین نے زیارت خانۂ کعبہ اس لیے نہیں کی کہ ان کے پیر نے نہیں کی تھی، اسی طرح وہ جاگیریں بھی قبول نہیں کرتے تھے اور سلاطین کے درباروں میں بھی نہیں جاتے تھے کہ یہ ان کے خواجگان کی رسم نہ تھی تو آخر جب ملفوظات مرتب کرانے کی بھی رسم نہیں تھی تو خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے زمانہ سے یہ رسم کیوں قائم کی گئی۔

اگر یہ بدعت حسنہ نہ تھی تو پھر انیس الارواح، دلیل العارفین، فوائد السالکین اور راحت القلوب کے بیانات کے علاوہ افضل الفوائد، مفتاح العاشقین اور سیر الاولیا میں ملفوظات قلم بند ہونے کی جو متواتر روایتیں ہیں وہ لائق توجہ ہیں، ان کی خامیوں کے باوجود ان کے بین السطور میں جو کہیں کہیں کیفیت اور تاثیر ہے اور ان کے پڑھنے سے بعض اوقات جو ذہنی آسودگی اور روحانی تسلی ہوتی ہے اور پھر ان میں اکثر جگہوں پر سلوک و معرفت کی جو باریکیاں اور موشگافیاں ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے ترتیب دینے والے ادنیٰ درجہ کے مجاور نہیں ہو سکتے اور یہ بھی باور کرنے کو جی نہیں چاہتا کہ جعلی اور فرضی مجموعۂ ملفوظات کو ترتیب دینے کی ایک مسلسل مہم جاری ہوئی جو ایک عرصۂ دراز تک قائم رہی۔

Marfat.com

اور اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ بزرگانِ چشت نے خود ان مجموعوں کو مرتب نہیں کیا تو یہ ماننے میں کوئی عذر نہ ہونا چاہیے کہ یہ مجموعے قدیم العہد ضرور ہیں جن سے استفادہ کیا جا سکتا ہے، ان کے گہرے مطالعہ کے بعد اس رائے سے کسی کو اختلاف نہ ہوگا کہ ان میں تصوف کی بنیادی تعلیمات وہی ہیں جو فوائد الفواد اور خیر المجالس جیسی مستند اور معتبر کتابوں میں ہیں اور ان کے معترضین کو بھی اعتراف ہے کہ یہ مجموعے فوائد الفواد اور خیر المجالس کی اکثر و بیش تر روایتوں کے سہارے تیار ہوئے لیکن ان کی بعض باتوں کو محض اس لیے رد کر دینا کہ وہ ان کتابوں میں نہیں ہیں، ضرورت سے زیادہ تحقیقی سرگرمیوں کا اظہار کرنا ہے، یہ عجیب بات ہے کہ ہندوستان کے بعض فرقوں کے اہل قلم تو فرضی ماخذ بنا کر اپنی تاریخ اور ماضی کو سنوار رہے ہیں اور ہمارے پاس جو سرمایہ موجود ہے ہم اس کو خود ہی فرضی قرار دیتے رہے ہیں۔

اس طویل خامہ فرسائی کا مقصد یہ ہے کہ یہ ملفوظات اب تک نہایت لاپرواہی سے چھپتے رہے لیکن اگر ان کو محنت سے ایڈٹ کیا جائے اور اس میں سنین اور اسما کی جو غلطیاں ہیں، ان کی نشان دہی ہمدردانہ طور پر کر کے درست کر دی جائیں تو یہ قدیم العہد ماخذ کے طور پر احتیاط سے استعمال کیے جا سکتے ہیں، جیسا کہ عہد ماضی میں صوفیائے کرام اور اہل قلم کرتے رہے ہیں، حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے مجموعۂ ملفوظات خوان پُر نعمت میں ہے:

''ذکرے در ملفوظ شیخ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ کہ بندگی خواجہ معین الدین سجزی جمع کردہ اند۔'' (ص ۸۸)

پھر ان کے دوسرے مجموعۂ ملفوظات مخ المعانی میں ہے:

''فرمود کہ در ملفوظ خواجہ قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہ العزیز دیدہ ام کہ گفتہ اند کہ من در شہرے رسیدہ بودم، طائفہ دیدم اہل صلاح در ہر مقامے دہگان بستگان در عالم تحیر ایستادہ و چشمہائے در ہوا داشتہ، چو وقت نمازمی آمد، نماز ادا می کردند، باز در عالم تحیر مشغول می شدند۔'' (ص ۲۹)

Marfat.com

اسی میں ایک دوسری جگہ ہے:

"در ملفوظ شیخ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ آمدہ است......" (ص ۵۱)

اسی میں ایک اور جگہ ہے:

"شیخ معین الدین سجزی رحمۃ اللہ علیہ در ملفوظ آوردہ است......" (ص ۵۶)

مثلاً شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو بھی ان ملفوظات کے معتبر ہونے میں کچھ شک تھا اور انہوں نے حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کے اس قول کو بھی نقل کیا ہے جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ:

"شیخ نظام الدین می فرمود کہ من ہیچ کتابے نہ بستہ ام زیرا کہ شیخ الاسلام فرید الدین و شیخ الاسلام قطب الدین واز خواجگان چشت ہیچ شخصے تصنیف نہ کردہ است۔" (اخبار الاخیار، ص ۷۶)

لیکن اس شبہ کے باوجود وہ ملفوظاتِ خواجگان کو ماخذ کے طور پر برابر استعمال کرتے رہے کیوں کہ ان کے حوالے وہ بار بار دیتے ہیں، حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے ذکر میں ہے:

"در دلیل العارفین کہ خواجہ بختیار اوشی از ملفوظاتِ خواجہ قدس سرہ جمع کردہ مذائد کو راست......" (ص ۲۲)

پھر حضرت بختیار کاکی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"در دلیل العارفین می نویسد......" (ص ۲۵)

حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کے ذکر میں ہے:

"بعضے از ملفوظات گنج شکر کہ بخط شیخ نظام الدین اولیا با فوائد مکتوب می گردد۔" (ص ۵۲)

اور اگر محض شکوک وشبہات کی بنا پر ان ملفوظات کو جعلی سمجھ کر ان کو بالکل ہی رد

Marfat.com

کر دینے پر اصرار بڑھا تو ہم ایک ایسے قابل قدر علمی سرمائے سے محروم ہو جائیں گے جس سے صدیوں تک نہ صرف عوام و خواص بلکہ اہل علم اور تذکرہ نگار بھی استفادہ کرتے آئے ہیں اور اسی کے ساتھ روحانیت اور تصوف کے منکروں کو موقع فراہم کریں گے کہ وہ اپنی کوتاہ نظری، عیب جوئی، خردہ گیری اور بدعقیدگی سے کام لے کر فوائد الفواد اور خیر المجالس وغیرہ پر بھی نکتہ چینی کر کے ان سے سوئے ظن پیدا کرادیں لیکن ظاہر ہے کہ یہ کتابیں ان کے لیے نہیں ہیں جو ع

خرد نے مجھ کو عطا کی ہے نظر حکیمانہ

کے معترف ہیں بلکہ ان کے لیے ہیں جو ع

سکھائی عشق نے مجھ کو حدیث رندانہ

کے قائل ہیں اور فرزانہ بن کر مقام شوق میں کھو گئے ہیں۔

Marfat.com

ہندوستان میں وحدۃ الوجود کے مسئلہ پر ایک نظر

ہم اس مقالہ[1] میں ہندوستان میں وحدۃ الوجود کے مسئلہ کی نوعیت کو کسی لمبی تمہید کے بغیر پیش کرنا چاہتے ہیں، اس لیے اس میں یہ بحث نہیں آئی ہے کہ وحدۃ الوجود کی ابتدا کب ہوئی، کن اثرات کی بنا پر یہ مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا، اس کا فلسفہ یہودیت، ہندویت اور عیسائیت کے ذریعہ اسلام میں روشناس ہوا یا خود اس کا اپنا فلسفہ ہے، اس مقالہ میں صرف یہ دکھانا ہے کہ ہندوستان کے اکابر صوفیائے کرام نے اس کو کس روشنی میں پیش کیا اور یہ کن مدارج سے گزرا۔

ہندوستان میں تصوف پر سب سے پہلی کتاب کشف المحجوب لکھی گئی ہے جو شیخ علی ہجویری (المتوفی ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء) کی تصنیف ہے، یہ اس ملک میں اسلامی تصوف کی انجیل سمجھی جاتی ہے اور تصوف پر اس سے بہتر کتاب اب تک یہاں نہیں لکھی گئی، اس میں وحدۃ الوجود کی اصطلاح کے ساتھ تو بحث نہیں ملتی لیکن وحدۃ الوجود کے سلسلہ میں جو بحثیں بعد میں اٹھیں، ان کا مواد اس کتاب میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔

وحدۃ الوجود کی خاص خاص اصطلاحوں کو اگر نظر انداز کر دیا جائے تو عام الفاظ میں اس کی تشریح اس طرح کی جا سکتی ہے کہ بندہ اپنے کو فنا کر کے خدا کے عشق میں اس طرح

---

[1] یہ مقالہ آل انڈیا اسلامک اسٹڈیز کانفرنس کے چھٹے اجلاس میں جو دارالمصنفین میں ۳۰، ۳۱ دسمبر ۱۹۶۹ء میں ہوا، پیش کیا گیا، اس میں مزید اضافہ کر کے معارف میں بھی شائع کیا گیا، اب اس کتاب میں شامل کیا جا رہا ہے۔

Marfat.com

گم کر دیتا ہے کہ اس کے بعد وہ جو کچھ سنتا ہے تو خدا سے، جو کچھ دیکھتا ہے تو خدا کو، کچھ لیتا ہے تو خدا سے اور کچھ کہتا ہے تو خدا سے، اس کو ہر چیز میں خدا ہی خدا نظر آتا ہے، وہ پھولوں کی رنگینی، سبزہ کی شادابی، حسن کی رعنائی، نغمہ کی دل آویزی، دریا کی روانی، سمندر کی طغیانی، سیلاب کی تباہ کاری، زلزلہ کی غارت گری، انسانوں کی تباہی، آبادی کی بربادی وغیرہ سب چیزوں میں خدا ہی خدا دیکھتا ہے اور اس کی نظر میں خالق، خلق، تخلیق اور مخلوق وغیرہ سب ایک ہیں، وجود یعنی ہستی حقیقی ایک ہے، مگر ایک وجود ظاہر ہے اور ایک باطن باطن خود ایک نور ہے جو عالم کے لیے ایک جان کی طرح ہے، اسی نور باطن کا عکس وجود ظاہر ہے، ہر اسم وصفت و فعل جو کہ اس عالم ظاہر میں ہے، اس سب کا اصل وہی وصف باطن ہے، اس کثرت کی حقیقت دراصل وہی وحدت ہے۔

اب اس مقالہ میں یہی دکھانا ہے کہ ہندوستان کے اکابر صوفیائے کرام نے ان دل آویز تخیلات اور تصورات کو کس روشنی میں دیکھا ہے، شیخ علی ہجویریؒ کے یہاں فنا و بقا، جمع و تفرقہ اور حلول روح کے جو مباحث ہیں، ان سے ان خیالات کا پتہ چلے گا جن کا اظہار بعد کے اکابر صوفیہ وحدت الوجود کی اصطلاح کے ساتھ کرتے رہے، شیخ ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ صوفیوں میں ایسا گروہ بھی ہے جو یہ دعوا کرتا ہے کہ فنا سے اپنی ذات اور وجود کو مٹایا جا سکتا ہے اور فنا کے بعد بقا حاصل کر کے خدا کی ذات سے اتحاد حاصل کیا جا سکتا ہے، شیخ ہجویری اس کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انسانی ذات اور وجود کا نیست ہو کر خدا سے متحد ہونا محال ہے، کیوں کہ حادث قدیم سے، مصنوع صانع سے اور مخلوق خالق سے متحد اور ممتزج نہیں ہو سکتا، اگر کوئی فنا حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ وہ شہوات اور لذات ترک کر کے خصائص بشریت سے اس طرح علاحدہ ہو جائے کہ پھر محبت و عداوت، قرب و بعد، وصل و فراق اور صحو و سکر میں کوئی تمیز باقی نہ رہے اور جب یہ مقصود حاصل ہو جائے تو یہی بقا ہے۔ (کشف المحجوب، بحث فنا و بقا، فرقہ خرازی)

Marfat.com

حضرت شیخ علی ہجویریؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ مجاہدہ سے بندہ اگر خداوند تعالیٰ کی تجلیات کو دیکھتا ہے تو وہ اپنے استغراق میں خداوند تعالیٰ کی عنایت اور مہربانی سے سرفراز ہوتا ہے، وہ یہ دعوا نہیں کر سکتا ہے کہ اس کی ذات خدا کی ذات میں حلول کر گئی، ایسا دعوا کفر اور زندقہ ہے اور یہ مسلک دین و توحید کے خلاف ہے جو کسی حال میں تصوف نہیں کہا جا سکتا، بندہ کی سعادت یہ ہے کہ وہ اپنے استغراق اور مجاہدہ کو ہدایت خداوندی کے پہلو میں نفی کر دے۔ (کشف المحجوب، بحث جمع و تفرقہ)

شیخ ہجویری نے معرفت الٰہی اور توحید پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ معرفت حاصل کرنے والا بندہ یہ محسوس کرتا ہے کہ مخلوق کی تمام حرکات و سکنات خدا کی طرف سے ہیں، کسی کو خدا کی اجازت کے بغیر اس کے ملک میں تصرف نہیں ہے، ہر چیز کی ذات اس کی ذات سے ہے، ہر چیز کا اثر اس کے اثر سے ہے، ہر شے کی صفت اس کی صفت سے ہے، متحرک اس سے متحرک ہے اور ساکن اُس سے ساکن ہے، بندہ کا فعل محض مجازاً ہے، ورنہ درحقیقت وہ فعل خداوند عالم کا ہے، اس طرح اس کا قلب خدا کی دوستی کا محل، آنکھیں اس کے دیدار کا محل اور جان عبرت کا محل ہو جاتی ہے لیکن ان تمام مدارج کے باوجود بندہ کے دل میں فرمانِ الٰہی کی تعظیم بڑھتی جاتی ہے کیوں کہ معرفت شوق اور محبت کا نام ہے، شوق اور محبت کی علامت طاعت الٰہی ہے۔ (کشف المحجوب، بحث معرفت)

اسی لیے شیخ ہجویریؒ نے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کو ہر حال میں ضروری قرار دیا ہے، کیوں کہ ان چیزوں سے خوفِ الٰہی اور بھی زیادہ حاصل ہوتا ہے مثلاً نماز بندہ کو خدا کے راستہ پر پہنچاتی ہے اور اس پر اس راہ کے تمام مقامات کھل جاتے ہیں، نماز میں قیام نفس کا مجاہدہ ہے، قرأت ذکر الٰہی ہے، رکوع تواضع ہے، سجدہ نفس کی معرفت ہے، قعدہ محبت کا مقام ہے اور سلام مقامات سے باہر آنا ہے۔ (کشف المحجوب، ذکر نماز)

روزہ سے نفس میں فنادگی، دل میں عاجزی اور روشنی اور جان میں صفائی پیدا ہوتی

Marfat.com

ہے، جو معرفت الٰہی کے حصول میں ناگزیر ہیں، (کشف المحجوب، ذکر روزہ) زکوٰۃ کی حقیقت نعمت کی شکرگزاری ہے، اگر بندہ کے پاس کچھ بھی نہ ہو تو وہ اپنے باطن کو ایک نعمت سمجھے، اس کی زکوٰۃ عرفان حاصل کرنا ہے، (کشف المحجوب، ذکر زکوٰۃ) اسی طرح حج میں احرام باندھنا، انسانی عادتوں سے علاحدہ ہونا، عرفات میں قیام کرنا، مشاہدہ کا کشف حاصل کرنا، مزدلفہ جانا، نفسانی مرادوں کو ترک کرنا، طواف کرنا خداوند تعالیٰ کے جمالِ باکمال کو دیکھنا، صفا اور مروہ میں دوڑنا، دل کی صفائی اور اس میں مروت حاصل کرنا، منیٰ میں آنا آرزوؤں کو ساقط کرنا قربانی کرنا گویا نفسانی خواہشوں کو ذبح کرنا اور کنکریاں پھینکنا برے ساتھیوں کو دور کرنا ہے، (کشف المحجوب، ذکر حج) شیخ ہجویریؒ کے بیانات سے یہ ظاہر ہے کہ معرفت الٰہی ہو یا عشق الٰہی ہو یا درجہ حقیقت ہو، ہر حال میں شریعت کی پابندی ضروری ہے۔

ہندوستان کے تمام اکابر صوفیہ کا عمل ان ہی تعلیمات پر رہا، اس ملک میں چشتیہ سلسلہ سب سے زیادہ مقبول رہا، اس کے اکابر عبادتِ الٰہی پر زیادہ زور دیتے رہے، وہ کشتگانِ خنجر تسلیم بن کر اپنے ہر بن مو سے عشق الٰہی کا اظہار کرنے ہی میں لذت محسوس کرتے لیکن اس عشق الٰہی میں خشیت الٰہی کو معرفت الٰہی کا تنہا ذریعہ سمجھتے رہے، حضرت خواجہ معین الدین چشتی (المتوفی ٦٢٧ھ/ ١٢٣٩ء) فرماتے ہیں کہ عارف عشق الٰہی میں ایسا کھو جاتا ہے کہ اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے اس کی قدرت کاملہ میں محو اور متحیر رہتا ہے اور وہ ایک قدم بڑھا کر عرش سے حجاب عظمت اور حجاب عظمت سے حجاب کبریا تک پہنچ جاتا ہے اور دوسرے قدم میں واپس آ جاتا ہے، یہ تو عارف کا کم ترین درجہ ہے، ایک عارف کامل کہاں تک پہنچ جاتا ہے وہ تو خدا ہی جانتا ہے۔ (دلیل العارفین، ص ٦)

لیکن ان مقامات کو حاصل کرنے کے لیے چودہ شرطیں مقرر کی ہیں، ان میں پہلی دو توبہ اور عبادت ہے، وہ حب رسول ﷺ پر بھی برابر زور دیتے رہے اور فرماتے، افسوس ہے اس شخص پر جو قیامت کے دن آپ ﷺ سے شرمندہ ہوگا، اس کی جگہ کہاں ہوگی جو

Marfat.com

آپ ﷺ سے شرمندہ ہوگا، وہ کہاں جائے گا، یہ کہہ کر ہائے ہائے کر کے رونے لگتے۔ (دلیل العارفین، مجلس دوم)

خواجگانِ چشت کے ملفوظات میں عشق الٰہی کے جا بہ جا ذکر میں وحدت الوجود کے رموز و نکات تو تلاش کیے جاسکتے ہیں لیکن وہ ان کی عبادت و ریاضت، توبۂ دل، توبۂ چشم، توبۂ زبان، توبۂ گوش، توبۂ پا، توبۂ نفس، مجاہدۂ نفس، حب رسول ﷺ اور پابندیٔ شریعت وغیرہ کی تعلیمات میں دبے ہوئے ہیں۔

آگے چل کر جب عشق الٰہی کا غلبہ زیادہ ہو گیا تو وحدت الوجود پر فلسفیانہ اور عارفانہ بحث ہونے لگی اور سب سے پہلے اس پر علمی بحث حضرت شرف الدین یحییٰ منیری (المتوفی ۷۸۲ھ/۱۳۸۰ء) کے مکتوبات میں ملتی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مجاہدہ اور ریاضت سے یہ مشاہدہ ہوتا ہے کہ فاعل حقیقی اللہ ہی کی ایک ذات ہے، یہ توحید عارفانہ ہے، جس کو مقام ہمہ اوست سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن اس کے بعد مجاہدہ اور ریاضت کی کثرت سے سالک ایسا مستغرق ہو جاتا ہے کہ ساری ہستیاں اس کی نظر میں گم ہو جاتی ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ اور نہیں دیکھتا، اس پر فنائیت طاری رہتی ہے، اس کو فنافی التوحید یعنی ہمہ اوست کہتے ہیں، فنافی التوحید کے بعد بھی ایک مقام آتا ہے، جس کا نام الفنا عن الفنا ہے، یہاں پہنچ کر وہ خدا کے جلال اور جمال میں کوئی تمیز نہیں کرتا ہے، کیوں کہ یہ تمیز باقی رہ جاتی ہے تو یہ تفرقہ کی دلیل ہے، عین الحق اور جمع الجمع کا مقام اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب سالک اپنے اور کل کائنات کو خدا کے نور میں غرق کر دیتا ہے اور اس کو خبر نہیں ہوتی کہ کون اور کیا غرق ہوا، اس مقام تفرید میں پہنچ کر سالک کو وحدت الوجود کی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے اور وہ ایسا محو ہو جاتا ہے کہ اس کو اسم و رسم، وجود و عدم، عبارت و اشارت، عرش و فرش اور اثر و خبر سے کوئی واقفیت نہیں ہوتی ہے، اس مقام کے سوا کہیں اور جلوہ گر نہیں ہوتا، یہاں کے سوا اس کا نشان کہیں اور ظاہر نہیں ہوتا، حضرت شرف الدین یحییٰ منیریؒ نے اس کی تاکید خاص

Marfat.com

طور پر کی ہے کہ توحید وجودی علم کے درجہ میں ہو یا شہود کے ابتدائی درجہ سے انتہائی درجہ میں ہو، ہر درجہ میں بندہ بندہ ہے، اس لیے انا الحق وسبحانی (میں خدا ہوں، میں پاک ہوں) کہنا مناسب نہیں کیوں کہ:

ہر آں کہ درا خدا گم شد خدا نیست (مکتوبات سہ صدی، ص ۶)

وہ حب اللہ میں اتباع شریعت کو لازمی سمجھتے تھے، اسی لیے فرماتے:

با شرع باہوش باش و با خدا دیوانہ با عشق آشنا باش و با عقل بے گانہ

انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ شریعت کے بغیر طریقت صرف ہلاکت ہے، شریعت کے بغیر راہِ طریقت میں غرور، جہل، پندار اور حمق پیدا ہو جاتا ہے، جس کے بعد شیطان ورغلا کر ایمان برباد کر دیتا ہے۔ (مکتوبات سہ صدی، ص ۶۴)

یہ بھی فرمایا کہ بعض گروہ کا خیال ہے کہ حقیقت کا جب کشف ہو جاتا ہے تو شریعت کی ضرورت باقی نہیں رہتی، تو ایسے اعتقاد پر لعنت ہو، حقیقت بغیر شریعت کے زندقہ ہے، کتاب وسنت اور اجماع امت کی تقلید ہر حال میں ضروری ہے۔ (مکتوبات سہ صدی، ص ۷۳-۷۲)

حضرت شرف الدین یحییٰ منیریؒ ہی کے زمانہ میں ایک بزرگ احمد بہاری تھے جو فیروز شاہ تغلق کے عہد میں بہار سے دہلی آ کر سکونت پذیر ہو گئے، فیروز شاہ کا بیان فتوحاتِ فیروز شاہی میں ہے کہ ان کے مریدین دہریے تھے جو احمد بہاری کو خدا سمجھتے اور کہا کرتے کہ دہلی میں خدا طلوع ہوا ہے اور خود احمد بہاری رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخانہ باتیں کیا کرتے تھے، اسی لیے فیروز شاہ نے ان کے پاؤں میں زنجیر ڈلوا کر اپنے سامنے بلوایا اور قید کر دیا، ان کے مریدین کو ادھر ادھر مختلف شہروں میں بھیج کر منتشر کر دیا، ان کے ایک دوست شیخ عز کاکوی بھی تھے، ان پر بھی شطحیات کا الزام آیا۔ (فتوحاتِ فیروز شاہی، ص ۸۰، علی گڑھ ایڈیشن)

حضرت شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے مکتوبات سے معلوم ہوتا ہے کہ احمد بہاری اور شیخ کاکوی دونوں قتل کر دیے گئے، جس سے ان کو بڑا دکھ ہوا، وہ دونوں کو توحید کے

Marfat.com

اسرار و رموز کا واقف کار اور ترک و تجرید کا حامل سمجھتے تھے، اس لیے ان کا خیال تھا کہ ان کی باتوں کو عالم دیوانگی پر محمول کرنا چاہیے۔ (مکتوبات بست وہشت، ص ۳۴۷-۳۴۶)

لیکن علمائے ظاہر اس قسم کی توحید وجودی کو ناپسند نہیں کرتے، جس سے دیوانگی پیدا ہو اور دیوانگی کے بعد گم راہی کے احتمالات اور خطرات بھی پیدا ہو جائیں، فیروز شاہ ہی کے عہد میں عین الملک ماہ رو کا ایک غلام صوفی بن گیا تھا، اس نے اپنے مریدوں کو تاکید کی کہ میں انا الحق کہوں تو تم سب بلند آواز سے توئی توئی کہو، اس کو بھی علما کے فتویٰ پر سخت سزا دی گئی۔ (فتوحاتِ فیروز شاہی، ص ۱۰)

وحدت الوجود کے اسی قسم کے حامیوں کی وجہ سے علمائے ظاہر اس مسئلہ سے بدظن ہوتے گئے، اکابر صوفیہ علما کے اس سوئے ظن کو دور کرنے میں لگے رہے، اس مسئلہ پر تفصیلی بحث لطائف اشرفی میں ملتی ہے، جس میں چشتیہ سلسلہ کے بزرگ حضرت اشرف جہاں گیر سمنانی (المتوفی ۸۰۸ھ/ ۱۴۰۵ء) کے خیالات بہت ہی مبسوط طریقہ پر پیش کیے گئے ہیں، وہ وحدت الوجود کے بڑے حامی تھے لیکن جب وہ اپنی سیاحت کے دوران میں بخارا پہنچے تو ان کو معلوم ہوا کہ وہاں کے علما و فضلا وحدتِ وجود کے منکر ہیں، ان کو اعتراض تھا کہ اس فلسفہ کے بانی مبانی شیخ ابن العربی نے حق کو وجود مطلق کہا ہے، جو محض ایک رسوائی کی بات ہے، اس سے بہتر تو دہریوں کے عقائد ہیں، اس سلسلہ میں حضرت اشرف جہاں گیر سمنانی کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ لوگوں نے شیخ ابن العربی کے فلسفہ کو سمجھنے میں غلطیاں کی ہیں، اسی لیے ان کے عقائد سے بھی غلط فہمیاں پیدا ہوگئی ہیں، وہ وحدت کو کثرت میں ثابت کرنا چاہتے تھے، یعنی مخلوقات کی کثرت سے وحدت حق میں کوئی زیادتی یا کمی نہیں ہوئی، اس لیے ذاتِ باری کو وجودِ مطلق قرار دیا، ان کا مقصد محض اثبات وحدانیت اور کمالِ حق کو ظاہر کرنا تھا۔

حضرت اشرف جہاں گیر سمنانی نے اپنے دعوا کو اس حکایت سے مستحکم کرنے کی کوشش کی ہے کہ دو بزرگوں میں بحث ہو رہی تھی، تو ایک نے کہا کہ میں اس خدا سے بیزار

Marfat.com

ہوں جو کتے اور بلی میں ظاہر ہو، دوسرے نے کہا، میں اس خدا سے بیزار ہوں جو کتے اور بلی میں ظاہر نہ ہو، حاضرین مجلس نے کہا کہ ان دونوں میں سے ایک تو کافر ضرور ہے، مگر ایک کامل نے توجیح کی کہ جس شخص نے کتے اور بلی میں خدا کے ظہور سے انکار کیا، وہ ان جانوروں کی ناپاکی کے سبب سے تھا، پس اس کا مقصود خدائے ناقص سے بیزاری ہے اور جس شخص نے کتے اور بلی میں خدا کے ظہور پر اصرار کیا وہ اس بنیاد پر تھا کہ خدا کا فیض ناقص اور کم نہیں ہوسکتا، پس اس کی بھی بیزاری خدائے ناقص سے ہے، ظاہر ہے ناقص خدا ہونے کے قابل نہیں، لہٰذا ان دونوں میں سے کوئی خدا سے بیزار نہیں ہے اور کافر نہیں ہے۔ (لطائف اشرفی، جلد دوم، لطیفہ ۲۷واں)

حضرت اشرف جہاں گیر سمنانی نے فلسفیانہ طریقہ پر وحدت کی دو قسمیں بتائی ہیں:

(۱) وحدت مطلقہ من حیث الذات والصفات۔

(۲) وحدت مقیدہ من حیث الصفات لا من حیث الذات۔

وحدت مطلقہ میں غیر کا وجود بالکل معدوم ہو جاتا ہے اور وحدت مقیدہ میں مثل کا وجود معدوم ہو جاتا ہے، حضرت اشرف جہاں گیر سمنانی کا عقیدہ یہ تھا کہ جو کچھ ہے خدا ہے، ہمہ اوست، اس کو آیاتِ قرآنی اور احادیث نبوی ﷺ سے ثابت بھی کیا جاتا ہے لیکن ان کو یہ خیال رہا کہ اس قسم کے مباحث میں گمراہی بھی پیدا ہوسکتی ہے، اس لیے اپنی تعلیمات میں اس کی وضاحت کی کہ اولیاء اللہ کی خواہ کوئی قسم بھی ہو، خواہ وہ غوث ہوں یا اوتاد یا ابدال یا احبار، جو کچھ بھی ہوں وہ فنافی اللہ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے، جب تک کہ ظاہراً، باطناً، قولاً، فعلاً اور حالاً محمد مصطفیٰ ﷺ کے متبع نہ ہوں۔ (لطائف اشرفی، جلد اول، ص ۳۵)

وحدت وجود کے بہت بڑے حامی حضرت عبدالقدوس گنگوہی (المتوفی ۹۴۴ھ/ ۱۵۳۷ء) بھی تھے لیکن اس حمایت کے ساتھ کہ ان میں شریعت کی بھی بڑی پابندی تھی، وہ

Marfat.com

اپنے تقویٰ میں ان تمام چیزوں سے پرہیز کرتے جن کی شرعی حیثیت ذرہ برابر بھی مشکوک ہوتی، وہ ایسے قصابوں کا ذبیحہ نہ کھاتے جو نمازی نہ ہوتے تھے، اسی کے ساتھ ان پر اس کا اتنا غلبہ ہوا کہ وہ اس کو جزوایمان سمجھنے لگے، اسی غلبہ میں وہ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''یہ کیسا شور اور کیسا غوغا پھیلا ہوا ہے کہ کوئی مومن ہے کوئی کافر ہے، کوئی اطاعت کرنے والا ہے کوئی گنہ گار ہے، کوئی صحیح راستہ پر ہے کوئی غلط راستہ پر چل رہا ہے، کوئی مسلم ہے کوئی پارسا ہے، کوئی ملحد ہے کوئی ترسا ہے، سب ایک ہی لڑی کے موتی ہیں۔'' (مکتوبات عبد القدوس گنگوہی، ص ۲۰۵)

ان فقروں میں انسانی محبت، اخوت اور وحدت کا بڑا درد بھرا ہوا ہے لیکن راہِ سلوک کی منزلوں کو طے کر کے جس مقام پر حضرت عبد القدوس گنگوہیؒ پہنچ گئے تھے وہاں سے یہ درد بھری آواز نکل کر فضا میں گونجی تو کوئی تعجب کی بات نہیں تھی، حضرت عبد القدوس گنگوہی کی طرح ایسی صدا اٹھانے والے وحدت الوجود کے حامیوں کو پہلے ان ہی کی طرح کتاب، سنت اور شریعت کا پابند بھی ہونا چاہیے۔

لیکن اس کے باوجود حضرت عبد القدوس کو یہ خیال رہا کہ اس قسم کی باتوں کا اظہار مناسب نہیں، اپنے رسالہ غرائب الفوائد میں لکھتے ہیں:

''اہل شریعت کے نزدیک خداوند تعالیٰ اور عالم کی نسبت وہی ہے جو کاتب اور حروف و کلمات کی ہوتی ہے، اہل حکمت کے نزدیک یہ حکمت وہی ہے جو تخم کی نسبت درخت سے ہوتی ہے لیکن اہل وحدت کے نزدیک یہ نسبت وہی ہے جو سیاہی کی نسبت حروف سے ہوتی ہے، حروف سیاہی سے نکلتے ہیں بلکہ یہ عین سیاہی ہیں لیکن حروف کو سیاہی نہیں کہیں گے، اگر کوئی ایسا کہتا ہے تو یہ اس کی غلطی کہی جائے گی، کیوں کہ ان کی ظاہری شکل وصورت مختلف ہے لیکن یہ دیکھا اور سمجھا جاسکتا ہے کہ حروف درحقیقت عین سیاہی ہیں، دیکھ کر سمجھنا تو درست ہے لیکن زبان شرع کی غلام ہے، زبان پر وہی بات لانی چاہیے جو شرع کے مطابق ہے، دل حق کا غلام ہے جو حقیقت ہے، اس

Marfat.com

کو جاننا چاہیے لیکن کہنا نہ چاہیے، جو چیز دانستنی اور دیدنی ہے، وہ گفتنی نہیں ہے، اگر کوئی کہہ دے تو یہ کفر ہوگا، کیوں کہ یہ ربوبیت کے راز کا افشا کرنا ہے اور ربوبیت کے راز کا افشا کرنا کفر ہے، وحدت کا راز یہ ہے کہ سالک صفائی حاصل کرے اور مقام فنا میں پہنچ جائے اور اپنے اور کل کائنات کو نہ دیکھے، اس کے مشاہدہ میں حق کے سوا کچھ اور نہ ہو لیکن اگر وہ پھر اپنے آپے میں ہو جائے اور اس راز کو ظاہر کرے تو یہ سب کے نزدیک کفر ہوگا، وہ اپنے حال کے غلبہ اور نورِ شہود کی سطوت سے مغلوب ہو جاتا ہے اور اپنے آپے میں نہیں رہتا ہے، اس وقت وہ معذور ہو جاتا ہے، اس وقت وہ جو کچھ کہے اس کی گرفت نہ کی جائے:

ہر چہ از دیوانہ آید در وجود عفو فرمایند از دیوانہ زود

لیکن کچھ صوفیہ ایسے بھی ہیں جنہوں نے اس دیوانگی کے جذب و کیفیت کو مستقل ایک مسلک بنا کر تصوف کا رخ ہی موڑ دینے کی کوشش کی، وہ کہتے ہیں کہ جب ہم وحدت سے نکل کر کثرت میں آتے ہیں اور کثرت سے وحدت میں گم ہو جائیں گے تو عذاب و ثواب کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، اس طرح وہ مذہب و ملت، خیر و شر اور ایمان و کفر کی تفریق مٹا دینے کی کوشش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب وہ وحدت میں گم ہو جاتے ہیں تو انا الحق کا نعرہ لگاتے ہیں، ایسی حالت میں اگر ان کے مریدین ان کو سجدہ کریں تو ناجائز نہیں، اس افراتفری میں وہ حسین و جمیل صورتوں کو پسند کرتے اور کہتے کہ حسن و جمال واجب الوجود سے مستعار ہے، اسی لیے حسینوں کی صحبت رسائی حق کی راہ ہے، وہ سادہ رخوں کے رنگ میں اللہ ہی کے ایسا رنگ دیکھتے، حسینوں کے غمزوں اور عشووں کے ذریعہ مجازی عشق سے عشق حقیقی تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھتے۔"

حضرت عبدالقدوس اس افراتفری کو پسند نہیں کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ کی ذات میں تو وحدت ہے لیکن اس کی صفات میں کثرت ہے، اس کثرت میں تضاد بھی پیدا ہو سکتا ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ ہادی بھی ہے اور مضل بھی ہے، اس میں جمال بھی ہے اور جلال بھی، ہادی کی حیثیت سے وہ ہدایت کر سکتا ہے اور مضل کی حیثیت سے ضلالت کی

Marfat.com

راہ پر ڈال سکتا ہے، اس کے جمال کے مظاہرے خیر و ثواب ہیں اور جلال کے مظاہرے سزا و عذاب ہیں لیکن ان صفات کی کثرت سے اس کے وجود کی وحدت میں کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ (غرائب الفوائد، ص ۳۲)

مگر وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جو وحدت الوجود کے ساتھ کفر و اسلام، امر و نہی، ثواب و عذاب، رحم و قہر اور نبوت کے قائل ہیں وہ تو صوفیا ہیں اور جو ان چیزوں کے قائل نہیں ہیں وہ سوفسطائیہ ہیں۔ (غرایب الفواد، ص ۳۴)

علمائے سوفسطائیوں کو بالکل خارج از اسلام سمجھتے اور صرف لا الہ الا اللہ کے ماننے والوں کو مسلمان سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہوتے، جب تک وہ محمد ﷺ رسول اللہ کے بھی قائل نہ ہوتے، وہ توحید اور رسالت دونوں پر یقین کامل رکھنے ہی میں عقیدہ اور ایمان کی سلامتی سمجھتے اور کہتے کہ صوری اور معنوی اخلاق کی درستگی اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ سرورِ عالم ﷺ کی کامل متابعت نہ ہو، اسی متابعت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی قربت کا حاصل ہونا ممکن ہے، وہ انا الحق کہنے والوں کو مرتد و بے دین سمجھتے، اسی لیے ان کے خلاف ہنگامہ کرتے اور سلاطین وقت سے مل کر ان کو قتل یا جلاوطن کروا دیتے۔

علما کبیر داس کی تعلیمات سے بھی چوکنا ہوئے، جو وحدت الوجود کے بہت بڑے علم بردار تھے، کبیر کہتے کہ خالق مخلوق میں ہے اور مخلوق خالق ہے، یہ دونوں الگ الگ نہیں ہیں، ودیا اور گیان نے دوئی کا پردہ ڈال رکھا ہے، اگر جہالت کے بادل چھٹ جائیں اور اہنکار (خودی) کی تاریکی دور ہو جائے تو چشم بینا کو ہمہ اوست کی حقیقت نظر آنے لگے، کہتے ہیں:

खालिक खल्क, खल्क मों खालक

सब धत रहो समाय

(خالق ہے خلق میں اور خلق ہے خالق میں، سبھوں میں وہ سمایا ہوا ہے۔)

Marfat.com

کبیر داس کی ہمہ اوست کی تعلیم کچھ ایسی دل آویز تھی کہ ایک مذہبی گروہ کبیر پنتھی کے نام سے قائم ہو گیا، جس کا مسلک یہ تھا کہ نہ کوئی ہندو ہے نہ مسلمان:

کہے کبیر اک رام جپو رے ہندو ترک نہ کوئی

ظاہر ہے کہ علما ایسے مسلک کو کسی حال میں پسند نہیں کر سکتے تھے، جس میں نہ کوئی ہندو رہے اور نہ کوئی مسلمان۔

آگے چل کر اکبر کا دین الٰہی بھی وحدت الوجود ہی کا کرشمہ تھا، جس کی تعلیم و تلقین سے نہ صرف علما بلکہ مسلمان خواص و عوام بھی چیخ اٹھے اور اکبر سے برگشتہ ہو گئے، وحدت الوجود کے ایسے ہی حامیوں کے نمونے دیکھ کر علما وحدت الوجود کے منکر ہو جاتے اور اس کو کفر اور مذہبی رسوائی سمجھنے لگے۔

لیکن ایسے اسلامی مفکرین جو علما اور صوفیا دونوں کی صفوں میں شامل تھے، وحدت الوجود کو کفر اور رسوائی سمجھنے کے لیے تیار نہ تھے، خصوصاً جب ان کے سامنے حضرت شرف الدین یحییٰ منیری، حضرت اشرف جہاں گیر سمنانی اور حضرت عبدالقدوس گنگوہی کے نمونے موجود تھے، جو عملی طور پر شریعت کی پابندی میں سر مو تجاوز کرنا پسند نہ کرتے اور اسی کے ساتھ وحدت الوجود کے بھی قائل رہے۔

خود حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی (المتوفی ۱۶۲۴ء) شروع میں توحید وجودی کے قائل تھے اور انہوں نے یہ دو بیت اپنے مرشد حضرت خواجہ عبیداللہ کو لکھ بھیجے تھے:

اے دریغا کہ ایں شریعت ملت اعمائی است ملت ما کافری و ملت ترسائی است

کفر و ایماں زلف و روئے آں پری زیبائی است کفر و ایماں ہر دو اندر راہ ما یکتائی است

لیکن وہ کہتے ہیں کہ یہ بیت سراسر حالت سکر میں قلم بند ہوئے تھے، جو مدتوں تک قائم رہی لیکن بعد میں ان کو معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کسی چیز سے متحد نہیں ہے، خدا خدا ہے اور عالم عالم، حق تعالیٰ بے چون و بے چگون ہے، بے چوں کو چوں کا عین نہیں کر سکتے، واجب

Marfat.com

ممکن کا عین اور قدیم حادث کا عین ہرگز نہیں ہوسکتا، اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ توحید وجودی کے مشرب کے مخالف علوم و معارف کے حاصل ہونے کے وقت یہ فقیر بہت بے قرار رہا، کیوں کہ اس توحید سے بڑھ کر اور کوئی اعلا امر نہ جانتا تھا اور عاجزی وزاری سے دعا کرتا تھا کہ یہ معرفت زائل نہ ہوجائے لیکن رفتہ رفتہ سارے حجابات سامنے سے زائل ہوگئے اور کما حقہٗ حقیقت منکشف ہوگئی اور معلوم ہوا کہ عالم ہرچند صفاتی کمالات کا آئینہ اور اسمائے ظہورات کا جلوہ گاہ ہے لیکن مظہر ظاہر کا عین اور ظل اصل کا عین نہیں، جیسا کہ توحید وجودی کا مذہب ہے، پھر وہ لکھتے ہیں کہ محبوب کے سوا کچھ نہ دکھائی دینا تو یہ محبت کا غلبہ ہے لیکن یہ حقیقت نہیں۔ (مکتوب نمبر ۳۱، جلد اول)

حضرت مجدد کے خیالات کا خلاصہ اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ جس مقام پر صوفیوں کو وحدت وجود محسوس ہوتی ہے وہ سلوک کی آخری منزل نہیں بلکہ درمیانی منزلوں کی واردات ہیں، جہاں سالک کو محسوس ہوتا ہے کہ وجود ایک ہے، اس ایک ذات کے سوا کچھ موجود نہیں لیکن جب وہ اس منزل سے آگے بڑھتا ہے تو اس کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ محض وحدت شہود ہے یعنی اس کو ایسا نظر آتا ہے، وحدت وجود نہیں یعنی واقع میں ایسا نہیں ہے، اس وحدت شہود کے مقام کے بعد عبدیت کا مقام آتا ہے، جہاں خالق اور مخلوق کی جداگانہ حقیقتیں روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہیں۔

ان ہی باتوں کو حضرت مجدد نے مختلف طریقوں سے پیش کیا ہے، فرماتے ہیں کہ توحید وجودی علم الیقین ہے اور توحید شہودی عین الیقین ہے، مثلاً کسی کو آفتاب کا علم ہے، تو یہ علم ستاروں کے وجود کو بے وجود نہیں کرسکتا اور جو عین آفتاب کو دیکھتا ہے، اس کی نگاہ حق الیقین میں بھی ستاروں کا وجود نیست و نابود ہوجانا ضروری نہیں، مقام عین الیقین سے حق الیقین میں پہنچنا کوئی تضاد نہیں اور یہ عین علم شریعت ہے۔ (مکتوبات امام ربانی، جلد اول، نمبر ۴۳)

حضرت مجدد الف ثانی سے ان کے ایک مرید نے پوچھا کہ صوفیہ وحدت وجود کے

Marfat.com

قائل ہیں اور علما اس کو کفر و زندقہ جانتے ہیں، اس معاملہ کی حقیقت کیا ہے، اس کے جواب میں حضرت مجدد الف ثانی نے توحید وجودی کے ماننے والوں کے خیالات کی تردید نہیں کی ہے بلکہ ان کے تصورات کی وضاحت بڑی خوبی سے کی ہے، فرماتے ہیں کہ جولوگ وحدت وجود کے قائل ہیں اور اشیا کو عین حق جانتے ہیں اور ہمہ اوست کہتے ہیں، اس سے ان کی مراد یہ نہیں کہ اشیا حق تعالیٰ کے ساتھ متحد ہیں، اگر ان میں سے کوئی ایسا سمجھتا ہے تو یہ کفر، الحاد، زندقہ اور گمراہی ہے کیوں کہ واجب ممکن نہیں ہوسکتا اور ممکن واجب نہیں ہوسکتا، ہمہ اوست کے معنی یہ ہیں کہ اشیا نہیں ہیں، حق تعالیٰ موجود ہے، منصور نے جو انا الحق کہا اس کی مراد یہ نہیں کہ میں حق ہوں اور حق کے ساتھ متحد ہوں، یہ کہنا کفر ہے اور اس سے قتل واجب ہو جاتا ہے، منصور کے قول کے معنی یہ ہیں کہ میں نہیں ہوں حق تعالیٰ موجود ہے، صوفیہ دراصل اشیا کو حق تعالیٰ کے ظہورات جانتے ہیں اور ان کو حق تعالیٰ کے اسما اور صفات سمجھتے ہیں، اشیا حق تعالیٰ سے وہی نسبت رکھتے ہیں جو آدمی کے ساتھ اس کا سایہ رکھتا ہے، کسی آدمی کے سایہ کو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ آدمی کے ساتھ متحد ہے، سایہ آدمی کی اصل کو بدلتا نہیں ہے، وہ محض آدمی کا ظہور ہے، اسی طرح صوفیہ کے نزدیک اشیا، حق تعالیٰ کے ظہورات ہیں نہ کہ عین حق ہیں، اسی لیے ہمہ اوست کے معنی ہمہ از اوست ہیں، جیسے سایہ آدمی سے ہے نہ کہ عین آدمی ہے، ہمہ اوست کو علما بھی تسلیم کرتے ہیں، اس صورت میں صوفیہ اور علما میں کوئی اختلاف باقی نہیں رہتا۔ (مکتوبات امام ربانی، جلد دوم، نمبر ۴۴)

ان مباحث سے اندازہ ہوگا کہ حضرت مجدد الف ثانی بنیادی طور پر وحدت الوجود کے منکر نہیں، اس کی غلط تعبیر کو غلط سمجھتے ہیں، اسی لیے انہوں نے غلط تعبیر کی غلطیوں کو واضح کرنے کی کوشش کی، انہوں نے شیخ ابن العربی کے بعض خیالات سے اختلاف ضرور کیا ہے مثلاً ایک خط میں لکھتے ہیں "شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متبعین کہتے ہیں کہ اسما و صفات حق تعالیٰ کے عین ذات ہیں" لیکن حضرت مجدد ذات و صفات کے اتحاد

Marfat.com

کے قائل نہیں، وہ کہتے ہیں جب کسی شخص کے سایہ کو عین شخص نہیں کہہ سکتے تو مخلوق کو خالق کے ساتھ کیسے ملا سکتے ہیں، یا مخلوق کا خالق کے ساتھ حلول و اتحاد کیسے قائم کر سکتے ہیں، خالق واجب ہے اور مخلوق ممکن ہے، واجب اور ممکن دونوں کو ایک کہنا حق سے بہت دور ہے، خالق باقی ہے مخلوق فانی ہے، دونوں کو ایک جاننا نادانی ہے۔ (جلد دوم، مکتوب نمبر ۱)

اسی خط میں وہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ واجب سراسر خیر ہے اور ممکن ہر نقصان و شر سے پر ہے، اس لیے خیر و شر کا ملانا صحیح نہیں۔

وہ رسول اللہ ﷺ کی محبت میں سرشار رہے لیکن وہ آپ ﷺ کو حادث اور ممکن ہی سمجھتے رہے اور آپ ﷺ کو واجب الوجود اور مقام الوہیت میں شریک دایہ بنانے کے بالکل قائل نہیں، چنانچہ لکھتے ہیں کہ شیخ محی الدین ابن عربی نے حقیقت محمدی اور تمام حقائق کو اعیان ثابت کیا ہے، تو میں نہیں جانتا کہ ان کو وجوب کا حکم کیسے دیا، ان کا یہ کہنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کے خلاف ہے، وہ ایک دوسرے مکتوب (جلد دوم، نمبر ۴۵) میں پھر لکھتے ہیں کہ ذات صرف حق تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص ہے، ان کی ذات سے صفات اور تمام عالم قائم ہیں، اسی سلسلہ میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ کہا ہے کہ تمام عالم آن واحد میں معدوم ہو جاتا ہے اور آن واحد میں موجود ہو جاتا ہے، تو یہ حال شہودی ہے جو سلوک کی راہ میں پیش آتا ہے، سالک پر جب انوار فنا صادر ہوتے ہیں تو اس کے علم میں جہان نیست و نابود ہو جاتا ہے اور جس وقت یہ حالت فنا دور ہو جاتی ہے تو عالم کو موجود پاتا ہے، جب فنا کمال کو پہنچ جاتی ہے تو کل عالم کو اور ذات حق کو باقی پاتا ہے اور پھر جب وہ مقام فنا سے مقام بقا میں آتا ہے تو پھر وجود عالم کو کبھی دیکھتا ہے اور کبھی معدوم پاتا ہے اور جب مقام بقا کی تکمیل ہو جاتی ہے تو تمام عالم کو مستقل قائم پاتا ہے، یہ فنا بقا خود سالک کے علم کی فنا و بقا ہے اور نہ حقیقتہً جہاں کی، یعنی وہ ایسا محسوس کرتا رہتا ہے، ممکن مع اپنے اجزا کے ممکن ہے، ممکن کی حقیقت کے لیے کبھی وجوبی تعین نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ شیخ محی الدین ابن

Marfat.com

عربی رحمۃ اللہ علیہ کو معاف فرمائے کہ انہوں نے ممکن کو بھی قدیم میں ملا لیا ہے، اصل میں اللہ تعالیٰ کا کوئی ظل نہیں، کیوں کہ ظل مثل سے پیدا ہونے کا وہم ہوتا ہے۔ (دفتر سوم، مکتوب نمبر ۱۳۲)

حضرت مجدد، شیخ ابن عربی سے اختلاف ضرور کرتے ہیں لیکن ان کے ذکر میں ادب کا لحاظ رکھتے ہیں، ان کے نام کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ بھی لکھتے ہیں بلکہ ایک مکتوب میں ان کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''مسئلہ توحید متقدمین صوفیہ میں صاف اور واضح نہیں ہوا، ان میں جو کوئی مغلوب الحال ہو جاتا تھا، اس سے اتحاد نما توحیدی کلمات سرزد ہو جاتے تھے اور غلبہ سکر کے باعث اس کے سر کو نہ پا سکتے تھے اور حلول و اتحاد کی آمیزش کو پھیر نہ سکتے تھے، جب شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ تک نوبت پہنچی تو انہوں نے کمال معرفت سے اس دقیق مسئلہ کی شرح کی، اس کو بابوں اور فصلوں میں تقسیم کر کے صرف و نحو کی طرح جمع کیا، اس کے باوجود اس طائفہ میں کچھ لوگوں نے ان کی مراد کو نہ سمجھ کر اس کو ان کی خطا قرار دیا اور ان پر طعن و ملامت کی لیکن اس مسئلہ کی اکثر تحقیقات میں شیخ حق پر ہیں اور ان پر طعنہ کرنے والے دور از صواب ہیں، اس مسئلہ کی تحقیق سے شیخ کی بزرگی اور ان کے علم کی زیادتی معلوم ہوتی ہے، ان کا رد نہ کرنا چاہیے اور نہ ان پر طعن کرنا چاہیے۔'' (مکتوبات جلد سوم، نمبر ۸۹)

حضرت مجدد الف ثانی وحدت الوجود کے مسئلہ سے نہیں بلکہ اس کے ان مدارج سے اختلاف کرتے ہیں، جن میں شریعت کا دامن چھوٹ جانے کا احتمال یا خطرہ پیدا ہوتا ہے، کیوں کہ ان کے نزدیک اصل چیز شریعت ہے، وہ ایسے تصوف کو ضلالت سے تعبیر کرتے ہیں جس میں شریعت کی خلاف ورزی ہوتی اور ایسے احوال و کیفیات کو جو نامشروع طریقہ پر مرتب ہوتے ہیں، استدراج کہتے ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ شریعت کو اپنی جگہ پر قائم رکھ کر حقیقت کو طلب کرنا بہادروں کا کام ہے۔ (جلد اول، مکتوب ۴۳)

حضرت مجدد کا یہ کارنامہ ہے کہ انہوں نے علما کو تو یہ سمجھایا کہ اگر وحدت الوجود کی تصریح صحیح طور پر کی جائے تو یہ گم رہی نہیں اور صوفیہ کو یہ سمجھایا کہ اگر علوم لدنیہ کی مطابقت

Marfat.com

علوم شرعیہ سے نہیں تو ایسے تمام علوم کا حاصل کرنا الحاد اور بے دینی ہے، جو شخص باطن کو درست کرتا ہے اور ظاہر کو یوں ہی چھوڑ دیتا ہے تو وہ قابل تقلید نہیں اور جو عارف شرعی احکام کی پابندی کو ضروری نہیں سمجھتا وہ جاہل ہے۔ (جلد اول، مکتوب ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۸، ۴۰، ۴۱)

شیخ محب اللہ الٰہ آبادی (المتوفی ۱۰۵۸ھ/ ۱۶۴۸ء) بھی وحدت الوجود کے قائل تھے، انہوں نے شیخ ابن عربی کی فصوص الحکم کی شرحیں فارسی اور عربی دونوں میں لکھیں، اس میں وہ لکھتے ہیں کہ شیخ ابن عربی شریعت محمدی ﷺ کے پابند رہے، کیوں کہ شیخ ابن عربی فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو ان لوگوں میں شامل کرے جن کے قدموں کو امواجِ شریعت مطہر محمدی ﷺ نے زنجیروں میں مقید کر رکھا ہے اور وہ کسی حال میں شریعت سے باہر نہیں ہوتے ہیں، اس قول کو نقل کر کے شیخ محب اللہ الٰہ آبادی لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ قدس سرہ کے اس قول سے ظاہر ہے کہ وہ شریعت کی خلاف ورزی نہیں کرتے تھے اور نہ کوئی بات اس کے خلاف کہی ہے، فصوص الحکم میں بھی انہوں نے کوئی بات شریعت کے خلاف نہیں کہی ہے، اگر کوئی محجوب اس سے واقف نہیں ہے اور وہ اس کے سمجھنے سے محروم رہتا ہے تو:

محجوب راند شیخ چہ ازغے نصیب نیست

پھر شیخ محب اللہ الٰہ آبادی یہ بھی لکھتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے سمعاً اور طاعۃً شریعت کو قبول کیا ہے اور دوسروں کو بھی رسول اللہ ﷺ کے رتبۂ جلال و کمال کو بتا کر شریعت کی طہارت و پاکیزگی سے آگاہ کیا ہے اور ان کو خبث نفس اور خواہشاتِ نفسانی سے نجات دلائی ہے۔ (افادات شیخ محب اللہ الٰہ آبادی، الٰہ آباد ایڈیشن، ص ۷۱-۷۰)

خود شیخ محب اللہ الٰہ آبادی شریعت کے بڑے پابند رہے، ان کا شمار صرف صوفیہ کے گروہ ہی میں نہیں بلکہ جید علما میں بھی کیا جاتا ہے، چنانچہ تذکرۂ علمائے ہند کے مصنف نے لکھا ہے کہ:

''دانش مند متبحر از مشاہیر علمائے صوفیہ در علوم ظاہر و باطن سرخیل مثال واقران خود

Marfat.com

بود۔'' (ص ۱۷۷)

مآثر الامرا کے مصنف نے بھی ان کے بارے میں لکھا ہے کہ:

عالم است تعلیم ظاہر و باطن

لیکن علمائے ظاہر مسئلہ وجود کو شک کی نظر سے دیکھنے کے عادی تھے، اس لیے شیخ محب اللہ الہ آبادی کے رسالہ تسویہ کی بعض عبارتوں پر معترض ہوئے، ان کے وصال کے بعد اورنگ زیب عالم گیر کی توجہ ایسی عبارتوں کی طرف دلائی گئی جو اسلامی عقائد کے خلاف تھیں، شیخ محب اللہ کے دو مرید پایہ تخت دہلی میں موجود تھے، ان میں سے ایک شیخ محمدی تھے، اورنگ زیب نے ان کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر آپ شیخ محب اللہ الہ آبادی کی مریدی کا دعوا کرتے ہیں تو ان کے رسالہ کے مقدمات کو شرعی احکام کے مطابق بتائیں، ورنہ ان کی مریدی سے استغفار کریں اور کتاب کو آگ میں ڈال دیں، شیخ محمدی نے جواب دیا کہ مجھ کو حضرت شیخ کی مریدی سے استغفار کرنے کی ضرورت نہیں لیکن جس مقام سے شیخ نے گفتگو کی ہے، مجھے وہاں تک رسائی حاصل نہیں، جس وقت میں اس رتبہ پر پہنچ جاؤں گا تو آپ کے کہنے کے بموجب اس کی شرح لکھ بھیجوں گا، اگر آپ نے اس رسالہ کو جلانے کا فیصلہ کرلیا ہے تو اس فقیر کے گھر سے کہیں زیادہ شاہی مطبخ میں آگ موجود ہے، اورنگ زیب اس جواب کو سن کر خاموش ہو گیا۔ (مآثر الامرا، جلد سوم، ص ۲۰۷-۲۰۶)

دارا شکوہ شیخ محب اللہ الہ آبادی کا بڑا معتقد رہا اور انہوں نے اس کو یہ نصیحت کی تھی کہ رفاہیت خلق خدا کے بارے میں حکام کو تفریق نہیں کرنی چاہیے، کیوں کہ مومن کافر سب ہی خدا کے پیدا کیے ہوئے ہیں، یہ ایک نصیحت ہے جس کا تعلق مذہبی عقیدہ یا توحید وجودی سے نہیں لیکن دارا شکوہ نے توحید وجودی کو ایک دوسرے رنگ میں پیش کرنا شروع کیا، اس نے اپنے رسالہ ''حسنات العارفین'' میں یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ توحید معرفت کے منازل و مدارج میں ایک ایسا مقام بھی آتا ہے جب کہ ایک سالک شریعت، کفر،

Marfat.com

ایمان، خیر وشر، عبد ومعبود سے بالکل بے نیاز ہو جاتا ہے اور بے خودی میں اس کی زبان سے ایسے کلمات نکلتے ہیں یا اس سے ایسی حرکات سرزد ہوتی ہیں جو بظاہر شریعت و ایمان کے منافی ہوتے ہیں لیکن وہ قابل مواخذہ نہیں، حضرت عبدالقدوس گنگوہی کے یہاں بھی اسی قسم کے بیانات کا ذکر پہلے آچکا ہے لیکن دارا ان ہی کی طرح شریعت کا پابند ہو کر اپنی زندگی گزار دیتا تو شاید وہ بھی اولیاء اللہ میں شمار کر لیا جاتا لیکن اس نے وحدت الوجود ہی کے نشہ میں سرشار ہو کر اپنے کو بششٹ اور رام چندر کا چیلہ قرار دے کر اسلام اور ہندو مذہب کا ایک مجمع البحرین تیار کرنے کی کوشش کی، ظاہر ہے کہ وہ علما جو کتاب وسنت کی جلد تقلید کے قائل ہیں، ایسی باتوں کو کسی حال میں پسند نہیں کر سکتے ہیں۔

حضرت سرمد (المتوفی ۱۰۶۹ھ/ ۱۶۵۸ء) کی ذات میں بڑی دل آویزی ہے، ان کی رباعیاں آج بھی شوق سے پڑھی جاتی ہیں، وہ بھی وحدت الوجود کے قائل تھے، وہ جب کلمہ پڑھتے تو اس کا صرف ایک جز یعنی لا الٰہ پڑھتے تھے، علما معترض ہوئے، ان کو اورنگ زیب عالم گیر کے دربار میں طلب کر کے کلمہ پڑھنے کو کہا گیا تو حسب عادت صرف ایک جز یعنی لا الٰہ پڑھا، جب اس کا دوسرا جز الا اللہ پڑھنے کو کہا گیا تو انہوں نے کہا کہ میں ابھی نفی میں مستغرق ہوں، مرتبۂ اثبات پر نہیں پہنچا ہوں، پھر جھوٹ کیسے کہوں، علما نے کہا، ایسا کہنا کفر ہے، اگر کہنے والا توبہ نہ کرے تو واجب القتل ہے اور ان کے قتل کا فتویٰ صادر کر دیا گیا، علما کا خیال ہے کہ اگر الا اللہ سے کسی کو انکار ہے تو وہ اسلام کی بنیاد پر ضرب کاری لگاتا ہے، اسی لیے وہ وحدت الوجود کے حامیوں سے بدظن رہے کہ ان سے کتاب وسنت کا دامن چھوٹ جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔

عالم گیری عہد میں برہان پور میں ایک بزرگ شیخ برہان تھے، ان کے مریدین وحدت الوجود کے نشہ میں سرشار ہو کر ان کو خدا کہتے رہتے لیکن شیخ برہان عالم باعمل تھے، اس لیے وہ اپنے ایسے مریدوں کو فاسد سمجھتے، ان کو توبہ کرنے کو کہتے، ان پر شرعی احکام جاری

Marfat.com

کرتے اور وہ توبہ کر کے باز نہ آتے تو شریعت کے بموجب ان کو قتل کرا دیتے۔ (منتخب اللباب، جلد۲، ص۵۵۴)

علما وحدت الوجود کے ایسے حامیوں پر لعنت بھیجتے اور اس مسئلہ کا جو روشن پہلو ہے اس کو بھی سننے کے لیے تیار نہ ہوتے۔

شاہ ولی اللہ کے والد بزرگ وار شاہ عبد الرحیم رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۱۳۱ھ/۱۷۱۸ء) بھی وحدت الوجود کے حامی تھے، انہوں نے فصوص الحکم کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور اس کو قرآنی آیتوں اور حدیثوں کے مطابق قرار دیتے تھے لیکن یہ بھی فرماتے تھے کہ اس مسئلہ کو جو لوگ صحیح طور پر نہیں سمجھ سکتے ہیں، وہ الحاد و زندقہ کے بھنور میں ڈوب جاتے ہیں اور وہ کسی حال میں یہ پسند نہ کرتے تھے کہ وحدت الوجود کے قائل ہونے کے بعد شریعت کی پابندی نہ کی جائے اور خود انہوں نے اس کا عملی نمونہ بھی پیش کیا، شریعت محمدی ﷺ کا اتباع ان کی جبلی عادت تھی، ان کی نماز با جماعت فوت نہیں ہوئی، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا دامن ہر شکل میں تھامے رہتے۔ (انفاس العارفین)

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۳ء) نے اپنے والد بزرگ وار کے خیالات سے متاثر ہو کر وجود و شہود پر بڑی اچھی بحث کی ہے، جس میں یہ بتایا ہے کہ شیخ محی الدین ابن اکبر کا وحدت الوجود اور حضرت مجدد الف ثانی کا وحدت الشہود ایک ہی شے کے دو نام ہیں، وجود و شہود محض نزاع لفظی ہے، ان میں مطابقت ہے مخالفت نہیں، شاہ ولی اللہ اپنے مکتوب مدنی میں وحدت الوجود اور وحدت شہود کو پہلے اچھی طرح سمجھاتے ہیں: (ماخوذ از مکتوب مدنی شائع کردہ ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور)

''وحدت وجود اور وحدت شہود دو لفظ ہیں، جن کا اطلاق در اصل مختلف معانی پر ہوتا ہے، کبھی کبھی ان کا استعمال سیر الی اللہ کے مباحث میں ہوتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں سالک وحدت الوجود کے مقام پر فائز ہے اور فلاں وحدت شہود پر جاگزیں ہے، اس سیاق میں وحدت الوجود کے معنی

Marfat.com

ایسے شخص کے ہوں گے جو حقیقت جامع کی تلاش و عرفان میں گم اور مستغرق ہے۔ استغراق کا یہ وہ مقام ہے جہاں یہ عالم رنگ و بو اپنے تمام امتیازات کے ساتھ فنا کے گھاٹ اتر جاتا ہے اور تفرقہ و امتیاز کے وہ سارے احکام ساقط ہو جاتے ہیں جن پر خیر و شر کی معرفت کا دارومدار ہے اور شرع و عقل جس کی پوری پوری نشان دہی کرتی ہے، سیر و سلوک کا یہ مقام محض عارضی ہوتا ہے، سالک چندے یہاں ٹھہر جاتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی دست گیری اور توفیق اس کو جلد ہی اس مقام سے نکال لے جاتی ہے، اس طرح وحدت شہود کے معنی اس سیاق میں یہ ہوں گے کہ سالک ایسے مقام پر متمکن ہے جہاں احکام جمع و تفرقہ کے ڈانڈے باہم ملے ہوتے ہیں، یعنی سالک اس حقیقت کو پالینے میں کام یاب ہو گیا ہے کہ اشیا میں جو وحدت سی نظر آتی ہے، من وجہ ہے اور کثرت جو اس کے متبائن محسوس ہوتی ہے، وہ بھی من وجہ ہے، معرفت و سلوک کا یہ مقام پہلے مقام سے نسبۃً زیادہ اونچا ہے۔''

اس کے بعد شاہ ولی اللہ اس کی بحث کرتے ہیں کہ آخر وحدت وجود اور وحدت شہود میں قدیم و حادث کا ربط و تعلق کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ وحدت وجود کے ماننے والے تو یہ کہتے ہیں کہ اس عالم کی تہ میں ایک ہی حقیقت جاری و ساری ہے، مثلاً موم سے انسان، گھوڑے اور گدھے کی صورتیں بنائی جائیں تو یہ سب اگرچہ رنگ و روپ میں مختلف ہوں مگر اصل کے لحاظ سے ایک ہی قرار دیا جائے گا، وحدت شہود کے ماننے والے اس عالم کو خداوند تعالیٰ کی صفات کا عکس اور سایہ سمجھتے ہیں، جو اس کے آئینہ میں ارتسام پذیر ہوتے ہیں، اس کے بعد شاہ ولی اللہؒ یہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ وحدت شہود کی اس توجیہ کی تائید شیخ ابن العربی کے اقوال سے نہیں ہو پاتی لیکن شاہ صاحب کہتے ہیں کہ یہ سراسر سہو ہے، وحدت شہود کے ماننے والے وجود حقیقی کے ساتھ وجود امکانی کو بھی تسلیم کرتے ہیں اور وحدت وجود کے ماننے والے وجود حقیقی کے قائل ہیں، وجود امکانی میں ضعف و نقص ہوتا ہے اور وجود حقیقی کامل اور قوی ہے، اس لیے وجود امکانی عدم ہو کر وجود حقیقی کا جز ہو جاتا ہے، پھر یہ کہنا کہ حقائق ممکنات دراصل عکوس و ضلال ہیں جو اعدام متقابلہ میں ارتسام پذیر ہوتے ہیں، کسی طرح

Marfat.com

بھی شیخ ابن العربی کی تصریحات کے خلاف نہیں، پھر شاہ ولی اللہؒ یہ کہتے ہیں کہ باقی رہی یہ بات کہ حضرت مجدد نے شیخ ابن العربی اور اس کے بعض اتباع کے اقوال کو اپنے وجدان کے خلاف محسوس کیا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، یہ ایک ایسی لغزش ہے جس کا کشف کی لغزش سے کوئی تعلق نہیں اور پھر جہاں تک اس طرح کی چھوٹی چھوٹی لغزشوں کا تعلق ہے، ان سے محفوظ بھی کون رہ سکتا ہے، اس لیے ان لوگوں کے مقام بلند میں ہرگز کوئی فرق نہیں پڑتا۔

شاہ ولی اللہؒ وحدت وجود اور وحدت شہود کو ایک ہی چیز سمجھتے تھے، اس لیے وہ اپنے چچا شاہ ابوالرضا کو جہاں وحدت الوجود کا شہسوار کہا ہے، وہاں ان کو امام ارباب معرفت وشہود بھی لکھا ہے، شاہ ابوالرضا وجود وشہود کے قائل ہونے کے ساتھ ہی شریعت کے بھی بڑے پابند رہے اور اپنے تمام چھوٹے بڑے کاموں میں اس کا پورا لحاظ رکھتے، حتیٰ کہ سنت نبوی ﷺ کی پیروی میں جب مسجد کے قریب پہنچتے تو کھڑے ہوجاتے، پہلے بایاں پاؤں جوتے سے نکالتے پھر دایاں پاؤں بڑھا کر مسجد میں داخل ہوتے۔

شاہ ولی اللہؒ انفاس العارفین میں ان کے بہت سے ملفوظات کفر وشرک درج کیے ہیں، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ وحدت الوجود کے قائل ہونے کے ساتھ ہی کفر وایمان، عذاب وثواب، خیر وشر کی تفریق کا مٹانا پسند نہیں کرتے تھے، وہ دنیا کے فسق وفجور اور نجاستوں کو اوصاف عالم سمجھتے اور ان کو عالم کے تعینات اور صور مبدلہ قرار دیتے، وجود حقیقی کو اس سے منزہ تصور کرتے۔

شیخ ابوالرضا نے یہ بھی فرمایا کہ جاہل صوفی باکمال صوفیوں کی باتیں سمجھ نہیں پاتے تو ان کے معنی کچھ اور بتاتے رہتے ہیں۔

شاہ ولی اللہؒ کے بڑے صاحب زادے شاہ عبد العزیز (المتوفی ۱۲۳۹ھ) بھی وحدت الوجود کے قائل رہے، ان کے زمانہ میں علاقہ سرسہ حصار کے مولانا نور محمد نے

Marfat.com

قائلین توحید وجودی پر کفر کا فتویٰ دیا، توحید وجودی کے حامیوں نے اس کا جواب دیا، آخر میں شاہ عبدالعزیز کو حکم بنایا گیا کہ وہ اپنا فیصلہ دیں، ان کا فیصلہ ایک رسالہ کی صورت میں شائع کر دیا گیا ہے، جس کے آخر میں وہی ساری باتیں ہیں جو شاہ ولی اللہ کے مکتوب مدنی میں ہیں، اس کے اقتباس سے مطلب کچھ اور واضح ہو جائے گا، اس لیے ہم اس کو ذیل میں درج کرتے ہیں:

''جمہور حضرات صوفیائے کرام وحدت الوجود کے اس وجہ سے قائل ہیں کہ چشم باطنی اور نظر کشفی سے ان کو یہی تحقیق ہوا ہے کہ وجود حقیقی ایک ہی ہے اور وہی واجب الوجود ہے، اس کے ماسوا جو کچھ دنیا میں ہے وہ اس کے ظلال اور عکوس ہیں اور اس کشف وجود حقیقی کے واحد ہونے میں کسی بزرگ کو اولیاء اللہ میں سے خواہ کسی خاندان میں سے ہوں، اختلاف نہیں، وجود ایک ہی ہے، اس کے سوا جو کچھ ہے وہ عدم ہے، تمام ممکنات فی نفس الامر نظر کشفی اولیائے کرام میں اعدام ہیں، مگر بوجہ کمال صفت حضرت رب العزت یہ اعدام گویا شیشے ہیں، جن میں آفتاب وجود حضرت رب معبود کا عکس نمایاں ہے، جو شیشہ صاف اور پاک ہے اور سیدھا ہے، عکس صحیح نظر آتا ہے اور اگر شیشہ میلا یا ٹیڑھا ہے، یا بالکل تاریک ہے، اسی کے موافق حق کا ظہور اس میں ہے اور اس عکس کا صحیح نظر آنا دو امر پر موقوف ہے، پہلے قلب کے تصفیہ پر کہ دل کو ماسوائے اللہ سے تعلق نہ رہے اور طالب عاشق اللہ کے ذکر میں ایسا مصروف ہو کہ اپنے آپ کو بھول جائے، دوام حضور حاصل ہو جائے، دوسرے نفس کا تزکیہ یعنی اخلاق رذیلہ اور عادات قبیحہ سے نفس پاک ہو جائے اور ترقی کر کے مقامات فنا اور مراتب بقا کو طے کرے اور یہ دونوں امر تصفیہ اور تزکیہ، ریاضت شاقہ اور کامل مجاہدہ پر موقوف ہیں، فرمایا اللہ کریم نے وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا یعنی جو اشخاص ہمارے راستہ میں مجاہدہ کرتے ہیں، ہم ان پر اپنے راستے کھول دیتے ہیں، ریاضت اور مجاہدہ مورث مشاہدہ اور موجب نجات سرمدیہ اور باعث حصول ابدیہ اسی وقت ہو سکتا ہے کہ شرع شریف کے اتباع کے موافق کیا جائے، اگر معاذ اللہ اتباع ظاہری و باطنی شرع شریف میں لاپرواہی ہے تو پھر دھوکا ہے، لہٰذا طالب خدا کو ریاضت موافق

Marfat.com

اتباع شریعت وطریقت اختیار کر کے کشود کار کا امیدوار رہنا چاہیے:

تو مگو مارا بداں شہ بار نیست با کریماں کارہا دشوار نیست

طالب کو ابتدا میں نام خدا لینے سے ذوق اور حلاوت دل میں پیدا ہونی شروع ہوتی ہے، پھر اگر توفیق ایزدی رفیق حال اس کے ہے اور مرشد کامل کا سایہ سر پر اس کے ہے تو ذوق کے بعد شوق اور شوق کے پیچھے محبت اور محبت کمال پر پہنچنے سے عشق کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے، عشق کی تعریف میں لکھا ہے کہ عشق ایک آگ ہے کہ مطلوب کے سوا اور تمام اشیا کو جلا دیتی ہے، اسی آگ کے شعلہ زن ہونے پر توحید کا مقام کھلتا ہے اور مطلوب ہی مطلوب نظر آتا ہے۔" (رسالہ فیصلہ شاہ صاحب دہلوی، محمود پریس، حیدرآباد دکن، ص ۲۲-۱۹)

شاہ ولی اللہؒ اور ان کے خاندان والوں نے وحدت وجود اور وحدت شہود کے جھگڑے کو مٹا دینے کی کوشش کی لیکن آگے چل کر کچھ ایسے صوفیہ بھی ہوئے جو شاہ ولی اللہ کی تطبیق سے مطمئن نہ تھے، ان ہی میں مرزا مظہر جان جاناں اور ان کے مریدین تھے، مرزا مظہر جان جاناں حضرت مجدد الف ثانی کے نظریوں کے حامی تھے اور انہوں نے کلمات طیبات میں ان کے بہت سے اشکال کو صاف کرنے کی کوشش کی ہے۔ (کلمات طیبات، مکتوب ششم، ص ۲۷، مکتوب ہفتم، ص ۲۸ مکتوب ہشتم، ص ۲۹، مکتوب نہم، ص ۳۰)

ان کے مرید مولانا غلام یحییٰ نے حضرت مجدد الف ثانی کی حمایت میں ایک رسالہ کلمات الحق لکھا، جس پر حضرت مرزا مظہر جان جاناں نے ایک تقریظ بھی لکھی، اس میں مولانا غلام یحییٰ لکھتے ہیں کہ وحدت وجود اور وحدت شہود کے درمیان کوئی تطابق ممکن نہیں، کیوں کہ وحدت وجود کی بنیاد عالم اور موجد عالم کے مابین عینیت پر ہے اور وحدت شہود کی رو سے واجب اور ممکن کے درمیان غیریت محض ہے۔

میر درد نے بھی واردات درد میں وحدت وجود اور وحدت شہود پر بحث کی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ کل من عند اللہ کے مطابق ہمہ از دست کی تصدیق وحی سے ہوتی ہے، اس لیے

Marfat.com

ہمہ اوست غلط ہے اور ہمہ از دست صحیح ہے، نتیجہ یہ ہے کہ وحدت الوجود کا عقیدہ نفس الامر کے اعتبار سے باطل ہے، وحدت شہود حق ہے لیکن کیفیت اور حال کے اعتبار سے دونوں کا مقصد ایک ہی ہے، یعنی قلب کا ماسوا کی گرفتاری سے آزاد کرنا۔

مولانا حاجی شاہ امداد اللہ چشتی صابریؒ (التوفی ۱۳۱۷ھ) بھی وحدت الوجود کے قائل تھے اور فرماتے کہ اس مسئلہ کو جس وضاحت کے ساتھ شیخ ابن عربی قدس اللہ سرہ نے سمجھایا اس کا احسان موحدوں پر قیامت تک رہے گا لیکن ان کو سمجھنے میں جو خطرات پیدا ہوتے ہیں، اس کا ذکر بھی ایک روایت بیان کر کے کیا ہے، جو یہ ہے کہ شیخ ابن عربی کے معاصر اور ہم وطن شیخ شہاب الدین سہروردیؒ بھی تھے، ان سے لوگوں نے شیخ ابن عربی کے بارہ میں پوچھا تو فرمایا کہ وہ زندیق ہیں، لوگوں کو ان کی صحبت سے احتراز کرنا چاہیے لیکن جب شیخ ابن عربی کی وفات ہوئی تو لوگوں نے شیخ شہاب الدین سہروردی سے ان کی آخرت کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ قطب الوقت کا انتقال ہو گیا، جو ولی اللہ تھے، یہ سن کر لوگوں کو تعجب ہوا اور کہا کہ آپ نے تو ان کو زندیق قرار دیا تھا اور ہم لوگوں کو ان سے استفادہ کرنے میں محروم رکھا، یہ سن کر حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے فرمایا، وہ ولی اور واصل بحق ضرور تھے لیکن جذبۂ قوی رکھتے تھے، وہ مقرب بارگاہ بھی تھے لیکن قابل اتباع نہ تھے، اپنے آخر زمانہ میں مجذوب ہو گئے تھے، ان کی زبان افشائے اسرار میں بے اختیار ہو گئی تھی، اگر تم لوگ ان کی صحبت میں پہنچ جاتے تو گم راہ ہو جاتے، کیوں کہ وہ غلبۂ حال میں کچھ ایسی باتیں کہہ جاتے تھے جو تمہاری سمجھ میں نہیں آتیں، عوام کو ان سے نقصان پہنچتا۔ (رسالہ در بیان وحدت الوجود از مولانا امداد اللہ فاروقی چشتی صابری، ص ۲)

وحدت وجود اور وحدت شہود کی بحثیں ضرور ہوتی رہیں لیکن ان کا تعلق دراصل کشف و وجدان، غلبۂ احوال اور محبت الٰہی کے مدارج سے رہا، وجود یا شہود کا احساس محض ایک کیفیت ہے، ایک حال ہے، اس کو اصلیت سے ہٹا کر مسلک یا عقیدہ بنانا صحیح نہیں اور

Marfat.com

یہی تمام اکابر کا بھی مسلک رہا، ان پر ان کے ذوق و وجدان سے عشق الٰہی کا جتنا غلبہ اور استیلا ہوتا اتنا ہی وہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے تصور سے مست رہتے لیکن اس شدت عشق میں ایمان و کفر، ہدایت وضلالت، نیکی و بدی، ثواب و عذاب کی تفریق مٹا دینے کے قائل نہ تھے، وحدت الشہود کے علاوہ وحدت الوجود کے اکابر صوفیہ کا بھی یہ مسلک رہا کہ کتاب وسنت اور شریعت کی خلاف ورزی کسی حال میں بھی نہ ہو، اگر کوئی ان کے کسی فعل کو بھی غیر شرعی سمجھتا تو یہ اس کی فہم کا قصور ہوتا اور اگر کسی وحدت الوجود کے حامی کا کوئی فعل واقعی غیر شرعی ہو جاتا تو پھر اس کا مسلک غیر اسلامی وحدت الوجود کا ہو جاتا، اس کا وحدت الوجود اسلامی باقی نہیں رہتا، اسلامی وحدت الوجود کو ہر حال میں اسلامی رہنا ضروری ہے۔

Marfat.com

Bazm-e-Sufia

Sayyed Sabahuddin Abdurrahman

Darul Musannefin, Shibli Academy
Azamgarh, U.P. 276001
Ph. 05462-265080, 265017
www.shibliacademy.org
E-mail: shibli_academy@rediffmail.com

ISBN 938010475-6
9789380104751
Price ₹ 300.00

Marfat.com